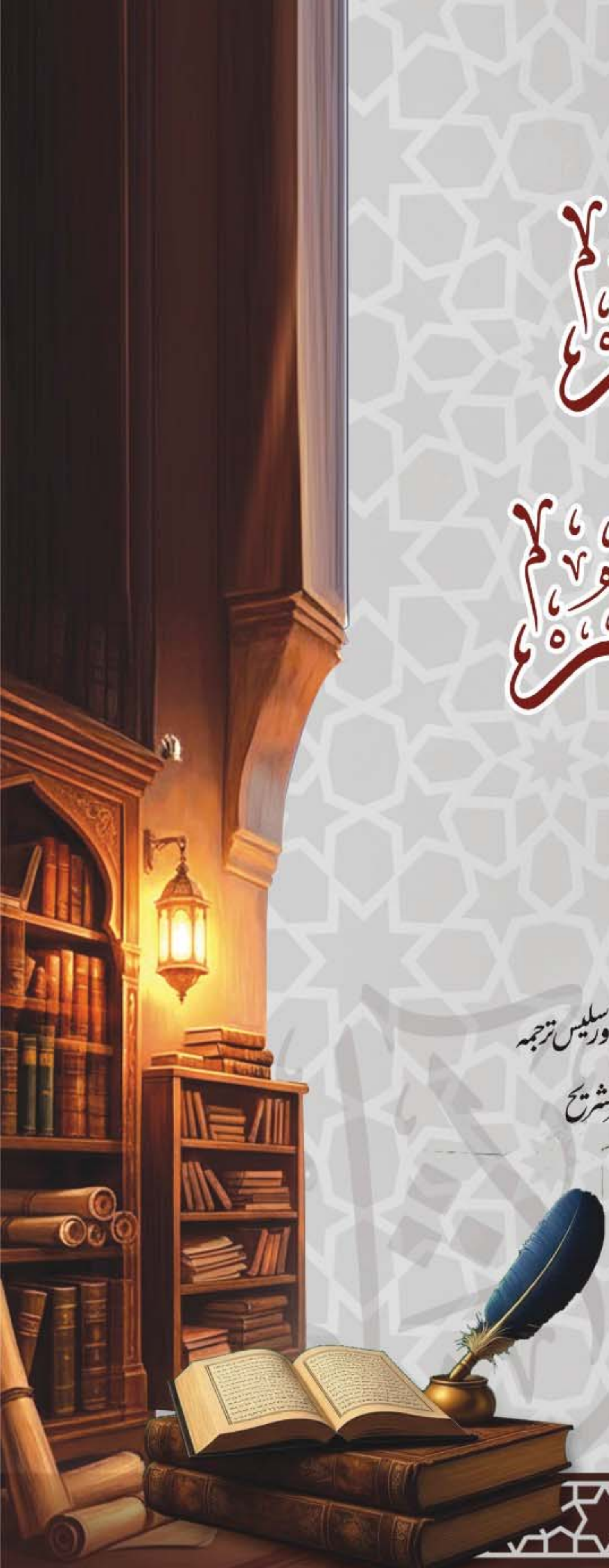


تبیینُ الآثار

شرح

کتابُ الآثار

للإمام محمد رحمۃ اللہ علیہ

خصوصیات

- عبارت مکمل اعراب کے ساتھ
- احادیث کا عام فہم اور سلیس ترجمہ
- حل کتاب
- باحوالہ جامع ومختصر تشریح

مفتی صابر محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ الحدیث ورفیق دار الافتاء جامعہ انوار العلوم ملیر

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

دارُ الکتبِ العلمیۃ

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03122438530

تبیین الآثار

شرح

کتاب الآثار

للامام محمد رحمۃ اللہ علیہ

خصوصیات

- عبارت مکمل اعراب کے ساتھ
- احادیث کا عام فہم اور سلیس ترجمہ
- حل کتاب
- باحوالہ جامع و مختصر تشریح

تالیف

مفتی صابر محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاذ الحدیث و رفیق دار الافتاء جامعہ انوار العلوم ملیر

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

دار الکتب العلمیۃ

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03122438530

انتساب

جنہوں نے زندگی کے ہر قدم پر میری راہنمائی کی،

مجھے بے لوث محبت اور خود اعتمادی سے نوازا

میں اپنے والدین کا بے حد شکر گزار ہوں کہ

انہوں نے مجھے انسانیت کا وہ درس دیا

جس نے مجھے میری زندگی کے حقیقی مقصد سے روشناس کروایا۔

خدائے وحدہ لاشریک لہ سے التماس ہے کہ وہ میرے والدین کو صحت وتندرستی وعافیت کے ساتھ لمبی زندگی عطا کرے۔آمین!

فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پیش لفظ

الحمدلله ربّ العالمین ، و العاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین و علی آله و صحبه اجمعین۔

أما بعد۔۔۔،

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار حدیث کی پہلی وہ کتاب ہے جو ابواب فقہیہ کے طرز پر مرتب کی گئی ہے، اس میں مرفوع احادیث بہت کم ہیں، عام طور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال درج ہیں، کتاب میں مختلف فیہ مسائل پر ابواب قائم کئے گئے ہیں،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کسی مسئلہ کے بارے میں متضاد مختلف احادیث مروی ہوتی تھیں تو علماء کرام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، ان کے اقوال وافعال اگر کسی حدیث کے موافق ہوتے تو یہ حضرات اسے اختیار کر لیتے تھے دوسری میں تاویل کرتے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو اوروں کی بنسبت زیادہ بہتر سمجھنے اور جاننے والے تھے۔

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں اختلاف ہوتا تو تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے فیصلہ کو دیکھتے اگر ان میں بھی اختلاف ہوتا تو حسب ضابطہ اسباب مرجحہ کے ذریعہ کسی صحابی کے قول کو دوسرے کے قول پر ترجیح دیتے، آثار میں سے انتخاب اسے ہی کہا جاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ آثار نقل کئے ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقیہ الامہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم کے امین و مدار اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مذاہب کے اوروں سے زیادہ جاننے والے ہیں۔اس لئے کہ ان کے شیوخ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ رہے ان سے استفادہ کیا اور ان کے علوم کے وارث وامین بنے تھے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ہر قول کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا بلکہ اگر اسے اطمینان بخش نہ پایا تو اس کی مخالفت کی چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ خود مختلف مقامات پر حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کسی کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔

یہ بھی منقول ہے کہ یہ کتاب دراصل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے جسے ان کے شاگردوں نے ان سے روایت کی ہے، لیکن بجائے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسے ان شاگردوں کی طرف تجوزاً منسوب کر دیا گیا، چنانچہ کہا جاتا ہے کتاب الآثار لمحمد بن الحسن، کتاب الآثار لأبي یوسف کتاب الآثار لزفر بن هذیل، کتاب الآثار للحسن بن زیاد اللؤلؤی، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح مؤطا امام مالک کو مؤطا محمد، مؤطا مصعب مؤطا یحی وغیرہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان حضرات نے اسے روایت کیا اور اس میں اپنے استاد کی تائید میں دوسرے حضرات کے آثار بھی نقل کر دیے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الآثار میں اپنے مذہب میں اپنے شیخ کے مذہب کا اضافہ کیا اور جہاں ان کی رائے کے خلاف تھا اس کی مخالفت کی اور کسی دوسرے کے قول کو اختیار کر لیا اور اس طرح اس کتاب میں اپنے اجتہاد کے بیان کا باب بڑھا کر اس کتاب کو اور زیادہ مفید بنا دیا۔

مختلف نسخوں میں ابواب کی ترتیب اور آثار کی زیادتی و کمی کا سبب یہ ہے کہ اس کے اصل مصنّف اپنی کتاب میں تصرف کیا کرتے تھے جیسا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جس نے جس موقعہ پر جس طرح سنا اسی طرح بیان کر دیا۔

کتاب باوجود مختصر ہونے کے چونکہ نہایت عظیم اور مفید ہے اس میں بہت سے مختلف فیہ مسائل جمع کر دیئے گئے ہیں، اور غیر مخدوم بھی ہے اس کی مفصل اور مکمل شرح بھی موجود نہیں اس لئے اس کے پڑھنے پڑھانے والوں کو دشواری پیش آتی تھی، چنانچہ چند علماء کرام (جو اس کتاب کو درساً پڑھا رہے ہیں) نے بندہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو اس پر بندہ نے کام شروع کیا اور اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم سے شرح کا کام تکمیل کو پہنچا، اس شرح میں مختلف مواقع میں فقہی مسائل و جزئیات شامی، ہدایہ اور ہدایہ کے شروحات، معارف السنن، بہشتی زیور، فتاویٰ عالمگیری، المحیط البرہانی، شرح النووي علی مسلم، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، فتح القدیر، البحر الرائق، النہر الفائق، درس ترمذی، الجامع لاحکام القرآن، البذل المجہود، فتح الباری، اثمار الہدایہ، احسن الہدایہ، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، تنظیم الاشتات، الجوہرۃ النیرۃ، اعلاء السنن، عینی شرح ھدایہ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، شرح نقایہ، عمدۃ القاری۔ المختار شرح کتاب الآثار، روضۃ الازہار اردو شرح کتاب الآثار وغیرہ سے لئے گئے اور مختلف مواقع پر فقہی جزئیات کتب فتاوی سے اخذ کئے گئے ہیں۔

بندہ نے اس پر کام کے دوران چند باتوں کا اہتمام کیا جو درجہ ذیل ہیں:

- تمام احادیث و آثار پر مکمل اعراب۔
- تمام احادیث و آثار کا سلیس، بامحاورہ اور عام فہم ترجمہ۔
- بقدر ضرورت الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق۔
- فقہی مسائل پر مختصر و مدلل اور جامع بحث۔
- اساتذہ اور طلباء دونوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے علمی انداز میں بحث و اضافہ۔

مذکورہ بالا امور کے اہتمام کے بعد امید کی جاتی ہے کہ زیر نظر شرح اب ان شاء اللہ بیک وقت طلبہ اور مدرسین حضرات سب کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

حدیث مبارکہ اور آثار کی خدمت یقینا ایک عظیم سعادت ہے، راقم کو اس حوالہ سے اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا مکمل احساس ہے ممکن ہے کہ اس میں مختلف پہلوؤں سے کچھ خامیاں ہوں، امید ہے کہ اہل علم اس کو نظر استحسان سے دیکھیں گے اور کسی بھی قسم کی خامی

محسوس ہوتو احقر کوضرور مطلع فرمائیں گے،ان شاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔

بندہ اس سلسلہ میں جن حضرات واحباب نے معاونت کی مشورہ دیا ان کا بے حد ممنون ومشکور ہے اللہ جل جلالہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ساتھ میں برادرم جناب مولانا مفتی حسان صاحب حفظہ اللہ کا بھی جنہوں نے مصادر سے مراجعت میں معاونت کی اور جناب حضرت مولانا تواب صاحب زید مجدہ کا جنہوں نے تصحیح کے فرائض انجام دیئے۔

بندہ ان سب حضرات کا شکر گزار ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ جل جلالہ ان سب حضرات کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور سعادت دارین نصیب فرمائے۔

اوراحقر کی اس کاوش کو بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور طالبان علوم نبوت کے لئے نافع ،اور بندہ،اوراس کے اساتذہ کرام،والدین واقارب اورمعاونین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔آمین

صابر محمود غفرلہ

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملیر کراچی

2026/1/1

کتاب الآثار کے مصنف امام محمد بن حسن الشیبانی کا تعارف

کوفہ شہر میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس سے تِشنگانِ علم (علم کے پیاسے) اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ ایک دن ایک لڑکا حاضر ہوا۔ ذِہانت جس کے چہرے سے عِیاں (ظاہر) تھی۔ اس نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: اس نابالغ لڑکے کے بارے میں آپ کا فتویٰ کیا ہے جو رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہو جائے، کیا اُسے نمازِ عشاء دوبارہ پڑھنی چاہئے؟ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں! اسے نماز دُہرانی ہوگی۔ یہ سنتے ہی وہ لڑکا اُٹھا اور مسجد کے ایک کونے میں جا کر نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ اس امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوجوان کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: یہ لڑکا ان شاء اللہ ترقّی کرے گا۔ (بلوغ الامانی، ص5 مفھوما)

پھر زمانے کی آنکھوں نے دیکھا کہ امامِ اعظم حضرتِ سیّدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ فیض اثر پانے والا یہ نَوعمر لڑکا اپنے وقت کا امام بنا اور دنیا میں آج تک امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان پورا ہوا اور آپ مُجْتَہِد فِی الْمَذْہَب کے منصب پر فائز ہوئے۔

نام ونسب اور ولادت:

ان کا مکمل نام ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی ہے، سن 132ھ کو شہر واسط میں ان کی ولادت ہوئی، پھر ان کے والد انہیں وہاں سے کوفہ لے آئے اور وہیں ان کی پرورش ہوئی۔

(مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبی، ص:79، الناشر: لجنة إحياء المعارف النعمانية-الهند:1408ھ)

آپ کے والد جزیرۃ العرب سے تھے، شامی فوج میں شامل ہو گئے تھے، اسی عرصہ میں فلسطین کے ایک دیہات اور دمشق کے شہر "حرستا" میں قیام پذیر تھے، بعد ازاں کوفہ منتقل ہوئے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کوفہ میں سنہ 132ھ میں ہوئی۔ (بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی للعلامۃ زاھد الکوثری: 151) بعض حضرات نے جائے پیدائش "واسط" بیان کی ہے جو عراق ہی کا ایک شہر ہے۔
(سیر اعلام النبلاء: 7/556)

تحصیل علم:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جب سن تمیز کو پہنچے، تو ناظرہ قرآن مجید پڑھا، کچھ حصہ زبانی یاد کیا اور اس زمانہ میں جو علوم عربیہ اسلامیہ رائج تھے، ان کی تعلیم حاصل کی، چودہ سال کی عمر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے، عرض کیا: ایک بچہ رات میں سویا، درمیانی رات میں احتلام ہو گیا، کیا وہ بچہ اس رات کی نماز عشاء قضاء کرے گا؟ جس رات میں وہ بالغ ہوا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں! اس رات کی نماز قضاء کرنی ضروری ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے کھڑے ہوئے اور فوراً مسجد کے ایک کنارہ میں عشاء کی نماز قضاء فرمائی، امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ منظر دیکھا، تو فرمایا: یہ بچہ کامیاب انسان بنے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراست سے جو بات کہی تھی، وہ بالکل سچ ثابت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو امت کا امام بنایا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے واپسی کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں علمِ فقہ حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ مجھے مجلسِ درس میں شرکت کی اجازت دی جائے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اولاً قرآن پاک حفظ کرو، اس کے بعد مجلس درس میں شرکت کرو، (اس لئے کہ استخراج مسائل، استنباط مسائل اور استدلالات میں حافظ قرآن کے لیے بہت سہولت وآسانی ہوتی ہے) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ گھر چلے گئے۔

ایک ہفتہ بعد آئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے قرآن پاک حفظ کرلیا ہے، (صرف ایک ہفتہ میں حفظ مکمل کرلیا) اس مجلس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ بھی دریافت کیا (جو عقل ودانش پر دلالت کرتا تھا) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سوال تمہارے ذہن میں پیدا ہوا ہے یا کسی سے سن کر سوال کیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا، خود میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم نے بڑے آدمیوں کا سوال کیا ہے، (عقل مندی ودانش مندی کا سوال ہے) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی ذہانت وعقل مندی سے خوشی ہوئی اور آپ نے مجلسِ درس میں حاضری کی اجازت دے دی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک چار سال مجلس درس میں شریک ہوتے تھے اور جو مسائل سنتے تھے، ان کو مرتب بھی کرلیا کرتے تھے۔ (بلوغ الامانی:152)

اساتذہ:

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام ابویوسف، امام اوزاعی، سفیان ثوری، عمرو بن دینار، عبداللہ بن مبارک، مسعر بن کدام، حسن بن عمارہ، یونس بن ابی اسحاق سبیعی، خارجہ بن عبداللہ بن سلیمان، سفیان بن عیینہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم سے نیز کوفہ، بصرہ، عراق اور مکہ ومدینہ کے علماء، فقہاء اور محدثین رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا۔ (ملحض: بلوغ الامانی:154)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بطور خاص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے چار سال علم فقہ حاصل کیا اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تکمیل کی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تین سال رہ کر علم حاصل کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء 7/556)

علمی مقام وشان:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد اور اسلامی تاریخ کے علم وفن کے اساتذہ سے علم حاصل کیا، امام اعظم وامام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے استاذ محترم ہیں، اور کئی ائمہ مجتہدین کے استاذ ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ مجتہد، مؤطا کے راوی، فقہ حنفی کے ناشر وترجمان، فصیح وبلیغ عالم دین ہیں، جن سے ائمہ کبار رحمۃ اللہ علیہم نے علم حاصل کیا، آپ مجتہد مطلق تھے، پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی

اصول کو اپنانے ہی کو اپنے لیے سعادت سمجھی۔

آپ کی کتاب "اصل" جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے، ایک عیسائی حکیم نے مطالعہ کیا، تو کہا: تمہارے چھوٹے محمد کی کتاب کی یہ شان ہے! تو تمہارے بڑے محمد کی شان کیا ہوگی! اور اس حکیم نے اسلام قبول کر لیا۔ (بلوغ الامانی: 196)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کنت اظن اذا رأیته یقرا القرآن کأن القرآن نزل بلغته"۔ (سیر اعلام النبلاء: 6/556)

"جب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتا تو سمجھتا کہ شاید قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، اتنا عمدہ تلاوت کرتے ہیں"۔

نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما رأیت رجلا اعلم بالحرام، و الحلال، والعلل، والناسخ، والمنسوخ من محمد بن الحسن۔" (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ)

میں نے حلال وحرام، علل؛ نیز ناسخ ومنسوخ کی معرفت کے سلسلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

"ما جالست فقیها قط أفقه منه، و لا فتق لسانی بالفقه مثله"۔

"میں آپ سے بڑے فقیہ کی خدمت میں نہیں بیٹھا؛ نیز آپ نے میری زبان کو فقہ کے ساتھ جاری کر دیا"۔

ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا:

"من أین لك هذا المسائل الدقیقة؟ قال من کتب من محمد بن الحسن"۔

یہ دقیق مسائل آپ کہاں سے بیان کرتے ہیں، تو فرمایا: امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے بیان کرتا ہوں۔

(سیر اعلام النبلاء: 7/556)

تلامذہ:

ائمہ اربعہ میں امام شافعی، ابوسلیمان موسی بن سلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہم جنہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کو عام کیا، ہشام بن عبداللہ رازی، ابوحفص کبیر احمد بن حفص عجلی جو فقہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، اسد بن فران قیروانی جو فقہ مالکی کے مدون اور شیخ سحنون مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، جن سے دیارِ مغرب میں فقہ مالکیت کا فروغ ہوا، امام الجرح والتعدیل یحی بن معین، شعیب بن سلیمان کیسانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کیسانیات کے راوی ہیں، علی بن صالح جرجانی جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جرجانیات کی روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن توبہ رحمۃ اللہ علیہ جو سیر کبیر کی روایت کرتے ہیں، ابوبکر ابراہیم بن رستم مروزی رحمۃ اللہ علیہ جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نوادرات کی روایت کرتے ہیں یہ تمام جلیل القدر حضرات آپ کے شاگرد ہیں۔ (ملخص: بلوغ الامانی: 155)

عظیم تلامذہ کے تاثرات:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما جالست فقیہا قط أفقه منه، و لا فتق لسانی بالفقه مثله"
میں نے آپ سے بڑے فقیہ کی خدمت میں نہیں بیٹھا؛ نیز آپ نے میری زبان کو فقہ کے ساتھ جاری کردیا، میں جب بھی آپ سے کوئی علمی بات معلوم کی کبھی آپ کے چہرہ بشرے پر ناگواری نہیں دیکھی، آپ بشاشت سے اطمینان بخش جواب دیا کرتے تھے۔ (جوکہ علمی وسعت، اخلاق کی بلندی اور طلبہ کے حوصلہ افزائی کی دلیل ہے)۔ (بلوغ الامانی: 167)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں سفیان بن عیینہ اور علم فقہ میں محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے میری خاص مدد فرمائی۔ (بلوغ الامانی: 165)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقہ میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر امام محمد کا ہے اور فرماتے تھے علم فقہ اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں اور بکثرت آپ کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ (بلوغ الامانی: 165)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے حدیثیں سنی اور علم فقہ حاصل کیا، جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سبق سے فارغ ہوکر چلے جاتے، تو میں طلبہ کے ساتھ بحث و مباحثہ اور مناظرہ کرتا تھا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: میرے ساتھ "مسئلہ یمین وشاہد" میں مناظرہ کرو، مجھے شرم محسوس ہوئی، استاذ کا ادب مانع ہوا؛ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ اصرار کیا، تو میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کیا، آپ خوش ہوئے اور خلیفہ وقت ہارون رشید کی خدمت میں لے گئے اور خلیفہ نے انعام دیا۔

(بلوغ الامانی: 165)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خاص اوقات میں بھی پڑھایا کرتے تھے؛ اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حاضر ہوئے تھے اور ذہین وفطین بھی تھے۔ (بلوغ الامانی: 165)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لقد کتبت من محمد بن الحسن وقر بعیر۔" "میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کاپیاں لکھیں ہیں"۔

مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلامذہ میں علمی تحقیق کا ذوق وشعور پیدا کرنے اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو مہمیز کرنے کے لیے ان کی کیسی تربیت فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کی دنیوی ضروریات کا خیال فرماتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ساری زندگی ان کے علمی ودنیوی احسانات کو فراموش نہیں کیا اور استاذ کے لیے دعائیں کرتے تھے۔

نوٹ: بعض متعصبین نے امام شافعی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی تعلقات کی نوعیت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شان بڑھانے کے لیے

تعصب سے کام لیا ہے، حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری نے "توالی التاسیس" میں اور علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے "بلوغ الامانی" میں پوری تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ادب واحترام کرتے تھے، ان کے احسانات کے قدر شناس اور دعا گو تھے۔

اسد بن فرات قیروانی رحمۃ اللہ علیہ:

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے شہر قیروان کے رہنے والے تھے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں 172ھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور موطا کا سماع کیا، اثناء درس میں فقہی مسائل معلوم کرتے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ غریب الدیار طالب علم کی رعایت میں ہر سوال کا جواب بھی دیا کرتے، ساتھیوں کے کہنے پر جب بار بار اثنائے درس فقہی مسائل معلوم کرنے لگے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ زیادہ تر روایت حدیث پر ہوتی، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسد بن فرات قیروان رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: اے مغربی! اگر علم فقہ طلب کرنا چاہتے ہو، تو اہلِ عراق کے پاس چلے جاؤ، اسد بن فرات کہتے ہیں، میرے دل میں فقہائے عراق کی عظمت پیدا ہوگئی اور میں نے عراق کا سفر کیا، عراق میں مختلف علماء سے علم حاصل کیا، جن میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، زیادہ تر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا۔

ایک دن اسد بن فرات قیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، حضرت میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ کے پاس طلبہ کی تعداد زیادہ ہے، ہر وقت طلبہ اور عراقی لوگ آپ کو گھیرے رہتے ہیں، میں اپنی مجبوری سے زیادہ دن عراق میں قیام کر نہیں سکتا، میری مشکل کا حل کیا ہے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دن میں عراقی طلبہ کے ساتھ مجلس درس میں حاضری دیا کرو، رات کا وقت بطور خاص تمہارے لیے فارغ کروں گا؛ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ رات میں مجھے سبق پڑھایا کرتے تھے، مجھ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے پاس ایک پیالہ رکھے رہتے، اس میں سے پانی میرے چہرے پر چھڑکتے اور مجھے بیدار کرتے، پھر میں ہوشیار ہوتا، پھر اونگ آتی، تو پھر پانی چھڑکتے، یہی سلسلہ چلتا تھا، کبھی اُکتاہٹ اور بوجھ محسوس نہیں کرتے تھے، اس طرح جو علم میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ حاصل کر لیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اسد بن فرات کو سبیل کا پانی پیتے ہوئے دیکھا، تو سمجھ گئے کہ ان کے پاس زادِ راہ ختم ہو چکا ہے؛ چنانچہ آپ نے اَسّی دینار دیئے، جب قیروان نے واپسی کا ارادہ کیا، تو اس وقت بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے زادِ راہ وغیرہ کا معقول انتظام فرما کر روانہ فرمایا۔

(بلوغ الامانی:159)

سوچئے! امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلامذہ پر کس قدر شفیق ومہربان ہیں، طلبہ کی تعلیم کے لیے راتوں کی نیند و آرام اور راحت کی قربانی دی ہے، ان کی ضروریات کی تکمیل فرماتے تھے، ان کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لیے کتنی قربانیاں دیا کرتے تھے، اِن اسد بن فرات نے مغرب پہنچ کر فقہ مالکی کو مرتب ومدون کیا اور دیارِ مغرب میں فقہ مالکی کو فروغ دیا، ائمہ مالکیہ میں سحنون - جو فقہ مالکی کی کتاب "المدونۃ" کے مصنف ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ستہ، موطا اور دیگر افادات:

①- امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بہترین واصولی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، "اصل" جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے، ہزاروں فقہی مسائل پر مشتمل ہے، کہا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو حفظ فرمایا اور اپنی کتاب "الام" کو اسی کے طرز پر تحریر فرمایا، ایک عیسائی حکیم نے اس کتاب کو دیکھ کر اسلام قبول کیا، فقہائے احناف میں متعدد حضرات نے اس کی روایت کی ہے۔

②- "جامع صغیر" جو تقریبا ڈیڑھ ہزار مسائل پر مشتمل ہے، صرف ایک سو ستر مسائل میں فقہی اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے صرف دو مسئلوں میں قیاس اور استحسان سے استدلال کیا گیا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جب مبسوط کی تصنیف وتالیف سے فارغ ہوئے، تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو مسائل تم نے مجھ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے سنے ہیں، ان کو مرتب کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر مرتب فرما کر پیش کی، امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قوت حافظہ کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا: تین مقامات میں چوک ہوگئی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، مجھ سے چوک نہیں ہوئی ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بیان کرنے کے بعد بھول گئے ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی جلالت وعظمت کے باوجود اس کتاب کو سفر وحضر میں ساتھ رکھا کرتے تھے۔

③- "سیرِ صغیر" اس کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو مسائل سنے ہیں، ان کو بیان کیا ہے، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیر صغیر" کا رَد لکھا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام اوزاعی کا جواب لکھا۔

④- "جامع کبیر" ایک اہم کتاب ہے، جس میں مسائل کو روایات ودرایات کے موافق لکھا گیا ہے، نہایت شاندار کتاب ہے۔

⑤- "زیادات" جامع کبیر کا استدراک ہے، جو مسائل جامع کبیر میں ذکر سے رہ گئے ہیں، ان کو بیان فرمایا ہے۔

⑥- "سیر کبیر" آپ کی آخری تالیف ہے۔ (ملخص از بلوغ الامانی: 196 تا 198)

ان مذکورہ کتبِ ستہ کے علاوہ آپ کے تلامذہ نے متعدد کتابوں میں آپ کے درسی افادات کو جمع فرمایا ہے، کیسانیات، جرجانیات، رقیات وغیرہ جن کی طرف تلامذہ کی فہرست میں اشارہ کیا گیا۔

⑦- "مؤطا" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہزار سے زائد مرفوع وموقوف روایات کو جمع فرمایا ہے، ایک سو پچھتر روایات دیگر شیوخ کی بھی ذکر کی ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المجد فی شرح موطا للامام محمد" کے مقدمہ میں تحریر فرمایا: مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں (1150) احادیث مروی ہیں۔

⑧- "کتاب الاثار" حدیث کی کتاب ہے جس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے جو روایات ہیں ان کو جمع فرمایا۔

(بلوغ الامانی: 200)

جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، سیر صغیر، مبسوط اور زیادات فقہ حنفی کے مصادر و مراجع ہیں، آپ کی شخصیت اور آپ کی امہات کتب سے فقہ حنفی کو فروغ حاصل ہوا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ فقہ حنفی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور آپ کی کتابوں سے عام ہوا، وہی کتبِ ستہ فقہ حنفی کی اصل اور آپ ہی کے تلامذہ ان کتب ستہ کے راوی ہیں، استاذ کی محنت سے کتب ستہ بھی تیار ہوئیں اور ان کو عام کرنے والے باوفا، مخلص، عقیدت مند استاذ کے نام کو روشن کرنے والے تلامذہ بھی پیدا ہوئے، یہ استاذ کے خلوص، للّٰہیت، قربانی اور طلبہ پر بے پناہ شفقت و محنت کی دلیل ہے۔

وفات:

آپ کی وفات مقام "رَی" میں سنہ 189ھ میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء 7/556)

مشہور نسخوں میں سے ایک نسخہ کا تعارف:

کتاب الآثار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث پر وہ کتاب ہے جو آپ نے اپنے تلامذہ کو املاء کروائی تھی اور اس کتاب کا انتخاب چالیس ہزار احادیث مبارکہ سے کیا ہے۔

کتاب الاثار کے مشہور نسخوں میں درج ذیل پانچ نسخوں کا ذکر ملتا ہے

① - نسخہ امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ۔

② - نسخہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔

③ - نسخہ امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ۔

④ - نسخہ امام حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

⑤ - نسخہ امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان پانچ نسخوں میں سے ہم تک جو باسند طریقے سے طبع ہو کر نسخے پہنچے وہ دو ہیں

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے۔

یہاں ہم امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے کا تذکرہ کریں گے کیونکہ ہمارے ہاں یہی متداول اور مشہور نسخہ عام دستیاب ہے

کتاب الآثار بروایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مصنف کا مختصر تذکرہ:

ولادت 132 ہجری میں ہوئی آپ کا نام محمد بن حسن ہے علاقہ واسط میں پیدا ہوئے اور علاقہ رقہ میں قاضی رہے اپنے دور میں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ حدیث:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ حدیث میں کثیر افراد ہیں جن میں سے چند مشہور کا تذکرہ ہم یہاں کرتے ہیں

امام الائمہ فی الحدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام دار الہجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔

امام المحدثین سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ۔

سعید بن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ۔

مجتہد شام حافظ الحدیث امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام المحدثین عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ۔

امام فن الرجال سند المحدثین امام شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ۔

اور اسکے علاوہ کثیر تعداد ھے جن سے آپ نے اخذ علم الحدیث کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ یعنی شاگرد:

امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر خلق نے استفادہ حدیث کیا ہے چند مشہور زمانہ آپ کے تلامذہ کے اسماء درج ذیل ہیں

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام المحدثین و حجۃ المحدثین امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔

امام اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ۔

بانی اسماء الرجال امام اول فن اسماء الرجال امام یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ۔

امام احمد بن حفص الکبیر البخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

امام اہل بلخ و مفتی بلخ امام خلف بن ایوب رحمۃ اللہ علیہ۔

ریحانۃ العلم الحدیث امام محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ۔

کتاب الآثار بروایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف:

یہ کتاب دراصل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور اسکے کئی نسخے ہیں جن کو آپکے۔متعدد تلامذہ نے آپ سے روایت کیا ھے ان

نسخوں میں سے سب سے زیادہ مشہور نسخہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا روایت کردہ ہے۔

واضح رہے کہ کتاب الآثار کے اس نسخہ کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے کئی حضرات ہیں جن میں سے زیادہ مشہور درج ذیل **تین تلامذہ** ہیں:

امام ابوسلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابوحفص الکبیر رحمۃ اللہ علیہ۔

امام اسماعیل بن توبہ القزوینی رحمۃ اللہ علیہ۔

شاگرد اول ابوسلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اسناد

پھر ان تینوں میں سے پہلے امام ابوسلیمان جوزجانی کا روایت کردہ نسخہ متعدد محدثین کی مرویات میں سے ہے، جن میں سے ایک امام محمد بن محمود الخوارزمی ہیں، امام خوارزمی نے اس نسخہ کو تین سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے صرف ایک سند یہاں نقل کر رہے ہیں۔

یوسف بن عبدالرحمن بن علی بن جوزی وہ عبدالمنعم بن عبدالوہاب سے وہ احمد بن عبدالجبار سے وہ علی بن محسن تنوخی سے وہ ابراہیم بن احمد الطبری رحمۃ اللہ علیہ سے وہ محمد بن احمد الرازی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابو عامر عمر بن تمیم رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوسلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں (اس کتاب الآثار کے پورے نسخہ کو)

اسی طرح یہ نسخہ "مسند الشام حافظ الحدیث امام محمد بن یوسف الصالحی رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات سے بھی ہے" اور ان کا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تک سلسلہ سند درج ذیل ہے۔

قاضی عمر بن حسن نووی وہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے وہ تقی الدین عبداللہ بن محمد سے وہ احمد بن ابی طالب سے وہ محمد بن محمد بن عمر سے وہ محمد بن عبدالباقی سے وہ ابوالفضل بن خیرون سے وہ حسین بن علی الصیمری سے وہ ابراہیم بن احمد سے وہ محمد بن احمد سے وہ ابوعامر بن تمیم سے وہ ابوسلیمان جوزجانی سے اور وہ امام محمد بن حسن سے اس نسخہ کو کامل طور پر روایت کرتے ہیں۔

دوسرے شاگرد امام ابوحفص الکبیر کی روایت سے ایک سند:

ان کی سند سے بھی کتاب الآثار کو کثیر محدثین نے سماع کیا اور اس کو اپنی اسناد سے آگے نقل کیا ہم یہاں صرف ایک سند کا ذکر کرتے ہیں جو شیخ الاسلام حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سند ہے اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ باوجود شافعی المذہب ہونے کے اس کتاب کو اپنی سند سے نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سند یہ ہے:

ابوعبداللہ حریری رحمۃ اللہ علیہ سے وہ قوام الدین اتقانی سے وہ احمد بن اسعد بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے وہ حسین بن علی سغناقی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ محمد بن نصر بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے وہ محمد بن عبدالستار کردری رحمۃ اللہ علیہ سے وہ عمر بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ سے وہ عبدالرحمن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے وہ نجم الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوزید الدبوسی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوحفص استروشی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ حسین بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے وہ امام عبداللہ الحارثی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوعبداللہ بن ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے وہ اپنے والد ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ سے وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کتاب الآثار کو نقل کرتے ہیں

یہ سب کچھ اس بات کی بین وواضح دلیل ہے کہ محدثین کا اس کتاب کے ساتھ خصوصی اعتناء ولگاؤ رہا ہے اور وہ اسکو اپنی اپنی اسناد سے نقل کرتے رہے اور اس سے استفادہ کرتے رہے۔

کتاب الآثار پر محدثین کرام کا کام:

اس کتاب پر محدثین نے مفصل شروحات وتراجم وتخریجات اور صرف اسکے رواۃ پر مستقل کتب تحریر کی ہیں ہم چندایک کا ذکر کررہے ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے روات پر مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے"الایثار بمعرفة رواة الآثار"۔

اسی طرح حافظ عسقلانی کے شاگرد عظیم حنفی محدث قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے رواۃ پر ایک کتاب لکھی ہے

اس کتاب کی ایک شرح حافظ الحدیث مجتہد منتسب سرخیل احناف امام ابوجعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے جو امام ابوسعد المسعانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث مرویات سے ہے

محدثین کا کتاب الآثار کی روایات سے کثرت سے دلیل پکڑنا:

اس کتاب کی عظمت وافادیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں ایک معلق یعنی بلاسند روایت نقل کی تو ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی سند کو کتاب الآثار کے حوالے سے نقل کیا وہ لکھتے ہیں" وصله محمد بن الحسن فی کتاب الآثار عن ابی حنیفه عن حماد عنه بلفظ "یعنی اس حدیث کو امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے (فتح الباری ج12ص402)

اسی طرح ایک اور حدیث کی تحقیق میں رقم طراز ہیں کہ" واخرج محمد بن الحسن فی الآثار عن ابی حنفية بسند له عن ابن عباس نحو ذلك "، یعنی امام محمد بن حسن نے رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآثار میں بسند ابی حنیفہ ابن عباس سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(فتح الباری ج9ص811)

اسی طرح ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الہدایہ کی احادیث کی تخریج کی جس کا نام ہے" الدرايه لتخريج احاديث الهدايه "اس میں تقریبا پچاس سے زائد مقامات پر اسی کتاب الآثار سے حدیث کی تخریج کی ہے اور بہت سارے مقامات پر اسنادہ صحیح کہا ہے۔

اسی طرح حافظ الحدیث جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "نصب الرایہ" میں تقریبا ایک سو سے زائد مقامات پر اسی کتاب الآثار کی احادیث سے تخریج فرمائی ہے۔

جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ کتاب الآثار عند المحدثین و محققین و مخرجین و شارحین معتبر و مستند کتاب ہے اور وہ باقاعدہ اس کو سماعت کرتے رہے اور دلیل کے طور پر اسکو اپنی اسناد سے آگے نقل کرتے رہے اور اسکی روایات کو دلیل بناتے رہے۔

کتاب الآثار کی خصوصیات:

کتاب الآثار کی اہم خصوصیات میں یہ شامل ہے کہ یہ حدیث کی سب سے قدیم کتب میں سے ہے، صرف صحیح اور حسن روایات پر مشتمل ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں کے مطابق ترتیب دی گئی ہے جس میں ناسخ و منسوخ کا خیال رکھا گیا ہے، اس میں مرفوع، موقوف اور مقطوع روایات ہیں، اور یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بطرزِ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کی، جو فقہ حنفی کا بنیادی ماخذ ہے۔

خصوصیات کی تفصیل:

- **قدیم ترین کتاب:** حدیث کی دستیاب کتب میں یہ سب سے پرانی کتابوں میں سے ہے اور اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی "مؤطا" سے بھی پہلے کا شرف حاصل ہے۔

- **عالی سند اور صحیح روایات پر مبنی:** اس کتاب میں صحت حدیث کا التزام کیا گیا ہے، یعنی صرف صحیح احادیث و آثار نقل کئے گئے ہیں خاص طور پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تحمل روایت کی سخت شرائط ہیں اور آپ روایت حدیث میں بہت زیادہ محتاط تھے، البتہ التزام صحت کے باوجود سقم رہ جاتا ہے، اور اس کی تمام روایات کو صحیح نہیں کہا جا سکتا، اور یہ کوئی عیب نہیں، بخاری اور مسلم کے علاوہ حدیث کی کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں ضعیف احادیث موجود نہ ہوں۔ پھر کتاب الآثار کی جتنی مرسل یا منقطع روایات ہیں دوسری کتب میں وہ صحیح اسناد کے ساتھ منقول ہیں، ان میں نہ ارسال ہے اور نہ انقطاع اور ضعف، کئی روایات موقوف نقل کی ہیں مگر دوسری کتب میں مرفوع نقل کی گئی ہیں۔ اس لئے ان سب کی بنیاد موجود ہے اور سب قابل استدلال ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں جن احادیث و آثار کی تخریج کی ہے، ان کی سند بہت عالی ہے، کیونکہ ان کی اسناد میں رواۃ بہت کم ہیں۔

- **ترتیب وتبویب:**

اس کتاب "کتاب الآثار" کی ترتیب کتاب وار، و باب وار ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ابواب کے عناوین تجویز فرمائے، کتب کے عناوین تجویز نہیں فرمائے؛ مگر ان کے سامنے کتب کی رعایت بھی تھی؛ کیونکہ ایک اصل سے متعلق ابواب آپ نے

ترتیب وار ذکر کیے ہیں؛ البتہ "کتاب المناسک" کا عنوان خود آپ نے قائم فرمایا ہے، اس کے بعد پھر ابواب کا ذکر کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے میں کل 305 / ابواب ہیں، اس کی ترتیب درحقیقت فن فقہ میں لکھی جانے والی کتاب کی ترتیب کے مطابق ہے؛ کیونکہ فن فقہ میں سب سے پہلے طہارت کا بیان کرتے ہیں؛ پھر اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ؛ جیسا کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو فقہی طرز پر مرتب کیا ہے، برخلاف بخاری ومسلم وغیرہ کے انھوں نے اس کا لحاظ نہیں کیا، بس من وعن اسی فقہی انداز پر امام ابوحنیفہ کی کتاب "کتاب الآثار" مرتب کی گئی ہے۔

- **ناسخ ومنسوخ کا اہتمام:** اس میں ناسخ (منسوخ کرنے والی) اور منسوخ (منسوخ ہونے والی) احادیث کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔
- **مرویات کی اقسام:** اس میں مرفوع (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب)، موقوف (صحابہ سے منسوب)، اور مقطوع (تابعین سے منسوب) تمام طرح کی روایات موجود ہیں۔
- **امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ:** یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، اور ان کی ترتیب امام مالک کی "مؤطا" سے ملتی جلتی ہے۔
- **تابعیت کا شرف:** اس کے مصنف (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) کو تابعیت کا شرف حاصل ہے (یعنی تبع تابع تھے)، جو اسے ایک منفرد مقام دیتا ہے۔
- **منہج، اصول وشرائط:**

اس کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے چند عادات اپنائی ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

① - امام ابوحنیفہ نے رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقرر کردہ اصول وشروط کے پیش نظر اپنی صوابدید سے چالیس ہزار احادیث کے ذخیرہ سے اس مجموعہ کا انتخاب کرکے اپنے تلامذہ کو اس کا املا کرایا ہے اور انتخاب کے بعد اس میں جو مرویات لی ہیں وہ مرفوع بھی ہیں اور موقوف ومقطوع بھی، زیادہ تر حصہ غیر مرفوع کا ہے، مرویات کی مجموعی تعداد نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف بھی ذکر کی گئی ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے میں ایک ہزار ستر کے قریب ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے میں صرف مرفوعات ایک سو بائیس ہیں۔ (ابوحنیفہ واصحابہ المحدثون:15)

② - اس کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حدیث واثر نقل کرنے کے بعد فقہاء حنفیہ کا مسلک بھی بیان کرتے ہیں۔

③ - اگر کسی مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف ہو تو آپ اپنا مذہب بیان کرتے ہیں، بعض اوقات امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کرتے ہیں جیسا کہ قتل شبہ عمد کی تعریف میں ان کا مذہب نقل کیا ہے۔

④ - جب کسی مسئلہ میں مختلف صورتیں ہوں اور کسی ایک، دو یا تین صورتوں میں اختلاف ہو تو امام محمد إلا فی خصلة أو خصلتين أو خصال کہہ کر اختلاف نقل کرتے ہیں۔

⑤- اس کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی روایات نقل کی ہیں، ایسے اساتذہ و شیوخ کی تعداد تقریباً چھبیس (26) ہے۔

⑥- اس کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الایمان، کتاب الحج کے بعد لائے ہیں۔

⑦- امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں دوسرے ائمہ کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں، جیسے باب النکاح میں حسن بصری، عطاء، شعبی اور اہل حجاز کا قول بھی نقل کیا ہے۔

⑧- امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع ہے کہ اعتاق کی بحث میں اپنے ہم درس ساتھی امام زفر کا قول بھی نقل کیا ہے۔

دیگر امتیازات:

- ان احادیث وآثار کے راوی قرون مشہود بالخیر، اور طبقہ ثانیہ اور ثالثہ کے رواۃ ہیں، جن میں بہت کم حضرات پر جرح اور کلام ہوا ہے۔
- یہ کتاب حدیث وآثار کی سب سے پہلی کتاب ہے اور یہ احادیث وآثار دونوں کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح یہ کتاب حدیث اور فقہ دونوں کی جامع ہے۔
- یہ کتاب ان معدودے چند کتب میں شمار ہوتی ہے جن کی وجہ تالیف اور اصل مقصد فقہی مسائل کا استنباط ہے، چنانچہ ایسا میں چند ابواب کے علاوہ کے علاوہ باقی سب ابواب فقہی نوعیت کے ہیں، اور ان چند ابواب کی روایات سے بھی فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
- اس کتاب میں تقریباً ہر اہم موضوع کی احادیث اور مباحث شامل ہیں۔
- اس کی ترتیب وتنسیق بہت اعلی ہے۔
- یہ وہ پہلی اہم کتاب ہے جو فقہی ابواب کی ترتیب پر ہے، ایسی کتاب کو سنن کہا جاتا ہے۔
- صدر الائمہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس ہزار احادیث وآثار سے اس کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔
- اس کتاب کو امت مسلمہ میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔
- کسی کتاب کی اہمیت اس کے مصنف کے فضل وکمال سے اخذ ہوتی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وکمال اظہر من الشمس ہے۔
- اس کتاب کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی درست ہے اور امام محمد کی طرف بھی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس لئے کہ یہ ان کی املاء کردہ کتاب کا ایک نسخہ ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس لئے کہ انہوں نے اس کو جمع کیا ہے، وہی اس کے راوی ہیں اور انہوں نے اس میں کافی اضافے کئے ہیں اور اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ متعدد مشائخ سے بھی روایات نقل کی ہیں۔
- مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (سنن ابن ماجہ اور علم حدیث) میں لکھتے ہیں: کتاب الآثار کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس کی مرویات اس عہد کی دیگر تصانیف کی طرح اپنے ہی شہر اور اقلیم کی روایات میں محدود و منحصر نہیں بلکہ اس میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، ہر جگہ کا علم

تحریر وتدوین میں موجود ہے۔

- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب قرۃ العینین میں کتاب الآثار کو احناف کی امہات کتب میں شمار کیا ہے۔
- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی مؤطا کی شرح المصفی میں کتاب الآثار کے بارے میں لکھا ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد مسند ابی حنیفہ اور کتاب الآثار پر ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ الْوُضُوءِ

وضو کا بیان!

1- قَالَ مُحَمَّدٌ بن الحسن، أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَثْنَى، وَ تَمَضْمَضَ مَثْنَى، وَ اسْتَنْشَقَ مَثْنَى، وَ غَسَلَ وَجْهَهُ مَثْنَى، وَ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ مَثْنَى، مُقْبِلًا وَ مُدْبِرًا، وَ مَسَحَ رَأْسَهُ مَثْنَى، وَ غَسَلَ رِجْلَيْهِ مَثْنَى وَقَالَ حَمَّادٌ: الْوَاحِدَةُ تُجْزِءُ إِذَا أُسْبِغَتْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ هَذَا قَولُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهَذَا نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہمیں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد رحمۃ اللہ علیہ سے خبر دی، انہوں نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے وضو کیا، دو مرتبہ اپنے ہاتھ دھوئے دو مرتبہ کلی کی دو مرتبہ ناک میں پانی ڈالا دو مرتبہ اپنا چہرہ دھویا دو مرتبہ آگے پیچھے سے اپنے بازو دھوئے دو مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا اور دو مرتبہ اپنے پاؤں دھوئے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اچھی طرح سے پانی پہنچا دیا جائے تو ایک ایک مرتبہ دھونا بھی کافی ہو جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: مُقْبِلًا: "از افعال" بمعنی سامنے۔ مُدْبِرًا: افعال بمعنی پشت پھیرنا، پیچھے جانا۔ أسبغت: از افعال، پورا کرنا مکمل کرنا۔

اعضائے وضو کو دو اور تین بار دھونا:

اعضاء وضوء کو ایک ایک مرتبہ دھونا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور دو دو اور تین تین دفعہ بھی دھونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ علماء کرام کا اجماع ہے کہ وضوء میں اعضاء کم از کم ایک بار دھونا واجب ہے، اور دو اور تین بار دھونا سنت اور افضل ہے۔

کہنیوں کو دھونا:

جمہور علماء کے نزدیک کہنیوں کو بھی دھونا ضروری ہے البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہنیوں کو نہ دھونے میں کوئی حرج نہیں۔

مسح الراس میں تثلیث کا حکم:

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سر پر مسح کرنے میں تثلیث سنت نہیں، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دیگر اعضاء کی طرح سر پر بھی تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے دلائل وہ روایات ہیں جن میں ایک مرتبہ سر پر مسح کرنے کا ذکر ملتا ہے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو نقل کرتے ہوئے فرمایا: "فمسح براسه ثلاثا"۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ روایت شاذ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر رد فرمایا ہے۔

2- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: اِغْسِلْ مُقَدَّمَ أُذُنَيْكَ مَعَ الْوَجْهِ، وَامْسَحْ مُؤَخَّرَ أُذُنَيْكَ مَعَ الرَّأْسِ.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی اور انہوں نے حماد رحمۃ اللہ علیہ سے پھر حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: اپنے کانوں کے اگلے حصے کو چہرے کے ساتھ دھوؤ، اور پچھلے حصے کا سر کے ساتھ مسح کرو۔

3- قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: بَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه و سلم قَالَ: الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: يُعْجِبُنَا أَنْ نَمْسَحَ مُقَدَّمَهُمَا، وَمُؤَخَّرَهُمَا مَعَ الرَّأْسِ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کان سر میں شامل ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کان کے اگلے پچھلے دونوں حصوں کا سر کے ساتھ مسح کریں ہمارا عمل اسی پر ہے۔

لغات: يُعجبنا: "افعال" پسند آنا۔ مُقَدَّمَهُمَا: تفعیل، سامنے کرنا، آگے کرنا۔ مُؤَخَّرَهُمَا: تفعیل، پیچھے کرنا۔

اذنین کا وظیفہ مسح یا غسل:

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اذنین کا وظیفہ مسح ہے، نہ کہ غسل، البتہ بعض حضرات فقہاء اذنین کو اعضاء مغسولہ میں شمار کرتے ہیں، اور کانوں کے ظاہر و باطن دونوں کو چہرے کے ساتھ دھونا ضروری قرار دیتے ہیں۔

پھر مسح اذنین کا معروف طریقہ یہ ہے کہ باطنِ اذنین کا مسح سبابتین سے کیا جائے، اور ظاہر اذنین کا ابہامین سے، یہ طریقہ سننِ نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔ (درس ترمذی، 256/1، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مسحِ اذنین کے لئے ماء جدید لیا جائے گا یا ماء راس کافی ہے

اس بارے میں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے متعدد اقوال ہیں لیکن مشہور **مذہب دو** ہیں۔

- پہلا مذہب جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا ہے، ان کے نزدیک: ایک ہی پانی سے سر اور کانوں کا مسح کرنا چاہیئے۔
- جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اذنین کے لئے ماء جدید لینا چاہیئے، کیونکہ مسح اذنین مستقل عمل ہے، شافعیہ کا استدلال معجم طبرانی کی ایک رویت سے ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسح کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ: "واخذ ماء جديدا لصماخيه فمسح صماخيه"۔ (رواه الطبرانی فی "الصغير"، هكذا فی معارف السنن، 182/1)

مسح اذنین کا حکم:

امام شافعی ،امام اعظم ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سنت ہے البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔(نیل الاوطار:156/1)

4- محمدٌ قال: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ،عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْوُضُوءُ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ، وَالتَّكْبِيرُ تَحْرِيمُهَا، وَالتَّسْلِيمُ تَحْلِيلُهَا، وَلَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَمَعَهَا غَيْرُهَا، وَفِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، فَسَلِّمْ ، يَعْنِي فَتَشَهَّدْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِنْ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَحْدَهَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتُجْزِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضوء نماز کی کنجی ہے اور تکبیر نماز کے لئے تحریمہ اور سلام اس سے نکلنے کا ذریعہ ہے اور کوئی نماز سورۃ فاتحہ اور دوسری کسی سورت کے پڑھنے کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اور ہر دو رکعتوں میں سلام (یعنی التحیات) پڑھو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اگر کوئی شخص صرف سورہ فاتحہ پڑھ لے تو اس نے برا کیا لیکن نماز ہو جائے گی۔

لغات: مفتاح: اسم آلہ، کھولنے کا آلہ، چابی۔ تحلیل: تفعیل، رکاوٹ دور کرنا، حلال کرنا۔ لا تُجْزِءُ: افعال، کافی ہونا۔ آساء: افعال، برا کرنا، بدسلوکی کرنا۔

وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی:

وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی، نماز کے لیے وضو کرنا فرض ہے۔

تکبیر تحریمہ کے الفاظ میں ائمہ کا اختلاف:

نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے، پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک: ہر اس لفظ سے تکبیر تحریمہ جائز ہے جو اللہ جل شانہ کی تعظیم پر دلالت کرتا ہو، جیسے"اللہ اکبر، الرحمان اجل، لا الہ الا اللہ "وغیرہ۔

- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک: اللہ اکبر اور اللہ الاکبر سے تکبیر کہنا ضروری ہے۔
- امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک: صرف "اللہ اکبر" کہنا ضروری ہے۔

یہ حضرات صیغہ تکبیر کی فرضیت پر حدیث باب کے جملہ" وَالتَّكْبِيرُ تَحْرِيمُهَا "سے استدلال کرتے ہیں، کہ اس میں خبر معرف باللام ہے، جو حصر کا فائدہ دیتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تحریمہ تکبیر میں منحصر ہے، جیسا کہ "مفتاح الصلوۃ الطھور "میں منحصر ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال آیت قرآنی "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى " سے ہے، کہ اس میں مطلق اسم باری تعالیٰ کا بیان ہے، صیغہ

تکبیر کی کوئی خصوصیت نہیں، اور حدیث باب میں صیغۂ تکبیر کی جو تخصیص کی گئی ہے وہ خبرِ واحد ہونے کی بناء پر قطعی الثبوت نہیں، لہٰذا اس سے فرضیت تو ثابت نہیں ہوگی البتہ وجوب ثابت ہوگا۔

نماز سے نکلنے کیلئے سلام کے الفاظ کا حکم:

نماز سے نکلنے کیلئے سلام کے الفاظ کا استعمال فرض ہے یا واجب، اِس میں اختلاف ہے:

- **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم: السلام علیکم کے الفاظ فرض ہیں، ان کے بغیر نماز سے خروج نہ ہوگا۔
- **احناف** رحمۃ اللہ علیہم: واجب ہیں، فرض نہیں۔(عُمدۃ القاری:121/6:فتح الباری:329/12)

پہلے اور دوسرے سلام کا حکم:

- **امام احمد بن حنبل** رحمۃ اللہ علیہ: دونوں سلام فرض ہیں۔
- **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ: پہلا سلام واجب اور دوسرا سنّت ہے۔
- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: ایک سلام فرض، اور مقتدی کیلئے تثلیث یعنی تین سلام سنت۔
- **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: دونوں واجب ہیں۔(مرعاۃ:299/3۔الدر المختار:468/1)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قول کے مطابق دونوں سلاموں کے واجب ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن چونکہ دوسرے سلام کے ترک سے نماز کے اعادے کا حکم نہیں، خواہ جان بوجھ کر کیا جائے یا بھولے سے، اِس سے دوسرے سلام کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، اِسی لئے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ”اوجز المسالک“ میں اپنی رائے دوسرے سلام کے بارے میں سنت ہونے کی ذکر کی ہے۔(اوجز:249/2)

سلام کے کس قدر الفاظ سے خروج ہوتا ہے:

اِس پر سب کا اتفاق ہے کہ سلام کا کامل درجہ یہ ہے کہ مکمل ”**السلام علیکم**“ کے الفاظ اداء کیے جائیں البتہ اِس میں اختلاف ہے کہ کم از کم کتنی مقدار میں سلام کے الفاظ سے نماز سے خروج ہوجاتا ہے۔

- **امام شافعی و مالک** رحمۃ اللہ علیہما: ایک مرتبہ ”السلام علیکم“ کہنے سے۔
- **امام احمد بن حنبل** رحمۃ اللہ علیہ: دو مرتبہ ”السلام علیکم“ کہنے سے۔
- **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: ایک مرتبہ ”السلام“ کہنے سے نماز سے خروج ہوجاتا ہے، اگرچہ دوسرا سلام بھی راجح قول کے مطابق واجب ہی ہے۔ پس پہلے سلام میں ”السلام“ کہنے سے امام کی نماز پوری ہوجائے گی، اب اگر کوئی آکر امام کے ساتھ شامل ہو تو اُس کو شامل نہیں

سمجھا جائے گا۔(الدر المختار:468/1-مرعاۃ:299/3-الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ:314/11)

سلام دونوں جانب ہے یا ایک طرف:

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: امام اور منفرد صرف ایک جانب سلام پھیریں گے، جس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ سامنے کی طرف سلام پھیر کر سر کو قدرے دائیں جانب مائل کر دیں گے۔ جبکہ مقتدی تین سلام پھیرے گا: پہلا سلام دائیں طرف، دوسرا سامنے کی جانب امام کے سلام کا جواب دیتے ہوئے، اور تیسرا بائیں جانب کے نمازیوں کو، اگر کوئی بائیں جانب ہو، ورنہ بائیں جانب نہیں پھیرے گا۔
- **ائمہ ثلاثہ** رحمہم اللہ علیہم: دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا۔(البنایۃ:283/2، مرعاۃ:299/3)

خلاصہ یہ ہے کہ **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام اور منفرد کیلئے ایک جبکہ مقتدی کیلئے تین سلام ہیں، بقیہ حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ علیہم دائیں بائیں دو سلام کے قائل ہیں۔

سلام میں "وبرکاتہ" کے کلمہ کا اِضافہ کرنا:

سلام کے کلمہ میں "وبرکاتہ" کے الفاظ کی زیادتی کرنا جائز ہے یا نہیں، اِس میں اختلاف ہے:

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: سلام میں "وبرکاتہ" کا اضافہ کرنا بہتر ہے۔
- **ائمہ ثلاثہ** رحمہم اللہ علیہم: سلام میں "وبرکاتہ" کا اضافہ کرنا درست نہیں۔(الفقہ الاسلامی:2911)

سلام میں تیامن کیا جائے گا یا اِستقبالِ قبلہ:

تیامن کا مطلب دائیں جانب سے سلام کا آغاز کرنا ہے اور اِستقبالِ قبلہ کی شکل میں قبلہ کی طرف سے سلام کو شروع کیا جاتا ہے۔ اِس میں اختلاف ہے کہ سلام پھیرتے ہوئے تیامن کیا جائے گا یا اِستقبالِ قبلہ:

- **احناف** رحمہم اللہ علیہم: تیامن کیا جائے گا، یعنی دائیں طرف سے شروع کرکے بائیں طرف ختم کریں گے۔
- **شوافع وحنابلہ** رحمہم اللہ علیہم: استقبالِ قبلہ کیا جائے گا، یعنی قبلہ رُخ ہونے کی حالت میں "السلام علیکم" کہا جائے گا، پھر "ورحمۃ اللہ" دائیں طرف رُخ کرکے کہا جائے گا۔
- **مالکیہ** رحمہم اللہ علیہم: مقتدی تیامن کرے گا اور امام ومنفرد استقبالِ قبلہ کریں گے۔(الفقہ الاسلامی:911/2)

سلام کو جہراً کہا جائے گا یا سرّاً:

امام کیلئے دونوں ہی سلاموں کو جہراً کہنا مسنون ہے، البتہ دوسرے سلام کو "أَخْفَض مِنَ الْأَوَّل" یعنی پہلے سلام سے پست آواز میں کہنا بہتر ہے۔ بعض احناف نے دوسرے سلام کو سراً کہنے کو بہتر ذکر کیا ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ دوسرا سلام بھی جہرا ہوگا، البتہ پہلے

کے مقابلے میں آواز کچھ پست ہوگی۔(شامیہ:526/1)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلامِ تحلیل (نماز سے نکلنے کے سلام) کو صرف جہراً کہنا مسنون ہے اور سلامِ ردّ جو مقتدی امام اور نمازیوں کو جواب دینے کی نیت سے کہتا ہے وہ سراً کہنا بہتر ہے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا سلام جہراً اور دوسرا سرّاً کہا جائے گا۔(الفقہ الاسلامی:912/2)

نماز میں سورہ فاتحہ کا حکم:

ایک مسئلہ جو یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اسے فرض اور رکن صلوٰۃ مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کے ترک سے نماز بالکل فاسد ہوجاتی ہے، ان کے نزدیک ضم سورۃ مسنون یا مستحب ہے یہ حضرات سورہ فاتحہ کی فرضیت پر حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قراۃ فاتحہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اس کے پڑھے بغیر صرف کسی دوسری سورت پر اکتفاء کرنے سے بھی نماز ہوجاتی ہے، اگرچہ واجب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ بھی پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت بھی ملائے، ورنہ سجدہ سہو لازم آئے گا،

احناف رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال قرآن کریم کی آیت ﴿فاقرءوا ما تیسر من القرآن﴾ سے ہے، کہ اس میں ﴿ما تیسر﴾ کی قراءت کو فرض قرار دیا گیا ہے، اور کسی خاص سورۃ کی تعیین نہیں کی گئی، اس مطلق کی تقیید خبر واحد سے نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:" امرنا ان نقرء بفاتحۃ الکتاب وما تیسر "۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم جواب یہ دیتے ہیں کہ:"لا صلوۃ " کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز کامل نہیں ہوئی کہ اس نے ایک واجب چھوڑ دیا، اس طرح کے الفاظ دیگر روایات میں بھی ہیں، جس سے نفی کمال مراد ہے، جیسے فرمایا:"لا ایمان لمن لا امانۃ لہ "،"لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد "تو اس طرح اس روایت میں بھی نفی کمال ہے کہ اس کی نماز کامل نہیں ہوئی۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں نماز سری اور جہری دونوں میں امام کے پیچھے قراءت مکروہ تحریمی ہے۔

امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت مکروہ تنزیہی، جب کہ سری نمازوں میں مستحب ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح قول کے مطابق جہری نمازوں میں قراءت واجب نہیں، جب کہ سری نمازوں میں قراءت واجب ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے دلائل:

قرآن مجید کی آیت:﴿وإذا قرء القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون﴾۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "علمنا رسول اللہ ﷺ قال: "إذا قمتم إلى الصلوة فليؤمكم أحدكم، وإذا قرأ الإمام فأنصتوا"۔ (مسلم واحمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "قال رسول اللہ ﷺ: "إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فانصتوا"۔ (رواه الخمسة غير الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "قال رسول اللہ ﷺ: من كان له الإمام فقراءة الإمام له قراءة"۔ (طحاوی، دارقطنی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

"عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب"۔ (ترمذی)

جواب: اس حدیث میں "من" سے مراد خاص ہے اور وہ منفرد ہے۔ یعنی جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کے لیے ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

(اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "**فصل الخطاب فی مسئلة القراءة خلف الإمام**" نہایت مفید ہے)

5- قَالَ مُحَمَّدٌ: بَلَغَنَا أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سُئِلَ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ: هُوَ إِمَامُكَ إِنْ شِئْتَ فَأَقْلِلْ مِنْهُ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَكْثِرْ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحمه الله.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نماز میں قراءت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ (قرآن) تمہارا امام ہے تم چاہو تو کم پڑھو یا زیادہ پڑھو۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

بَابُ مَا يُجْزِي من الْوُضُوءِ مِنْ سُؤْرِ الْفَرَسِ وَالْبَغْلِ وَالْحِمَارِ وَالسِّنَّوْرِ

گھوڑے، خچر، گدھے اور بلی کے جھوٹے سے وضوء کرنا!

لغات: سؤر: بمعنی جھوٹا، بعض کہتے ہیں کہ پینے والا جو آخر میں چھوڑ دے۔ شرع میں اس کا استعمال پینے کی چیزوں میں ہوتا تھا، مگر بعد میں کھانا اور دوسری چیز جو کھانے سے بچ جائے اس کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس کی جمع الاسار آتی ہے۔ السنور: بمعنی بلی، سین کے کسرہ اور نون مشدد کے فتح کے ساتھ اس کی جمع سناویر آتی ہے، مونث کو السنورة کہتے ہیں، بلی کے بہت سے نام مستعمل ہیں، مثلاً: "هي سِنَّوْرٌ هِرَّةٌ قِطٌّ الْخَيْدَعُ الْخَيْطَلُ ضيون" ان جانوروں کا حکم اس باب میں بیان ہوگا۔

6- مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ قال: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي السِّنَّوْرِ يَشْرَبُ مِنَ الْإِنَاءِ، قَالَ: هِيَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ لَا بَأْسَ بِشُرْبِ فَضْلِهَا، فَسَأَلْتُهُ: أَيُتَطَهَّرُ بِفَضْلِهَا لِلصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَرْخَصَ الْمَاءَ، وَلَمْ

يَأْمُرُهُ وَلَمْ يَنْهَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: غَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، وَإِنْ تَوَضَّأَ مِنْهُ أَجْزَأَهُ، وَإِنْ شَرِبَهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے بلی کے بارے میں فرمایا جو برتن سے (منہ لگا کر) پی لیتی ہے: یہ گھر کے رہنے والے جانوروں میں سے ہے، اس کے بچے ہوئے کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا اُس کے بچے ہوئے (جھوٹے) سے نماز کیلئے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے؟ اُنہوں نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے (اس کے) پانی کی رخصت دی ہے اور اس کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس سے منع کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کے علاوہ کوئی اور پانی مجھے اس سے زیادہ پسند ہے، اور اگر اسی سے وضو کرلیا تو اس کیلئے کافی ہوگیا، اور اگر اُس پانی میں سے پیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی کو ہم لیتے ہیں۔

جھوٹے پانی کے احکام:

جوٹھے پانی کے چار قسمیں ہیں

① - پاک: جیسے: انسان، گھوڑا اور حلال جانور کا جھوٹا۔ بشرطیکہ انسان نے شراب نہ پی ہوئی ہو۔ جانور جلاّلہ یعنی نجاست خور نہ ہوگیا ہو۔

② - ناپاک: جیسے: کتا، خنزیر اور سباع البھائم یعنی درندوں کا جھوٹا، جیسے بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔

③ - مکروہ: جیسے: بلی، آزاد پھرنے والی مرغی، گھروں میں رہنے والے جانور مثلاً چوہا، سانپ، بچھو، اور درندگی رکھنے والے پرندے جیسے باز، شکرا، عُقاب، کوّا اور چیل وغیرہ، ان سب کا جھوٹا مکروہ ہے، اس لئے کہ ان سب سے بچنا مشکل ہے لہٰذا کوئی اور پانی ہو تو ایسے پانی سے بچنا چاہیئے، اور نہ ہو تو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

④ - مشکوک: جیسے: خچر اور حمارِ اَہلی یعنی گدھے کا جھوٹا، کیونکہ ان کے بارے میں حلّت وحُرمت دونوں طرح کی روایات ہیں۔

(نور الایضاح)

بلی کے جھوٹے کا حکم:

اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

- ائمہ ثلاثہ اور اِمام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہم: بلا کراہت پاک ہے۔ (طحطاوی علی المراقی: 30/1)

دلیل: عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَتَوَضَّأُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ مِنْ إِنَاءٍ قَدْ أَصَابَ مِنْهُ الْهِرُّ قبل ذالك۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن سے وضو کرتے حالانکہ اس سے پہلے بلی اس میں

سے پانی پی چکی ہوتی۔

یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے۔

❁ **طرفین** رحمۃ اللہ علیہما: بلی کا جھوٹا پاک ہے مگر مکروہ ہے۔(طحطاوی علی المراقی:30/1)

پھر حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں اس کے مکروہ ہونے میں **دو قول** ہیں:

① - مکروہ تحریمی: اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔

② - مکروہ تنزیہی: اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔اور یہی راجح ہے۔(درس ترمذی:1/ 326)

دلیل: الہرۃ سبع. یعنی بلی ایک درندہ ہے۔اس قول سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد حکم کو بیان کرنا ہے کہ بلی کا حکم وہ ہے جو درندہ کا ہے تو درندہ کے مانند اسکا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیئے تھا لیکن اس کے جھوٹے کو حرام قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے کیونکہ یہ گھروں میں چلنے پھرنے والے جانوروں میں سے ہے جیسا کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔"إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ"۔

چنانچہ اس مشقت کی بنا پر سورِ ہرہ میں تخفیف پیدا کر کے حرام سے مکروہ کے درجہ میں اتار دیا گیا ہے۔

8- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا خَيْرَ فِي سُؤْرِ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ، وَلَا يُتَوَضَّأُ بِسُؤْرِ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ، وَيُتَوَضَّأُ مِنْ سُؤْرِ الْفَرَسِ، وَالْبِرْذَوْنِ وَالشَّاةِ وَالْبَعِيرِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے جھوٹے میں کوئی خیر نہیں اور کوئی شخص بھی خچر اور گدھے کے جھوٹے سے وضو نہ کرے البتہ گھوڑے، بکری اور اونٹ کے جھوٹے سے وضو کر سکتا ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔

گدھے اور خچر کے جھوٹے میں ائمہ کا اختلاف:

❁ **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ: گدھے کا جھوٹا صرف طاہر ہی نہیں بلکہ مطہر(پاک کرنیوالا) بھی ہے۔

دلیل: جس جانور کی کھال سے انتفاع جائز ہے اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور گدھے کی کھال سے بھی چونکہ نفع اٹھانا جائز ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی پاک ہوگا۔

❁ **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: گدھے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل:"وَرُوِيَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ حَرَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ" یعنی خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے اور لعاب بھی گوشت ہی سے بنتا ہے لہذ العاب بھی نجس ہوگا، اور جس پانی میں وہ منھ ڈالے گا، اس میں لعاب کا ملنا یقینی ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی نجس ہوگا لیکن جیسے احادیث سے اس کے گوشت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ایسے ہی احادیث سے حلت بھی ثابت ہوتی ہے مثلاً: "رُوِیَ أَنَّ غَالِبَ بن فهر سَأَلَ رَسُولَ اللهُ وَقَالَ لَمْ يَبْقَ لِي مَالٌ إِلَّا حَمِيرَاتٌ فقال عليه السلام كُلِّ مِنْ سَمِيْنِ مَالِكَ"۔ غالب بن فہر نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا اور کہا میرے پاس گدھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے مال میں سے جو موٹے تازے ہیں ان کو کھائے، یہ حدیث گدھے کے گوشت کی حلت پر دلالت کرتی ہے اس لئے تعارض اولہ کی بنا پر اکثر احناف اس کے جھوٹے کے مشکوک ہونے کے قائل ہیں۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنے کا بیان!

موزوں پر مسح کی مشروعیت:

تمام امت سلف وخلف سب کے سب مسح علی الخفین کے جواز پر متفق ہیں کیونکہ اس کے بارے میں فعلی، قولی اور تقریری ہر طرح کی احادیث موجود ہیں جو کہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

مسح کی لغوی تعریف: کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا۔

اصطلاحی تعریف: بھیگے ہوئے ہاتھ کو اس چیز پر پھیرنا کہ جس پر پھیرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خفین کی تعریف: اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں یعنی سوت وغیرہ کا ان میں بالکل دخل نہ ہو، تو انہیں خفین کہتے ہیں۔

موزوں پر مسح کے جواز کی شرائط:

١- موزے چمڑے کے یا کم از کم مجلّد یا منعّل یا ثخینَین ہونا ضروری ہے، باریک کپڑے کی جَرابیں کافی نہیں۔

٢- موزوں کو پاکی کی حالت میں پہنا گیا ہو، حدَث کی حالت میں پہن کر مسح درست نہیں۔

٣- ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں، پس اس قدر چھوٹے موزے جس سے ٹخنے نہ چھپ سکیں اُسے پہن کر مسح کرنا درست نہیں۔

٤- موزے صحیح سالم ہوں یا اگر پھٹے ہوں تو کم از کم تین انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹے ہوں، پس تین انگلیاں یا اِس سے زیادہ مقدار میں پھٹے ہوئے موزے میں مسح کرنا درست نہ ہوگا۔

⑤- مسح مدّت کے اندر اندر کیا جائے، پس مقیم کا ایک دن اور ایک رات یا مسافر کے تین دن تین راتیں نہ گزری ہوں ورنہ اس کے بعد اُس کیلئے مسح درست نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ مدّت کی ابتداء موزے پہننے سے نہیں بلکہ موزے پہن کر وضو ٹوٹنے سے ہوگی۔

⑥- حدثِ اَصغر یعنی بے وضوئی کی حالت میں مسح کیا جائے، پس جنابت کی حالت میں مسح درست نہ ہوگا۔

⑦- مسح کم از کم تین اُنگلیوں کی مقدار کے برابر کیا جائے اس سے کم مقدار میں مسح درست نہ ہوگا۔

⑧- مسح موزے کے اوپر بالائی حصے میں تسمہ باندھنے کی جگہ کیا جائے، تلوے، ایڑی یا موزے کے دائیں بائیں کے حصے میں مسح کرنے سے مسح شرعاً درست نہیں ہوگا۔ (تسہیل بہشتی زیور: 1/ 192، 193)

9- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جهم، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِغَزْوَةِ جَلُولَاءَ فَرَأَيْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ ﷛، يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا يَا سَعْدُ؟ قَالَ: إِذَا لَقِيتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ ﷛ فَسَلْهُ، قَالَ: فَلَقِيتُ عُمَرَ ﷛، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعَ سَعْدٌ، قَالَ عُمَرُ ﷛: صَدَقَ سَعْدٌ، رَأَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فَصَنَعْنَاهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں غزوہ جلولاء کے لئے عراق آیا تو میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا میں نے پوچھا: اے سعد یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جب تم عمر رضی اللہ عنہ سے ملو تو ان سے اس بارے میں دریافت کرنا، تو انہوں نے کہا: میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا عمل بتلایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ سعد نے سچ کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے اس لئے ہم نے بھی مسح کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے اور ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

لغات: جلولاء: بغداد میں ایک جگہ کا نام ہے، جہاں سنہ سترہ یا سولہ یا اُنیس ہجری کو یہ معرکہ پیش آیا تھا۔ (کتاب الآثار مع حاشیۃ)، لقیت (باب س) ملاقات کرنا۔ صنع: (ف) کرنا۔

مسح علی الخفین کا حکم:

- جمہور ائمہ کرام اور اہلسنّت والجماعت رحمۃ اللہ علیہم: جائز ہے۔
- رَوافض: بغیر خُفین پہنے پاؤں پر مسح کرنا ضروری ہے۔
- خَوارِج: پاؤں کا غُسل ضروری ہے، مَسح جائز نہیں۔

گویا مسح علی الخفین کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، تمام اہلسنّت والجماعت اس پر متفق ہیں، اِس میں صرف رَوافض اور خَوارِج کا اختلاف ہے، اور وہ اس کو آیتِ وضو سے منسوخ مانتے ہیں، حالآنکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عُمر کے آخر تک موزوں پر مسح کیا ہے۔

"**فَلَقِيتُ عُمَرَ رضى الله عنه**": حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھنا بھول گئے، بعد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے تو اُنہوں نے پوچھنا یاد دلایا، پھر دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور اُن سے دریافت کیا۔

10 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حَنْظَلَةَ بِنِ نُبَاتَةَ الْجُعْفِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ: الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَ لَيَالِيهِنَّ إِذَا لَبِسْتَهُمَا وَأَنْتَ طَاهِرٌ. قَالَ مُحمدٌ: وَهُوَ قَولُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقیم کو ایک دن اور ایک رات اور مسافر کو تین دن تین رات تک موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ تم نے موزے پاکی کی حالت میں پہنے ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: اخْتَلَفَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَسَعْدُ بْنُ ابى وَقَّاصٍ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقَالَ سَعْدٌ: أَمْسَحُ، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ مَا يُعْجِبُنِي، فَأَتَيَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَقَصَّا عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: عَمُّكَ أَفْقَهُ مِنْكَ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا موزوں پر مسح کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مسح کرتا ہوں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تو یہ مسح پسند نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ واقعہ ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے چاچا جان تم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔

مسح علی الخفین کی مدّت:

- **اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ**: مقیم اور مسافر دونوں کیلئے کوئی مدّت نہیں، جب تک چاہیں مسح کر سکتے ہیں۔
- **ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم**: مسح کی مدّت متعیّن ہے، یعنی مقیم کیلئے ایک دن و رات جبکہ مُسافر کیلئے تین دن اور تین رات۔

(درس ترمذی: 329/1)

"**إِذَا لَبِسْتَهُمَا وَأَنْتَ طَاهِرٌ**": مسح علی الخفین کے صحیح ہونے کیلئے بالاتفاق یہ شرط ہے کہ موزوں کو طہارت یعنی پاکی کی حالت میں پہنا ہو، پس اگر حالتِ حدث (خواہ اَصغر ہو یا اَکبر) میں موزے پہن لیے جائیں اور بعد میں اُس پر مسح کیا جائے تو مسح درست نہ ہوگا۔

طہارتِ ناقصہ کے ساتھ پہنے گئے موزوں پر مسح کرنا:

طہارتِ ناقصہ کا مطلب یہ ہے کہ مکمل وضو کرنے سے پہلے مثلاً صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیے جائیں اور پھر وضو مکمل کیا جائے۔

موزوں کا طہارت کی حالت میں پہننا تو بالاتفاق سب کے نزدیک شرط ہے، لیکن کیا اس میں طہارتِ ناقصہ کے ساتھ پہنے گئے موزوں پر مسح کیا جا سکتا ہے یا نہیں، اِس میں اختلاف ہے:

- **احناف** رحمۃ اللہ علیہ: طہارتِ کاملہ پر موزے پہننا شرط نہیں۔
- **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم: طہارتِ کاملہ پر پہننا شرط ہے، اِس کے بغیر مسح درست نہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:122/1)

لِلْمُقِيمِ يَوماً وَلَيلَةً، وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ: کتاب الآثار کے نسخوں میں یہ منصوب اور مرفوع دونوں سے طرح سے ہے۔ مرفوع خبر ہونے کی وجہ سے ہے اور منصوب ظرف ہونے کی وجہ سے ہوگا اور اس سے پہلے یَمْسَحُ وغیرہ جیسے الفاظ نکالے جائیں گے۔

لغات: يعجبني: (باب افعال سے) پسند کرنا۔

11 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ رَجَعَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُومِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ، فَرَفَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ ضِيقِ كُمَّيْهَا، قَالَ الْمُغِيرَةُ: فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ مِنْ إِدَاوَةٍ مَعِي، فَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، وَلَمْ يَنْزَعْهُمَا، ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلَّى.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر نکلے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے (قضاءِ حاجت کے لئے) جب قضاءِ حاجت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے آپ نے تنگ آستین والا ایک رومی جبہ پہن رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آستینوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے اوپر چڑھایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ میں ایک لوٹے سے جو میرے پاس تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پانی ڈالتا رہا آپ نے نماز والا وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا ان کو اتارا نہیں اور پھر آگے بڑھے اور نماز پڑھی۔

لغات: انطلق: انفعال، چلنا۔ قضى: (ض) گذارنا، پورا کرنا، ادا کرنا۔ ضيقة الكمين: آستینوں کا تنگ ہونا۔ أَصُبُّ عليه: (ن) اوپر سے ڈالنا انڈیلنا۔ إِدَاوَة: برتن۔

تشریح:

"وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُومِيَّةٌ": روایات میں "شامية" کے الفاظ بھی وارِد ہوئے ہیں اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ

شام کا علاقہ اُس وقت روم کے ماتحت تھا۔اور اس سے معلوم بھی ہوا کہ کفار کے بنائے ہوئے کپڑے پہنے جا سکتے ہیں۔

"ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ": اس سے معلوم ہوا کہ کپڑوں میں آستین اگر تنگ ہوں، مثلاً کف والی آستین پہننا جس میں بٹن لگے ہوئے ہوتے ہیں، وہ جائز ہے، آستین کا چوڑا اور کشادہ ہونا ضروری نہیں۔

"فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ" اس سے بھی معلوم ہوا کہ وضو کرتے ہوئے کسی سے مدد لینا درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

جس وقت وضو ٹوٹا ہے اس وقت سے ایک دن ایک رات یا تین دن تین رات کا حساب کیا جائے گا، جس وقت موزہ پہنا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسے کسی نے ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا پھر سورج ڈوبنے کے وقت وضو ٹوٹا تو اگلے دن کے سورج ڈوبنے تک مسح کرنا درست ہے اور سفر میں تیسرے دن سورج ڈوبنے تک۔جب سورج ڈوب جائے گا تو اب مسح درست نہ ہوگا۔

مدت مسح کی ابتداء کب سے ہوگی:

اس بارے میں **تین مذاہب** ہیں۔

- **امام حسن بصری** رحمۃ اللہ علیہ: موزہ پہننے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔

دلیل: مسح کا جواز موزہ پہننے کی وجہ سے ہے لہذا مدت مسح کی ابتداء بھی موزہ پہننے کے وقت سے ہوگی۔

- **امام اوزاعی ابوثور** رحمۃ اللہ علیہم: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مسح کرنے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔

دلیل: مسح کی مدت کی مقدار مسح کی وجہ سے ہے اس لئے مدت مسح کی ابتداء مسح کرنے کے وقت سے معتبر ہوگی۔

- **حنفیہ، شافعیہ، سفیان ثوری، جمہور علماء** رحمۃ اللہ علیہم: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اصح روایت یہ ہے کہ مدت مسح کی ابتداء حدث کے وقت سے ہوگی۔

دلیل: موزہ حدث سرایت کرنے سے مانع ہے چنانچہ مدت کا اعتبار اسی وقت سے ہوگا جس وقت سے اس نے حدث کو سرایت کرنے سے روکا ہے جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے۔

12 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَمَّنْ رَأَى جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَوْمًا تَوَضَّأَ وَمَسَحَ خُفَّيْهِ، فَسَأَلَهُ سَائِلٌ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ، وَإِنَّمَا صَحِبْتُهُ بَعْدَمَا نَزَلَتْ سُورَةُ الْمَائِدَةِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ان صاحب سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے ایک دن حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا ایک صاحب نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سورہ مائدہ نازل ہونے کے بعد رہا ہوں۔

وضاحت:

"وَإِنَّمَا صَحِبْتُهُ بَعْدَ مَا نَزَلَتْ سُورَةُ الْمَائِدَةِ": اس سے معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کی روایات منسوخ نہیں، کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے چالیس دن قبل اسلام لائے تھے، انہوں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا خوارج اور روافض کا یہ کہنا کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسح علی الخفین کی روایات منسوخ ہو چکی ہیں، سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں۔

13 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْحَارِثِ بْنِ أَبِي ضِرَارٍ صَحِبَ ابْنَ مَسْعُودٍ فِي سَفَرٍ، فَأَتَتْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا لَا يَنْزِعُ خُفَّيْهِ.

ترجمہ: حضرت محمد بن عمرو بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عمرو بن الحارث بن ابی ضرار رحمۃ اللہ علیہ ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے تین دن اور تین رات تک اپنے موزے نہیں اتارے (یعنی ان پر مسح کرتے رہے)۔

لغات: لا ینزع: (ف) کھینچنا، نکالنا۔

14 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْجُرْمُوقَيْنِ "قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: کہ وہ جرموق پر مسح کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

لغات: جرموق ان موزوں کو کہتے ہیں جو چمڑے کے موزے کی حفاظت کے لئے پہنے جاتے ہیں تا کہ اس کو نجاست وغیرہ سے بچایا جائے۔ بعض لوگ اس کو کالوش کہتے ہیں۔ فارسی کا معرب ہے، عربی میں اس کو موق کہتے ہیں۔

جرموق پر مسح کرنے کا حکم:

جرموق پر مسح جائز ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

- **پہلا مذہب:** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ جرموق پر مسح جائز نہیں ہے۔ یہی ایک روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

دلیل: موزہ پیروں کا بدل ہے اور بدل کا بدل نہیں ہوتا کیونکہ مسح علی الخفین پر احادیث وارد ہوئی ہیں پاؤں کا بدل ہو کر پس جرموق پر مسح جائز قرار دینا موزہ کا بدل ہو کر ہوگا حالانکہ یہ نا جائز ہے اس لئے جرموق پر مسح جائز نہیں ہے۔

جواب: جرموق بدل کا بدل ہے ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کیونکہ جرموق موزہ کا بدل نہیں بلکہ پاؤں کا بدل ہے جیسا کہ موزہ پاؤں کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے اس طرح جرموق موزے کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے چنانچہ موزہ پر جرموق ایسا ہو گیا جیسے دو تہ والا

موزہ اور دو تہ والے موزے کے اوپری حصہ پر مسح جائز ہے اسی طرح جرموق پر بھی جائز ہوگا۔

❁ **دوسرا مذہب:** حنفیہ امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ جرموق پر مسح جائز ہے۔

دلیل: حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رأیتُ رسولَ اللہ مَسَحَ عَلَی الْمُوْقَین"۔ موق بھی جرموق ہی کا نام ہے۔
اس کے علاوہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

جُرموق پر مسح کے جواز کی تفصیل اور اس کی شرائط:

جُرموق: جو موزے کے اوپر موزے کی حفاظت کی غرض سے پہنا جاتا ہے۔ (مصباح اللغات) اور عموماً یہ ٹخنوں سے نیچے تک ہی ہوتے ہیں۔

جُرموق پر مسح کرنا جائز ہے، بشرطیکہ:

① - جُرموق جس موزے پر پہنے گئے ہوں اُس پر مسح جائز ہونا چاہیئے۔ پس کپڑے کے موزے پر جُرموق پہن کر مسح جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ جُرموق خود ایسا ہو کہ اُس پر مسح کے جائز ہونے کی شرائط پائی جائیں تو اس پر مسح درست ہوگا، مثلاً: جُرموق چمڑے کا ہو یا کم از کم ثخینین ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ (عالمگیری:32/1، البحر الرائق:191/1)

واضح رہے کہ عموماً جُرموق ٹخنوں سے نیچے تک ہی ہوتے ہیں، لہٰذا مسح والے موزے کی شرائط ان میں نہیں پائی جاتیں، اس لئے جس موزے پر یہ پہنے جائیں اُس میں موزوں کی شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔

② - جُرموق حدث (یعنی وضو ٹوٹنے کا سبب) لاحق ہونے سے پہلے پہنے گئے ہوں۔ پس اگر خفین پہن کر حدَث لاحق ہونے کے بعد جُرموق پہنے جائیں تو مسح درست نہ ہوگا۔ (البدائع:11/1، البحر الرائق:190/1)

③ - جُرموق پر مسح کے بعد اُسے اُتارا نہ گیا ہو، کیونکہ جُرموق پر مسح کرنے کے بعد اُسے اُتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (البحر الرائق:190/1)

④ - جُرموق چمڑے کا یا کم از کم موٹے سوت کا ہو جس کو پہن کر مسلسل چلنا ممکن ہو، اور اگر باریک کپڑے کا ہو تو اس پر مسح درست نہ ہوگا، ہاں اگر اتنا باریک کپڑا ہو کہ جرموق پر مسح کرنے سے پانی نیچے تک سرایت کر کے پہنچ جائے تو ہو جائے گا۔

(البنایۃ مع الہدایۃ:607/1، عالمگیری:32/1)

موزے پر موزے پہننے کا حکم بھی جُرموق ہی کی طرح ہے۔ "وَالْخُفُّ عَلَى الْخُفِّ كَالْجُرْمُوقِ عِنْدَنَا فِي سَائِرِ أَحْكَامِهِ"۔

(البحر الرائق:190/1)

15 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: إِذَا كُنْتَ عَلَى مَسْحٍ، وَأَنْتَ عَلَى وُضُوءٍ، فَنَزَعْتَ خُفَّيْكَ فَاغْسِلْ قَدَمَيْكَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب تم مسح کر رہے ہو اور وضو سے ہو تو اپنے موزے اتار دو اور صرف اپنے پاؤں کو دھولو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔

اگر مسح کی مدت ختم ہو جائے تو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟

اس میں دو مذہب ہیں:

- **پہلا مذہب:** احناف رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ مدت مسح گزر جانے سے بھی مسح علی الخفین ٹوٹ جاتا ہے اور جب مدت مسح پوری ہو گئی تو موزے نکال کر پیر دھو کر نماز پڑھ لے باقی وضو کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔
- **دوسرا مذہب:** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اس پر وضو کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

دلیل: مدت گزر جانے سے پیروں کی طہارت ٹوٹ گئی اور حدث میں تجزی (ٹکڑے) نہیں ہے چنانچہ طہارت کا ٹوٹنا باقی اعضاء کی جانب بھی متعدی ہوگا۔ لہٰذا دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔

جواب: حدث نام ہے ناپاکی نکلنے کا اور مدت مسح کا گذر جانا ایسا نہیں ہے لہٰذا حدث مسح گزرنے کو حدث پر قیاس کرنا درست نہیں ہے

احناف کی **دلیل**: "وقد روی عن ابن عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ فِي غَزْوَةٍ فَنَزَعَ خُفَّيْهِ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوءَ"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ کسی غزوہ میں تھے چنانچہ آپ نے موزے نکال کر صرف اپنے پیروں کو دھویا اور باقی وضو کا اعادہ نہیں کیا۔

بَابُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

آگ میں پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنے کا بیان!

مسئلہ مما غیرت النار کی تحقیق:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شروع زمانہ میں اس بات میں اختلاف رہا کہ ما مست النار سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔

علامہ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاعتبار میں ان حضرات کے ناموں کو شمار کروایا ہے جو اس سے ناقض وضو ہونے کے قائل تھے ان کے نام یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوطلحہ، حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ حضرت انس بن مالک، حضرت

عمر بن عبد العزیز، حضرت شہاب الدین زہری رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

مگر بعد میں سب صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں اتفاق ہو گیا تھا جیسے کہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اس کے نقض کے قائل نہیں تھے۔ اور مواد الظمان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے کہ وہ بھی اس کے قائل نہیں تھے۔ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا تو اتفاق خود علامہ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ شروع میں تو اختلاف رہا مگر بعد میں سب کا اتفاق ہو گیا کہ یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اب بھی اختلاف کیا ہے ان کا اعتبار نہیں۔

16 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: لَوْ أُتِيتُ بِجَفْنَةٍ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ، فَأَكَلْتُ مِنْهَا حَتَّى أَشْبَعَ، وَبِعُسٍّ مِنْ لَبَنِ إِبِلٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى أَتَضَلَّعَ، وَأَنَا عَلَى وُضُوءٍ لَا أُبَالِي أَنْ لَا أَمَسَّ مَاءً، أَأَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا وُضُوءَ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ، وَإِنَّمَا الْوُضُوءُ مِمَّا خَرَجَ، وَلَيْسَ مِمَّا دَخَلَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس گوشت اور روٹی سے بھرا ہوا ایک پیالہ لایا جائے اور میں اس اسے پیٹ بھر کر کھاؤں اور اونٹ کے دودھ سے بھرا ہوا پیالہ مجھے دیا جائے اس سے بھی خوب سیر ہو کر پیوں اور میرا پہلے سے وضو ہو تو میں پانی کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں تب بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ کیا میں پاکیزہ چیزوں کے کھانے کے بعد وضو کروں گا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم اس کو پسند کرتے ہیں کہ ان چیزوں کے کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ وضو تو ان چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو باہر نکلے نہ کہ جو داخل ہوں۔

لغات: بعس: بڑے پیالہ کو کہتے ہیں۔ جفنة: بڑا برتن، دیگ، اشبع (س) سیر ہونا۔

17 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَاذَانَ، عَنْ شُرَحْبِيلَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتِي، فَأَتَيْتُهُ بِلَحْمٍ قَدْ شُوِيَ، فَطَعِمَ مِنْهُ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ، وَمَضْمَضَ ثُمَّ صَلَّى، وَلَمْ يُحْدِثْ وُضُوءًا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے گھر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا پھر پانی منگا کر ہاتھ دھوئے اور پھر کلی اور پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

لغات: شوی: (باب ض) بھونا۔

وضو لغوی کا حکم بھی ختم ہو گیا؟

"فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَمَضْمَضَ": اس حدیث بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ سے وضو لغوی مراد ہے جو ہاتھ

اورمنہ (یعنی کلی) دھونے کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی وضو مراد نہیں، اصطلاحی وضو سے نماز والا وضو مراد ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں بعد میں وضو لغوی کے استحباب کو بھی ختم کر دیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرہ ہونے لگا تھا کہ اس وضو کو واجب سمجھ لیا جائے گا۔

18- مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَةُ بْنُ مُسَاوِرٍ، قَالَ: كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ عَدِيِّ بْنِ أَرْطَأَةَ إِذْ سُئِلَ الْحَسَنُ الْبَصْرِي: أَتَوَضَّأُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَمَّتِهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَنَتَفَتْ لَهُ مِنْ كَتِفٍ بَارِدَةٍ، فَطَعِمَ مِنْهَا وَلَمْ يُحْدِثْ وُضُوءًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: شیبہ بن مساور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حضرت عدی بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا انہوں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا میں ان چیزوں کی وجہ سے وضو کروں جو آگ میں پکی ہو؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک ٹھنڈی دست سے گوشت الگ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کھایا اور وضو نہیں کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

لغات: فَنَتَفَت: (باب ضرب سے) بال اکھاڑنا۔

مما مست النار کا مسئلہ:

فَطَعِمَ مِنْهَا وَلَمْ يُحْدِثْ وُضُوءًا: اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو مما مست النار کے استعمال پر وضو کے قائل تھے اور یہی مذہب تابعین میں سے حضرت شہاب الدین زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا۔ (قلائد الازھار: 1/47) مگر مشہور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ علیہم میں سے ایک بھی اس کے استعمال سے نقض وضو کے قائل نہیں ہیں۔ (شرح مسلم للنووی: 1/156) علامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب بدایۃ المجتہد میں فرماتے ہیں وعلیہ فقھاء الامصار۔

(بدایۃ المجتہد: 1/39)

نظر طحاوی: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عقلی دلیل جس کو وہ نظر سے تعبیر کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب ہم نے دیکھا کہ وہی چیز آگ میں پکنے سے پہلے کھائی جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا تو ہم نے غور کیا آگ میں پکنے والی اشیاء کو دیکھا جس نے اس کے حکم کو بدل دیا تو خالص پانی کا جہاں تک تعلق ہے تو اس سے تو طہارت خود حاصل کرتے تو ہیں اور جب خالص پانی کو گرم کیا جائے تو پانی تو اپنی اصلی حالت میں ہی پانی رہتا ہے تو اب عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ جب پانی کھانا پکنے سے پہلے اس کا پینا ناقض وضو نہیں تو آگ میں پکنے کے بعد بھی ناقض وضو نہیں ہونا چاہئے۔ (طحاوی)

19- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي مَاجِدٍ الْحَنَفِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ قُعُودًا مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ رضى الله عنه إِذْ أَقْبَلُوا بِجَفْنَةٍ وَقُلَّةٍ مِنْ مَاءٍ مِنْ بَابِ الْفِيلِ نَحْوَنَا، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِنِّي لَأَرَاكُمْ تُرَادُونَ بِهَذِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَجَلْ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، مَأْدُبَةٌ كَانَتْ فِي الْحَيِّ فَوُضِعَتْ، فَطَعِمَ مِنْهَا وَشَرِبَ مِنَ الْمَاءِ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا، وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ بِبَلَلِ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا وُضُوءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ .قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا بَأْسَ بِالْوُضُوءِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ قَذَرٍ.

ترجمہ: ابو ماجد حنفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڑا پیالہ اور پانی کا مٹکا باب الفیل کی طرف سے ہمارے پاس لایا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ یہ تم لوگوں کے لئے لایا گیا ہے۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا، جی ہاں اے ابوعبدالرحمان (یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) محلہ میں ایک دعوت تھی۔ پس وہ رکھی گئی تو انہوں نے اس سے سے کھایا پیا پھر دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا اور ہاتھوں کی تری کو اپنے چہرے اور بازوؤں پر پھیر لیا پھر ارشاد فرمایا: یہ اس شخص کا وضوء ہے جو پہلے سے بے وضو نہ ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور کوئی حرج نہیں مسجد میں وضو کرنے میں جب کہ مسجد اس سے گندی نہ ہوتی ہو۔

لغات: اقبلوا (باب افعال سے)، آنا، اقبلوا بجفنة: بڑا برتن لے کر آنا۔ قلة: مشکیزہ، مادبة: دعوت کا کھانا، دسترخوان، بلل (باب نصر سے) تر کرنا، بھگونا۔ قَذر: گندگی۔

آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال کرنے کے بعد وضو کرنے کی مختلف حکمتیں:

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مما مست النار کے استعمال کرنے کے بعد وضو لغوی کر لیا جائے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کو آگ پہنچی اور اس نے اپنا اثر اس چیز پر کیا اور پھر اس آگ والی چیز کو کھایا تو آگ شیطانی مادہ ہے تو اب وضو کرنے کا حکم دیا تا کہ آگ کو پانی سے بجھا دیا جائے۔ اس لئے وضو کرنے کو فرمایا ہے نہ کہ نقض الوضوء کی بناء پر۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وضو خواص امت کیلئے ہے نہ کہ عوام کیلئے۔

بَابُ مَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ مِنَ الْقُبْلَةِ وَالْقَلْسِ

بوسہ اور قے سے وضو ٹوٹنا!

لغات: الْقُبْلَة: بوسہ لینے کو کہتے ہیں۔ اس میں بنیادی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يُقَبِّلُ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ يَمْضِي إِلَى الصَّلٰوةِ وَلَا يُحْدِثُ وُضُوءًا۔

الْقَلْس: جو کچھ حلق سے نکلے خواہ منہ بھر کر ہو یا نہ ہو اور اگر اس کو لوٹا لے تو اس کا نام قے ہو گا۔ نہایہ میں ہے کہ جو پیٹ سے نکلے اس کو قلس کہتے ہیں۔

20- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا قَلَسْتَ مِلْءَ فِيكَ فَأَعِدْ وُضُوءَكَ، وَإِذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ مِلْءِ فِيكَ فَلَا تُعِدْ وُضُوءَكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اگر تمہیں منہ بھر کر قے آجائے تو وضو دوبارہ کرو اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو اب وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

لغات: قَلَسْتَ: منہ بھر کر قے کو کہتے ہیں، بعض اس کے عکس کو کہتے ہیں یعنی جب منہ بھر کر قے نہ ہو۔ بعض اس کو عام رکھتے ہیں۔ فَلَا تُعِدْ: افعال، لوٹانا، واپس کرنا۔

قے یعنی اُلٹی سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں:

- **احناف وحنابلہ** رحمہم اللہ: احناف کے نزدیک منہ بھر کر ہونا جبکہ حنابلہ کے نزدیک کثیر ہونا شرط ہے، ورنہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔
- **شوافع اور مالکیہ** رحمہم اللہ: قے سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ "لأن الخارج من غير السبيلين لا ينقض الوضوء"۔
- **اِمام زفر** رحمۃ اللہ علیہ: قے سے وضو مطلقاً ٹوٹ جاتا ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ (موسوعة فقهية كويتة: 88،87/34)

اُلٹی اگر تھوڑی تھوڑی کر کے مختلف وقتوں میں ہوئی ہو تو اُس کے ناقض ہونے کی تفصیل:

اگر اُلٹی تھوڑی تھوڑی کر کے مختلف وقت میں ہوئی تو اُس کے ناقض ہونے یا نہ ہونے میں حضرات احناف کے دو قول ہیں:

- **اِمام ابو یوسف** رحمۃ اللہ علیہ: اتحادِ مجلس کا اعتبار ہے، یعنی ایک ہی مجلس میں ہو تو منہ بھر ہونے کی صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔
- **اِمام محمد** رحمۃ اللہ علیہ: اتحادِ سبب کا اعتبار ہے، یعنی اُلٹی کا سبب اگر ایک ہی ہے تو اس کی وجہ سے ہونے والی اُلٹی جو تھوڑی تھوڑی کر کے ہوئی ہے اُس کو دیکھا جائے گا، اگر منہ بھر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ (موسوعة فقهية كويتة: 88/34)

کون سی اُلٹی سے وضوٹوٹتا ہے:

اُلٹی اگر کھانے یا پانی کی ہوتو اس کی تفصیل وہی ہے،یعنی منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹے گا،ورنہ نہیں۔

اور اگر خون کی ہوتو دیکھا جائے گا کہ خون جما ہوا ہے یا مائع شکل میں ہے:

① -اگر دَمِ علق یعنی جمے ہوئے خون کی اُلٹی ہوتو اُس میں وہی تفصیل ہے،یعنی منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹے گا،ورنہ نہیں۔

② -اور اگر دمِ سیّال کی شکل میں اُلٹی ہوتو اس میں اختلاف ہے:

- **اِمام محمد** رحمۃ اللہ علیہ:اس صورت میں بھی منہ بھر کر ہونے کی شرط ہے،ورنہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔
- **حضرات شیخین** رحمۃ اللہ علیہما:اُلٹی اگر مائع شکل میں از خود نکلے اور اُس میں کوئی زور نہ ہوتو تھوڑی سی بھی نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا ،منہ بھر کر ہونا شرط نہیں،کیونکہ معدہ خون کا محل نہیں،لہٰذا یہ زخم سے خون نکلنے کی طرح ہے۔(موسوعة فقهية كويتة:88/34)

21 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ فَتُقَبِّلُهُ خَالَتُهُ أَوْ عَمَّتُهُ، أَوِ امْرَأَةٌ مِمَّنْ يَحْرُمُ عَلَيْهِ نِكَاحُهَا. قَالَ: لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ إِذَا قَبَّلَ مَنْ يَحْرُمُ عَلَيْهِ نِكَاحُهَا. وَلَكِنْ إِذَا قَبَّلَ مَنْ يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ، وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْحَدَثِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ. وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا وَلَا نَرَى فِي الْقُبْلَةِ وُضُوءًا عَلَى حَالٍ إِلَّا أَنْ يَمْذِيَ فَيَجِبُ عَلَيْهِ لِلْمَذْيِ الْوُضُوءُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ:حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا:جو کسی سفر سے واپس آئے اور اس کی خالہ،پھوپھی یا کوئی اور ایسی عورت اس کا بوسہ لے جس سے نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہوتو اس پر فرمایا کہ وضو کرنا اب اس پر واجب نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسی عورت اس کا بوسہ لے جس سے نکاح کرنا اس کے لئے جائز ہوتو اب ایسی صورت میں وضو کرنا واجب ہوگا۔یہ ایسا ہوا جیسے کہ وضو ٹوٹ جائے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہمارا عمل اس پر ہے کہ بوسہ سے وضو کرنے کو اس وقت واجب کہتے ہیں کہ جب اس کی وجہ سے اس کی مذی نکل آئے تو اب وضو مذی کے خروج کی بناء پر واجب ہوگا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

لغات: قبل (باب تفعیل)،چومنا،بوسہ لینا،مذی:وہ پانی جو آدمی کو عورت کے ساتھ کھیلتے وقت یا جماع کرنے سے پہلے نکلتا ہے۔

عورتوں کو چھونے سے وضوٹوٹتا ہے یا نہیں؟

اس کے متعلق فقہاء کے **تین اقوال** ہیں۔

قُبلہ یعنی بوسہ لینا دراصل مسِّ مرأۃ یعنی عورت کو چھونے ہی کا مسئلہ ہے کہ اس کی وجہ سے اگر مذی نکل جائے تو بالاتفاق وضوٹوٹ جاتا ہے،لیکن اگر مذی خارج نہ ہوتو اس سے وضوٹوٹتا ہے یا نہیں،اس میں اختلاف ہے:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم: ناقض وضو نہیں، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم: ناقض وضو ہے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

پھر.................ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان وضو کے ٹوٹنے کی شرائط میں فرق ہے:

- شوافع رحمۃ اللہ علیہم: بلا حائل ہونا شرط ہے۔ شہوت شرط نہیں۔
- مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم: شہوت شرط ہے۔ بلا حائل ہونا شرط نہیں۔
- حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم: شہوت اور بلا حائل ہونا دونوں کی شرط ہے۔(الفقہ علی المذاہب الاربعہ:74/1)

بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ

شرم گاہ کو چھونے سے وضو کرنا!

22 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي مَسِّ الذَّكَرِ أَنَّهُ قَالَ: مَا أُبَالِي أَمَسِسْتُهُ أَمْ طَرَفَ أَنْفِي، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ذکر کے چھونے کے بارے میں مروی ہے فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں شرم گاہ یا اپنی ناک کے کنارے کو چھوؤں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ہمارا عمل اسی پر ہے۔

لغات: انفی: اپنی ناک، طرف: حصہ، کنارہ۔

مسِّ ذَکر یعنی شرمگاہ کو چھونا ناقضِ وضو ہے یا نہیں؟

اختلافِ روایات کی وجہ سے یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، جس میں ائمہ کرام کا اِختلاف ہے:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم: ناقض وضو نہیں۔
- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم: ناقض وضو ہے۔

پھر...........ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان مَسِّ ذَکر کے ناقضِ وضو ہونے کی شرائط میں کچھ فرق ہے:

- مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم:

بلوغ: یعنی وضو ٹوٹنے کیلئے بالغ ہونا شرط ہے۔

ذکر نفسہ لا غیرہ: یعنی صرف اپنی شرمگاہ کو چھوا جائے تو وضو ٹوٹے گا۔

مس الذکر لا غیر: یعنی یہ حکم صرف ذَکر (مرد کی شرمگاہ) کیلئے ہے، مَقعد یا عورت کی شرمگاہ کو چھونے کا نہیں۔

بلا حائل: یعنی کپڑے وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر براہ راست چُھوا جائے تو وضوٹوٹے گا، ورنہ نہیں۔

بباطن الکف وجنبه: یعنی صرف ہتھیلی یا اس کے کنارے سے چُھوا جائے تو وضوٹوٹے گا، ورنہ نہیں۔

شوافع وحنابلہ رحمۃ اللہ علیہم:

ان کے مسلک کے مطابق شرمگاہ خواہ مرد کی ہو یا عورت کی، اپنی ہو یا دوسرے کی، اِسی طرح ذَکر کو چُھوا جائے یا مَقعد کو، تمام صورتوں میں وضوٹوٹ جائے گا، البتہ دو باتوں کی شرط ہے:

بلا حائل: یعنی کپڑے وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر براہ راست چُھوا جائے تو وضوٹوٹے گا، ورنہ نہیں۔

بباطن الکف: یعنی صرف ہتھیلی سے چھوا جائے تو وضوٹوٹے گا۔(الفقہ علی المذاہب الاربعة:78/1)

23- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ، فَقَالَ: إِنْ كَانَ نَجِسًا فَاقْطَعْهُ، يَعْنِي أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شرم گاہ کے چھونے پر وضو کے واجب ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر وہ ناپاک ہے تو اسے کاٹ ڈالو یعنی اس کے چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

24- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرَّ بِرَجُلٍ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ فَقَالَ: مَا تَصْنَعُ وَيْحَكَ إِنَّ هَذَا لَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَغَسْلُهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا إِذَا بَالَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک آدمی پر گذر ہوا جو اپنی شرم گاہ کو دھورہے تھے انہوں نے فرمایا: برا ہو تیرے لئے تو کیا کر رہا ہے؟ یہ تجھ پر فرض نہیں کیا گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پیشاب کے بعد اس کا دھونا ہمیں زیادہ پسند ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: ویحك: تیرا ناس ہو۔ مَا تَصْنَعُ: (ف) کرنا، بنانا۔ لَمْ يُكْتَب: (ن) لکھنا، عَلَيْكَ: فرض کرنا، لازم کرنا۔

وضاحت:

"**يَغْسِلُ ذَكَرَهُ**": اِستنجاء بالماء یعنی پانی سے استنجاء کرنا تو پسندیدہ عمل ہے جیسا کہ اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا گیا ہے، پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے تنبیہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

① – وہ شخص یا تو دھونے میں مبالغہ کر رہا تھا جس سے اُنہوں نے منع کیا۔

② – ہوسکتا ہے کہ وہ استنجاء بالماء کو لازمی سمجھتے ہوئے پانی استعمال کرتا ہو، صحابی نے اُس کو تنبیہ کی۔

بَابُ مَا لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، الْمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْجَسَدِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

پانی، زمین اور جنبی وغیرہ کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی!

25 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ، عن الشعبى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷛، قَالَ: أَرْبَعَةٌ لَا يُنَجِّسُهَا شَيْءٌ: الْجَسَدُ، وَالثَّوْبُ، وَالْمَاءُ، وَالْأَرْضُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَتَفْسِيرُ ذٰلِكَ عِنْدَنَا أَنَّ ذٰلِكَ إِذَا أَصَابَهُ الْقَذَرُ، فَغُسِلَ ذَهَبَ ذٰلِكَ عَنْهُ، فَلَمْ يَحْمِلْ قَذَرًا، وَإِنَّمَا مَعْنَاهُ فِي الْمَاءِ إِذَا كَانَ كَثِيرًا أَوْ جَارِيًا أَنَّهُ لَا يَحْمِلُ خَبَثًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار چیزوں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی جسم، کپڑا، پانی اور زمین۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی پر نجاست لگ جائے اسے دھولیا جائے تو وہ نجاست اس سے دور ہوجاتی ہے اور وہ ناپاک نہیں رہتی پانی سے مراد زیادہ پانی یا جاری پانی ہے کہ وہ صرف نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔

لغات: الجسد: بدن ماسوائے راس واطراف کو کہتے ہیں اور جسد مجموعہ کو کہتے ہیں۔ ما یحمل: (باب ضرب سے) اٹھانا، برداشت کرنا۔ قذر: گندگی۔ خبثا: کوڑا، ناپاکی۔

وضاحت:

"أَرْبَعَةٌ لَا يُنَجِّسُهَا شَيْءٌ": یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں، کیونکہ ظاہری معنی دیکھا جائے تو بہت سی احادیث کے ساتھ تعارض ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ چاروں چیزیں تو ناپاک ہوتی ہیں۔ پھر اس کا مطلب ومعنی کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

① - ہمیشہ کیلئے ناپاک نہیں ہوتے، یعنی اگر ناپاک ہوتے ہیں تو پاک بھی ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفسیر ہے۔

② - پانی اگر کثیر یا جاری ہو۔ یعنی پانی کی صورت میں اس جُملہ کا مطلب یہ ہے کہ پانی اگر کثیر یا جاری ہو تو اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، جیسا کہ خود حدیث کے بعد اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

③ - شیئ سے مراد جنابت ہے۔ یعنی ان چاروں چیزوں کو جنابت کی حالت ناپاک نہیں کرتی، چنانچہ جنبی کسی سے مُصافحہ کرے تو اُس کا ہاتھ ناپاک نہیں ہوگا، کوئی کپڑا پہنے تو وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، پانی کو چھوئے یا ہاتھ ڈالے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، کسی جگہ بیٹھے تو وہ جگہ ناپاک نہیں ہوگی، پس گویا ان چاروں چیزوں کو کوئی چیز یعنی جنابت ناپاک نہیں کرتی۔ (قلائد الأزھار: 63/1)

پانی کب نجس ہوتا ہے؟

جس پانی میں نجاست پڑ جائے، اس سے وضوو غسل درست نہیں چاہے وہ ٹھہرا ہوا پانی تھوڑا ہو یا زیادہ البتہ اگر بہتا ہوا پانی ہو تو وہ نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے رنگ یا مزے یا بو میں فرق نہ آئے اگر فرق آ گیا تو بہتا ہوا پانی بھی نجس ہو

جائے گا۔

پانی میں نجاست گرنے سے پانی کے پاک رہنے اور ناپاک ہوجانے کے سلسلہ میں اختلاف ہے

اختلاف فقہاء:

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: پانی میں نجاست گرنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا، جب تک کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو پانی کم ہو یا زیادہ۔

دلیل: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب پر بئر بضاعہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں صحابی کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" یعنی پانی پاک ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرتی اس حدیث میں ماء قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں ہر پانی کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت بئر بضاعہ کے حق میں وارد ہوئی ہے اور بئر بضاعہ کا پانی باغوں میں جاری تھا، لہذا اس سے ٹھہرے ہوئے پانی کے نجس نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

- **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم: اگر ماء قلیل میں نجاست گر جائے تو مطلقا ناپاک ہوجاتا ہے اگرچہ تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک نہ بھی بدلے اور اگر ماء کثیر میں نجاست گر جائے، تو پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا، جب تک کہ احد الاوصاف میں تغیر نہ ہو۔

پھر ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کتنے پانی کو قلیل کہیں گے، اور کتنے کو کثیر۔

- **شافعیہ اور حنابلہ** رحمۃ اللہ علیہم: اس بات پر متفق ہیں کہ اگر پانی قلتین کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے اور قلتین سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔

- **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: کے نزدیک ماء قلیل کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ مبتلی بہ کی رائے معتبر ہے، اگر مبتلی بہ کا گمان اس حوض کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کی نجاست کا اثر دوسری جانب پہنچ جاتا ہے، تب تو قلیل ہے اور اگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ دوسرے کنارے تک اس کا اثر نہیں پہنچتا تو وہ کثیر ہے۔

- **امام ابو یوسف** رحمۃ اللہ علیہ: کے نزدیک ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت ہوجائے تو وہ ماء قلیل ہے اور اگر حرکت نہ ہو تو ماء کثیر ہے۔

- **امام محمد** رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں کہ اگر وہ دہ دردہ سے کم ہو تو قلیل ہے اور اگر وہ دہ دردہ یا اس سے زیادہ ہے تو کثیر ہے، قول اول محقق ہے لیکن متاخرین نے عوام الناس کی آسانی کے لئے قول ثالث پر فتوی دیا ہے۔

شافعیہ وحنابلہ رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے جس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اس پانی کے متعلق سوال کیا جس میں درندے وغیرہ منہ ڈال دیا کرتے ہیں تو آپ نے جواباً فرمایا: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ. یعنی جب پانی دو قلہ کے برابر ہو تو ناپاک نہیں ہوتا، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مقدار قلتین ماء کثیر ہے اور اس سے کم ماقلیل ہے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ حدیث کی سند و متن میں اضطراب ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ.

آپ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور غسل جنابت سے منع فرمایا ہے، حالانکہ غسل جنابت کرنے سے بلکہ پیشاب کرنے سے بھی پانی کے رنگ بو مزہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی اگر پانی کسی حال میں بھی ناپاک نہیں ہوتا تو پھر منع کرنے کا کیا فائدہ۔

دوسری دلیل: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ.

اس حدیث میں محض احتمال نجاست کی بناء پر پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کر دیا گیا تو حقیقتاً پانی میں نجاست پڑ جانے کے بعد تو بدرجہ اولی پانی ناپاک ہو جائے گا۔

26- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَ هُوَ مُعْتَكِفٌ، فَتَغْسِلُهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَ هِيَ حَائِضٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، لَا نَرَى بِهِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حالت اعتکاف میں ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر (مبارک) مسجد سے باہر نکالا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں بھی ہوتی تھیں تو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک دھو دیا کرتی تھیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اس میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وضاحت:

"يُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ": اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں مسجد سے صرف سر یا ہاتھ وغیرہ نکالنا جبکہ پاؤں اندر ہی ہوں اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، کیونکہ عرف میں نکلنے کا تعلّق پاؤں کے ذریعہ سے نکلنا ہوتا ہے۔

"**فَتَغْسِلُهُ عَائِشَةُ**": اس سے معلوم ہوا کہ حیض یا جنابت کی حالت میں عورت یا جنبی کسی کو ہاتھ لگائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ حیض یا جنابت ایک حکمی ناپاکی ہے جو ہاتھ لگانے سے منتقل نہیں ہوتی۔

کما فی حدیثِ عائشۃ رضی اللہ عنہا: "رُبَّمَا اغْتَسَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الجَنَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ فَاسْتَدْفَأَ بِي، فَضَمَمْتُهُ إِلَيَّ وَلَمْ أَغْتَسِلْ"۔ (ترمذی:123)

27 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ يَمْشِي إِذْ عَرَضَ لَهُ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَاعْتَمَدَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخَّرَ حُذَيْفَةُ رضی اللہ عنہ يَدَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَكَ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي جُنُبٌ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِحَدِيثِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَأْخُذُ، لَا نَرَى بِمُصَافَحَةِ الْجُنُبِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے کہ سامنے سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آ گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ٹیک لگانا چاہا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو پیچھے کر لیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں جنابت کی حالت میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر ہم عمل کرتے ہیں کہ جنبی سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بَابُ الْوُضُوءِ لِمَنْ بِهِ قُرُوحٌ أَوْ جُدَرِيٌّ أَوْ جِرَاحٌ

چیچک زخم اور آبلہ والے شخص کا وضو کرنا!

لغات: قروح: یہ جمع ہے قَرْحَةٌ کی بمعنی زخم۔ جُدری: جیم پر پیش اور دال پر زبر کے ساتھ ہے یا دونوں کا زبر بھی پڑھ سکتے ہیں بمعنی چیچک یہ چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں کبھی بڑے بڑے دانے ہوتے ہیں۔ جراح، یہ جراحۃ کی جمع ہے: آبلہ۔

28- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَرِيضِ لَا يَسْتَطِيعُ الْغُسْلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، أَوِ الْحَائِضِ، قَالَ: يَتَيَمَّمُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بیمار یا حائضہ کے بارے میں جو غسل جنابت نہ کر سکے یہ فرمایا کہ وہ تیمم کرے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: اَلْجَنَابَةُ: جَنب (ن) جنبًا وَجَنب (س) جنبا الیہ: مائل ہونا، مشتاق مضطرب ہونا۔ جنابۃ۔ الرجل: ناپاک ہونا، جنب: پہلو میں درد والا ہونا، نمونیا لاحق ہونا۔ الحَائِض: حَاضَتْ (باب ض) حَيضاً وَتَحَيَّضَتِ المرأۃ: ماہواری خون جاری ہونا۔

معذور لوگ کن حالات میں تیمم کر سکتے ہیں؟ مذاہب ائمہ:

علماء کرام فرماتے ہیں کہ مریض کی تین حالتیں ہیں

اول: یہ کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو مثلاً چیچک زخم وغیرہ، ایسے مریض کے لئے نماز کے وقت بالاتفاق تیمم جائز ہے۔

دوم: پانی تو مضر نہیں مگر حرکت کرنا مریض کا یہ مضر ہے جیسے کہ دستوں کا مریض ریشہ کی بیماری تو اس میں اگر مددگار موجود نہ ہو تو بالاتفاق تیمم جائز ہوگا۔ اور اگر مددگار موجود ہو تو صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تیمم جائز نہیں، مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

سوم: مریض وضو پر قادر نہ ہو، نہ بذات خود نہ کسی دوسرے کی مدد سے تو اس صورت میں ایک قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز نہ پڑھے جب تک کہ کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہ تشبہ بالمصلین کرے، بعد میں اعادہ کرے۔

29- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ الْمَرِيضَ الْمُقِيمَ فِي أَهْلِهِ الَّذِي لَا يَسْتَطِيعُ مِنَ الْجُدَرِيِّ وَالْجِرَاحَةِ الَّتِي يُتَّقَى عَلَيْهَا الْمَاءُ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمُسَافِرِ الَّذِي لَا يَجِدُ الْمَاءَ، يُجْزِيهِ التَّيَمُّمُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا بیمار جو گھر پر مقیم ہو یا جو چیچک زدہ ہو یا ایسا زخم ہو جس کی وجہ سے وہ پانی سے بچایا جاتا ہو یہ اس مسافر کی طرح ہے جسے پانی نہ ملے اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔

لغات: الْجُدَرِيُّ: جَدَرَ (باب ن)، چیچک نکلنا۔ الجراحة: جرح (باب س) جرحًا: زخمی ہونا، جرحه: بہت زخمی ہونا، الجراحة: زخم، جمع: جراح وجراحات۔ يَتَّقِي: حفاظت کرنا، تکلیف سے بچانا۔

30- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: فِي الرَّجُلِ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، قَالَ: يَمْسَحُ عَلَى الْجَبَائِرِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِنْ كَانَ يُخَافُ عَلَيْهِ مِنْ مَسْحِهِ عَلَى الْجَبَائِرِ تُرِكَ أَيْضًا، وَأَجْزَأَهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی شخص غسل جنابت کرے تو فرمایا کہ زخم کی پٹی پر مسح کرے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر ایسے شخص کو پٹی پر مسح کرنے سے نقصان ہونے کا خطرہ ہو تو وہ پٹی پر مسح بھی نہ کرے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الجَبَائِرِ: (باب ن): ٹوٹی ہوئی ہڈی درست ہونا۔ يَمْسَحُ: (ف) مُسْحًا الشيء: پونچھنا۔

مسح علی الجبیرہ دلیل عقلی ونقلی دونوں سے ثابت ہے:

جبیرہ پر مسح کرنا محدث کے لئے جائز ہے خواہ وہ پٹی طہارت کی حالت میں باندھی گئی ہو یا حدث کی حالت میں۔ مسح علی الجبیرہ دلیل عقلی ونقلی دونوں سے ثابت ہے۔

دلیل عقلی: جبیرہ کھولنے اور باندھنے میں موزہ اتارنے کی بہ نسبت زیادہ حرج ہے اور حرج دور کرنے کیلئے ہی موزوں پر مسح جائز ہوا ہے تو جبیرہ پر بدرجہ اولی مسح کرنا جائز ہوگا۔

دلیل نقلی: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر آ لگا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا پھر اتفاق سے ان کو احتلام بھی ہو گیا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا کہ کیا میرے لئے تیمم کی گنجائش ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے لئے ہم کوئی رخصت نہیں پاتے (انہوں نے اجازت نہ دی) حالانکہ تم کو پانی کے استعمال پر قدرت بھی ہے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے غسل کرلیا (جس سے دماغ کے اندر پانی پہنچا) اور انتقال ہو گیا واپسی میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان ہی لوگوں نے اس شخص کو مارڈالا اللہ انہیں قتل کرے جب وہ جانتے نہ تھے تو پوچھا کیوں نہیں، مصیبت زدہ کی شفا سوال ہی ہے، اسے تیمم کافی تھا یا وہ زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا اور باقی بدن کو دھو لیتا۔ (بذل المجهود: ج ۱، ص: ۲۰۵:۲۰۵)

بَابُ التَّيَمُّمِ

تیمم کرنے کا بیان!

لغوی تعریف: تیمم، باب تفعل سے ہے بمعنی قصد کرنا، ارادہ کرنا، (قال تعالی: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ)

اصطلاحی تعریف: اَلْقَصْدُ إِلَى الصَّعِيدِ الطَّاهِرِ لِلطهر۔

دوسری تعریف: "قَصْدُ الصَّعِيدِ الطَّاهِرِ، وَاسْتِعْمَالُهُ بِصِفَةٍ مَخْصُوصَةٍ لِإِزَالَةِ الْحَدَثِ"۔

حدث یعنی نجاستِ حکمیہ کو زائل کرنے کی نیت سے پاک مٹی کو مخصوص طریقے سے اِستعمال کر کے اُس کے ذریعہ طہارت کے حصول کا اِرادہ کرنا تیمم کہلاتا ہے۔ (التعریفات للجرجانی:71)

مشروعیت: تیمم امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواص میں سے ہے۔ اس سے پہلے کسی امت کے لئے اجازت نہیں تھی کہ تیمم کر کے نماز پڑھے، جیسے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے: "جعلت لی الأرض کلها مسجدا وطهورا"۔

32 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي التَّيَمُّمِ قَالَ: تَضَعُ رَاحَتَيْكَ فِي الصَّعِيدِ، فَتَمْسَحُ وَجْهَكَ ثُمَّ تَضَعُهُمَا الثَّانِيَةَ فَتَنْفُضُهُمَا فَتَمْسَحُ يَدَيْكَ، وَذِرَاعَيْكَ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ

نَأْخُذُ وَنَرَى مَعَ ذَلِكَ أَنْ يَنْفُضَ يَدَيْهِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَمْسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے تیمم کے بارے میں یہ بات مروی ہے فرمایا: کہ تم اپنی ہتھیلیاں مٹی پر مارو اور پھر اس کو اپنے چہرے پر مسح کرلو پھر دوبارہ دونوں ہاتھوں کو مارو اور انہیں جھاڑ کر ہاتھوں اور کہنیوں تک بازو کا مسح کرلو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہ کہ منہ اور ہاتھوں کا مسح کرنے سے قبل دونوں ہاتھوں کو جھاڑ لیا جائے اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: تَضَعُ: رکھنا الشيء من يَدِهِ: گرانا۔ من فلان: مرتبہ سے گھٹانا۔ راحتيك: الراحة آرام، الراح کا واحد (اس کی جمع) راحات لَيْلَةٌ رَاحَة: تیز ہوا والی رات۔ فَتَنفُضُها: نَفَضَ (باب ن) نَفْضًا الثوب: کپڑے جھاڑنا۔

تیمّم کا طریقہ وکیفیت:

تیمّم کے طریقے میں دو چیزیں اختلافی ہیں:

① - تیمّم میں ضربات کتنی ہیں۔ ② - یدین میں مسح کی مقدار کتنی ہے۔

تیمّم میں ضربات کتنی ہیں؟

- حنابلہ، اِسحاق اور اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہم: ضربة واحدة، یعنی ایک ہی ضرب جس سے وجہ اور ید دونوں کا مسح ہوگا۔
- احناف وشوافع رحمۃ اللہ علیہم: ضربتین، یعنی دو ضربیں ہیں، ایک سے وجہ اور دوسری سے ید کا مسح ہوگا
- مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم: تین قول ہیں، مذکورہ بالا دونوں اقوال کے ساتھ تیسرا قول جو اُن کے نزدیک راجح ہے، وہ یہ کہ دو ضربیں ہیں، لیکن اُن میں پہلی ضرب فرض اور دوسری سنّت۔ (الدر المنضود: 1/423، 424)

تیمّم میں یدین کے مسح کی مقدار کیا ہے؟

- اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ: اِلی الکوعین، یعنی صرف کفّین کا مسح ہوگا، کلائیاں شامل نہیں۔
- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم: اِلی المرفقین یعنی کہنیوں تک مسح ہوگا۔ (الدر المنضود: 1/424)

32 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا تَيَمَّمَ الرَّجُلُ، فَهُوَ عَلَى تَيَمُّمِهِ، مَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ أَوْ يُحْدِثْ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ، انہوں نے فرمایا: جب کوئی شخص تیمم کرلے تو اس کا تیمم اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اسے پانی نہ ملے یا جب تک اسے کوئی حدث پیش نہ آئے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تیمّم طہارتِ مطلقہ ہے یا ضروریہ:

طہارتِ مطلقہ کا مطلب: یہ ہے کہ تیمم میں وضو کی طرح مطلقاً اور مکمل پاکی حاصل ہوجاتی ہے۔

طہارتِ ضروریہ کا مطلب: یہ ہے کہ تیمم ایک وقتی اور ضرورت کی وجہ سے طہارت ہے وضو کی طرح مکمل اور دائمی طہارت نہیں، پس وقت کے داخل ہونے سے پہلے تیمم کرلینا یا وقت کے نکلنے کے بعد اُسی تیمم سے نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

مذکورہ دونوں معنوں کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھئے کہ اِس میں اختلاف ہے کہ تیمّم طہارتِ مطلقہ ہے یا طہارتِ ضروریہ:

- احناف رحمہ اللہ علیہم: تیمّم طہارتِ مطلقہ ہے۔
- ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ علیہم: تیمّم طہارتِ ضروریہ ہے۔

ثمرۂ اختلاف:

①- وقت سے پہلے تیمم کرنا:

- احناف رحمہ اللہ علیہم: نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے بھی تیمّم کیا جاسکتا ہے۔
- ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ علیہم: وقت سے پہلے تیمّم کرنا درست نہیں اِس لئے کہ اُس وقت ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی۔

②- وقت کے بعد تیمم کرنا:

- احناف رحمہ اللہ علیہم: نماز کا وقت نکل جانے سے وضو کی طرح تیمم بھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ طہارتِ مطلقہ ہے۔

فائدہ: احناف رحمہ اللہ علیہم کے نزدیک وقت کے اندر اور بعد میں بھی تیمّم سے فرائض و نوافل، قضاء و اداء سب پڑھ سکتے ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ علیہم میں شوافع و مالکیہ رحمہ اللہ علیہم ہر فرض نماز کیلئے مستقل تیمّم ضروری ہے، البتہ اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احناف رحمہ اللہ علیہم کی طرح قضاء و اداء دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن صرف وقت کے اندر۔ (الدر المنضود: 423/1)

تیمّم حدثِ اَصغر و اَکبَر دونوں کیلئے ہے:

تیمّم صرف وضو ہی کے قائم مقام نہیں بلکہ وضو اور غسل دونوں کے قائم مقام ہوجاتا ہے، چنانچہ کوئی شخص اگر جنبی ہو اور غسلِ جنابت کیلئے پانی دستیاب نہ ہو تو وہ غسلِ جنابت کی نیت سے تیمّم کرلے اُس کی جنابت زائل ہوجائے گی۔

یہ مسئلہ جمہور کے نزدیک متفق علیہ ہے، البتہ اِس میں صرف اِبراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اُن کے نزدیک تیمّم صرف حدثِ اَصغر ہی میں کیا جاسکتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عُمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی ابتداءً یہی رائے تھی، لیکن بعد میں انہوں نے رجوع کرلیا تھا۔ (الدر المنضود: 424/1)

33- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: أَحَبُّ إِلَيَّ إِذَا تَيَمَّمَ أَنْ يَبْلُغَ الْمِرْفَقَيْنِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَا يُجْزِيهِ التَّيَمُّمُ حَتَّى يَتَيَمَّمَ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے تیمم میں یہ بات پسند ہے کہ کہنیوں تک مسح کیا جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اگر کسی نے کہنیوں تک مسح نہیں کیا تو تیمم نہ ہوگا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بَابُ أَبْوَالِ الْبَهَائِمِ وَغَيْرِهَا

چوپایوں وغیرہ کے پیشاب کا بیان!

لغات: ابوال: جمع بول کی بمعنی پیشاب، الْبَهَائِم: یہ جمع ہے بهيمة کی، بهيمة: ہر چار پاؤں والے جانور کو کہتے ہیں خواہ وہ خشکی کا ہو یا سمندر کا، مگر یہاں پر ان جانوروں کے حکم کو بیان کرنا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

غيرها: اس سے مراد بچہ وغیرہ کے پیشاب کا حکم ہے۔

34 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِبَوْلِ كُلِّ ذَاتِ كِرْشٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَكْرَهُهُ، وَكَانَ يَقُولُ: إِذَا وَقَعَ فِي وَضُوءٍ أَفْسَدَ الْوَضُوءَ، وَإِنْ أَصَابَ الثَّوْبَ مِنْهُ شَيْءٌ كَثِيرٌ ثُمَّ صَلَّى فِيهِ أَعَادَ الصَّلَاةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ رحمه الله: وَلَا أَرَى بِهِ بَأْسًا لَا يُفْسِدُ مَاءً وَلَا وَضُوءًا وَلَا ثَوْبًا.

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرمایا جگالی کرنے والے جانور کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے برا سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر کپڑے میں زیادہ مقدار میں لگ جائے اور آدمی اس میں نماز پڑھ لے باوجود پاک کپڑے موجود ہونے کے) تو اب نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں اس سے نہ پانی ناپاک ہوتا ہے اور نہ ہی کپڑا۔

لغات: کرش: پھٹے ہوئے کھر۔ اونٹ اور شتر مرغ کی ٹاپ کو بھی کہتے ہیں۔ أصاب من الشيء: لینا، الشيء: پانا، جڑ سے اکھیڑنا۔ وَلَا أَرَى بِهِ: رَأَى يَرَى: بصارت یا بصیرت سے دیکھنا۔ بأساً: الباس: بہادری، قوت، خوف، عذاب، لا باس به: اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لا باس عليك: تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں۔ لا باس فيه: اس میں کوئی حرج نہیں۔ لا باس ان تعرفوا: تمہارے جاننے میں کوئی دشواری نہیں۔

تشریح:

"رجل من اهل البصرة": اس سے مراد یونس بن عبید البصری ہیں۔

"ذَات کِرْشٍ ":اوجھڑی رکھنے والا ایسا جانور جو جگالی کرتا ہو۔(القاموس) مراد حلال جانور ہے۔

ماکول اللحم(حلال) جانوروں کا پیشاب:

یہاں پر ماکول اللحم کے پیشاب کے حکم کے بارے میں اثر ہے اس بارے میں علماء کرام کے دو قول ہیں:

- **امام محمد، امام مالک، امام ابراہیم نخعی، امام احمد** رحمۃ اللہ علیہم: ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔

دلائل:

پہلی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کچھ لوگ قبیلہ عرینہ کے مدینہ میں آئے وہاں کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔

دوسری حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹوں کے پیشاب اور دودھ کے بارے میں فرمایا: کہ وہ پیٹ کی بیماری کے لئے باعث شفاء ہے۔

تیسری روایت: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ۔۔الخ: (سنن ابن ماجہ/کتاب المساجد والجماعات/حدیث:769) ترجمہ: نماز پڑھو بکریوں کے باڑے میں۔

جواب: یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بارے میں بذریعہ وحی بتایا گیا تھا کہ ان کے لئے پیشاب میں شفاء ہے۔

دوسرا جواب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صرف دودھ پینے کا حکم دیا تھا انہوں نے پیشاب خود ہی پیا تھا۔

دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا باعث شفاء ہونا یہ اس کے حلال ہونے کی دلیل نہیں ہے کہ مجبوری میں بہت سی چیزیں حلال ہوجاتی ہیں مگر وہ فی نفسہ حلال نہیں ہوتی۔

تیسری روایت کا جواب بکریاں بہت ہی فرمانبردار اور کمزور جانور ہیں تو جو جگہ خشک ہوچکی ہے وہاں پر کپڑا اچھا کر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

- **دوسرا قول: امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام شافعی، ابوثور، ابن حزم ظاہری** رحمۃ اللہ علیہم: ان کے نزدیک نجس ہے۔

مگر ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف تداوی کے لئے جائز ہے بشرطیکہ ماہر معالج صرف اس میں علاج بتائے۔

دلائل:

دوسرے قول والوں کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ إِسْتَنْزِھُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْہُ۔ (بلوغ المرام/حدیث:90)

اسی طرح دفن کرنے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو قبر نے زور سے بھینچا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوا۔

35۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّجُلِ يُصِيبُ ثَوْبَهُ بَوْلُ الصَّبِيِّ، قَالَ: إِذَا لَمْ يَكُنْ أَكَلَ وَشَرِبَ أَجْزَأَكَ أَنْ تَصُبَّ الْمَاءَ صَبًّا ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَعْجَبُ ذَلِكَ أَنْ تَغْسِلَهُ غَسْلًا. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بچے کے پیشاب جو کپڑے میں لگ جائے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر بچے نے غذا نہ کھائی پی ہو تو اس پر پانی بہانا کافی ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے اچھی طرح سے دھویا جائے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: أَجْزَأَكَ جَزَا (ن): بمعنی تیرے لئے کافی ہے۔ صَبَّ عَلَيْهِ الْبَلَاءَ مِنْ صَبَبٍ: اس نے اس پر اوپر سے مصیبت ڈالی۔ صَبَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ صَاعِقَةً: اللہ اس کے اوپر بجلی ڈالے۔ وأَعْجَبُ: (س) عَجَبًا: تعجب کرنا۔ الیہ: پسند کرنا۔ أَعْجَبَهُ و عَجَّبَهُ: تعجب میں ڈالنا۔ أعجب بالشيء: خوش ہونا اور تعجب کرنا۔ اعجب بنفسه: غرور کرنا، تکبر کرنا، کہا جاتا ہے کہ ما أعجبه برأيه: وہ اپنی رائے پر مغرور ہے اور یہ شاذ ہے اس لئے کہ فعل تعجب مجہول سے بنایا گیا ہے۔

شیرخوار بچہ کا پیشاب:

بچہ یا بچی کے کھانا شروع کرنے سے پہلے (دودھ پینے کے زمانے میں) ان کے پیشاب کا کیا حکم ہے اس میں **دو قول** ہیں:

- **پہلا قول:** داؤد ظاہری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے ایک قول کے مطابق بچہ کا تو پیشاب پاک ہے مگر بچی کا ناپاک ہے۔
- **دوسرا قول:** امام شافعی، امام احمد (کا دوسرا قول)، امام ابوحنیفہ، امام مالک، جمہور فقہاء محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ناپاک ہے خواہ بچہ ہو یا بچی۔

پھر اس سے پاکی حاصل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس میں **تین قول** ہیں:

- **پہلا قول:** امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کی ایک روایت امام احمد و امام زہری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم لڑکے کے پیشاب میں تو صرف چھینٹے مارنا کافی ہوگا مگر بچی کے پیشاب میں دھونا واجب ہوگا۔
- **دوسرا قول:** امام مالک، ایک روایت امام شافعی کی، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بچہ اور بچی دونوں میں چھینٹے مارنے سے پاکی حاصل ہو جائے گی۔
- **تیسرا قول:** امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک لڑکا لڑکی دونوں کا پیشاب دھونا واجب ہے۔

پہلے اور دوسرے قول والوں کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جس میں "رش" اور "نضح" کے الفاظ آتے ہیں۔ جس

کے معنی چھینٹے مارنے کے ہیں۔

تیسرے قول والوں کا استدلال یہ حدیث ہے" صُبُّوا عَلَيْهِ الْمَاءَ صَبًّا " آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی بہانے کا حکم فرمایا کہ اس پر پانی بہاؤ۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے" إِنَّمَا يُصَبُّ عَلَى بَوْلِ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ "۔

علماء احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر صب الماء سے غسل خفیف مراد لیا جائے تو تمام روایات میں تطبیق ہو جائے گی۔

36- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَبُولُ قَائِمًا وَمَعَهُ دَرَاهِمُ فِيهَا كِتَابٌ يَعْنِي الْقُرْآنَ فَكَرِهَهُ، وَقَالَ: تَكُونُ فِي هِمْيَانَ أَوْ مَصْرُورَةٍ أَحْسَنُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، نَكْرَهُ أَنْ يُبَاشِرَهَا بِيَدِهِ وَفِيهَا الْقُرْآنُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں جو کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا ہو کہ اگر اس کے پاس دراہم ہوں اور ان پر قرآن لکھا ہوا ہو تو فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا برا ہے۔ فرمایا: کہ اگر وہ ہمیانی یا تھیلی میں بند ہوں تو بہتر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس پر عمل کرتے ہیں، یہ مکروہ ہے کہ آدمی اسے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہو اور اس پر قرآن لکھا ہوا ہو یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

يَبُولُ قَائِمًا: یہ قیدِ اتفاقی ہے، کیونکہ پیشاب کھڑے ہو کر کیا جائے یا بیٹھ کر، بیان کردہ مسئلے میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔

هِمْيَانَ: وہ پٹی (بیلٹ) جو پیٹ وغیرہ پر سامان رکھنے کیلئے باندھی جاتی ہے۔

مَصْرُورَةٍ: تھیلی جو پیسہ رکھنے کیلئے استعمال کی جاتی ہے

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک انگوٹھی تھی جس پر " مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ " کا نقش کندہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء جاتے تو اُسے رکھ کر جاتے تھے۔ (سنن کبریٰ بیہقی: 451)

بیت الخلاء میں ایسی چیز لے جانا جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہو؟

بیت الخلاء میں ایسی چیز لے جانا جس پر اللہ جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہو اس حالت میں وہ پیشاب کرے یہ بعض کے نزدیک تو مکروہ ہے بعض نے اس کو حرام بھی کہا ہے پھر مکروہ میں بعض نے مکروہ تنزیہی کہا ہے بعض نے مکروہ تحریمی کہا ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بیت الخلاء میں اپنی انگوٹھی کو اتار کر جاتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسی چیز کو بیت الخلاء لے جانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے کہ ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا

جائے۔اس مسئلہ میں صرف منصور باللہ کا اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: بیت الخلاء میں جانے سے پہلے انگوٹھی نہ اتاری جائے۔ کیوں کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور شریعت میں مال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس پر اللہ جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہو وہ انگوٹھی ہو یا کوئی کاغذ ان کو بیت الخلاء میں لے جانا جائز نہیں ہے اس کو باہر ہی اتار دینا چاہیئے اس طرح جماع کے وقت میں غرض ہر اس حالت میں جو گندی ہو وہاں پر مقدس چیز کو نہیں لے جانا چاہیئے۔

37- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَبُولُ قَائِمًا، قَالَ: انْتَهَى النَّبِيُّ ﷺ إِلَى سُبَاطَةِ قَوْمٍ وَمَعَهُ أَصْحَابُهُ، فَفَحَّجَ ثُمَّ بَالَ قَائِمًا، فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّ تَفَحُّجَهُ شَفَقًا مِنَ الْبَوْلِ.

ترجمہ: اس شخص کے بارے میں جو کھڑے ہو کر پیشاب کرے اس کے بارے میں حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں رانیں کشادہ کیں اور کھڑے کھڑے پیشاب کر لیا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹانگیں خوب پھیلائیں تاکہ پیشاب کے چھینٹے نہ پڑیں۔

لغات: اِنْتَهَى: انتہا کو پہنچا۔ عن الشيئ: رکنا، بِفُلَانٍ إِلَى مَوْضَعِ كَذَا: پہنچنا۔ السباطة: بال جو کنگھی کرنے سے گریں۔ کوڑا کرکٹ۔ کوڑا خانہ۔ فَحَّجَ فَحَجًا و فَحَجَةً: قدم کے اگلے حصے کو قریب اور ایڑھیوں کو دور کرنا، شَفَقًا: شَفِقَ (س) شَفَقًا من الامر: خوف کرنا۔ لالچ کرنا۔ عليه: مہربان ہونا، خیر خواہی و اصلاح کا خواہش مند ہونا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم:

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

- **اہل ظاہر:** کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام ہے۔
- **اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:** کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مطلقاً جائز ہے۔
- **اِمام ابوحنیفہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہم:** کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بغیر عذر کے مکروہ تنزیہی ہے۔
- **امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:** پیشاب کی چھینٹیں اُڑنے کا اندیشہ ہو تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔

فائدہ: حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب یہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا غیر مسلموں کا شعار بن چکا ہے، لہٰذا اب اُن کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہے۔ وعلیہ الفتوی۔ (درس ترمذی: 199/1)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے نقصانات:

اِس کی وجہ سے پیشاب کی چھینٹیں کپڑوں اور جسم کو گندا کر دیتی ہیں۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ایک حیوانی فعل ہے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا غیر شرعی، غیر اَخلاقی اور غیر اِسلامی طریقہ ہے۔

بَابُ الِاسْتِنْجَاءِ

استنجاء کا بیان!

استنجاء، استجمار، استطابۃ: ان تینوں کا ایک ہی معنی ہے کہ پیشاب پاخانہ کے مقام سے جو گندگی نکلے اس کو مخرج سے صاف کرنا۔

استنجاء کے آداب:

بیت الخلاء جانے کی دعاء پڑھنا۔(ابوداؤد:6، ابن ماجہ:279)

چپل پہن کر جانا۔(سنن کبریٰ بیہقی:456)

سر ڈھانک کر جانا۔(سنن کبریٰ بیہقی:456)

داخل ہوتے ہوئے بایاں اور نکلتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے رکھنا۔(طحطاوی علی المراقی، عالمگیری:50/1)

پردے کا اہتمام کرنا۔(سنن کبریٰ بیہقی:448، ابوداؤد:35)

بقدرِ ضرورت ستر کھولنا۔(سنن کبریٰ بیہقی:458)

انگوٹھی وغیرہ پر اللہ کا نام لکھا ہو تو اُسے باہر اُتار دینا۔(سنن کبریٰ بیہقی:451)

قبلہ کی جانب رُخ یا پیٹھ کر کے بیٹھنے سے اجتناب کرنا۔(ابوداؤد:7)

قضائے حاجت کے دوران بات نہ کرنا۔(ابوداؤد:15)

بائیں ہاتھ سے اِستنجاء کرنا۔(ابوداؤد:7۔8۔31)

لوگوں سے دور ہو کر فراغت حاصل کرنا۔(ابوداؤد:1، 2، ابن ماجہ:335)

بیٹھ کر فراغت حاصل کرنا۔(سنن ابن ماجہ:308، ترمذی:12)

قضاء حاجت کیلئے مناسب جگہ تلاش کرنا۔یعنی ایسی جگہ جہاں پردہ ہو،چھینٹیں نہ پڑیں،قبلہ رخ یا پیٹھ نہ ہو،لوگوں سے دور ہو۔(ابوداؤد:3)

پیشاب کی چھینٹوں سے اجتناب کرنا۔(دارقطنی:464،465)

بائیں پاؤں پرقدرے زوردے کربیٹھنا۔(سنن کبریٰ بیہقی:طبرانی کبیر:ردالمحتار:345/1)

فراغت کے بعداچھی طرح پاکی اورصفائی کا اہتمام کرنا۔(ابن ماجہ:356)

فراغت کے بعدہاتھوں کواچھی طرح سے دھونا۔(سنن ابن ماجہ:358)

بیت الخلاء سےنکل کردُعاءپڑھنا۔(ابوداؤد:ابن ماجہ)

38۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَقُوا الْمُسْلِمِينَ، فَقَالُوا: نَرَى أَنَّ صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ كَيْفَ تَأْتُونَ الْخَلَاءَ اسْتِهْزَاءً بِهِمْ، فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ: نَعَمْ، فَسَأَلُوهُمْ فَقَالُوا: أَمَرَنَا أَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِفُرُوجِنَا وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِأَيْمَانِنَا، وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِعَظْمٍ، وَلَا بِرَجِيعٍ وَأَنْ نَسْتَنْجِيَ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَالْغَسْلُ بِالْمَاءِ فِي الِاسْتِنْجَاءِ أَحَبُّ إِلَيْنَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مشرکین مسلمانوں سے ملے اوران سے کہا ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمہارے ساتھی تمہیں یہ بھی بتلاتے ہیں کہ تم بیت الخلاء کسی طرح جایا کرو۔(مقصداستہزاءتھامسلمانوں نے کہاجی ہاں،انہوں نے پھراس کی تفصیل پوچھی توانہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم قبلہ کی طرف شرم گاہ کرکے نہ بیٹھیں اوردائیں ہاتھ سے استنجاءنہ کریں اورہڈی اورگوبرسے استنجاءنہ کریں اوریہ کہ ہم تین پتھروں سے استنجاءکریں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایاہم اس کو اختیارکرتے ہیں(لیکن)استنجامیں پانی سے دھوناہمیں زیادہ پسند ہےاوریہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: لقوا: لَقِيَ يَلْقَى لِقَاءً : ملاقات کرنا۔پانا۔استقبال کرنا۔دیکھنا۔اسْتِهْزَاءُ: ٹھٹھا کرنا۔فُرُوجِنَا، الْفَرْج: دوچیزیں کے درمیان خلل سرحد،مِنَ الْإِنْسَانِ: شرم گاہ اورقبل ودبردونوں پراطلاق ہوتا ہے۔(ج) فروج۔وَلَا تَسْتَنْجِي الرَّجُل: پاخانہ کرنے کے بعددھونایاڈھیلے سے پونچھنا۔بعظم ھدی(ج) أعظم وعظام: چیزکابڑاحصہ،(ج) أَعْظَامٍ، عظمة: ہڈی کاٹکڑا۔وَلَا برجيع: گوبر، تالاب،موسم بہارکی سبزی،اونٹ کی جگالی،ہرواپس کی ہوئی چیز،(ج) رجائع۔

اس حدیث میں کئی مسائل ہیں۔

جونجاست آگے یاپیچھے کی راہ سے نکلےاس سے استنجاءکرناسنت ہے۔اوراستنجے میں ڈھیلایاایسی چیزجوان کے قائم مقام ہو یعنی خودپاک ہواورنجاست ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہواس کااستعمال کرناجائزہے۔

ڈھیلے سے استنجاء کرنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بس اتنا خیال رکھے کہ نجاست اِدھر اُدھر نہ پھیلنے پائے اور بدن خوب صاف ہو جائے اگر گرمی کا موسم ہے تو پہلا ڈھیلا سامنے سے پیچھے کی طرف لے جائے دوسرا پیچھے سے سامنے کی طرف، تیسرا سامنے سے پیچھے کی طرف سردی کے موسم میں اس کا برعکس، عورتیں ہر موسم میں گرمی والا طریقہ اختیار کریں یہ پاخانہ سے استنجاء کرنے کے بارے میں ہے۔

استنجاء کرنا سنت ہے یا فرض:

- حنفیہ، امام مالک، سعید بن جبیر محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک استنجاء سنت مؤکدہ ہے۔
- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔

مسنون ہونے پر دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ پائخانہ سے نکلے مگر یہ کہ پانی چھوتے تھے۔ (عینی ج:امی:۴۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے استنجے پر ہمیشگی فرمائی ہے۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے قدر درہم سے متجاوز ہو تو پانی کا استعمال فرض ہے اگر بقدر درہم متجاوز ہو تو واجب ہے اور اگر اس سے کم ہو تو سنت ہے۔

استنجاء کرتے ہوئے کعبہ کا استقبال یا استدبار کرنا:

أَمَرَنَا أَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِفُرُوجِنَا..الخ: قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب رُخ کرکے یا پیٹھ کرکے بیٹھنا ممنوع ہے۔ قبلہ کی جانب رُخ کرنے کو "اِستقبال" اور پیٹھ کرنے کو "اِستدبار" کہتے ہیں، پھر اگر یہ اِستقبال و اِستدبار کھلی فضاء اور وسیع جگہ پر ہو تو اُسے صحراء میں اِستقبال یا اِستدبار کرنا کہا جاتا ہے اور اگر کسی بند جگہ پر ہو جیسے بیت الخلاء میں سامنے دیوار حائل ہوتی ہے، تو اُسے بُنیان میں اِستقبال اور اِستدبار کرنا کہتے ہیں۔

اختلافِ ائمہ:

اس مسئلہ کے بارے میں روایات چونکہ مختلف ہیں اِس لئے ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ یہ مُمانعت کا حکم کس حد تک ہے، ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:

- **اصحابِ ظواہر:** استقبال اور استدبار مطلقاً جائز ہے، خواہ بنیان میں ہو یا صحرا میں۔
- **امام ابوحنیفہ و محمد رحمۃ اللہ علیہم:** استقبال اور استدبار مطلقاً ناجائز ہے، خواہ بنیان میں ہو یا صحرا میں۔
- **امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہم:** استقبال اور استدبار دونوں بنیان میں جائز ہیں اور صحرا میں دونوں ناجائز ہیں۔
- **امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم:** استقبال مطلقاً ناجائز، اور استدبار مطلقاً جائز ہے، یعنی بنیان و صحراء دونوں میں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ: استقبال مطلقاً ناجائز ہے، اور استدبار بنیان میں جائز، صحرا میں ناجائز ہے۔

نوٹ: اختصار کے پیش نظر یہاں مشہور اقوال کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے، ورنہ اس مسئلے میں تقریباً آٹھ اقوال ہیں اور ایک ایک اِمام کے ایک سے زائد اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں، ان کی تفصیل کیلئے دیکھیں۔ (تحفۃ الالمعی:207/1)

ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنا؟

ہڈی سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم: کے نزدیک ہڈی سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے اگر اس سے استنجاء کیا جائے اور صفائی بھی حاصل ہو جائے تو یہی کہا جائے گا کہ استنجاء کیا ہی نہیں۔

دلیل: عن عبد اللہ بن مسعودٍ قَالَ قَالَ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَا تَسْتَنْجُوا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّهُ زَادُ أَخْوَانِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بھائیوں یعنی جنات کا توشہ ہے اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے فریضہ استنجاء ادا نہیں ہو سکتا۔

جواب: جن روایات کے اندر ہڈی اور گوبر سے استنجاء کی ممانعت ہے وہ از قبیل احکام نہیں بلکہ از قبیل شفقت ہے نیز ہڈی سے استنجاء کرنے میں مخرج کے چھیل جانے کا خطرہ ہے اور گوبر سے استنجاء کرنے میں انسان کے اندر نظافت باقی نہیں رہتی اس لئے منع فرمایا۔

دوسرا **جواب:** ہڈی جنات کی خوراک ہے اور گوبر جنات کے جانوروں کی خوراک ہے تو ان کی خوراک کو نجاستوں کے ذریعہ ملوث کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ (طحاوی شریف، ج:ا ص:۹۴)

لہذا جن روایات میں ممانعت ہے وہ ان علتوں کی بنا پر ہے اس لئے نہیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء ہوتا ہی نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول ثانی کے مطابق ہڈی سے استنجاء کرنا مکروہ تو ہے لیکن اگر صفائی حاصل ہو جائے تو استنجے کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اور یہ نہیں کہا جائیگا کہ اس نے استنجاء نہیں کیا ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے اندر ہے "فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ابْغِنِي أَحْجَارًا اسْتَطِيبُ بِهِنَّ وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ وَلَا رَوْث الی آخرہ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ میرے لئے کچھ ڈھیلے تلاش کرو تا کہ میں ان سے پاکی حاصل کروں ان میں گوبر اور ہڈی نہ ہونی چاہئے پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ پتھر ہڈی اور گوبر میں کیا فرق ہے آپ نے جواب دیا کہ ہڈی اور گوبر جنات کا کھانا ہیں۔

اب ان حالات میں اگر گوبر اور ہڈی سے استنجاء کیا جائے تو یقیناً جنات کی خوراک نجاستوں سے ملوث ہو جائے گی اس بنا پر

آپ نے ممانعت فرمائی، نہ اس لئے کہ ان چیزوں سے طہارت ہی حاصل نہیں ہوتی۔

تین پتھروں سے استنجاء کرنا:

ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ استنجاء کرنے کے لئے پتھروں کا کوئی عدد متعین ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

❁ **امام شافعی امام احمد اسحاق بن راہویہ** رحمۃ اللہ علیہم: ان حضرات کے نزدیک انقاء (مخرج کو خوب اچھی طرح صاف کرنا) اور تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے بغیر تثلیث کے استنجاء جائز نہیں ہوسکتا۔

دلیل: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت کے اندر یہ الفاظ آئے ہیں نَہَانَا أَنْ یَسْتَنْجِیَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ یعنی ہم میں سے کوئی تین پتھروں سے کم سے استنجاء نہ کرے، نیز! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: اِئْتِنِیْ بِثَلٰثَةِ أَحْجَارٍ. میرے پاس تین پتھر لاؤ، ان کے علاوہ اور روایات سے بھی تثلیث کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایات متروک الظاہر ہے کیونکہ اگر ایسے پتھر سے استنجاء کیا جس کے تین کونے ہوں تو بالاتفاق استنجاء جائز ہے معلوم ہوا تین کا عدد شرط نہیں ہے۔

دوسرا **جواب**: آپ کی پیش کردہ روایات میں جو صیغہ امر آیا ہے وہ استحباب پر محمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تین پتھروں سے کم کے استعمال سے منع فرمایا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ تین پتھر منگوائے۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ عام طور سے تین ہی پتھروں سے مخرج کی صفائی ہوجاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ تین پتھر واجب ہیں۔

❁ **دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام مالک، داؤد ظاہری** رحمۃ اللہ علیہم: وغیرہ حضرات کے نزدیک انقاء واجب ہے اور تثلیث واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے اندر ہے "مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ" جو شخص پتھر سے استنجاء کرے اس کو چاہئے کہ طاق عدد اختیار کرے جس نے کیا بہتر ہے اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین پتھر واجب نہیں کیونکہ اگر تین پتھر واجب ہوتے تو یہ نہ فرماتے کہ جس نے نہیں کیا کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ترک واجب میں حرج ہوتا ہے۔

بَابُ مَسْحِ الْوَجْهِ بَعْدَ الْوُضُوءِ بِالْمِنْدِيلِ وَقَصِّ الشَّارِبِ

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال اور مونچھیں کاٹنا!

اس باب میں وضو کرنے کے بعد تولئے کا استعمال اور وضو کرنے کے بعد مونچھیں اور ناخن کاٹے تو اب کیا دوبارہ وضو کرے یا پہلے والا وضو کافی ہوگا، اس کا بیان ہوگا۔

39- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَتَوَضَّأُ فَيَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالثَّوْبِ، قَالَ: لَا بَأْسَ ثُمَّ قَالَ: أَرَأَيْتَ لَوِ اغْتَسَلَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ أَيَقُومُ حَتَّى يَجِفَّ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں جو وضو کر کے کپڑے سے منہ پونچھ لے فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں پھر فرمایا بتلایئے اگر سردی کی رات میں غسل کرے تو کیا خشک ہونے تک کھڑا رہے گا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے یہاں اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: منديل: رومال جس سے آدمی پونچھے۔ يَجِفُّ: جَفَّ (ض) جَفَفًا و جُفُوفًا: خشک ہونا۔

وضو یا غسل کے بعد تولیہ یا رومال استعمال کرنا:

اس میں دو باتیں قابل وضاحت ہیں: ① - جائز ہے یا نہیں۔ ② - افضل کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: جائز ہے یا نہیں:

وضو یا غسل کے بعد تولیہ یا رومال استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، اس میں تین قول ہیں:

- جمہور فقہاء و محدثین اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم: بلا کراہت جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔
- سعید بن مسیّب، ابن ابی لیلیٰ، ابراہیم نخعی اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہم: مکروہ ہے، اس لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔
- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: وضو میں مکروہ ہے، غسل میں جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ: افضل کیا ہے:

اگر سخت سردی کی وجہ سے استعمال کرنے کی ضرورت ہو یا تیز ہوا میں نجاست وغیرہ اڑنے کی وجہ سے نجاست کے چپک جانے کا اِمکان ہو تو بالاتفاق رومال اور تولیہ وغیرہ کے استعمال سے پانی کو فوراً خشک کر لینا افضل ہے، اور عام حالت میں افضل کیا ہے، اس میں اختلاف ہے:

- حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہم: تولیہ یا رومال استعمال کرنا افضل ہے۔
- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم: تولیہ یا رومال استعمال نہ کرنا افضل ہے۔ (موسوعۃ فقھیۃ کویتیۃ: 66/14 تا 68)

40 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقُصُّ أَظْفَارَهُ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَعْرِهِ، قَالَ: يُمِرُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَسَمِعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَقُولُ: رُبَّمَا قَصَصْتُ أَظْفَارِي، وَأَخَذْتُ مِنْ شَعْرِي وَلَمْ أُصِبْهُ الْمَاءَ حَتَّى أُصَلِّيَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رَحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو ناخن یا بال کاٹے تو اس پر پانی پھیر لے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے بسا اوقات میں نے اپنے ناخن اور بال کاٹے اور اس پر پانی بہائے بغیر نماز پڑھ لی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: یقص: قَصَّ (ن) قصّا- الشعر و نحوہ: قینچی سے بال وغیرہ کاٹنا۔ کان کے اطراف کو کاٹنا، صفت: مُقِص، ج: مَقَاصِ۔ أَظْفَارَہ الظفر: ناخن، ج: أظفار۔

ناخن کاٹنے کے بعد نماز پڑھنا:

اگر کوئی ناخن یا بال کاٹے اس پر پانی نہ بہائے تو اب نماز جائز ہے۔ یہی بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "کتاب الام" میں فرماتے ہیں کہ جو وضو کر کے پھر اپنے ناخن یا بال کو کاٹے تو وضو کا اعادہ نہیں ہوگا۔ مگر پانی بہادے تو اچھا ہوگا۔ یہی بات ردالمحتار میں ہے کہ اگر کسی نے وضو یا غسل کر کے ناخن یا بال کاٹے تو اب دوبارہ وضو یا غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے۔

مگر مجاہد اور حکم بن عیینہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے ناخن یا بال کاٹے، پہلے اس کا وضو تھا تو اب دوبارہ اس کو وضو کرنا ہوگا۔ اور ابراہیم النخعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ صرف ناخن اور بال کی جگہ پر پانی بہانا کافی ہوگا۔

بَابُ السِّوَاكِ

مسواک کا بیان!

ساك يسوك سوكا: بمعنی رگڑنا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ "مسواک" کا لفظ "تساوك الابل" سے مشتق ہے کہ اونٹ کا ادھر ادھر مائل ہونا۔

41 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ، عَنْ تَمَّامٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: مَا لِي أَرَاكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلْحًا اسْتَاكُوا، وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ

يَسْتَاكُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَالسِّوَاكُ عِنْدَنَا مِنَ السُّنَّةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ.

ترجمہ: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم میرے پاس زرد دانتوں کے ساتھ داخل ہوتے ہو؟ مسواک کیا کرو، اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مسواک کرنا ہمارے یہاں سنت ہے اسے چھوڑنا نہیں چاہئے۔

لغات: قلحا: یہ جمع ہے "اقلح" کی، اقلح دانتوں کے اوپر کی کائی کو کہتے ہیں۔ إِسْتَاكُوا: مسواک کرنا، السواك: اس کی جمع "سُوك" ہے، اور "مسواك" کی جمع "مساويك" ہے: بمعنی دانت صاف کرنے کی لکڑی، مسواک۔ اشقّ: شقّ (ن) شقًّا ومشقّة الامر: دشوار ہونا۔

مسواک کرنا سنت ہے:

- ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسواک کرنا صرف سنت ہے واجب نہیں ہے۔
- اصحاب ظواہر کے نزدیک مطلقاً واجب ہے۔

اصحاب ظواہر کی **دلیل**: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "اَلسِّوَاكُ وَاجِبٌ وَغُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ"۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "تلخيص الحبير" میں اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اسناده واه (کمزور) لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: "وَاسْتَدَلَّ فِي الْكَافِي لِلسُّنِيَةِ بِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ مَعَ التَّرْكِ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک استعمال کرنے پر مداومت فرمائی ہے اور کبھی کبھار ترک بھی فرمادیا ہے، مواظبت مع الترک سنت کی دلیل ہے۔

ترک مسواک پر **دلیل** یہ ہے کہ "اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْأَعْرَابِيُّ الْوُضُوءَ وَلَمْ يَنْقُلْ فِيهِ تَعْلِيمُ السِّوَاكِ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دی تو اس میں تعلیم مسواک منقول نہیں ہے اگر مسواک کرنا واجب ہوتا تو آپ ضرور تعلیم فرماتے۔

42 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يَسْتَاكُ الْمُحْرِمُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرد اور عورت حالت احرام میں بھی مسواک کریں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: اَلْمُحْرِمُ الْمَحْرَمَة والمحرمة: بمعنی احرام باندھنے والا، ہر وہ چیز جس کی پردہ دری جائز نہ ہو۔ (ج) محارم۔

حالت احرام میں مسواک کا حکم:

مسواک ہر حال میں کرنا مسنون و مستحب ہے؛ لہٰذا حالتِ احرام میں مسواک کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

احرام کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کرنے کا حکم:

ٹوتھ پیسٹ میں اگر خوشبودار چیزیں ڈالی گئی ہوں، وہ پکی ہوئی نہ ہوں، خوشبودار چیزیں مقدار میں کم ہوں اور ٹوتھ پیسٹ کی مقدار زیادہ ہو تو ایسا ٹوتھ پیسٹ احرام کی حالت میں استعمال کرنا مکروہ تو ہے، مگر اس کی وجہ سے کوئی دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر خوشبودار چیزوں کی مقدار زیادہ ہو اور ٹوتھ پیسٹ کی مقدار کم ہو تو اس صورت میں اگر ٹوتھ پیسٹ پورے منہ یا منہ کے اکثر حصے میں لگ جائے تو دم واجب ہوگا، البتہ اگر ٹوتھ پیسٹ سادہ ہو اس میں کسی قسم کی خوشبو یا خوشبودار چیز نہ ملائی گئی ہو تو وہ استعمال کرنا جائز ہے، اس سے دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا۔ (شامی: کتاب الحج، باب الجنایات، 2/547، ط: ایچ ایم سعید)

بَابُ وُضُوءِ الْمَرْأَةِ وَمَسْحِ الْخِمَارِ

عورت کے وضو اور دوپٹہ پر مسح کرنے کا بیان!

43- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: تَمْسَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى رَأْسِهَا عَلَى الشَّعْرِ، وَلَا يُجْزِئُهَا أَنْ تَمْسَحَ عَلَى خِمَارِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عورت سر کے بالوں پر مسح کرے گی دوپٹہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: خِمَارِهَا: الْخِمَارُ: اوڑھنی، دوپٹہ، پردہ (ج) اخمرۃ و خمر۔

44- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا يُجْزِئُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَمْسَحَ صُدْغَيْهَا حَتَّى تَمْسَحَ رَأْسَهَا كَمَا يَمْسَحُ الرَّجُلُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا نَحْنُ فَنَقُولُ: إِذَا مَسَحَتْ مَوْضِعَ الشَّعْرِ فَمَسَحَتْ مِنْ ذَلِكَ مِقْدَارَ ثَلَاثِ أَصَابِعَ أَجْزَأَهَا وَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ تَمْسَحَ كَمَا يَمْسَحُ الرَّجُلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے کنپٹیوں پر مسح کرنا کافی نہیں ہے جب تک سر پر اس طرح مسح نہ کرے جیسے کہ مرد کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں اگر عورت نے بالوں کی جگہ پر مسح کیا تو تین انگلیوں کی مقدار بالوں پر مسح کر لیا تو فرض ادا ہو جائے گا مگر پسندیدہ یہ ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح مسح کرے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: صُدْغَيْهَا: الصدغ، کنپٹی۔ کنپٹی کے بال (ج) اصداغ۔

سر کی کتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے؟

سر کی کتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔
- **احناف، شافعیہ، حنابلہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بعض سر پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہو جاتی ہے اور پورے سر پر مسح کرنا مسنون ہے پھر تحدید کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک پیشانی کی مقدار سر کے حصہ پر مسح کرنا فرض ہے۔شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کم سے کم وہ مقدار جس پر مسح کا اطلاق ہو سکتا ہو۔اگرچہ ایک ہی بال کیوں نہ ہو، اس پر مسح کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا۔

امام مالک و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما **کی دلیل:** وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں" فَبَدأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِيَدِهِ إِلَى مُؤَخَّرِ الرَّأْسِ ثم رَدَّهُمَا إِلَى مُقَدَّمِه "یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقدم راس سے مسح شروع کیا اور گردن تک کھینچ کر لے گئے، اور مسح کرتے ہوئے، دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصہ پر لے آئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

جواب: آپ نے وضو کے اندر پورے سر کے مسح کو فرض فرمایا ہے، یہ حکم بطور فرض نہیں ہے بلکہ بطور کمال فضیلت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے تین تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ تین مرتبہ فرض نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ **کی دلیل:** آیت وضو میں مسح رأس مطلقا مذکور ہے، والمطلق یجری علی اطلاقہ کے قاعدہ کے مطابق مطلق سر کا مسح فرض ہوگا۔

جواب: آیت وضو میں مسح رأس مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے، اور مجمل پر عمل کے لئے متکلم کی جانب سے بیان ضروری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یعنی مسح علی الناصیہ اس مجمل کا بیان ہے، لہذا مسح علی الناصیہ فرض ہوگا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ عَلَيْهِ عِمَامَةٌ قَطَرِيَّةٌ فَأَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسه. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ وضو کر رہے تھے، اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے دونوں ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کئے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔

ظاہر ہے کہ آپ نے پورے اگلے حصہ کا مسح کیا ہے اور تمام مقدم رأس ہی چوتھائی سر ہے، جس کو ناصیہ کہتے ہیں۔

بَابُ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

جنابت کا غسل!

جنابت کے لغوی واصلاحی معنی لغت میں جنابت کے معنی ہوتے ہیں دوری کے۔ اور اصطلاح میں جنبی اس کو کہتے ہیں جس پر غسل واجب ہو گیا ہو جماع کی وجہ سے، منی کے نکلنے کی وجہ سے اور اس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع، مؤنث، سب پر ہوتا ہے۔

45 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قالت: إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا: کہ جب دونوں ختنے والی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: ختانان: خَتَنَ (ض) الشيء: کاٹنا، الصبی: ختنہ کرنا، الخِتان والختانة: ختنہ۔

التقاء الختانین کا مسئلہ:

بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

❁ عطاء بن رباح، ہشام بن عروہ، سلیمان بن مہران، الاعمش، داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک التقاء ختانین کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

دلیل: عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ المَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَكَانَ أَبُو سَلَمَةَ يَفعل ذالك. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ غسل واجب ہونے کے لئے انزال کی ضرورت ہے۔

جواب: الماء من الماء یہ حدیث احتلام پر محمول ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ الْمَاءُ مِنَ المَاءِ إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الإِحْتِلامِ إِذَا رَأَى أَنَّهُ يُجَامِعُ ثُمَّ لَمْ يُنزِلُ فَلَا غُسْلَ عَلَيْهِ"۔ اور احتلام کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کپڑا خراب ہوئے، بغیر غسل واجب نہیں ہوتا اگر چہ خواب میں جماع کرتے ہوئے، دیکھا۔

❁ ائمہ اربعہ جمہور فقہاء ومحدثین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک التقاء ختانین کی وجہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے اگر چہ انزال نہ ہو۔

دلیل: عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِهِ عَبدِ اللهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ مَا يُوجِبُ الْغُسْلَ فَقَالَ إِذَا الْتَقَى الْخَتَانَانِ وَغَابَتِ الحَشْفَةُ وَجَبَ الْغُسْلُ أَنْزَلَ أَوْلَمْ يُنْزِلُ. یعنی دونوں ختان جب باہم مل جائیں اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل

واجب ہوگا، انزال ہو یا نہ ہو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب ہونے کے لئے انزال کی کوئی شرط نہیں ہے، لہذا آپ کا استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

46 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ السَّبِيعِيُّ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيبُ مِنْ أَهْلِهِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ، فَيَنَامُ، وَلَا يُصِيبُ مَاءً، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. ولَا بَأْسَ إِذَا أَصَابَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ أَنْ يَنَامَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ أَوْ يَتَوَضَّأَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی ابتداء میں اپنی اہلیہ سے جماع فرماتے پھر سو جاتے اور پانی کو ہاتھ بھی نہ لگاتے تھے پھر اگر اخیر شب میں جاگتے تو پھر دوبارہ جماع فرماتے اور غسل کر لیتے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرے تو غسل یا وضو کرنے سے پہلے سو سکتا ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: يُصِيبُ مِنْ أَهْلِهِ: ای یجامع، مباشرت کرنا۔

کیا مرد و خواتین کے لیے جنابت کی حالت میں غسل کے بنا سونا یا روزہ رکھنا اور گھر کے کام کاج کرنا جائز ہے؟

کم علمی کی وجہ سے لوگ جنبی حالت میں خود کو، اپنے کپڑوں کو، اپنے بستر کو ناپاک سمجھتے ہیں، اور کھانے کو، کام کاج کو ہاتھ نہیں لگاتے، جب تک کہ غسل نہ کر لیں، اور خواتین بھی بچوں وغیرہ کو دودھ پلانا، کھانے کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتی ہیں یہ سوچ کر کہ وہ ناپاک ہیں، اور کچھ عورتیں سمجھتی ہیں کہ غسل کے بنا آٹا گوندھنے سے بے برکتی ہوگی وغیرہ، حالانکہ شریعتِ محمدی اس جہالت کا رد کرتی ہے، جنبی مرد یا عورت کے لیے صرف نماز، طواف، اور مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے، لیکن اس کے علاوہ باقی تمام کام کرنے جائز ہیں۔

لہذا مرد و عورت پر کوئی حرج نہیں کہ وہ جنبی حالت میں عام روٹین کے کام کاج کریں، روزہ رکھنے کے لیے سحری کھائیں، کھانا تیار کر لے یا پھر گھر کے دوسرے کام کاج نپٹانے بھی جائز ہیں اور اسی طرح ماں بچوں کو دودھ پلاسکتی اور انکی دیکھ بھال بھی کر سکتی ہے اس کی کئی ایک دلیل موجود ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ملے تو آپ (مصافحہ کے لیے) ہاتھ پھیلاتے ہوئے ان کی طرف بڑھے، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں جنبی ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان نجس نہیں ہوتا، (سنن ابو داؤد، 230)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے ایک راستے میں مجھے ملے تو میں جنبی حالت میں تھا، اس لیے وہاں سے کھسک گیا اور جا کر غسل کیا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آیا، تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ کہاں تھے؟ ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: میں جنبی تھا اس لیے میں نے ناپسند کیا کہ ناپاکی کی حالت میں آپ کے ساتھ بیٹھوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے: "سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ "۔ترجمہ: سبحان اللہ، مسلمان ہرگز ناپاک نہیں ہوتا۔(صحیح بخاری:283، صحیح مسلم:371)

یعنی حالت جنابت کی نجاست (ناپاکی) حکمی ہوتی ہے، حسی نہیں، لہذا جنبی حالت میں بیٹھنے سے جگہ نجس نہیں ہوتی، نہ ہی مصافحہ کرنے سے دوسرے کا ہاتھ ناپاک ہوتا ہے، نہ کھانا پکانے سے کھانا پلید ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں کہتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کا جواز پایا جاتا ہے کہ غسل جنابت کو اس کے واجب ہونے کے اول وقت میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔۔۔اور اس کا بھی جواز ہے کہ جنبی شخص اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔

(فتح الباری لابن حجر_1/391)

حدیثِ باب اور ترمذی کی روایت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنبی ہوتے، اور پانی چھوئے بغیر سو جاتے، پھر اس کے بعد اٹھتے اور غسل فرماتے۔(سنن الترمذی:118، سنن ابی داؤد:228)

شواہد کی بنا پر یہ حدیث صحیح ہے، اور یہ حدیث غسل اور وضو کے بنا سونے کے جواز کے لیے ہے، یعنی اگر کوئی غسل اور وضو کے بغیر ہی سونا چاہے تو سوسکتا ہے، وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔۔!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا اور وہ دروازہ کے پیچھے سے سن رہی تھیں۔اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جنبی حالت میں ہوتا ہوں کہ نماز کا وقت ہوجاتا ہے تو کیا میں اس وقت روزہ رکھ سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی تو نماز کے وقت جنبی حالت میں اٹھتا ہوں، تو میں بھی تو روزہ رکھتا ہوں۔تو اس آدمی نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ہماری طرح تو نہیں ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیئے ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور میں تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں ان چیزوں کو جن سے بچنا چاہیے۔(صحیح مسلم، کتاب الصیام:1110)

ان احادیث سے پتا چلا کہ غسل کے بغیر سونا، کھانا، سحری کرنا، سب جائز ہے، مگر غسل کرلے تو زیادہ بہتر ہے یا کم از کم جب تک غسل نہیں کرنا تب تک وضو کرلے۔۔! یہ وضو کرنا بہتر ہے واجب نہیں ہے۔۔!!

47- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: يُوجِبُ الصَّدَاقَ، وَيَهْدِمُ الطَّلَاقَ، وَيُوجِبُ الْعِدَّةَ، وَلَا يُوجِبُ صَاعًا مِنْ مَاءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ، أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحمه الله.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جماع کرنا) مہر کو واجب کرتا ہے طلاق کو ختم کردیتا ہے اور عدت کو واجب

کر دیتا ہے لیکن ایک صاع پانی (یعنی غسل جنابت کو) واجب نہیں کرتا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب دونوں (مرد اور عورت) کے ختنے کی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ چاہے انزال ہو یا نہ ہو یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الصَّدَاقُ لصداق والصداق: (ج) أصدقة وصدق۔ بیوی کا مہر۔

بَابُ غُسْلِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ

مرد اور عورت دونوں کا ایک برتن سے غسل جنابت کرنا!

مرد اور عورت ایک برتن سے غسل کریں اس میں کل بارہ صورتیں بنتی ہیں عورتیں اور مرد اکٹھے ایک برتن میں وضو یا غسل کریں مرد پہلے اور عورتیں بعد میں یا اس کے برعکس عورتیں پہلے اور مرد بعد میں کریں اس میں یہ تین صورتیں ہیں پھر یہ سہ صورتوں میں طہور عام ہے وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے یہ چھ صورتیں ہوئی پھر ان چھ صورتوں میں عورت عام ہے اجنبی ہو یا غیر اجنبی تو اس اعتبار سے یہ بارہ صورتیں ہوئی۔

48 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ هُوَ وَبَعْضُ أَزْوَاجِهِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ يَتَنَازَعَانِ الْغُسْلَ جَمِيعًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بَأْسًا بِغُسْلِ الْمَرْأَةِ مَعَ الرَّجُلِ بَدَأَتْ قَبْلَهُ أَوْ بَدَأَ قَبْلَهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی بعض ازواج مطہرات ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور دونوں ایک دوسرے سے پہلے غسل کرنے میں تنازع کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں ہمارے یہاں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت مرد کے ساتھ غسل کرے خواہ عورت پہلے غسل کرے یا مرد عورت سے پہلے غسل کرے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: إناء، الاناء: برتن، ج: آنیة۔ بدأت بدا (ف) بدء: شروع کرنا۔ پہلے کرنا۔

مسئلہ فضلِ طہور میں ائمہ کا اختلاف:

- امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں مرد عورت کا یا عورت مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کرے وضو یا غسل کے لئے یہ جائز ہے۔
- امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عورت تو مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کر سکتی ہے مگر مرد عورت کا بچا ہوا پانی استعمال نہ کرے نہ وضو میں نہ غسل میں۔

جمہور فقہائے رحمۃ اللہ علیہم کے **استدلات** یہ ہیں:

حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اغْتَسَلَتْ مِنْ جَنَابَةٍ فَتَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ بِفَضْلِهِ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ.

حدیث عائشة صدیقة رضی اللہ تعالی عنہا يَغْسِلُ هُوَ وَبَعْضُ أَزْوَاجِهِ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ.

حدیث میمونة رضی اللہ تعالی عنہا كُنْتُ اغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِّنَ الْجَنَابَةِ.

حدیث ابن عباس وقال اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَأَرَادَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ.

امام احمد و امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال یہ ہے: حدیث حکم بن عمرو الغفاری أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ.

امام احمد و اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کے استدلال کا **جواب** یہ ہے کہ: نہی سے مراد کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، یا نہی والی روایت ضعیف ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورتیں زیادہ احتیاط نہیں کرتیں اس لئے ممکن ہے مرد کو ان کے فاضل پانی سے وضو یا غسل کرنے میں کراہت ہو اس لئے یہ فرمایا گیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث نہی غیر محرم پر محمول ہیں اور احادیث اجازت محارم پر محمول ہیں۔

بَابُ غُسْلِ الْمُسْتَحَاضَةِ وَالْحَائِضِ

حیض اور استحاضہ والی عورت کا غسل کرنا!

حیض کے لغوی معنی ہیں بہنا، شرعاً اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے: "دَمٌ يَنْفُضُهُ رَحْمُ امْرَأَةٍ بَالِغَةٍ غَيْرِ مَرِيْضَةٍ"۔

استحاضہ کے لغوی معنی: بہنا۔

استحاضہ کی تعریف: استحاضہ سے مراد عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والا وہ خون ہے جو نہ حیض کا خون ہے نہ نفاس کا بلکہ کسی بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

استحاضہ کا حکم:

یہ خون ایسا ہی ہے جیسے کسی کی نکسیر پھوٹ جائے اور خون بند نہ ہو، نو برس سے کم عمر کی بچی کو جو خون آئے وہ استحاضہ ہے اور پچپن سال سے زیادہ عمر کی خاتون کو جو خون آئے وہ بھی استحاضہ ہے۔ اسی طرح جوان عورت کو تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ جو خون آئے وہ بھی استحاضہ ہی ہوتا ہے۔ جو خون حیض اور نفاس کی صفت سے باہر ہو وہ استحاضہ ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور

حیض اور نفاس کے خون میں بدبو ہوتی ہے۔

استحاضہ کی صورتیں:

استحاضہ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

①- ایام حیض میں جو خون تین دن سے کم ہو،

②- ایام حیض میں جو خون دس دن سے زیادہ ہو جائے دسویں دن کے بعد والا خون استحاضہ ہوگا۔

③- جو خون نفاس چالیس دن سے زیادہ ہو۔

④- جو حیض و نفاس عادت مقررہ سے زیادہ ہو اور اپنی اکثر مدت یعنی دس دن اور چالیس دن سے زیادہ ہو جائے۔

⑤- حاملہ کا خون دوران حمل میں چاہے جتنے دن آئے۔

⑥- نو برس سے کم عمر کی لڑکی کو جو خون آئے۔

⑦- پچپن برس سے زیادہ ہو جانے پر جو خون آئے بشرطیکہ وہ قوی نہ ہو یعنی زیادہ سرخ و سیاہ نہ ہو۔

⑧- پندرہ روز سے کم وقفہ ہونا۔

⑨- پاخانہ کے مقام سے جو خون آئے۔

⑩- ولادت کے وقت آدھا بچہ یا اس سے کم آنے پر جو خون نکلے لیکن نصف سے زیادہ بچہ نکلنے کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس ہوگا

11- بالغ ہونے پر پہلی دفعہ حیض آیا اور وہ بند نہیں ہوا تو ہر مہینہ میں پہلے دس روز حیض کے شمار ہوں گے اور بیس روز استحاضہ شمار ہوں گے اسی طرح جس کو پہلی دفعہ نفاس آیا اور خون بند نہیں ہوا تو پہلے چالیس روز، نفاس شمار ہوگا اور باقی استحاضہ۔

(زبدۃ الفقہ: زوار حسین شاہ زوار اکیڈمی کراچی)

49- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: فِي الْمُسْتَحَاضَةِ أَنَّهَا تَتْرُكُ الظُّهْرَ حَتَّى إِذَا كَانَ آخِرِ الْوَقْتِ اغْتَسَلَتْ وَصَلَّتِ الظُّهْرَ، ثُمَّ صَلَّتِ الْعَصْرَ، ثُمَّ تَمْكُثُ، حَتَّى إِذَا دَخَلَ وَقْتُ الْمَغْرِبِ تَرَكَتِ الصَّلَاةَ حَتَّى إِذَا كَانَ آخِرُ وَقْتِهَا اغْتَسَلَتْ، وَصَلَّتِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ حَتَّى تَفْرَغَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِالْحَدِيثِ الْآخَرِ أَنَّهَا تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ وَقْتِ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي فِي الْوَقْتِ الْآخَرِ، وَلَيْسَ عَلَيْهَا عِنْدَنَا إِلَّا غُسْلٌ وَاحِدٌ حَتَّى تَمْضِيَ أَيَّامُ إِقْرَائِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے استحاضہ والی عورت کے بارے میں فرمایا: کہ وہ ظہر کی نماز آخری وقت تک مؤخر کرے گی جب ظہر کا آخری وقت ہو جائے تو غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھے پھر عصر کی نماز پڑھے گی پھر رکی رہے یہاں تک کہ جب مغرب کا

وقت داخل ہو جائے تو نماز کو مؤخر کرے اور جب مغرب کا آخری وقت ہو جائے تو غسل کر کے مغرب پڑھے اور پھر عشاء پڑھے یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی پر عمل نہیں کرتے بلکہ ہم دوسری حدیث پر عمل کرتے ہیں (جس میں میں آتا ہے) کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی اور آخر وقت میں نماز پڑھے گی ہمارے نزدیک اس پر ایام حیض گذرنے پر صرف ایک مرتبہ غسل کرنا واجب ہوگا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: تمکث :مَكَثَ (ن): اقامت کرنا، ٹھہرنا۔ تمضی :ومضیا الشیء: گزر جانا، علی الامر: مداومت کرنا، جاری کرنا اور پورا کرنا۔ أَقْرَائِهَا: أقراء و قُرُوْءٌ قَرْءٌ کی جمع ہے، حیض یا طہر۔

مستحاضہ عورت کا نماز کے لیے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ:

مستحاضہ عورت کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کریں پھر اس وضوء سے وقت کے اندر جتنی چاہیں نمازیں پڑھیں خواہ فرض ہو یا نوافل واجب ہو یا قضاء ہو یا نذر کی نمازیں۔

جب فرض نماز کا وقت نکل جائے تو مستحاضہ کا وضو باطل ہو جائے گا، اب اگر دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔

مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی یا ہر نماز کے وقت کے لئے اس بارے میں **دو مذہب** ہیں۔

❁ **امام شافعی سفیان ثوری اور امام احمد** رحمۃ اللہ علیہم کے ایک قول کے مطابق ہر فرض نماز کے لئے مستحاضہ پر وضو کرنا لازم ہے نہ کہ نماز کے وقت کے لئے۔

دلیل: "اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلوة" یعنی مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے حدیث پاک میں لفظ "صلاۃ" مطلق ہے اور "اَلْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْفَرْدِ الْكَامِلِ" کے قاعدہ کے اعتبار سے نماز کا فرد کامل فرض ہوتا ہے اس لئے صلاۃ سے فرض نماز مراد ہے مطلق نماز نہیں۔

جواب: "لِكُلِّ صَلَاةٍ" میں لام ظرفیت کے لئے ہے یعنی لِوَقْتِ كُلِّ صَلاةٍ اس کی دلیل وہ روایت ہے جس کے اندر لِكُلِّ صَلَاةٍ کے بجائے عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے اندر ہے۔

❁ **امام ابوحنیفہ امام زفر امام ابو یوسف امام محمد اور امام احمد** رحمۃ اللہ علیہم کے ایک قول کے مطابق ہر نماز کے وقت کے لئے مستحاضہ پر ایک وقت وضو کرنا ضروری ہے اور وقت کے اندر اندر جتنی نمازیں چاہیں فرض، نفل، واجب، نذر کی پڑھ سکتی ہے۔

دلیل: "اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلاة" مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے نیز شوافع کی پیش کردہ روایت نص ہے۔ اور ہماری پیش کردہ روایت مفسر ہے نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی صورت میں مفسر کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

مستحاضہ کے لئے خروج وقت ناقض وضو ہے یا دخول وقت اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دخول وقت ناقض وضو ہے۔

دلیل: طہارت کا اعتبار ضرورت ادائیگی نماز کے لئے کیا گیا ہے اور وقت سے پہلے اس کی ضرورت ہی نہیں اس لئے یہ معتبر نہ ہوگی۔

❁ **امام یوسف** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خروج و دخول دونوں ناقض ہیں۔

دلیل: طہارت کی ضرورت وقت پر منحصر ہے نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد لہذا وقت کے علاوہ طہارت غیر معتبر ہوگی اس لئے خروج و دخول دونوں ہی منافی ہوں گے۔

❁ **طرفین** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک خروج وقت ناقض وضو ہے کیونکہ وقت سے پہلے طہارت کی ضرورت اس وجہ سے ہے تاکہ اول وقت میں نماز ادا کر سکے اور خروج وقت سے اصل میں حاجت ختم ہوجانے کی دلیل ہے۔

50 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ بْنُ عُتْبَةَ قَاضِي الْيَمَامَةِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضى الله عنه، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ، فَقَالَ: تَغْتَسِلُ غُسْلًا إِذَا مَضَتْ أَيَّامُ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا الْحَدِيثِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استحاضہ والی عورت کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب اس کے ایام حیض گزر جائیں تو ایک مرتبہ غسل کرے گی۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کرے گی اور وہ نماز پڑھے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

تشریح:

اس روایت میں مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے لئے نئے وضو کا حکم آیا ہے یعنی ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ اس کی تفصیل ماقبل حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ الْحَائِضِ فِي صَلَاتِهَا

نماز کے وقت میں حیض آنے کا بیان!

اس باب میں یہ بیان کریں گے کہ اگر عورت کو حیض آیا اب وہ پاک ہونے کے بعد ان دنوں کی نماز کی قضاء کرے گی یا نہیں اور اس میں یہ مسئلہ بھی بیان کریں گے کہ ایک عورت جنابت میں تھی پھر اس کو حیض کا خون بھی شروع ہوگیا تو اب پاک ہونے کے بعد اس کو الگ الگ غسل کرنے کی بجائے ایک ہی غسل دونوں کے لئے کافی ہوگا اور یہ بھی بیان کریں گے کہ اگر حیض کا خون ایسے وقت بند ہوا کہ نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے تو اب کیا کرے۔

51 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِي وَقْتِ صَلَاةٍ، فَلَيْسَ عَلَيْهَا أَنْ تَقْضِيَ تِلْكَ الصَّلَاةَ، فَإِذَا طَهُرَتْ فِي وَقْتِ الصَّلَاةِ فَلْتُصَلِّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اگر کسی عورت کو نماز کے وقت حیض آجائے تو اس پر اس نماز کی قضاء واجب نہیں پھر جب نماز کے وقت میں پاک ہوجائے تو اس وقت کی نماز پڑھے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حائضہ پر نماز کی قضاء واجب نہیں؟

حیض کے زمانہ میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا درست نہیں اتنا فرق ہے کہ نماز تو بالکل معاف ہوجاتی ہے پاک ہونے کے بعد بھی اس کی قضا واجب نہیں ہوتی لیکن روزہ معاف نہیں ہوتا پاک ہونے کے بعد قضا رکھنا پڑے گا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حائضہ نماز کی قضا نہیں کرے گی لیکن روزہ کی قضا کرے گی لیکن خوارج کے نزدیک روزہ کی قضا کی طرح نماز کی بھی قضا حائضہ پر ضروری ہے۔

حائضہ سے نماز ساقط ہونے کی علتیں یہ ہیں کہ امام الحرمین کے نزدیک یہ حکم خلاف قیاس ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ: "كُنَّا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلوة" یعنی ہم کو صرف روزوں کی قضا کا حکم ہوتا تھا نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوتا تھا۔

دوسری علت یہ ہے کہ اگر نمازوں کی قضا واجب ہو تو فرض مکرر اور دوگنا ہوجائیگا جس کے ادا کرنے میں حرج ہے اس لئے شارع نے ان کی قضا کو ساقط کردیا اور قضاء صوم میں یہ بات لازم نہیں آتی اس علت کو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب میں پسند کیا ہے۔

52 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا أَجْنَبَتِ الْمَرْأَةُ، ثُمَّ حَاضَتْ فَلَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ، فَإِنَّ مَا بِهَا مِنَ الْحَيْضِ أَشَدُّ مِمَّا بِهَا مِنَ الْجَنَابَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا غُسْلَ عَلَيْهَا حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا، فَتَغْتَسِلَ غُسْلًا وَاحِدًا لَهُمَا جَمِيعًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت اگر جنابت کی حالت میں ہو پھر اسے حیض جاری ہوجائے تو اس پر غسل جنابت واجب نہیں رہتا اس لئے کہ حیض، جنابت سے زیادہ شدید ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں عورت پر غسل جنابت اس وقت تک لازم نہیں ہوگا جب تک حیض سے پاک نہ ہو حیض سے پاک ہونے پر دونوں کے لئے ایک ہی غسل کرے گی یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: أَجْنَبَتْ جَنب (ن، س، ض) جنابة الرجل: ناپاک ہونا۔

غسلِ جنابت سے پہلے حیض جاری ہوگیا:

جنابت کی حالت میں کسی عورت کو ماہواری آجائے تو اس پر غسلِ جنابت فرض نہیں رہتا اس لیے کہ غسلِ جنابت تو پاکی کے لیے ہوا کرتا ہے اور جب تک وہ عورت ایامِ حیض میں ہے تو پاکی کا تصور ہی نہیں ہوسکتا، لہذا ایامِ حیض میں عورت غسلِ طہارت نہیں کرے گی، ایام ختم ہونے پر غسل کرنا پڑے گا، اس لیے ایسی صورت میں ایامِ حیض میں غسلِ جنابت واجب نہیں، البتہ اگر کوئی عورت ماہواری کے ایام میں ویسے ہی غسل کرنا چاہے تو شرعی اعتبار سے اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن یہ غسل غسلِ طہارت نہیں کہلائے گا۔(رد المحتار:1/165، ط:سعید)

حیض کا خون جنابت سے زیادہ نجس ہے:

فَإِنَّ مَا بِهَا مِنَ الْحَيْضِ اشَدُّ مِمَّا بِهَا مِنَ الْجَنَابَةِ: کئی وجہ سے جنابت سے حیض کا خون زیادہ نجاست والا ہے۔ کیونکہ نجاست میں روزہ رکھنا حرام نہیں ہوتا بخلاف حالت حیض کہ اس میں روزہ رکھنا بھی حرام ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جنابت میں نماز واجب ہوتی ہے مگر حائضہ تو نماز کے ادا کرنے کا حکم ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جنابت کی حالت میں وطئی کرنا جائز ہے مگر حالت حیض میں وطئی کرنا حرام ہے۔ جنابت کو دور کرنے کی آدمی میں استطاعت ہوتی ہے مگر حیض کی نجاست کو دور کرنے کی انسان میں طاقت نہیں ہوتی وہ تو اپنے وقت پر ختم ہوتا ہے۔(قلائد الازھار ۱/۱۳۹، ۱۲۸)

53 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا طَهُرَتِ الْمَرْأَةُ فِي وَقْتِ صَلَاةٍ فَلَمْ تَغْتَسِلْ حَتَّى يَذْهَبَ الْوَقْتُ بَعْدَ أَنْ تَكُونَ مَشْغُولَةً فِي غُسْلِهَا فَلَيْسَ عَلَيْهَا قَضَاءٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. إِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ فِي وَقْتٍ لَا تَقْدِرُ عَلَى أَنْ تَغْتَسِلَ فِيهِ حَتَّى يَمْضِيَ الْوَقْتُ فَلَيْسَ عَلَيْهَا إِعَادَةُ تِلْكَ الصَّلَاةِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ والله سبحانه وتعالى أعلم.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت نماز کے وقت میں حیض سے پاک ہوا اور وہ وقت نکلنے سے پہلے غسل سے فارغ نہیں ہوسکی حالانکہ وہ غسل جنابت میں مشغول رہی تو اس پر اس وقت کی نماز کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ اگر کسی عورت کے حیض کا خون ایسے وقت میں بند ہو جس میں وہ غسل کر کے وقت نکلنے سے پہلے نماز نہ پڑھ سکتی ہو تو اس پر اس وقت کی نماز بھی قضاء کرنا ضروری نہیں ہوگی یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حائضہ عورت کب نماز کی قضاء کرے گی؟

حائضہ عورت پر اتنا وقت گذر جائے کہ وہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی مگر اس نے سستی کی اور پھر وقت گزر گیا تو اب اس وقت کی نماز کی قضاء اس کو کرنی پڑے گی۔(رد المختار ۱/۲۰۶)

اور اگر وہ عورت ابھی غسل کر رہی تھی کہ وقت ختم ہوگیا تو اب اس پر اس وقت کی نماز کی قضاء نہیں ہوگی۔ یہی بات علامہ شامی

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔(شامی ۲۰۶/۱)اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔(فتح القدیر)

فَلَيْسَ عَلَيْهَا إِعَادَةُ تِلْكَ الصَّلٰوةِ: کہ اگر صرف اتنا وقت ہو کہ اس میں غسل بھی پورا نہیں ہوسکتا تو اب امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس وقت کی نماز قضاء نہیں کرے گی، مگر امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس وقت کی نماز کی بھی وہ قضاء کرے گی۔(قلائد الازھار ۱۳/۱)

بَابُ النُّفَسَاءِ وَالْحُبْلَى تَرَى الدَّمَ

نفاس والی اور ایسی حاملہ جس کو خون آئے اس کا بیان!

نفاس کے لغوی و اصطلاحی معنی:

لفظ"**نفاس**"یہ نون کے کسرہ کے ساتھ فصیح ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔مگر نون کا ضمہ غلط ہے،بمعنی زچہ ہونا، بچہ جننا۔

شرع میں نفاس کہتے ہیں کہ: "هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ"۔

الحبلی: حاملہ عورت کو کہتے ہیں کہ اس کو حیض نہیں آتا اگر حاملہ عورت خون دیکھتی ہے تو وہ استحاضہ کا ہوتا ہے وہ مانع صلوۃ و صوم وغیرہ نہیں ہوتا اس باب میں ان دونوں قسم کی عورتوں کا حکم بیان ہوگا۔

54- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: النُّفَسَاءُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا وَقْتٌ قَعَدَتْ وَقْتَ نِسَائِهَا ۔قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّهَا نُفَسَاءُ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فَإِنْ زَادَتْ عَلَى ذَلِكَ اغْتَسَلَتْ وَتَوَضَّأَتْ لِكُلِّ وَقْتِ صَلَاةٍ وَصَلَّتْ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفاس والی عورت کا وقت نفاس جب متعین نہ ہو تو اس کی رشتہ دار عورتوں کے ایام نفاس سے اس کا وقت متعین کیا جائے گا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ ایسی عورت چالیس دن تک نفاس والی شمار ہوگی پھر اگر خون چالیس دنوں سے زائد آئے تو غسل کرے گی اور پھر ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھے گی۔یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: قعدت: واحد مونث غائب فعل ماضی معروف (ن) مصدر:"قعوداً و مقعداً": کھڑے سے بیٹھنا۔النُفَسَاءُ: نفاس والی عورت ،(ج) نِفَاسٌ، نُفَسَاوَاتٌ۔

اگر چالیس دن سے کم یا زیادہ نفاس آجائے؟

نفاس کی کم سے کم کوئی مدت متعین و مقرر نہیں چند ساعت آکر بھی ختم ہوسکتا ہے۔حیض میں کم از کم تین دن کی مدت اسی لئے

مقرر کی تھی تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ خون رحم سے آرہا ہے یا کسی رگ وغیرہ سے، اگر تین دن آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رحم کا خون ہے اور حیض ہے لیکن نفاس میں اس کی ضرورت نہیں اس لئے کہ بچے کا پیدا ہونا رحم کے منہ کھلنے کی علامت ہے اور بچہ کے بعد آنے والا خون رحم کا ہی ہوتا ہے لہذا اقل مدت تعین کرنے کی ضرورت نہیں پڑی یہ حکم نماز روزہ کے بارے میں ہے۔ نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ام سلمہ، ابن عمر، ابوہریرہ، حضرت عائشہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہم نے یہی نقل کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ستر دن اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اکثر مدت نفاس ساٹھ دن ہے۔

نفاس والی عورت کو چالیس دن کے اندر جو خون آئے گا وہ نفاس کا شمار ہوگا اگر اس سے پہلے بند ہوجائے تو غسل کر کے نماز پڑھے گی ایسی صورت میں نماز چھوڑنا سخت گناہ ہے لیکن اگر خون بند نہیں ہوتا تو چالیس دن تک نفاس شمار ہوگا نماز معاف اور روزہ بعد میں قضا کر رکھے گی، اگر چالیس دن کے بعد بھی نماز خون آتا رہا تو چالیس دن نفاس کے اور باقی استحاضہ ہوگا چالیس دن گزرنے کے بعد غسل کر کے ہر نماز کے وقت وضوء کر کے نماز ادا کرے گی اور رمضان کے مہینے میں روزے بھی رکھے گی۔

55 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا رَأَتِ الْحُبْلَى الدَّمَ، فَلَيْسَتْ بِحَائِضٍ، فَلْتُصَلِّ، وَلْتَصُمْ وَلْيَأْتِهَا زَوْجُهَا، وَتَصْنَعُ مَا تَصْنَعُ الطَّاهِرُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حاملہ عورت کو خون آجائے تو یہ حیض شمار نہیں ہوگا اسے نماز بھی پڑھنی ہوگی اور روزہ رکھنا بھی ہوگا اور اس کا شوہر اس سے صحبت بھی کرسکتا ہے اور ہر وہ کام جو ایک پاک عورت کرتی ہے یہ بھی وہی کرے گی یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کیا حاملہ عورت کو حیض آتا ہے؟

فتاوی شامی میں ہے: حمل کے زمانے میں حیض نہیں آتا، اگر عورت نے جو تھوڑا تھوڑا خون دیکھا ہے وہ استحاضہ (بیماری) کی وجہ سے ہے، اور استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کا وقت داخل ہونے پر وضو کرے گی، اور اس وقت کے ختم ہونے تک اسی وضو سے نماز، اور تلاوت وغیرہ کرسکتی ہے، بشرطیکہ اس کے علاوہ کوئی ناقض وضو نہ ہو، اور وقت ختم ہونے کے بعد پھر دوبارہ وضو کرے گی۔

(کتاب الطهارة، باب الحیض، 302/1، سعید)

56 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: الْحُبْلَى تُصَلِّي أَبَدًا مَا لَمْ تَضَعْ، وَإِنْ رَأَتِ الدَّمَ، لِأَنَّ الْحُبْلَى لَا يَكُونُ حَيْضًا وَإِنْ أَوْصَتْ وَهِيَ تُطَلِّقُ، ثُمَّ مَاتَتْ فَوَصِيَّتُهَا مِنَ الثُّلُثِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاملہ اس وقت تک نماز پڑھے گی جب تک وضع حمل نہ ہوجائے اگرچہ اس کو خون بھی

آ تا ہو۔ اس لئے کہ حاملہ کو حیض (کا خون) نہیں آتا اور اگر وہ دروزہ کی حالت میں ہو اور اس نے وصیت کی ہو پھر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی وصیت تہائی (مال) میں نافذ ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سب اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دردِزہ میں وصیت کا حکم:

اگر عورت نے دروزہ میں وصیت کی پھر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی وصیت تہائی مال میں جاری ہوگی۔ کیونکہ دروزہ میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے تو گویا کہ عورت موت کے منہ میں ہوتی ہے تو اس حالت میں عورت کوئی وصیت کرے اور پھر وضع حمل کے دوران انتقال ہو جائے تو اب اس کی یہ وصیت تہائی مال میں جاری ہوگی۔

بَابُ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي الْمَنَامِ مَا يَرَى الرَّجُلُ

عورت کا مرد کی طرح خواب میں (احتلام) کو دیکھنا

اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ عورت کو بھی مرد کی طرح احتلام ہوتا ہے اور پھر جس طرح مرد پر احتلام کے بعد غسل واجب ہو جاتا ہے تو اسی طرح عورت پر بھی غسل واجب ہوگا۔

57 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ بِنْتَ مِلْحَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي الْمَنَامِ مَا يَرَى الرَّجُلُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَتِ الْمَرْأَةُ مِنْكُنَّ مَا يَرَى الرَّجُلُ فَلْتَغْتَسِلْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عورت کے بارے سوال کرنے آئیں کہ اگر عورت مرد کی طرح خواب میں (احتلام) دیکھے تو کیا کرے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کوئی عورت اسی طرح خواب دیکھے؟ جیسے کہ مرد دیکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہی۔

لغات: المنام: نیند، سونے کی جگہ، خواب، (ج) منامات۔

عورت کے احتلام کا حکم:

عورت کے احتلام سے بھی بالاتفاق غسل واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ انزال شہوت سے ہو۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر نزول ماء کا صرف احساس ہوا اور منی فرج خارج تک نہ پہنچی تو اس صورت میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کے دو قول ہیں ایک قول کے اعتبار سے غسل واجب ہو جاتا ہے مگر اصح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ جب تک فرج خارج تک پانی نہ پہنچے اس وقت تک

غسل واجب نہیں ہوتا۔

بعض لوگ عورت کے احتلام کی نفی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ عورت کی منی ہوتی ہی نہیں ہے۔مگر جمہور فقہائے امت اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عورت کی منی ہوتی ہے مگر اس کا خروج باہر کی طرف بہت ہی کم ہوتا ہے۔

بَابُ الْأَذَانِ

اذان کا بیان!

اذان کے لغوی اصطلاحی معنی:

اذان: بروزن "زمان" مصدر ہے، بمعنی: الاعلام، خبردار کرنا، بعض اہل لغت کے نزدیک یہ اسم مصدر ہے کیونکہ اس کی ماضی "اذن" اور مصدر "تاذین" ہے۔معروف اذان بھی چونکہ نماز کی خبر دیتی ہے اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں۔

كَمَا قَالَ تَعَالَى: "وَاذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا. وَكَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَآذَانٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾.

کبھی کبھار اقامت کو بھی اذان کہہ دیتے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں کہتے ہیں: اعلام مخصوص عَلَى وَجْهِ مَّخْصُوصٍ بِأَلْفَاظٍ مَّخْصُوص۔

58 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُؤَذِّنَ الْمُؤَذِّنُ، وَهُوَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. لَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا وَيكره أَنْ يُؤَذِّنَ جُنُبًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ مؤذن بلا وضو اذان دے دے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔بلا وضو اذان دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ حالت جنابت میں اذان دینا مکروہ ہے۔یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: یؤذن: بالصلاۃ: اذان دینا۔ تاذیناً مصدر ہے۔مہموز الفاء ہے۔یکرہ (س) کرهًا و كُرها و كَرَاهَةً: ناپسند کرنا۔

بغیر وضو اذان دینے کا حکم:

با وضو اذان دینا مستحب ہے؛ اس لیے بغیر عذر کے وضو کے بغیر اذان نہیں دینی چاہیے،لیکن اگر کبھی کسی وقت بلا وضو بھی اذان دے دی گئی تو ظاہری روایت کے مطابق مکروہ نہیں ہوگی، اس لیے بلا وضو کے دی گئی اذان کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔لیکن اگر کوئی شخص عادت ہی بنالے کہ ہمیشہ بے وضو ہی اذان دیتا رہے تو یہ کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔جیسا کہ ترمذی کی روایت ہے کہ: "عن أبي هريرة، عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: لا يؤذن إلا متوضئ"۔(سنن الترمذي)

البتہ تکبیر کہتے وقت دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔

اگر حدث اکبر (جنابت) کی حالت میں کوئی شخص اذان کہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اس اذان کا لوٹانا مستحب ہے، اسی طرح اگر حدث اکبر یا اصغر کی حالت میں اقامت کہے تو مکروہ تحریمی ہے لیکن تکبیر کا لوٹانا مستحب نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:اص:۵۵۶تا۵۵۷)

59 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْمُؤَذِّنِ يَتَكَلَّمُ فِي أَذَانِهِ، قَالَ: لَا آمُرُهُ وَلَا أَنْهَاهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا نَحْنُ فَنَرَى أَنْ لَا يَفْعَلَ، وَإِنْ فَعَلَ لَمْ يَنْقُضْ ذَلِكَ أَذَانَهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالیٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسا موذن جو اذان کے دوران بات کرے تو نہ میں اسے بات کرنے کا حکم دوں گا اور نہ ہی اس سے روکوں گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسے بات نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس نے بات کر لی تو اس سے اذان میں نقصان نہیں آئے گا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: لَمْ يَنْقُضْ: از باب نصر، بمعنی توڑنا، بعض نسخوں میں لم يَنْقُص ہے، بمعنی کم کرنا۔

موذن کا اذان کے دوران بات کرنا:

اگر موذن اذان کے دوران بات کرے۔ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے مگر حضرت عروہ، عطاء، حسن بصری، قتادہ، ابراہیم النخعی، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک موذن کا بات کرنا مکروہ ہے اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم سے بالکل ممانعت منقول ہے اور امام ابوحنیفہ، صاحبین، امام شافعی، امام مالک وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک خلاف اولیٰ ہے۔

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ موذن اگر بات کر لے تو اذان میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یعنی اگر مختصر سی بات کرے جس سے اذان میں خلل نہ آئے تو اب اعادہ نہیں ہوگا اگر طویل بات کرے جس سے اذان کہنے میں حرج واقع ہو تو اب اعادہ ہے۔

60 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ التَّثْوِيبِ، قَالَ: هُوَ مِمَّا أَحْدَثَهُ النَّاسُ، وَهُوَ حَسَنٌ مِمَّا أَحْدَثُوا وَذَكَرَ أَنَّ تَثْوِيبَهُمْ كَانَ حِينَ يَفْرُغُ الْمُؤَذِّنُ مِنْ أَذَانِهِ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے (اذان کی) تثویب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ لوگوں کی اپنی ایجاد کردہ ہے لوگوں کی ایجاد کردہ چیزوں میں سے یہ اچھی چیز ہے ان کی تثویب اس طرح ہوتی ہے کہ جب موذن اذان دے چکتا، تو وہ یہ کہتا: "الصلوۃ خیر من النوم" امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: التثویب:ھو الاعلام بعد الاعلام تفعیل کا مصدر ہے،لفظی معنی دعا کرنا، جا کر لوٹنا، "ب" کے صلہ کے ساتھ لفظِ صلوۃ کی طرف متعدی ہوتو معنیٰ نماز کے لئے بلانا کے آتے ہیں۔

تثویب کا مطلب؟

تثویب کے لغوی معنی: "الاعلام بعد اعلام" شرعاً اس کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

صرف فجر کی اذان میں حیّ علَی الْفَلَاح کے بعد الصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنا۔

اس میں نہ کوئی الفاظ مخصوص ہے نہ کوئی طریقہ، مثلاً: الصَّلٰوۃُ الصَّلٰوۃُ، یا قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، یا الصَّلٰوۃُ جامعۃ وغیرہ الفاظ کہے جاسکتے ہیں اذان اور اقامت کے درمیان میں۔

❁ ائمہ اربعہ اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلواۃ خیر من النوم" دومرتبہ کہنا سنت ہے۔

دلیل: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان سکھلائی تھی اس وقت فجر کی اذان میں تثویب (حیی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم) بھی سکھلائی تھی، فَإِنْ کَانَ صَلَاۃُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوۃ. الخ (ابو داؤد ج: ص: ۷۲) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر صبح کی اذان ہوتو اس میں الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو۔

61- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَ آخِرُ أَذَانِ بِلَالٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ" پر ختم ہوئی تھی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو ہم پسند کرتے ہیں یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اذان کا طریقہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اذان کا طریقہ یہ ہے کہ شروع میں "اللہ اکبر" چار مرتبہ کہے گا، مگر یہ چار مرتبہ دو سانس میں کہے گا اور پھر "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا الله" دومرتبہ کہے گا، پھر اسی طرح "أَشْهَدُ أَنَّ محمد رسول الله" دومرتبہ کہے گا، اس میں ترجیع نہیں ہے کہ پہلے دومرتبہ آہستہ کہے پھر دومرتبہ زور سے کہے اور پھر "حَيّ عَلَى الصَّلٰوۃ" دومرتبہ پھر "حَيّ عَلَى الفلاح" دومرتبہ کہے۔ آخر میں "الله اکبر الله اکبر لا إله الا الله" پر اذان کو ختم کرے، یہی قول اہل مدینہ کا ہے، مگر ان کے نزدیک شروع میں "الله اکبر" دومرتبہ کہے اور احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چار مرتبہ کہے۔

62- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: الْأَذَانُ وَالْإِقَامَةُ مَثْنَى مَثْنَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذان اور اقامت میں۔کلمات دو دو مرتبہ ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: مثنی: دو،دو۔"ثناء و مثنی "غیر منصرف ہے اور مذکرومونث کے لئے یکساں ہے۔

اذان کے کلمات کتنے ہیں؟

کلمات اذان کی تعداد میں اختلاف ہے جس کا دارومدار ترجیع پر ہے۔

ترجیع کی تعریف: اذان میں جو شہادت والے چار کلمات ہیں ان میں سے ہر ایک کو دو دو مرتبہ کہا جائے پہلے آہستہ آواز سے پھر زور سے،اس طرح یہ کلمات چار کے بجائے آٹھ ہو جائیں گے۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۴،نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۸)

اذان کے کلمات کتنے ہیں اس بارے میں **تین مذاہب** ہیں۔

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: کے نزدیک اذان میں ترجیع افضل ہے لہذا ان کے نزدیک کلمات اذان سترہ ہیں،شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع،یعنی آٹھ کلمات اور حیعلتین کے چار کلمات پھر اللہ اکبر دو مرتبہ اور آخر میں کلمہ توحید ایک مرتبہ۔(عمدۃ القاری:ج۴،ص:۱۴۶)
- **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ: کے نزدیک بھی اذان میں ترجیع افضل ہے ان کے نزدیک کلمات اذان انیس ہوں گے،شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع باقی الفاظ معروف ہیں۔(عمدۃ ج۴،ص:۱۴۶)
- **حنفیہ اور حنابلہ** رحمۃ اللہ علیہم: کے نزدیک کلمات اذان پندرہ ہیں،شروع میں تکبیر چار مرتبہ شہادتین چار مرتبہ (ترجیع نہیں ہے) حیعلتین چار کلمات پھر دو مرتبہ تکبیر ایک مرتب کلمہ توحید۔(معارف السنن ج۲،ص:۱۷۲ عینی شرح ہدایہ،ج:ص ۲ ۵۳۳)

مالکیہ وشوافع رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کے اندر شہادتین کی ترجیع کی صراحت ہے۔

"وَاسْتَدَلَّ الْقَائِلُونَ بِالتَّرْجِيعِ بِأَذَانِ أَبِي مَحْذُورَةَ وَفِيهِ الترجيع".(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۶)

جواب: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو ترجیع ہے وہ ایک علت کے ساتھ معلول ہے کہ اس وقت انھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا تو پہلی شہادتین کا مقصد ان کو مسلمان کرنا تھا،اور دوسری مرتبہ شہادتین تعلیم اذن کے طور پر تھی۔

دوسرا **جواب**: وہ ترجیع نہ تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم کی غرض سے بار بار ان سے کلمات کا اعادہ کرا رہے تھے۔

(البحر الرائق مع منحۃ الخالق ج:ا ص، ۲۶۹)

احناف رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل**: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے وہ بغیر ترجیع کے ثابت ہے۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۵)

اقامت کے کلمات کتنے ہیں:

کلمات اقامت کتنے ہیں۔اس سلسلہ میں **تین مذاہب** بیان کئے جاتے ہیں۔

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: کلمات اقامت دس ہیں: لفظ اللہ اکبر دومرتبہ شہادتین دومرتبہ حیعلتین دومرتبہ قدقامت الصلوہ ایک مرتبہ اللہ اکبر دومرتبہ کلمہ توحید ایک مرتبہ۔
- **امام شافعی واحمد** رحمۃ اللہ علیہم: اقامت میں گیارہ کلمات ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طریقہ پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقہ پر ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قدقامت الصلوہ دومرتبہ ہے اس لئے کلمات اقامت گیارہ ہیں۔
- **احناف** رحمۃ اللہ علیہم: کلمات اقامت سترہ ہیں جو کلمات اذان میں کہے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ دومرتبہ قدقامت الصلوہ کا اضافہ بھی ہے۔(نیل ج:۲،ص:۴۲،فتح الملہم ج:۲،ص:۲،عمدۃ القاری ج۴،ص:۱۴۶)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم کیا گیا تھا کہ کلمات اقامت ایک ایک مرتبہ کہیں۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۸۵،بدائع الصنائع ج:اص:۳۶۶)

جواب: فتح الملہم شرح مسلم (ج:۲،ص:۳) میں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ احادیث صحیحہ میں اقامت دو دو مرتبہ کہنا اور ایک ایک مرتبہ کہنا دونوں کا ثبوت ملتا ہے،اس لئے ایک ایک مرتبہ کے کہنے کے جواز میں تو کوئی شبہ اور کلام نہیں البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم نے سترہ کلمات والی احادیث کو اس لئے ترجیح دی ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہی صراحت ہے اور حضرت بلال رحمۃ اللہ علیہ کا آخری عمل بھی یہی منقول ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان کے ساتھ اقامت بھی سکھلائی گئی تھی،اور وہ بھی اذان کی طرح تشفیع (دودومرتبہ) پر مشتمل تھی۔(طحاوی ج:ص:۱۰۱)

63-مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فَيُصَفُّوا، فَإِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، كَبَّرَ الْإِمَامُ . قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى، وَإِنْ كَفَّ الْإِمَامُ حَتَّى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ إِقَامَتِهِ ثُمَّ كَبَّرَ، فَلَا بَأْسَ بِهِ أَيْضًا كُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہئے کہ کھڑے ہوکر صفیں درست کر لیں اور جب قد قامت الصلوۃ کہے تو امام کو اللہ اکبر کہہ دینا چاہئے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور

یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اگر امام مؤذن کی تکبیر کے ختم ہونے تک رکا رہے (پھر) تکبیر ختم ہونے کے بعد وہ اللہ اکبر کہے تب بھی کوئی حرج نہیں دونوں ہی طریقے اچھے ہیں۔

لغات: فَيَصُفُّوا: (ن) صَوّا وَسَفَّفَ-الشيء: صف بنانا، القوم: میدان میں صف بندی کرنا۔

امام نیت کب باندھے گا:

اس میں چار مذاہب ہیں:

① - امام مالک اور جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔

② - شوافع اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اقامت کے ختم ہونے کے بعد نیت باندھے۔

③ - امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوۃ کہے تو لوگ صفوں میں کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ قد قامت الصلوۃ کہے تو امام نیت باندھ لے۔

④ - امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام نیت باندھ لے۔

مگر ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا اصح قول اور عامۃ العلماء کے نزدیک مستحب ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کرے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔کیونکہ صفوں کا سیدھا ہونا بھی ضروری ہے اور اقامت کے بعد تو وقت نہیں ہوتا اس لئے کہ فوراً بعد تو نیت باندھی جاتی ہے تو جب اقامت شروع ہو تو صفوں کو درست کرنا شروع کر دینا چاہئے اور جب مؤذن اقامت ختم کرے پھر امام نیت باندھے تاکہ مؤذن بھی شامل ہو جائے۔

64- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلَا إِقَامَةٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله عليه.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورتوں پر اذان و اقامت کہنا نہیں چاہئے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: إِقَامَةٌ: باب تفعیل سے مصدر بمعنی کھڑا کرنا۔للصلوۃ: اقامت کہنا۔

بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ

نماز کے اوقات کا بیان!

مواقیت یہ میقات کی جمع ہے بمعنی وقت، اور یہ جمع کثرت کا صیغہ ہے۔چوں کہ پوری زندگی میں ہر روز اوقاتِ نماز لوٹ

لوٹ کر آتے ہیں، اس لیے جمع کثرت کا صیغہ لے کر آئے۔

65- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسْأَلُهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَحْضُرَ الصَّلَاةَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا أَنْ يُبَكِّرَ بِالصَّلَوَاتِ، ثُمَّ أَمَرَهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي، فَأَخَّرَ الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ وَقْتٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَالْمَغْرِبُ وَغَيْرُهَا عِنْدَنَا فِي هَذَا سَوَاءٌ إِلَّا أَنَّا نَكْرَهُ تَأْخِيرَهَا، إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نماز کے اوقات دریافت کرنے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہوا کریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان ابتداء وقت میں کہیں پھر دوسرے دن (بلال رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ نمازوں کو موخر کریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کے اوقات پوچھنے والا آدمی کہاں ہے؟ فرمایا: ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے یہاں مغرب وغیرہ سب برابر ہیں، البتہ غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز کو موخر کرنے کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کا ہے۔

لغات: وقت: وَقَتَ يَقِتُ وَقْتًا الْأَمْرُ: وقت مقرر کرنا۔ (ض) سے مصدر ہے۔ فَأَمَرَهُ: (ن) أَمْرًا و آمِرَةً وَإِمَارًا: حکم کرنا۔ (س) اور (ک) سے امیر وحاکم ہونا۔

اجمالی تمام نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات:

فجر کے اول وقت کے سلسلے میں تمام علماء کا اتفاق ہے طلوع صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔

فجر کے انتہاء وقت میں **دو مذہب** ہیں

① - امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے ایک قول کے مطابق اسفار ہونے پر فجر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔

② - احناف، حنابلہ اور ایک قول شوافع اور مالکیہ اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک طلوع شمس پر ختم ہوتا ہے

ظہر کا ابتدائی اور انتہائی وقت:

ظہر کے ابتدائی وقت میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ زوال شمس سے شروع ہوتا ہے۔ ظہر کے انتہائی وقت میں چار قول ہیں:

① - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور پھر ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت پڑھنے کا وقت مشترک ہوتا ہے۔ اس میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

② - امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے اور پھر ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت پڑھنے کا وقت

مشترک ہوتا ہے مگر اس میں ظہر کی نماز قضاء ہوجاتی ہے اور عصر کی نماز جائز ہی نہیں۔

③ - صاحبین، جمہور فقہاء، امام زفر، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے پھر اس کے متصل بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

④ - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے اور پھر اس کے متصل بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، عندنا یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

عصر کا ابتدائی اور انتہائی وقت:

ظہر کے آخری وقت میں جو اختلاف ہے وہی اختلاف عصر کے اول وقت میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوگا اور صاحبین امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایک مثل کے بعد شروع ہوجائے گا۔ وَالْعَصْرُ حِيْنَ الْمَرْءُ يُلْقِي ظِلَّهُ قَدْ صَارَ مِثْلَيْهِ وَقَالَ مِثْلَهُ۔

عصر کے انتہائی وقت میں چار اقوال ہیں:

① - امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما عصر کا وقت دو مثل پر ختم ہوجاتا ہے۔

② - امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب سورج پیلا ہوجائے۔

③ - اصحاب ظواہر کے نزدیک غروب شمس سے ایک رکعت کے بقدر وقت رہنے پر عصر کا وقت ہوجاتا ہے۔

④ - احناف، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک غروب سورج پر عصر کا وقت ختم ہوتا ہے۔

مغرب کا ابتدائی اور انتہائی وقت:

مغرب کے ابتدائی وقت میں دو قول ہیں:

① - امام عطاء بن أبي رباح، طاؤس ابن کیسان، وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ مغرب کا وقت طلوع نجوم سے شروع ہوتا ہے۔

② - ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مغرب کا وقت غروب شمس سے شروع ہوجاتا ہے۔

مغرب کے انتہائی وقت میں تین اقوال ہیں:

① - امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے ایک قول کے اعتبار سے غروب سورج کے بعد اطمینان سے وضو کر کے تین رکعت پڑھنے کے بقدر وقت رہتا ہے۔

② - امام شافعی و امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا ایک قول کے مطابق اور صاحبین و جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک شفق احمر پر ختم ہوتا ہے۔

③- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق ابیض پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے (مغرب سے تقریباً سوا گھنٹہ)۔

عشاء کا ابتدائی اور انتہائی وقت:

①- تمام اختلافات کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے انتہائی وقت میں چار اقوال ہیں:

②- امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے ایک قول کے اعتبار سے ثلث لیل پر عشاء کا وقت ختم ہوجاتا ہے امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے دوسرے قول کے اعتبار سے نصف رات کو ختم ہوجاتا ہے۔

③- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ضرورت شدیدہ نہ ہو تو ثلث رات کو اگر ضرورت شدیدہ ہو تو طلوع فجر تک وقت رہتا ہے۔

④- احناف، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صبح صادق تک عشاء کا وقت رہتا ہے۔

66- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. أَنَّهُ قَالَ: أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ عَنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: تُؤَخِّرُ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ حَتَّى تُبْرِدَ بِهَا وَتُصَلِّي فِي الشِّتَاءِ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہنم کی لپیٹ (گرمی) میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: گرمی میں ظہر کو مؤخر کر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھا جائے گا اور سردی کے زمانہ میں زوال کے فوراً بعد پڑھا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

لغات: أَبْرِدُوا: انعال سے امر، جمع مذکر حاضر ہے۔ بمعنی ٹھنڈا کرو۔ فیح: فَاحَ يَفِيحُ فَيْحًا و فيحانا۔ الحر: گرمی کا تیز ہونا۔ تَزُولُ: (ن) الشمس: آفتاب کا ڈھلنا۔

ظہر کی نماز کب پڑھی جائے؟

تُؤَخِّرُ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ حَتَّى تُبْرِدَ بِهَا: سردی کے دنوں میں ظہر کی نماز میں تعجیل تمام علماء کے نزدیک بہتر ہے البتہ گرمی کے زمانے میں افضل وقت میں اختلاف ہے اس میں دو مذہب ہیں:

- امام شافعی، لیث بن سعد اور اشہب مالکی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز میں تعجیل افضل ہے۔
- امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، صاحبین، اسحاق ابن راھویہ، عبداللہ مبارک، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک گرمی کے دنوں میں ظہر کی نماز میں تاخیر افضل ہے۔ (معارف السنن: 49/2، نیل الاوطار: ص 291)

عَنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ: جہنم کی لپیٹ ہے (گرمی) دنیا میں گرمی جہنم کی لپیٹ سے ہوتی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری 2/527 میں فرماتے ہیں کہ گرمی کی شدت کو جہنم کی پیٹ کی طرف جو منسوب کیا گیا یہ حقیقت پر

بھی محمول ہوسکتی ہے اور یہی بات قاضی عیاض علامہ قرطبی امام نووی علامہ ابن البر، تور بشتی وغیرہ کی رحمۃ اللہ علیہم رائے ہے اور قاضی بیضاوی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مجاز کی طرف محمول کیا ہے۔

فائدہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور جیسے ہی ہر چیز کا سایہ اس کے سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ گرمیوں میں ظہر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے اور سردیوں میں ظہر کی نماز میں تعجیل مستحب ہے، اگر کسی علاقے میں نمازیوں کی مصلحت کی وجہ سے دونوں موسموں میں کسی مقررہ وقت میں نماز ہوتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر گرمیوں کے موسم میں اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو پھر کچھ تاخیر سے پڑھنی چاہیے۔ (کتاب الصلاۃ، الباب الأول في مواقیت الصلاۃ، 1/51، ط: رشیدیة)

67 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: نَظَرَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى الشَّمْسِ حِينَ غَرَبَتْ، فَقَالَ: هَذَا حِينَ دَلَكَتْ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے غروب کے وقت سورج کو دیکھا اور (آیت مبارکہ "اقم الصلوۃ لدلوك الشمس" کی تفسیر کی طرف اشارہ کرتے کے ہوئے) فرمایا: یہ غروب کا وقت ہے۔

لغات: الشمس مصدر - آفتاب - غَرَبَتْ: (ن) غَرْبًا - جانا، دَلَكَتْ: (از ،ن) رگڑنا، ملائم کرنا۔ (دلوکا) الشمس: ڈوبنے کے قریب ہونا، غروب ہونا۔ الدلك: نرمی، غروب آفتاب کا وقت۔

مغرب کی نماز کب پڑھی جائے؟

حِينَ غَرَبَتْ: جب سورج کو غروب ہوتے دیکھا فرمایا یہ غروب کا وقت ہے محدثین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی سورج غروب ہو جائے فوراً ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھ لینا چاہئے۔ اس میں تو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے صرف عطاء بن رباح، طاؤس بن کیسان اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت طلوع نجوم سے شروع ہوتا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عثمان غنی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے فتاوی نقل کئے ہیں کہ سب فرماتے ہیں کہ مغرب کی نماز غروب کے متصل بعد پڑھنا چاہئے۔ (طحاوی)

بَابُ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ

جمعہ اور عیدین کا غسل!

68 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ "فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ: إِنِ اغْتَسَلْتَ، فَهُو

حَسَنٌ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ فَحَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے جمعہ کے غسل کے بارے میں منقول ہے، فرمایا کہ: اگر آپ غسل کرلیں تو ٹھیک ہے اور اگر نہ کریں تب بھی ٹھیک ہے۔

جمعہ کے غسل کا حکم:

جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد سے جمعہ تک ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے، جن پر نماز جمعہ واجب ہے۔

عیدین کے دن فجر کے بعد ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے۔

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، یا سنت اس بارے میں **دو مذہب** ہیں۔

- اصحاب ظواہر حسن بصری عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ (عینی: 175/1)

دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ. (نیل الاوطا: 250/1)

اس حدیث میں صیغہ امر کے ساتھ غسل جمعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا جو حکم فرمایا ہے وہ علت کے ساتھ معلول ہے۔ مثلاً ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت ومزدوری کیا کرتے تھے، پسینہ کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی اور انہیں کپڑوں میں بغیر غسل کئے جمعہ پڑھنے مسجد نبوی میں حاضر ہو جاتے اس بدبو کی وجہ سے ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی جس کو ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی محسوس کرلیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: کہ جمعہ کے دن غسل ضرور کرلیا کرو۔ جب فتوحات کی بنیاد پر اللہ نے حالات تبدیل فرما دیئے نوکر چاکر بھی میسر ہو گئے، مسجد میں بھی توسیع کرلی گئی تو بدبو والی بات ختم ہوگئی۔

لہٰذا آپ کا صیغہ امر کے ساتھ حکم فرمانا علت کے ساتھ معلول تھا۔ (طحاوی، ج: ۱ ص: ۸۹، ابوداؤد ج: ص: ۵۱) اس لئے جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہوسکتا۔

- دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

(اعلاء السنن، ج: ۱ ص: ۱۵۲، نیل الاوطار ج: ۱ ص: ۲۵۰، بذل المجهود ج: ۱، ص: ۲۰۸)

دلیل: عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ الْجُمُعَةَ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ.

(ترندی، ج: ۱ ص: ۱۱۱، اعلاء السنن، ج: ۱ ص: ۱۵۲) یعنی جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے گا، تو وہ وضو اس کے لئے کافی ہوگا، اور جو شخص غسل کرے گا، تو وہ غسل اس کے لئے زیادہ افضل اور باعث ثواب ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا صرف مسنون و مستحب ہے نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے قَالَ

يُسْتَحِبُّ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْسَ بِحَتمٍ. (اعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۵۳) یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا مسنون و مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

69 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: رَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَلَا يَغْتَسِلُ قَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَا اغْتَسَلْتَ فِي الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ، فَهُوَ أَفْضَلُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ فَلَا بَأْسَ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ عیدین کے لئے غسل نہ کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر جمعہ و عیدین میں غسل کرلیں تو بہتر ہے اور اگر نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔

لغات: العیدین: عید، ہر وہ دن جس میں کسی صاحب فضل یا کسی بڑے واقعہ کی یادگار مناتے ہوں۔ اس کو عید کہا گیا ہے کہ اس کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر سال لوٹ کر وہ دن آتا ہے اور اصل اس کی "عود" اور اس کی جمع قاعدہ کے مطابق "اعواد" ہونی چاہئے تھی مگر عود بمعنی لکڑی کی جمع سے فرق کرنے کے لئے اس کی جمع اعیاد آتی ہے۔

70 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: قَدْ كُنَّا نَأْتِي فِي الْعِيدَيْنِ وَمَا نَغْتَسِلُ. وَقَالَ: إِنِ اغْتَسَلْتَ فَحَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم عیدین کے لئے بغیر غسل کئے آیا کرتے تھے اور فرمایا: کہ آپ اگر غسل کرلیں تو بہتر ہے۔

عیدین کے غسل کا حکم:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نماز کے لیے جانے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے، اس لیے کہ اصل مقصود جسم سے پسینہ وغیرہ کی بدبو کا ختم ہونا ہے؛ تاکہ مسجد میں پسینہ کی بدبو نہ ہو اور مسلمانوں اور فرشتوں کو تکلیف نہ ہو، لہذا جس طریقہ سے یہ مقصود جتنا زیادہ حاصل ہوگا وہ طریقہ اتنا زیادہ افضل ہوگا، لہذا عیدین میں فجر کے بعد کرلیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، باقی اگر کوئی شخص عیدین کی رات کو یا فجر کی نماز سے پہلے بھی غسل کرلے تو سنت ادا ہو جائے گی۔ (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: 529)

71 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبَانُ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ، قَالَ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَبِهَا وَنَعِمَتْ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل نہیں کیا اس نے بھی ٹھیک کیا اور اچھا کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

لغات: اَلْجُمُعَة: جَمَعَ (ف) جمعًا - المتفرق: اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ جمعت الجمعة: جمعہ کی نماز قائم کی گئی۔

بَابُ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ، وَرَفْعِ الْأَيْدِي، وَالسُّجُودِ عَلَى الْعِمَامَةِ

نماز شروع کرنے اور ہاتھوں کے اٹھانے اور عمامہ پر سجدہ کرنا!

اس باب میں نماز کے شروع میں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کو اٹھانے کے بارے میں آثار پیش کریں گے کہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صرف تکبیر اولیٰ کے وقت ہی ہاتھ کو اٹھانا سنت ہے اس کے علاوہ دوسری جگہوں میں سنت نہیں ہے ہاں اگر کوئی اٹھالے تو ناجائز بھی نہیں ہے۔

اختلاف الائمہ فی رفع الیدین:

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: شوافع وحنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک رکوع سے اٹھنے کے وقت اور رکوع میں جانے کے وقت رفع یدین افضل ہے۔(اوجزالمسالک ج:۱،ص:۲۰۳،معارف ج:۲،ص:۴۵۳)

دلیل: ان حضرات کا سب سے بڑا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے، جس میں ہے کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے ایسے ہی جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے۔(ترمذی ج:اص:۵۹)اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رفع اور ترک رفع دونوں ثابت ہیں، اس لئے ثبوت وعدم ثبوت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے، ہم نے ترک رفع کو ترجیح دی ہے۔

وجوہ ترجیح: ترک رفع کی روایات اوفق بالقرآن ہیں کیونکہ "قوموا للہ قانتین" کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں کم سے کم حرکت ہو۔
علم کے دو بڑے مرکز مدینہ اور کوفہ کے اصحاب کا تعامل ترک رفع کا رہا ہے۔(معارف ج:۲،ص:۴۶۶)

دوسرا مذہب: مالکیہ وحنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ترک رفع افضل ہے۔(معارف ج:۲،ص:۴۵۳،اوجز ج:۱،ص:۲۰۳)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا: کہ کیا میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں پھر انھوں نے نماز پڑھ کر دکھلائی اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔(ترمذی ج:۱،ص:۵۹)
یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے۔ نیز ابن مسعود کی روایت ہر طرح کے اضطراب سے پاک ہے اور خود ان کا عمل بھی اس پر ہے۔

72 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ أَتَوْا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

ﷺ لَمْ يَأْتُوهُ إِلَّا لِيَسْأَلُوهُ عَنِ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ قَالَ: فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ﷺ فَافْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَهُمْ خَلْفَهُ ثُمَّ جَهَرَ، فَقَالَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ، وَلَكِنَّا لَا نَرَى أَنْ يَجْهَرَ بِذَلِكَ الْإِمَامُ وَلَا مَنْ خَلْفَهُ، وَإِنَّمَا جَهَرَ بِذَلِكَ عُمَرُ ﷺ لِيُعَلِّمَهُمْ مَا سَأَلُوهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اہل بصرہ کے چند لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس نماز شروع کرنے کی کیفیت کو معلوم کرنے آئے، فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نماز شروع کی وہ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے زور سے سبحانك اللهم ۔۔الخ پڑھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم نماز کی ابتداء میں ہی پڑھنے کو کہتے ہیں البتہ امام اور مقتدیوں کو زور سے نہیں پڑھنا چاہئیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے اس لئے پڑھا تا کہ انہیں اس کی تعلیم دیں جس کے بارے میں وہ معلوم کرنے آئے تھے۔

لغات: اتوا: (ض) إتيانًا: آنا۔ لِيَسْأَلُوه: سَأَلَ (ف) سؤالا :طلب کرنا، مانگنا۔ درخواست کرنا۔ افتتاح: افتتح البلاد: ملک فتح کرنا، وَاسْتَفْتَحَ الْأَبْوَاب: دروازے کھولنا۔ الْأَمْرُ بِكَذَا :شروع کرنا۔

تکبیر اور سورہ فاتحہ کے درمیان کیا پڑھنا چاہئے؟

اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور سورہ فاتحہ کے درمیان کوئی دعا یا ذکر مسنون نہیں ہے بلکہ تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے۔ جمہور اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جس میں نفی ہے وہاں زور سے پڑھنے کی نفی ہے مطلقاً پڑھنے کی نفی نہیں، مگر امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی، اسحاق بن راھویہ، عطاء ابن رباح، امام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں یہ ذکر مسنون ہے پھر افضلیت میں اختلاف ہے تو احناف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ ثنا افضل ہے۔ یعنی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ الخ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توجیہ افضل ہے یعنی "إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ" اور دوسری روایت میں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ ۔۔الخ

امام ابو یوسف، امام طحاوی، طاؤس، ابو اسحاق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم دونوں کو جمع کرنے کا فرماتے ہیں یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کی طرف بھی منسوب ہے۔

73- وَكَذَلِكَ بَلَغَنَا عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: لَا تَرْفَعْ يَدَيْكَ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْأُولَى، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: اسی طرح ہم کو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تم تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور مقام پر نماز میں ہاتھ نہ اٹھانا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: تَرْفَعُ: (ف) رَفْعًا الشيء: اٹھانا۔

تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کا حکم:

جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے مرد اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ ساتھ اتنے اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لَو کے مقابل ہو جائیں۔

بوقت تکبیر تحریمہ رفع یدین کہاں تک کیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھانا مسنون ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۸۶)

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: رَأَيْتُ النَّبِيِّ اذا قام فی الصلوۃ رفع یدیه حتی تکونا حذاء منکبیه. (بخاری ج:۱، ص:۱۰۲) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل کرتے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت عذر کی حالت پر محمول ہے۔ وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سردی کے زمانہ میں موٹے کپڑے پہنتے تھے اور موٹی موٹی چادریں اوڑھ لیا کرتے تھے، شدت سردی کی وجہ سے صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھایا جاتا تھا۔

(عینی ج:اص:۲۰۱)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہاتھوں کو کانوں کے برابر کرکے اس طرح اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں، یہ مسنون ہے۔ (اوجز المسالک ج:اص:۲۰۲)

دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے مقابل کرکے اٹھاتے۔ (عینی، ج:1، ص:600)

74 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: مَنْ لَمْ يُكَبِّرْ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ، فَلَيْسَ فِي صَلَاةٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ حِينَ كَبَّرَ تَكْبِيرَةَ الرُّكُوعِ كَبَّرَهَا مُنْتَصِبًا يُرِيدُ بِهَا الدُّخُولَ فِي الصَّلَاةِ فَيُجْزِئُهُ ذَلِكَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر نہیں کہا اس کی نماز نہیں ہوگی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں الا یہ کہ وہ رکوع کے وقت سیدھا کھڑا ہو کر نماز شروع کرنے کے لیے اللہ اکبر کہے تو یہ تکبیر کافی ہو جائے گی، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

75 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ

عَنْهُ وكَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا سَجَدَ وكُلَّمَا رَفَعَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ ہر سجدہ اور اس سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: سَجَدَ: (ن) سُجُوداً - فروتنی سے جھکنا۔ عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا۔

76 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالسُّجُودِ عَلَى الْعِمَامَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى بِهِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ عمامہ پر سجدہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اس میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: العمامۃ: - پگڑی۔ خود کا وہ حصہ جو سر کے برابر بنا کر ٹوپی کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ ج عَمائم و عِمام۔

عمامہ پر سجدہ کرنے کا حکم:

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا زمین پر ٹیکنا مسنون ہے لیکن اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا کسی ایک پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں **تین مذہب** ہیں:

- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری:555/4)

دلیل: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جب سجدہ کرتے اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹیک دیا کرتے تھے۔ (درمنضود ج:320/2)

جواب: اس حدیث سے وجوب پر استدلال درست نہیں اس لئے محض فعل وجوب کو مقتضی نہیں ہے۔

- صاحبین اکثر مالکیہ اور شوافع رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ پیشانی کا ٹیکنا ضروری ہے، ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۴ ص:۵۵۶)

دلیل: حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں سات اعضاء کو سجدے میں زمین پر رکھنے کا تذکرہ ہے، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے، دونوں پیر، اور چہرہ۔ (ترمذی ج:۱ص، ۲) اور چہرہ کا رکھنا صرف پیشانی رکھنے سے تو متحقق ہوجاتا ہے، لیکن صرف ناک رکھنے سے متحقق نہیں ہوتا اس لئے اقتصار علی الانف جائز نہیں ہوگا۔

- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناک اور پیشانی دونوں میں سے کسی ایک کے رکھنے سے سجدہ ادا ہوجائے گا لیکن صرف ناک ٹیکنے کی صورت میں مع الکراہت جائز ہے۔ (تبیین الحقائق ج:اص:۱۱۶)

دلیل: کلام پاک میں لفظ سجود آیا ہے اور سجود کہتے ہیں چہرے کو تعظیم کے ساتھ زمین پر رکھنے کو چنانچہ چہرہ کا جو حصہ بھی تعظیم کے

ساتھ رکھ دیا جائے گا سجدہ ادا ہو جائے گا۔(فتح القدیر ج:ص:۲۶۴)

فائدہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور یہی قول احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں مفتی بہ ہے۔(اللباب ج:اص:۸۲)

جہاں تک عمامہ پر سجدہ کا حکم ہے تو عمامہ کا پیچ اگر ماتھے پر اس طرح ہے کہ سجدہ کرتے وقت زمین کی سختی ہی محسوس نہ ہو تو اس صورت میں سجدہ ادا نہیں ہوگا، تاہم اگر زمین کی سختی محسوس ہو رہی ہے تو عمامہ ماتھے پر ہوتے ہوئے سجدہ تو ادا ہو جائے گا، لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، ملحوظ رہے اگر عمامہ سر پر ہو اور سجدہ کی حالت میں زمین سے اس طرح لگا ہو کہ اس کی وجہ سے ماتھا زمین سے نہ لگے بلکل اوپر ہی کو اٹھا رہے تو ایسی حالت میں بھی سجدہ ادا نہیں ہوگا۔(البحر الرائق،ج:1،ص:337)

بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ

قراءت بالجہر!

اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ دن کی نمازوں میں زور سے قرات کرنا کیسا ہے اور ایک آیت کو بار بار پڑھنا کیسا ہے جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے امر سے معلوم ہوتا ہے۔

77۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ صَلَّى فِي جَانِبِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ وَحَرَصَ عَلَى أَنْ يَسْمَعَ صَوْتَهُ فَلَمْ يَسْمَعْ غَيْرَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ يُرَدِّدُهَا مِرَارًا، فَظَنَّ الرَّجُلُ أَنَّهُ يَقْرَأُ طه قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا فِي صَلَاةِ النَّهَارِ فَلَا نَرَى بَأْسًا أَنْ يَقِفَ الرَّجُلُ عَلَى شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ مِثْلِ هَذَا يَدْعُو لِنَفْسِهِ فِي التَّطَوُّعِ فَأَمَّا الْمَكْتُوبَةُ فَلَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے ان صاحب نے خبر دی جنہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی اور وہ ان کی آواز سننے کا بڑا شوق رکھتے تھے کہ انہوں نے انہیں ربِّ زِدْنِی عِلْمًا کے سوا کچھ اور پڑھتے نہ سنا، وہ اسے بار بار دہرا رہے تھے چنانچہ ان صاحب کو یہ خیال ہوا کہ وہ سورہ طہ پڑھ رہے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ دن کی نماز ہے ہم بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ کوئی شخص نفل میں قرآن مجید کی کسی آیت دعا پر ٹھہر کر اپنے لئے دعا کرے فرض میں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

لغات: حرص : حرصًا: لالچ کرنا۔صَوْتَهُ: آواز دینا۔ پکارنا، الصوت: آواز ہر قسم کا راگ - ج۔ أصوات۔رَبِّ: (ن) ربا القوم: بالا دست ہونا، انتظام کرنا، پرورش کرنا۔ النعمة: زیادہ کرنا۔ الشيء: جمع کرنا۔ مالک ہونا۔ الامر: کسی کام کو درست کرنا۔ علمًا: الْعِلْمَ: حقیقت شئی کا ادراک، یقین و معرفت، ج: علوم، يُرَدِّدُها: پھیرنا۔ واپس کرنا۔ لوٹانا۔ يَقِفُ: ٹھہرنا۔ چپ چاپ کھڑا ہونا۔

کونسی نمازوں میں قراءت جہراً پڑھے اور کونسی میں سرًّا؟

وَهٰذَا فِي صَلوٰةِ النَّهَارِ: اکیلا نماز پڑھنے والا دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔

① - نماز فرض ادا کرے گا۔ ② - نفل ادا کرے گا۔

اگر نماز فرض اکیلے ادا کر رہا ہے اور وہ نماز جہر والی ہے (یعنی مغرب، عشاء اور فجر کی) تو اب نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ خواہ قراءت زور سے کرے یا آہستہ مگر بہتر یہ ہوگا کہ قراءت زور سے کرے تاکہ جماعت کی نماز کے ساتھ اس کی نماز کی مشابہت ہو جائے گی اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں ایسا شخص اذان اور اقامت بھی کہہ لے تو بہتر ہے۔ (هدايه) اور اگر اکیلے نماز پڑھنے والا سری قراءت والی نماز ادا کر رہا ہے تو اب ظاہر روایت کے مطابق اس صورت میں اس کو اختیار ہوگا کہ وہ جہراً پڑھے یا سراً۔ (كفايه) مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ سراً قراءت کرے۔ (فتح القدير، محيط)

اور نفل میں اگر نفل دن کی ہو تو اب سراً قراءت کرنا واجب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی پر اہتمام رہا۔ (مراقی الفلاح) اور قراءت زور سے کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (بنايه)

اور اگر نفل رات میں پڑھ رہا ہو تو اس کو اختیار ہوگا خواہ آہستہ قراءت کرے یا زور سے۔ (فتوی عالمگیری)

يُرَدِّدُهَا مِرَارًا: بار بار پڑھ رہے تھے۔ اگر نوافل میں ہو تو جائز ہے فرائض میں مکروہ ہے۔ (عمدة القاري:79/2)

أَنْ يَقِفَ الرَّجُلُ عَلَى شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ: کہ نوافل میں آیت جنت پر اس کو طلب کرنا اور آیت نار پر اس سے پناہ چاہنا جائز ہے مگر فرائض میں جائز نہیں ہے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

تشہد کا بیان!

تشہد پڑھنے کا حکم فقہاء کے نزدیک کیا ہے

اس میں **دو قول** ہیں:

① - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ اولیٰ یا قعدہ اخیرہ میں سے کسی ایک میں پڑھنا سنت ہے۔

② - امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ اولیٰ میں تو سنت ہے مگر قعدہ اخیرہ میں واجب ہے (بعض کتب میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مسئلہ یہ ہے کہ دونوں قعدے میں تشہد پڑھنا واجب ہے اور فتویٰ احناف رحمۃ اللہ علیہم کا واجب پر ہی ہے) اور یہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

78- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا بِلَالٌ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ ﷺ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ وَالتَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نماز کا تشہد اور تکبیر اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورت سکھایا کرتے تھے۔

لغات: التشهد: گواہی طلب کرنا، المُسلِم: التحیات پڑھنا۔ التکبیر: اللہ اکبر کہنا۔ الشيء: بڑا بنانا۔ السورة: مرتبہ، من الکتاب: قرآن پاک کی سورة۔

تشہد پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

- اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قعدہ اولی ہو یا اخیرہ تشہد پڑھنا مسنون ہے۔ (اوجز ج:۱ ص: ۲۶۲)
- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ اولیٰ واجب ہے ثانی فرض ہے۔ (عمدة ج: ۴ ص: ۵۹۰)
- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ اولی میں مسنون ہے اور قعدہ اخیرہ میں واجب ہے۔ (عمدہ القاری ج ۴، ص: ۵۷۸)
- کتب احناف میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ اولی میں تشہد پڑھنا واجب لکھا ہے اور حکم وجوب پر احناف کا فتوی ہے۔

(عالمگیری ج:۱ ص:۷۱، اوجز المسالک ج:۱ ص: ۲۶۳، عمدة القاری ج ۴، ص: ۱/۵۷)

الفاظ تشہد کیا ہیں؟

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر تشہد سکھایا جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ احادیث میں بہت سے تشہد نقل کئے گئے ہیں مختلف الفاظ کے ساتھ۔

کس امام کے نزدیک کون سا تشہد راجح ہے؟

- احناف، حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والے تشہد کو ترجیح دیتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ ۔۔ الخ" (صحیح البخاري)

- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والے تشہد کو ترجیح دی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

" التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَواتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رسولُ اللهِ" (صحیح ابن حبان)

- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے: جس کے الفاظ یہ ہیں

"التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ والباقی كما قال ابن مسعود"۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ابن مسعود کے تشہد کو ترجیح دینے کے وجوہ:

اس کی علماء نے بہت سی وجوہات بیان فرمائی ہے ان میں چند یہ ہیں کہ

① - ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد پر صحاح ستہ کا اتفاق ہے لفظاً بھی معناً بھی۔

② - آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ تشہد سکھایا ان کو دوسرے کو سکھانے کو بھی فرمایا۔

③ - ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس تشہد کو برسر منبر لوگوں کو سکھایا۔

④ - جمہور اہل علم و محدثین و فقہاء نے اس کو اختیار کیا ہے۔

⑤ - ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔ (بخلاف ابن عباس رضی اللہ عنہ عنہ والی روایت کے)

⑥ - تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ابتداء میں ہی اسم اللہ کی تقدیم ذکر ہے یہ محمود اور اولی ہے۔

⑦ - باب تشہد میں اصح تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔

79 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: قُلْتُ: أَقُولُ بِسْمِ اللهِ، قَالَ، قُلِ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى أَنْ يُزَادَ فِي التَّشَهُّدِ وَلَا يُنْقَصَ مِنْهُ حَرْفٌ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے عرض کیا میں بسم اللہ کہا کروں؟ فرمایا: التحیات للہ کہا کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں ہم تشہد میں ایک حرف بھی بڑھانے یا گھٹانے کو مناسب نہیں سمجھتے یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

التحیات کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

أَقُولُ بِسْمِ اللهِ: بعض تشہد میں "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَانِ الرَّحِيمِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ" آتا ہے، بعض روایات میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "بسم اللهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ" نقل کیا ہے۔

اور بھی کئی روایات میں بسم اللہ کا اضافہ ہے تو ان سب کی نفی اس اثر بالا میں ہے کہ صحیح اور بہتر یہ ہے کہ ابتداء "التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ" سے کی جائے۔

ابن عمر، ابن الزبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے تشہد میں بھی ابتداء "بسم الله التحيات الله" کے ساتھ ہے۔

أَنْ يُزَادَ فِي التَّشَهُّدِ وَلَا يُنْقَصَ مِنْهُ حَرْفٌ: کہ التحیات میں کسی حرف کو بڑھانا یا گھٹانا پسند نہیں کرتے۔ تقریباً الفاظ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں "كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ يَكْرَهُ أَنْ يَزَادَ فِيهِ حَرْفٌ أَوْ يُنْقَصَ مِنْهُ حَرْفٌ" کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ناپسند کرتے ہیں اس میں کسی ایک لفظ کو زائد کرنے کو یا گھٹانے کو۔

بیس تشہدات سے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں ان میں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی بعض میں

کچھ الفاظ کی کمی ہے اور بعض میں کچھ الفاظ کی زیادتی ہے اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کمی یا زیادتی نہ کی جائے۔ وہی پڑھا جائے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (وجوہ ترجیح حدیث 78 میں مفصلاً گذر چکی ہیں)

80 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانُوا يَتَشَهَّدُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَيَقُولُونَ فِي تَشَهُّدِهِمُ اَلسَّلَامُ عَلَى اللهِ. فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ لَهُمْ: "لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللهِ؛ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلَكِنْ قُولُوا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ"، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ تشہد پڑھتے تو یہ کہا کرتے تھے: السلام علی اللہ، ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کی طرف چہرہ مبارک کر کے ارشاد فرمایا: تم السلام علی اللہ مت کہا کرو، اس لئے کہ سلامتی عطاء کرنے والے تو اللہ جل جلالہ ہی ہیں، تو یہ کہا کرو "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

التحیات میں السلام علی اللہ پڑھنے کا حکم؟

لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللهِ؛ إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ: اس اثر میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا معاملہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ" پڑھنے کو فرمایا اس سے یہ بات ثابت ہوگی جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تو "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ" پڑھنا چاہیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد "السلام علی اللہ" پڑھنا چاہیئے۔

معارف السنن میں ہے کہ یہ تمام روایات ضعیف ہیں اور ان کے راوی ثقہ نہیں ہیں۔ مزید یہ فرماتے ہیں کہ یہ بیان کرنے والے عموماً ابن عباس اور مجاہد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں مگر اس طرق کو نہ مدینہ والوں نے قبول کیا اور نہ اہل عراق نے اسی طرح مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی یہی روایت مسلم میں انہی راویوں کے ساتھ آئی ہے تو اس میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ الصَّالِحِينَ" موجود ہے۔

اسی طرح عام صحابہ اور عام روایات و آثار وغیرہ کے بھی یہ بات خلاف ہے۔

اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اپنے دور خلافت میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" سکھایا کرتے تھے۔ (معارف السنن ۳/۸۷) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں صیغہ خطاب کے ساتھ لوگوں کو تشہد سکھایا تھا (کسی کا بھی انکار منقول نہیں) مگر اس صیغہ خطاب میں یہ عقیدہ رکھنا غلط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا کلام سن رہے ہیں اگر ایسا عقیدہ رکھے گا تو وہ منکر شرعی کا مرتکب ہوگا۔ (درمختار)

بَابُ الْجَهْرِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم زور سے پڑھنے کا بیان!

81 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو سُفْيَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: صَلَّى خَلْفَ إِمَامٍ، فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللهِ، اغْنِ عَنِّي كَلِمَاتِكَ هَذِهِ؛ فَإِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، وَخَلْفَ عُمَرَ، وَخَلْفَ عُثْمَانَ رضی الله عنهم، وَلَمْ أَسْمَعْهَا مِنْهُمْ.

ترجمہ: حضرت یزید بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: انہوں نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی، تو اس نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو زور سے پڑھا جب وہ نماز پڑھ چکے تو انہوں نے ان سے پوچھا آپ یہ کلمات کس لئے کہتے ہیں؟ اس لئے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن میں نے ان سے (زور) سے نہیں سنا۔

لغات: اِغْنِ: جب "عن" کے صلہ کے ساتھ آئے تو معنی ہیں: بے نیاز ہونا، ضرورت واحتیاج نہ ہونا۔

82 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الرَّجُلِ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: إِنَّهَا أَعْرَابِيَّةٌ، وَكَانَ لَا يَجْهَرُ بِهَا هُوَ، وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو زور سے پڑھ رہا تھا یہ فرمایا کہ: یہ دیہاتی طریقہ ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" زور سے نہیں پڑھتا تھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: أَعْرَابِيَّةٌ: دیہاتی لوگوں کی عادت یا طور طریقہ۔

83 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: "أَرْبَعٌ يُخَافِتُ بِهِنَّ الْإِمَامُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَالتَّعَوُّذُ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وآمين" قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے گا۔ "سبحانك اللهم وبحمدك الخ، اعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمان الرحيم، اور آمین"۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: یخافت: "ب" کے صلہ کے ساتھ: آہستہ پڑھنا، پست آواز سے پڑھنا۔

بسم اللہ زور سے پڑھے یا آہستہ؟

ہر رکعت کے شروع میں "الحمد للہ" سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھنا مسنون ہے۔ بسم اللہ زور سے پڑھے یا آہستہ پڑھے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہری نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھے اور سری نماز میں سراً۔ (عمدۃ القاری ج:۴ ص:۳۹۶)

دلیل: "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ يَجْهَرُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ"۔ (فتح القدیر ج:ص: ۲۵۴)

جواب: کبھی کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم کی خاطر بسم اللہ کے ساتھ جہر فرمایا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ جہر کی نہ تھی۔ (کفایہ)

- حضرات حنابلہ واحناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بسم اللہ آہستہ پڑھے، خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ (اوجز ج:۱ ص:۲۲۸)

دلیل: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے، تعوذ، تسمیہ، تحمید، آمین۔ (عینی: 619/1)

بَابُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ وَتَلْقِينِهِ

امام کے پیچھے قراءت کرنا اور اس کو لقمہ دینے کا بیان

قراءت خلف الامام کا مسئلہ آج سے نہیں بلکہ زمانہ قدیم سے مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر کچھ تحقیق سے کام لیا جائے تو صحابہ کرام، تابعین، ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں کچھ زیادہ اختلاف نظر نہیں آتا۔ سب کا ہی اتفاق ہے کہ مقتدی انتہائی توجہ اور خاموشی کے ساتھ امام کی قراءت پر توجہ دے اسی مسلک پر آیت قرآنیہ، احادیث فعلیہ وقولیہ، اثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیاس سب موجود ہیں۔

84- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: مَا قَرَأَ عَلْقَمَةُ بْنُ قَيْسٍ قَطُّ فِيمَا يُجْهَرُ فِيهِ، وَلَا فِيمَا لَا يُجْهَرُ فِيهِ، وَلَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ أُمَّ الْقُرْآنِ، وَلَا غَيْرَهَا خَلْفَ الْإِمَامِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. لَا نَرَى الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ يُجْهَرُ فِيهِ أَوْ لَا يُجْهَرُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں امام کے پیچھے نہ کبھی جہری نماز میں قراءت پڑھی نہ سری میں اور نہ آخری دو رکعتوں میں نہ سورہ فاتحہ نہ اور کوئی سورت۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ ہم امام کے پیچھے نہ سری نماز میں قراءت کے قائل ہیں اور نہ جہری نماز میں۔

لغات: تلقین: اس کے اصطلاحی معنی ہیں، القاء الکلام علی الغیر لیاخذ بہ، کسی کو کوئی بات کہنا تا کہ وہ اس بات کے مضمون پر عمل کرے۔

قرات الفاتحہ خلف الامام میں مذاہب ائمہ:

- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ (بذل المجہود: 52/2)

دلیل: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ کو قرآت کرنی بھاری ہوگئی پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: کہ میں تم کو امام کے پیچھے قرات کرتے دیکھ رہا ہوں، راوی کہتے ہیں ہم نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا سوائے سورہ فاتحہ کے اس لئے کہ اس کے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (ترمذی)

جواب: مذکور حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ بے انتہا ضعیف ہے، سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے اس لئے اس سے فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ (معارف السنن ج ۳، ص: ۱۹۸)

- **امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآت فاتحہ خلف الامام مکروہ تحریمی ہے، خواہ جہری نماز میں ہو یا سری نماز میں۔** (بذل المجهود)

دلیل: ﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو۔ اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر قرآت خلف الامام کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے امام کے پیچھے قرآت کرنا جائز نہیں ہوسکتا، چاہے سورہ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت ہو۔ (معارف السنن ج: ۳ ص: ۱۹۷)

- **امام مالک و امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام مکروہ ہے لیکن سری نماز میں مستحب ہے، یہی ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔** (اوجز المسالک ج: ۱، ص: ۲۳۹ تا ۲۴۰)

سنن ابن ماجہ میں ہے: "عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة"۔ (باب: إذا قرأ الإمام فأنصتوا، ص: ٦١) ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں: جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: "عن حيطان بن عبد الله الرقاشي قال: صليت مع أبي موسى الأشعري... أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا، فبين لنا سنتنا و علمنا صلواتنا فقال: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا..." الحدیث۔ ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور ہمیں طریقہ بیان کیا اور ہمیں نماز سکھلائی کہ جب تم نماز ادا کرو تو اپنی صفوں کو درست کرو، پھر تم میں سے کوئی امامت کرائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو بالکل خاموشی سے سنو۔۔۔ الخ

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: كُلُّ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ، فَقِرَاءَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ"۔ (مصنف ابن أبي شيبة)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جس کا امام ہو، اس (امام) کی قراءت اس (مقتدی) کی قراءت ہوگی۔

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام مکروہ ہے البتہ سری نماز میں مستحب ہے، یہی ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے۔ (اوجز المسالک: ج1، ص:239تا240)

85 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا تُزِدْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ عَلَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم آخری دو رکعتوں میں سوائے سورت فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

لَا تُزِدْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ عَلَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ: چار اور تین رکعتوں والی نماز کے آخر میں صرف سورت فاتحہ پڑھی جائے گی اور یہ سورت فاتحہ پڑھنا بھی فقہاء کے نزدیک افضلیت کی بناء پر ہے فرضیت کے طور پر نہیں کیونکہ فرض تو صرف دو رکعتوں میں قراءت کرنی تھی جو وہ کر چکا ہے اسی وجہ سے اگر کوئی آخر میں تین بار بسم اللہ پڑھ لے یا اتنی دیر خاموش ہو جائے تو نماز ہو جائے گی۔

حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر تین بار تسبیح پڑھ لے تو تب بھی کافی ہو جائے گا اور اگر نہ تسبیح پڑھی اور نہ ہی قراءت کی اور عمداً ایسا کیا تو گناہ ہوگا ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

اگر کسی نے آخری دو رکعتوں میں سورت ملالی:

اس کے بارے میں انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بارے میں تین اقوال ملتے ہیں:

① - اس سے سجدہ سہو لازم آجائے گا۔

② - نہیں آئے گا۔

③ - یہ ملانا نہ مکروہ ہے اور نہ ہی سنت۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس تیسرے قول کو پسند کرتا ہوں۔

شیخ الحدیث حضرت زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آخری دو رکعتوں میں سورت ملانا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مکروہ ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جدید قول میں مستحب ہے اور قدیم قول جمہور کے ساتھ ہے۔ (اوجز المسالک)

86 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الأنصاري رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ وَ رَجُلٌ خَلْفَهُ يَقْرَأُ، فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَنْهَاهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: أَتَنْهَانِي عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ، فَتَنَازَعَا حَتَّى ذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ صَلَّى خَلْفَ الإمام فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي

حَنِیفَةَ رحمۃ اللہ علیہ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، ایک صاحب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قراءت پڑھنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی انہیں قراءت سے منع کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ: تم مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قراءت سے روکتے ہو؟ آپس میں بحث ومباحثہ ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کے لئے قراءت ہوتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

تشریح:

اس حدیث سے بھی مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث میں جہری اور سری نماز کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ اپنے عموم پر ہے اور اس میں حرف "من" بھی شرطیہ ہے یہ بھی عموم پر دلالت کرتا ہے۔ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

87 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: اقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَلَا تَقْرَأْ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يُقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ.

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم امام کے پیچھے ظہر وعصر میں پڑھ لیا کرو اس کے علاوہ کسی نماز میں نہ پڑھا کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام کے پیچھے کسی نماز میں نہیں پڑھنا چاہیے۔

تشریح:

بعض ائمہ جن میں امام حسن بن صالح، ابراہیم ابن علیہ، سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہم اور ایک روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ان حضرات کے نزدیک ظہر اور عصر میں جہرا یا سرا کسی بھی طرح کی قراءت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے خلاف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ظہر اور عصر میں قراءت واجب ہے لیکن سرا ہوگی جہراً نہیں۔

پھر بعض صحابہ جن میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، ابن عمر، عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم وغیرہ اور تابعین میں سے عمرو بن الزبیر، نافع بن جبیر شہاب الزہری، حسن بصری، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مقتدی ظہر اور عصر میں قراءت کرسکتا ہے اور باقی نمازوں میں نہیں جیسے کہ اثر بالا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہی مفہوم معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے خلاف احناف رحمۃ اللہ علیہم سری جہری ہر قسم کی نماز میں مطلقاً قراءت کو منع کرتے ہیں۔

88 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ " فِي الْإِمَامِ يَغْلَطُ بِالْآيَةِ، قَالَ: يَقْرَأُ الَّتِي بَعْدَهَا،

فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ، قَرَأَ سُورَةً غَيْرَهَا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلْيَرْكَعْ، إِذَا كَانَ قَدْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ أَوْ نَحْوَهَا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَافْتَحْ عَلَيْهِ وَهُوَ مُسِيءٌ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالیٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر امام کو کسی آیت میں مغالطہ لگے تو اس کے بعد والی آیت پڑھ لے اور یہ نہ کرے تو کوئی دوسری سورت پڑھ لے اور اگر یہ بھی نہ کرے اور تین آیتیں یا اس کی مقدار پڑھ لیا ہو تو رکوع کرے اور اگر اتنا بھی نہیں کیا تو اس کو لقمہ دے دو اور اس نے برا کام کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: فافتح: علی کے صلہ کے ساتھ آئے تو معنی ہیں: قاری کو لقمہ دینا، بھولی ہوئی چیز کو صحیح پڑھ کر بتانا۔

امام کو نماز کی حالت میں لقمہ دینا:

فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَافْتَحْ عَلَيْهِ: اس میں تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: اس میں حضرت عثمان غنی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، حضرت عطاء، حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم، فقہاء میں سے امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم ان حضرات کے نزدیک امام کو لقمہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

دوسرا مذہب: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام شعبی اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم یہ حضرات اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

تیسرا مذہب: احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں اول لقمہ دینے والا مقتدی ہوگا یا غیر مقتدی، اگر دوسری صورت ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اسی حکم میں داخل ہوگا ایسا شخص جو اپنی نماز پڑھ رہا ہو۔ اور اگر پہلی صورت ہے تو اب فقہاء فرماتے ہیں کہ قیاس تو یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے مگر استحسانا فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔

جن کے نزدیک لقمہ دینا مکروہ ہے ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آتا ہے: "قال رسول اللہ ﷺ یا علی لَا تَفْتَحْ عَلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلٰوةِ"۔

جواب: اس کے مقابلے میں جن روایات میں لقمہ دینے کا اثبات ہے وہ نہایت قوی روایات ہیں جب کہ یہ انتہائی درجہ کی ضعیف روایت ہے احناف رحمۃ اللہ علیہم نے قوی روایت پر عمل کیا ہے۔

دوسرا جواب: اس کی سند میں ابوزبیر حارث بن عبداللہ الکوفی الاعور رحمۃ اللہ علیہ ہے جس کو محدثین کاذب کہتے ہیں۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقطع بھی ہے محدثین کہتے ہیں کہ حارث اعور نے ابواسحاق سے صرف چار روایات کو روایت کیا ہے ان چاروں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ مؤمنون کی

قراءت کی۔کوئی کلمہ درمیان سے رہ گیا۔نماز سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کیا تم میں ابی بن کعب نہیں ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم نے مجھ کو لقمہ کیوں نہیں دیا؟ اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے لقمہ اس لئے نہیں دیا کہ ممکن ہے کہ یہ کلمہ منسوخ ہوگیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر منسوخ ہوجاتا تو میں ضرور بتادیتا۔

جیسے کہ بیان کیا گیا ہے کہ امام کو چاہیئے لقمہ لینے میں جلدی نہ کرے اگر اٹک گیا تو اگر تین آیات ہوچکی ہو تو رکوع کرلے اگر تین آیات ابھی نہیں ہوئیں تو کسی دوسری جگہ سے شروع کردے، لقمہ لینے کا انتظار نہ کرے انتظار کرنا مکروہ ہے، اور اگر امام نے کسی اور جگہ سے پڑھنا شروع کردیا تھا پھر مقتدی نے لقمہ دیا تو اب مقتدی کی نماز تو فاسد ہوجائے گی اگر امام نے اس کے لقمہ کو قبول کرلیا تو اب امام کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

بَابُ إِقَامَةِ الصُّفُوفِ وَفَضْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

صفوں کو سیدھا کرنے اور پہلی صف کی فضیلت کا بیان

صف کو سیدھا رکھنے کے بارے میں احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اور خلفائے راشدین کا عمل اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات میں امر کا صیغہ فرمایا گیا مثلا: سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلٰوةِ امر، فرض اور واجب کا تقاضہ کرتا ہے اور اس کو اقامت صلوۃ میں سے فرمایا گیا ہے اور اقامت صلوۃ بھی فرض ہے اس کو ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اختیار کرتے ہیں۔ اگرچہ جمہور فقہاء اس کو فرض اور واجب نہیں کہتے اور اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ "فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلٰوةِ"۔

اور اقامت الصلوۃ سے بھی فرضیت ثابت اس لئے نہیں ہوتی کہ اقامت صلوۃ میں تو فرض واجبات سنن آداب سب ہی داخل ہیں یہاں سنت مراد ہوگا کیونکہ روایت میں اقامت صلوۃ کے بجائے من تمام الصلاۃ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔

89 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، وَسَوُّوا مَنَاكِبَكُمْ، تَرَاصُّوا أَوْ لَيَتَخَلَّلَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَأَوْلَادِ الْحَذَفِ، إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى مُقِيمِي الصُّفُوفِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ الصَّفُّ، وَفِيهِ الْخَلَلُ حَتَّى يُسَوّى. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اپنی صفوں کو سیدھا کرو، کاندھوں کو برابر کرو، مل کر کھڑے ہو، ورنہ شیطان بھیڑ کے بچے کی طرح تمہاری صفوں میں گھس جائے گا، خود اللہ جل شانہ اور اس کے فرشتے صفیں سیدھی کرنے والوں پر رحمت اور دعا نازل فرماتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس پر عمل کرتے ہیں کہ صف میں جگہ نہیں چھوڑنا چاہئے صف کو مکمل اور سیدھا رکھنا چاہئے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: سَوُّوا: باب تفعیل سے امر، ٹھیک کرنا، سیدھا اور درست کرنا، الْحَذَف: کالی چھوٹی بھیڑیں جن کے نہ بال ہوں اور نہ دم اور کان ہوں۔یَتَخَلَّلَنَّ: گھسنا، پار ہونا، درمیان سے نکلنا۔

صفوں کو سیدھا کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفوں کے سیدھا رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ پر کھڑا ہو دوسرا آپس میں سیدھا اور مل کر کھڑا ہو۔

کل بارہ قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو نماز میں ہوتے ہیں تو ان سب سے پہلے آزاد بالغ لوگوں کی صف ہوگی۔آزاد لڑکے، غلام بالغ، غلام لڑکے، آزاد بالغ خنثی، آزاد لڑکے خنثی، غلام بالغ خنثی، غلام لڑکے خنثی، آزاد عورتیں بالغ، نابالغ آزاد عورتیں، بالغ غلام، نابالغ باندیاں۔لیکن ان بارہ صفوں کا صحیح ہونا ضروری ہے مگر غلام لڑکے خنثی کا درست کرنا ضروری نہیں کیونکہ خنثی صحیح صف کو ضرر پہنچاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خنثی کا دوسرے خنثی کے برابر میں یا اس کے پیچھے کھڑا ہونا صحیح نہیں کہ شاید آگے والی عورت ہو یا پیچھے والا مرد ہو یا برابر والوں میں سے ایک خنثی مرد ہو دوسرا عورت ہو۔بالغ خنثوں کو صف میں اس طرح کھڑا کریں کہ ہر دو کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا ایک آدمی کا فاصلہ چھوڑ دیا جائے۔

باقی کی وضاحت یہ ہے کہ آپس میں یہ مل کر سیدھے اس طرح کھڑے ہوں کہ درمیان میں خالی جگہ نہ رہے ورنہ آپس میں نفاق واختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔

صف کو درست کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا نازل ہوتی ہے اور صف کو پر نہ کرنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے اس وجہ سے بعض فقہاء نے تسویۃ الصفوف کو واجب کہا ہے اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تو عدم تسویہ کی صورت میں نماز کو فاسد کہا ہے مگر جمہور کے نزدیک شرائط نماز میں سے تو نہیں ہے اس کے بغیر نماز ہوجاتی ہے مگر اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیئے۔

90 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ، أَلَهُ فَضْلٌ عَلَى الصَّفِّ الثَّانِي؟ قَالَ: إِنَّمَا كَانَ يُقَالُ: لَا تَقُمْ فِي الصَّفِّ -يَعْنِي الثَّانِي- حَتَّى يَتَكَامَلَ الصَّفُّ الْأَوَّلُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَنْبَغِي إِذَا تَكَامَلَ الْأَوَّلُ أَنْ يُزَاحَمَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يُؤْذِي. وَالْقِيَامُ فِي الصَّفِّ الثَّانِي خَيْرٌ مِنَ الْأَذَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی صف کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اسے دوسری صف پر فضیلت حاصل ہے؟ فرمایا: کہا جاتا ہے کہ دوسری صف میں اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک پہلی صف پوری نہ ہوجائے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور اگر پہلی صف پوری ہوجائے تو زبردستی اس میں گھسنا بھی نہیں چاہیئے یہ دوسروں کو ایذاء پہنچانا ہے۔ایسی صورت میں دوسری صف میں کھڑا ہونا پہلی صف میں کھڑے ہونے سے بہتر ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَوْ يَؤُمُّ الرَّجُلَيْنِ

جماعت یا دو آدمیوں کی امامت کرنے کا بیان!

امامت کی دو قسمیں ہیں: امامت صغریٰ، امامت کبریٰ۔ یہاں مراد امامت صغریٰ ہے یعنی امام کا اپنے مقتدیوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانا۔ جو کہ عطاء، اوزاعی، ابوثور اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فرض عین ہے۔

❁ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے مشائخ میں سے امام کرخی اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک فرض کفایہ ہے یعنی بعض لوگوں نے جماعت کروائی تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔

❁ عام مشائخ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جماعت کی نماز واجب ہے۔ اس کے بارے میں ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل مذہب کے نزدیک یہی روایت قوی ہے اس کو صاحب غنیّہ، صاحب البدائع الصنائع، صاحب مجتبیٰ، طحاوی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے پسند کیا ہے۔

سنت ہے سنت مؤکدہ ہے اس کو صاحب ہدایہ مراقی الفلاح، مختصر بحر المحیط مجمع الانہر نے پسند کیا ہے۔

مستحب ہے کہ پڑھ لی تو ۲۵ یا ۲۷ درجہ کا ثواب، ورنہ نہیں ملے گا۔

صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت دین اسلام کی خصائص میں سے ہے اس سے پہلے کسی دین میں جماعت کی نماز مشروع نہیں ہوئی تھی۔

91 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِنَّمَا قِيلَ: أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ؛ لِأَنَّ النَّاسَ كَانُوا فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ أَقْرَؤُهُمْ لِلْقُرْآنِ أَفْقَهُهُمْ فِي الدِّينِ، فَإِذَا كَانُوا فِي هَذَا الزَّمَانِ عَلَى ذَلِكَ، فَلْيَؤُمَّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ، فَإِنْ كَانَ غَيْرُهُ أَفْقَهَ مِنْهُ، وَأَعْلَمَ بِسُنَّةِ الصَّلَاةِ، وَهُوَ يَقْرَأُ نَحْوًا مِنْ قِرَاءَتِهِ، فَأَفْقَهُهُمَا وَأَعْلَمُهُمَا بِسُنَّةِ الصَّلَاةِ أَوْلَاهُمَا بِالْإِمَامَةِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں قرآن مجید کا سب سے بڑا قاری ہو، اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ جو ہجرت میں پہل کرنے والا ہو، اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں عمر رسیدہ امامت کرائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس پر عمل کرتے ہیں قاری کو مقدم اس لئے کہا گیا کہ اس زمانے میں قاری علم دین میں بھی بڑا درجہ رکھتا ہے، لہذا آج بھی اگر قاری علم میں بڑا درجہ رکھتا ہو تو وہی امامت کروائے گا، لیکن اگر غیر قاری زیادہ بڑا عالم ہو اور وہ نماز کے مسائل قاری سے زیادہ جانتا ہو اور ساتھ یہ کہ وہ قراءت کے احکام ومسائل بھی جانتا ہو تو پھر امامت کا وہی شخص مستحق ہوگا جو بڑا عالم اور نماز کے مسائل زیادہ جاننے والا ہو۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟

امامت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ بہت سے ہیں قرآت، علم، ورع، تقوی، کبیر السن ہونا، ان سب میں زیادہ ترجیح قرآت اور علم کو ہے لہذا ان دوصفت والے کو دیگر صفات والے امام پر ترجیح ہوگی لیکن خود ان دونوں میں سے کس کو ترجیح ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

① - **امام ابو یوسف و امام احمد** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اقرأ اعلم پر مقدم ہوگا۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۳۲۳)

دلیل: يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ. (ابو داؤد: ج: ص: ۸۲) کہ لوگوں کی امامت وہ کرے گا جو قرآن کو سب سے زیادہ اچھا پڑھنے والا ہوگا۔

جواب: مذکورہ روایت اور وہ تمام روایات جن میں اقرا کو اعلم پر مقدم کیا گیا ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ کا اقراء ہی اعلم ہوتا تھا کیوں کہ اس زمانہ میں لوگ قرآن شریف کو احکام سے واقف ہوتے ہوئے پڑھتے تھے، چنانچہ جو جتنا بڑا حافظ وقاری ہوتا وہ اتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ بھی ہوتا تھا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۲، ص: ۴۳۲، عمدۃ القاری ج ۴، ص: ۲۸۳)

② - **امام ابو حنیفہ و امام محمد** رحمۃ اللہ علیہما **اور جمہور علماء** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اعلم اقرء پر مقدم ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۴، ص: ۲۸۳)

دلیل: "مُرُوا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" (بخاری ج: ص: ۹۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلم اقرء پر مقدم ہے کیونکہ آپ نے امامت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی حالانکہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اقرا موجود تھے اس لئے اعلم اقرء کے مقابلے میں امامت کا زیادہ حق دار ہوگا۔

مفتی بہ قول:

اگر کسی محلے یا علاقے کی مسجد کا مقرر امام ہو تو جماعت کی نماز کا سب سے زیادہ حق دار وہ امام ہے، اور اگر ایسی جگہ جماعت کی نماز ادا کی جا رہی ہو جہاں کوئی امام مقرر نہ ہو تو موجود افراد میں سے سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جو نماز کے مسائل سے سب سے زیادہ واقف (اعلم) ہو اور اُسے اتنا قرآنِ پاک یاد ہو کہ نماز میں مسنون قراءت کی مقدار تجوید کے مطابق کر سکے، بشرط یہ کہ کھلے عام کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہ ہو۔ اگر علم میں سب برابر ہوں تو اچھی تلاوت کرنے والا مستحق ہوگا، اور اگر تلاوت میں بھی سب یکساں ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ (فتاوی شامی: (1/557، ط:سعید)

92 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يَؤُمَّهُمُ الْأَعْرَابِيُّ، وَالْعَبْدُ، وَوَلَدُ الزِّنَا إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَ فَقِيهًا عَالِمًا بِأَمْرِ الصَّلَاةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه

الله تعالیٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دیہاتی، غلام اور ولد الزنا اگر قاری ہوں تو امامت کر سکتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر یہ لوگ علم رکھتے ہوں نماز کے احکام و مسائل سے واقف ہوں تو ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

غلام اور ولد الزنا کی امامت:

فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر اس کے سوا کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو تو مکروہ نہیں یا فتنۂ عظیم برپا ہونے کا خطرہ ہو تو بھی کوئی کراہت نہیں ہے، غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور ولد الزنا کا امام بنانا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر یہ لوگ صاحب علم و فضل ہوں اور لوگوں کو ان کا امام بنانا ناگوار نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ (الفتاوی الهندية-1/84:)

93- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي "الرَّجُلَيْنِ يَؤُمُّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ. قَالَ: يَقُومُ الْإِمَامُ فِي الْجَانِبِ الْأَيْسَرِ" قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله. يَكُونُ الْمَأْمُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو آدمیوں کے بارے میں جو جماعت سے نماز پڑھیں، یہ فرماتے ہیں کہ: امام بائیں جانب کھڑا ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔

اگر مقتدی ایک ہو تو وہ کہاں کھڑا ہوگا؟

اس بات پر اتفاق ہے کہ مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا، البتہ کھڑے ہونے کے طریقے میں اختلاف ہے۔

① - شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں برابر کھڑے ہوں گے کوئی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔

② - امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتدی اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر میں رکھے گا، فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگرچہ دلیل کے اعتبار سے شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول راجح ہے، لیکن تعامل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے، کیونکہ برابر کھڑا ہونے میں غیر شعوری طور پر آگے بڑھ جانے کا خوف ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں یہ خطرہ نہیں ہے، اس لئے فتویٰ بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ (بدائع:391/1)

94- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا زَادَ عَلَى الْوَاحِدِ فِي الصَّلَاةِ فَهِيَ جَمَاعَةٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر آدمی ایک سے زائد ہوں تو جماعت کے حکم میں ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

95- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ، وَالْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَا: كُنَّا

عِنْدَ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِذْ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَقَامَ يُصَلِّي فَقُمْنَا خَلْفَهُ، فَأَقَامَ أَحَدَنَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ يَسَارِهِ، ثُمَّ قَامَ بَيْنَنَا، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: هٰكَذَا اصْنَعُوا إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً. وَكَانَ إِذَا رَكَعَ طَبَّقَ وَصَلَّى بِغَيْرِ أَذَانٍ، وَلَا إِقَامَةٍ، قَالَ: يُجْزِءُ إِقَامَةُ النَّاسِ حَوْلَنَا......

ترجمہ: ابراہیم علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کرتے ہیں، ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ: ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، تو انہوں نے ہم دونوں میں سے ایک کو اپنی دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑا کر لیا اور خود درمیان میں کھڑے ہو گئے، جب نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو فرمایا: جب تم تین ہو تو اسی طرح کیا کرو اور جب آپ رضی اللہ عنہ رکوع کرتے تو تطبیق یعنی دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں کے درمیان رکھتے تھے اور آپ نے بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھی فرمایا کہ آس پاس کے لوگوں کی اقامت ہمارے لئے کافی ہے۔

...قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الثَّلَاثَةِ، وَلٰكِنَّا نَقُولُ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً تَقَدَّمَهُمْ إِمَامُهُمْ، وَصَلَّى الْبَاقِيَانِ خَلْفَهُ، وَلَسْنَا نَأْخُذُ أَيْضًا بِقَوْلِهِ فِي التَّطْبِيقِ كَانَ يُطَبِّقُ بَيْنَ يَدَيْهِ إِذَا رَكَعَ، ثُمَّ يَجْعَلُهُمَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ، وَلٰكِنَّا نَرَى أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَيُفَرِّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ تَحْتَ الرُّكْبَتَيْنِ. وَأَمَّا بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ فَذٰلِكَ يُجْزِءُ وَالْأَذَانُ وَالْإِقَامَةُ أَفْضَلُ. وَإِنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُؤَذِّنْ فَذٰلِكَ أَفْضَلُ مِنَ التَّرْكِ لِلْإِقَامَةِ، لِأَنَّ الْقَوْمَ صَلَّوْا جَمَاعَةً. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالی.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں کے بارے میں ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر تین آدمی ہوں تو امام آگے بڑھ جائے اور باقی اس کے پیچھے ہوں گے، اسی طرح ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے (عمل) تطبیق کو بھی اختیار نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ انسان اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھے، انگلیوں کو گھٹنے کے نیچے تک پھیلا دے، اور بغیر اذان و اقامت کے نماز پڑھنا تو یہ جائز ہے، البتہ اذان دے کر اقامت کے ساتھ نماز پڑھنا اقامت کے چھوڑنے سے افضل ہے، اگر اقامت کہہ کر نماز پڑھی اور اذان نہ دی تو اقامت چھوڑنے کی بنسبت یہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: طَبَّقَ: تطبیق کرنا، مطابق کرنا، يُفَرِّجُ: دو چیزوں کے درمیان کشادگی کرنا۔

اگر مقتدی دو ہوں تو کہاں کھڑے ہوں؟

اگر مقتدی دو ہوں تو امام ان کے آگے ہو جائے۔ اگر درمیان میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر مقتدی دو سے زیادہ ہوں تو پھر امام کا درمیان میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، جمہور علماء کے نزدیک اگر مقتدی ایک سے زائد ہوں تو امام آگے کھڑا ہو۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مقتدی دو ہوں تو امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے۔ (بدائع الصنائع: 390/1)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ واسود رحمۃ اللہ علیہما کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑا کیا۔ (ترمذی ج:۱، ص:۵۵، بدائع ج:۱ ص:۳۹۰)

جواب: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکوہ اثر مکروہ تنزیہی پر محمول ہے، جو جواز ہی کا ایک شعبہ ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مقامات پر بیان جواز کے لئے مکروہ تنزیہی پر عمل فرمایا، ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہو، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اقتداء فرمائی ہو۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۳۱۸)

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: "اَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةٌ أَنْ يَتَقَدَّمَنَا أَحَدُنَا" ۔ (ترمذی ج:1، ص:۵۵) ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم تین آدمی ہو تو تم میں سے ایک آگے کھڑا ہو۔

96 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، جَعَلَهُمَا خَلْفَهُ، وَصَلَّى بَيْنَ أَيْدِيهِمَا، وَكَانَ يَجْعَلُ كَفَّيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ إبراهيمُ: صَنِيعُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ صَنِيعِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دو مقتدیوں کو پیچھے کیا اور خود ان سے آگے بڑھے اور نماز پڑھائی اور وہ اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل زیادہ پسندیدہ ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور ہمیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل سے یہ عمل زیادہ پسندیدہ ہے یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام دو مقتدیوں کے درمیان میں کھڑا ہوگا اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کئی جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً

① - جس جگہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی وہ جگہ تنگ تھی ایسے موقع پر طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بھی امام درمیان میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

② - آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعض مقامات پر بیان جواز کے لئے مکروہ عمل کا ارتکاب فرمایا تاکہ امت کے لئے آسانی ہو تو ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں ایسا کیا ہو۔

③ - یہ حکم منسوخ ہوگیا غالباً اس کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہ ہو۔ اس جواب کو حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے پسند نہیں فرمایا کہ یہ بات بعید سی ہے کہ اتنے بڑے صحابی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ان کو شیخ کا علم نہیں تھا۔ (معارف السنن ۲/۳۱۸)

④-اس میں عورتوں کے ساتھ تشبیہ بھی ہے کیونکہ ان کا امام بھی درمیان میں کھڑا ہوتا ہے۔(رد المختار:59/1)

بَابُ مَنْ صَلَّى الْفَرِيضَةَ

اس شخص کا بیان جو فرض پڑھ چکا ہو!

97۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَ أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ صَلَّيَا الظُّهْرَ فِي مَنَازِلِهِمَا، وَهُمَا يَرَيَانِ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ، فَجَاءَا وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ، فَقَعَدَا، وَلَمْ يَدْخُلَا، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ دَعَاهُمَا، فَأَقْبَلَا وَمَفَاصِلُهُمَا تَرْعَدُ مَخَافَةَ أَنْ يَكُونَ حَدَثَ فِيهِمَا شَيْءٌ، فَقَالَ لَهُمَا: مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا؟ فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللهِ، ظَنَنَّا أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ فَصَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا، ثُمَّ جِئْنَا، فَوَجَدْنَاكَ فِي الصَّلَاةِ، فَظَنَنَّا أَنَّهُ لَا يَصْلُحُ أَنْ نُصَلِّيَ أَيْضًا، فَقَالَ: إِذَا كَانَ كَذَلِكَ، فَادْخُلُوا فِي الصَّلَاةِ، وَاجْعَلُوا الْأُولَى فَرِيضَةً وَهَذِهِ نَافِلَةً قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى، وَلَا يُعَادُ الْفَجْرُ وَالْعَصْرُ وَالْمَغْرِبُ.

ترجمہ: حضرت ہیثم بن ابی الہیثم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے دو حضرات نے ظہر کی نماز یہ سمجھ کر کہ جماعت ہوگئی ہوگی اپنے گھر میں پڑھ لی، جب یہ حضرات آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں تھے، یہ دونوں ایک جانب بیٹھ گئے، جماعت میں شریک نہ ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھ چکے تو ان کو بلایا، وہ دونوں اس حالت میں آئے کہ ان کے شانے کا گوشت حرکت کر رہا تھا کہ شاید ان کے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تمہیں جماعت سے نماز پڑھنے سے کسی چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سمجھے کہ نماز ہو چکی ہوگی اس لئے ہم نے گھر پر نماز پڑھ لی، مگر پھر جب ہم آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں پایا، ہم یہ سمجھے کہ دوبارہ نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر ایسا ہو جائے تو جماعت میں شریک ہو جایا کرو اور پہلی کو فرض دوسری کو نفل شمار کر لیا کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فجر، عصر اور مغرب کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

وفرض ادا کرنے کے بعد کیا جماعت میں شریک ہو سکتا ہے؟

اگر کسی شخص نے پہلے فرض پڑھ لئے اور پھر وہ مسجد میں آیا مسجد میں جماعت ہو رہی تھی تو اب کیا کرے۔ اس میں چار مذاہب ہیں:

- ①- حضرت امام مالک، حضرت سفیان ثوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایسا شخص بطور نفل کے جماعت کی نماز میں شرکت کر لے۔ مغرب میں نہ کرے کیونکہ اس کی نماز نفل ہوگی اور تین رکعت نفل نہیں ہوتی۔
- ②- امام ابراہیم نخعی، امام اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہما ایسا آدمی ہر نماز میں شرکت کر سکتا ہے سوائے مغرب اور فجر میں ان دونوں کے

نزدیک عصر کے بعد نفل جائز ہے۔

- ③-امام شافعی، امام احمد، حسن بصری، شہاب الزہری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم پانچوں ہی نماز میں شرکت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔
- ④-امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، محمد بن حسن، مسروق، ابوقلابہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ظہر اور عشاء میں شرکت کرسکتا ہے اور فجر، عصر اور مغرب میں شرکت نہیں کرسکتا۔

فجر اور عصر کے بعد تو نفل جائز نہ ہونے کی بناء پر اور مغرب میں تین رکعت ہوتی ہے اور تین رکعت نفل نہیں ہوگی اس لئے جائز نہیں۔

فَقَالَ لَهُمَا: مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا: اس حدیث سے تیسرے مذہب والے استدلال کرتے ہیں کہ جب بھی آدمی مسجد میں آئے اور مسجد میں جماعت ہورہی ہو تو اب شرکت کرلینا چاہئے۔

جواب: **وَاجْعَلُوا الْأُولَى فَرِيضَةً وَهَذِهِ نَافِلَةً:** پہلی کو فرض اور دوسری کو نفل شمار کرلیا کرو۔

کہ دوسری نماز نفل ہوگی اور حدیث نمبر ۹۸ میں آرہا ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنے کو منع فرمایا ہے اور مغرب میں اس لئے منع ہوگا کہ تین رکعت نفل کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں تو اب نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی فجر، عصر اور مغرب میں شرکت نہیں کر سکتا صرف ظہر اور عشاء میں شرکت کرسکتا ہے۔

98 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِذَا صَلَّيْتَ الْفَجْرَ وَالْمَغْرِبَ ثُمَّ أَدْرَكْتَهُمَا فَلَا تَعُدْ لَهُمَا غَيْرَ مَا صَلَّيْتَهُمَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَمَّا الْفَجْرُ وَالْعَصْرُ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُصَلَّى بَعْدَهُمَا نَافِلَةٌ لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَأَمَّا الْمَغْرِبُ فَهِيَ وِتْرٌ، فَنكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّطَوُّعَ وِتْرًا، فَإِذَا دَخَلَ مَعَهُمْ رَجُلٌ تَطَوُّعًا، فَسَلَّمَ الْإِمَامُ، فَلْيَقُمْ، فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا رَكْعَةً رَابِعَةً، وَيَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ فجر اور مغرب کی نماز جب تم تنہا پڑھ لو پھر ان کو جماعت سے ہوتا ہوا پاؤ تو دوبارہ پھر ان کو نہ پڑھو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فجر اور عصر کے بعد تو نفل نماز پڑھنا منع ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ: عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کے بعد سورج نکلنے تک کوئی نماز (صحیح) نہیں، مغرب کی نماز چونکہ تین رکعات ہوتی ہے اور تین رکعات نفل پڑھنا مکروہ ہے، اگر کوئی شخص مغرب کی نماز میں نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوا، اور امام سلام پھیر لے تو اسے کھڑے ہو کر چوتھی رکعت ملا لینا چاہئے، پھر التحیات وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

وضاحت:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ کسی آدمی نے فجر اور عصر کی نماز پڑھ لی ہے تو اب جماعت کے ساتھ دوبارہ مت پڑھے کیونکہ اس وقت میں نماز صحیح نہیں۔ متعدد روایات ہیں جن میں فجر اور عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی سخت ممانعت موجود ہے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الآثار میں حضرت عمر، علی، عائشہ، معاذ بن عفراء، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عمر، معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کی مرفوع روایات نقل فرمائی ہے اور اسی طرح متعدد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوی بھی نقل فرمایا ہے۔

اور جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل کی نیت سے آدمی جماعت میں شرکت کرسکتا ہے اس میں ان تین نمازوں کا استثناء ہوگا کیونکہ ابتداء اسلام میں ایک فرض کو دو مرتبہ بطور فرض پڑھنا جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اب صرف ایک مرتبہ فرض ادا کرسکتا ہے۔ مگر دوبارہ پڑھے گا تو نفل ہوگی اور فجر اور عصر کے بعد تو نوافل کے جائز نہ ہونے کی وجہ سے شرکت جائز نہیں اور مغرب میں تین رکعت کی وجہ سے جائز نہیں۔ (عمدۃ القاری: ص11، ج589) جیسے کہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مغرب اور فجر میں شرکت جائز نہیں کیونکہ اس سے یا تو تکرار فرض لازم آئے گا یا ان نمازوں کا بطور نفل پڑھنا لازم آئے گا اور یہ دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں۔ (طحاوی)

فَسَلَّمَ الْإِمَامُ، فَلْيَقُمْ، فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا رَكْعَةً رَابِعَةً: یعنی مغرب میں ایک رکعت ملا کر چار پڑھ لے۔ یہی مذہب امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کا ایک قول ہے۔ دوسرا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ تین ہی پر سلام پھیر دے کیونکہ وتر ان کے نزدیک سنت ہے جو نفل کا درجہ رکھتی ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تین رکعت کا حکم بقول فتاوی قاضی خان کے حرام ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ بدعت ہے اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ تحریمی کہا ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ تَطَوُّعًا

نفل نماز کا بیان!

سفر میں یا حضر میں کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر یا سواری پر بیٹھ کر ان سب حالتوں میں نفل ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے اس کو اس باب میں بیان کریں گے۔

99 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو سُفْيَانَ، عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُحْتَبٍ تَطَوُّعًا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى بَأْسًا بِذَلِكَ، فَإِذَا بَلَغَ السُّجُودَ حَلَّ حَبْوَتَهُ

وسجد. وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفل نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ احتباء کی کیفیت میں ہوتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں ہمارے یہاں اس میں کوئی حرج نہیں جب سجدہ کرنا چاہے تو اس کیفیت کو ختم کر کے سجدہ کرلے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بیٹھ کر نفل پڑھنے کا طریقہ:

یہاں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ آدمی جب نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو کس طرح پڑھے گا۔ اس میں فقہاء مختلف طریقے بیان فرماتے ہیں سب ہی جائز ہیں۔ مثلاً

① - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے جس طرح چاہے بیٹھے۔

② - امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چارزانو ہو کر بیٹھے۔

③ - امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتباء کی صورت میں بیٹھے۔ (بدائع الصنائع: 1/196-199) اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سرین کو زمین پر رکھے اور پنڈلیوں کو کھڑا کرے اور ہاتھوں سے یا کسی اور چیز سے حلقہ بنائے۔

④ - امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح آدمی تشہد میں بیٹھتا ہے اسی طرح بیٹھے۔ (فتاوی ہندیہ: 1/114) اکثر کتب احناف نے اس کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتوی دیا ہے۔ (البحر الرائق ج: ۲، ص: ۶۸)

100 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثَمَانِي رَكَعَاتٍ تَطَوُّعًا، وَثَلَاثَ رَكعاتِ الْوِتْرِ، وَرَكْعَتَي الْفَجْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء اور فجر کے درمیان تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے، آٹھ نفل اور تین وتر اور دو رکعتیں فجر کی۔

وضاحت:

أَبُو جَعْفَر: نام محمد، ابوجعفر کنیت، باقر لقب۔ یہ حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے تھے۔ والدہ کا نام ام محمد بنت حسن تھا۔ ۵۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال تھی۔ (ابن خلکان ۱/۴۵۰)

محمد بن المنکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا جس کو ان کے والد پر ترجیح دی جائے اور محمد تو خاندان بھر کے سردار تھے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان سيد بني هاشم في زمان" امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام

بارع تھے۔ان کا شمار مدینہ کے فقہاء میں ہوتا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ:111/1)

ان کو شیعہ بارہ اماموں میں شمار کرتے ہیں۔

مذکورہ حدیث میں تین مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلا مسئلہ: تہجد پڑھنے کا طریقہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عموماً رات کی نماز (تہجد) آٹھ رکعت ہوتی تھی۔مگر اس کے پڑھنے کا انداز مختلف تھا اس وجہ سے ائمہ نے یہ اصول نکالے ہیں اور امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نوافلِ شب اور نوافل نہار دونوں میں دو دو کر کے پڑھنا افضل ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دن رات دونوں میں چار چار رکعات ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے۔

امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دن میں تو افضل چار رکعات ایک سلام سے پڑھنا ہے اور رات میں دو رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے۔(فتوی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے)امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک سلام سے دو رکعت سے زائد جائز ہی نہیں ہے۔(بذل المجھود:204/2)

دوسرا مسئلہ: وتر کی کتنی رکعات ہیں؟

ثَلٰثَ رَكَعَاتِ الْوِتْرِ: تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

وتر کی رکعات میں اختلاف ہے۔ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایک رکعت سے لے کر سات رکعت تک جائز ہے۔کیونکہ احادیث میں" أوتر بركعة " سے لے کے" أو تر بسبع " تک کے الفاظ آتے ہیں۔اور احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تین رکعت ہی ہے۔وہ بھی ایک ہی سلام سے ضروری ہیں۔

تیسرا مسئلہ: فجر کی دو رکعت واجب ہے یا سنت؟

رَكْعَتَي الفجر : دو رکعت فجر کی پڑھتے تھے۔یہ سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک واجب ہے۔جمہور فقہاء جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ طلوع فجر کے بعد سنت فجر کے سوا کوئی اور نفل کا پڑھنا مکروہ ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلوع فجر کے بعد فرض فجر پڑھنے سے پہلے نفلیں پڑھ سکتے ہیں۔(شرح مہذب)

101 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمنِ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي التَّطَوُّعَ عَلَى رَاحِلَتِهِ أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ فَإِذَا كَانَتِ الْفَرِيضَةُ أَوِ الْوَتْرُ نَزَلَ فَصَلَّى قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حصین بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے خواہ جس طرف بھی اس کا رخ ہو، پھر جب فرض نماز یا وتر پڑھنا ہوتا تو سواری سے اُتر کر پڑھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وضاحت:

اس اثر میں دو مسائل کا ذکر ہے۔

سواری پر نفل پڑھنا:

يُصَلِّي التَّطَوُّعَ عَلَى رَاحِلَتِهِ أَيْنَمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ: سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے خواہ کسی طرف اس کا رخ کیوں نہ ہو۔ مگر اس میں ایک شرط ہے کہ خارج المصر ہو یعنی شہر سے باہر ہو آبادی کے اندر جائز نہیں ہے۔

اس کی وجہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کی ہے کہ نوافل کے لئے کوئی وقت مختص نہیں اگر اس کے لئے اترنا لازم کردیں تو لوگ اس کو چھوڑ دیں گے یا وہ قافلہ سے دور (جدا) ہو جائیں گے مگر محیط میں یہ بات ہے کہ نماز شروع کرتے وقت سواری قبلہ رخ ہونا چاہئے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سواری پر شہر میں بھی بلا کراہت نماز جائز ہے یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے ظاہر الروایت یہی ہے کہ شہر میں جائز نہیں ہے۔

اگر سواری پر فرض نماز یا وتر ہو؟

إِذَا كَانَتِ الْفَرِيضَةُ أَوِ الْوَتْرُ نَزَلَ فَصَلَّى: اگر فرض نماز یا وتر ہو تو اب سواری سے اتر کر پڑھنا ہوگا۔ اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ بیان کی ہے کہ فرائض کے لئے وقت متعین ہے اس لئے اتر کر پڑھنا ہوگا اس میں ائمہ کے دو مذہب ہیں:

- امام مالک امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک وتر سواری پر پڑھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہے سنت نفل کے حکم میں ہوتے ہیں اس لئے جائز ہے۔
- امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، امام محمد، محمد بن سیرین، عروہ بن زبیر، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک وتر سواری پر جائز نہیں کیونکہ یہ واجب ہے۔ ہاں اگر وقت میں تنگی ہو اور اترنے کا موقع بھی نہیں تو اب آخری وقت میں سواری پر ہی وتر اور فرض پڑھ سکتا ہے۔

ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً پانی یا کیچڑ ہو یا درندہ وغیرہ ہو تو اب فرض اور وتر بھی سواری پر پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے لئے فقہاء استدلال کرتے ہیں قرآن کی اس آیت سے ﴿فان خفتم فرجالا او رکبانا﴾۔

102 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ وَلَيْسَ يَنْوِيهَا، قَالَ: هِيَ تَطَوُّعٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِنَّمَا يَعْنِي بِذَلِكَ أَنْ يَكُونَ قَدْ صَلَّى الصَّلَاةَ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أَتَى الْقَوْمَ،

فَدَخَلَ مَعَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ فَإِنَّ صَلَاتَهُ مَعَهُمْ تَطَوُّعٌ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جو بلا نیت جماعت میں شریک ہو جائے، فرمایا کہ: وہ نفل ہو گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گھر میں فرض نماز پڑھ کر مسجد میں آئے اور جماعت میں شریک ہو جائے تو یہ نفل ہوں گی، یہی بات ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر کوئی بغیر نیت کے جماعت میں شریک ہو جائے؟

کوئی شخص فرض پڑھ کر آیا پھر اس نے دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے تو وہ بغیر نیت کے اس جماعت میں شریک ہو گیا تو اب اس کی نماز کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کی یہ نماز نہ ہی فرض ہو گی نہ ہی نفل کیونکہ اس نے کوئی نیت ہی نہیں کی ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی جیسے کہ اثر بالا میں موجود ہے کیونکہ جب اس نے نیت نہیں کی تو فرضیت کی وصف اس میں نہیں پائی گئی۔ نفس نماز تو ہے اس سے اس کو ادنی نماز یعنی نفل کی طرف لوٹا دیں گے۔ (بحر الرائق:278/1)

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الطَّاقِ

محراب میں نماز پڑھنے کا بیان!

"الطاق" محراب کو کہتے ہیں۔

مسجد میں محراب بنانے کا حکم؟

مسجد میں محراب بنانا مسلمانوں کا شعار رہا ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، البتہ یہ جوف دار (نصف گنبد یا گنبد نما) محراب جو آج کل مساجد میں "قبلہ رُخ" ہوا کرتی ہے، اس کی ابتدا خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کی تھی جب وہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، (وفاء الوفاء ص: ۵۲۵ وما بعد) یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا دور تھا، اور اس وقت سے آج تک مسجد میں محراب بنانا مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔

اس کے بنانے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے قبلہ کا رخ متعین اور معلوم ہو جاتا ہے۔

حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ القاری" میں لکھتے ہیں:

ترجمہ:......اور ابوالبقاء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کعبہ کی سیدھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے محراب بنائی اور کہا گیا ہے کہ یہ معائنہ کے ذریعہ ہوا، یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے پردے ہٹا دیے گئے اور صحیح حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہو گیا، پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کو دیکھ کر اپنی مسجد کا قبلہ رُخ متعین کیا۔ (عمدۃ القاري، 162/4، طبع دار الفکر، بیروت)

اس سے دو اَمر واضح ہوتے ہیں، **اوّل** یہ کہ محراب کی ضرورت تعینِ قبلہ کے لیے ہے، تاکہ محراب کو دیکھ کر نمازی اپنا قبلہ رُخ متعین کر سکے۔ **دوم** یہ کہ جب سے مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی، اسی وقت سے محراب کا نشان بھی لگا دیا گیا، خواہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی نشان دہی کی ہو، یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذریعہ کشفِ وحی خود ہی تجویز فرمائی ہو۔

البحر الرائق (300/1) میں ہے:

ترجمہ: ......"اور قبلہ کا رُخ کسی علامت سے معلوم ہو سکتا ہے، اور شہروں اور آبادیوں میں قبلہ کی علامت وہ محرابیں ہیں جو صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بنائیں، پس بنی ہوئی محرابوں میں ہم پر ان کی پیروی لازم ہے۔" یعنی یہ محرابیں، جو مسلمانوں کی مسجدوں میں صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے چلی آتی ہیں، دراصل قبلہ کا رُخ متعین کرنے کے لیے ہیں، اور اُوپر گزر چکا ہے کہ استقبالِ قبلہ ملتِ اسلامیہ کا شعار ہے، اور محراب جہتِ قبلہ کی علامت کے طور پر مسجد کا شعار ہے، (اور اس سے امام کا وسط میں کھڑا ہونے اور صفوں کا درمیان بھی معلوم ہوتا ہے)۔

103 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فَيَقُومُ عَنْ يَسَارِ الطَّاقِ، أَوْ عَنْ يَمِينِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرَى بَأْسًا أَنْ يَقُومَ بِحِيَالِ الطَّاقِ مَا لَمْ يَدْخُلْ فِيهِ إِذَا كَانَ مَقَامُهُ خَارِجًا مِنْهُ، وَسُجُودُهُ فِيهِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ امامت کرتے تھے اور محراب کے بائیں یا دائیں جانب کھڑے ہوتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم محراب کے سامنے کھڑے ہونے کو مکروہ نہیں جانتے بشرطیکہ اس (محراب) کے اندر کھڑا نہ ہو اور اس کے کھڑے ہونے کی جگہ اس سے باہر اور سجدہ اس کے اندر ہو، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام کا مسجد کے محراب میں کھڑا ہونے کا حکم:

پورے طور پر محراب میں کھڑے ہونا بایں طور کہ پاؤں بھی محراب کے باہر نہ ہو تو مکروہ ہے، اور اگر پاؤں محراب کے باہر ہو اور سجدہ اس کے اندر ہو تو جائز ہے۔

مکروہ ہونے کی وجوہات مختلف بیان کی گئیں ہیں اس میں سے ایک وجہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پورے طور پر محراب کے اندر کھڑا ہونے سے امام کے علاحدہ جگہ ہونے کا شبہ ہے، اگر چہ حقیقتاً نہیں ہے، حقیقتاً اختلاف کی صورت میں مقتدی کی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی ہے، تو شبہ اختلاف کی صورت میں مکروہ ہوگا، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محراب نشان ہے امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کا تاکہ امام وسط صف میں کھڑا ہو نہ یہ کہ وہ اس کے اندر کھڑا ہو کیونکہ محراب کے اندر کھڑا ہونا اگر چہ وہ مسجد کے حصوں میں سے ہے، لیکن علاحدہ جگہ کے مشابہ ہے لہٰذا مکروہ ہے۔

بَابُ تَسْلِيمِ الْإِمَامِ وَجُلُوسِهِ

امام کے سلام پھیرنے اور بیٹھنے کا بیان

سلام کی تعداد اور کیفیت میں اختلاف:

- ① - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منفرد اور امام پر صرف سامنے کی طرف ایک سلام کرنا لازم ہے، اس سے زیادہ مشروع نہیں ہے اور مقتدی پر تین سلام لازم ہیں: دائیں، بائیں اور سامنے کی طرف۔ (معارف السنن، ج ۳/ ۱۱۰، نیل الاوطار ج: ۲/ ۳۱۲)
- ② - حنفیہ، شافعیہ، اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام منفرد اور مقتدی سب کے لئے دو سلام کرنا مشروع ہے، دائیں اور بائیں۔ (معارف السنن ج ۳ ص: ۱۰۹، نیل الاوطار ج: ۲، ص: ۳۱۲)

نماز سے فراغت حاصل کرنے کے لئے لفظ السلام کا استعمال کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت:

اس بارے میں **تین مذہب** ہیں:

- ① - امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ سلام اور دونوں سلام فرض ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۴، ص: ۲۰۳)
- ② - امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ سلام فرض ہے، لیکن دونوں سلام فرض نہیں ہیں بلکہ ایک سلام فرض ہے۔
- ③ - حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک لفظ سلام فرض نہیں ہے، بلکہ دونوں سلام سنت بمعنی واجب ہے، یہی مذہب اصح ہے۔

(معارف السنن ج ۳، ص: ۱۱۳، عمدۃ القاری ج: ۴ ص: ۲۰۲)

104 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ فَلَا يَتَحَوَّلِ الرَّجُلُ حَتَّى يَنْفَتِلَ الْإِمَامُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ لَا يَفْقَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ عَلَيْهِ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، فَإِذَا كَانَ مِمَّنْ لَا يَفْقَهُ أَمْرَ الصَّلَاةِ فَلَا بَأْسَ بِالِانْفِتَالِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله عليه.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: امام جب سلام پھیر لے تو آدمی کو اس وقت تک نہیں پھرنا چاہئے کہ جب تک امام نہ پھر جائے الا یہ کہ امام فقیہ نہ ہو (یعنی وہ سیدھا بیٹھا رہے، منہ نہ پھیرے تو آدمی اپنا رخ پھیر سکتا ہے) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ امام کو سجدہ سہو کرنا ہو، لیکن امام اگر نماز کے مسائل سے ناواقف ہو تو رخ پھیر سکتے ہیں، یہی فرمان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: يَنْفَتِل: پھرنا۔

امام سے پہلے اپنا سینہ قبلہ سے پھیرنا:

فَلَا يَتَحَوَّلِ الرَّجُلُ: مقتدیوں کو امام سے پہلے اپنا سینہ قبلہ سے نہیں پھیرنا چاہیے تا کہ امام کو اگر سجدہ سہو و یاد آجائے تو یہ

اس کے ساتھ فوراً سجدہ کرے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کا معمول، فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھنے کا تھا اس لیے امام کے لیے مستحب ہے کہ فجر اور عصر میں سلام پھیرنے کے بعد مڑ کر بیٹھے، داہنی طرف رُخ کر کے بیٹھنا افضل ہے مگر اس پر مداومت نہ کرے تاکہ لوگ اس کو لازم نہ سمجھیں بلکہ گاہے بائیں طرف بھی بیٹھ جائے اور سامنے (بلا حائل) کوئی مقتدی نماز نہ پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھنا بھی جائز اور ثابت ہے۔ فجر اور عصر کے علاوہ دیگر نمازوں (ظہر، مغرب، عشاء) میں رسول اللہ ﷺ کا معمول مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھنے کا نہیں تھا کیوں کہ فرائض کے بعد سنن ونوافل بھی ہیں تو اُن کی ادائیگی میں زیادتاخیر نہ ہو، اس لیے سلام کے بعد بہت مختصر دعا کر کے سنتوں میں مشغول ہوجانا بہتر ہے۔

105- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ حَتَّى يَنْفَتِلَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب نماز کا سلام پھیرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گرم پتھر پر بیٹھے تھے یہاں تک ادھر سے (فوراً) پھر جاتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الرَّضْف: گرم پتھر۔ الحجارۃ: جمع ہے الحجر کی بمعنی پتھر۔

فرض اور سنتوں کے درمیان کتنا فاصلہ کرنا افضل ہے؟

سنتوں اور فرض کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ کرنا افضل ہے، نماز سے پہلے بھی سنتِ مؤکدہ ادا کر کے نماز کے منافی عمل کیے بغیر فرض ادا کرنا افضل ہے، اور جن نمازوں کے بعد سنتِ مؤکدہ ہیں، ان میں بھی مختصر اذکار کر کے سنتیں ادا کرنا افضل ہے، طویل وظائف اور دعاؤں کا وقفہ نہ کرنا افضل ہے۔

اسی وجہ سے فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ جن فرض نمازوں (ظہر، مغرب اور عشاء) کے بعد سننِ مؤکدہ ہیں، ان فرض نمازوں کے بعد مختصر دعا پر اکتفا کر کے سنن ونوافل میں مشغول ہوجانا چاہیے، فرض نماز کے بعد جو دعائیں یا اذکار احادیث میں وارد ہیں وہ اذکار پڑھے جائیں یا مختصر دعا کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لمبی دعا مانگنی ہو یا طویل اذکار کرنے ہوں تو سننِ مؤکدہ ادا کرنے کے بعد کریں۔

106- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي الْمَكَانِ الضَّيِّقِ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَجْلِسَ عَلَى جَانِبِهِ الْأَيْسَرِ أَوْ تَكُونُ بِهِ عِلَّةٌ، قَالَ: فَلْيَجْلِسْ عَلَى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ فَإِنْ كَانَ يَسْتَطِيعُ الْجُلُوسَ فَلْيَجْلِسْ عَلَى جَانِبِهِ الْأَيْسَرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله تعالى عليه.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جو تنگ جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو اور بائیں پاؤں پر نہ بیٹھ سکتا ہو یا اس

میں تکلیف ہو، فرمایا: اسے چاہیئے کہ دائیں پاؤں پر بیٹھ جائے اور اگر بیٹھ سکتا ہو تو بائیں پاؤں پر ہی بیٹھنا چاہیئے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

تشریح:

قعدے کی کیفیت کا بیان یہ ہے کہ جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھایا تو اپنا بایاں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے، اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کرے، بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیاں جس حال پر ہیں چھوڑ دے آپس میں نہ ملائے، اور ہاتھوں سے گھٹنے نہ پکڑے۔

جلسہ بین السجدتین اور التحیات میں کیسے بیٹھنا چاہیئے؟

اس بارے میں **چار مذہب** ہیں:

① - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً تورک سے یعنی سرین کو زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں طرف نکالنا عورت کے حق میں حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ (اوجز المسالک ج: ۱ ص: ۲۵۴، معارف ج: ۳: ۹۵، عمدۃ ج ۴، ص: ۵۷۲)

② - امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں تورک مسنون ہے اور قعدہ اولی اور جلسہ میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں پیر کو بچھا کر اسی پر بیٹھنا مسنون ہے۔ (اوجز ج: اص: ۲۵۴، معارف السنن ج ۳، ص: ۹۵)

③ - امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے، اور چار رکعت والی نماز کے صرف قعدہ اخیرہ میں تورک افضل ہے۔ (اوجز المسالک ج: ۱، ص: ۲۵۴، عمدۃ القاری ج ۴، ص ۵۷۲)

④ - حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قعدہ اولی، قعدہ اخیرہ، اور جلسہ بین السجدتین میں سے ہر ایک میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے۔ (اوجز المسالک ج: ۴، ص: ۵۷۲، معارف ج ۳، ص: ۹۴، اوجز ج: اص: ۲۵۴)

107 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا كَانَ بِالرَّجُلِ عِلَّةٌ جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ كَيْفَ شَاءَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَتِ الْعِلَّةُ تَمْنَعُهُ مِنْ جُلُوسِ الصَّلَاةِ الَّذِي أُمِرَ بِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله تعالى عليه.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص بیمار ہو تو نماز میں جس طرح سے چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اگر نماز میں سنت کے مطابق نہ بیٹھ سکے تو جس طرح چاہے بیٹھ جائے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

مریض آدمی کے لیے جب تک کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی قوت ہو کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہے اور جب کھڑا نہ ہوا جائے تو بیٹھ کر نماز

پڑھے بیٹھے بیٹھے رکوع کرلے اور رکوع کرکے دونوں سجدے کرے اور رکوع کے لیے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہوجائے، اگر رکوع وسجدہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہوتو رکوع وسجدے کو اشارے سے ادا کرے، اور سجدے کے لیے رکوع سے زیادہ جھک جایا کرے۔

بیٹھ کر اگر نماز پڑھی جائے تو بیٹھنے کی کیفیت کیا ہوگی؟

اس بارے میں اختلاف ہے جو مریض قیام سے عاجز ہوجائے وہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جیسے چاہے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھے گا جیسے تشہد کی حالت میں بیٹھا جاتا ہے، فتویٰ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر دیا گیا ہے۔ (البحرالرائق ج:۲، ص:۱۲۲، بیروت، درمختار مع شامی ص: ۷۰۹ تا ۷۱۰)

108۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: السَّلَامُ يَقْطَعُ مَا بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله تعالى عليه.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سلام دو نمازوں کے درمیان فاصل بن جاتا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْجَمَاعَةِ، وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

جماعت اور فجر کی سنتوں کی فضیلت کا بیان

اس باب میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت بیان ہوگی۔ جماعت کے ساتھ نماز اس امت کی خصوصیتوں میں سے ہے جس کے ادا کرنے میں بڑے فضائل ہیں اور اس کے چھوڑنے پر سخت وعید احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

وَرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ: فجر کی نماز سے پہلے دو سنتوں کا بھی اس باب میں بیان ہوگا کیونکہ بقول علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے سنتوں میں سے یہ سب سے اہم سنت ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ بغیر عذر کے اس کو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو ان سنتوں کا انکار کرے تو خطرہ ہے کہ وہ کافر نہ ہوجائے۔

109۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَأَرْبَعٌ بَعْدَ الْجُمُعَةِ، لَا يُفْصَلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيمٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله تعالى عليه.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ظہر سے پہلے چار سنتیں اور جمعہ کے بعد چار سنتیں ایک سلام کے ساتھ ہوگی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دن رات میں بارہ رکعات سنت مؤکدہ ہیں:

نماز فجر سے پہلے دو رکعت ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ان

کے علاوہ سب سنت غیر مؤکدہ ہیں، فرض فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

❁ ائمہ ثلاثہ اور اکثر احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ سنت موکدہ ہے اور اسی پر احناف کا فتویٰ بھی ہے، مذکورہ بارہ رکعات کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل یہ حدیث ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بارہ رکعات مسنونہ پر ہمیشگی کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (ترمذی ج:اص: ۹۴، ابن ماجہ ج:اص: ۸۰)

ظہر سے پہلے چار رکعات ہیں یا دو۔ اس میں **دو مذہب** ہیں۔

❁ ①- احناف، امام مالک، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قبل الظهر چار رکعات سنت ہیں۔

❁ ②- امام شافعی کا صحیح قول اور امام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قبل الظهر دو رکعتیں سنت ہیں۔

جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت ہیں؟ اس میں **تین مذاہب** ہیں:

❁ ①- جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں سنت ہیں جیسے کہ جمعہ سے پہلے چار رکعتیں سنت ہیں۔ یہی مذہب ہے حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، امام محمد، علقمہ، ابراہیم نخعی، اسحاق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا۔

❁ ②- امام ابو یوسف، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت ہیں۔

❁ ③- امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جمعہ کے بعد دو رکعات سنت ہیں۔

پھر احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ظہر سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھنا افضل ہے اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے چناں چہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ "ان النبی کان یصلی بعد الزوال أربع رکعات، فقلت ما هذه الصلاة التی تداوم علیها، فقال هذه ساعة تفتح فيها أبواب السماء، وأحب أن يصعد لی فيها عمل صالح، فقلت أفی کلهن قراءة؟ قال نعم، فقلت أبتسليمة، أم بتسليمتين فقال بتسليمة واحدة"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ظہر سے پہلے کی چار رکعت کو دو سلام کے ساتھ پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے "أن النبی کان یصلیهن بتسليمتين" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے والے چار رکعتوں کو دو سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ہماری طرف سے اس کا **جواب** یہ ہے کہ "تسلیمتین" تشہدین کے معنی میں ہے اور حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار رکعات کو دو تشہد کے ساتھ پڑھتے تھے اور اس کے تو ہم بھی قائل ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (عنایہ)

110- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ

عَلَى صَلَاةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ خَمْسًا وَعِشْرِينَ صَلَاةً.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے پچیس گنا زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

تشریح:

جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا حتی کہ حالت مرض میں جب آپ کو خود چلنے کی طاقت نہ تھی دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔

حکم جماعت میں مذاہبِ فقہاء:

- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض عین ہے۔(عمدۃ القاری ج ۴، ص: ۲۲۶)
- جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ رحمہ اللہ علیہم کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔(عمدۃ القاری ج ۴، ص: ۲۲۶)
- بعض شافعیہ و مالکیہ اور حنفیہ رحمہ اللہ علیہم میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔(اوجز المسالک: ۲/۴ تا ۵)

111 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ زِيَادٍ أَوْ مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ - الشَّكُّ مِنْ مُحَمَّدٍ - عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَنْ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُنَّ يَعْدِلْنَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے عشاء کی نماز کے بعد مسجد سے نکلنے سے قبل چار رکعات پڑھیں تو وہ لیلۃ القدر میں چار رکعات پڑھنے کے برابر ہیں۔

لغات: يَعْدِلْنَ: برابر ہونا، مساوی ہونا۔ الْآخِرَة: پچھلا، (ج) آخرون۔

عشاء کے بعد چار رکعت نفل:

اس مضمون کی مختلف روایات ہیں، جن میں عشاء کی فرض نماز کے بعد چار رکعات پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، اور بعض روایات میں یہ قید ہے کہ ایک سلام سے یہ چار رکعات ادا کرے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد کی دو سنتوں کے بعد چار رکعات نفل ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت ہے۔ روایت میں اس کی وضاحت تو نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا اہتمام کرتے تھے، تاہم فضیلت روایت کرنے والے صحابہ سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اس پر عمل نہ کرتے ہوں۔

اس سلسلے میں وارد شدہ روایات درج ذیل ہیں:

① - مرفوع روایت جو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر آئے تو چار رکعتیں ادا کیں، پھر سو گئے۔(صحیح البخاری: 697)

② - سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے عشاء کے بعد چار رکعتیں ادا کیں، تو وہ لیلۃ القدر میں ان ہی جیسی رکعتوں کے برابر ہو جائیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ: 7273)

③ - سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: عشاء کے بعد چار رکعتیں لیلۃ القدر میں ان ہی جیسی رکعتوں کے برابر ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ: 7274)

④ - سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے عشاء کے بعد ایک سلام سے چار رکعتیں ادا کیں، تو وہ لیلۃ القدر میں ان ہی جیسی رکعتوں کے برابر ہو جائیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ: 7275)

ان چار رکعات کے بارے میں صاحب کنز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہیں، مگر صاحب فتح القدیر اور بحر الرائق رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو سنت کہا ہے۔

112 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنْ حُمْرَانَ، قَالَ: مَا لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ، إِلَّا وَحُمْرَانُ مِنْ أَقْرَبِ النَّاسِ مِنْهُ مَجْلِسًا. قَالَ: فَقَالَ لَهُ ذَاتَ يَوْمٍ: يَا حُمْرَانُ إِنِّي لَأَرَاكَ مَا لَزِمْتَنَا إِلَّا لِنُقَبِّسَنَّكَ خَيْرًا. قَالَ: أَجَلْ، يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: انْظُرْ ثَلَاثًا، أَمَّا اثْنَتَانِ، فَأَنْهَاكَ عَنْهُمَا وَأَمَّا وَاحِدَةٌ، فَآمُرُكَ بِهَا قَالَ: مَا هُنَّ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالَ: لَا تَمُوتَنَّ، وَعَلَيْكَ دَيْنٌ إِلَّا دَيْنًا تَدَعُ لَهُ وَفَاءً، وَلَا تَنْتَفِيَنَّ مِنْ وَلَدِكَ أَبَدًا، فَإِنَّهُ يُسَمِّعُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا سَمَّعْتَ بِهِ فِي الدُّنْيَا قِصَاصًا لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا، وَانْظُرْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، فَلَا تَدَعْهُمَا، فَإِنَّهُمَا مِنَ الرَّغَائِبِ.

ترجمہ: حضرت علی حضرت حمران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب بھی حدیث بیان کرتے دیکھتا تو حمران رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ ان سے قریب بیٹھے دیکھتا تھا، ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے حمران! میں دیکھتا ہوں کہ آپ میرے پاس رہتے ہو کہ میں تم کو علم سکھاؤں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، اے عبدالرحمن (یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) فرمایا: تین باتوں کا خیال رکھو دو باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں، ایک بات کا حکم دیتا ہوں، انہوں نے عرض کیا: اے ابی عبدالرحمن وہ کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: تم اس حال میں ہرگز نہ مرنا کہ تم پر قرض ہو مگر یہ کہ اسے ادا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز چھوڑ جانا (دوسرا یہ کہ) کبھی اپنے بیٹے کا انکار نہ کرنا اس لئے کہ تم دنیا میں اسے مشہور کرو گے بالکل اسی طرح تمہیں قیامت کے دن وہ مشہور کرے گا۔ یہ برابر بدلہ ہوگا، تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا (تیسرا یہ کہ) فجر کی دو رکعتوں کا خیال رکھنا انہیں ہرگز نہ چھوڑنا اس لئے کہ یہ بڑے ثواب دلانے والی ہیں۔

لغات: لنقبسنك: قبس علم سیکھنا، سکھانا، الرغائب: رغیبۃ کی جمع ہے، عطیہ، رغبت والی چیز۔

وضاحت:

اس اثر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حمران رحمۃ اللہ علیہ کو تین نصیحتیں فامائی ہیں:

پہلی نصیحت: "لا تموتن وعليك دين الا دين تدع له وفاء"۔ تم اس حال میں کبھی نہ مرنا کہ تمہارے اوپر قرض ہوالا یہ کہ کوئی نہ کوئی چیز اس کے ادا کرنے کے لئے چھوڑ جانا۔

متعدد احادیث میں اس مضمون پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ مثلاً: "حديث أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه" (ترمذی) مؤمن مرد کی روح اپنے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

"يغفر للشهيد كل ذنب الا الدين" (مسلم) شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں مگر دین معاف نہیں ہوگا۔

دوسری نصیحت: "لا تنفين من ولدك ابدًا فانه يسمع لك يوم القيامة كما سمعت به في الدنيا قصاصًا"۔ اپنے بیٹے کا انکار نہ کرنا جس طرح تم اس کو دنیا میں مشہور کرو گے اس طرح اللہ بھی قیامت کے دن تمہیں مشہور کرے گا۔

مشکوۃ کی ایک لمبی روایت ہے جس کے آخر میں آتا ہے: جو شخص اپنے بچہ کا انکار کرے درآنحالیکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے (یعنی وہ جانتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کرے گا اور اس کو تمام اگلے پچھلے لوگوں کے سامنے رسوا کرے گا۔

تیسری نصیحت: "وانظر ركعتي الفجر فلا تدعهما فانهما من الرغائب" فجر کی اور رکعتوں کا خیال رکھنا ان کو بھی نہ چھوڑنا اس لئے کہ یہ بڑا ثواب دلانے والی ہیں۔ فجر کی سنتوں کی تاکید متعدد احادیث میں آئی ہے۔ مثلاً:

"حديث عاشة صديقة رضى الله عنها قال: ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها" (مسلم و ترمذی)

"حديث عائشة رضى الله عنها لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شيئ من النوافل اشد تعاهدًا منه على ركعتي الفجر" (بخاری)

"حديث ابو هريرة: لا تدعوهما وان طردتكم الخيل" (ابوداؤد و احمد)

ان تاکیدات کی وجہ سے سنت فجر میں **دو مذاہب** ہو گئے:

- **پہلا مذہب:** حسن بصری، بعض احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک واجب ہے۔
- **دوسرا مذہب:** ائمہ ثلاثہ اور اکثر احناف رحمۃ اللہ علیہم سنت مؤکدہ کے قائل ہو گئے۔ (فتاویٰ شامی: 114/1)

113- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: وَقِّرُوا الصَّلَاةَ يَعْنِي السُّكُونَ فِيهَا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ

أَبِي حَنِيفَةَ رحمة الله عليه.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کی تعظیم کرو یعنی اسے اطمینان وسکون سے پڑھو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: وَقِّرُوا: وقار سے بیٹھنا، تعظیم کرنا۔

تعدیل ارکان:

وَقِّرُوا الصَّلَاةَ يَعْنِي السُّكُونَ فِيهَا: رکوع کے بعد سیدھے کھڑا ہونا، اس طرح دونوں سجدوں کے مابین بیٹھنا اور رکوع اور سجدوں کے درمیان توقف کرنا جسے طمانیت کہتے ہیں اس بارے میں **دو مذہب** ہیں

- **پہلا مذہب:** حضرات طرفین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک فرض سنّت ہے، البتہ امام کرخی کے نزدیک واجب ہے۔
- **دوسرا مذہب:** امام ابو یوسف و امام شافعی اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ ان کے نزدیک فرض ہے۔

اس کے برخلاف امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں، فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے ان میں سے کسی ایک چیز کو ترک کر دیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

ان حضرات کی **دلیل** یہ ہے کہ خلاد بن رافع نامی ایک دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں آئے اور انہوں نے نماز ادا کی لیکن دوران نماز قومہ، جلسہ اور طمانیت وغیرہ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " ارجع فصل " یا فرمایا: "قم فصل فإنك لم تصل " یعنی جاؤ اور جا کر دوبارہ نماز پڑھو، کیوں کہ تم نے تعدیل ارکان کی رعایت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے دوبارہ نماز پڑھی، لیکن اس مرتبہ بھی کچھ کمی رہ گئی، اس لیے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز کے لیے واپس بھیجا، مگر اس بار بھی وہ منشاء نبوت کے مطابق نماز نہ ادا کر سکے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ ان سے کہا: " ارجع فصل فإنك لم تصل " تو انہوں نے عرض کیا " والذی بعثك بالحق ما أحسن غيره فعلمني " اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اس سے اچھی طرح اور کیا مجھ سے ادا ہو سکتا ہے؟ برائے کرم آپ خود ہی مجھے سکھلا دیجیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز سکھلائی اور اچھی طرح قومہ، جلسہ اور طمانیت وغیرہ کے متعلق وضاحت فرمائی۔

اس حدیث سے امام ابو یوسف اور امام شافعی اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال اس معنی کر کے ہے کہ ترک طمانیت وغیرہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی نفی فرمائی اور اُن سے دوبارہ نماز پڑھوائی، معلوم یہ ہوا کہ طمانیت وغیرہ نماز میں فرض ہیں، کیوں کہ ترک فرض ہی سے نماز کی نفی ہو سکتی ہے۔

سوال: طرفین رحمہما اللہ علیہما اس پر سوال کرتے ہیں کہ یہ حدیث تو خبر واحد ہے اس سے فرض کیسے ثابت ہوا۔

جواب: جمہور رحمۃ اللہ علیہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث تفسیر ہے "واقیموا الصلوۃ" کی خبر واحد اس آیت کے لئے مبین ہے فرض ثابت ہوا ہے قرآن سے نہ کہ حدیث ہے۔

طرفین کا جواب: شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے جمہور رحمۃ اللہ علیہما کا استدلال ہی صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔" ارجع فصل فانك لم تصل "اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی "قبل البیان بطلان صلوۃ "مراد لیا تھا جیسے کہ امام مالک، شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہم نے سمجھا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے نفی کمال صلوۃ سمجھا جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد البیان سمجھا تھا کیونکہ ما نقص۔ ۔الخ سے نفی کمال ہی مفہوم ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تو ہوگئی تھی مگر واجب الاعادہ تھی۔ (معارف السنن 133/1) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کو جب تعلیم دی تو اس میں اعادہ صلوۃ کا حکم نہیں فرمایا۔ (ترمذی) اگر نماز صحیح نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور اعادہ صلوۃ کا حکم فرماتے۔ مگر محققین کی رائے کے اعتبار سے طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بھی طمانیت واجب ہے درمختار نے وجوب ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ یہی بات بحر الرائق میں ہے اور قاضی صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اطمینان وسکون واجب ہے اس کا ترک کرنے والا شدید کراہت کا مرتکب ہوگا۔ علامہ کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اعادہ لازم ہوگا ایسی نماز کا۔ یہی بات فتح القدیر اور ان کے شاگرد ابن امیر حاج رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار ہے اسی طرح سعایہ میں مذکور ہے۔

مفتی بہ قول:

تعدیلِ ارکان واجب ہے، تعدیلِ ارکان کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے دوران ہر رکن ادا کرتے وقت اس طرح اطمینان حاصل ہو جائے کہ ہر ہر عضو اپنی جگہ ٹھہر جائے، اس کی کم سے کم مقدار ایک تسبیح کی ہے، اگر کوئی شخص قصداً تعدیلِ ارکان چھوڑ دے تو وقت کے اندر دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہے، اور اگر سہواً تعدیلِ ارکان فوت ہو جائے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِمَامِ حَائِطٌ أَوْ طَرِيقٌ

جو شخص اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے اور امام کے درمیان دیوار یا راستہ ہو!

اس باب میں بیان کریں گے کہ مقتدی کی جگہ امام کی جگہ سے متصل ہو حقیقتًا یا حکمًا۔

امامت کے لئے دس شرطیں ہیں:

① - مقتدی کی جگہ امام کی جگہ سے متصل ہو حقیقتًا یا حکمًا۔

② - نیتِ اقتداء کہ اگر مقتدی نے اقتداء کی نیت نہ کی تو نماز نہ ہوگی۔

۳- اتحادِ نماز کہ مقتدی اور امام کی نماز ایک ہو۔

۴- مقتدی کے اعتقاد میں امام کی نماز کا صحیح ہونا۔ اگر مقتدی یہ سمجھ رہا ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوگئی ہے تو اب مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

۵- عدم محاذات کہ عورت کوئی برابر میں نہ کھڑی ہو۔

۶- مقتدی کا امام سے آگے نہ ہونا۔

۷- مقتدی کو اپنے امام سے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کا علم ہو خواہ امام کو دیکھ کر یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر یا آواز سن کر۔

۸- مقتدی کو اپنے امام کا حال معلوم ہو کہ وہ مقیم ہے یا مسافر وغیرہ یہ علم نماز کے آخر تک بھی ہو جائے تو تب بھی جائز ہے۔

۹- امام کا مقتدی کے لئے لائق امام ہونا کہ امام کی نماز مقتدی سے اقوی ہو۔

۱۰- مقتدی کا امام کے ساتھ ارکان میں شریک ہونا۔ اگر مقتدی نے کسی رکن کو چھوڑ دیا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ (ردالمحتار)

114- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْمُؤَذِّنِينَ يُؤَذِّنُونَ فَوْقَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يُصَلُّونَ فَوْقَ الْمَسْجِدِ، قَالَ: يُجْزِئُهُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ مَا لَمْ يَكُونُوا قُدَّامَ الْإِمَامِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا ان مؤذنوں کے بارے میں جو مسجد کے اوپر اذان دیتے ہیں اور اوپر ہی نماز پڑھ لیتے ہیں، فرمایا: ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں بشرطیکہ امام کے آگے نہ ہوں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اذان دے کر مسجد کے اوپر نماز پڑھنا:

اس بات پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مسجد صرف اس عمارت کا نام نہیں ہوگا بلکہ مسجد بننے کے بعد نیچے ساتوں زمین تک اور اوپر عرش تک مسجد ہو جاتی ہے اس لئے اگر کوئی اذان دے کر اوپر ہی امام کی اقتداء کی نیت کرے تو جائز ہے۔ اگرچہ امام مسجد کے نیچے کے حصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔

اگرچہ مؤذن کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ مسجد میں اذان دینے کے بجائے مسجد کے باہر اذان دے کیونکہ اذان غائبین کو مسجد میں بلانے کے لئے ہوتی ہے مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے مگر جائز ہو جائے گی۔

اگر مسجد کے اوپر اقتداء کی نیت کر لی تو ان کی نماز جائز ہے۔ یہی مذہب آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

کتاب کتاب الام میں فرمایا ہے کہ اگر مقتدی مسجد کے اوپر کے حصہ میں امام کی اقتداء کی نیت کر لے تو یہ جائز ہے۔ مزید فرمایا کہ بعض مؤذن بیت اللہ کی چھت پر امام کی اقتداء کی نیت کر لیتے ہیں مگر ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ نیچے آکر امام کی اقتداء کریں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے جیسے کہ آتا ہے کہ "ان ابا ھریرۃ یصلی فوق ظھر المسجد الحرام بصلوۃ الامام فی المسجد" کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی کبھی کبھار بیت اللہ کی چھت پر امام کی اقتداء کی نیت کر لیتے تھے۔

115- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِمَامِ حَائِطٌ، قَالَ: حَسَنٌ مَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْإِمَامِ طَرِيقٌ أَوْ نِسَاءٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جس کے اور امام کے درمیان دیوار حائل ہو، فرمایا ٹھیک ہے بشرطیکہ مقتدی اور امام کے درمیان راستہ یا عورتیں حائل نہ ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو؟

امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس صورت میں اقتداء صحیح ہے یا نہیں۔ اس میں دو مذہب ہیں:

- **پہلا مذہب:** امام مالک، ابن سیرین، عروہ، سالم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی راستہ ہو یا کوئی چھوٹی نہر ہو یا دیوار ہو اسی طرح سے کشتیاں ملی ہوئی کھڑی ہوں اور آگے کی کشتی میں امام ہو تو اس صورت میں اقتداء بھی جائز ہے۔
- **دوسرا مذہب:** امام ابوحنیفہ، لیث، اوزاعی، اشہب وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ اگر امام اور مقتدی کے درمیان راستہ وغیرہ ہو تو اقتداء جائز نہیں ہے بشرطیکہ راستہ کو ملا نہ دیا جائے۔

اگر عورت ہو برابر میں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک صف بھی عورتوں کی پہلے ہو پھر اس کے بعد مردوں کی صفیں ہوں تو اب پیچھے صفوں کی تمام ہی لوگوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگرچہ عقل کا تقاضہ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ عورتوں سے متصل بعد والوں کی نماز نہ ہو۔ مگر اس قیاس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا جس میں آتا ہے "من کان بینه وبین الامام نھر وطریق او صف من النساء فلا صلوۃ له"۔

بَابُ مَسْحِ التُّرَابِ عَنِ الْوَجْهِ قَبْلَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلَاةِ

نماز سے فارغ ہونے سے قبل پیشانی سے مٹی پونچھنے کا بیان!

116- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: رَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ يُصَلِّي فِي الْمَكَانِ فِيهِ الرَّمْلُ وَالتُّرَابُ الْكَثِيرُ فَيَمْسَحُ عَنْ وَجْهِهِ قَبْلَ أَنْ يَنْصَرِفَ قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا نَرَى بَأْسًا بِمَسْحِهِ ذَلِكَ قَبْلَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيمِ، لِأَنَّ تَرْكَهُ

يُؤْذِي الْمُصَلِّي، وَرُبَّمَا شَغَلَهُ عَنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو ایسی جگہ پر نماز پڑھتے دیکھا جس جگہ پر ریت اور مٹی بہت تھی، وہ نماز مکمل کرنے سے پہلے پیشانی کو پونچھ لیا کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم التحیات اور سلام سے پہلے پیشانی پونچھنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، اس لئے کہ بسا اوقات مٹی کی وجہ سے نمازی کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ نماز سے توجہ کو ہٹا دیتی ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الرَّمل: ریت، شَغَلَه: مشغول کرنا، عنه: غافل کرنا۔

تشریح دوران نماز پیشانی صاف کرنا

کسی شخص کی پیشانی پر نماز کی حالت میں مٹی لگ جائے یا پسینہ وغیرہ آجائے اس کو پونچھنے اور صاف کرنے کا حکم:

اس بارے میں دو قول ہیں۔

- پہلا قول: دوران نماز صاف کرنا اور پونچھنا مکروہ ہے۔
- دوسرا قول: یہ عمل مکروہ نہیں۔

جو کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صاف فرمایا تھا۔

پہلے قول والے استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ کیچڑ میں سجدہ کیا۔ اس کا اثر ہم نے بعد میں بھی دیکھا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نماز میں صاف نہیں فرمایا تھا) اس قول کو منیۃ المصلی وغیرہ نے پسند کیا ہے۔

لِأَنَّ تَرْكَهُ يُؤْذِي الْمُصَلِّي، وَرُبَّمَا شَغَلَهُ عَنْ صَلَاتِهِ: اگر نمازی کو تکلیف دیتی ہو اور نماز سے توجہ کو ہٹا دیتی ہو تو اس کو صاف کرنا نماز کے دوران بھی صحیح ہے۔

مگر اس کو صرف ایک ہی مرتبہ میں صاف کر لینا چاہئے۔ ظاہری روایت یہی ہے مگر غیر ظاہری روایت میں دو مرتبہ تک کی اجازت ہے جیسے کہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کنت لا بد فاعلا فواحدة۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

بَابُ الصَّلَاةِ قَاعِدًا وَالتَّعَمُّدِ عَلَى شَيْءٍ أَوْ يُصَلِّي إِلَى سُتْرَةٍ

بیٹھ کر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر یا سترہ کی طرف نماز پڑھنے کا بیان!

117 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى مِثْلِ نِصْفِ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَائِمًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ثواب ملتا

ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: قاعدًا: کھڑے سے بیٹھنا۔

وضاحت بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا:

فرائض میں بالاجماع بیٹھنا جائز نہیں، فقہاء نے اس حدیث کو متنفل پر محمول کیا ہے۔

نصف صلوۃ الرجل قائما: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشقت برداشت کر کے عزیمت پر عمل کرتا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتا تو اس صورت میں اس کو جو ثواب ملتا اب جو یہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اس کے مقابلہ میں نصف ثواب ملے گا۔ (معارف السنن)

بعض روایات سے اس حدیث کے شان ورود سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا کہ جب کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ شدید بخار میں مبتلا تھے اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ (موطا امام مالک ۱۰۹ باب فضل صلوۃ القائم علی صلواۃ القاعد)

مگر اس قاعدہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک مستثنیٰ تھی جیسے کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں آتا ہے: "قال حدثت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صلوة الرجل قاعد انصف الصلوة قال فاتيته فوجدته جالسا فوضعت يدى على راسه فقال: مالك يا عبد الله؟ قال حدثت يا رسول الله انك قلت صلوة الرجل قاعدا على نصف الصلوة وانت تصلى قاعدا قال اجل ولكني لست كاحد منكم "۔ (نصب الرایۃ)

118 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا يُجْزِءُ الرَّجُلُ أَنْ يَعْرِضَ بَيْنَ يَدَيْهِ سَوْطًا وَلَا قَصَبَةً حَتَّى يَنْصِبَهُ نَصْبًا۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: النَّصْبُ أَحَبُّ إِلَيْنَا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ أَجْزَأَتْهُ صَلَاتُهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (سترہ کے طور پر) کافی نہیں کہ کوئی شخص اپنے سامنے کوڑا یا بانس کا ٹکڑا عرض میں لمبا کر کے رکھ لے جب تک کہ اس کو سیدھا کھڑا نہ کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سترہ سیدھا کھڑا کرنا ہمیں زیادہ پسند ہے اگر سیدھا کھڑا نہ کیا تو نماز تب بھی ہو جائے گی، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سترہ کی شرعی حیثیت:

"سترہ" کے لغوی معنی ہیں: وہ چیز جس کے ذریعہ انسان خود کو چھپا سکے، شریعت کی اصطلاح میں نماز کے باب میں "سترہ" سے مراد وہ لاٹھی یا چھڑی وغیرہ ہے جو کم از کم ایک گز شرعی کے برابر اونچی اور کم از کم ایک انگلی کے برابر موٹی ہو اور نمازی نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے کھڑا کر دیتا ہے۔

سترہ فرض یا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں وہ فرض و واجب ہوتا ہے لیکن جب کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر پھر وجوب وفرضیت کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہوتا ہے زیر بحث مسئلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم موجود ہے کہ سترہ کا اہتمام کرو اور سترہ کے بغیر نماز ادا کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض و واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

ھدایہ کی شرح کفایہ میں ہے کہ اگر کوئی سترہ گاڑے نہیں تو اب اس کو چاہئے کہ وہ سترہ کو طولا رکھے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر زمین نرم ہو تو گاڑنا ہی چاہئے اور اگر زمین بہت سخت ہو کہ گاڑنا مشکل ہو تو اب وہ سترہ اپنے سامنے رکھ لے اور اس رکھنے میں بھی طولا رکھے تاکہ گاڑنے کے مشابہ ہو جائے۔

مگر احناف رحمۃ اللہ علیہم کے اکثر مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ گاڑنا ضروری ہے رکھنا کافی نہیں ہوگا۔

119- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ إِذَا سَجَدَ، فَأَطَالَ اعْتَمَدَ بِمِرْفَقَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالی.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سجدہ فرماتے اور سجدہ طویل ہوتا تو کہنیاں رانوں پر ٹیک لیا کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وسجدہ میں کہنیاں گھٹنوں سے ملا کر استراحت لینا:

اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے "اشتکی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشقۃ السجود علیھم اذا تفرجوا" یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شکایت کی کہ جب ہم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھیں اور کہنیوں کو زمین سے بلند رکھیں تو طویل سجدہ کی صورت میں اس میں مشقت ہوتی ہے۔

اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "استعینوا بالرکب"۔ (ترمذی) مطلب یہ ہے کہ جب تم تھک جاؤ تو کہنیاں گھٹنوں سے ملا کر استراحت کرلو۔

یہ مذہب امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم سب کا ہے۔ اگرچہ عام حالتوں میں یہ مکروہ ہے مگر عذر کی بناء پر جائز ہوگا۔ العذر مستثنی من قواعد الشرع۔

یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: کہ اگر فرض نماز ہو یا مختصر نوافل اس میں ان کے جواب کا تو کہنیوں کا رانوں پر سہارا کرنا صحیح نہیں اور اگر نوافل طویل ہوں تو اب جائز ہوگا۔ (مدونۃ)

120- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عن حماد عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَعْتَمِدُ بِإِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى

الْأُخْرَى فِي الصَّلَاةِ، يَتَوَاضَعُ لِلّٰهِ تَعَالٰى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَيَضَعُ بَطْنَ كَفِّهِ الْأَيْمَنِ عَلَى رُسْغِهِ الْأَيْسَرِ تَحْتَ السُّرَّةِ فَيَكُونُ الرُّسْغُ فِي وَسَطِ الْكَفِّ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور عاجزی کے اظہار کی خاطر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑ لیتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے پہنچے پر ناف کے نیچے رکھے گا، پس پہنچا ہتھیلی کے درمیان میں ہوگا۔

لغات: يَعْتَمِدُ: از افتعال، ٹیک لگانا، يَتَوَاضَعُ: تواضع، عاجز ہونا، ذلیل ہونا۔ رُسْغِهِ جمع أَرْسَاغ: گٹا، پہنچا۔

قیام میں ہاتھ باندھنے کا بیان:

اس مسئلے میں تین مذاہب ہیں

- پہلا مذہب - احناف، شوافع میں سے ابو اسحاق سروزی، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز پڑھنے والا جب تکبیر تحریمہ کہہ لے تو اب اس کے لیے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا سنّت ہے۔
- دوسرا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایات منقول ہے۔

① - دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھا جائے۔

② - ناف کے نیچے باندھا جائے۔

③ - امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھنا مسنون تو ہے لیکن ناف کے نیچے نہیں، بل کہ سینے پر باندھنا مسنون ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضع علی الصدر کے قائل ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں "فصل لربك وانحر" کا فرمان جاری ہوا ہے اور کئی مفسرین نے وانحر سے سینے پر ہاتھ رکھنا مراد لیا ہے لہذا ہم بھی اس سے یہی مراد لیں گے اور سینے پر ہاتھ رکھنا مسنون ہوگا۔

- تیسرا مذہب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان سے بھی تین روایات منقول ہیں: ① - احناف کی طرح ناف کے نیچے یہی ان کی مشہور روایت ہے، ② - سینے کے نیچے ناف کے اوپر، ③ - نمازی کو اختیار ہے جس طرح چاہے باندھ لے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھنا مسنون نہیں ہے، بل کہ تحریمہ کے بعد مصلی اپنے ہاتھوں کو چھوڑے رکھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ارسال یعنی ہاتھ چھوڑنے کے قائل ہیں اور اپنے اس قول پر ان کی دلیل یہ ہے کہ "أن النبی کان یرفع یدیه عند تکبیرة الافتتاح ثم یرسل" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو باندھنا مسنون نہیں ہے، بل کہ چھوڑنا مسنون ہے۔

دلائل احناف رحمۃ اللہ علیہم:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: "رایت رسول اللہ ﷺ وضع یمینه علی شماله تحت السرۃ" ترجمہ: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 427/1، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

سنن ابو داود اور دوار قطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں (واللفظ للاول): "من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلاۃ تحت السرۃ" ترجمہ: نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے"۔

(سنن ابوداؤد: 201/1، مطبوعہ بیروت)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھا جائے، اور "علمِ مصطلح الحدیث" کا طے شدہ اصول ہے کہ جب کوئی صحابی کسی عمل کو سنت کہے تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، اس حدیث میں اگرچہ عبدالرحمن بن اسحاق ضعیف راوی ہیں، لیکن چوں کہ اس کی تائید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ہوتی ہے، اس لیے اس سے استدلال درست ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حجاج ابن حسان سے مروی، فرماتے ہیں: "سمعت ابا مجلز اوسالته،-- کیف یضع؟ قال: یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلها اسفل من السرۃ" ترجمہ: میں نے ابو مجلز رضی اللہ عنہ سے سنا، یا ان سے سوال کیا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھیں، آپ نے فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے اور انہیں ناف کے نیچے رکھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوۃ، باب وضع الیمین علی الشمال، جلد 1، صفحہ 427، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

اس مسئلہ میں مشائخ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے کئی اقوال ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں روایات بھی مختلف ہیں:

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے۔ (روایت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ)

بائیں کو دائیں سے پکڑنے کا ذکر ہے۔ (روایت قبیصہ بن ہلب عن ابیہ رضی اللہ عنہ)

دائیں ہاتھ کو بائیں بازو پر رکھنے کا ذکر ہے۔ (روایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ)

ان سب روایات میں تطبیق بعض علماء نے اس طرح کی ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھا جائے اور پھر خنصر اور ابہام سے حلقہ بنالیا جائے اور باقی تین انگلیاں بائیں کلائی پر رکھ لی جائیں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ طریقہ پسندیدہ اس لئے ہے کہ اس میں تینوں روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ پر رکھا تو پہلی روایت پر عمل ہو گیا اور جب خنصر اور ابہام کا حلقہ بنایا تو اب دوسری روایت پر عمل ہو گیا اور جب تین انگلیوں کو

بائیں بازو پر رکھا تو تیسری روایت پر عمل ہوگیا۔

121 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صُبَيْحٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى تَحْتَ السُّرَّةِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

بَابُ الْوِتْرِ وَمَا يُقْرَأُ فِيهَا

وتر اور جو اس میں پڑھا جائے گا اس کا بیان

وتر کا معنی فرد اور طاق بے جوڑ کے ہیں۔ واد کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے جیسے "وَلَنْ يَّتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ" عرب استعمال کرتے ہیں۔ وترہ ،اوتر،و ترا،و ایتارا الشیء اس نے طاق بنایا، وتر کا لفظ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جفت رکعات کو طاق بنانا، وتر کی نماز پڑھنا، مع تہجد وتر پڑھنا۔

122 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ، عَنْ ذَرٍّ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا، يَعْنِي قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَهِيَ هَكَذَا فِي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: إِنْ قَرَأْتَ بِهَذَا فَهُوَ حَسَنٌ وَمَا قَرَأْتَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي الْوِتْرِ مَعَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَهُوَ أَيْضًا حَسَنٌ إِذَا قَرَأْتَ مَعَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ بِثَلَاثِ آيَاتٍ فَصَاعِدًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأعلى" اور دوسری میں "قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا" یعنی "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" پڑھتے تھے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں اسی طرح ہے اور تیسری میں "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" پڑھتے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ اگر یہ پڑھیں تو بہت اچھا ہے اور جو بھی قرآن سے سورہ فاتحہ کے ساتھ آپ پڑھ لیں، وہ ٹھیک ہے، جبکہ آپ سورہ فاتحہ کے ساتھ تین آیتیں یا اس سے زیادہ پڑھیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وتر کی نماز میں مخصوص سورتیں پڑھنا:

حدیثِ باب میں ذکر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی نماز میں تین رکعتوں میں سورۃ الاعلی، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اس لیے ان تین سورتوں کا پڑھنا وتر کی نماز میں مسنون (مستحب) ہے، البتہ کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہیے؛

تاکہ واجب ہونے کا شبہ نہ ہو۔ نیز بعض روایات میں نمازِ وتر میں ان کے علاوہ سورتیں پڑھنا بھی منقول ہے۔

(الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، (رد المحتار) 6/2)

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس کو لازم نہ سمجھ لیں کیونکہ دائمی طور سے کسی سورت کو متعین کرنا کسی معین نماز میں یہ مکروہ ہے

مگر علامہ اسیجابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سنت کے طور پر تبرکا سورت الاعلیٰ، سورۃ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھے اور اس کی تعیین کو ضروری نہ سمجھے تو کوئی حرج نہیں۔

123- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: مَا أُحِبُّ أَنِّي تَرَكْتُ الْوِتْرَ بِثَلَاثٍ، وَإِنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. الْوِتْرُ ثَلَاثٌ لَا يُفْصَلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيمٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تین رکعات وتر چھوڑ دوں، خواہ مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ ہی کیوں نہ ملیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان کے درمیان سلام سے فاصلہ نہیں کریں گے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

وضاحت:

اس اثر میں دو مسئلے ذکر کئے گئے ہیں

①- وتر کی نماز میں کتنی رکعات ہیں؟

❁ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نماز وتر ایک رکعت سے گیارہ رکعات تک ہے، یعنی ایک رکعت، تین رکعات، پانچ رکعات، سات رکعات، نو رکعات اور گیارہ رکعات۔

دلائل مع جوابات: ایک رکعت کے ثبوت میں "الْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ"۔ (مسلم ج:ا ص:۲۵۷)

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز دو رکعت کر کے پڑھتے تھے، مگر جب نماز وتر کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت میں ایک رکعت ملا کر وتر بنالیا کرتے تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ایک رکعت نماز وتر ادا فرمائی۔

(معارف السنن ج ۴، ص: ۲۱۳)

"اوتر بثلث" (طحاوی ج ا، ص: ۲۰۱) احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے اس لئے جواب کی ضرورت ہی نہیں۔

پانچ رکعات والی حدیث: "أَوْتَرَ بِخَمْسٍ" (نسائی ج: ص: ۲۴۹) اس کا جواب یہ ہے کہ پانچ رکعات وتر کی نہیں تھیں، بلکہ تین رکعات وتر کی تھیں، اور دو رکعات نفل کی تھیں، راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

سات رکعات والی حدیث: "أَوْتَرَ بِسَبْعٍ" (نسائی ج: ص: ۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں تین رکعات وتر کی تھیں اور چار

رکعات تہجد کی تھیں۔

نو رکعات والی حدیث: "أوتَرَ بِتِسع" (نسائی ج:ص:۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں چھ رکعات تہجد کی تھیں تین وتر کی راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

گیارہ رکعات والی حدیث: "إحدی عشر رکعة" (نسائی ج:ص:۲۵۱) کا جواب یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی تھیں اور تین رکعت وتر کی تھی، اور دو رکعت وتر کے بعد والی تھیں جو آپ بیٹھ کر ادا فرماتے تھے راوی نے سب کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

- حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وتر کی تین رکعت ہیں اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱ص:۴۳۴)

دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "کان رسول اللہ یوتر بثلاث" (ترندی ج:اص:۱۰۶) کہ رسول اللہ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث احناف رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر واضح دلیل ہے۔

۲- نماز وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ:

نماز وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں یا دو سلاموں کے ساتھ، اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز وتر دو سلاموں کے ساتھ ہے۔

دلیل: اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے پاس کوئی صحیح یا صریح حدیث موجود نہیں ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام کا معمول رہا ہے، البتہ یہ حضرات، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں "کَانَ یُسَلِّمُ بَیْنَ الرَّکْعَتَیْنِ وَالرَّکْعَةِ" (نیل الاوطار ج:۳ ص:۳۷) کہ وہ نماز وتر میں ایک دو رکعت اور ایک دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے اور دوسرا سلام آخری رکعت پر پھیرتے تھے۔

جواب: یہ ہے کہ ان کا اپنا اجتہاد تھا نیز وہ اپنے اجتہاد میں تنہا تھے، دوسرے یہ کہ اگر وتر دو سلاموں کے ساتھ حضور سے ثابت ہوتے تو یہ ایک غیر معمولی عمل ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو ضرور نقل کرتے، حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کرتے، بلکہ اس کا برعکس ثابت ہے۔

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے، درمیان میں کوئی سلام نہیں ہے۔

دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "اعلم الناس بوتر رسول اللہ" تھیں لیکن، وہ وتر میں کہیں دو سلاموں کا ذکر نہیں کرتیں، بلکہ بعض احادیث میں ان سے نفی وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے "ثُمَّ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ لَا یَفْصِلُ بَیْنَهُنَّ"۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۱۹۱) دوسری حدیث ہے: "اَلْوِتْرُ ثَلَاثٌ کَثَلَاثِ الْمَغْرِبِ" (اوجز المسالک ج:اص:۴۳۵) علاوہ ازیں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ نماز وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (اوجز المسالک:434/1)

124- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ، وَلَمْ يُوتِرْ، فَلَا وِتْرَ قَالَ

مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا. يُوتِرُ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِلَّا فِي سَاعَةٍ تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ, أَوْ يَنْتَصِفُ النَّهَارُ حَتَّى تَزُولَ أَوْ عِنْدَ احْمِرَارِ الشَّمْسِ حَتَّى تَغِيبَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر صبح ہو جائے اور کسی نے وتر نہیں پڑھے ہوں تو اب اس کے لئے وتر نہیں رہی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کے قائل نہیں ہر صورت میں وتر پڑھنے ہوں گے، الا یہ کہ سورج نکل رہا ہو یا زوال کا وقت ہو اس میں جب تک زوال زائل نہ ہو جائے یا سورج میں سرخی ہو اور وہ جب تک غروب نہ ہو جائے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وضاحت:

اس اثر میں **دو مسئلے** ذکر کئے گئے ہیں:

①- نماز وتر واجب ہے یا سنت؟

اس سلسلے میں **دو مذاہب** ہیں:

- ①- امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز وتر واجب ہے۔ (اوجز ج:اص:۴۳۰، نیل ج۳،ص:۳۴)
- ②- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور احناف رحمۃ اللہ علیہم کا فتویٰ امام اعظم کے قول کے مطابق ہے۔ (اللباب ج:اص:۸۷، اوجز المسالک ج:اص:۴۳۰)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "الْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَوتِكُمُ الْمَكْتُوبَةُ وَلَكِنْ سَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ" (ترمذی ج:ص:۱۰۳) وتر تمہاری فرض نمازوں کی طرح لازم نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وتر کی فرضیت کی نفی فرمائی ہے، وجوب کی نفی نہیں فرمائی ہے، اور فرضیت کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ نماز وتر کا درجہ فرض نمازوں سے کم ہے، اور فرض سے کم درجہ واجب ہے نہ کہ سنت اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے نماز وتر کو سنت ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۴ص:۱۷۹)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا"۔ (ابوداود ج:ا،ص:۲۰۱، اوجز ج:اص:۴۳۱) وتر حق ہے چنانچہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا، اور حق یہاں واجب کے معنی میں ہے، معلوم ہوا کہ وتر واجب ہے۔

②- وتر کی قضاء کا طریقہ:

اس میں فقہاء کے کل **آٹھ اقوال** ہیں:

①-: فجر کی نماز سے پہلے پہلے کر سکتا ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، اسحاق راہویہ، حسن بصری، مکحول، قتادہ،

مسروق، ابوایوب، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

۲-: دوسرے دن کے زوال شمس تک۔ یہ قول ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، امام شعبی طاؤس، حماد بن سلمان، مجاہد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

۳-: ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن طلوع آفتاب سے پہلے پہلے قضاء کرسکتا ہے اگرچہ فجر کی نماز پڑھ چکا ہو۔

۴-: امام اوزعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن مغرب تک عشاء کے بعد قضا نہ کرے تا کہ ایک رات میں دو دو وتروں کو جمع کرنا لازم نہ ہوجائے۔

۵-: فجر کی نماز کے بعد دن میں اس کی قضا نہ کرے کیونکہ وتر تو رات کی نمازوں میں سے ہے اس کو رات کو قضا کرے گر دوسرے دن کی وتر سے پہلے پہلے۔ یہ قول ہے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

۶-: دوسرے دن میں جب دل چاہے پڑھ لے اگر دن میں نہ پڑھ سکا اور رات آجائے تو اب قضاء نہ کرے۔ تا کہ دونوں وتر مل کر شفع نہ بن جائے حالانکہ وتر تو طاق ہے۔ یہ قول بھی حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی منسوب ہے۔

۷-: جب بھی یاد آئے پڑھ لے بشرطیکہ بھولے سے چھوٹ گئی ہو اور اگر جان بوجھ کر چھوڑی ہے تو اب اس کی قضا ممکن نہیں ہے۔ یہ قول ہے شیخ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

۸-: ہر وقت قضا کرسکتا ہے دن میں بھی رات میں بھی اس کو قضا کرنا ضروری ہوگا خواہ کتنے بھی دن گزر جائیں۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور شوافع رحمۃ اللہ علیہم کا مفتی بہ قول ہے۔

اس کی قضا کا وہی طریقہ جو ادا کا ہے، البتہ صرف اس میں نیت تعیین کے ساتھ قضا وتر کی جائے گی، اگر ایک سے زائد دنوں کے وتر ہوں تو یوں نیت کریں کہ میرے ذمے جتنے وتر ہیں ان میں سے پہلی کی قضا کرتا ہوں، یا یوں نیت کرے کہ میرے ذمے جتنے وتر ہیں ان میں سے آخری کی قضا کرتا ہوں۔

بَابُ مَنْ سَمِعَ الْإِقَامَةَ، وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ

وہ شخص جو مسجد میں ہو اور اقامت سن لے اس کا بیان!

اس باب میں یہ بیان ہے کہ جب ایک آدمی مسجد میں ہو اور وہاں نماز کی اقامت سن لے تو اب وہاں سے نکلنا کیسا ہے۔ تو اس پر فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں ایسا شخص نماز پڑھ کر ہی نکلے بلکہ بلا نماز نکلنے پر ممانعت آئی ہے۔

جیسے کہ ایک حدیث میں آتا ہے: قال رسول اللہ ﷺ: "اذا اذن الموذن فلا تخرجوا حتی تصلوا"۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے: قال قال رسول اللہ ﷺ: ”من ادرك الاذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لا يريد الرجوع فهو منافق“۔

اور جب مؤذن نے اقامت شروع کر دی تو اب اگر ایک شخص اپنی فرض نماز بھی پڑھ چکا ہو تب بھی جماعت کے ساتھ نفل کی نیت سے شامل ہو جائے کیونکہ نکلنے کی صورت میں جماعت کی ظاہرا مخالفت لازم آرہی ہے۔ ہاں اگر عصر یا مغرب یا فجر کے وقت میں یہ صورت پیش آجائے تو اب نکل سکتا ہے۔ کیونکہ ان نمازوں میں نفل کی نیت کرنا صحیح نہیں۔

125 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي الْفَرِيضَةَ فِي الْمَسْجِدِ، فَيُقِيمُ الْمُؤَذِّنُ وَهُوَ فِي الرَّكْعَةِ قَالَ: يُتِمُّ إِلَيْهَا رَكْعَةً أُخْرَى ثُمَّ يَدْخُلُ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ بِتَكْبِيرٍ، فَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ رَكْعَتَيْنِ وَجَلَسَ فَتَشَهَّدَ سَلَّمَ الرَّجُلُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ فِي نَفْسِهِ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُكَبِّرُ وَيُصَلِّي مَعَ الْإِمَامِ مَا بَقِيَ مِنْ صَلَاتِهِ تَطَوُّعًا لَا يَدْخُلُ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ إِلَّا فِي شَفْعٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَقَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ: يُضِيفُ إِلَيْهَا رَكْعَةً أُخْرَى وَيَنْصَرِفُ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَقَوْلُ الشَّعْبِيِّ أَحَبُّ إِلَيْنَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالیٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص مسجد میں فرض نماز پڑھ رہا ہو، مؤذن اقامت کہہ دے، ابھی پہلی رکعت میں ہو، فرمایا: اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے گا پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے گا، امام جب دو رکعتیں پڑھ لے، اور بیٹھ جائے، التحیات پڑھ لے، تو یہ شخص دل میں اپنے دائیں بائیں سلام پھیر کر کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہے اور امام کے ساتھ باقی نماز نفل کی نیت سے پڑھ لے، جماعت میں دو رکعت پوری کر کے داخل ہو۔ عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا کر سلام پھیرے، پھر جماعت میں شامل ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہمیں زیادہ پسند ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مسجد میں فرض نماز شروع کر دی اور جماعت کھڑی ہو گئی؟

وَهُوَ فِي الرَّكْعَةِ قَالَ: يُتِمُّ إِلَيْهَا رَكْعَةً أُخْرَى: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے مسجد میں فرض نماز کی نیت باندھ لی، اور پہلی رکعت کا سجدہ بھی کیا ہے اور مؤذن نے اقامت کہہ دی، تو اس صورت میں بلا اختلاف یہ شخص ایک اور رکعت ملا کر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔ مگر اس صورت میں فقہاء نے ایک شرط لگائی ہے کہ اتحاد مکان کی صورت میں یہ مسئلہ ہوگا اگر اتحاد مکان نہ ہو مثلاً وہ گھر پر نماز پڑھ رہا ہے اور مسجد میں اقامت شروع ہو گئی یا یہ ایک مسجد میں تھا دوسری مسجد میں اقامت شروع ہو گئی تو اب پھر نماز کو ختم کر کے جماعت میں شریک ہونا لازمی نہیں۔ (تبیین الحقائق، کنز الدقائق)

اور اگر اس شخص نے ابھی تک پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو اب فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ اپنی نماز کو منقطع کر کے جماعت میں

شریک ہوجائے، مگر اس صورت میں امام محمد، شمس الائمہ سرخسی اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کا میلان یہ ہے کہ اس صورت میں بھی پہلی صورت کی طرح ایک اور رکعت ملا کر دو رکعت پوری کر کے سلام پھیرے "لانہ یمکنہ الجمع بین الفضیلتین" مگر صاحب ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں جب کہ ابھی تک پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو اب یہ اپنی نماز کو توڑ کر جماعت کی نماز میں شریک ہو جائے، کیونکہ یہ توڑنا نماز کے اکمال کے لئے ہے۔ سو اس کا اپنی نماز بغیر جماعت کے ناقص تھی اب جماعت کے ساتھ یہ نماز کامل ادا کر رہا ہے۔ (مبسوط سرخسی ۱/۱۷۴ موطا الامام محمد/۴۰)

بَابُ مَنْ سُبِقَ بِشَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ

مسبوق کی نماز کا بیان!

126- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا دَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ وَالْقَوْمُ رُكُوعٌ، فَلْيَرْكَعْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَشْتَدَّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنْ يَمْشِي عَلَى هِينَتِه حَتَّى يُدْرِكَ الصَّفَّ فَيُصَلِّيَ مَا أَدْرَكَ، وَيَقْضِيَ مَا فَاتَهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور لوگ رکوع میں ہوں تو بغیر بھاگے جلدی سے رکوع میں شریک ہوجائے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ آہستہ اطمینان سے جائے گا یہاں تک کہ صف کو پالے پھر جو رکعت ملی ہے وہ پڑھے گا اور جو فوت ہوئی اس کی قضا کرے گا۔

127 - مُحَمَّدٌ، عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فَضَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى حَتَّى وَصَلَ الصَّفَّ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، نَرَى ذَلِكَ مُجْزِئًا، وَلَا يُعْجِبُنَا أَنْ يَفْعَلَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: انہوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لیا، پھر چل کر صف میں مل گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل جلالہ تمہاری (خیر میں) حرص بڑھائے آئندہ ایسا نہ کرنا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں ایسا کر لیا تو نماز (تو) ہوجائے گی، لیکن ہمارے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام رکوع میں ہو تو جماعت میں شامل ہونے کا طریقہ:

اگر کسی شخص نے اس طرح کر لیا کہ جب اس نے امام کو رکوع میں دیکھا اور وہ اب تک نمازیوں کی صف تک نہیں پہنچا تھا۔ تو فورا ہی اس نے جہاں تھا اسی جگہ رکوع کر دیا پھر آہستہ آہستہ صف میں مل گیا تو اس صورت میں دو مذہب ہیں۔

❁ **پہلا مذہب**: ابراہیم نخعی حماد، ابن ابی لیلی، وکیع اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے یہ سب فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

❁ **دوسرا مذہب**: جمہور علماء کا ہے جس میں امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، حسن بصری، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم بھی ہیں۔ یہ سب فرماتے ہیں اس کے لئے بہتر تو یہی تھا کہ صف میں پہنچ کر پھر تکبیر کہہ کر رکوع پورا کرتا۔ مگر اس نے صف سے ہٹ کر رکوع کر لیا تو اب جلد بازی میں کراہت تو آئے گی مگر اس کی یہ نماز ہو جائے گی۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال حدیث وابصہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے: "عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ، أَنَّ رَجُلًا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ"۔ (سنن ترمذي/كتاب الصلاة/حديث: 231)

جواب یہ ہے کہ اگر نماز نہیں ہوئی جیسے کہ آپ فرماتے ہیں تو اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ صلوۃ کا حکم دیتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا اور یہ عمل بھی اچھا نہیں تھا اس لئے آئندہ کے لئے منع فرمایا۔

اس طرح رکعت میں ساتھ شامل ہونا مکروہ تو ہے مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ جیسے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح یعنی خلف الصّف وہ پوری نماز ادا کر لے تو جائز ہو جائے گی مگر کراہیت آئے گی۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے۔ روی عن جماعة من اصحاب النبی ﷺ انهم ركعوا دون الصف ثم مشوا الى الصف و اعتدو ابتلك الركعة التي ركعوا بها دون الصف فمن ذالك ماروى عن زيد بن وهب قال دخلت المسجد انا وابن مسعود فادركنا الامام وهو راكع فركعنا ثم مشينا حتى استوينا بالصف فلما قضى الامام الصلوة قمت لاقضى فقال ابن مسعود قد ادركت الصلوة۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس نے رکوع خلف الصّف کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کا اعتبار کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کو اعادہ کا حکم دیا وہ بطور زجر اور تنبیہ کے تھا۔

تیسرا جواب: نفی وہاں پر نفی کمال صلوٰۃ ہے کہ نماز میں کمی آتی ہے یہ مطلب نہیں کہ نماز ہی نہیں ہوتی۔

128 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يَأْتِي الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ قَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ، قَالَ: يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً فَيَدْخُلُ مَعَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ، ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً فَيَجْلِسُ مَعَهُمْ فَيَتَشَهَّدُ، فَإِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ، قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ أَضَافَ إِلَيْهَا أُخْرَى، وَإِنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوسًا صَلَّى أَرْبَعًا، وَبِذَلِكَ جَاءَتِ الْآثَارُ مِنْ غَيْرِ وَاحِدٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جو جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام دوسری رکعت کے آخری حصہ میں ہو فرمایا کہ: وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہو جائے، پھر اللہ اکبر کہہ کر بیٹھ جائے تو التحیات پڑھے (اور) جب امام سلام پھیر لے تو یہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھ لے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے گا لیکن اگر انہیں قعدہ میں پایا تو اب چار رکعت (ظہر)

پڑھے گا اسی طرح آثار بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

مسبوق کا جمعہ کی نماز میں جماعت کے ساتھ شامل ہونا:

ایک شخص مسجد میں جمعہ کے دن تاخیر سے آئے جب کہ جماعت شروع ہو چکی تھی۔ تو اس کے بارے میں فقہاء کے عموما تین مذاہب ہیں۔

① - عطاء ابن ابی رباح، طاؤس، مجاہد، ابن ابی نجیح اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت کے نزدیک اگر مسجد میں تاخیر سے آنے والا خطبہ نہ پائے (اگرچہ اس کو جمعہ کی دونوں رکعتیں ملیں) تب بھی یہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے گا۔

② - ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور امام محمد و زفر رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ یعنی رکوع سے پہلے پایا تو اب جمعہ کی نماز کو پورا کرے اور اگر کم حصہ پایا تو اس کو ظہر کی نماز ادا کرنی چاہیے۔

③ - امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، ابراہیم نخعی، ضحاک اور حماد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے ساتھ سلام سے پہلے پہلے شامل ہو جائے اس پر جمعہ کی ہی بناء کرے گا۔ ظہر کی نہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: "من ادرك من صلوة الجمعة ركعة فقد ادرك" ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اس حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں کہ یعنی جس کو ایک بھی رکعت نہیں ملی اس کو گویا جمعہ کی نماز ہی نہیں ملی تو جب جمعہ کی نماز نہیں ملی تو اب جمعہ کے فوت ہونے کی وجہ سے ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے دلائل درج ذیل احادیث ہیں:

حدیث ابو هريرة "ائْتُوا الصَّلَاةَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ فَصَلُّوا مَا أَدْرَكْتُمْ وَاقْضُوا مَا سَبَقَكُمْ -(ابوداود)

حدیث ابن مسعود من ادرك التشهد فقد ادرك الصلوة- (اخرج البیهقی)

حدیث ابن عمر مرفوعا مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى وَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ -(الدار قطنی)

شیخین رحمۃ اللہ علیہما، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کو یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کی روایت مبہم ہے۔ کیونکہ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ایک رکعت پالی تو گویا اس نے نماز کو پالیا۔ اور اس کو دوسری رکعت اب پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مطلب تو کسی بھی امام کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس کی تاویل کرنی ہوگی کہ "ادرك الصلوة" سے مراد "ادرك فضيلة الصلوة ہے یا فقد ادرك الصلوة" ہے تو ایسی روایت سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے مفہوم مخالف سے استدلال کیا اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔

129 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَالْحَسَنِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَخِلَاسِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُمْ قَالُوا: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً أَضَافَ إِلَيْهَا أُخْرَى، وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوسًا صَلَّى أَرْبَعًا وَ

كَذٰلِكَ بَلَغَنَا أَيْضًا عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ، وَالْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَزُفَرَ بْنِ الْهُذَيْلِ وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت قتادہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حسن بصری سعید بن المسیب اور خلاس بن عمرو رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے فرمایا: جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے گا۔ اور جو شخص لوگوں کو التحیات میں بیٹھا پائے۔ وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے گا، اسی طرح علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید سے ہمیں روایت پہنچی ہے۔ یہی سفیان ثوری اور امام زفر بن ہزیل رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

مسبوق جمعہ میں چار رکعت پڑھے گا؟

یہاں پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے متعدد تابعین کے اثر کو جمع کر دیا ہے۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ جس شخص کو جمعہ کے دن امام کے پیچھے ایک رکعت ملی تو اب ایک رکعت اور ملا کر جمعہ کی نماز کی تکمیل کرلے اور اگر اس شخص کو ایک رکعت بھی امام کے پیچھے نہیں ملی بلکہ ایسے وقت میں حاضر ہوا کہ جب امام التحیات میں بیٹھ چکا تھا تو اب یہ ظہر کی چار رکعت پوری کرے گا اس کے باوجود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس نماز کو جمعہ کی نماز نہیں فرماتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہر کی نماز ہے کیونکہ جمعہ کی نماز میں جماعت شرط ہے جو اس سے فوت ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ چار رکعت پڑھے۔

اور اس نماز کو من وجہ جمعہ کی نماز بھی فرماتے ہیں اس لئے کہ اس نماز میں نیت جمعہ ہی کی کریں گے، ظہر کی نہیں۔

دوسرا یہ کہ آخری دو رکعتوں میں قراءت کرے گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے دو رکعت جمعہ کی ہو چکی ہوں تو اب آخری یہ دو رکعتیں نفل ہوئی اس لئے اس میں آخر میں قرات کرے گا کیونکہ نفل کی ہر رکعت میں قراءت کرنا واجب ہے اس جہت کے لحاظ سے قعدہ اولی میں بھی ضرور بیٹھے۔

جس طرح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استدلال میں کئی اثار کو پیش فرمایا: اسی طرح شیخین رحمۃ اللہ علیہما بھی اپنے استدلال میں احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم پیش کرتے ہیں۔ مثلاً: "روایت معاذ بن جبل انه قال اذا دخل فی صلوة الجمعة قبل تسلیم وهو جالس فقد ادرك الجمعة"۔

عن الضحاك اذا ادرك الناس يوم الجمعة جلوسا صلى ركعتين۔

عن ابراهيم التيمي قال يصلى ركعتين۔

عن حماد اذا ادرك الناس يوم الجمعة جلوسا صلى ركعتين۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کے جواب میں شیخین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں ایک تحریمہ میں ظہر اور جمعہ کو جمع صحیح نہیں۔ اور جب تک امام کا وجود ہے تو اس کے وجود کو مسبوق کے حق میں بھی قائم سمجھا جائے گا تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں اس کو جمعہ بھی مل گیا۔ اور

فضیلت جماعت کو بھی اس نے پالیا۔

130 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ مَسْرُوقًا، وَجُنْدُبًا، دَخَلَا فِي صَلَاةِ الإِمَامِ فِي الْمَغْرِبِ فَأَدْرَكَا مَعَهُ رَكْعَةً وَسبقهما بِرَكْعَتَيْنِ فَصَلَّيَا مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ قَامَا يَقْضِيَانِ، فَأَمَّا مَسْرُوقٌ فَجَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى الَّتِي قَضَى، وَأَمَّا جُنْدُبٌ، فَقَامَ فِي الْأُولَى، وَجَلَسَ فِي الثَّانِيَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَا، أَقْبَلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ، ثُمَّ إِنَّهُمَا تَسَاوَقَا إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَصَّا عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، فَقَالَ: كِلَا كُمَا قَدْ أَحْسَنَ، وَأَنْ أُصَلِّيَ كَمَا صَلَّى مَسْرُوقٌ أَحَبُّ إِلَيَّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَأْخُذُ. يَجْلِسُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جميعا اللَّتَيْنِ فَاتَتَاهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت مسروق اور جندب رحمۃ اللہ علیہما مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوئے، انہیں امام کے ساتھ ایک رکعت ملی، دو رکعتیں فوت ہوگئیں، چنانچہ ان دونوں حضرات نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، پھر کھڑے ہو کر باقی نماز پوری کی، حضرت مسروق، دوسری رکعت میں بیٹھے حضرت جندب پہلی یعنی اپنی دوسری رکعت میں کھڑے ہو گئے اور دوسری (یعنی امام والی کو ملا کر تیسری) میں بیٹھ گئے، سلام پھیر کر ہر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے، پھر یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، اور انہیں واقعہ بتلایا تو انہوں نے فرمایا کہ: تم دونوں میں سے ہر ایک نے ٹھیک کیا اور میں مسروق کی طرح نماز پڑھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، ایسا شخص فوت شدہ دونوں رکعتوں میں سے ہر رکعت میں بیٹھے گا، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وضاحت:

اس اثر میں حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر پہلی اور دوسری رکعت میں سجدہ کیا اور حضرت جندب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف دوسری رکعت میں، ہم حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو لیتے ہیں ہیں، چنانچہ امام کے ساتھ مغرب کی ایک رکعت پانے والا جب باقی ماندہ نماز پڑھے گا، تو وہ دوسری رکعت میں بھی بیٹھے گا اور تیسری رکعت میں بھی بیٹھے گا، اس لئے کہ مغرب میں دوسری اور تیسری رکعت میں قعدہ کیا جاتا ہے البتہ پہلی رکعت میں قعدہ نہیں، لیکن امام کی اتباع کی وجہ سے یہ شخص پہلی رکعت میں بھی بیٹھا تھا تو گویا تینوں رکعتوں میں قعدہ ہو گیا۔

131 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي رجُل سَبَقَهُ الْإِمَامُ بِشَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ، أَيَتَشَهَّدُ كُلَّمَا جَلَسَ الْإِمَامُ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَيَرُدُّ السَّلَامَ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ؟ قَالَ: إِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ رَدَّ السَّلَامَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نماز کے کچھ حصے میں امام سے پیچھے رہ گیا، وہ ہر اس قعدہ

میں جس میں وہ بیٹھے التحیات پڑھے گا؟ فرمایا جی ہاں پھر پوچھا کہ جب امام سلام پھیرے گا تو کیا یہ بھی سلام پھیرے گا؟ فرمایا جب اپنی نماز سے فارغ ہو جائے (یعنی نماز پوری ہو جائے) تو سلام پھیرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو پسند کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مسبوق اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دے:

رَجُل سَبَقَهُ الْإِمَامُ بِشَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهٖ: مسبوق شخص جس کی کچھ رکعتیں امام سے رہ گئی ہو۔ اب وہ امام کی متابعت تو کرے گا مگر امام کے ساتھ وہ سلام نہیں پھیرے گا۔ اور پھر اپنی بقیہ نماز کو پوری کر کے سلام پھیرے گا اگر امام کے ساتھ کسی نے بھولے سے ایک طرف یا دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اب فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس میں دیکھا جائے گا کہ اس مسبوق نے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیرا ہے یا بعد میں۔ اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیرا ہے تو اب اس پر سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ ابھی تک مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کی غلطی کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔

اور اگر اس نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو اب اس پر سجدہ سہو لازم آجائے گا۔ اس صورت میں جب کہ سہواً یہ عمل کیا ہو اور اگر اس کو معلوم تھا کہ ابھی نماز باقی ہے پھر بھی اس نے سلام پھیر دیا تو اب اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے کبیری میں ہے۔ ولو سلم علی ظن ان علیہ رکعۃ ان سلم فھو سلام عمدا یمنع البناء۔ (کبیری:425)

بَابُ مَنْ صَلّٰى فِي بَيْتِهٖ بِغَيْرِ أَذَانٍ

اس شخص کا بیان جو اپنے گھر میں بغیر اذان کے نماز پڑھے

اس باب میں مصنف اس بات کو بیان کریں گے کہ جو شخص گھر پر اکیلے نماز پڑھ رہا ہو یا گھر پر جماعت کروا رہا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بغیر اذان کے نماز پڑھ لے مگر اس کے لئے مستحب ہے کہ اذان و اقامت کہہ لے جب کہ یہ جماعت کروانا چاہتا ہو۔ اس طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" بخلاف مصل ولو بجماعۃ فی بیت بمصر أو قریۃ لھا مسجد فلا یکرہ ترکھما اذ اذان الحی یکفیہ" (کہ جو شخص گھر یا کسی بستی میں نماز پڑھنا چاہتا ہے اور اس نے آذان اقامت کو چھوڑ دیا تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ محلہ کی اذان اس کے لئے کافی ہوگئی۔

132 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَمَّ أَصْحَابَهُ فِي بَيْتِهٖ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ، وَقَالَ: إِقَامَةُ الْإِمَامِ تُجْزِئُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ وَحْدَهُ فَإِذَا صَلَّوْا فِي جَمَاعَةٍ فَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ، فَإِنْ أَقَامَ، وَتَرَكَ الْأَذَانَ فَلَا بَأْسَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بغیر آذان و اقامت کے نماز

پڑھائی اور فرمایا امام کی اقامت کافی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس شخص کے بارے میں اس کو اختیار کرتے ہیں۔ جو تنہا نماز پڑھے اور اگر جماعت سے نماز پڑھے تو ہمیں یہ زیادہ پسند ہے کہ آذان واقامت کہے لیکن اگر اذان چھوڑ دے صرف اقامت کہہ لے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

گھر پر جماعت کروانے والا کیا اذان واقامت کہے گا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اندرون شہر کوئی گھر میں جماعت کروائے کسی مجبوری کے تحت تو اب اس کو چاہئے کہ اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھائے تاکہ یہ نماز بھی جماعت کے انداز پر ہو جائے۔ اور اگر کسی نے اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو تب بھی جائز ہے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے نماز پڑھائی اور اس میں اذان اور اقامت نہیں کہی تھی۔ اور جب کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ: محلہ کی اذان ہمارے لئے کافی ہے۔ (شامی ۱/۲۷۶ مبسوط سرخسی ۱/۱۳۳)

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو کچھ وضاحت سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "روی عن ابن مسعود انه صلی بعلقمة والاسود فی بیته فقیل له ألا تؤذن؟ فقال اذان الحی یکفینا "، کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور اسود رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکان میں نماز پڑھائی تو ان لوگوں نے کہا: آپ نے اذان نہیں کہی تو فرمایا: محلے کی اذان کافی ہے۔ (تبیین الحقائق، فتح القدیر) تو معلوم ہوا اذان اور اقامت کو گھر میں نماز پڑھنے والا ترک کر دے تو یہ مکروہ نہیں ہے یہی بات علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لکن لا یکرہ ترکه لمصل فی بیته فی المصر لان اذان الحی یکفیه "، (شامی: ۱/۳۵۷)

فَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ: کہ یہ بات زیادہ اچھی ہے کہ اذان واقامت کہہ لے۔ اگر یہ دونوں کہہ لے تو یہ نماز علی وجه الأكمل ادا ہو گی (ہدایہ و کذا بدائع الصنائع: 153/1) اور اس کے بارے میں صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "لیکون الاداء علی هیئة الجماعة الخ " کہ اس صورت میں جماعت کی ہیئت پر یہ نماز ادا ہو جائے گی۔

بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ

نماز توڑنے والی چیزوں کا باب!

اس باب میں ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مثلاً جنابت کی حالت میں امامت کروانا۔ یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دینا۔ یا نماز میں عورت کا برابر میں آ کر کھڑا ہو جانا وغیرہ۔

133 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا فَسَدَتْ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَسَدَتْ صَلَاةُ مَنْ خَلْفَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ بِأَصْحَابِهِ جُنُبًا أَوْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ أَوْ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ فَسَدَتْ صَلَاةُ مَنْ خَلْفَهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب امام کی نماز فاسد ہو گی تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہم اسی کو پسند کرتے ہیں اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں یا بغیر وضوء کے امامت کرے یا کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو جائے تو اس کی اقتداء کرنے والے نمازیوں کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے؟

إِذَا فَسَدَتْ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَسَدَتْ صَلَاةُ مَنْ خَلْفَهُ: جب امام کی نماز فاسد ہو جائے تو اس کی اقتداء کرنے والوں کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس میں **دو مذہب** ہیں۔

- ① - **پہلا مذہب امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدی کی بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔
- ② - **دوسرا مذہب امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ کہ امام اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔ امام کی نماز سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرآن سے استدلال کرتے ہیں ﴿ولا تزر وازرۃ وزر اخری﴾۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل** مشہور روایت ہے "قال رسول الله ﷺ: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة، واغفر للمؤذنين" (سنن الترمذي) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: امام ضامن ہے، اور مؤذن امانت دار ہے، اللہ ائمہ کو ہدایت پر رکھ، اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

امام ضامن اور نگران ہے مطلب یہ کہ جب اس کی نماز صحیح ہو گی تو مقتدیوں کی بھی صحیح ہو گی اور اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے گی تو مقتدیوں کی بھی اس کے ضمن میں فاسد ہو جائے گی۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اس آیت قرآنیہ کا تعلق گناہ وثواب سے ہے نہ کہ افعال کی صحت وفساد سے لہذا اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

134 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَزِيدَ الْمَكِّيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي بِالْقَوْمِ جُنُبًا، قَالَ: يُعِيدُ وَيُعِيدُونَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو لوگوں کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دے، فرمایا: امام اور مقتدی سب دوبارہ نماز پڑھیں۔

135 - مُحَمَّدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، فِي رَجُلٍ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، قَالَ: يُعِيدُ وَيُعِيدُونَ.

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جو اپنے ساتھیوں کو بغیر وضوء کے نماز پڑھائے فرمایا کہ امام اور مقتدی سب نماز لوٹائیں۔

تشریح:

اس صورت میں امام کی نماز نہیں ہوئی جب امام کی نماز نہیں ہوئی تو مقتدی کی بھی نہیں ہوئی اس لئے اس سب کو اس کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا۔

136 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدُوا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالی.

ترجمہ: محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ وہ سب نماز کا اعادہ کریں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

تشریح:

أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيدُوا: مجھے یہ پسند ہے کہ سب نماز کا اعادہ کریں یہاں پر "أحب" کا مفہوم پسندیدہ کے نہیں ہے بلکہ واجب کے ہوگا۔ (قلائد الازھار: 231/2) اس مسئلہ کی وضاحت گزشتہ اثر میں گزر چکی ہے۔

137 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ إِلَى جَانِبِ الرَّجُلِ وَكَانَا فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عورت اگر مرد کے برابر میں نماز پڑھے اور نماز ایک ہی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محاذات نساء کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر باجماعت نماز ہو رہی ہو اور کوئی عورت آ کر کسی مرد نمازی کے برابر میں کھڑی ہو جائے اور اسی نماز کی نیت باندھ لے نیز امام اس عورت کی نیت بھی کر لے تو اس صورت میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

جب کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو، اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اس قول کی دلیل قیاس ہے یعنی جس طرح صورت مسئلہ میں عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو، کیوں کہ محاذات میں دونوں شریک ہیں اور پھر محاذات بھی عورت کی طرف سے محقق ہے، لہذا جب یہ محاذات عورت کی نماز کے لیے مفسد نہیں تو مرد کی نماز کے لیے مفسد ہونے کا کیا مطلب ہے؟

استحسان کی دلیل یہ حدیث ہے جو اس سے پہلے "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" اور اس حدیث سے وجہ استدلال بایں معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اخروھن" سے مردوں کو خطاب کر کے عورتوں کو نماز میں پیچھے دھکیلنے کا حکم دیا ہے، لہذا اس فرمان کے پیش نظر مردوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کا اہتمام کریں کہ عورتیں اگر مسجد آئیں تو پیچھے ہی رہیں یا بالکل الگ رہیں، جیسے حرم مکی وغیرہ میں ہوتا ہے، تاکہ محاذات نہ ہونے پائے، اب اگر کوئی عورت کسی مرد کے مقابل آکر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے "اخروھن" پر عمل نہیں کیا اور عورت کو برابر میں کھڑا کر کے اپنا فرض مقام (تقدم من المرأۃ) ترک کر دیا، اس لیے صرف اسی کی نماز فاسد ہوگی، عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی، جیسے اگر کوئی مقتدی نماز میں اپنے امام سے آگے بڑھ جائے تو فرض مقام کے ترک کی وجہ سے صرف اس کی نماز فاسد ہوتی ہے اور امام کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی صرف مرد کی نماز فاسد ہوگی عورت کی نماز پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

138 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهِيَ نَائِمَةٌ إِلَى جَنْبِهِ عَلَيْهِ ثَوْبٌ جَانِبُهُ عَلَيْهَا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا، وَكَذَلِكَ أَيْضًا لَوْ صَلَّتْ إِلَى جَانِبِهِ فِي صَلَاةٍ غَيْرِ صَلَاتِهِ إِنَّمَا تَفْسُدُ عَلَيْهِ إِذَا صَلَّتْ إِلَى جَانِبِهِ، وَهُمَا فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ تَأْتَمُّ بِهِ أَوْ يَأْتَمَّانِ بِغَيْرِهِمَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سوئی ہوئی ہوتی تھیں، آپ نے جو کپڑا اوڑھا ہوتا تھا اس کا کچھ حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہوتا تھا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر عوت کوئی دوسری نماز پڑھ رہی ہو اور مرد دوسری اور اس میں عورت مرد کے پہلو میں کھڑی ہو جائے، بلکہ اس صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، جب وہ دونوں ایک نماز میں شریک ہوں اور عورت مرد کے پہلو میں کھڑی ہو جائے اور اس مرد کی اقتداء کرے یا یہ دونوں کسی اور کی اقتداء کر رہے ہوں اور اسی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اختیار کرتے ہیں۔

محاذات کی شرائط کا بیان:

محاذات عورت کے مفسد صلاۃ ہونے کی شرائط

① - ایک شرط یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں کی نماز مشترک ہو، یعنی دونوں میں تحریمہ اور اداء کے اعتبار سے اتحاد ہو، تحریمہ کے اعتبار سے اتحاد کا مطلب یہ ہے دونوں کے دونوں کسی امام کی تحریمہ پر اپنے تحریمہ کی بنا کرنے والے ہوں، یا ان میں مرد عورت کا امام ہو اور وہ اس کے تحریمہ پر تحریمہ کر رہی ہو۔

اور اداء کے اعتبار سے اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز وہ ادا کر رہے ہوں ان میں حقیقتا یا حکماً ان کا کوئی امام ہو، حقیقتاً امام کا

مطلب یہ ہے کہ دونوں کے دونوں مسبوق ہوں اور شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوں اور حکما کا مطلب یہ ہے کہ مثلا ایک مرد اور عورت نے چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت میں کسی امام کی اقتداء کی اور بوقت اقتداء میں ان میں محاذات نہیں تھی، لیکن دونوں کو حدث لاحق ہوا اور جب وضو کر کے واپس لوٹے تو امام اپنی نماز پوری کر چکا تھا، اور لاحق ہونے میں ان دونوں میں محاذات ہوگئی، تو اب حکماً امام کی اقتداء میں اداء کے اعتبار سے یہ شریک ہو گئے، اس لیے ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (فتح القدیر)

- ۲- شرط یہ ہے کہ وہ نماز مطلق ہو، یعنی رکوع سجدے والی نماز ہو، نماز جنازہ نہ ہو۔
- ۳- شرط یہ ہے کہ مرد وعورت کے مابین کوئی پردہ حائل نہ ہو، بل کہ محاذات بدون حائل ہو۔
- ۴- شرط یہ ہے کہ عورت شہوت والی اور قابل جماع ہو۔
- ۵- شرط: امام نے عورت کے امام ہونے کی نیت بھی کی ہو۔
- ۶- شرط: محاذات، مرد اور عورت میں ہو اگر مرد کے بجائے چھوٹا لڑکا ہو یا عورت کے بجائے چھوٹی بچی ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اسی طرح مرد کے برابر میں خنثی مشکل آ کر کھڑا ہو جائے۔ تو اس صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔
- ۷- شرط: عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے سیدھ یا برابر میں ہو۔
- ۸- شرط: محاذی عورت عاقلہ ہو۔ اگر محاذی مجنونہ ہو تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔
- ۹- شرط: محاذات ایک رکن کامل میں ہو۔ بلکہ رکن کامل میں نہ بھی ہو تو تب بھی مفسد صلوۃ ہوگا۔
- ۱۰- شرط: دونوں کی جہت متحد ہو۔ اگر متحد نہیں تو یہ مفسد نماز نہیں ہوگی مثلاً کوئی کعبہ کے اندر یا اندھیری رات میں تحریمہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ اور ان دونوں کی جہت الگ الگ ہو تو یہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگی۔

اگر یہ شرطیں پائی جائیں گی تب تو محاذات عورت مفسد صلاۃ ہوگی، ورنہ نہیں، کیوں کہ محاذات کا مفسد صلاۃ ہونا "أخروهن من حيث اخرهن الله" کی نص سے خلاف قیاس ثابت ہے، لہذا "ما ورد به النص" کی پوری پوری رعایت کی جائے گی اور اگر ایک ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی، تو محاذات مفسد نہیں ہوگی۔

139 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ الشَّرْقِيِّ، وَالْمَرْأَةِ فِي الْغَرْبِيِّ، فَكَرِهَ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ قَدْرَ مُؤَخِّرَةِ الرَّحْلِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَا فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ يُصَلِّيَانِ مَعَ إِمَامٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا کہ جو مسجد کے مشرقی حصے میں نماز پڑھ رہا ہو اور مغربی حصہ میں عورت ہو تو انہوں نے اس کو ناپسند فرمایا، الا یہ کہ ان دونوں کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصہ

کے برابر کوئی چیز حائل ہو۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر ہی عمل کرتے ہیں، اگر مرد عورت دونوں ایک امام کے پیچھے ایک نماز میں شریک ہوں۔

140 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَمَّا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ، فَقَالَتْ: أَمَا إِنَّكُمْ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ تَزْعُمُونَ أَنَّ الْحِمَارَ وَالْكَلْبَ، وَالْمَرْأَةَ وَالسِّنَّوْرَ يَقْطَعُونَ الصَّلَاةَ، فَقَرَنْتُمُونَا بِهِمْ، فَادْرَأْ مَا اسْتَطَعْتَ فَإِنَّهُ لَا يَقْطَعُ صَلَاتَكَ شَيْءٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نماز توڑنے والی چیزوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اے عراق والو! تم یہ سمجھتے ہو کہ گدھا، عورت اور بلی سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، تم لوگوں نے تو ہمیں ان جانوروں کے ساتھ ملا دیا، تم جتنا ہو سکے ان چیزوں کو دور کر دو اور نماز ان میں سے کسی چیز سے فاسد نہیں ہوتی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مصلی کے سامنے سے مرد، عورت یا گدھے وغیرہ کے گذرنے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، جب کہ اصحاب ظواہر ان چیزوں کے مرور سے فساد صلاۃ کے قائل ہیں، اصحاب ظواہر کی دلیل یہ حدیث ہے "تقطع المرأة الصلاة والكلب والحمار"، یعنی عورت، کتا اور گدھا نماز کو فاسد کر دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عورت اور گدھا مفسد صلاۃ ہیں اور ان کے گزرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور نا قابل استدلال ہے، کیوں کہ صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "أنكرتها عائشة حين بلغتها فقالت يا أهل العراق والشقاق والنفاق قرنتمونا بالحمر والكلاب كان رسول الله يصلي و أنا معترضة بين يديه اعتراض الجنازة فإذا سجد حبست رجلي وإذا قام مددتها" (الحديث، عنایہ، 1/414) یعنی جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ حدیث پہنچی تو وہ خفا ہو گئیں اور انہوں نے سختی کے ساتھ اس کا انکار کیا اور یوں فرمایا کہ: اے عراقیو! تمہارا بیڑا اغرق ہو جائے تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کی صفوں میں لا کھڑا کر دیا، سنو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو میں جنازہ کی طرح آپ کے سامنے لیٹی رہتی تھی جب آپ سجدہ کرتے تو میں اپنے پیروں کو سمیٹ لیتی اور پھر بعد میں پھیلا دیتی تھی۔

اس حدیث سے یہ بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ عورت کا مرور قاطع صلاۃ نہیں ہے، کیوں کہ جب نمازی کے سامنے عورت کا استقرار و استقلال مفسد نہیں ہے تو مرور کی کیا حیثیت ہے، اسی طرح مرد اور گدھے وغیرہ کا گزرنا بھی مفسد صلاۃ نہیں ہے اور اس پر یہ حدیث دلیل ہے "لا يقطع الصلاة مرور شيئ" کہ کسی بھی چیز کا گذرنا قاطع صلاۃ نہیں ہے اور چوں کہ شی عام ہے اور نکرہ ہے، اس

لیےعموم کا فائدہ دے گا،لہذا یہاں بھی شئی میں مرد، گدھا اور کتا سب داخل ہوں گے اور کسی کا گزرنا بھی مفسد صلاۃ نہیں ہوگا۔

البتہ اگر گذرنے والا انسان ہے تو وہ ایسی حرکت کرنے سے گنہگار ضرور ہوگا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر مصلی کے سامنے سے گذرنے والے کو گزرنے کا وبال اور اس کی سزا معلوم ہو جائے تو وہ چالیس سال، یا چالیس ماہ یا چالیس ایام علی اختلاف الاقوال اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا اور وہیں کھڑا رہے گا۔اس حدیث میں چالیس کا لفظ تو آیا ہے لیکن اس کے بعد کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔

141 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أنه قَالَ: أَجْدَبُ الْجَدْبِ الْحَدِيثُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَّا فِي صَلَاةٍ أَوْ قِرَاءَةِ قُرْآنٍ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے بری بات عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا ہے سوائے نماز یا تلاوت کے۔

عشاء کی نماز کے بعد قصہ گوئی کا حکم:

الْحَدِيثُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ: احادیثِ مبارکہ میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت اور جلدی سونے کی ترغیب وارد ہے، البتہ دینی امور (تعلیم، عبادت وغیرہ) یا اہم دنیاوی امور (مثلاً مسلمانوں کے اجتماعی نظم کے حوالے سے مشورہ وغیرہ) عشاء کے بعد انجام دینا، اسی طرح گھر والوں کے ساتھ گفتگو کرنا، یا گھر پر آئے ہوئے مہمانوں کی ضیافت وغیرہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر جلدی سونا مستحب ہے، تاہم عشاء کی نماز کے بعد دینی یا دنیوی ضرورت کے لیے جاگنا جائز ہے، جب کہ لایعنی اور فضول کاموں یا گفتگو یا قصہ گوئی میں لگنا مکروہ ہے، نیز کسی کام میں اس طرح لگنا جس سے فجر کی نماز قضا ہونے کا غالب گمان ہو، ناجائز ہے۔(الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (368/1)

بَابُ الرُّعَافِ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَدَثِ

نماز میں نکسیر پھوٹنے یا وضو ٹوٹ جانا!

142 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ صُبَيْحٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَّى خَلْفَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَأَحْدَثَ الرَّجُلُ، فَانْصَرَفَ، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى تَوَضَّأَ، ثُمَّ أَقْبَلَ، وَهُوَ يَقُولُ: ﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۳۵) فَاحْتَسَبَ بِمَا مَضَى، وَصَلَّى مَا بَقِيَ.

ترجمہ: حضرت معبد بن صبیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، ان صاحب کا وضو جاتا رہا وہ چپکے سے گئے بات نہیں کی وضو کیا اور یہ کہتے ہوئے واپس آئے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے درآنحالیکہ وہ جان رہے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے جو نماز چھوٹ گئی اس کو یاد رکھا اور باقی کو پڑھ لیا۔

دوران نماز حدث لاحق ہونے کی صورت میں بناء اور استیناف کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور دوران نماز اسے حدث لاحق ہو گیا تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ توقف کے بغیر فورا واپس جائے اور وضو کر کے نماز کی بنا کرے، اور اگر وہ شخص امام ہو تو اس کے لیے پہلا حکم یہ ہے کہ نماز سے ہٹ جائے اور کسی شخص کو اپنا نائب مقرر کرے اور پھر خود جا کر وضو کر کے نماز کی بناء کرے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں تو حکم یہی ہے کہ وہ شخص وضو کر کے نماز کی بنا کرے، لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا شخص از سر نو نماز پڑھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے، روایت علی بن طلق - اذا فسا احدکم فی الصلوۃ فلینصرف فلیتوضا ولیعد صلاته۔ روایت عبداللہ بن عباس اذا رعف احد کم فی صلاته فلینصرف فلیغسل عنه الدم ثم لیعد وضؤہ ولیستقبل صلاته۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدث منافی ومفسد صلوٰۃ ہے اور جو چیز مفسد صلوٰۃ ہو اس کے ساتھ نماز کیسے باقی رہ سکتی ہے۔

جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ احادیث ہیں: حدیث عائشة رضی الله عنها، ان رسول الله ﷺ قال: من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی، فلینصرف فلیتوضا، ثم لیبن علی صلاته، وهو فی ذلك لا یتكلم۔ (سنن ابن ماجه) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس کو نماز میں قے آ جائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا پیٹ کے اندر کی چیز منہ کے راستہ سے باہر آ جائے یا مذی کا خروج ہو جائے تو اسے نماز سے نکل کر وضو کرنا چاہیئے اور جہاں سے نماز چھوڑی تھی اسی پر بنا کر لے۔ بشرطیکہ اس دوران میں اس نے گفتگو نہ کی ہو۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ: إذا أم القوم فوجد فی بطنه رزءًا، أو رعافًا، أو قیئًا، فلیضع ثوبه علی أنفه، ولیأخذ بید رجل من القوم فلیقدمه۔ (سنن الدارقطني)

احناف رحمۃ اللہ علیہم پہلی روایت علی بن طلق کی کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں "ولیعد صلاته" کا لفظ ہے یہ مدرج ہے جریر کی طرف سے باقی راوی اس لفظ کو نقل نہیں کرتے، حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جریر کو آخری عمر میں سوء حفظ ہو گیا تھا۔

ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث صحت کو نہیں پہنچتی کیونکہ اس کا راوی مسلم بن سلام اور عبد الملک دونوں مجہول ہیں۔

دوسری روایت جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے اس کی سند میں سلیمان بن ارقم ضعیف ہے اس کے بارے میں امام نسائی، امام احمد، ابوداؤد، یحییٰ بن خلیل رحمۃ اللہ علیہم سب فرماتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔

143 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: يُجْزِئُهُ وَالِاسْتِئْنَافُ أَحَبُّ إِلَيَّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ إِبْرَاهِيمَ: نَأْخُذُ ذَلِكَ يُجْزِءُ، فَإِنْ تَكَلَّمَ وَاسْتَقْبَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسا کرنا صحیح ہے البتہ از سرنو نماز پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، بنا کرنا جائز ہے لیکن اگر اس نے بات کر لی اور از سرنو نماز پڑھی تو زیادہ بہتر ہے اور یہی بات امام بوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

استیناف افضل ہے:

اگر نماز کے دوران غیر اختیاری طور پر حدث لاحق ہو جائے تو وہ نیا وضو کرے، پھر احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں استیناف افضل ہے اور بناء جائز ہے، استیناف یہ ہے کہ نماز نئے سرے سے پڑھے اور بناء یہ ہے کہ جہاں تک نماز پڑھی ہے اسے آگے مکمل کرے۔

144 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَرْعُفُ فِي الصَّلَاةِ أَوْ يُحْدِثُ. قَالَ: يَخْرُجُ وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا أَنْ يَذْكُرَ اللهَ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى مَكَانِهِ، فَيَقْضِي مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ صَلَاتِهِ، وَيَعْتَدُّ بِمَا صَلَّى فَإِنْ كَانَ تَكَلَّمَ اسْتَقْبَلَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ الْكَلَامَ وَالِاسْتِقْبَالُ أَفْضَلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جس کی نکسیر نماز میں پھوٹ جائے یا وضو جاتا رہے، فرمایا: وہ بات نہ کرے الا یہ کہ ذکر کرے، اور جا کر وضوء کر کے اپنی جگہ واپس آجائے اور باقی ماندہ نماز کو پورا کرے، اور جتنی پہلے پڑھ لی وہ ہوگئی، لیکن اگر بات کر لی تو از سرنو نماز پڑھنا ہوگی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ بات کر کے از سرنو نماز پڑھنا افضل ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى مَكَانِهِ، فَيَقْضِي مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ صَلَاتِهِ: ہمارے ہاں بناء کا جواز تو ہے، لیکن نمازی کے لیے از سرنو نماز پڑھنا افضل ہے، تاکہ وہ اختلاف کے شبہے سے بچ جائے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ منفرد کے لیے از سرنو نماز پڑھنا افضل ہے اور امام ومقتدی کے لیے بنا کرنا افضل ہے، کیوں کہ منفرد کے سامنے جماعت کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا جب کہ امام ومقتدی کے لیے جماعت کی فضیلت کو بچانے کا مسئلہ ہوتا ہے، اس لیے ان کے لیے بنا کرنا افضل ہے۔

بناء کی شرائط:

① - جب وضو کرنے جائے تو اس کو کوئی اپنی فوت شدہ نماز یاد نہ آجائے بشرطیکہ وہ پہلے سے صاحب ترتیب ہو۔

② - خارج سے کوئی مزید نجاست نہ لگ جائے، جو مانع صلوٰۃ ہو۔

③ - یہ حدث سماوی ہو اگر اختیاری ہو تو بناء نہیں کر سکے گا۔

④ - یہ حدث موجب وضو ہو موجب غسل نہ ہو۔

۵-اس حدث میں کسی کام کاج کی ادائیگی نہ ہو۔اگر حدث کی حالت میں کوئی رکن ادا کرلیا تو اب بناء نہیں کر سکے گا۔

۶-وہ حدث نادر الوقوع نہ ہو مثلاً بے ہوش ہو جانا، کھلکھلا کر ہنسنا وغیرہ۔

۷-آنے جانے کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کرے مثلاً قیام میں تھا واپسی پر قراءت کرتا ہوا آئے تو اب بناء صحیح نہیں ہوئی۔

۸-بلا عذر تاخیر نہ کرے۔فوراً واپس آجائے۔

۹-اس دوران کسی خلاف نماز کا ارتکاب نہ کرے۔

۱۰-حدث سابق کا ظہور نہ ہو گیا ہو مثلاً اس شخص نے موزے پر مسح کرنا شروع کیا تھا اسی دوران اس کے مسح کی مدت ختم ہوگئی۔

11-مقتدی اپنی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ جا کر نماز پوری کرے۔

12-امام تھا حدث ہو گیا اس نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جو لائق امامت نہیں تھا مثلاً نابالغ لڑکے کو یا عورت کو تو اس صورت میں بھی بناء نہیں کر سکے گا کیونکہ اس صورت میں تو سب ہی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

13-اس دوران ایسا کام نہ کرے جس سے نماز میں تاخیر ہوتی ہو مثلاً قریب میں پانی تھا یہ دور چلا جائے۔(بحر الرائق:368/1)

یہ باب اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ از سر نو نماز ادا کرے جبکہ ان تیرہ شرائط کے مطابق عمل کرنا بہت مشکل ہے،اس لئے اسانی اسی میں ہے کہ آدمی استیناف کرے۔

بَابُ مَا يُعَادُ مِنَ الصَّلَاةِ وَمَا يُكْرَهُ مِنْهَا

نماز کے اعادہ اور مکروہات کا باب!

145 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ فَنَهَانِي عَنْهَا، وَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَمْ يُصَلُّوهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ فَلَا صَلَاةَ عَلَى جَنَازَةٍ وَلَا غَيْرِهَا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مغرب سے قبل نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے اس سے روک دیا اور فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہیں پڑھی۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔جب سورج ڈوب جائے تو مغرب کی نماز سے قبل نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ اور کوئی نماز یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنا:

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل ہے یا نہیں۔اس میں **دو مذہب** ہیں۔

❁ **پہلا مذہب**: خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ وتابعین امام مالک، امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر ابراہیم نخعی، سعید بن المسیب وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دو رکعت نماز مکروہ ہے۔

❁ **دوسرا مذہب**: انس بن مالک، عبد الرحمن بن عوف، ابوایوب انصاری، ابودرداء، جابر بن عبد اللہ، امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابن ابی لیلی وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے۔

پہلے مذہب والوں کی **دلیل** درج ذیل احادیث ہیں: "حدیث عبد اللہ بن عمر، ما رأیت احدا علی عہد رسول اللہ ﷺ یصیلہا و رخص فی الرکعتین بعد العصر"۔(سنن ابي داود/كتاب التطوع/حديث: 1284) ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ نماز پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا، البتہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی رخصت دی۔

"حدیث بریدہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان عند کل اذا نین رکعتین ما خلا الغرب" کہ آپ ﷺ ہر دو اذان (یعنی اذان اور اقامت) کے درمیان دو رکعت پڑھتے تھے سوائے مغرب کے۔

"حدیث ابو ایوب انصاری قال رسول اللہ ﷺ لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ، أَوْ قَالَ: عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُومُ "(سنن ابي داود/كتاب الصلاة/حديث:418)، میری امت ہمیشہ بھلائی یا فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے گی کہ ستارے چمکنے لگ جائیں"۔

دوسرے مذہب والوں کی **دلیل** درج ذیل احادیث ہیں: "انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ (عہد رسالت میں) جب مؤذن اذان دیتا تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ ستونوں کی طرف لپکتے۔ جب نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لاتے تو لوگ اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے ملتے۔ یہ جماعت مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں تھیں۔ اور (مغرب میں) اذان اور تکبیر میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اور عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے اس (حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ) اذان اور تکبیر میں بہت تھوڑا سا فاصلہ ہوتا تھا"۔(صحيح البخاري/كتاب الأذان/حديث:625)

حدیث عبد اللہ بن مغفل مزنی، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً "، ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مغرب کے فرض سے پہلے (سنت کی دو رکعتیں) پڑھا کرو۔ تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ جس کا جی چاہے کیونکہ آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ اسے لازمی سمجھ بیٹھیں۔ (صحيح البخاري/كتاب التهجد/حديث:1183)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔

جمہور جواب دیتے ہیں کہ یہ دو رکعت بظاہر شروع اسلام میں تھی کہ صحابہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھ لیا کرتے تھے مگر

بعد میں یہ عمل چھوٹ گیا گویا کہ یہ بات منسوخ ہوگئی نیز اس سے مغرب کی نماز میں تاخیر ہوتی ہے جو کسی بھی امام کے نزدیک صحیح نہیں۔

146 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا كَانَ الدَّمُ قَدْرَ الدِّرْهَمِ وَالْبَوْلُ وَغَيْرُهُ، فَأَعِدْ صَلَاتَكَ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ من ذلك الدِّرْهَمِ، فَامْضِ عَلَى صَلَاتِكَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: تجْزِئُهُ صَلَاتُهُ حَتَّى يَكُونَ ذَلِكَ أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ الْكَبِيرِ الْمِثْقَالِ فَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَمْ تُجْزِئْهُ صَلَاتُهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خون یا پیشاب وغیرہ اگر ایک درہم کی مقدار ہو تو نماز کا اعادہ کرو اور اگر وہ ایک درھم سے کم ہو تو نماز ہوگئی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب بڑے درہم مثقال سے زیادہ نجاست نہ ہو تو نماز ہو جائے گی، اگر اتنی ہوگئی تو نماز نہیں ہوگی، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نمازی کے کپڑوں پر لگی کتنی نجاست معاف ہے؟

درہم یا اس سے کم مقدار میں نجاست لگی ہو تو وہ معاف ہے، درہم کے اعتبار میں صحیح یہ ہے کہ جسم دار اور گاڑھی نجاست میں وزن کا اعتبار ہے، جیسے پاخانہ، لید اور گوبر وغیرہ، اور وہ وزن ساڑھے چار ماشے بنتے ہیں، پتلی اور غیر جسم دار نجاست جیسے خون اور پیشاب میں ناپ اور پھیلاؤ کا اعتبار ہے اور وہ بقدر ہتھیلی ہے۔

قدرے درہم معاف ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر نجاست قدر درہم ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس سے کم ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اگر نماز کے دوران نجاست کا پتہ چل گیا تو اگر قدر درہم ہو تو نماز توڑنا اور نجاست دھونا ضروری ہے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔ اور اگر درہم سے کم ہو تو نماز توڑنا اور نجاست دھونا مستحب ہے، بشرطیکہ جماعت فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو اگر خطرہ ہو تو اسی طرح پڑھ لے کیوں کہ جماعت سنت ہے اور اس نجاست کا ازالہ مستحب ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قدر درہم نجاست کا دھونا واجب ہے، اس کے ساتھ پڑھی گئی نماز واجب الاعادہ ہے اور اس کا نہ دھونا مکروہ تحریمی ہے۔

147 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْأَقْمَرِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ فَعَطَفَهُ عَلَيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، يُكْرَهُ السَّدْلُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْقَمِيصِ وَعَلَى غَيْرِهِ؛ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ فِعْلَ أَهْلِ الْكِتَابِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت علی بن الاقمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس نے نماز میں کپڑا لٹکایا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس پر لپیٹ دیا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو پسند کرتے ہیں، نماز میں کرتے وغیرہ پر کپڑا لٹکانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے اہل کتاب کے فعل کی مشابہت ہوتی ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: عَطَفَ: موڑنا۔

سدل کا حکم:

نمازی کے لیے اپنے کپڑے کو لٹکانا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ یہ بھی متکبرین کا طریقہ ہے اور شاہان عجم ایسا کرنے کو اپنے لیے باعث فخر اور ذریعہ کبر خیال کرتے تھے، اسی لیے صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سدل کی صورت یہ ہے کہ مصلی اپنے کپڑے کو اپنے سر اور کندھوں پر ڈال لے اور اپنے کندھوں کے دونوں کنارے سے یا بازوؤں کے نیچے اس کپڑے کو چھوڑ دے، تا کہ وہ لٹکتا اور گھسٹتا رہے، اور پھر یہ طریقہ چوں کہ خشوع اور خضوع کے بھی منافی ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی مکروہ ہے۔

148 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: لَا صَلَاةَ بَعْدَ صلاة الْغَدَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تغيب الشمس، وَلَا يُصَامُ هَذَانِ الْيَوْمَانِ: الْفِطْرُ وَالْأَضْحَى، وَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَ لَا يَنْبَغِي لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا مَعَ زَوْجِهَا أَوْ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ مِنْهَا. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس تک کوئی نفل جائز نہیں، اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب شمس تک کوئی نفل جائز نہیں اور ان دونوں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں روزہ نہیں رکھا جائے گا، اور تین مسجدوں کے علاوہ کسی کے لئے سفر نہیں کیا جائے گا، مسجد حرام، میری مسجد مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں، کسی عورت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ بغیر شوہر یا محرم کے سفر کرے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں درجہ ذیل **چار مسائل** بیان کئے گئے ہیں

پہلا مسئلہ: فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنا:

لَا صَلَاةَ بَعْدَ صلاة الْغَدَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ: اس میں **تین مذہب** ہیں۔

❁ **پہلا مذہب:** ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرائض اور ایسے نوافل جو ذوات الاسباب ہیں یعنی ایسے نوافل جن کا سبب کسی انسان کے اپنے اختیار سے ہو ان کو فجر اور عصر کے بعد پڑھنا ناجائز ہے۔ اور ایسے نوافل جو کسی سبب کے بغیر ہوتے ہیں وہ ان دونوں اوقات میں مکروہ ہیں۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم کے نوافل جائز ہیں۔

❁ **دوسرا مذہب:** امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد، امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ فجر اور عصر کے بعد فرائض تو جائز ہیں البتہ ہر قسم کے نوافل خواہ وہ ذوات الاسباب ہوں یا غیر ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں۔

❁ **تیسرا مذہب:** امام احمد، اسحاق رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرائض تو جائز ہیں ایسے وقتوں میں مگر نوافل منع ہے مگر طواف کی دو رکعت اس وقت میں بھی جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ: عیدین اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا:

وَلَا يُصَامُ هَذَانِ الْيَوْمَانِ: الْفِطْرُ وَالْأَضْحَى: عیدین اور ایام التشریق میں روزے رکھنے کے بارے میں **مذاہب:**

❁ **پہلا مذہب:** امام ابو اسحاق مروزی، امام شافعی، ابن المنذر، ابوطلحہ، زبیر بن العوام وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے ان کے نزدیک ان دنوں میں روزہ مطلقاً جائز ہے۔

❁ **دوسرا مذہب:** حضرت علی، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد، صحیح مذہب امام شافعی، حسن بصری، لیث بن سعد، عطاء، وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے ان کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے۔

❁ **تیسرا مذہب:** وہ حاجی جو متمتع ہو اور اس کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو اس نے ایام تشریق سے پہلے تین روزے بھی نہ رکھے ہوں تو اب ابن عمر، عائشہ، امام حارث، اسحاق بن راہویہ، امام احمد، اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس کے لئے ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ: روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا:

وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی کے علاوہ دنیا کی تمام مساجد فضیلت کے اعتبار سے برابر ہیں، لہذا حصول اجر و ثواب کی خاطر ان مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے رخت سفر نہ باندھا جائے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کے لیے سفر درست ہے؟ اس میں یہ تفصیل ہے اگر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کیا، پھر ضمناً روضہ اطہر کی زیارت کر لی تو بالاتفاق درست ہے، لیکن قصداً روضہ کی زیارت کی نیت سے سفر جائز ہے یا نہیں؟

جمہور کے ہاں نہ صرف جائز، بلکہ مستحب اور افضل عمل ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہاں استثناء مفرغ ہے اور مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اصل عبارت ہے: "لاتشد الرحال الی شیء الا الی ثلاثۃ" اس لیے تین مساجد کے علاوہ کسی چیز کی طرف حصولِ اجر و ثواب کی نیت سے سفر جائز نہیں، شیء میں روضہ نبوی بھی شامل ہے۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل** یہ روایت ہے: "من زار قبری وجبت لہ شفاعتی" یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے

لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

دوسرا پوری امت کا تعامل رہا ہے کہ تمام مسلمان روضہ اقدس پر حاضری دیتے رہتے ہیں۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہم علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیث الباب سے استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ اصول یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے، مستثنیٰ چونکہ مساجد ہیں تو مستثنیٰ منہ بھی مسجد ہوگا، اب اصل عبارت ہے: "لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثة" اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ شیٔ یا مکان نکالا جائے تو اس کا مقتضی یہ ہوگا کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی شیٔ کی طرف سفر جائز نہ ہو، حالاں کہ سفر تجارت، سفر جہاد، سفر طلب علم بالاتفاق جائز ہے۔

چوتھا مسئلہ: عورت کا بغیر محرم سفر کرنا:

لَا يَنْبَغِي لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُسَافِرَ: اسلام نے عورت کو گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے ضرورت کی بناء پر گھر سے نکل سکتی ہے، بلا محرم سفر کرنے میں فتنہ کا قوی احتمال ہوتا ہے، اس لیے بغیر محرم کے عورت پر حج بھی فرض نہیں ہوتا، مسافت شرعی کے مقام پر عورت بلا محرم نہیں جائے گی، اگر محرم کے بغیر سفر کرے گی تو گناہ گار ہوگی، محرم سے مراد شوہر، باپ، بھائی یا ہر وہ شخص ہے جس کے لیے یہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

149 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُفَرْقِعَ أَصَابِعَهُ فِي الصَّلَاةِ أَوْ يُلْقِيَ رِدَاءَهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ، أَوْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ، أَوْ يَدْفِنَ كِبَارَ الْحَصَى أَوْ يُقْعِيَ عَلَى عَقِبَيْهِ أَوْ يَعْبَثَ بِلِحْيَتِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، لِأَنَّهُ عَبَثٌ فِي الصَّلَاةِ يُشْغِلُ عَنْهَا. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، کہ: انہوں نے نماز میں انگلیاں چٹخانے کاندھوں پر چادر لٹکانے، کوکھ پر ہاتھ رکھنے، بڑے کنکریوں کو دفن کرنے، ایڑھیوں پر بیٹھنے سے اور ڈاڑھی سے کھیلنے سے منع کیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اس لئے کہ یہ بے فائدہ کام اور نماز میں کھیلنا ہے جو نماز سے غافل کر دیتا ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: يُفَرْقِعُ: انگلیاں چٹخانا، خاصرته: اپنے پہلو پر ہاتھ رکھنا۔

مکروہاتِ نماز:

کروہاتِ نماز کی دو قسمیں ہیں اوّل مکروہِ تحریمی، یہ واجب کے بالمقابل ہے اور حرام کے قریب ہے۔

دوم: مکروہِ تنزیہی، یہ سنت اور مستحب و اولیٰ کے بالمقابل ہے پس مکروہات کا علم واجبات و سنن و مستحبات کے علم سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ اس اثر میں نماز کے چھ مکروہات بیان فرمائے ہیں:

① - انگلیاں چٹخانا، یہ عبث عمل ہے۔

②- کندھوں پر چادر لٹکانا، یہ سدل کی صورت ہے۔

③- کوکھ اور پہلو پر ہاتھ رکھنا: اس کے مکروہ ہونے کی متعدد وجوہ ہیں: یہ یہودیوں کا عمل ہے اس لئے اس سے بچنے کو شریعت نے فرمایا۔ جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے "عَنْ عائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْها: كَانَتْ تَكْرَهُ أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ فِي خَاصِرَتِهِ، وَتَقُولُ: إِنَّ الْيَهُودَ تَفْعَلُهُ " (صحيح البخاري /كتاب أحاديث الأنبياء /حديث: 3458)، ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کوکھ پر ہاتھ رکھنے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اس طرح یہود کرتے ہیں۔

دنیا میں جب ابلیس شیطان کو بھیجا گیا تو اس کی حالت یہی تھی اس لئے اس سے ممانعت ہے۔ متکبرین کی علامت ہے۔ مصیبت زدہ کی علامت ہے۔

④- نماز کے دوران بڑی بڑی کنکریاں اٹھانا یا دفن کرنا: نمازی کے لیے نماز میں کنکریوں کو ہٹانا یا اس طرح کی دوسری چیزوں کو الٹ پلٹ کرنا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ یہ بھی ایک طرح کا عبث ہے اور عبث مکروہ ہے، لہذا یہ بھی مکروہ ہوگا۔ ہاں اگر موضع سجود میں کنکریاں پتھر وغیرہ ہو اور اسے ہٹائے بغیر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں اسے ایک مرتبہ ہٹایا جا سکتا ہے، ایک مرتبہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؟۔

⑤- اقعاء، ایڑھیوں کے بل بیٹھنا: نمازی کو نماز میں تشہد وغیرہ کے دوران وہی طریقہ اور سلیقہ اختیار کرنا چاہیے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اور ان تمام صورتوں سے احتراز اور احتیاط کرنا چاہیے جن میں دوسروں کی مشابہت ہے یا جن سے ممانعت وارد ہے، چناں چہ نمازی کو تشہد وغیرہ میں اقعاء کر کے یعنی جس طرح کتے بیٹھتے ہیں، اس طرح نہیں بیٹھنا چاہیے اور نہ ہی سجدے کے دوران اپنے دونوں بازوؤں کو بچھانا چاہیے، کیوں کہ ان کا کھڑا رکھنا مسنون ہے ہاں اگر عذر ہو تو جائز ہے۔

⑥- داڑھی اور کپڑوں سے کھیلنا، یہ خشوع وخضوع کے خلاف ہے۔ لہذا نمازی کے لیے نماز کے دوران اپنے کپڑے اور داڑھی سے کھیلنا یا اپنے جسم سے کھیلنا یا اور بھی کسی طرح کے عبث میں مشغول ہونا مکروہ ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالی تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، ان میں سے ①- تو بحالت صوم بے ہودہ گوئی ہے ②- دوسری چیز قبرستان میں ہنسنا ہے۔ ③- اور تیسری چیز "العبث فی الصلاۃ" یعنی نماز میں کھیلنا ہے۔

150 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ يُكْرَهُ السَّدْلُ فِي الصَّلَاةِ لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نماز میں کپڑا لٹکانا منع ہے، یہود سے مشابہت اختیار مت کرو۔

151- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَلَّى

بِأَصْحَابِهِ الْمَغْرِبَ، فَلَمْ يَقْرَأْ فِي شَيْءٍ مِنْهَا حَتَّى انْصَرَفَ، فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقْرَأَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: أَوَ مَا فَعَلْتُ إِنِّي جَهَّزْتُ عِيرًا الْعَشِيَّةَ إِلَى الشَّامِ، فَلَمْ أَزَلْ أَرْحَلُهَا مَنْقَلَةً مَنْقَلَةً حَتَّى وَرَدَتِ الشَّامَ. فَأَعَادَ وَأَعَادَ أَصْحَابُهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور کسی رکعت میں قراءت نہیں کی، جب فارغ ہوئے تو ان کے ساتھیوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ کو قراءت سے کس چیز نے روک دیا؟ انہوں نے فرمایا کہ: کیا میں نے قراءت نہیں کی؟ میں نے ملک شام کی طرف شام کو لشکر تیار کیا تھا، میں اسے منزل بمنزل روانہ کرتا رہا، یہاں تک کہ شام پہنچ گیا، چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز لوٹائی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: جَهَّزْتُ: تیار کرنا، عِيرًا جمعہ عیرات: لشکر، مَنْقَلَةً: نقل کرنے کی جگہ مراد منزل اور مرحلہ ہے۔

کتنی رکعات میں قراءت فرض ہے؟

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز میں قرآت کرنا رکن اور فرض ہے پھر آگے تفصیل ہے

- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام رکعتوں میں قرآت فرض ہے،
- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین رکعات میں فرض ہے۔
- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک شروع کی صرف دو رکعات میں قرآت فرض ہے۔ (معارف السنن ج ۳، ص: ۱۴۷)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک آخر کی دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے سورہ فاتحہ کی قرآت کرے یا تین تسبیحات کی مقدار خاموش کھڑا رہے یا تین تسبیح پڑھے مگر اخیرین میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرنا افضل ہے، جیسا کہ معارف السنن ج: ۳ ص: ۱۴۷ پر لکھا ہے۔

قراءت کی کم از کم مقدار:

- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآت کی کم سے کم مقدار ایک آیت ہے جس سے نماز ہو جائے گی خواہ آیت چھوٹی ہو یا بڑی۔

دلیل: ﴿فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ اس میں آیت اور مافوق الآیت کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

(عنایہ ج: اص: ۲۹۰)

- صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت قرآت کی کم سے کم مقدار ہے۔

دلیل: ایک آیت اگرچہ حقیقتاً قرآن ہے مگر عرف میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پر قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے اس کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ (عنایہ ج: اص: ۲۹۰)

152 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي غَادِيَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَضْرِبُ النَّاسَ عَلَى الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. لَا نَرَى أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَ الْعَصْرِ تَطَوُّعًا عَلَى حَالٍ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابوغادیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنے والے کو مارا کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، عصر کے بعد نفل کو مطلقاً جائز قرار نہیں دیتے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عصر کے بعد نفل پڑھنا:

عصر کے بعد نفل پڑھنے کے بارے میں دو مذہب ہیں:

- ① - امام ابوحنیفہ امام مالک ایک روایت امام احمد، محمد بن سیرین، سفیان ثوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عصر کے بعد نفل پڑھنا (امت کے لئے) مکروہ تحریمی ہے۔
- ② - امام شافعی اور ایک روایت امام احمد، اسود بن یزید وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دو رکعت عصر کے بعد مغرب سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔

پہلے مذہب والوں کی دلیل یہ حدیث ہے: "حدیث ابی سعید الخدری قال رسول اللہ ﷺ لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس"۔ (بخاری)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز سورج کے بلند ہونے تک نہ پڑھی جائے، اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

دوسرے مذہب والوں کی دلیل یہ احادیث ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت: ترجمہ: بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر سے پہلے دو رکعتیں اور عصر کے بعد دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔ (صحیح البخاری:)

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا ترجمہ: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اے ابو امیہ کی بیٹی! عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق تم نے سوال کیا ہے، وجہ یہ ہوئی تھی کہ قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ میرے یہاں اپنی قوم کا اسلام لے کر آئے تھے اور ان کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں میں نہیں پڑھ سکا تھا یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔ (صحیح البخاري)

دوسرے مذہب والوں کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دو رکعت پڑھی یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے کہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا میں آتا ہے: انها حدثته ان النبی ﷺ کان یصلی بعد العصر وینهی عنها، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھتے تو اس کو مارتے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تعارض ہے بعض میں تو اثبات ہے مگر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں نفی

ہے۔ فاذا تعارضا تساقطا۔

153 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ وَأَنْتَ لَا تَنْوِي صَلَاتَهُمْ لم تُجْزِئكَ وَإِنْ نَوَى الْإِمَامُ صلاة وَنَوَى الَّذِينَ خَلْفَهُ غَيْرَهَا أَجْزَأَتْ للإمام وَلَم تُجْزِئْهُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب تم جماعت میں شریک ہو اور اس نماز کی نیت نہ کرو جس کی انہوں نے نیت کی ہے تو تمہاری نماز نہیں ہوگی، اور اگر امام نے کسی ایک نماز کی نیت کی ہو اور مقتدیوں نے دوسری نماز کی تو امام کی نماز ہو جائے گی، لوگوں کی نماز نہ ہوگی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام اور مقتدی کی نیت کا بیان:

أَنْتَ لَا تَنْوِي صَلَاتَهُمْ لم تُجْزِئكَ: اور تم اس نماز کی نیت نہ کرو جس کی انہوں نے نیت کی ہے۔

مقتدی کو تین قسم کی نیت کرنی ہوتی ہے:

① - اصل نماز کی نیت۔ ② - نیت کا تعین۔ ③ - اقتداء اور اتباع امام کی نیت۔

امام کے لئے دو نیت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے:

① - امام کی اقتداء کی نیت۔ ② - نماز کی نیت، امام کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

ہاں مقتدی کے لئے نیت کرنا تمام ہی علماء کے نزدیک فرض ہے اس لئے اس کے بغیر یا اس کے غلط ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہوگی۔ (قلائد الازھار: 285/2)

اسی طرح تعین نیت بھی فرض ہے۔ یہ کہ میں عصر کی نماز یا مغرب کی نماز پڑھ رہا ہوں۔

مقتدی اقتداء کی نیت بھی کرے ورنہ مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع: 128/1)

مگر مقتدی کی دوسری نیت کرنے سے امام کی نیت پر فرق نہیں پڑے گا۔ امام کی نماز تو صحیح ہو جائے گی۔

154 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: مَا يَسُرُّنِي صَلَاةُ الرَّجُلِ حِينَ تَحْمَرُّ الشَّمْسُ بِفَلْسَيْنِ قَالَ مُحَمَّدٌ: تُكْرَهُ الصَّلَاةُ تِلْكَ السَّاعَةَ، إِلَّا أَنْ تَفُوتَهُ الْعَصْرُ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ، فَيُصَلِّيهَا تِلْكَ السَّاعَةَ. فَأَمَّا غَيْرُهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَالتَّطَوُّعِ فَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَفْعَلَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: سورج میں سرخی آجانے کے بعد مجھے کسی کی نماز (نفل) دو پیسے کے برابر بھی خوش نہیں کرتی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، الا یہ کہ اس دن کی عصر کی نماز فوت ہوگئی ہو تو اسے اس وقت پڑھ

سکتا ہے، اس کے علاوہ فرض یا نفل نمازیں اس وقت نہیں پڑھنا چاہئیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

مَا يَسُرُّنِي صَلَاةُ الرَّجُلِ حِينَ تَحْمَرُّ الشَّمْسُ بِفَلْسَيْنِ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام نخعی، سفیان ثوری، احناف وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر مستحب تو ہے۔ مگر اتنی تاخیر نہ ہو کہ سورج میں سرخی آ جائے۔ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

إِلَّا أَنْ تَفُوتَهُ الْعَصْرُ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ.. الخ: کہ اس دن کی عصر کی نماز فوت ہو جائے تو اس کو اس وقت پڑھ سکتے ہیں کہ کسی نے عصر کی اتنی تاخیر کی یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آئے اور سورج میں سرخی پیدا ہونے لگی۔ تو اس صورت میں اس دن کی عصر کی نماز تو پڑھی جاسکتی ہے اس کے علاوہ کسی اور قسم کی کوئی نماز یہاں تک کہ کسی دوسرے دن کی ظہر یا عصر وغیرہ کی نماز قضاء نہیں کر سکتے۔

صرف اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت جائز ہے باقی نمازیں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عصر کی نماز واجب ہوئی تھی اسی طرح ادا کی گئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ وجوب نماز کا سبب اس کے اوقات ہیں مگر یہ سب پورا وقت نہیں ہوتا۔ ورنہ وقت کے گزرنے کے بعد نماز ادا کی جائے۔ (عنایہ شرح ہدایہ عینی شرح ہدایہ، برابراق ۱/۲۵۰ جواہر انتی ۱/۱۳۷۸)

155 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا كَانَ الدَّمُ فِي جَسَدِكَ، أَوْ فِي ثَوْبِكَ قَدْرَ الدِّرْهَمِ فَأَعِدْ صَلَاتَكَ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ، فَامْضِ عَلَى صَلَاتِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: الدَّمُ فِي الثَّوْبِ وَالْجَسَدِ سَوَاءٌ إِذَا كَانَ أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ الْكَبِيرِ الْمِثْقَالِ، فَأَعِدِ الصَّلَاةَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر آپ کے جسم یا کپڑوں میں درہم کے برابر خون لگا ہو تو نماز کا اعادہ کریں اور اگر اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خون کپڑے میں لگا ہو یا جسم پر اگر وہ مثقال کے برابر بڑے درہم سے زائد ہو تو تم اپنی نماز لوٹاؤ، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

إِذَا كَانَ الدَّمُ فِي جَسَدِكَ، أَوْ فِي ثَوْبِكَ: اس اثر میں نجاست غلیظہ کی مقدار بتائی جا رہی ہے فقہاء کرام کے دو مذہب ہیں

- **پہلا مذہب**: امام شافعی، زفر رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کا ہے بالکل بھی معاف نہیں۔
- **دوسرا مذہب**: امام حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی امام ابوحنیفہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہما کا یہ ہے کہ یہ ایک درہم مقدار معاف ہے۔

156 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ أَبِي النَّجُودِ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَخَذَ قَمْلَةً فِي الصَّلَاةِ فَدَفَنَهَا ثُمَّ قَالَ: ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا﴾

[المرسلات:٢٦] قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى بِقَتْلِ الْقَمْلَةِ وَدَفْنِهَا فِي الصَّلَاةِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابورزین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز میں ایک کھٹمل کو پکڑ کر زمین میں دبا دیا، پھر فرمایا: ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا﴾ (کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کہ نماز میں کھٹمل کو مارنے اور مٹی میں دبانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ،یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: القملة جمعه القمل: جوں، کفاتا: اپنے ساتھ ملانا، سمیٹنا۔

نماز میں کھٹمل، مچھر وغیرہ کو مارنا:

اصول اور ضابطہ ہے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اگر عمل کثیر نہ ہو تو نماز ہو جائے گی، عمل کثیر کی تعریف بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ جو دونوں ہاتھوں سے کیا جائے، بعض نے کہا ہے وہ کام جس کے کرنے والے کو دیکھنے والا نماز میں نہ سمجھے، اگر کوئی کام مثلاً کھجانا یا بال توڑنا مثلاً تین مرتبہ مسلسل کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی ایک دو مرتبہ سے کچھ نہ ہوگا، لیکن اگر دو مرتبہ کرنے کے بعد کچھ دیر رکا پھر ایک دو مرتبہ کر لیا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی تین مرتبہ اگر مسلسل بغیر وقفہ کے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

اگر نماز کے دوران کوئی موذی جانور (مچھر، کھٹمل وغیرہ) آجائے اور اس کے ایذا پہنچانے کا خوف ہو، تو عمل کثیر کے بغیر اگر اس کو مار سکے تو مار دے، اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، اور اگر عمل کثیر کے بغیر نہ مار سکے، تو نماز توڑ کر مار دے۔

(الدر المختار مع رد المحتار: مطلب الکلام علی اتخاذ المسجد، 1/651)

157 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الرَّجُلِ يَذْبَحُ الشَّاةَ وَهُوَ عَلَى وُضُوءٍ، فَيُصِيبُ يَدَهُ الدَّمُ. قَالَ: يَغْسِلُ مَا أَصَابَهُ، وَلَا يُعِيدُ الْوُضُوءَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو باوضوء ہو اور دنبہ کو ذبح کرے اور اس کے ہاتھ میں خون لگ جائے تو کیا کرے؟ فرمایا: جہاں خون لگا ہو اسے دھو لے، وضو کا اعادہ نہیں کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نمازی کے ہاتھ پر اگر مذبوحہ جانور کا خون لگ جائے؟

يَغْسِلُ مَا أَصَابَهُ، وَلَا يُعِيدُ الْوُضُوءَ: اس خون کو دھولے اور دوبارہ وضو نہ کرے۔

شرح قلائد الازھار میں ہے کہ وضو کا اعادہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ ہاتھ وغیرہ میں خون کا لگ جانا یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ اس کو دھو کر نماز ادا کرے تو نماز ہو جائے گی۔

اگر اس نے اس دنبہ کے خون کو دھویا نہیں اور اسی حال میں نماز پڑھ لی تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ خون ایک درہم سے زائد تھا اور وہ اس کے دھونے پر قادر بھی تھا تو اب نماز کا اعادہ کرے گا اور اگر اس کے دھونے پر یہ قادر نہیں تھا تو اب نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔

اور اگر ایک درہم سے کم خون تھا اور اس حال میں نماز پڑھ لی تو اب احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس میں دو قول ہیں

① - ایک قول کے مطابق نماز کا اعادہ واجب ہے۔

② - اور دوسرے قول کے مطابق اس نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ (قلائد الازھار:293/2)

نوٹ: بعض نسخوں میں "علی غیر وضوء" ہے جو صحیح نہیں ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ فِي الصَّلَاةِ

جو شخص نماز میں تری دیکھے اس کا بیان!

158- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ فِي طَرَفِ ذَكَرِهِ، وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: يَضَعُ كَفَّيْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَالْحَصَى، فَيَمْسَحُ وَجْهَهُ وَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يُصَلِّي، قَالَ حَمَّادٌ: فَقُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: فَكَيْفَ تَفْعَلُ أَنْتَ؟ قَالَ: إِذَا وَجَدْتُ ذَلِكَ فَإِنِّي أُعِيدُ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ، وَهُوَ أَوْثَقُ فِي نَفْسِي۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا نَحْنُ فَنَرَى أَنْ يَمْضِيَ عَلَى صَلَاتِهِ، وَلَا يُعِيدُ، وَلَا يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ، وَلَا يَمْسَحُ بِوَجْهِهِ وَلَا يَدَيْهِ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ أَنَّ ذَلِكَ خَرَجَ مِنْهُ بَعْدَ الْوُضُوءِ، فَإِذَا اسْتَيْقَنَ ذَلِكَ أَعَادَ الْوُضُوءَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس شخص کے بارے میں جو نماز میں اپنی شرم گاہ کے کنارے پر تری محسوس کرے یہ فرمایا وہ اپنے دونوں ہاتھ مٹی و کنکروں پر مارے اور پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ ایسی صورت میں کیا کریں گے؟ فرمایا اگر میں ایسا محسوس کروں گا تو نماز کا اعادہ کرلوں گا۔ یہی میرے خیال میں زیادہ قابل اطمینان ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص نماز پڑھتا رہے۔ اس وقت تک اعادہ نہ کرے نہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر پھیرے جب تک اسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس سے یہ تری وضو کے بعد نکلی ہے۔ اگر یہ یقین ہو جائے تو وضو کا اعادہ کرے گا۔ یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

نماز میں مذی نکلنے کا حکم:

اگر نماز میں مذی نکل آئے تو اس میں دو مذہب ہیں:

- امام مالک، وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز میں مذی نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (زرقانی شرح مؤطا امام مالک:78/1)

❁ جمہور فقہاء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

يَجِدُ الْبَلَلَ فِي طَرَفِ ذَكَرِهِ، وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ: نماز میں اپنے ذکر کے کنارے پر تیری محسوس کرے۔ مراد یہ ہے کہ وہ صرف محسوس کر رہا ہے حقیقتاً کوئی چیز نہیں نکلی اگر نکل آئی تو ناقض وضو ہو جائے گا مراد یہاں پر صرف یہ ہے کہ وہ صرف محسوس کر رہا ہے اور حقیقتاً کوئی چیز نکلی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس باب میں اس کو لائے ہیں۔

يَضَعُ كَفَّيْهِ عَلَى الْأَرْضِ: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ جائے بلکہ تیمم کر کے نماز کو ادا کرتے ہیں ظاہراً یہی اس اثر سے مفہوم ہے۔ مگر دوسری احادیث پر غور کرنے سے یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے تو اب مسجد میں تیمم کرے گا۔ جب کہ مسجد کے باہر پانی پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کے جسم اور کپڑے وغیرہ پر جو نجاست لگی ہے اس کو بھی دھونا ضروری ہوگا۔ صرف تیمم کر کے نماز کیسے ادا کر سکتا ہے؟ اور اگر کوئی چیز جسم سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ تو پھر یہ تیمم کیوں کرتا ہے؟

قَالَ: إِذَا وَجَدْتُ ذَلِكَ فَإِنِّي أُعِيدُ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ: فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وضو اور نماز کا اعادہ کروں گا۔ مذی، پیشاب کا قطرہ، یا نکسیر کا ہونا کیونکہ یہ وضو کو ختم کر دیتا ہے تو جب وضوء باقی نہ رہا تو اب نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر وہ معذور ہے۔ تو پھر اس پر معذور والا حکم لگے گا۔ کہ وقت کے اندر وہ اس عذر کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے۔ اگر عذر والا نہیں تو یہ سب چیزیں اس کے وضو کو ختم کر دیتی ہیں۔ (بحر الرائق: 215/1)

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا نَحْنُ فَنَرَى أَنْ يَمْضِيَ.. الخ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک ایسے شخص کو یقین نہ ہو جائے کہ کوئی چیز نکلی ہے اس وقت تک وہ نماز ادا کرتا رہے کیونکہ فقہاء کا قاعدہ یہ ہے کہ "الیقین لا یزول بالشك" اور اگر حقیقتاً کوئی چیز خارج ہوئی ہو تو پھر وضو کر کے نماز دوبارہ ادا کرے۔ ورنہ اعادہ صلوٰۃ نہ کرے۔

159 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِذَا وَجَدْتَ شَيْئًا مِنَ الْبِلَّةِ، فَانْضَحْهُ، وَمَا يَلِيهِ مِنْ ثَوْبِكَ بِالْمَاءِ، ثُمَّ قُلْ هُوَ مِنَ الْمَاءِ، قَالَ حَمَّادٌ: قَالَ لِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: انْضَحْهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ إِذَا وَجَدْتَهُ، فَقُلْ هُوَ مِنَ الْمَاءِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَ كَثُرَ ذَلِكَ مِنَ الْإِنْسَانِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم کچھ تری پاؤ تو اس کے قریب کے کپڑے پر پانی کا چھینٹا مار دو پھر یہ تصور کر لو کہ یہ تری اس چھینٹے کے پانی کی ہے، حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: پانی کا چھینٹا مار لیا کرو اس کے بعد پھر اگر تری محسوس ہو تو یہ سمجھ لو کہ یہ اس چھینٹے کے پانی کی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں

کہ اگر کسی کو کثرت سے اس طرح کا شک پیدا ہوتا ہو، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الْبِلّة: تری، فَانْضَحه: پانی چھڑکنا۔

نجاست کا شک زائل کرنے کا طریقہ:

وضو کے بعد نماز میں پیشاب کی نالی کے بالکل آخری سرے پر پیشاب کا قطرہ اگر یقینی طور پر ظاہر ہو جائے تو اس سے وضو اور نماز ٹوٹ جائے گی، اگر بالکل آخری سرے پر پیشاب کے قطرے ظاہر نہ ہوں، بلکہ صرف نالی کی اندرونی جانب تر ہو یا محض اس کا وسوسہ آتا ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

اگر یقینی طور پر پیشاب کے قطرے نہ نکلتے ہوں تو پھر ایک مرتبہ اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، وضو کرکے نماز ادا کرلیں، اور شک کے ازالہ کا علاج یہ ہے کہ وضو سے فارغ ہو کر اپنا ہاتھ تر کرکے اپنی رُومالی پر چھینٹے مار لیا کریں، ان شاء اللہ شک سے خلاصی نصیب ہوگی۔

نیز ایسی صورت میں کوشش کریں کہ نماز کے بعد پیشاب کرنے کی عادت بنالیں؛ تاکہ اگر بعد میں کوئی قطرہ وغیرہ نکل بھی جائے تو نماز کے وقت پاکی حاصل کرکے اطمینان سے وضو کرکے نماز پڑھ سکیں۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین: 135/1)

بَابُ الْقَهْقَهَةِ فِي الصَّلَاةِ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا

نماز میں قہقہہ لگانے اور نماز کے مکروہات!

160 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُغَطِّيَ الرَّجُلُ رَأْسَهُ فِي الصَّلَاةِ مَا لَمْ يُغَطِّ فَاهُ، وَيُكْرَهُ أَنْ يُغَطِّيَ فَاهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَنَكْرَهُ أَيْضًا أَنْ يُغَطِّيَ أَنْفَهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز میں آدمی کو چاہیئے کہ سر ڈھک لے مگر منہ کو نہ ڈھکے منہ کو ڈھکنا مکروہ ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح ہم ناک ڈھکنے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: اَنْفَهُ: ناک، انف کل شیء: ہر چیز کی ابتدا۔

تشریح: یہاں دو باتوں کا ذکر ہے

۱- پورے سر کو چھپا کر نماز کا حکم:

پورے سر کو ڈھانپ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اس اثر میں پورے سر کو چھپا کر نماز پڑھنا مراد ہے، ورنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام حالات میں بھی عام طور پر عمامہ پہنا کرتے تھے، بلکہ اکثر سر مبارک پر عمامہ ہوتا تھا، اور عمامہ کے ساتھ نماز کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے،

اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عمامہ یا ٹوپی پہن کر نمازیں پڑھا کرتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سر کو عمامہ یا ٹوپی سے ڈھانپ لیا کرتے تھے۔

٢- منہ اور ناک ڈھانک کر نماز کا حکم:

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عام حالات میں بلا عذر ناک اور منہ کسی کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز میں چہرہ کو ڈھانپا جائے یا ماسک پہنا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہوگی؛ لہٰذا موجودہ وقت میں وائرس سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر احتیاطاً ماسک پہن کر نماز پڑھنے سے نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی، البتہ صرف سردی کی وجہ سے چادر یا مفلر سے منہ ڈھانپ کر نماز ادا کرنا درست نہیں۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (652/1)

161 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَيَتَذَكَّرُ وَهُوَ يُصَلِّي أَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ، قَالَ: صَلَاتُهُ هَذِهِ فَاسِدَةٌ يَبْدَأُ بِالظُّهْرِ ثُمَّ يُصَلِّي الْعَصْرَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، إِنْ خَافَ فَوْتَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِنْ بَدَأَ بِالظُّهْرِ مَضَى عَلَى الْعَصْرِ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جو عصر کی نماز پڑھے اور نماز میں ہی اسے یاد آجائے کہ اس نے تو ابھی تک ظہر کی نماز بھی نہیں پڑھی ہے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی یہ نماز فاسد ہو جائے گی پہلے ظہر پڑھے پھر عصر کی نماز پڑھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس پر عمل کرتے ہیں سوائے ایک صورت کے کہ اگر اسے یہ خوف ہو کہ اگر ظہر پڑھے گا تو عصر کی نماز کا وقت فوت ہو جائے گا ایسی صورت میں اس عصر کو پڑھ لے پھر غروب کے بعد ظہر کی نماز (قضاء) پڑھ لے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عصر کی نماز میں یاد آیا کہ ظہر ذمہ میں باقی ہے:

عصر کی نماز پڑھے اور نماز میں ہی اسے یاد آجائے کہ ابھی تک میرے ذمہ ظہر کی نماز باقی ہے۔ اس بارے میں علماء کے دو مذہب ہیں۔

- **پہلا مذہب**: اگر یہ صاحب ترتیب ہے تو پہلے ظہر کی نماز پڑھے پھر عصر کی نماز پڑھے یہی صورت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک واجب ہے پھر احناف میں بعض نے اس کو فرض کہا ہے اور بعض نے شرط کہا ہے۔
- **دوسرا مذہب**: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کی نماز کو پہلے پڑھنا مستحب ہے۔

پہلے مذہب والوں کی **دلیل** یہ حدیث ہے کہ: "روایت عبد الله بن عمر عن رسول الله ﷺ من نسی صلاۃ فلم

یذکرھا الا وھو مع الامام فلیتم صلاتہ فاذا فرغ من صلاتہ فلیعد التی نسی ثم لیعد التی صلاھا مع الامام“ کہ جو شخص نماز بھول گیا اس کو یاد نہیں آیا مگر اس حالت میں کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو اس کو یاد آیا تو جس نماز میں موجود ہے اس کو پڑھ لے پھر وہ پڑھے جس کو یاد کیا اس کے بعد اس کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قیاس سے استدلال کرتے ہیں کہ ہر فرض بذات خود اصل ہے اس لئے وہ کسی دوسرے فرض کے لئے شرط نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ شرط تابع ہوا کرتی ہے اور اصالت و تابعیت میں منافات ہے۔

جواب: یہ کہنا جو بذات خود اصل ہو وہ دوسرے کے لئے شرط نہیں ہوتا۔ یہ صحیح نہیں ایمان یہ تمام عبادت کے لئے شرط ہے۔ اس طرح روزہ مستقل فرض ہے اور یہ اعتکاف واجب کے لئے شرط ہے۔

اگر اس کو خوف ہے کہ اگر وہ ظہر پڑھے گا تو عصر کی نماز کا وقت فوت ہو جائے گا تو ایسی صورت میں وہ عصر پڑھ لے اور پھر غروب کے بعد ظہر کی قضاء کرے۔

اگر وقت نکل جانے کا خوف ہو تو اب وقتیہ نماز کو مقدم کرے اور پھر بعد میں فوت شدہ نماز کو پڑھے۔ اسی طرح چند دوسری صورتوں میں بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

وقتیہ نماز پڑھتے وقت فائتہ نماز کو بھول جائے۔ تو اس صورت میں فراخی وقت کے باوجود ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح فائتہ نمازیں چھ سے زیادہ ہو جائے تو اس سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

162 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي يَوْمٍ غَيْمٍ ثُمَّ تَطْلُعُ الشَّمْسُ وَقَدْ بَقِيَ عَلَيْهِ بَعْضُ صَلَاتِهِ، فَإِذَا هُوَ قَدْ كَانَ يُصَلِّي إِلَى غَيْرِ قِبْلَةٍ، قَالَ: يَتَحَوَّلُ إِلَى الْقِبْلَةِ، وَيَحْتَسِبُ بِمَا صَلَّى وَيُصَلِّي مَا بَقِيَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا: جو بادل والے دن نماز پڑھے، اور نماز کے دوران سورج نکل آئے اور اسے معلوم ہو کہ وہ قبلہ رخ نہیں ہے؟ فرمایا: قبلہ کی طرف پھر جائے اور جو نماز پڑھ چکا وہ ہوگئی باقی ماندہ کو پڑھ لے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: يَتَحَوَّلُ: مڑنا، پھرنا، يَحْتَسِبُ: شمار کرنا، حساب لگانا۔

اگر قبلہ مشتبہ ہو جائے:

اگر کسی نے قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں تحری کر کے کسی جانب نماز پڑھنی شروع کر دی پھر نماز میں معلوم ہو جائے کہ جس طرف نماز پڑھ رہا ہے وہ غلط ہے قبلہ تو دوسری طرف ہے تو نماز میں ہی دوسری طرف پھر جائے۔ اور جو پہلے نماز پڑھ چکا ہے وہ ہو جائے

گی یا نہیں اس بارے میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، زفر، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک اس کی پہلے والی نماز ہوگئی۔ اور امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہما ایسا شخص از سرنو نماز پڑھے گا۔

163 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ زَاذَانَ، عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا هُوَ فِي الصَّلَاةِ إِذْ أَقْبَلَ رجل أَعْمَى مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ يُرِيدُ الصَّلَاةَ، وَالْقَوْمُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَوَقَعَ فِي زُبْيَةٍ، فَاسْتَضْحَكَ بَعْضُ الْقَوْمِ حَتَّى قَهْقَهَ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ قَهْقَهَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ.

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ قبلہ کی جانب سے نماز میں شامل ہونے کے لئے ایک نابینا (صحابی) آئے لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، وہ ایک گڑھے میں گر گئے، بعض لوگ ہنسے اور قہقہہ مارنے لگے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو قہقہہ مار کر ہنسا ہو وہ وضو اور نماز دوبارہ ادا کرے۔

لغات: زُبْيَةٍ: زاء پر پیش، باء پر سکون، درندوں کے شکار کا گڑھا، پشتہ جس پر پانی نہ چڑھتا ہو، جمعہ زُبًی۔

نماز میں قہقہہ لگانا:

نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ یا نہیں اس میں **دو مذہب** ہیں۔

① - امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قہقہہ لگانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ چند شرطوں کے ساتھ۔ قہقہہ لگانے والا بالغ مرد یا عورت ہو۔ نماز میں قہقہہ لگائے۔ نماز رکوع اور سجدہ والی ہو۔

② - امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قہقہہ لگانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

پہلے مذہب والوں کی **دلیل** یہ احادیث ہیں: حدیث ابو ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا قهقه اعاد الوضوء و الصلوۃ۔

حدیث ابو موسی اشعری، قال بینما رسول اللہ ﷺ یصلی بالناس اذا دخل رجل فتردی فی حفرۃ کانت فی المسجد وکان فی بصرہ ضرر فضحك کثیر من القوم وهم فی الصلوۃ فامر رسول اللہ ﷺ من ضحك ان یعید الصلوۃ۔

حدیث عبد اللہ بن عمر، قال رسول اللہ ﷺ من ضحك فی الصلوۃ قهقهة فلیعد الوضوء۔ والصلوۃ۔

دوسرے مذہب والے حضرات قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ وضو ٹوٹتا ہے۔ جب کہ کوئی نجس چیز نکلے۔ قہقہہ کی صورت میں کوئی نجس چیز بدن سے تو نہیں نکلی اسی وجہ سے نماز جنازہ سجدہ تلاوت اور نماز سے باہر وضو نہیں ٹوٹتا۔

164 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُقَهْقِهُ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: يُعِيدُ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ، وَيَسْتَغْفِرُ رَبَّهُ، فَإِنَّهُ أَشَدُّ الْحَدَثِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جو نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسے فرمایا: وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے

اور اپنے رب سے استغفار طلب کرے، اس لئے کہ یہ وضوتوڑنے سے زیادہ برا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح

يُقَهْقِهُ فِي الصَّلَاةِ: اگر نماز کے دوران ہنسی میں صرف دانت کھل گئے یعنی صرف مسکرایا، آواز بالکل نہیں نکلی تو وضو اور نماز دونوں باقی ہیں یعنی نہ نماز فاسد ہوئی اور نہ وضو ٹوٹا، اور اگر اتنی آواز نکلی کہ خود سن لی تو نماز ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر اتنے زور سے ہنسا کہ اہل مجلس نے آواز سن لی تو وضو بھی ٹوٹ جائے گا اور نماز بھی فاسد ہو جائے گی، بشرطیکہ بالغ ہو، نابالغ کا وضو نماز میں ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا۔ (الفتاوى الهندية: كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، 12/1، ط. رشيديه)

بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَانْتِقَاضِ الْوُضُوءِ مِنْهُ

نماز سے پہلے سونا اور سونے سے وضو کا ٹوٹنا!

165 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَوَجَدَ الْمُؤَذِّنَ قَدْ أَذَّنَ، فَوَضَعَ جَنْبَهُ فَنَامَ حَتَّى عُرِفَ مِنْهُ النَّوْمُ، وَكَانَتْ لَهُ نَوْمَةٌ تُعْرَفُ، كَانَ يَنْفُخُ إِذَا نَامَ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى بِغَيْرِ وُضُوءٍ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَيْسَ كَغَيْرِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ إِبْرَاهِيمَ نَأْخُذُ، بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي فَالنَّبِيُّ ﷺ فِي هَذَا لَيْسَ كَغَيْرِهِ. فَأَمَّا مَنْ سِوَاهُ، فَمَنْ وَضَعَ جَنْبَهُ فَنَامَ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہاں مؤذن اذان دے چکا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پہلو زمین پر ٹکایا اور ایسے سو گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سونا جان لیا گیا، جیسے کہ آپ کا سونا مشہور تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے میں خراٹے لیا کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے انسانوں کی طرح نہیں تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا، پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم دوسروں کی طرح نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اگر کوئی شخص پہلو ٹکا کر سو جائے تو اس کا وضو واجب ہو جاتا ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کون سی نیند ناقض وضو ہے؟

نیند ناقض وضو ہے یا نہیں، اس میں **تین اقوال** ہیں:

پہلا مذہب: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نوم خواہ قلیل ہو یا کثیر ناقض وضو ہے یہی منقول ہے، اسحاق بن راہو یہ رحمۃ اللہ علیہ سے۔ (بذل المجہود ج:ا ص:۱۲۶ نیل الاوطارج:اص:۲۰۸، معارف السنن ج:۱،ص:۲۸۳)

دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول، وہ حدیث ہے جس کے اندر "فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأُ" (ابوداؤد: ج:ا،ص:۲۷) کے الفاظ ہیں، اس حدیث میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ (نیل الاوطارج:اص:۲۰۸)

جواب: اس حدیث میں دو راوی ایسے ہیں جو ضعیف ہیں (۱) بقیہ ابن الولید (۲) وَضِیْن بن عطاء، نیز عبد الرحمان کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ (نقلہ الشوکانی فی نیل الاوطار، ج:امن:۲۱۰)

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نوم اس لئے ناقض ہے کہ اس سے سرین کا بندھن کھل جاتا ہے، تو جس نوم میں بندھن کھلنا اغلب ہوگا، وہ نوم یہاں مراد ہوگی ہر قسم کی نوم مراد نہیں ہوگی۔ (بذل المجھود: ج:ا،ص:۱۲۶)

جواب **دوسرا مذہب:** حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نوم خواہ قلیل ہو یا کثیر کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں ہے۔ (بذل المجمود ج:اص:۱۲۶، نیل الاوطارج:ص:۲۰۸، معارف السنن ج:اص:۲۸۲)

دلیل: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَنَامُونَ ثُمَّ يَقُومُونَ فَيُصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّؤُونَ۔ (ترمذی شریف ج:اص: ۲۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو جاتے تھے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے تھے، دوبارہ وضو نہیں کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوم کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں ہے۔

جواب: اس حدیث میں نوم خفیف مراد ہے، مطلقاً نوم مراد نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۴۴)

لہذا اس حدیث سے مطلقاً نوم کے غیر ناقض ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔

تیسرا مذہب: ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب ناقض وضو نہیں ہے۔

دلیل: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَيْسَ عَلَى مَنْ نَامَ سَاجِدًا وُضُوءٌ حَتَّى يَضْطَجِعَ فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص سجدہ کی حالت میں سویا تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا، بلکہ وضو اس شخص پر واجب ہے، جو کروٹ لے کر سویا کیونکہ جب کوئی شخص کروٹ پر سوتا ہے تو تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں نقض وضو کا دار و مدار سرین کا بندھن کھلنے پر رکھا گیا ہے اور یہ چیز نوم غالب میں ہوتی ہے، نوم غیر غالب میں نہیں ہوتی۔ (اعلاء السنن ج:اص:۹۳)

پھر احناف اور شوافع رحمۃ اللہ علیہم کا نوم غالب کی (تعیین) میں اختلاف ہے۔

❁ احناف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ: "تماسك المقعد على الارض" نہیں ہے تو یہ ناقض وضو ہو جائے گا مثلاً اضطباع کی صورت ہو یا کروٹ یا گدی کے بل لیٹنے سے اسی طرح ٹیک لگا کر سونے سے کہ اگر ٹیک ہٹا دیا جائے تو وہ آدمی گر جائے تو یہ نیند بھی ناقض وضو ہو جائے گی۔ اور اگر "تماسك المقعد على الارض" ہے تو یہ ناقض وضو نہیں ہوگا۔

❁ شوافع رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں "زوال المقعد عن الارض" یہ علامت ہے استرخاء مفاصل کی اس لئے اگر زوال مقعد کے ساتھ نیند ہو تو یہ ناقض وضو ہو گی ورنہ نہیں۔

166 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا نِمْتَ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا أَوْ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا أَوْ رَاكِبًا فَلَيْسَ عَلَيْكَ وُضُوءٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، فَإِذَا وَضَعَ جَنْبَهُ فَنَامَ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم بیٹھے بیٹھے، کھڑے کھڑے رکوع سجدہ یا سواری کی حالت میں سو جاؤ تو اب تم پر وضو لازم نہیں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اگر پہلو رکھ کر سو گیا تو اب وضو واجب ہو جائے گا، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

167 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَقَالَ: لَأَنْ أُصَلِّيَهَا وَحْدِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَنَامَ قَبْلَهَا ثُمَّ أُصَلِّيَهَا فِي جَمَاعَةٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَنَحْنُ نَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت اسماعیل بن عبد الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے عشاء کی نماز سے پہلے سونے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ: میں عشاء کی نماز تنہا پڑھ لوں یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں عشاء سے پہلے سوؤں پھر اسے جماعت کے ساتھ ادا کروں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ سمجھتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشاء سے پہلے سونا:

عشاء سے پہلے سونا اس میں فقہاء کے **دو مذہب** ہیں۔

❁ **پہلا مذہب**: حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، امام مالک، عطاء، مجاہد، طاؤس وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ فرمایا ہے۔

❁ **دوسرا مذہب**: حضرت علی، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم اور جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کو خود اٹھنے کا یقین ہو یا کوئی دوسرا

اٹھانے والا آدمی ہو تو اس صورت میں کراہت نہیں اور خطرہ ہو تو پھر مکروہ ہوگا۔

پہلے مذہب والوں کا استدلال: "حدیث سیار بن سلامہ انہ علیہ السلام کان یکرہ النوم قبلھا"۔

اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جو بددعا دے کر فرمایا: "قال فمن نام فلا نامت عینہ"۔

دوسرے مذہب والوں کا استدلال: "حدیث عائشۃ اعتم بالعشاء حتی ناداہ عمر نام النساء والصبیان"۔

"حدیث ابن عمر انہ علیہ السلام شغل عنھا لیلۃ فاخر ھا حتی رقدنا فی المسجد ثم استیقیظ ثم خرج علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

168- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: عَرَّسَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةً فَقَالَ: مَنْ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ شَابٌّ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَحْرُسُكُمْ فَحَرَسَهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَ مَعَ الصُّبْحِ غَلَبَتْهُ عَيْنُهُ فَمَا اسْتَيْقَظُوا إِلَّا بِحَرِّ الشَّمْسِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم. فَتَوَضَّأَ وَ تَوَضَّأَ أَصْحَابُهُ، وَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَذَّنَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْفَجْرَ بِأَصْحَابِهِ، وَ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ كَمَا كَانَ يُصَلِّي بِهَا فِي وَقْتِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ تعالی.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر شب میں پڑاؤ ڈالا اور فرمایا: آج رات ہماری حفاظت و چوکیداری کون کرے گا؟ ایک نوجوان انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ حضرات کی حفاظت کروں گا، چنانچہ وہ چوکیداری کرتے رہے، یہاں تک کہ جب صبح کا وقت قریب ہو گیا تو ان پر نیند غالب آئی اور دھوپ کی تپش سے ان کی آنکھ کھلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے پھر آپ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے وضوء فرمایا اور مؤذن کو حکم دیا اس نے اذان دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سنتیں پڑھیں، پھر جماعت کے لئے اقامت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، قراءت اس طرح زور سے پڑھی جس طرح وقت میں ادا کی صورت میں زور سے پڑھتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

لغات: يَحْرُسُنَا: حفاظت کرنا، عَرَّسَ: آخر رات میں آرام کے لیے اترنا۔

لیلۃ التعریس کا واقعہ:

عَرَّسَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةً: اس واقعہ کو واقعہ لیلۃ التعریس کہا جاتا ہے اور یہ واقعہ پیش آیا تھا غزوہ خیبر کے واپسی پر۔ اس بارے میں تمام ہی جمہور فقہاء و محدثین کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نیند ناقض وضوء نہیں ہوتی۔

سوال: ابھی یہ بات گذری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي" تو اس صورت میں آپ

ﷺ کی نماز قضاء کیوں ہوئی۔ کہ جب کہ آپ کا دل بیدار تھا۔

پہلا جواب: مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اکثر اوقات تو ایسا ہی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کی صرف آنکھ سوتی تھی اور دل جاگتا رہتا تھا مگر کبھی دل بھی سوجاتا تھا لیلۃ التعریس میں ہی ثانی حالت پیش آئی تھی۔

دوسرا جواب: علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث "لا ینام قلبی" کا مطلب یہ ہے کہ سونے میں آدمی بے خبر ہوجاتا ہے۔ اور پھر اس کو حدث ہوجاتا ہے جس کا آدمی کو معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت آپ ﷺ پر نہیں ہوتی تھی کہ حدث ہونے کا معلوم نہ ہوسکے۔

تیسرا جواب: آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا تھا کہ حضور ﷺ پر کبھی حالت نوم میں بھی وحی آتی تھی اس اعتبار سے فرمایا کہ دل بیدار رہتا ہے وحی کے نزول کے اعتبار سے "فلا ینبغی لقلبه ان ینام"۔

بَابُ صَلَاةِ الْمُغْمَى عَلَيْهِ

بے ہوش آدمی کی نماز کا بیان

المغمی علیه غمی، اغمی علی المریض: بیمار پر غشی طاری ہوگئی۔ اغماء کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔ اور غشی کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ غشی کہتے ہیں کہ دل کی کمزوری اور روح کے اس کی طرف سمٹ آنے کی وجہ سے ہو اور باہر نکلنے کو راستہ نہ پائے اندر ہی گھٹ رہی ہو تو اس کا نام غشی رکھتے ہیں۔ اور اگر دماغ کی جھلیوں میں بلغم وغیرہ کے اجتماع کے سبب سے ہو تو اس کا نام اغماء ہے۔

اغماء ہر حال میں خواہ کھڑے یا بیٹھے رکوع یا سجدہ نماز بغیر نماز سب ہی صورتوں میں ناقض وضو ہے۔ بخلاف نیند کے کہ وہ بعض صورتوں میں ناقض وضو نہیں ہوتی۔

169- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الرَّجُلِ الْمَرِيضِ يُغْمَى عَلَيْهِ فَيَدَعُ الصَّلَاةَ، قَالَ: إِذَا كَانَ الْيَوْمَ الْوَاحِدَ، فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَقْضِيَهُ، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ فِي عُذْرٍ إِنْ شَاءَ الله تعالى، قَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَا أُغْمِيَ عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً قَضَى، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس بیمار کے بارے میں دریافت کیا جس پر بے ہوشی کا دورہ پڑتا ہو اور وہ نماز چھوڑ دیتا ہو، فرمایا: اگر ایک دن کی نماز فوت ہو تو مجھے یہ پسند ہے کہ وہ اس کی قضاء کرے اور اگر ایک دن سے زیادہ کی ہو تو وہ انشاء اللہ معذور سمجھا جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر ایک دن رات تک بے ہوش رہا تو نماز قضاء کرے گا اور اگر اس سے زیادہ بے ہوش رہے تو اس پر قضاء نہیں ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: يُغْمَى عليه: بیہوش ہونا، فَيَدَعُ: چھوڑنا۔

170۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي الْمُغْمَى عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، قَالَ: يَقْضِي۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، حَتَّى يُغْمَى عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں جو ایک دن رات بے ہوش رہے یہ مروی ہے کہ وہ قضاء کرے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں جب کہ ایک دن رات سے زیادہ بے ہوش رہے یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بے ہوشی میں فوت شدہ نماز کی قضاء کا حکم؟

الْمُغْمَى عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، قَالَ: يَقْضِي: اگر کسی شخص پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک پانچ نمازوں سے زائد میں بھی قضاء کیا جائے گا۔ یہ ائمہ رحمۃ اللہ علیہم یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر ہزار نماز تک بے ہوشی طاری رہی جب بے ہوشی ختم ہوگی تو ان سب کی نمازوں کی قضاء لازم ہوگی۔

جبکہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ بے ہوشی پانچ نمازوں سے کم ہے تو اب ان نمازوں کو قضاء کرے۔ اور اگر پانچ نمازوں سے زائد میں بے ہوشی طاری رہی تو اب قضاء نہیں ہے۔

بَابُ السَّهْوِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں بھول (کے) پیش آنے کا بیان

یہاں اس باب میں بھول کے لئے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں سہو، نسیان۔ ان دونوں کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ فقہاء و اصولیین و اہل لغت کے یہاں اس میں کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔ مگر بعض علماء ان میں فرق بیان کرتے ہیں کہ نسیان کہتے ہیں وہ چیز جو قوت حافظہ اور قوت مدرکہ دونوں سے دور ہو جائے۔

اور سہو کہتے ہیں کہ وہ چیز جو صرف قوت مدرکہ سے دور ہو جائے۔ بنی آدم پر یہ دونوں چیزیں طاری کی گئی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قاضی عیاض (مالکی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی نسیان ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ جل جلالہ کی طرف سے ان پر قوت تذکیر و تعلیم کے ذریعہ سے اس کو دور کر دیا جاتا ہے۔

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نماز میں پانچ مرتبہ سہو ہوا ہے۔ ظہر میں پانچ رکعات پڑھا دی۔ مغرب کی نماز میں قعدہ اولی پر سلام پھیر دیا، چار رکعت کی جگہ پر دو رکعت پڑھائی، قعدہ اولی چھوڑ دیا، نماز میں ایک آیت بھول گئے۔ بعد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے مجھ کو یاد کیوں نہیں دلایا۔

اگر نماز میں زیادتی یا کمی ہوجائے تو اس کے جبیرہ اور تلافی کے لیے سجدہ سہو کے دو سجدے مقرر کیے گئے ہیں، جو سلام پھیر نے کے بعد ہوں گے، ان کے بعد نمازی تشہد، صلاۃ اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے گا، سجدہ سہو اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز میں اس کی جنس سے کوئی ایسا فعل زائد ہوجائے جو اس میں داخل نہ ہو یا کسی واجب کو چھوڑ دیا گیا ہو، مثلاً سورہ فاتحہ، دعائے قنوت، التحیات کو چھوڑ دیا گیا ہو، یا عیدین کی تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہوں یا امام نے جہری میں آہستہ قراءت کی ہو یا سری میں زور سے پڑھ لیا ہو۔

اگر نماز میں شک ہوجائے کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہو تو حدیث کے مطابق ایسے شخص کو دوبارہ از سر نو نماز پڑھنا چاہیے لیکن اگر ایسا ہوتا رہتا ہو تو سوچے وظن غالب پر عمل کرے لیکن اگر ظن غالب نہ ہو تو بناء علی الاقل یعنی یقینی پر مدار رکھ کر نماز پوری کرے اور جہاں یہ گمان ہو کہ یہ آخری قاعدہ ہے وہاں ضرور بیٹھے اور اخیر میں سجدہ سہو کرلے تو نماز ہوجائے گی۔

171- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَشُكُّ فِي السَّجْدَةِ الأُولَى أَوِ التَّشَهُّدِ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ مِنْ صَلَاتِهِ - مَا لَمْ تَكُنْ رَكْعَةً - فَإِنَّهُ يَقْضِي مَا شَكَّ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ، وَيَسْجُدُ لِذَلِكَ أَيْضًا سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، فَإِنَّهُمَا تُصْلِحَانِ بِإِذْنِ اللهِ مَا كَانَ قَبْلَهُمَا مِنْ نِسْيَانٍ. وَكَانَ يُقَالُ: إِنَّهُمَا الْمُرْغِمَتَانِ لِلشَّيْطَانِ. وَإِنَّهُ قَالَ: لَأَنْ أَسْجُدَ لِذَلِكَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، فِيمَا لَمْ يَحِقَّ عَلَيَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَدَعَهُمَا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، فَإِنْ كَانَ يُبْتَلَى بِذَلِكَ كَثِيرًا مَضَى عَلَى أَكْبَرِ رَأْيِهِ. وَيَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ. وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کو پہلے سجدے یا التحیات یا اس طرح نماز کے کسی حصہ کے بارے میں شک ہوجائے تو فرمایا کہ: جب تک ایک رکعت نہ آتی ہو وہ قضاء کرے جس میں شک ہے اور سجدہ سہو کے دو سجدے بھی کرلے، اس لئے کہ یہ سجدے انشاء اللہ اس سہو کی جو ان سے پہلے پیش آیا ہے اصلاح کردے گا، ان سجدوں کو شیطان کو رسواء و ذلیل کرنے والے کہا جاتا ہے۔ انہوں نے (مزید) فرمایا کہ: سجدہ سہو کروں جہاں مجھ پر واجب بھی نہ ہو وہاں سجدہ کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان سجدوں کو چھوڑوں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر کسی شخص کو کثرت سے شک پیش آتا ہو تو ظن غالب پر عمل کر کے سجدہ سہو کرے گا، یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الْمُرْغِمَتَان: ذلیل کرنا، ناراض کرنا، خاک آلود کرنا۔

نماز میں اکثر وہم اور شک ہوتا ہو اس کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں اکثر وہم اور شک ہوتا ہو تو۔۔۔

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ شخص اپنے ظن غالب پر عمل کرے، اور جس تعداد پر ظن غالب کا رجحان ہو اس تعداد کے مطابق نماز پوری کرے، کیوں کہ ظن غالب کو یقین کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا اگر کسی تعداد پر اس کا

ظن غالب ہو تو اس کے مطابق نماز پوری کرے، یہ حکم خود حدیث پاک "من شك في صلاته فليتحر الصواب" سے بھی ثابت ہے جس میں شک کی صورت میں تحری صواب پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے، ہاں اگر اس شخص کی کوئی غالب رائے نہ ہو اور کسی بھی تعداد کے متعلق اس کا ظن غالب نہ ہو تو اب اس صورت میں وہ شخص یقین پر عمل کرے، بالفاظ دیگر وہ شخص اقل تعداد پر بناء کرے، یعنی اگر دو اور تین میں شک ہو تو دو پر بناء کرے اور اگر تین یا چار میں شک ہو تو تین پر بناء کرے، اس لیے کہ اقل متعین ہوتا ہے، لہذا اقل پر بناء کرنے کی صورت میں ترک نماز کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

❁ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک اقل پر عمل کرنا ہر حال میں لازم ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "اذا شك احد كم في صلوته فليلق الشك وليبن على اليقين فاذا استيقن التمام سجد سجدتين"۔

172 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِيمَنْ نَسِيَ الْفَرِيضَةَ، فَلَا يَدْرِي أَرْبَعًا صَلَّى أَمْ ثَلَاثًا. قَالَ: إِنْ كَانَ أَوَّلَ نِسْيَانِهِ أَعَادَ الصَّلَاةَ، وَإِنْ كَانَ يُكْثِرُ النِّسْيَانَ يَتَحَرَّى الصَّوَابَ، وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ ظَنِّهِ أَنَّهُ أَتَمَّ صلاته سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ ظَنِّهِ أَنَّهُ صَلَّى ثَلَاثًا أَضَافَ إِلَيْهَا وَاحِدَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں جو فرض نماز میں بھول جائے اور اسے یہ بات یاد نہیں رہی کہ چار رکعات پڑھی ہیں یا تین، تو فرمایا کہ: اگر یہ بھول پہلی مرتبہ پیش آیا ہے تو نماز کا اعادہ کرے اور اگر کثرت سے یہ پیش آتا رہتا ہے تو مقدار کے بارے میں غور و فکر کرے اور ظن غالب پر نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کر لے اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں تو ان (تین) کے ساتھ ایک رکعت ملالے اور پھر سجدہ سہو کر لے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

إِنْ كَانَ أَكْبَرُ ظَنِّهِ أَنَّهُ أَتَمَّ صلاته سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ: ماقبل میں مذاہب کا بیان ہوا تھا کہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک ہر حال میں اقل پر عمل کیا جائے گا۔ احناف رحمہم اللہ علیہم کے ہاں ظن غالب پر عمل کیا جائے گا۔

173 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَضْرِبُ الرَّجُلَ إِذَا رَآهُ يُتَابِعُ بَيْنَ السُّجُودِ فِي غَيْرِ سَهْوٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يَسْجُدَ الرَّجُلُ لِرَكْعَةٍ أَكْثَرَ مِنْ سَجْدَتَيْنِ إِلَّا أَنْ يَسْهُوَ فَلَا يَدْرِي أَسَجَدَ سَجْدَةً وَاحِدَةً أَمِ اثْنَتَيْنِ فَيَمْضِي عَلَى أَكْبَرِ رَأْيِهِ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی آدمی کو غیر نسیان کے سجدہ سہو کرتے دیکھتے تھے تو اسے مارا کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ ایک رکعت میں دو سجدوں سے زیادہ سجدے کرے الا یہ کہ

سہو پیش آجائے، اور یہ معلوم نہ ہو کہ ایک سجدہ کیا ہے یا دو تو پھر ظن غالب پر عمل کرے گا، یہ سب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

تشریح:

اس اثر میں مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کسی شخص کو سجدے میں بھول معلوم نہیں ہورہی ہو کہ کتنے سجدے کئے تو اب ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے ظن غالب پر عمل کرے۔

كَانَ يَضْرِبُ الرَّجُل: یہ قاعدہ ہے کہ نماز کی جنس سے بغیر کسی عذر اور سہو کے کسی رکن کو زائد کرنا مثلاً دو رکوع کرنا یا تین سجدے کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ مگر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

إِذَا رَآهُ يُتَابِعُ بَيْنَ السُّجُودِ فِي غَيْرِ سَهْوٍ: کہ بغیر کسی ضرورت یا بغیر کسی سہو کے کوئی ایک سجدے کے بعد دوسرا سجدہ کرے، اس سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے مگر جمہور فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سجدہ لازم نہیں آتا۔ مگر اسی نماز کا اعادہ اور دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔ کیوں کہ فقہاء کا یہ قاعدہ ہے۔ "کل صلوۃ ادیت مع کراھیۃ التحریم فاعادتھا واجبۃ" کہ ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی صرف ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے آتی ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایسی نماز فاسد ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ: ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی پانچویں رکعت پڑھ لے۔ تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی ہوجاتی ہے۔

اس کا جواب شیخین رحمۃ اللہ علیہما یہ دیتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ پانچویں رکعت کو تو زائد کرتا ہے عبادت کے لئے مگر تیسرا سجدہ ہو تو کوئی عبادت کے لئے نہیں کرتا ہے ویسے ہی یہ بھولے سے یہ کام کرتا ہے۔

لَا يَنْبَغِي أَنْ يَسْجُدَ الرَّجُلُ لِرَكْعَةٍ أَكْثَرَ: کہ بغیر کسی عذر کے تیسرا سجدہ کرنا یہ مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ واجب ہوگی اس کی نماز کا اعادہ کیوں کہ اس بات پر احادیث فعلی قولی اور اجماع اُمت ہے کہ ہر رکعت میں دو سجدے ہیں۔

"**لا ینبغی**" کا لفظ یہ فقہاء متقدمین کے عرف عام میں مکروہ تحریمی اور تنزیہی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور متاخرین کے نزدیک یہ تنزیہی کے لئے عموماً استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہاں پر مراد مکروہ تحریمی ہے۔

174- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلَا يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا، فَلْيَتَحَرَّ فَلْيَنْظُرْ أَفْضَلَ ظَنِّهِ، فَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ ظَنِّهِ أَنَّهَا ثَلَاثًا قَامَ، فَأَضَافَ إِلَيْهَا الرَّابِعَةَ، ثُمَّ تَشَهَّدَ، فَسَلَّمَ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، وَإِنْ كَانَ أَفْضَلُ ظَنِّهِ أَنَّهُ صَلَّى أَرْبَعًا تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِلَّا أَنَّا نَسْتَحِبُّ لَهُ إِذَا كَانَ ذَلِكَ أَوَّلَ مَا أَصَابَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے جب کسی شخص کو نماز میں شک ہوجائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ تین رکعتیں

پڑھی ہیں یا چار تو اسے غور و فکر کرنا چاہئے اور غالب ظن پر عمل کرے، اگر غالب ظن یہ ہو کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں تو کھڑے ہو کر چوتھی رکعت ملا کے اور التحیات پڑھ کر سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ چار رکعتیں پڑھ لی ہیں تو التحیات پڑھ کر سلام پھیر لے پھر سجدہ سہو کر لے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ شک اسے پہلی مرتبہ پیش آیا ہے تو اس وقت مستحب یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرے۔

تشریح:

إِذَا كَانَ ذٰلِكَ أَوَّلَ مَا أَصَابَهُ: اگر یہ شک اس کو پہلی مرتبہ پیش آیا ہو۔

"اگر یہ شک اس کو پہلی مرتبہ پیش آیا ہو" اس سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں

اول مرتبہ سے مراد صاحب اجناس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ مراد یہ ہے کہ بلوغ کے بعد عمر بھر میں پہلی بار یہ شک پیش آیا ہے۔

فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اول مرتبہ سے مراد یہ ہے کہ اس نماز میں اس کو پہلی مرتبہ یہ عارضہ پیش آیا ہو۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ اس کی یہ اکثر عادت نہیں ہے۔ (1)

أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ: کہ جب یہ شک پہلی مرتبہ پیش آیا ہو تو اب بہتر ہے کہ یہ نماز کا اعادہ کرے۔ اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اقل کو ہی اختیار فرماتے ہیں ہر حال میں کہ اگر تین یا چار رکعات میں شک ہو تو اب تین پر ہی بناء کیا جائے گا۔ خواہ پہلی مرتبہ اس کو شک پیش آیا ہو یا بار بار ہوتا ہو۔

175- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّهُ قَالَ: يُعِيدُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ شخص نماز کا اعادہ کرے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (یعنی جسے نماز میں پہلی مرتبہ شک آئے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرے)

176- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا تَخَالَجَكَ أَمْرَانِ، فَظُنَّ أَنَّ أَقْرَبَهُمَا إِلَى الْحَقِّ أَوْسَعُهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب آپ کو دو باتیں خلط ہو جائیں تو ان میں سے حق کے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جس میں وسعت زیادہ ہو۔

لغات: تَخَالَجَكَ: شک ہونا، خلجان پیدا ہونا، تخالج فی صدری شیء: یعنی میرے دل میں کچھ خلجان ہوا۔

تشریح:

إِذَا تَخَالَجَكَ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب شک ہو جائے کہ کتنی رکعت ہوتی ہے تو اب اس صورت میں جو بات دل میں غالب ہو اس پر عمل کرے۔ کیونکہ مؤمن کا دل حق کے پہچان کے لئے آئینہ ہے۔

اس وجہ سے نماز میں بھی دل کو معیار بنایا گیا ہے کہ جب بھی نماز میں شک ہو دل میں جو ظن غالب ہو اس پر عمل کرے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

177 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا سَهَا الْإِمَامُ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، فَاسْجُدْ مَعَهُ، وَإِنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَيْسَ عَلَيْكَ أَنْ تَسْجُدَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر امام کو سہو پیش آجائے اور وہ سجدہ سہو کرے تو تم بھی سجدہ سہو کرو اور اگر وہ سجدہ سہو نہ کرے تو تم پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام کے سہو کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم ہوتا ہے؟

إِذَا سَهَا الْإِمَامُ، فَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام کے سہو کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، اس لیے کہ امام اصل ہے، مقتدی اس کا تابع، جب امام پر سجدہ لازم ہوگا تو مقتدی پر بدرجہ اولی لازم ہوگا، اس لیے کہ وہ اس کا متبع اور مقتدی ہے، اگر امام سجدہ کرے گا تو یہ بھی سجدہ کرے گا اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہیں کرے گا تا کہ امام کی مخالفت لازم نہ آئے۔

اگر مقتدی کو سہو پیش آجائے تو اس کی وجہ سے نہ مقتدی پر سجدہ آئے گا نہ امام پر، اس لیے کہ اگر مقتدی اکیلے سجدہ کرے تو امام کی مخالفت لازم آئے گی اور اگر امام اس کی اتباع کرے گا تو اصل تابع بن جائے گا۔

178 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي رَجُلٍ سَجَدَ ثَلَاثَ سَجَدَاتٍ نَاسِيًا، قَالَ: عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو غلطی سے تین سجدے کرلے اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

سجدہ سہو نماز میں زیادتی، ترک واجب یا کسی رکن کو سہوا مؤخر کرنے سے واجب ہوتا ہے:

رَجُلٍ سَجَدَ ثَلَاثَ سَجَدَاتٍ نَاسِيًا: اگر نمازی نماز میں کوئی ایسا فعل زائد کردے جو اس کی جنس سے ہو لیکن مطلوب نہ ہو یا کسی واجب کو چھوڑ دے تو سجدہ سہو لازم آتا ہے، سجدہ سہو میں اصل یہ ہے کہ وہ ترک واجب اس کی تاخیر یا کسی رکن کو سہوا مؤخر کرنے پر

واجب ہوتا ہے، زیادتی کی صورت میں اس لیے واجب ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے یا کسی رکن میں تاخیر ہوتی ہے یا کسی واجب کا ترک، تین سجدہ کرنے کی صورت میں ایک سجدہ زائد ہوا جو مطلوب نہیں ہے اور اس کی وجہ سے دوسرے رکن میں بھی تاخیر ہوگی، اس لیے ایسی صورت میں سجدہ سہو لازم آئے گا۔

179- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلَاتِكَ فَعَرَضَ لَكَ شَكٌّ فِي وُضُوءٍ أَوْ صَلَاةٍ أَوْ قِرَاءَةٍ، فَلَا تَلْتَفِتْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم جب نماز پڑھ چکو، پھر وضوء کے ہونے نہ ہونے یا نماز یا قراءت میں شک ہو جائے تو اس کی پرواہ مت کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: عَرَض: پیش آنا، فلا تَلْتَفِت: توجہ کرنا۔

صرف شک سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز:

قاعدہ یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا، لہذا محض شک کی وجہ سے نہ وضو ٹوٹے گا نہ نماز کا اعادہ لازم ہوگا، اس لیے نماز ہوگئی شک میں نہیں پڑھنا چاہیے ورنہ اس سے وہم کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

بَابُ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَى قَوْمٍ فِي الْخُطْبَةِ أَوْ فِي الصَّلَاةِ

اس شخص کا بیان جو خطبہ یا نماز کے دوران سلام کرے!

180- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يُرَدُّ السَّلَامُ وَيُشَمَّتُ الْعَاطِسُ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِقَوْلِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جمعہ میں خطبہ کے دوران سلام اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار نہیں کرتے، ہم حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

لغات: يُشَمَّتُ: چھینک کا جواب دینا، الْعَاطِسُ: چھینکنے والا۔

دوران خطبہ سلام اور چھینک کا جواب دینا:

يُرَدُّ السَّلَامُ وَيُشَمَّتُ الْعَاطِسُ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: نماز اور خطبہ کے دوران نہ چھینکنے والے کا جواب دے گا نہ سلام کرنے والے کا، اگر نماز میں زبان سے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگر ہاتھ سے جواب دیا تو مکروہ ہے، نماز فاسد نہیں ہوگی۔ خطبہ کے دوران بات چیت منع ہے حتی کہ امر بالمعروف سے بھی روکا گیا ہے، فرمایا اگر تم خطبہ کی حالت میں اپنے کسی ساتھی سے یہ کہو "خاموش ہو جاؤ" تو تم نے بھی لغو کام کیا۔

181- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ: إِنَّ فُلَانًا عَطَسَ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَشَمَّتَهُ فُلَانٌ، قَالَ: مُرْهُ فَلَا يَعُودَنَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ. الْخُطْبَةُ بِمَنْزِلَةِ الصَّلَاةِ لَا يُشَمَّتُ فِيهَا الْعَاطِسُ، وَلَا يُرَدُّ فِيهَا السَّلَامُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن ابی ہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، فلاں صاحب کو چھینک آئی، امام صاحب خطبہ دے رہے تھے اور فلاں نے ان کی چھینک کا جواب دے دیا، انہوں نے فرمایا: اس سے کہہ دو آئندہ ایسا نہ کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں کہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے اس میں چھینکنے والے کو نہ چھینک کا جواب دیا جائے گا نہ سلام کا، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

لَا يُشَمَّتُ فِيهَا الْعَاطِسُ: نماز اور خطبہ کے دوران نہ چھینکنے کا جواب دے گا نہ سلام کرنے والے کا اگر نماز میں زبان سے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر ہاتھ سے جواب دیا تو مکروہ ہے نماز فاسد نہ ہوگی خطبہ کے دوران بات چیت منع ہے حتی کہ امر بالمعروف سے بھی روکا گیا ہے فرمایا اگر تم خطبہ کی حالت میں اپنے کسی ساتھی سے یہ کہو خاموش ہو جاؤ تو تم نے بھی لغو کام کیا۔

الْخُطْبَةُ بِمَنْزِلَةِ الصَّلَاةِ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ خطبہ کو دو رکعت کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔ خطبہ کے ساتھ جمعہ کی نماز چار رکعت ہوگی۔ (کنز العمال: 273/4)

یہی بات علامہ طاؤس، مجاہد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ فرماتے ہیں، مگر جمہور فقہاء، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، مالک، احمد، الحق، اوزاعی، ابو ثور، ابن منذر وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کی نماز کے لئے شرط ہے۔ نماز کا جزء نہیں ہے۔

جواب علامہ طاؤس، عطاء رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے یہ دیا کہ خطبہ نماز سے خارج ہے۔ رکن نہیں ہوسکتا۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ خطبہ شرط ہے۔ (بحر الرائق: 246/2)

182- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ عَلَى صَاحِبِهِ، فَيُسَلِّمُ وَهُوَ يُصَلِّي، قَالَ: أَلَيْسَ يَقُولُ إِذَا تَشَهَّدَ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ. فَقَدْ رَدَّ عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يُعْجِبُنَا أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَهُوَ يُصَلِّي، وَلَا يُعْجِبُنَا أَنْ يُسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ، وَهُوَ يُصَلِّي. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس شخص کے بارے میں جو اپنی کسی ساتھی کے پاس جائے وہ نماز پڑھ رہا ہو یہ اسے سلام کرے تو کیا کرے؟ فرمایا: کیا وہ التحیات میں السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین نہیں پڑھتا؟ یہ پڑھ کر گویا اس نے اس کے سلام کا جواب دے دیا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، نماز میں سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے، اور نہ کسی نمازی کو حالت نماز میں سلام کرنا چاہئے، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

نماز میں سلام کا جواب دینا:

نمازی کو سلام کرنا مکروہ ہے اور نماز میں کسی شخص کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز نہیں، نماز فاسد ہو جائے گی۔ حدیث مبارک ہے: ”إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن“۔

(الصحیح لمسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، رقم الحدیث: 537)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اشارہ سے جواب دینا بلا کراہت جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر اشارہ سے سلام کرنا کسی کے ہاں بھی اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (الدر المختار: کتاب الصلاة، 1/ 615، سعید)

183۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَجْلِسُ خَلْفَ الْإِمَامِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ الْإِمَامُ. قَالَ: لَا يُجْزِئُهُ وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ: إِذَا جَلَسَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ أَجْزَأَهُ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: قَوْلِي قَوْلُ عَطَاءٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ عَطَاءٍ نَأْخُذُ نَحْنُ أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو امام سے پیچھے التحیات کی مقدار بیٹھ جائے اور امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر دے، فرمایا کہ: اس کی نماز نہیں ہوگی، حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: جب التحیات کی مقدار بیٹھ جائے گا، تو نماز ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حضرت عطاء کے قول کا قائل ہوں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم بھی حضرت عطاء کے قول کو پسند کرتے ہیں۔

امام سے پہلے سلام پھیرنے سے نماز میں خلل آتا ہے یا نہیں؟

اگر کسی مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا، اس کے بعد امام نے سلام پھیرا تو مقتدی کی نماز تو ہوگئی، البتہ مقتدی کے لیے ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، تاہم نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے، احتیاطاً کرلے تو بہتر ہے۔ ہاں اگر سہواً یا کسی عذر کی وجہ سے یا وضو ٹوٹ جانے کا خوف ہو یا سخت مجبوری کی وجہ سے سلام پھیرا تو نماز مکروہ نہیں ہوگی۔ (الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار): 1/525)

184۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، قَالَ سَمِعْتُ حَمَلَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: لَا تَجُوزُ صَلَاةٌ إِلَّا بِتَشَهُّدٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، فَإِذَا تَشَهَّدَ فَقَدْ قَضَى الصَّلَاةَ فَإِنِ انْصَرَفَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ أَجْزَأَتْهُ صَلَاتُهُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَعَمَّدَ لِذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: نماز التحیات کے بغیر جائز نہیں ہوتی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہم اس کو پسند کرتے ہیں، التحیات پڑھ لی تو نماز پوری ہوگئی، لہذا اگر سلام پھیرنے سے قبل نماز ختم کردی تو نماز ہو جائے گی البتہ قصداً ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

کسی نے سلام پھیرنے سے پہلے نماز ختم کر دی؟

اگر کسی نے سلام پھیرنے سے پہلے نماز ختم کر دی تو ایسے شخص کے بارے میں حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی، امام محمد ابو یوسف، وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے۔(عمدۃ القاری:294/2) مگر امام ابوحنیفہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔

صاحبین وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ فرائض اور ارکان پورے ہو گئے مگر سلام جو کہ واجب ہے بغیر اس کے یہ نماز نقصان کے ساتھ پوری ہو گی یعنی یہ نماز مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو گی۔

وِلَا يَنْبَغِي لَهُ اَنْ يَتَعَمَّدَ ذَالِكَ: البتہ قصداً ایسا کرنا نہیں چاہئے۔

اگر یہ ارکان فرائض تشہد کے بعد پورے ہو گئے۔ اور یہ شخص اس وقت کے نماز کے ذریعہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ مگر یہ بات الگ ہے کہ ایسی نماز کراہیت تحریمی کے ساتھ ادا ہو گی اس لئے نماز کا اعادہ واجب ہو گا کیوں کہ اس شخص نے ایک واجب جو سلام ہے۔ اس کو چھوڑ دیا ہے۔(بحر الرائق:294/1)

بَابُ تَخْفِيفِ الصَّلَاةِ

نماز ہلکی پڑھنے کا بیان!

185- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَمَّ قَوْمًا فَأَطَالَ بِهِمْ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُنَفِّرُونَ عَنْ هَذَا الدِّينِ مَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ؛ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا بُدَّ أَنْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی نے لوگوں کی امامت کی اور لمبی نماز پڑھائی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کیا بات ہے کہ تم بعض لوگوں کو اس دین سے متنفر کرتے ہو۔ جو شخص کسی کی امامت کرے تو اسے ہلکی نماز پڑھانا چاہئے۔ اس لئے کہ لوگوں میں بیمار، عمر رسیدہ اور حاجت مند ہوتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ البتہ رکوع وسجدہ پورا کرے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام کے لئے لمبی نماز پڑھانے کا حکم:

تنہا نماز پڑھنے والا جتنی طویل قراءت چاہے کر سکتا ہے، البتہ امام کو مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے، جماعت میں ہر طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں، اس لیے امام کے لیے اتنی طویل نماز پڑھانا مکروہ ہے جس کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہو یا وہ جماعت میں شرکت کرنے سے رک جائیں، البتہ لوگوں کی سستی، کاہلی اور دین سے دوری کی وجہ سے نماز کے ارکان وفرائض اور مسنون قراءت میں

کمی نہیں کی جائے گی، تعدیل ارکان کا خیال رکھا جائے گا، قراءت میں اتنی تطویل یا ایسی تجوید نہ ہو جو مقتدیوں کے لیے باعث ملال اور بوجھ بنے۔

وَلَا بُدَّ أَنْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ: کہ امام قرأت میں کمی تو کر لے گا عوارض کی بناء پر مگر رکوع اور سجدہ کی تسبیح میں کمی نہ کرے، حتیٰ کہ واجبات وغیرہ میں بھی کمی نہ کرے۔ (فتح الباری:122)

186 ۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنِي مَيْمُونُ بْنُ سِيَاهٍ، عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، قَالَ: سَأَلَهُ سَائِلٌ: أَقْرَأُ خَمْسَمِائَةِ آيَةٍ فِي الرَّكْعَةِ، قَالَ: فَتَعَجَّبَ، وَ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، مَنْ يُطِيقُ هَذَا؟ قَالَ الرَّجُلُ: أَنَا أُطِيقُ هَذَا، قَالَ: إِنَّ أَحَبَّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ طُولُ الْقُنُوتِ ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: طُولُ الْقِيَامِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ كَثْرَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ. وَكُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت میمون بن سیاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ میں ایک رکعت میں پانچ سو آیتیں پڑھ لیا کروں؟ فرمایا انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور فرمایا سبحان اللہ اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا۔ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا اللہ جل جلالہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز طویل قیام والی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ نفل نماز میں قیام کا لمبا کرنا ہمیں رکوع اور سجدہ کی کثرت سے زیادہ محبوب ہے اور دونوں طریقے اچھے ہیں۔ یہی بات ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود:

طول قیام کا مطلب یہ ہے کہ نماز مقدار کے اعتبار سے کم ہو مگر اس میں قیام اور قراءت لمبی ہو۔

کثرت سجود کا مطلب یہ ہے کہ نماز تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہو اس میں بھی زیادہ رکوع و سجود ہوگا۔ ان دو میں سے بہتر کون سی نماز ہے۔

- امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رات میں تطویل قیام افضل ہے اور دن میں کثرت رکوع و سجود۔
- امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کثرت سجود افضل ہے، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے بندہ اللہ جل جلالہ سے سجدہ میں سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔
- امام ابوحنیفہ، امام شافعی کا مفتی بہ قول اور جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قیام افضل ہے، اس لیے کہ اس میں کتاب اللہ کی تلاوت ہوتی ہے جو تمام اذکار سے افضل ہے اور قیام زیادہ شاق بھی ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کی نماز بڑی طویل پڑھا کرتے تھے، اگر سجدہ افضل ہوتا تو آپ سجدہ طویل کرتے۔

187 ۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَمَّ أَصْحَابَهُ الصُّبْحَ، فَقَرَأَ بِهِمْ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِـ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّانِيَةِ بِلِإِيلَافِ قُرَيْشٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَنَرَاهُ

مُجْزِئًا وَلٰكِنَّا نَسْتَحِبُّ لِلْإِمَامِ إِذَا صَلَّى الصُّبْحَ، وَهُوَ مُقِيمٌ أَنْ يُطِيلَ فِيهَا الْقِرَاءَةَ. أَنْ يَقْرَأَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِسُورَةٍ تَكُونُ عِشْرِينَ آيَةً فَصَاعِدًا سِوَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيُطِيلُ الْأُولَى عَلَى الثَّانِيَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃاللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز میں جماعت کرائی اور پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں لایلاف قریش پڑھی۔ امام محمد رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اتنے پڑھنے کو بھی کافی قرار دیتے ہیں۔ البتہ حالت اقامت میں فجر میں امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ قراءت طویل کرے اور ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے علاوہ ایسی سورت پڑھے جو بیس یا اس سے زائد آیات پر مشتمل ہو اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبی کرے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نماز میں قرأت کی مقدار؟

نماز میں اگر تین آیتیں یا ایک بڑی آیت کی مقدار پڑھ لیا جائے تو نماز ہو جائے گی، البتہ سنت یہ ہے کہ مغرب میں قصارِ مفصل جو سورۃ الزلزال سے سورۃ الناس تک پر مشتمل ہیں وہ پڑھی جائیں اور عشاء اور عصر میں اوساطِ مفصل جو سورہ بروج سے سورۃ البینۃ تک ہے اور فجر وظہر میں طوال مفصل پڑھی جائیں جو سورہ حجرات سے سورہ بروج تک ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ظہر میں فجر سے کم قراءت کی جائے اس لیے کہ یہ مشغولیت کا وقت ہے، لوگوں پر طویل قراءت بوجھ بنے گی۔

إِذَا صَلَّى الصُّبْحَ، وَهُوَ مُقِيمٌ أَنْ يُطِيلَ فِيهَا الْقِرَاءَةَ: حالت اقامت میں فجر میں امام لمبی قراءت پڑھے۔

فجر میں کیا مقدار ہے قرآن پڑھنے کی اس میں طوال مفصّل یعنی سورت حجرات سے لے کر سورت بروج تک پڑھنا چاہئے اگر درمیان سے پڑھے تو اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں۔ آئمہ احناف رحمۃاللہ علیہم سے مثلاً:

① - چالیس یا پچاس آیات سورت فاتحہ کے علاوہ یعنی ہر رکعت میں 20 آیات یا 25 آیات۔

② - دوسری روایت میں دونوں رکعات میں چالیس سے ساٹھ تک، ہر رکعت میں 20 یا 30 آیات۔

③ - ساٹھ سے سو آیتوں تک ہر رکعت میں چالیس سے ساٹھ آیات۔

یہ مختلف اقوال روایات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک روایت میں آتا ہے جس کے راوی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان سے سورہ "ق" اور اس کے مثل قراءت مروی ہے۔ (مسلم)

حضرت ابن حجر رضی اللہ عنہ سے اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سورت واقعہ کی قراءت بھی فجر میں منقول ہے۔ (صحیح ابن حبان)

روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ساٹھ سے سو تک آیات کی قراءت فجر کی نماز کے لئے نقل کی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ جمعہ کے روز فجر میں سورہ "الم سجدہ" اور سورہ "دھر" پڑھتے تھے۔ (مسلم)

اقوال فقہاء میں تطبیق:

① -: فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر رغبت کھنے والے مقتدی ہوں تو ساٹھ سے سوتک پڑھے اور اگر اوسط درجہ کے ہوں تو پچاس سے ساٹھ تک اگر بہتری پچاس سے ساٹھ تک اور اگر بہت ہی کم درجہ کے سُست ہوں تو چالیس والی روایت یعنی ایک رکعت میں 20 آیات پر عمل کرے۔

② -: موسم کے اعتبار سے دی گئی ہے کہ سردی کی راتیں لمبی ہوتی ہیں اس لئے اس میں زیادہ پڑھ لے اور گرمی کی راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے اس میں کم پڑھیں۔

③ -: اس طرح اگر نماز کو غلس میں شروع کی تو لمبی قراءت کرے اگر نماز کو اسفار میں شروع کیا ہے تو اب کم قراءت کرے۔

چوتھی تطبیق مقتدیوں کی مشغولیت کو سامنے رکھتے ہوئے قراءت کرے۔

يُطِيلُ الْأُولَى عَلَى الثَّانِيَةِ: پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبی کرے۔

اس میں **دو مذہب** ہیں:

- امام شافعی و شیخین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ دونوں رکعت برابری ہونی چاہئے۔ البتہ ظہر میں فجر میں پہلی رکعت لمبی کر سکتے ہیں۔
- امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلی رکعت لمبی کی جائے دوسری رکعت سے ہر نماز میں یہ مستحب ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي السَّفَرِ

سفر کی نماز کا بیان!

188- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا كُنْتَ مُسَافِرًا، فَوَطَّنْتَ نَفْسَكَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ، فَأَتِمِّ الصَّلَاةَ، وَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَأَقْصِرْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحمه الله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم مسافر ہو اور پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرو تو پوری نماز پڑھو، اور اگر تمہیں یہ معلوم نہ ہو تو قصر کرتے رہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

کتنے دن ٹھہرنے کی نیت کرنے سے مسافر آدمی مقیم بنتا ہے؟

فَوَطَّنْتَ نَفْسَكَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ: مسافر کا اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے گا اور مقیم کے حکم میں ہوگا لیکن اگر اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر نماز پڑھے گا اگرچہ کئی ماہ گزر جائیں۔

مدت اقامت میں ائمہ کرام رحمہ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔اس سلسلے میں بہت سے اقوال ہیں جن میں سے چند یہ ہیں کہ

- احناف رحمہ اللہ علیہم کے نزدیک پندرہ روز کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے اس سے کم ہو تو مسافر رہتا ہے۔
- امام مالک وشافعی رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک چار دن کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے۔(عمدۃ القاری:371/5)
- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بائیس نمازوں تک قیام کا ارادہ کرے گا تو مقیم بن جائے گا۔(عمدۃ القاری:372/5)

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مرفوع (قولی یا فعلی) حدیث کسی کے پاس نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسفار غزوات کے سلسلہ میں متعدد ہوئے مگر ان میں پہلے سے نیت نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس غزوہ میں کتنے دن ٹھہرنا پڑے گا اس لئے اس پر سفر والے احکام ہی جاری ہوتے تھے۔ہاں اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے آئمہ کرام رحمہ اللہ علیہم استدلال کرتے ہیں۔

189- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى بِالنَّاسِ بِمَكَّةَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ، إِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ، فَلْيُكْمِلْ. فَأَكْمَلَ أَهْلُ الْبَلَدِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا دَخَلَ الْمُقِيمُ فِي صَلَاةِ الْمُسَافِرِ فَقَضَى الْمُسَافِرُ صَلَاتَهُ، قَامَ الْمُقِيمُ، فَأَتَمَّ صَلَاتَهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کے ساتھ دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیر کر فرمایا۔اے اہل مکہ ہم مسافر ہیں لہذا جو اس شہر کا ہو، وہ اپنی نماز مکمل کرے۔چنانچہ شہر والوں نے نماز مکمل کی۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔مقیم اگر مسافر کے پیچھے نماز پڑھے اور مسافر اپنی نماز پوری کر چکے تو مقیم کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کرے گا، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہونے کی صورت:

اس اثر میں دو باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

① - اگر مقیم، مسافر امام کی اقتداء میں نماز پڑھے تو امام کے سلام کے بعد مقتدی اپنی باقی نماز لاحق کی طرح پوری کرے گا، جیسا کہ اس اثر میں ہے اور آگے اثر میں بھی آرہا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر قصر نماز پڑھائی تو سلام کے بعد اعلان کیا کہ مقامی لوگ اپنی نماز مکمل کریں۔

② - مسافر امام کو چاہیے کہ سلام کے بعد اعلان کرے کہ میں مسافر ہوں، مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔

190- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي صَلَاةِ الْمُقِيمِ أَكْمَلَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مَعَ الْمُقِيمِ وَجَبَ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْمُقِيمِ أَرْبَعًا. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مسافر جب مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو نماز پوری کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں مسافر اگر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے چار رکعات نماز پڑھنا پڑے گی۔ اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو کتنی رکعات پڑھے گا؟

إِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مَعَ الْمُقِيمِ وَجَبَ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْمُقِيمِ أَرْبَعًا: اگر مقیم مسافر کے پیچھے نماز پڑھے تو مسافر کے نماز ختم کرنے کے بعد مقیم اپنی اقامت والی نماز پوری کرے گا اور اگر مسافر مقیم کے پیچھے پڑھے گا تو اسے بھی اقامت والی نماز پڑھنا ہوگی۔

اس مسئلہ میں **تین مذاہب** ہیں۔

- **پہلا مذہب**: طاؤس، داؤد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے اقتداء کی تو یہ جائز ہی نہیں ہے۔
- **دوسرا مذہب**: امام احمد، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہما کا ہے کہ مقیم کو اختیار ہے کہ مقیم مسافر امام کے پیچھے پوری نماز پڑھے
- **تیسرا مذہب**: احناف، امام شافعی، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی کی اقتداء بالکل صحیح ہے اور مقیم پوری چار رکعات پڑھے گا۔

191- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: لَا يَغُرَّنَّكُمْ مَحْشَرُكُمْ، هَذَا مِنْ صَلَاتِكُمْ، يَغِيبُ الرَّجُلُ عَنْ ضَيْعَتِهِ، فَيَقْصُرُ، وَ يَقُولُ: أَنَا مُسَافِرٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَ عَلَى مَسِيرَةٍ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَ لَيَالِيهَا أَتَمَّ الصَّلَاةَ، فَإِذَا كَانَ عَلَى مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَ لَيَالِيهَا فَصَاعِدًا، وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ بِهَا أَهْلٌ، وَ لَمْ يُوَطِّنْ نَفْسَهُ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ، فَلْيُقْصِرِ الصَّلَاةَ، فَإِذَا وَطَّنَ نَفْسَهُ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ، أَتَمَّ الصَّلَاةَ، مَا دَامَ فِي ضَيْعَتِهِ، فَإِذَا خَرَجَ رَاجِعًا إِلَى أَهْلِهِ، قَصَرَ الصَّلَاةَ. وَمَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا بِالْقَصْدِ بِسَيْرِ الْإِبِلِ، وَ مَشْيِ الْأَقْدَامِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا یہ جمع ہونا تمہیں نماز سے دھوکہ میں نہ ڈالے۔ تم میں سے کوئی شخص اپنی زمینوں پر چلا جاتا ہے اور وہاں قصر کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں مسافر ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو پسند کرتے ہیں کہ اگر تین دن ورات سے کم مسافت پر ہو تو پوری نماز پڑھے گا اور اگر تین دن ورات یا اس سے زیادہ مسافت پر ہو وہاں اس کے بیوی بچے بھی نہ ہوں اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت بھی نہ ہو تو نماز قصر پڑھے گا۔ پھر جب پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو جب تک اپنی زمینوں پر رہے پوری نماز پڑھے گا پھر جب وہاں سے اپنے گھر لوٹے گا تو نماز قصر پڑھے گا۔ قصر کے لئے تین دن ورات کی مسافت اونٹوں اور پاؤں سے چلنے کے اعتبار سے ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے

لغات: لَا يَغُرَّنَّكُمْ: ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے، تمہیں فریب نہ دے، يَغْرُرُ: دھوکا دینا، فریب دینا۔ مَحْشَرُكُمْ: جمع ہونا، حشر بپا ہونا۔ ضَيْعَتِهِ: زمین، زائیداد، گھر۔ القصد: ارادہ۔ سیر: مسافت، چلنا۔

بِالْقَصْدِ بِسَيْرِ الْإِبِلِ: یہاں مراد اس سے تین دن کی مسافت ہے جو متوسط رفتار سے اونٹ پر سوار ہو کر چلنا یا پیدل چلنا صبح سے زوال تک۔ فقہاء کرام نے اس کی تحدید اڑتالیس میل اور سوا ستتر کلومیٹر سے کی ہے

سفر شرعی کی تعریف وتحدید:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ سفر جس سے احکام بدل جاتے ہیں اور نماز وغیرہ میں قصر ثابت ہوتا ہے، اس سے مطلق سفر مراد نہیں ہے، بل کہ وہ سفر مراد ہے جس میں سفر کرنے والا سفر کے قصد اور اس کی نیت سے تین دن اور تین رات تک چلنے کا ارادہ کرے، خواہ وہ اونٹ کی رفتار سے چلے یا پا پیادہ چلنے والوں کی رفتار سے چلے۔

سفر شرعی کے لیے تین دن اور تین راتوں کی تحدید دراصل اس حدیث سے ماخوذ ہے جو مسافر کے لیے مسح علی الخفین کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے،

حدیث شریف میں ہے:

أخبرنا الثوری، عن عمرو بن قيس الملائی، عن الحكم بن عتيبة، عن القاسم بن مخيمرة، عن شريح بن هانئ، قال: أتيت عائشة أسألها عن المسح على الخفين، فقالت: عليك بابن أبي طالب، فسله فإنه كان يسافر مع رسول الله ﷺ فسألناه فقال: جعل رسول الله ﷺ ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، ويوما وليلة للمقيم۔ (صحیح مسلم)

اور اس حدیث سے وجہ استدلال بایں معنی ہے کہ حدیث پاک میں المسافر کا الف لام جنس کے لیے ہے اور ہر طرح کے مسافر کو شامل اور متضمن ہے، لہٰذا احدیث پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مسافر شرعی ہوگا وہی تین دن تین رات تک موزوں پر مسح کر سکے گا اور جو شخص اس سے کم مدت تک سفر کرے گا وہ مسافر شرعی بھی نہیں کہلائے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے دو دن دو رات اور تیسرے دن کے اکثر حصے سے مدت سفر کا اندازہ کیا ہے اور اسی مدت کو مدت سفر قرار دیا ہے جب کہ ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک دن اور ایک رات کو مدت سفر قرار دیا ہے اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اڑتالیس میل کا اعتبار ہے۔ متاخرین فقہائے احناف کے ہاں بھی اڑتالیس میل کی مسافت کا اعتبار ہے، فتوی بھی اسی پر ہے۔

وطن اقامت کب بنتا ہے؟

مسافر کا مقیم بننے کی دو صورتیں ہیں:

① - مسافر وطن واپس آجائے۔ ② - کہیں وطن اقامت بنالے۔

وطن اقامت کتنے دن سے بنتا ہے؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، ہمارے نزدیک پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے سے

مقیم بن جائے گا، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سابقہ اثر میں ہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک کسی جگہ پاؤں رکھنے سے ہی مقیم بن جاتا ہے، ربیعۃ الرائے رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چار دن، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بارہ دن، اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انیس دن کی نیت کرنے سے مقیم بن جاتا ہے۔

وطن کی اقسام:

وطن کی تین قسمیں ہیں:

① - وطن اصلی: اس سے مراد کسی شخص کی وہ جگہ ہے جہاں اس کی پیدائش ہے یا اس کے گھر کے لوگ وہاں رہتے ہیں یا وہاں سکونت کر لی اور یہ ارادہ ہے کہ یہاں سے نہ جائے گا۔

② - وطنِ اِقامت: اس سے مراد وہ جگہ ہے کہ جہاں مسافر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کے ارادے سے قیام کرے۔

③ - وطن سکنٰی: اس سے مراد، جو وطن اصلی و اقامت نہیں۔ جیسا کہ وطن اصلی سے نکل کر مسافت شرعی سے کم فاصلے پر کہیں رہنا یا وطن اصلی کے علاوہ کہیں پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت سے ٹھہرنا، البتہ محققین کی عبارات میں وطن کی بس پہلی دو قسمیں ہی مذکور ہیں، وطن سکنٰی کو الگ وطن شمار نہیں کیا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے محققین اور مشائخ متاخرین کی عبارات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا: کہ سفر کے تحقق کے بعد وطن سکنٰی کا بالاتفاق اعتبار نہیں، محققین کا کلام اسی پر محمول ہے، سفر کے تحقق سے پہلے بالاتفاق وطن سکنٰی کا اعتبار ہے۔ عامۃ المشائخ کا کلام اسی پر محمول ہے۔

192- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الْوَالِبِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُمَا إِلَى كَمْ تُقْصَرُ الصَّلَاةُ؟ فَقَالَ: أَتَعْرِفُ السُّوَيْدَاءَ؟ قَالَ: قُلْتُ لَا، وَلَكِنِّي قَدْ سَمِعْتُ بِهَا، قَالَ: هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ قَوَاصِدُ، فَإِذَا خَرَجْنَا إِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلَاةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهذا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ الوالبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے میں نے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر قصر کیا جائے گا؟ فرمایا کیا تم سویداء نامی جگہ کو جانتے ہو میں نے کہا جی نہیں البتہ میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔ فرمایا: تین درمیانی راتوں کی مسافت پر ہے کہ ہم جب اس کا ارادہ کریں گے تو نماز قصر پڑھیں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مسافتِ قصر:

کلومیٹر کے حساب سے سفر شرعی کی مسافت سواستتر کلومیٹر (77.24) ہے۔ میل کے حساب سے اڑتالیس میل اور اصل کے حساب

سے تین دن صبح سے لے کر دوپہر تک معتدل سفر ہے۔ مسافت کا اعتبار اپنے شہر/قصبے کی آبادی کے اختتام سے لے کر مطلوبہ شہر کی آبادی کی ابتدا تک ہے۔ آبادی سے نکل کر اگر منفرد یا امام ہے تو قصر کرے گا اور اگر مقیم امام کی اقتدا میں نماز پڑھے گا تو پوری نماز پڑھے گا۔

(ردالمحتار: 2/32باب صلاۃ المسافر، سعید)

اس مسئلہ میں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف اس باب کے شروع میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

193- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا دَخَلَ الْمُقِيمُ فِي صَلَاةِ الْمُسَافِرِ، فَلْيُصَلِّ مَعَهُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيَقُمْ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مقیم جب مسافر کے پیچھے نماز پڑھے گا تو دو رکعتیں اس کے ساتھ پڑھے گا پھر کھڑے ہو کر اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مقیم مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر ہے وہ امام بن جائے، مقیم آدمی اس کے پیچھے نماز پڑھے تو چار رکعت پڑھنی ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب اس حدیث میں یہ دیا جا رہا ہے کہ مقیم آدمی اس مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھ لے۔ پھر مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت اپنی پوری کر لے۔

بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

خوف کی نماز کا بیان

صلوۃ الخوف کی مشروعیت کب ہوئی؟

صلوۃ الخوف کا حکم غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر نازل ہوا، لیکن غزوہ ذات الرقاع کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ غزوہ ذات الرقاع جمادی الاولی سن چار ہجری میں ہوا، دوسرا قول یہ ہے کہ محرم الحرام سن پانچ ہجری میں ہوا، تیسرا قول یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے بعد سن سات ہجری میں ہوا۔ (عمدۃ القاری: کتاب الخوف جلد 6ص: 255ط: دار الفکر)

194- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ قَالَ: إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ بِأَصْحَابِهِ، فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَ الْإِمَامِ وَ طَائِفَةٌ بِإِزَاءِ الْعَدُوِّ، فَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالطَّائِفَةِ الَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ تَنْصَرِفُ الطَّائِفَةُ الَّذِينَ صَلَّوْا مَعَ الْإِمَامِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَكَلَّمُوا حَتَّى يَقُومُوا مَقَامَ أَصْحَابِهِمْ، وَ تَأْتِي الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَيُصَلُّونَ مَعَ الْإِمَامِ الرَّكْعَةَ الْأُخْرَى ثُمَّ يَنْصَرِفُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَكَلَّمُوا حَتَّى يَقُومُوا فِي مَقَامِ أَصْحَابِهِمْ، وَ تَأْتِي الطَّائِفَةُ الْأُولَى حَتَّى يُصَلُّوا رَكْعَةً وُحْدَانًا ثُمَّ يَنْصَرِفُونَ فَيَقُومُونَ مَقَامَ أَصْحَابِهِمْ، وَ تَأْتِي الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى حَتَّى يَقْضُوا الرَّكْعَةَ الَّتِي

بَقِیَتْ عَلَیْهِمْ وُحْدَانًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے نماز خوف کے بارے میں فرمایا: امام لوگوں کے ساتھ جب جماعت کرے تو ان میں سے ایک جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور ایک جماعت دشمن کے مقابل رہے، امام اس جماعت کے ساتھ جو اس کے پیچھے ہے ایک رکعت پڑھے گا پھر وہ جماعت جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لی ہے، بغیر بات کئے (دشمن کے مقابلہ میں) اپنے ساتھیوں کی جگہ کھڑی ہو جائے گی اور دوسری جماعت آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے گی پھر یہ بات چیت کئے بغیر یہاں سے چلے جائیں گے اور ان لوگوں کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں گے اور پھر پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت اکیلے پڑھے گی پھر وہاں سے جا کر اپنے ساتھیوں کی جگہ پر کھڑی ہو جائے گی اور دوسری جماعت آ کر اپنی باقی ماندہ دوسری رکعت اکیلے پڑھے گی۔

صلوۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ:

صلوٰۃ الخوف پڑھنے کے احادیث میں متعدد طریقے آئے ہیں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر امام المسلمین (امیر لشکر) مسافر ہے تو افضل یہ ہے کہ لشکر کی دو جماعتیں بنا لے ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہو جائے اور ایک جماعت امام کے پیچھے، امام اس کو ایک رکعت پڑھائے ایک رکعت پڑھ کر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور جو دشمن کے مقابلے میں تھی وہ یہاں امام کے پیچھے آ جائے امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے، امام کی تو چونکہ دونوں رکعتیں ہو گئیں اس لئے وہ تو اپنی نماز تنہا ہی پوری کر کے سلام پھیر دے اور یہ دوسری جماعت جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لی ہے دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اس کے بعد پہلی جماعت اپنی باقی ماندہ رکعت اسی جگہ یا جس جگہ جماعت ہوئی تھی وہاں جا کر پڑھ لے اور سلام پھیر دے اور یہ ایک رکعت بلا قرآت پوری کرے کیوں کہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قرآت نہیں ہے، پھر اس کے بعد یہ جماعت دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور دوسری جماعت بھی اپنی باقی ماندہ رکعت پوری کرے اور اگر امیر لشکر مقیم ہے تو پہلی جماعت کو بھی دو رکعت پڑھائے اور اور دوسری کو بھی دو رکعت پڑھائے اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری کو ایک رکعت پڑھائے۔ (عمدۃ القاری ج:۵:۱۳۷)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک افضل صورت یہ ہے کہ جب پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ اسی وقت اپنی دوسری رکعت تنہا پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے امام اتنی دیر کھڑا ہوا انتظار کرتا رہے پھر دوسری جماعت آئے امام اس کو ایک رکعت پڑھائے اور تنہا سلام پھیر دے اور یہ جماعت اس وقت اپنی دوسری رکعت بھی پڑھ لے۔

(اوجز المسالک:266/2)

احناف رحمۃ اللہ علیہم نے جو نماز خوف کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ ترتیب کے زیادہ موافق ہے، کیوں کہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے طریقہ میں پہلی

جماعت امام سے پہلے ہی نماز سے فارغ ہو جاتی ہے جو موضوع امامت کے خلاف ہے۔

195۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مِثْلَ ذَلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ. وَ أَمَّا الطَّائِفَةُ الْأُولَى فَيَقْضُونَ رَكْعَتَهُمْ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ. لِأَنَّهُمْ أَدْرَكُوا أَوَّلَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ، فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُمْ قِرَاءَةٌ، وَ أَمَّا الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَإِنَّهُمْ يَقْضُونَ رَكْعَتَهُمْ بِقِرَاءَةٍ، لِأَنَّهَا فَاتَتْهُمْ مَعَ الْإِمَامِ. وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت حارث بن عبدالرحمن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل نقل کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں البتہ پہلی جماعت دوسری رکعت بغیر قراءت کے پڑھے گی اس لئے کہ یہ لاحق ہیں ان کو اول نماز امام کے ساتھ مل چکی تھی لہذا امام کی قراءت ان کے لئے بھی قراءت ہے رہی دوسری جماعت تو وہ دوسری رکعت قرأت کے ساتھ پوری کرے گی۔ اس لئے کہ یہ مسبوق ہے ان سے یہ رکعت امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی تھی۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

196۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي الْخَوْفِ وَحْدَهُ، قَالَ: يُصَلِّي مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، فَرَاكِبًا مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، فَلْيُومِ أَيْنَمَا كَانَ وَجْهُهُ، لَا يَسْجُدُ عَلَى شَيْءٍ، لِيُومِئَ إِيمَاءً، وَ يَجْعَلُ سُجُودَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ، وَلَا يَدَعُ الْوُضُوءَ وَ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نماز خوف تنہا پڑھے تو اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا، اگر اس طرح نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو قبلہ رخ سواری پر نماز پڑھ لے، اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اشارے سے بغیر سجدے کے جس طرف منہ ہو نماز پڑھ لے، اشارہ کرے گا اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے گا اور وضوء اور دونوں رکعات میں قرآت کو نہیں چھوڑے گا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سواری پر نماز خوف ادا کرنا:

اگر دشمن کا خوف اس قدر بڑھ گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے سواری پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدے کے اشارے کے ساتھ تنہا تنہا نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف چاہیں کر لیں۔

بَابُ صَلَاةِ مَنْ خَافَ النِّفَاقَ

نفاق سے ڈرنے والے کی نماز!

197- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَوَّابٌ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ، فَقَالَ: إِنِّي أَتَخَوَّفُ عَلَى نَفْسِي النِّفَاقَ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى رضي الله عنه: أَمَا صَلَّيْتَ قَطُّ حَيْثُ لَا يَرَاكَ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ، قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ الْمُنَافِقَ لَا يُصَلِّي حَيْثُ لَا يَرَاهُ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: حضرت جوّاب تیمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب ان کے پاس آئے اور ان سے عرض کیا کہ مجھے اپنے اوپر نفاق کا خطرہ ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کیا تم نے کبھی کسی ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھی جہاں تمہیں اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی نہ دیکھ رہا ہو؟ تو انہوں نے جوابا کہا کیوں نہیں، انہوں نے فرمایا: پس منافق ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھتا جہاں اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔

منافق کبھی تنہائی میں نماز نہیں پڑھتا:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے یہ جواب دیا تھا اس لئے کہ منافقین اولاً نماز پڑھتے ہی نہ تھے اور اگر وہ پڑھتے تو صرف وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور دکھانے کے لئے نماز میں شامل ہوئے تھے۔ لہذا تنہائی میں نماز پڑھنے والا شخص لازمی طور سے اللہ جل جلالہ کے لئے ہی عبادت کر رہا ہے اور یہ مومن کا وصف ہے نہ کہ منافق کا۔

اسی طرح ایک موقع پر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا۔" عن قتادة رضی اللہ عنہ یراؤون الناس قال والله لولا الناس ما صلی المنافق ولا یصلی الاریاء وسمعة "، حضرت قتادہ کے فرماتے ہیں خدا کی قسم اگر لوگ نہ آتے تو منافقین بھی نماز نہ پڑھتے اور جب بھی یہ پڑھتے ہیں تو دکھلاوے کے لئے۔

بَابُ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ

چھینکنے والے کو جواب دینے کا بیان

198- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: إِذَا عَطَسَ الرَّجُلُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَقُلْ يَرْحَمُنَا اللهُ وَإِيَّاكَ وَلْيَقُلِ الَّذِي عَطَسَ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو تم اس کے جواب میں یرحمنا الله و ایاك (یعنی اللہ تعالیٰ ہم پر اور تم پر رحم کرے) کہو، اور چھینکنے والا پھر اس کے جواب میں " یغفر الله لنا ولك " کہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے)۔

چھینک کا جواب دینا:

چھینک کا جواب دینا بعض اہل الظاہر کے نزدیک فرض عین ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام کے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت علی الکفایہ ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ چھینکنے والے پر چھینک آنے پر"الحمد للہ" کہنا سنت ہے اور جواب میں سننے والوں پر "یرحمك اللہ" کہنا واجب کفایہ ہے، لہذا جب چھینکنے والا"الحمد للہ" کہے تو اس مجمع میں سے کوئی ایک بھی اس کے جواب میں"یرحمك اللہ" کہہ دے، اس صورت میں سب کی طرف سے واجب ادا ہوجائے گا، البتہ اگر مجمع میں سے کوئی بھی شخص"الحمد للہ" کے جواب میں"یرحمك اللہ" نہ کہے، تو سب گناہ گار ہوں گے، لیکن اگر چھینکنے والا شخص"الحمدللہ" نہ کہے تو اس کے جواب میں"یرحمك اللہ" کہنا بھی ضروری نہیں ہوگا۔

واجب کفایہ سے مراد وہ واجب ہے جس کو کوئی ایک مسلمان بھی ادا کرلے، تو سب مسلمانوں کے ذمے سے وہ واجب ساقط ہوجائے، اور اگر ایک مسلمان بھی ادا نہ کرے تو سب مسلمان گناہ گار ہوں گے۔

بَابُ صَلَاةِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَالْخُطْبَةِ

جمعہ کی نماز اور خطبہ کا بیان

اس باب میں جمعہ اور خطبہ کے احکام وآداب بیان کئے جائیں گے۔

جمعہ کی وجہِ تَسمِیَہ:

عربی زبان میں اس دن کا نام عروبہ تھا بعد میں جمعہ رکھا گیا اور سب سے پہلے جس شخص نے اس دن کا نام جمعہ رکھا وہ کعب بن لُوی ہیں۔اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس دن نماز کیلئے جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔(خازن، الجمعة، تحت الآية: ۹، ۲۶۵/۴)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عظیم الشان باتیں واقع ہوئیں یا ہوں گی۔بعض کہتے ہیں کہ سمی الجمعۃ لانہا من الجمع فان اھل الاسلام یجتمعون فی کل اسبوع مرۃ کہ جمعہ جمع سے ماخوذ ہے اس کے معنی اکٹھا ہونے کے ہیں کہ ہر ہفتہ ایک مرتبہ مسلمان اس دن میں جمع ہوتے ہیں۔

199- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا غَيْلَانُ، وَأَيُّوبُ بْنُ عَائِذٍ الطَّائِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعَةٌ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ: الْمَرْأَةُ، وَالْمَمْلُوكُ، وَالْمُسَافِرُ،

وَالْمَرِيضُ وقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: فَإِنْ فَعَلُوا أَجْزَأَهُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار (افراد) پر جمعہ (فرض) نہیں؟ عورت، غلام، مسافر، بیمار، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر یہ لوگ پڑھ لیں تو جمعہ ہو جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

جمعہ کی شرائط:

جمعہ کے فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں: چھ وجوب کی چھ صحت کی:

وجوب کی چھ شرطیں:

١- آزاد ہونا ٢- مرد ہونا ٣- مقیم ہونا

٤- تندرست ہونا ٥- پاؤں کا سلامت ہونا ٦- آنکھوں کا سلامت ہونا۔

صحت کی چھ شرطیں:

١- شہر ہونا ٢- بادشاہ یا اس کا نائب ہونا ٣- وقت کا ہونا

٤- خطبہ ہونا ٥- جماعت ہونا ٦- عام اجازت ہونا

200- مُحمدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَنِ الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: أَمَا تَقْرَأُ سُورَةَ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: بَلَى وَلَكِنِّي لَا أَدْرِي كَيْفَ هِيَ؟ قَالَ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ [الجمعة: ١١] فَالْخُطْبَةُ قَائِمًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِلَّا أَنَّهَا خُطْبَتَانِ بَيْنَهُمَا جِلْسَةٌ خَفِيفَةٌ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے خطبہ کے بارے میں پوچھا کہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے گا یا بیٹھ کر، تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے سورہ جمعہ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا کیوں نہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ خطبہ کیسے پڑھا جائے گا؟ فرمایا ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ (ور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا تو اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ گئے) جمعہ کا خطبہ کھڑا ہو کر دیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں البتہ دو خطبے ہوں گے اور دونوں کے درمیان مختصر سا جلسہ ہوگا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خطبے کے آداب:

خطیب کو چاہیے کہ وہ باوضو ہو کر اور کھڑے ہو کر خطبہ دے، تاکہ سنت نبوی کی اقتداء اور اتباع کرنے والا بن جائے، کیوں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ جمعہ کھڑے ہوکر دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اور بزرگان دین کا بھی یہی معمول رہا ہے، اس لیے ہر خطیب کو اس معمول پر عمل کرنا چاہیے، یہ حکم تو ہمارے یہاں ہے، ورنہ حضرات ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کھڑے ہوکر خطبہ دینے کو شرط اور ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ دیا تو ہمارے یہاں مکروہ ہے، لیکن ان حضرات کے یہاں جائز ہی نہیں ہے۔ ہمارے یہاں جائز اس معنی کر کے ہے کہ نہ تو خطبہ کے لیے قیام شرط ہے اور نہ ہی طہارت، لہٰذا بیٹھ کر کوئی حرج نہیں ہے، البتہ چوں کہ بیٹھ کر خطبہ دینے میں توارث کے ساتھ معمول کی مخالفت ہے اس لیے یہ صورت مکروہ ہے۔

خطبہ جمعہ کو دو حصوں میں منقسم کر کے پڑھنا چاہیے اور ان دونوں کے مابین بیٹھ کر فصل کرنا چاہیے، بنایہ وغیرہ میں ہے کہ یہ بیٹھک تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کی مقدار میں ہونی چاہیے، پھر ہمارے یہاں مذکورہ بیٹھک استراحت کے لیے ہے، شرط اور ضروری نہیں ہے، جب کہ شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں شرط ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ یہ بیٹھک شرط نہیں ہے، کیوں کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے" ان رسول الله كان يخطب قائما خطبة واحدة فلما أسن جعلها خطبتين بينهما جلسة " یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بڑھاپے سے پہلے) کھڑے ہوکر ایک ہی خطبہ دیتے تھے لیکن جب آپ عمر دراز ہوگئے تو آپ نے دو خطبہ بنالیا اور ان کے مابین جلسہ کرنے لگے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فصل بالجلسہ کا معمول کبرسنی کی وجہ سے تھا، شرط یا ضروری ہونے کی وجہ سے نہیں تھا، مگر چوں کہ بعد میں حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ سے فصل بالجلسہ کا معمول توارث کے ساتھ منقول ہوتا چلا آیا ہے، اس لیے اسے کرنے میں ہی بہتری ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

عیدین کی نماز کا بیان

عیدین: عید کی تثنیہ ہے عاد یعود سے ماخوذ ہے۔ یہ اصل میں عود تھا، واؤ کے سکون اور ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے داد کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا اس کی جمع قانون کے اعتبار سے اعواد آتی ہے، مگر عود بمعنی لکڑی جب اس کی جمع اعواد آتی ہے تو فرق کرنے کے لئے اس کی جمع اعیاد آتی ہے۔

عید کو عید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہے لوٹنا، تو یہ بھی ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔ یا اس کا معنی عود ہے (بمعنی خوشبودار لکڑی) سے ماخوذ ہے کہ اس دن بھی عود لکڑی عرب میں کثرت سے جلائی جاتی تھی، یہ ایک دعا ہے کہ خدا کرے کہ یہ دن تمہاری زندگی میں بار بار آئے یا تکبیرات کا اس دن میں بار بار اعادہ ہوتا ہے۔

201- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الرَّجُلِ يَخْرُجُ إِلَى الْمُصَلَّى فَيَجِدُ الْإِمَامَ قَدِ انْصَرَفَ أَيُصَلِّي؟ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُصَلِّيَ، وَإِنْ شَاءَ صَلَّى، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ إِلَى الْمُصَلَّى أَيُصَلِّي

فِي بَيْتِهِ كَمَا يُصَلِّي الْإِمَامُ؟ قَالَ: لَا ـ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِنَّمَا صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ فَإِذَا فَاتَتْكَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَا صَلَاةَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو عیدگاہ جائے اور امام کو سلام پھیرتا ہوا پائے کیا اب وہ نماز پڑھے گا؟ فرمایا: اس پر نماز پڑھنا لازم نہیں اگر چاہے تو پڑھ لے، میں نے عرض کیا: اگر وہ عیدگاہ نہ جائے تو کیا گھر میں امام کی طرح نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں عید کی نماز امام کے ساتھ ہی ہوتی ہے لہٰذا اگر امام کے ساتھ نہ ملے تو اب نماز عید نہ پڑھے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نماز عید کی قضا:

اگر کسی شخص کی نماز عید فوت ہو جائے تو اب اس کے لیے اکیلے اور تن تنہا نماز عید اداء کرنے کی اجازت نہیں ہے کیوں کہ نماز عید کا تکبیرات زوائد کے ساتھ اداء کیا جانا ان شرطوں پر موقوف ہے جو تن تنہا ایک شخص سے پوری نہیں ہو سکتیں، اس لیے کہ نماز عید کی شرائط میں سے ایک اہم شرط جماعت کا ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ فرد واحد سے جماعت کا تحقق نہیں ہو سکتا، اس لیے امام عید کے نماز عید سے فارغ ہو جانے کے بعد کسی بھی شخص کے لیے عید کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

202 ـ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ أَنَّهُ كَانَ قَاعِدًا فِي مَسْجِدِ الْكُوفَةِ وَمَعَهُ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَأَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمُ الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ ـ وَهُوَ أَمِيرُ الْكُوفَةِ يَوْمَئِذٍ ـ فَقَالَ: إِنَّ غَدًا عِيدَكُمْ فَكَيْفَ أَصْنَعُ؟ فَقَالَا: أَخْبِرْهُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَأَمَرَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنْ يُصَلِّيَ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ وَأَنْ يُكَبِّرَ فِي الْأُولَى خَمْسًا وَفِي الثَّانِيَةِ أَرْبَعًا وَأَنْ يُوَالِيَ بَيْنَ الْقِرَاءَتَيْنِ وَأَنْ يَخْطُبَ بَعْدَ الصَّلَاةِ عَلَى رَاحِلَتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْطُبَهَا قَائِمًا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط جو ان دنوں امیر کوفہ تھے وہ آ گئے اور کہا: کل آپ لوگوں کی عید کا دن ہے میں کیسے کروں؟ حضرت حذیفہ اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبدالرحمن (یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) ان کو بتلا دیجئے کہ کیسے کریں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حکم دیا: کہ وہ بغیر اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں پانچ تکبیرات اور دوسری میں چار تکبیرات کہیں، دونوں قراءت پے در پے کریں اور نماز کے بعد سواری پر خطبہ دیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اگر کھڑے ہو کر سواری پر سوار ہوئے بغیر خطبہ دیا جائے، تب بھی کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

عیدین کی زائد تکبیرات:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عیدمیں کی تکبیرات زوائد کتنی ہیں۔اس بارے میں **تین مذاہب** ہیں:

① - **احناف** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تکبیرات زوائد صرف چھ ہیں تین پہلی رکعت میں قرآت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرآت کے بعد۔(معارف السنن ج۴،ص:۴۳۴)

② - **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بارہ تکبیریں ہیں سات پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور پانچ دوسری رکعت میں۔ (معارف السنن ج۴،ص:۴۳۴)

③ - **امام مالک واحمد** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک گیارہ تکبیریں ہیں، چھ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور پانچ دوسری رکعت میں۔(معارف السنن ج:۴ص:۴۳۴)

اور یہ سب حضرات اس پر متفق ہیں کہ دونوں رکعتوں میں تکبیریں قرآت سے پہلے ہوں گی۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم **کا استدلال:** اس روایت سے ہے:"ان النبی کبر فی العیدین فی الأولی سبعًا قبل القراءۃوفی الآخرۃ خمسا قبل القراءۃ"۔(ترندی ج:اص:۱۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرآت سے قبل کہیں۔

جواب: اس روایت کا مدار کثیر بن عبداللہ پر ہے جو ضعیف ہیں۔(معارف السنن ج۴،ص:۴۳۶)

احناف رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے،حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں کہا کرتے تھے۔(ابوداؤد:ج:اص:۱۶۳)ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زوائد ہیں اسی طرح دوسری رکعت میں تین زوائد ہیں۔

203 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَتِ الصَّلَاةُ فِي الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَقِفُ الْإِمَامُ عَلَى رَاحِلَتِهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَيَدْعُو وَيُصَلِّي بِغَيْرِ أَذَانٍ، وَلَا إِقَامَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ہوتی ہے پھر نماز کے بعد امام سواری پر سوار ہو کر کھڑے ہو کر دعا کرے اور نماز عیدین بغیر اذان واقامت کے ہوتی ہے۔

عید کا خطبہ کب دیا جائے گا؟

نماز عید سے فارغ ہو کر امام دو خطبے پڑھے گا منبر پر کھڑے ہو کر اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبہ میں، ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز سے فراغت کے بعد مسنون ہے، پھر حنفیہ و

مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دیدیا پھر بھی درست ہے، اگرچہ خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ (معارف السنن:427/4)

بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْعِيدَيْنِ وَلِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ

عیدین میں عورتوں کے جانکلنے اور چاند دیکھنے کا بیان!

204 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ يُرَخَّصُ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوجِ فِي الْعِيدَيْنِ: الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُعْجِبُنَا خُرُوجُهُنَّ فِي ذَلِكَ إِلَّا الْعَجُوزَ الْكَبِيرَةَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عیدین (یعنی) عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عورتوں کو گھروں سے) نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عورتوں کا عیدین کے لئے جانا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا الا یہ کہ بوڑھی عورتیں ہوں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عورتوں کا نماز کے لیے مسجد جانا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں عورتیں مسجدِ نبوی میں نماز کے لیے جایا کرتی تھیں، اس کی **تین وجوہات** تھیں:

① - نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے۔

② - اس دور میں احکامات نازل ہو رہے تھے اور احکامات مرد و عورت دونوں کے لیے تھے، عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احکاماتِ دین سیکھتیں اور دیگر عورتوں کو سکھاتیں۔

③ - مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور مسجدِ حرام میں بھی نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، اس لیے ان مساجد میں عورتیں نماز کے لیے آتی تھیں، جبکہ اس مسجدِ نبوی کے علاوہ مدینہ منورہ میں 9 مساجد اور بھی تھیں ان مساجد میں عورتیں نماز کے لیے نہیں جاتی تھیں، اور آج بھی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیارت اور مسجدِ نبوی کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے خواتین آتی ہیں اور نماز پڑھتی ہیں، اس لیے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسجدِ حرام میں آج بھی عورتیں نماز پڑھتی ہیں۔

نیز بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنے سے منع بھی فرمایا، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے لیے جہاں تک ممکن ہو مخفی مقام پر اور چھپ کر نماز پڑھنے کو پسند فرمایا اور اسے ان کے لیے مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے سے بھی زیادہ فضیلت اور ثواب کا باعث بتایا، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک خاتون کمرہ میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرے کے اندر چھوٹی کوٹھری میں نماز پڑھے، یہ کمرہ کی نماز سے بہتر ہے۔ (المستدرك للحاکم:324/1)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے اور اسلامی احکام کی تکمیل اور تعلیم کا مقصد پورا ہونے کے بعد جب عورتوں کے خروج

کی ضرورت بھی نہ رہی اور ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے فتنے کا اندیشہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں (خصوصاً جوان عورتوں) کے نماز میں حاضر ہونے سے منع فرما دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ حالت دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کردی ہے تو عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔ (بخاری)

ان وجوہات کی بنا پر حضرات فقہائے کرام نے یہ فتوی دیا ہے کہ عورتوں کے لیے مسجد میں جا کر کسی بھی قسم کی نماز (فرض، تراویح وغیرہ) ادا کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ شامی: کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، ج: 1، ص: 566، ط: سعید)

205- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي قَوْمٍ شَهِدُوا أَنَّهُمْ رَأَوُا هِلَالَ شَوَّالٍ فَقَالَ حَمَّادٌ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنْ جَاءُوا صَدْرَ النَّهَارِ فَلْيُفْطِرُوا وَلْيَخْرُجُوا، وَإِنْ جَاءُوا آخِرَ النَّهَارِ، فَلَا يَخْرُجُوا وَلَا يُفْطِرُوا حَتَّى الْغَدِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، يُفْطِرُونَ وَيَخْرُجُونَ مِنَ الْغَدِ إِذَا جَاءُوا مِنَ الْعَشِيِّ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اس قوم کے بارے میں جنہوں نے شوال کا چاند دیکھنے کی گواہی دی ہو، پس حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اگر وہ لوگ دن کے ابتدائی حصہ میں آجائیں تو لوگوں کو روزہ افطار کر کے عید کی نماز کے لئے چلے جانا چاہئے۔ اور اگر وہ لوگ دن کے آخر میں آئیں تو دوسرے دن نماز کے لئے نکلیں گے اور افطار کریں گے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں سوائے ایک بات کے اور وہ یہ کہ اگر چاند دیکھنے کی اطلاع شام کو دی تو اس دن تو افطار کرلیں گے اور نماز عید کیلئے دوسرے دن نکلیں گے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

تشریح:

۲۹ رمضان کو اگر چاند بادل میں چھپ گیا، اور ۳۰ رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول بھی کرلی تو روزہ توڑ دیں اور امام دوسرے دن لوگوں کو نماز پڑھائے اور اگر ۲ شوال کو بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کے لئے مانع ہو تو اب ۳/شوال کو نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی قضاء ہے اگر امام اور قوم سب کی فوت ہوجائے یہی ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے، مالکیہ کے یہاں قضاء نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری، ج۵، ص: ۲۰۸)

یہ تو عید الفطر کے بارے میں ہے، اور اگر عید الاضحیٰ کی نماز کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن رہ جائے تو اس کو دوسرے دن پڑھ لے اور اگر دوسرے دن بھی عذر ہو تو پھر تیسرے دن پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔

بَابُ مَنْ يَطْعَمُ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى

عیدگاہ جانے سے پہلے کھانے کا بیان!

206 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ. أَنَّهُ كَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ يَطْعَمَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ الْمُصَلَّى يَعْنِي يَوْمَ الْفِطْرِ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھائیں۔

تشریح:

يُعْجِبُهُ أَنْ يَطْعَمَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ الْمُصَلَّى: یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ (عید الفطر) میں عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھائیں۔ اس بارے میں جمہور کا مسلک یہی ہے کہ نماز سے پہلے کچھ کھالینا مسنون ہے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال کان رسول اللہ ﷺ لا یغدو یوم الفطر حتی یاکل تمرات، (بخاری) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے دن جب تک چھوارے نہ کھالیتے عیدگاہ کی طرف نہیں جاتے تھے۔

شامی میں ہے کہ طاق عدد کھاتے یہ مستحب ہے۔ (شامی: 776/1)

207 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ. أَنَّهُ كَانَ يَطْعَمُ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يَرْجِعَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ عید الفطر میں نکلنے سے پہلے کچھ کھایا کرتے تھے اور عید الاضحیٰ میں پس آنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھانا:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں دونوں کا وقت ایک ہی ہے دونوں کے لئے شرطیں ایک سی ہیں اور اس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں، جو عید الفطر میں ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے عید الاضحیٰ میں ایسا نہیں ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے اور اپنی قربانی سے کھائے اگر کوئی بقرعید کی نماز سے پہلے کھالے گا، تو یہ مکروہ تنزیہی بھی نہ ہوگا، کیوں کہ بدائع الصنائع میں صراحت ہے کہ چاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد کھائے۔ (بدائع الصنائع ج: ا ص: ۱۲۴، درمختار ج: ا، ص: ۷۸۴)

بَابُ التَّكْبِيرِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

ایام تشریق میں تکبیر کہنے کا بیان!

208 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ، كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَمْ يَكُنْ أَبُو حَنِيفَةَ يَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ يُكَبِّرُ فِي الْعَصْرِ ثُمَّ يَقْطَعُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمہ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نو تاریخ کی فجر کی نماز سے ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھا کرتے تھے۔ امام محمد رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اس کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کرتے ہیں کہ نویں تاریخ کی فجر سے تکبیر شروع کرے گا اور یوم النحر کی عصر تک تکبیر کہے گا پھر ختم کر دے گا۔

تکبیرات تشریق:

كَانَ يُكَبِّرُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ: اس اثر میں تکبیرات تشریق کا بیان ہو رہا ہے۔

فقہاء کا اس میں دو طرح کا اختلاف ہے پہلا اختلاف اس میں ہوا ہے کہ یہ سنت ہے یا واجب، دوسرا اختلاف اس میں ہوا ہے کہ تکبیرات کب سے کب تک پڑھنا ہے۔ جس کی تفصیل ذیل میں بیان کی جا رہی ہے

تکبیر تشریق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک نو ذی الحجہ کے دن فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتی ہے اور ان کا اختتام دس ذی الحجہ کی نماز عصر کے بعد تک ہے، اس طرح امام صاحب رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہی جائے گی، نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں پر، گاؤں والوں پر، (جہاں نماز جمعہ واجب نہیں) مسافر پر، تنہا نماز پڑھنے والے پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے، صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک تکبیر تشریق کی ابتداء 9 ذی الحجہ کی فجر سے لیکر تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہے اس طرح کل ملا کر ۲۳ نمازیں ہو جائیں گی، نیز صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک ہر اس شخص پر تکبیر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے خواہ شہری ہو یا گاؤں والا، مسافر ہو یا مقیم، جماعت سے پڑھے یا تنہا، مرد ہو یا عورت فتوی اور عمل صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ (در مختار ج:اص:۷۸۶ تا ۷۸۷)

صحیح قول کے مطابق تکبیر تشریق واجب ہے، بعض حضرات سنت کہتے ہیں، تکبیر تشریق فرض نمازوں کے بعد کہی جائے گی، مرد زور سے کہیں گے، **تکبیر تشریق یہ ہے:** "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد"۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ جل جلالہ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ان

کا بدل لیکر پہنچے اور انھیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر ڈالیں، چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے "الله اکبر الله اکبر" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو فورا بول پڑے "لا الله الا الله والله اکبر" اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ کے آنے کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا "الله اکبر ولله الحمد"۔

(درمختار مع الشامی:ج:ا،ص:۴۸۵)

بَابُ السُّجُودِ فِي "ص"

سورہ "ص" کے سجدے کا بیان!

209 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَسْجُدُ فِي ص وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَسْجُدُ فِيهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَكِنَّا نَرَى السُّجُودَ فِيهَا وَنَأْخُذُ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سورہ ص میں سجدہ نہیں کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورہ ص میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن ہم اس سورت میں سجدہ کے قائل ہیں اور اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

تشریح: یہ باب سجدہ تلاوت کے متعلق ہے۔ اس میں دو باتیں ہیں پہلی: سجدہ تلاوت کا حکم کیا ہے؟ سنت ہے یا واجب، دوسری: قرآن پاک میں سجدے کتنے ہیں۔

سجدہ تلاوت کا حکم:

سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت؟

سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت۔ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

① - ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۳۴۳)

دلیل: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورہ نجم کی تلاوت کی لیکن کسی نے سجدہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری سورہ سجدہ ۵، ص:۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

جواب: یہ سجود علی الفور کی نفی ہے اور فی الفور سجدہ ہمارے نزدیک بھی واجب نہیں ہے، اس حدیث میں وجوب کی نفی نہیں ہے۔

② - احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے۔ (عمدۃ القاری:342/5، 343)

دلیل: احناف رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال ان تمام آیات سجدہ سے ہے جن میں صیغہ امر وارد ہوا ہے۔

سجدہ تلاوت کی تعداد:

پورے قرآن کریم میں کتنے سجدے ہیں اس سلسلہ میں **تین مذاہب** بیان کئے جائیں گے۔

① - حنابلہ رحمہ اللہ علیہم کے نزدیک پورے قرآن کریم میں پندرہ جگہوں پر آیات سجدہ ہیں اس لئے سجدہ تلاوت ۱۵ ہوں گے، سورہ حج میں دو اور باقی کی تفصیل حنفیہ کی طرح ہے۔ (بذل المجھود:314/2)

② - مالکیہ رحمہ اللہ علیہم کے نزدیک پورے قرآن کریم میں کل گیارہ مقامات پر سجدہ ہے، سورہ نجم، سورہ انشقاق اور سورۂ اقراء میں سجدہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:453/1)

③ - امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک کل چودہ مقامات میں سجدے ہیں اتنا فرق ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورہ حج میں ایک سجدہ ہے اور سورہ ص میں بھی ایک سجدہ ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورہ حج میں دو سجدے ہیں اور سورہ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع:ج:اص:۴۵۱)

سورہ حج میں دوسرے سجدہ کے بارے میں شوافع وحنابلہ رحمہ اللہ علیہم کا استدلال حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ سورہ حج کو فضیلت دی گئی، کیونکہ اس میں دو سجدے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں جس نے ان دونوں کو نہیں کیا گویا ان کو نہیں پڑھا۔ (ترمذی)

جواب: اس روایت کا دارومدار ابن لہیعہ پر ہے جن کا ضعف معروف ہے۔ (معارف السنن:82/5)

شوافع رحمہ اللہ علیہم سورہ ص کے اندر سجدہ کے نہ ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ ص میں سجدہ کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے۔ (ترمذی)

جواب: یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ (عمدۃ القاری:347/5)

210 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ الْهَمْدَانِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: فِي سَجْدَةِ ص: سَجَدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَنَحْنُ نَسْجُدُهَا شُكْرًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ ص کے سجدے کے بارے میں فرمایا: کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ توبہ کے طور پر کیا تھا اور ہم اسے شکر کے طور پر کریں گے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بَابُ الْقُنُوتِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں قنوت پڑھنا!

211 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقْنُتُ فِي السَّنَةِ كُلِّهَا، فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر میں رکوع سے پہلے سارے سال دعاء قنوت پڑھا کرتے تھے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پورا سال قنوت پڑھنا:

كَانَ يَقْنُتُ فِي السَّنَةِ كُلِّهَا، فِي الْوِتْرِ: دعائے قنوت پورے سال پڑھی جائے گی؟اس بارے میں **تین مذاہب** ہیں۔

۱- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک پورا سال وتر میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کا وہ فرمان ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دعائے قنوت کی تعلیم دی تو ان سے یہ فرمایا" اجعل هذا في وترك " کہ اسے اپنی وتر میں شامل کرلو،اس فرمان سے ہمارا وجہ استدلال اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مطلق وتر میں قنوت شامل کرنے کا حکم دیا تھا اور چوں کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے اور رمضان یا غیر رمضان کی کوئی قید نہیں ہے،اس لیے یہ حکم اپنے اطلاق پر باقی رہے گا اور پورا سال وتر میں قنوت پڑھی جائے گی۔

۲- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی،امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی **دلیل**: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نام جاری کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو رمضان میں امامت کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا: کہ نصف اخیر میں دعائے قنوت پڑھو،اس سے معلوم ہوا کہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ دلیل تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس قنوت سے قنوت نازلہ مراد ہے اور قنوت نازلہ میں مہینے اور ایام کی تخصیص ہوسکتی ہے اور قرینہ بھی یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الگ سے انہیں قنوت پڑھنے کا حکم دیا تھا جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اس سے قنوت وتر مراد نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو امامت میں داخل وشامل ہے،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا دوسرا **جواب** یہ ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے اور حدیث رسول کے مقابلے میں صحابی کا اثر قابل حجت نہیں ہے،اس کے تو خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی قائل ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قنوت صرف رمضان میں پڑھنا مسنون ہے۔(بذل المجهود:326/2)

212 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ الْقُنُوتَ فِي الْوِتْرِ وَاجِبٌ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَغَيْرِهِ قَبْلَ الرُّكُوعِ، فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَقْنُتَ فَكَبِّرْ وَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَرْكَعَ فَكَبِّرْ أَيْضًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى قَبْلَ الْقُنُوتِ كَمَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَضَعُهُمَا، وَيَدْعُو. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وتر میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے۔ خواہ رمضان کا مہینہ ہو یا غیر رمضان کا آپ جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ کریں تو اللہ اکبر کہیں اور جب رکوع کرنے کا ارادہ ہو تب بھی اللہ اکبر کہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، دعاء قنوت سے پہلے والی تکبیر میں اسی طرح ہاتھ اٹھائے گا جس طرح تکبیرۃ الاولی میں اٹھائے تھے۔ پھر ہاتھ باندھ کر دعا پڑھے گا۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قنوت فی الوتر کا حکم:

أَنَّ الْقُنُوتَ فِي الْوِتْرِ وَاجِبٌ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ: واجب کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایات منقول ہیں۔

- فرض ہے: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب اس کو فرض کہتے تھے
- واجب ہے: یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری روایت ہے (مبسوط، عنایہ) اور یہی مذہب، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے۔
- سنت ہے: یہی مذہب ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، صاحبین وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

ان تینوں قولوں میں تطبیق اس طرح دی جاتی ہے کہ وتر عملاً فرض ہے۔ اعتقاداً واجب ہے اور ثبوتاً سُنّت ہے۔ (شرح مجمع)

قنوت پڑھنے کا صحیح وقت:

- ہمارے یہاں وتر پڑھنے والا رکوع کرنے سے پہلے دعائے قنوت پڑھے گا۔

ہماری پہلی دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے "ان رسول اللہ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وتر پڑھتے تھے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے "أن النبی کان یوتر بثلاث ویجعل القنوت قبل الرکوع" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور دعائے قنوت کو رکوع سے پہلے پڑھتے تھے، ان روایات سے معلوم ہوا کہ دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہی پڑھی جائے گی نہ کہ رکوع کے بعد۔

- شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں وہ شخص رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے گا۔

شوافع رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں یہ مضمون وارد ہے "انہ قنت بعد الرکوع" کہ

آپ ﷺ نے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھی ہے، دوسری روایت میں ہے"قنت في آخر الوتر " کہ آپ نے وتر کے اخیر میں دعائے قنوت پڑھی ہے اور وتر کا اخیر تیسری رکعت کے رکوع کے بعد ہی متحقق ہوتا ہے اس لیے محل قنوت بعد الرکوع ہوگا نہ کہ قبل الرکوع۔

جواب: رہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال تو ان کی پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جس قنوت کا تذکرہ ہے وہ قنوت وتر نہیں، بل کہ قنوت نازلہ ہے اور قنوت نازلہ کے متعلق تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ بعد الرکوع ہے، اور دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ کوئی بھی چیز جب کسی چیز کے نصف سے بڑھ جاتی ہے تو اس پر آخر کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے في آخر الوتر سے نصف کے بعد والا حصہ مراد ہے اور یہ حصہ قبل الرکوع بھی متحقق ہے، اور آثار وقرائن سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے، اس لیے یہی مراد ہوگا اور قنوت قبل الرکوع ہی افضل ہوگا۔

فائدہ: احناف رحمہم اللہ کے ہاں وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے قبل دعائے قنوت ہمیشہ پڑھی جائے گی، ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھیں گے، اور دعائے قنوت واجب ہے، اس کے ترک پر سجدہ سہو کرنا ہوگا، آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے، اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو تین مرتبہ" اللھم اغفر لنا" پڑھ لے۔

213- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمْ يَقْنُتْ هُوَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا يَعْنِي فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فجر کی نماز میں کبھی دعاء قنوت نہیں پڑھی اور نہ ان کے کسی اور ساتھی نے یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

دعائے قنوت کب اور کن نمازوں میں پڑھی جائے؟

احناف رحمہم اللہ کے ہاں عام دنوں اور امن کی حالتوں میں وتر کے علاوہ دیگر نمازوں میں قنوت نہیں پڑھی جائے گی، البتہ اگر حالات کشیدہ ہوں، یا کوئی ناگہانی آفت وغیرہ نازل ہو تو اس موقع پر عارضی طور پر فجر وغیرہ میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔

ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے" أن النبی ﷺ قنت فی صلاۃ الفجر شھرا " کہ آپ نے ایک مہینے تک فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی ہے، اور خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے" قنت رسول اللہ ﷺ فی صلاۃ الفجر شھرا أو قال أربعین یوما یدعو علی رعل و ذکوان ..الخ " کہ آپ ﷺ نے ایک مہینہ یا چالیس دن تک قبیلہ رعل وذکوان پر بددعا دینے کے لیے فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے"کان رسول اللہ ﷺ لا یقنت فی صلاۃ الصبح إلا أن یدعو لقوم أو یدعو علی قوم " کہ آپ ﷺ یا تو کسی قوم کو دعاء دینے کے لیے فجر میں قنوت پڑھتے تھے یا پھر بددعا دینے کے لیے، ان تمام روایات سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ ﷺ نے غیر وتر میں صرف مصلحت اور مقصد کے

تحت دعائے قنوت پڑھی ہے اور یہ آپ کا دائمی معمول نہیں تھا۔

❁ شوافع رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ پورے سال فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی **دلیل** حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے "کان النبی ﷺ لم یزل یقنت فی صلاۃ الفجر إلی أن فارق الدنیا" کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک بقید حیات رہے فجر کی نماز میں برابر قنوت پڑھتے رہے، اس حدیث سے یہ بات عیاں ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی معمول تھا۔

جواب: رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو شوافع رحمۃ اللہ علیہم کی متدل ہے تو اس کا **پہلا جواب** یہ ہے کہ "کان یقنت إلی أن فارق الدنیا" کا مفہوم بھی حادثہ کے ساتھ مقید ہے اور حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تادم حیات حادثات کے موقعوں پر قنوت پڑھتے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے جو ہم نے بیان کی ہے اور جس میں صاف لفظوں میں "شھرا" اور "اربعین یوما" کی وضاحت آئی ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں عیسی بن أبی عیسی نام کا راوی ہے جو ضعیف ہے قال النسائی فیه ھو لیس بالقوی۔

214۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ بَهْرَامَ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: أَحَقُّ مَا يَبْلُغُنَا عَنْ إِمَامِكُمْ أَنَّهُ يَقُومُ فِي الصَّلَاةِ وَلَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا يَرْكَعُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: يَعْنِي بِذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا الْقُنُوتَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ کیا یہ بات سچ ہے جو ہم تک تمہارے امام کے بارے میں پہنچی ہے کہ وہ فجر کی نماز میں قیام کرتے ہیں اور قرآن کی تلاوت اور رکوع نہیں کرتے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد فجر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا تھا۔

وضاحت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس سے نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی وجہ سے نکیر کرنا مقصود تھا۔ یہاں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی فجر کی نماز میں قنوت کے قائل نہیں تھے۔

215۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُرَ قَانِتًا فِي الْفَجْرِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا، قَنَتَ فِيهِ يَدْعُو عَلَى حَيٍّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، لَمْ يُرَ قَانِتًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمْ يُرَ قَانِتًا بَعْدَهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فجر میں دعا قنوت پڑھتے نہیں دیکھا گیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ سوائے ایک مہینے کے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاء قنوت پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کے کچھ قبیلوں کے لئے بددعا کر رہے تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے پہلے (دعاء) قنوت پڑھتے دیکھا گیا نہ اس کے بعد فجر میں) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے (اس) طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی قنوت نہیں پڑھی یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

تشریح:

اس کی تفصیل آگلی حدیث کے ذیل میں آرہی ہے

216 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَحِبَهُ سَنَتَيْنِ فِي السَّفَرِ وَ الْحَضَرِ فَلَمْ يَرَهُ قَانِتًا فِي الْفَجْرِ حَتَّى فَارَقَهُ. قَالَ: إِبْرَاهِيمُ: وَ إِنَّ أَهْلَ الْكُوفَةِ إِنَّمَا أَخَذُوا الْقُنُوتَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَنَتَ يَدْعُو عَلَى مُعَاوِيَةَ حِينَ حَارَبَهُ، وَ أَمَّا أَهْلُ الشَّامِ إِنَّمَا أَخَذُوا الْقُنُوتَ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَنَتَ يَدْعُو عَلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حِينَ حَارَبَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِقَوْلِ إِبْرَاهِيمَ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتلاتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ سفر وحضر میں دو سال رہے لیکن انہوں نے انہیں فجر میں دعاء قنوت پڑھتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ان سے رخصت ہو گئے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اہل کوفہ نے قنوت نازلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لیا وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے، اور اہل شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے موقعہ میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو پسند کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فجر کی نماز میں قنوت کا حکم:

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قنوتِ فی الفجر بالدوام میں اختلاف ہے، یہ فجر کی نماز میں ہمیشہ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

- احناف اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں فجر کی نماز میں اور وہ بھی خاص مصیبت کے وقت رکوع سے پہلے پڑھنے کی اجازت ہے، عام حالات فجر کی نماز میں بھی دعائے قنوت پڑھنے کی اجازت نہیں، نہ تو سنت ہے اور نہ ہی مستحب۔
- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مستحب ہے۔

امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما کے دلائل: میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "أن النبی ﷺ کان یقنت فی صلوۃ الصبح والمغرب" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔

دارقطنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "ما زال رسول اللہ ﷺ یقنت فی الفجر حتی فارق الدنیا"۔ یعنی آپ ہمیشہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے، حتی کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

دلائل احناف رحمۃ اللہ علیہم: احادیث الباب ہیں، اس کے علاوہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ابو مالک اشجعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں تو کیا وہ فرض نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: "أی بنی محدث" یعنی اے میرے بیٹے یہ بعد کی ایجاد کردہ چیز ہے۔

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جن روایات سے استدلال کرتے ہیں وہ قنوت نازلہ پر محمول ہیں، چنانچہ پہلی روایت میں مغرب کا ذکر بھی ہے، حدیث الباب عن ابراہیم میں بھی تصریح ہے کہ یہ قنوت نازلہ تھی، اور دوسری حدیث میں مازال کا مطلب بالفعل پڑھنا نہیں، بلکہ اس کی مشروعیت مراد ہے کہ قنوت نازلہ منسوخ نہیں، ضرورت کے موقع پر آپ پڑھا کرتے تھے۔

قنوت نازلہ کا حکم:

قنوت نازلہ کیا ہے؟ جب مسلمان کسی مصیبت میں گرفتار ہوں، دنیا کے کسی خطے میں مسلمانوں پر کفار ومشرکین اور یہود و نصاری ظلم وستم ڈھا رہے ہوں۔ شب وروز انہیں پریشانیوں سے دوچار کر رہے ہوں، انہیں قید وبند کی صعوبتوں میں مبتلا کر رہے ہوں تو ان حالات میں جہاں ان مسلمانوں کیلئے دیگر مادی اسباب کے تحت مدد کی جاتی ہے، اسی طرح ان کیلئے جور وستم اور ظلم وتشدد سے بچاؤ کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا قنوتِ نازلہ کا پڑھنا ہے۔

قنوت نازلہ کی مشروعیت: ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ جب مسلمان کسی مصیبت میں گرفتار ہوں یا کفار کے ساتھ جہاد میں ہوں تو ایسے موقعہ پر نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے۔

کن نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی جائے؟

فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے پر تمام کا اتفاق ہے البتہ باقی نمازوں میں بھی پڑھی جائے گی یا نہیں اس میں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔

- **امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:** پانچوں نمازوں میں جائز ہے
- **امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:** کسی نماز میں جائز نہیں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم: تین اقوال ہیں، ①-فجر کے علاوہ باقی کسی نماز میں جائز نہیں ہے، ②- تمام جہری نمازوں میں مشروع ہے، ③-تمام نمازوں میں جائز ہے۔عندنا راجح قول پہلے نمبر والا ہے۔

نوٹ:

فقہی روایات کے مطابق راجح یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی جائے، البتہ دیگر جہری نمازوں میں بھی قنوت نازلہ پڑھنا درست ہے کیونکہ فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں دوسرا قول تمام جہری نمازوں میں قنوت نازلہ کے جواز کا بھی ہے، اس قول کے تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے اور اکابرین کے فتاوی (کفایت المفتی اور فتاوی دار العلوم دیوبند) میں دوسرے قول پر عمل کی گنجائش بھی مذکور ہے۔
لہذا جب احادیث سے فجر کے علاوہ دیگر جہری نمازوں میں قنوت کا ذکر موجود ہے اور ان احایث کی روشنی میں بعض فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم نے بھی جہری نمازوں میں قنوت نازلہ کا جواز لکھا ہے اور ہمارے اکابرین کے فتاوی میں سے کفایت المفتی اور فتاوی دار العلوم دیو بند میں اس دوسرے قول پر عمل کی گنجائش بھی مذکور ہے تو پھر فجر کے علاوہ باقی جہری نمازوں میں قنوت نازلہ کو ناجائز کہنا درست نہیں البتہ فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں معمول بہ فجر ہی ہے تو اسی میں پڑھنا بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوسری جہری نمازوں میں بھی پڑھتا ہے تو اس کو ناجائز کہنا درست نہیں۔(فتاوی دار العلوم دیوبند: 152/4، دار الاشاعت، کفایت المفتی: 3/ص 449/445، دار الاشاعت)

بَابُ الْمَرْأَةِ تَؤُمُّ النِّسَاءَ، وَكَيْفَ تَجْلِسُ فِي الصَّلَاةِ

عورت کی امامت اور نماز میں اس کے بیٹھنے کا بیان!

217- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَتَقُومُ وَسَطًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُعْجِبُنَا أَنْ تَؤُمَّ الْمَرْأَةُ، فَإِنْ فَعَلَتْ قَامَتْ فِي وَسَطِ الصَّفِّ مَعَ النِّسَاءِ، كَمَا فَعَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رمضان میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں اور درمیان (صف) میں کھڑی ہوتی تھیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ عورت امامت کرے اگر کرے تو وہ عورتوں کی صف کے درمیان میں اس طرح کھڑی ہوگی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہوتی تھیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عورتوں کی جماعت کا حکم:

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مردوں کے بغیر صرف عورتوں کی جماعت عورتوں کے لیے منعقد کرنا مکروہ تحریمی ہے، چاہے فرض نماز ہو یا سنت یا تراویح، عورت اگر حافظہ ہو اور قرآن بھولنے کے ڈر اور عورتوں کے قرآن کریم سننے کے شوق پورا کرنے کے لیے تراویح کی جماعت

کرائے تو بعض حضرات نے اسے بھی مکروہ کہا ہے، بعض حضرات کسی درجہ میں اس کی اجازت دے دیتے ہیں۔ امام احمد، امام شافعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم حضرات استحباب کے قائل ہیں۔

عورتوں کا باہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:

عورت عورتوں کی امامت کراتے وقت مردوں کی امام کی طرح آگے نہیں کھڑی ہوگی، بلکہ امام عورت عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑی ہوں گی، اس لیے کہ اس کے لیے اسی میں ستر و پردہ زیادہ ہے۔

عورتیں بلا اذان و اقامت کے نماز پڑھیں گی، اگر عورتوں کی امام آگے کھڑی ہوگئی تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (المختار)

عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ: احادیثِ مبارکہ میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت کا ذکر ہے، تو وہ ان کا کوئی مستقل معمول نہیں تھا، بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل امت کی عورتوں کی تعلیم اور ان کو نماز سکھانے کے لیے تھا۔ نیز آپ رضی اللہ عنہا کا عمل بیانِ جواز (یعنی جس عمل کا جواز شارع کی طرف سے ثابت ہو گیا تھا، لیکن دیگر خواتین کو علم نہیں تھا، اس کے اِظہار و بیان) کے لیے تھا کہ اگر کبھی اس طرح کی صورتِ حال پیش آ گئی کہ عورتوں نے آپس میں جماعت سے نماز پڑھی تو امام درمیان میں کھڑی ہوگی اور یہ نماز ہو جائے گی، اگر چہ ایسا کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے اپنے قول "کہ عوتوں کی جماعت میں کوئی خیر نہیں ہے مگر یہ ہے کہ وہ جماعت مسجد میں (مردوں کی جماعت کے ساتھ) ہو یا کسی شہید کی نماز جنازہ کی جماعت ہو (إعلاء السنن:242/4، ط/إدارة القرآن)" سے واضح ہے۔

218 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَرْأَةِ تَجْلِسُ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: تَجْلِسُ كَيْفَ شَاءَتْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ تَجْمَعَ رِجْلَيْهَا فِي جَانِبٍ، وَلَا تَنْتَصِبَ انْتِصَابَ الرَّجُلِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے عورت کے نماز میں بیٹھنے کے بارے میں مروی ہے فرمایا: وہ جس طرح چاہے بیٹھ سکتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں یہ پسند ہے کہ وہ اپنے پاؤں ایک جانب کرے، اور مرد کی طرح پاؤں کھڑا نہ کرے۔

عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے گی؟

قَالَ مُحَمَّدٌ: أَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ تَجْمَعَ رِجْلَيْهَا فِي جَانِبٍ: عورت تشہد میں کس طرح بیٹھے گی اس بارے میں دو مذہب ملتے ہیں۔

- **پہلا مذہب:** امام مالک، امام نخعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ مرد کی طرح بیٹھے۔
- **دوسرا مذہب:** امام ابوحنیفہ اور صاحبین وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ عورت کے لئے تشہد میں تورک مسنون ہے۔ تورک کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر بائیں ران اور سرین زمین پر رکھ کر بیٹھے، چوں کہ عورت کو ستر و پردے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے اس کو وہ ہیئت اختیار کرنی چاہیے جس میں پردہ و ستر زیادہ ہو، لہذا وہ مرد کی طرح نہیں بیٹھے گی، بلکہ دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر مقعد زمین پر ٹکا کر بیٹھے گی، تورک

میں ستر زیادہ ہے، اس لیے عورت مرد کی طرح افتراش نہیں کرے گی، بلکہ تورک کے ساتھ بیٹھے گی۔

بَابُ صَلَاةِ الْأَمَةِ

باندی کی نماز کا بیان!

219 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْأَمَةِ، قَالَ: تُصَلِّي بِغَيْرِ قِنَاعٍ وَلَا خِمَارٍ، وَإِنْ بَلَغَتْ مِائَةَ سَنَةٍ، وَإِنْ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے باندی کے بارے میں فرمایا: کہ وہ بغیر اوڑھنی اور دوپٹے کے نماز پڑھے گی خواہ وہ سو سال کی عمر کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے اور ام ولد (یعنی آقا کے بچے کی ماں) کیوں نہ ہو۔

باندی بغیر دوپٹہ کے نماز پڑھنے کا حکم:

تُصَلِّي بِغَيْرِ قِنَاعٍ وَلَا خِمَارٍ: عام عورت کی بغیر دوپٹہ کے نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس کا سر اور بال یہ دونوں اس کے ستر میں داخل ہیں، بخلاف باندی کے کہ باندی کے کہ اس کی نماز ہو جائے گی کیوں کہ یہ دونوں چیزیں اس کی ستر میں داخل نہیں ہیں۔ یہی حکم اُمّ ولدہ کے لئے بھی ہوگا کیوں کہ وہ بھی باندی رہتی ہے جب تک کہ آقا زندہ رہے آقا کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوتی ہے۔

220 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَضْرِبُ الْإِمَاءَ أَنْ يَتَقَنَّعْنَ، يَقُولُ: لَا تَشَبَّهْنَ بِالْحَرَائِرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى عَلَى الْأَمَةِ قِنَاعًا فِي صَلَاةٍ وَلَا غَيْرِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ باندیوں کو اوڑھنی کے اوڑھنے پر مارا کرتے تھے (اور) فرماتے تھے: کہ تم آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار مت کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، لونڈی کے لئے دوپٹے کو نہ نماز میں ضروری سمجھتے ہیں اور نہ نماز کے باہر، یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

باندی کا ستر کیا ہے؟

آزاد عورت کا تمام بدن مستور جسم کی طرح ہے، لہذا اسے سر کے بال وغیرہ ڈھانک کر رکھنا چاہیے، ورنہ نماز نہیں ہوگی، البتہ باندی کے جسم کا وہ حصہ عورت ہے، جو مرد کا عورت شمار ہوتا ہے، البتہ باندی کا پیٹ اور پیٹھ بھی عورت ہے، اس کے علاوہ سر کے بال چہرہ وغیرہ عورت نہیں ہے، اس لیے اگر باندی سر کھول کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ (المختار)

221 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَرْأَةِ تَكُونُ فِي الصَّلَاةِ، فَتُرِيدُ الْحَاجَةَ، جَوَابُهَا أَنْ تُصَفِّقَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَتَرْكُ ذٰلِكَ مِنْهَا أَحَبُّ إِلَيْنَا.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت اگر نماز میں ہو اور اسے کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تالی بجائے (یعنی سیدھے ہاتھ کا اوپر کا حصہ اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے)، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا بھی چھوڑنا ہم کو پسند ہے۔

تصفیق کا معنی اور اس کا حکم:

لغوی معنی: تالی بجانا، ہاتھ سے ہاتھ مارنا۔

تصفیق کا مطلب ہے خواتین کے لیے نماز میں امام کو غلطی سے آگاہ کرنے کا طریقہ، جس میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی پشت پر تھپتھپائی جاتی ہیں، جبکہ مردوں کے لیے "سبحان اللہ" کہنا ہے۔ اس کا عام معنی بھی تالی بجانا ہے۔

حکم شرعی (نماز میں): جب مرد نماز پڑھ رہے ہوں اور امام سے کوئی بھول ہو جائے (جیسے رکعتیں زیادہ یا کم پڑھنا)، تو مرد "سبحان اللہ" کہتے ہیں، جبکہ خواتین تالی بجا کر (ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ پر مار کر) امام کو متنبہ کرتی ہیں، تاکہ آواز بلند نہ ہو اور پردے کا خیال رہے، جیسا کہ اثر بالا میں ذکر ہوا، یہ عمل صرف غلطی کی نشاندہی کے لیے ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكُسُوفِ

سورج گرہن کی نماز کا بیان

کسوف کہتے ہیں سورج گرہن کو اور **خسوف** کہتے ہیں چاند گرہن کو۔

222 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ كَانَ الدُّعَاءُ حَتَّى انْجَلَتْ... جاری ہے.....

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ایک دن سورج گرہن ہوا یہ وہ دن تھا جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی طلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھا اور فرمایا: سورج اور چاند اللہ جل شانہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان میں گرہن کسی کی موت یا (زندگی) کی وجہ سے نہیں لگتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں اور دعا کی یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔

...قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا نَرَى إِلَّا رَكْعَةً وَاحِدَةً فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، وَسَجْدَتَيْنِ عَلَى صَلَاةِ النَّاسِ فِي غَيْرِ ذَلِكَ،

وَنَرَى أَنْ يُصَلُّوا جَمَاعَةً فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ، وَلَا يُصَلِّي جَمَاعَةً إِلَّا الْإِمَامُ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمُ الْجُمُعَةَ. فَأَمَّا أَنْ يُصَلِّيَ النَّاسُ فِي مَسَاجِدِهِمْ جَمَاعَةً فَلَا، وَأَمَّا الْجَهْرُ بِالْقِرَاءَةِ فَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا. وَبَلَغَنَا أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ بِالْكُوفَةِ، وَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ لَا يُجْهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ، وَأَمَّا كُسُوفُ الْقَمَرِ فَإِنَّمَا يُصَلِّي النَّاسُ وُحْدَانًا، وَلَا يُصَلُّونَ جَمَاعَةً. لَا الْإِمَامُ وَلَا غَيْرُهُ وَكَذَلِكَ الْأَفْزَاعُ كُلُّهَا. وَإِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي سَاعَةٍ لَا يُصَلَّى فِيهَا عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، أَوْ نِصْفِ النَّهَارِ، أَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَلَا صَلَاةَ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ، وَلَكِنِ الدُّعَاءُ حَتَّى تَنْجَلِيَ أَوْ تَحِلَّ الصَّلَاةُ فتصلى، وَقَدْ بَقِيَ مِنَ الْكُسُوفِ شَيْءٌ.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کے قائل ہیں جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے۔ سورج گرہن میں (لوگ) جماعت سے نماز پڑھیں گے اور وہی نماز پڑھائے جو جمعہ کا نماز پڑھاتا ہے۔ لوگوں کے اپنی اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کے ہم قائل نہیں ہیں۔ اور جہاں تک قراءت کے بارے میں بات ہے تو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نہیں پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور سے قراءت پڑھی ہو۔ ہمیں یہ روایت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے کہ انہوں نے کوفہ میں زور سے قراءت کی تھی ہمیں یہ زیادہ پسند ہے کہ زور سے قراءت نہ پڑھی جائے۔

چاند گرہن میں لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں گے جماعت سے نہیں نہ امام نہ کوئی اور اس طرح دوسری نہ کوئی پریشانیوں یا آفات کے موقعے پر بھی۔ اگر سورج گرہن ایسے وقت میں ہوا جس وقت نماز پڑھنا منع ہے مثلاً طلوع الشّمس یا زوال یا عصر کے بعد تو ان اوقات میں نماز نہیں پڑھائی جائے گی۔ البتہ اس وقت دعا کی جائے گی جب تک کہ گرہن ختم نہ ہوجائے یا نماز پڑھنا جائز ہوجائے تو نماز پڑھی جائے گی اگر گرہن کا کچھ حصہ باقی ہو۔

سورج گرہن کی نماز کا طریقہ:

اگر سورج گرہن ہوگیا تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے یعنی جس طرح نفل نماز بلا اذان و اقامت کے ہوتی ہے، اسی طرح نماز کسوف ادا کی جائے گی، دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے، ❁ یہی احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری:297/5)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل ونظر:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ الکسوف کے علاوہ تمام دیگر نمازوں میں بالاتفاق ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوتا ہے تو قیاس ونظر کا تقاضا یہ ہے کہ اس نماز کی بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہونا چاہیے۔

❁ دوسرا مذہب: جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز کسوف کا طریقہ دوسری نمازوں سے بالکل مختلف ہے ان کے یہاں نماز کسوف

کی دو رکعتیں ہیں، ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام ہیں، ایک رکوع کر کے پھر قیام کی طرف لوٹ آئے، دوسرے قیام کے بعد، پھر دوسرا رکوع کیا جائے سجدے اور تشہد وغیرہ دوسری نمازوں ہی کی طرح ہیں۔ (عمدۃ القاری:297/5)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (مسلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت (بخاری) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (نسائی) ان تمام روایات میں دو رکوع کی تصریح پائی جاتی ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم یہ **جواب** دیتے ہیں کہ نماز کسوف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا شبہ دو رکوع ثابت ہیں، بلکہ پانچ رکوع تک بھی روایات میں ثبوت ملتا ہے، لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی اس نماز میں آپ کو عجائب و غرائب کا مشاہدہ کرایا گیا جنت اور اس کی نعمتیں دوزخ اور اس کی بلائیں دکھائی گئیں، لہذا اس نماز میں آپ نے غیر معمولی طور پر کئی رکوع فرمائے، لیکن یہ رکوع نماز کا جز نہیں تھے، بلکہ سجدہ شکر کی طرح تواضع و عاجزی کے رکوع تھے اور ان کی ہیئت نماز کے عام رکوعوں سے کسی قدر مختلف تھی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان رکوعات کو تخشع شمار کیا ہے، اور ایک سے زائد رکوع کی روایت کر دی، اور بعض نے ان کو شمار نہیں کیا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال: ان تمام احادیث سے ہے جو ایک رکوع پر دلالت کرتی ہیں۔ (بخاری، نسائی)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی وجوہ ترجیح: تعدد رکوع کی تمام روایات فعلی ہیں، جبکہ حنفیہ کے مستدلات قولی ہیں اور فعلی بھی، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے، اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے قول پر بعض روایتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے مستدلات عام نمازوں کے اصول کے مطابق ہیں۔

نماز کسوف کی قراءت بلند آواز سے ہو یا آہستہ آواز سے:

نماز کسوف کی دونوں رکعتوں میں امام قرآت آہستہ کرے اور بڑی بڑی سورتوں کا پڑھنا، رکوع اور سجدوں کا بہت دیر تک ادا کرنا مسنون ہے، نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ دعاء میں مصروف ہو جائے اور سب مقتدی آمین کہیں جب تک گرہن موقوف نہ ہو جائے دعاء میں مصروف رہنا چاہئے، ہاں اگر ایسی حالت میں سورج غروب ہو جائے یا کسی نماز کا وقت آ جائے تو پھر دعاء کو موقوف کر کے نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ نماز کسوف میں قرآت سرا ہوگی یا جہرا یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

- ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نماز کسوف میں قرآت سرا مسنون ہے۔
- حنفیہ میں سے صاحبین اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قرآت جہراً مسنون ہے۔ (عمدۃ القاری:338/5)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ فِي كُسُوفٍ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا" (ترمذی) یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز کسوف پڑھی اور قرآت کا ایک حرف بھی نہیں سنا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا استدلال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے کہ آپ نے نماز کسوف پڑھائی اور اس میں قرأت زور

سے کی۔(ترمذی:126/1،عمدۃ القاری ج:338/5)

جواب: مذکورہ روایت نماز خسوف (چاند گرہن کی نماز) پر محمول ہے۔

فائدہ: متاخرین احناف رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ اگر مقتدیوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہو تو نماز کسوف میں بھی جہر کیا جا سکتا ہے۔

سورج گرہن کے موقع پر خطبہ ہے یا نہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں خطبہ کے قائل ہیں بخلاف جمہور کے، جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم یہ کہتے ہیں کہ سورج گرھن کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز قائم کرنے اور تکبیر اور صدقہ کا حکم دیا ہے، اور خطبہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد جو خطبہ دیا تھا وہ ایک مخصوص تنبیہ تھی، جو اس وقت کے مناسب تھی، اس لئے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سورج گرہن اس وقت ہوتا ہے جب کوئی حادثہ یا نئی بات پیش آئے، جس روز مدینہ میں کسوف شمس ہوا اسی دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا اس سے ان لوگوں کے خیال کی تائید ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے اس خاص موضوع سے متعلق ارشاد فرمایا، لہذا اس کو صلوۃ الکسوف کا خطبہ نہیں کہا جا سکتا۔

(عمدۃ القاری:309/5، زکریا دیوبند)

چاند گرہن ہونے پر نماز با جماعت مسنون ہے یا نہیں:

حنفیہ و مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چاند گرہن میں نماز با جماعت مسنون نہیں ہے، تنہا تنہا پڑھ سکتے ہیں، امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سورج گرھن کی نماز میں جس طرح جماعت ہوتی ہے اس طرح چاند گرھن کی نماز میں بھی جماعت مشروع ہے، اس بارے میں شوافع و حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کے پاس کوئی خاص دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ نماز خسوف کو نماز کسوف پر قیاس کرتے ہیں۔

حنفیہ و مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کا استدلال اس سے ہے کہ زمانہ نبوت میں جمادی الاخری ۴ھ میں جب چاند گرھن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں فرمایا، لہذا چاند گرہن کی نماز کو سورج گرہن کی نماز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ رات میں لوگوں کا اکٹھا ہونا مشکل ہے، اور دن کے وقت لوگ بیدار رہتے ہیں لہذا اجتماع مشکل نہیں۔ (عمدۃ القاری:302/5)

بَابُ الْجَنَائِزِ، وَغُسْلِ الْمَيِّتِ

جنازے اور مردے کو نہلانے کا بیان!

223- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يُغَسَّلُ الْمَيِّتُ وِتْرًا اثْنَتَيْنِ بِمَاءٍ، وَوَاحِدَةً بِالسِّدْرِ، وَهِيَ الْوُسْطَى، وَيُجَمَّرُ وِتْرًا، وَلَا يَكُونُ آخِرَ زَادِهِ إِلَى الْقَبْرِ نَارٌ يُتْبَعُ بِهَا، وَيَكُونُ كَفَنُهُ وِتْرًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ: إِنْ شِئْتَ جَعَلْتَ كَفَنَهُ وِتْرًا، وَإِنْ شِئْتَ شَفْعًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میت کو طاق بار غسل دیا جائے گا، دو بار پانی سے اور ان کے درمیان ایک بار بیری سے اور طاق بار دھونی دی جائے گی اور اور قبر میں جاتے ہوئے اس کا آخری توشہ ایسی آگ نہیں ہونا چاہئے جو اس کے ساتھ لے جائی جائے۔اس کو طاق کپڑوں میں کفن دیا جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔سوائے ایک بات کے اور وہ یہ کہ تم چاہو تو اس کے کفن کو طاق کر دو اور چاہو تو جفت کر دو۔

جنازے کے ساتھ آگ لے جانا:

جنازے کے ساتھ آگ کو نہیں لے جانا چاہیے، آگ کو ساتھ لے جانے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ہے شریعت نے اس سے منع فرمایا تاکہ مال کا فضول ضیاع بھی نہ ہو اور ساتھ ہی عبادِ قبور کے ساتھ مشابہت سے بھی بچا جائے اور میت کے لیے بدفالی بھی نہ ہو، اس لیے کہ آگ سے جہنم میں عذاب دیا جائے گا، لہذا موم بتی یا اگربتی یا دیا نہیں جلانا چاہیے۔باقی حدیث کی وضاحت یعنی غسل اور کفن کا طریقہ کیا ہے آگے آرہی ہے۔

224 -بَلَغَنَا عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: اغْسِلُوا ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ وَ كَفِّنُونِي فِيهِمَا. فَهَذَا شَفْعٌ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: ہمیں یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے ان دو کپڑوں کو دھو کر مجھے ان ہی دونوں میں کفن دے دینا یہ دو کپڑے جفت تھے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میت کو غسل دینے کا طریقہ:

جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کرو تو پہلے کسی تخت کو لوبان یا اگربتی وغیرہ خوشبودار چیز کی دھونی دیدو تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھونی دینے کے بعد میت کو اس پر لٹا دو اور کپڑے اتار لو اور کوئی کپڑا ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈال دو تاکہ اتنا بدن چھپا رہے، کیوں کہ ستر چھپانا فرض ہے۔

غسل دینے کا طریقہ یہ ہے کہ مردے کو پہلے استنجا کرادو لیکن اس کی رانوں اور استنجے کی جگہ اپنا ہاتھ نہ لگاؤ، پھر اس کو وضو کرادو لیکن نہ کلی کراؤ اور نہ ناک میں پانی ڈالو، اور نہ گٹوں تک ہاتھ دھلاؤ، بلکہ پہلے چہرہ دھلاؤ، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت پھر سر کا مسح پھر دونوں پیر اور اگر تین مرتبہ روئی بھگو کر دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر دی جائے اور ناک کے دونوں سوراخوں میں تو بھی جائز ہے، اور اگر مردہ ناپاکی کی حالت میں مرا ہے تو اس طرح سے منھ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اور ناک منھ، اور کانوں میں روئی بھر دو تاکہ وضو کراتے وقت اور غسل دیتے وقت پانی نہ چلا جائے۔

وضو کرانے کے بعد سر اور ڈاڑھی کو گل خیرو یا صابن وغیرہ جس سے صاف ہو جائے مل کر دھوئے پھر مردے کو بائیں کروٹ پر لٹا

کر بیری کے پتے ڈال کر پکا ہوا نیم گرم پانی تین مرتبہ سر سے پیر تک ڈالے یہاں تک کہ بائیں کروٹ تک پہنچ جائے، اسی طرح دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی ڈالا جائے اس کے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے اگر پاخانہ نکلے تو اس کو صاف کر کے دھو ڈالے دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں۔ پھر ایک کپڑے سے اس کے جسم کو خشک کر کے کفن میں لپیٹ دیا جائے گا، سر اور داڑھی پر خوشبو لگا دی جائے اور سجدہ میں زمین پر لگنے والے حصوں پر کافور لگا دیا جائے گا۔

پھر طاق مرتبہ دھونی دی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ دھونی کے برتن کو میت کی چار پائی کے ارد گرد ایک یا تین یا پانچ مرتبہ پھرایا جائے گا۔

225 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الْمِسْكِ يُجْعَلُ فِي حَنُوطِ الْمَيِّتِ؟ قَالَ: أَوَلَيْسَ مِنْ أَطْيَبِ طِيبِكُمْ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اگر میت کی خوشبو میں مشک ڈال دی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: کیا مشک تمہاری بہترین خوشبو میں سے نہیں ہے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔

226 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَ يُكْرَهُ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِ الْمَيِّتِ زَعْفَرَانٌ أَوْ وَرْسٌ، قَالَ: وَاجْعَلْ فِيهِ مِنَ الطِّيبِ مَا أَحْبَبْتَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ مکروہ سمجھا جاتا ہے کہ میت کی خوشبو میں زعفران یا ورس ڈالا جائے فرمایا: اس میں جو خوشبو پسند ہو ملا لو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

میت کے کفن پر خوشبو لگانا:

میت کے کفن پر خوشبو لگانا مستحب ہے، اور جس خوشبو کا انسان کی زندگی میں لگانا جائز ہے، مرنے کے بعد بھی وہ خوشبو لگانا جائز ہے، البتہ ایسی خوشبو جس کا رنگ ظاہر ہو مثلاً زعفران وغیرہ، اس کو کفن پر لگانے سے منع کیا گیا ہے، بعض کتابوں میں خوشبو لگانے کی ممانعت کا ذکر ہے، **جواب**: جن کتابوں میں ممانعت ہے اس کا تعلق رنگ دار خوشبو سے ہے، اور جن کتابوں میں خوشبو کی اجازت ہے اس کا تعلق عام خوشبوؤں سے ہے؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ (الهندية: 1/222)

عورت کی میت اور کفن پر خوشبو لگانے کا حکم:

اعضاء سجدہ پر کافور ملنے کے علاوہ میت چاہے مرد ہو یا عورت ہو خوشبو بھی استعمال کر سکتے ہے۔

میت کے اعضاء سجدہ پر کافور ملنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میت کے اعضاء سجدہ پر "کافور" لگانے کا حکم دیا ہے، لہذا میت کے سجدے کی جگہوں پر کافور لگانا سنت

ہے خواہ میت مرد ہو یا عورت۔

اعضاءِ سجدہ پر "کافور" ملنے کا مقصد اُن اعضاء کی تعظیم وتکریم اور جلد از جلد کیڑوں کی غذا بننے سے بچانا ہے، اور یہ مقصد دوسری خوشبوؤں اور عطر سے حاصل نہیں ہوسکتا، اس لیے عطر ملنے سے "کافور" کی سنت ادا نہ ہوگی؛ لہٰذا جہاں تک ہو سکے "کافور" ہی ملا جائے، البتہ مجبوری اور واقعۃً گنجائش نہ ہونے کی صورت میں کوئی اور خوشبو استعمال کر سکتے ہیں۔

227- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا رَأَتْ مَيِّتًا يُسَرَّحُ رَأْسُهُ، فَقَالَتْ: عَلَامَ تَنْصُونَ مَيِّتَكُمْ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى أَنْ يُسَرَّحَ رَأْسُ الْمَيِّتِ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ شَعْرِهِ، وَلَا تُقَلَّمُ أَظْفَارُهُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک میت کو دیکھا کہ اس کے سر میں کنگھی کی جا رہی ہے تو انہوں نے فرمایا: تم اپنے مردوں کے کنگھی کیوں کرتے ہو؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اس کی کنگھی کی جائے یا اس کے بال یا ناخن کاٹے جائیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میت کے بال وناخن کاٹنے، کنگھی کرنے اور سرمہ لگانے کا حکم:

① - میت کی آنکھوں میں سرمہ لگانا ناجائز ہے۔

② - میت کے بال کاٹنا ناجائز ہے، واضح رہے کہ بال چاہے سر کے ہوں، ڈاڑھی اور مونچھ کے ہوں یا بغل اور زیرِ ناف کے ہوں؛ سب کا یہی حکم ہے۔

③ - میت کے بالوں میں کنگھی کرنا بھی ناجائز ہے، چاہے سر کے بال ہوں یا ڈاڑھی کے۔

④ - میت کے ہاتھ اور پاؤں کے ناخن کاٹنا بھی ناجائز ہے۔

ان مذکورہ کاموں کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں زیب وزینت میں داخل ہیں جبکہ میت کے لیے زیب وزینت کا اہتمام کسی طرح مناسب بلکہ جائز ہی نہیں، اس لیے ان کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (رد المحتار، البحر الرائق)

میت کے احکام سے متعلق مستند کتاب "احکامِ میت" میں ہے:

بعض لوگ میت کی آنکھوں میں سرمہ اور کاجل لگاتے ہیں، سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو کنگھا بھی کرتے ہیں، بعض لوگ ناخن اور بال کتر دیتے ہیں؛ یہ سب ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

228- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كُفِّنَ فِي حُلَّةٍ يَمَانِيَّةٍ وَقَمِيصٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، نَرَى كَفَنَ الرَّجُلِ ثَلَاثَةَ أَثْوَابٍ، وَالثَّوْبَانِ يُجْزِيَانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یمنی پوشاک اور قمیص میں کفن دیا گیا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔مرد کے کفن میں تین کپڑے ہوں گے۔دو کپڑے بھی کافی ہیں۔یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مرد کا کفن:

کفن تین قسم کا ہوتا ہے،کفن مسنون،کفن کفایہ،کفن ضرورت،کفن سنت مردوں کے حق میں تین کپڑے ہیں۔

۱- ازار،یعنی تہبند لیکن سر سے پیر تک مراد ہے،۔

۲- قمیص گردن سے پاؤں تک بغیر آستین اور کلی کے۔

۳- سر سے پیر تک کی چادر جو اوپر لپٹی جاتی ہے۔

تین کپڑوں کے مسنون ہونے پر دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔(ابوداؤد)

مرد کے حق میں کفن کفایہ دو کپڑے ہیں۔

۱- ازار، ۲- لفافہ۔

دلیل: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ان دو کپڑوں کے بارے میں فرمایا جن میں آپ بیمار تھے کہ ان دونوں کو دھوڈالو اور مجھ کو ان دونوں کپڑوں میں کفن دینا۔(مصنف عبدالرزاق ج ۳،ص: ۴۲۴)

مرد کو کفن دینے کا طریقہ:

۱ کفن کو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ لوبان وغیرہ کی دھونی دے دی جائے۔

۲ پہلے چادر بچھائی جائے،پھر اِزار اور اس کے اوپر کرتا۔کرتے کو درمیان سے چاک کر کے اس میں گلے کی جگہ بنالی جائے۔کرتے کا نچلا نصف حصہ ازار پر بچھایا جائے اور اوپر کا باقی حصہ سرہانے کی طرف رکھ دیا جائے۔اگر میت عورت ہے تو چادر بچھا کر اس پر سینہ بند اور پھر ازار اور پھر کرتا بچھایا جائے۔

۳ پھر غسل دیے ہوئے مردے کو تختہ سے آہستگی سے اُٹھا کر کفن پر لٹا دیا جائے،اور کرتے کا جو نصف حصہ سرہانے کی طرف تھا اس کو سر کی طرف اُلٹ دیا جائے کہ کرتے کا سوراخ گلے میں آجائے،اور پیروں کی طرف بڑھا دیا جائے۔

۴ کرتا پہنانے کے بعد جو تہبند یا چادر ستر کے واسطہ میت کے بدن پر ڈالی گئی تھی اسے نیچے سے نکال دیا جائے۔

۵ اگر میت عورت ہے تو اس کے سر کے بالوں کو دو حصے کر کے کرتے کے اوپر سینے پر ڈال دیے جائیں؛ایک حصہ داہنی طرف اور ایک بائیں طرف۔اس کے بعد سر بند سر پر اور بالوں پر ڈالا جائے،اس کو نہ باندھا جائے نہ لپیٹا جائے۔

۶ پھر سر اور ڈاڑھی پر عطر وغیرہ کوئی خوشبو لگا دی جائے۔(یاد رہے مرد کو زعفران نہیں لگانی چاہیے،اور عورتوں کو تیز

پھیلنے والی خوشبو نہیں لگانی چاہیے۔)

⑦ پھر سجدے کے موقعوں؛ پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے، پر کافور مل دیا جائے۔

⑧ پھر ازار کا بایاں پلہ (کنارہ) میت کے اوپر لپیٹ دیا جائے، پھر دایاں پلہ لپیٹا جائے، یعنی بایاں پلہ نیچے رہے اور دایاں اوپر۔ اگر میت عورت ہے تو ازار لپیٹنے کے بعد سینہ بند کو سینہ کے اوپر بغلوں سے نکال کر گھٹنوں تک دائیں بائیں سے باندھ دیا جائے۔

⑨ پھر چادر اسی طرح لپیٹ دی جائے؛ پہلے بائیں طرف، پھر داہنی طرف۔ یعنی بایاں پلہ نیچے رہے اور دایاں اوپر۔

⑩ پھر کسی دھجی سے پیر اور سر کی طرف کفن کو باندھ دیا جائے اور ایک بند کمر کے پاس بھی باندھ دیا جائے، تاکہ راستے میں کفن نہ کھل جائے۔ قبر میں مردہ کو قبلہ رُخ لٹانے کے بعد کفن کی یہ گرہیں کھول دی جائیں گی۔

چھوٹے بڑے تمام عمر کے لوگوں کو کفن دینے کا یہی طریقہ ہے جو اوپر مذکور ہوا، البتہ جو بچہ ماں کے پیٹ سے مرا ہوا پیدا ہو، یعنی پیدا ہوتے وقت زندگی کی کوئی علامت نہیں پائی گئی تو ایسے بچے کو قاعدے کے موافق کفن نہ دیا جائے، بلکہ کسی ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

اگر کسی مرد کو فقط دو کپڑوں؛ ازار اور چادر، اور عورت کو فقط تین کپڑوں؛ ازار، چادر اور سر بند، میں کفن دیا جائے تو یہ بھی درست ہے اور اتنا کفن بھی کافی ہے۔ کسی مجبوری اور لاچاری کے بغیر اس سے کم کپڑوں میں کفن دینا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کوئی مجبوری اور لاچاری ہو تو مکروہ بھی نہیں۔

کسی انسان کی قبر کھل جائے یا اور کسی وجہ سے اس کی لاش قبر سے باہر نکل آئے اور اس پر کفن نہ ہو تو اس کو بھی مسنون کفن دینا چاہیے، بشرطیکہ وہ لاش پھٹی نہ ہو۔ اور اگر پھٹ گئی ہو تو صرف کسی کپڑے میں لپیٹ دینا کافی ہے، مسنون کفن کی حاجت نہیں۔

(ماخوذ از: بہشتی زیور، ص:130-132، ط: دار الاشاعت/ واحکام میت، ص:44-56، 206، 208، ط: ادارۃ المعارف)

بَابُ غُسْلِ الْمَرْأَةِ وَ كَفَنِهَا

عورت کے غسل اور کفن کا بیان!

229- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَرْأَةِ تَمُوتُ مَعَ الرِّجَالِ، قَالَ: يُغَسِّلُهَا زَوْجُهَا، وَ كَذٰلِكَ إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ مَعَ النِّسَاءِ غَسَّلَتْهُ امْرَأَتُهُ. قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: أَكْرَهُ أَنْ يُغَسِّلَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ نَأْخُذُ، إِنَّ الرَّجُلَ لَا عِدَّةَ عَلَيْهِ، وَ كَيْفَ يُغَسِّلُ امْرَأَتَهُ، وَ هُوَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَهَا؟ وَ يَتَزَوَّجَ ابْنَتَهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِأُمِّهَا؟

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اس عورت کے بارے میں جو مردوں کے ساتھ مرے (عورتیں موجود نہ ہوں)

اسے اس کا شوہر غسل دے گا۔ اسی طرح اگر مرد مر جائے اور عورتیں ہی عورتیں ہوں مرد نہ ہوں تو اسے اس کی بیوی غسل دے گی۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مرد کے لئے اپنی بیوی کو غسل دینا جائز نہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی کو اختیار کرتے ہیں کہ مرد پر عدت نہیں بھلا اس کے لئے یہ کیسے حلال ہوگا کہ اپنی بیوی کو غسل دے حالانکہ اس کے لئے اس کی بہن اور بیٹی سے شادی کرنا جائز ہو گیا ہے بشرطیکہ اس کی ماں سے دخول نہ کیا ہو۔

230۔ بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: نَحْنُ كُنَّا أَحَقَّ بِهَا إِذَا كَانَتْ حَيَّةً، فَأَمَّا إِذَا مَاتَتْ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: ہمیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب وہ بیوی زندہ تھی تو ہم اس کے زیادہ حق دار تھے جب وہ مر گئی، تو اب تم اس کے زیادہ حق دار بن گئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

موت کے بعد بیوی اجنبیہ عورت ہے:

چوں کہ موت کی وجہ سے عورت سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اس لیے وہ عورت شوہر کے لیے اجنبیہ کے حکم میں ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شوہر کا اس کو ہاتھ لگانا یا غسل دینا درست نہیں، لیکن چوں کہ مرد کے انتقال کی وجہ سے عورت کا نکاح ختم نہیں ہوتا، عدت گزارنے کے بعد عورت مرد کے نکاح سے نکلتی ہے، اس لیے عورت شوہر کو ہاتھ بھی لگا سکتی ہے، غسل بھی دے سکتی ہے۔
بیوی کے انتقال کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے، اسی طرح اگر اس سے دخول نہ کیا ہو تو اس کی دوسرے شوہر سے جو بیٹی ہو اس سے نکاح جائز ہے۔ (المختار)

231۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي كَفَنِ الْمَرْأَةِ: إِنْ شِئْتَ ثَلَاثَةَ أَثْوَابٍ، وَإِنْ شِئْتَ أَرْبَعًا إِنْ شِئْتَ شَفْعًا وَإِنْ شِئْتَ وِتْرًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے عورت کے کفن کے بارے میں فرمایا: اگر چاہو تو تین کپڑے لے لو اور چاہو تو چار لے لو جفت لے لو چاہے طاق لے لو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عورت کا کفن:

عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں: ایک کرتہ، دوسرے ازار، تیسرے سینہ بند، چوتھے چادر، پانچویں سر بند، ازار سر سے پاؤں تک ہونا چاہئے، اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہو، کرتی گردن سے پاؤں تک ہو، اگر پانچ کپڑوں میں نہ کفنائے، بلکہ تین کپڑوں میں کفن دے، ایک ازار، دوسرے چادر، تیسرے سر بند یہ بھی درست ہے۔

عورت کو کفن دینے کا طریقہ:

عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً چادر بچھاؤ پھر ازار اس کے بعد کُرتی اولاً کُرتی پہنا دو اور سر کے بالوں کے دو حصے کر کے کرتی کے اوپر سینے پر ڈال دو کہ ایک حصہ داہنی جانب ہو دوسرا بائیں جانب۔

بَابُ الْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ

میت کو غسل دینے سے غسل کرنے کا بیان!

232- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الِاغْتِسَالِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، يَقُولُ: إِنْ كَانَ صَاحِبُكُمْ نَجِسًا، فَاغْتَسِلُوا مِنْهُ، وَالْوُضُوءُ يُجْزِي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَإِنْ شَاءَ أَيْضًا لَمْ يَتَوَضَّأْ، فَإِنْ كَانَ أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنَ الْمَاءِ الَّذِي غَسَّلَ بِهِ الْمَيِّتَ غَسَلَهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے میت کو غسل دینے سے غسل کرنے کے بارے میں مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر تمہارا مرنے والا ساتھی نجس ہے تو اس کو غسل دینے کی وجہ سے غسل کرلو اور صرف وضو کرنا بھی کافی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چاہے تو وضو بھی نہ کرے اور اگر اس کو میت کے غسل کا پانی لگ جائے تو اسی جگہ کو دھولے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔

233- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَا نَرَاهُ أَمَرَ بِذَلِكَ، إِنَّهُ رَآهُ وَاجِبًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میت کو غسل دینے والے کو غسل کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انہوں نے غسل کا حکم اس لئے دیا کہ وہ اس کو واجب سمجھتے تھے۔

کیا میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا ضروری ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آتا ہے کہ جو مردے کو غسل دے اسے غسل اور جو اسے اٹھائے اسے وضو کرنا چاہیے، بعض حضرات اس کے ظاہر سے مردے کے غسل دینے والے پر وجوبِ غسل کے قائل ہیں، اس لیے کہ غسل دینے میں چھینٹیں پڑتی ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں کہاں پڑی ہیں، اس لیے پورا جسم دھولینا چاہیے، لیکن اگر یہ اندازہ ہو کہ چھینٹیں نہیں پڑی ہیں تو غسل ضروری نہیں ہوگا۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار)، کتاب الطهارة، سنن الغسل، 169/1، ط: سعید)

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں غسل کا حکم استحبابا ہے تاکہ اگر اسے نہانے سے بو وغیرہ آنے لگی ہو تو وہ دور ہو جائے، غسل ضروری نہیں، باقی وضو

کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ جنازہ پڑھا جائے گا تو پہلے سے تیاری کرنا چاہیے تاکہ نماز جنازہ کے اجر وثواب سے محرومی نہ ہو۔(المختار)

234 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ تَحْضُرُهُ الْجَنَازَةُ، وَهُوَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، قَالَ: يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيدِ ثُمَّ يُصَلِّي، وَلَا تَفْعَلُ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ إِذَا كَانَتْ حَائِضًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے کہ جس کے سامنے جنازہ آجائے اور اس کا وضو نہ ہو فرمایا: مٹی سے تیمم کر کے جنازہ پڑھ لے۔ عورت اگر حالت حیض میں ہو تو وہ تیمم نہیں کر سکتی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنا:

میت کا متولی یا ذمہ دار باوضوء نہ ہو تو اسے وضو کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ شروع نہیں ہوگی، اگر اس کی اجازت کے بغیر جنازہ پڑھ لیا جائے تو وہ جنازہ دوبارہ کرا سکتا ہے، لیکن دوسرے لوگوں میں سے اگر کسی کا وضو نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ وضو کرنے سے نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو چوں کہ جنازہ کی نماز کا اعادہ اور تکرار نہیں ہوتی، اس لیے اس کے لیے تیمم کر سکتے ہیں، تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔(رد المحتار: (1/241، ط: دار الفکر)

یہی حکم نماز عید کا ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ وضو کرنے کی وجہ سے امام کے ساتھ سلام سے پہلے شریک نہیں ہو سکے گا تو تیمم کر کے نماز میں شریک ہو سکتا ہے، جمعہ میں ایسا نہیں کر سکتے، یہی حکم اور نمازوں کا بھی ہے کہ اگر قضاء کا ڈر ہو تب بھی تیمم نہیں کر سکتے، اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کا قائم مقام اور خلیفہ ہو، اس کے لیے تیمم نہیں کر سکتے، جمعہ کا بدل ظہر موجود ہے، اگر جمعہ کی جماعت نہ ملے تو ظہر کی چار رکعت پڑھ لے گا، ادا کا وقت نہ ملے تو قضاء پڑھ لے گا، لیکن عید اور جنازہ کی قضاء نہیں ہوتی، اس لیے ان کے لیے تیمم کر سکتا ہے۔(المختار)

بَابُ حَمْلِ الْجَنَائِزِ

جنازہ کے اٹھانا!

235 - مُحَمَّدٌ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ حَمْلَ الْجَنَازَةِ بِجَوَانِبِ السَّرِيرِ الْأَرْبَعَةِ، فَمَا زِدْتَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ يَبْدَأُ الرَّجُلُ فَيَضَعُ يَمِينَ الْمَيِّتِ الْمُقَدَّمَ عَلَى يَمِينِهِ، ثُمَّ يَضَعُ يَمِينَ الْمَيِّتِ الْمُؤَخَّرَ عَلَى يَمِينِهِ، ثُمَّ يَعُودُ إِلَى الْمُقَدَّمِ الْأَيْسَرِ فَيَضَعُهُ عَلَى يَسَارِهِ، ثُمَّ يَأْتِي الْمُؤَخَّرَ الْأَيْسَرَ فَيَضَعُهُ عَلَى يَسَارِهِ. وَ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ جنازہ کے پلنگ کو چاروں جانب سے پکڑا جائے اس سے زیادہ مرتبہ اٹھانا زیادہ ثواب کے بڑھنے کا ذریعہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ انسان جنازہ اس طرح اٹھائے کہ پہلے میت کا اگلا دایاں حصہ اپنے دائیں کاندھے پر رکھے گا پھر اس کا پچھلا دایاں حصہ اپنے دائیں کاندھے پر رکھے گا پھر آگے کی جانب دوبارہ آئے اور اگلے بائیں حصے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر پھر پچھلے بائیں حصے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جنازہ اٹھانے اور اٹھا کر چلنے کا طریقہ:

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی جنازہ کو چار جانب سے اٹھائیں، یہ طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے منقول ہے اور یہی طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم میں مشہور ومعروف رہا ہے۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "فالسنة فی حمل الجنازة أن یحملها أربعة نفر من جوانبها الأربع عندنا"، یہ مسنون طریقہ ①-جنازہ کے گرنے سے حفاظت، ②-اٹھانے والوں پر سہولت، ③-اور جنازہ کو بوجھ اٹھانے سے عدم مشابہت، ④-اور زیادہ آدمیوں کو اٹھانے کی سعادت حاصل ہونے کی وجہ سے اعلیٰ وافضل ہے، اسی وجہ سے دو شخصوں کا جنازہ کے بیچ آگے پیچھے مونڈھے پر اٹھانا یا چوپایہ پر رکھنا مکروہ ہے (بدائع: 309/1)

آگے لکھتے ہیں: جو شخص جنازہ اٹھانے میں کمال سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ جنازہ کے چاروں جانب کو یکے بعد دیگرے اٹھائے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ کے چاروں جانب کو اس طرح اٹھاتے کہ سب سے پہلے جنازہ کے اگلے جانب کو اپنے داہنے کاندھے پر رکھتے (اور چند قدم چلتے پھر ہٹ جاتے) اس کے بعد پچھلے جانب کو اپنے داہنے کاندھے پر رکھتے (اور چند قدم چلتے پھر ہٹ جاتے) اس کے بعد جنازہ کے اگلے بائیں جانب کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھتے (اور اسی طرح چلتے) پھر اس کے پچھلے (بائیں) جانب کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھتے۔ امام محمد "جامع الصغیر" میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جامع الصغیر)

جنازہ کو مذکورہ طریقہ سے اٹھانے میں اسلام کی ایک اہم سنت "تیامن" (یعنی کسی اچھے کام کو داہنی جانب سے شروع کرنا) پر بھی عمل ہو جاتا ہے یعنی میت کا دایاں اٹھانے والے کے دائیں کاندھے پر پھر میت کا بایاں اٹھانے والے کے بائیں کاندھے پر۔ اور ہر جانب اٹھانے میں چاہئے کہ دس دس قدم اٹھائے چلے تاکہ جنازہ کو چالیس قدم اٹھانے پر جو مخصوص فضیلت وارد ہوئی ہے وہ بھی حاصل ہو جائے (بدائع ۱/۳۰۹) یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائل کے باب میں اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

نماز جنازہ کا باب!

نماز جنازہ بالاتفاق فرض کفایہ ہے، اسی طرح غسل، تجہیز وتکفین اور دفن بھی، نماز جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا، پاک ہونا، میت کا سامنے ہونا، اس کا پورا یا اکثر حصہ نمازیوں کے آگے قبلہ کی جانب ہونا ضروری ہے، میت موجود نہ ہوتو جنازہ درست نہیں، اسی طرح اگر میت سواری پر ہو یا جنازہ پیچھے رکھا ہوا ور لوگ آگے ہوں تب بھی درست نہیں۔

اگر کسی میت کو جنازہ کے بغیر دفن کر دیا جائے تو تین دن کے اندر اندر یا جب تک اس کے پھولنے پھٹنے کا امکان نہ ہو اس دوران اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس کے بعد جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔

نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، حدیث میں آتا ہے جس نے مسجد میں میت پر نماز پڑھی اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا، لیکن اگر مسجد اسی غرض سے بنائی گئی ہو تو پڑھ سکتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہت پڑھ سکتے ہیں

236 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَا قِرَاءَةَ عَلَى الْجَنَائِزِ، وَ لَا رُكُوعَ وَ لَا سُجُودَ، وَلَكِنْ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَ شِمَالِهِ إِذَا فَرَغَ مِنَ التَّكْبِيرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز جنازہ میں نہ قرأت ہے اور نہ رکوع وسجدہ البتہ تکبیرات کے بعد دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

237 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: لَيْسَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ شَيْءٌ مُوَقَّتٌ، وَلَكِنْ تَبْدَأُ فَتَحْمَدُ اللهَ، وَ تُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، وَ تَدْعُو اللهَ لِنَفْسِكَ، وَلِلْمَيِّتِ بِمَا أَحْبَبْتَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جنازہ میں کوئی سورت پڑھنا مقرر نہیں البتہ آپ ابتداء میں اللہ جل جلالہ کی حمد وثنا بیان کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجیں اور اپنے اور میت کے لئے جو دعائیں پسند کریں مانگیں۔

نماز جنازہ کی نیت اور طریقہ:

"نیت" دل کے ارادے کا نام ہے، اس کے لیے زبان سے الفاظ کی ادائیگی ضروری نہیں ہے، بلکہ زبان سے نیت کے الفاظ کی ادائیگی نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم سے، اسی لیے بعض فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے زبان سے نیت کے الفاظ کہنے کو بدعت قرار دیا ہے، لہٰذا نمازِ جنازہ شروع کرنے سے پہلے بطورِ نیت کہنے کے لیے مخصوص الفاظ نہیں ہیں، بس دل میں یہ نیت ہو"اللہ جل جلالہ کی رضا کے لیے فلاں میت کی نمازِ جنازہ ادا کر رہا ہوں اور امام کی اقتدا میں ہوں"۔

نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو سامنے رکھ کر امام اس کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو اور باقی لوگ امام کے پیچھے صفیں بنا کر

کھڑے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور وسط (درمیان) میں کھڑے ہوئے۔
(صحيح البخاري:89/2)

اور بہتر ہے کہ امام کے پیچھے کم از کم تین صفیں بنائی جائیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما صلى ثلاثة صفوف من المسلمين على رجل مسلم يستغفرون له إلا أوجب"... وفي رواية يزيد بن هارون: "إلا غفر له". (السنن الكبرى للبيهقي:48/4)

صفوں کو درست کرنے کے بعد امام چار تکبیر کہے اور مقتدی بھی چار تکبیریں کہیں؛ مگر صرف پہلی تکبیر پر کانوں تک ہاتھ اٹھائیں، جیسا کہ عام نمازوں میں کانوں تک اٹھاتے ہیں اور بعد کی تین تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔ پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر باندھ لیں، جیسے عام نمازوں میں باندھتے ہیں۔ پھر ثناء پڑھیں جیسے عام نمازوں میں ثناء پڑھی جاتی ہے۔ سورہ فاتحہ یا قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی، پھر دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف پڑھا جائے جیسے کہ نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے۔ پھر تیسری تکبیر کہہ کر میت کے لیے دعا کریں،

اگر میت بالغ مرد یا عورت ہے تو یہ دعا پڑھیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا. اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَه مِنَّا فَأَحْيِه عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَه مِنَّا فَتَوَفَّه عَلَى الْاِيْمَانِ".

اور میت اگر نابالغ ہو تو لڑکے کے لیے یہ دعا پڑھیں:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطاً وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْراً وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا".

اور نابالغ لڑکی ہو تو اسی دعا کو اس طرح پڑھیں:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطاً وَّاجْعَلْهَا لَنَا أَجْراً وَّذُخْراً وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً".

پھر چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔ (الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (423/1)

238- قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، قَالَ: الْأُولَى: الثَّنَاءُ عَلَى اللهِ، وَالثَّانِيَةُ: صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالثَّالِثَةُ: دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ، وَالرَّابِعَةُ: سَلَامٌ تُسَلِّمُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل شانہ کی حمد وثناء بیان کی جائے گی۔ دوسری کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے گا۔ تیسری کے بعد میت کے لئے دعا ہوگی، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔ امام محمد

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

239 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ، قَالَ: يُصَلِّي عَلَيْهَا أَئِمَّةُ الْمَسَاجِدِ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: تَرْضَوْنَ بِهِمْ فِي صَلَاتِكُمُ الْمَكْتُوبَاتِ، وَلَا تَرْضَوْنَ بِهِمْ عَلَى الْمَوْتَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. يَنْبَغِي لِلْوَلِيِّ أَنْ يُقَدِّمَ إِمَامَ الْمَسْجِدِ، وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ کے بارے میں یہ مروی ہے، فرمایا: اس پر ائمہ مساجد جنازہ پڑھائیں گے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ ائمہ جن کے پیچھے تم فرض نمازیں خوشی سے پڑھتے ہو ان کے پیچھے جنازے کی نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے (عجیب بات ہے) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں ولی کو چاہئے کہ مسجد کے امام کو آگے بڑھائے لیکن اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (دوسرے سے بھی جنازہ پڑھوا سکتا ہے) یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نمازِ جنازہ پڑھانے کا حق دار کون؟

جنازہ پڑھانے کا سب سے پہلا حق میت کے قریبی رشتہ دار مرد کو ہوتا ہے، جیسے کہ باپ، بیٹا، بھائی یا چچا، اگر وہ موجود ہوں اور جنازہ پڑھانے کی اہلیت رکھتے ہوں، اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر امام صاحب یا کوئی عالم دین پڑھا سکتے ہیں، یہ سب سے بہتر ہے کہ وہ شخص جنازہ پڑھائے جو دین کا علم رکھتا ہو۔

جنازہ پڑھانے کی ترجیح کی ترتیب:

قریبی رشتہ دار (مرد): اگر باپ، بیٹا، بھائی موجود ہے تو وہ حق دار ہے (علم ہو یا نہ ہو)۔

امامِ مسجد: اگر کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو امام صاحب پڑھائیں گے۔

عالم دین/معزز شخص: اگر امام صاحب بھی نہ ہوں تو کوئی عالم دین یا معزز شخص امامت کروا سکتا ہے۔

خلاصہ: ترجیحی بنیاد پر میت کا قریبی مرد رشتہ دار، پھر امام، پھر کوئی عالم دین جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔

(فتاوی شامی: 219/2۔ تبیین الحقائق: 175/3)

240 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى الْجَنَائِزِ خَمْسًا وَسِتًّا وَأَرْبَعًا، حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ كَبَّرُوا بَعْدَ ذَلِكَ فِي وِلَايَةِ أَبِي بَكْرٍ، حَتَّى قُبِضَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ثُمَّ وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، فَفَعَلُوا ذَلِكَ فِي وِلَايَتِهِ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، قَالَ: إِنَّكُمْ مَعْشَرَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَتَى مَا تَخْتَلِفُونَ يَخْتَلِفُ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَالنَّاسُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَجْمِعُوا عَلَى شَيْءٍ يَجْتَمِعُ عَلَيْهِ مَنْ بَعْدَكُمْ، فَأَجْمَعَ رَأْيُ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَنْ يَنْظُرُوا آخِرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ حِينَ قُبِضَ، فَيَأْخُذُونَ بِهِ فَيَرْفُضُونَ مَا سِوَى ذَلِكَ، فَنَظَرُوا فَوَجَدُوا آخِرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَرْبَعًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ

نَأْخُذُ. وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ لوگ جنازوں پر پانچ، چھ اور چار تکبیرات کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ اسی طرح تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی وفات پا گئے پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور ان کے دور خلافت میں بھی لوگوں نے یہی کیا جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ اختلاف دیکھا تو فرمایا: آپ حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہیں جب خود آپ لوگوں ہی میں اختلاف ہوگا تو آپ کے بعد آنے والوں میں اس سے زیادہ اختلاف ہوگا لوگ ابھی ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ کسی ایک ایسی بات پر اتفاق کرلیں۔ جس پر آپ کے بعد آنے والے سب متفق ہو جائیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کے پڑھائے ہوئے آخری جنازہ کی تکبیرات کو دیکھا جائے اس پر آپ نے جتنی تکبیرات کہی ہوں انہیں اختیار کرلیا جائے اور اس کے علاوہ دوسری اور کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری جنازے پر چار تکبیرات کہی تھیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

241 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ، عَنْ أَبِي يَحْيَى عُمَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ، أَنَّهُ صَلَّى عَلَى يَزِيدَ بْنِ الْمُكَفَّفِ فَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ، وَ هُوَ آخِرُ شَيْءٍ كَبَّرَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى الْجَنَائِزِ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یزید بن المکفف کی نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیرات کہیں اور یہ آپ کی یہ آخری نماز جنازہ تھی جس پر چار تکبیرات کہیں۔

242 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ أَنَّهُ كَبَّرَ عَلَى ابْنَةٍ لَهُ أَرْبَعًا.

ترجمہ: حضرت سعید بن المرزبان حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے جنازے پر چار تکبیرات کہیں۔

نماز جنازہ کی کتنی تکبیریں ہیں؟

نمازِ جنازہ کی تکبیرات کے متعلق مختلف احادیث مروی ہیں، بعض روایات میں چار تکبیریں، جبکہ بعض میں پانچ، بعض میں سات تک ذکر کی گئی ہیں، اسی اختلاف کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مختلف تکبیرات پڑھتے تھے اور ہر ایک کے پاس دلیل ہوتی تھی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ مبارک آیا، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور ان سے

اس مسئلہ کے متعلق مشورہ کیا اور اس بارے میں پوچھا، تو سب کی رائے چار پر متفق ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو انہی چار تکبیروں پر جمع فرما دیا تھا، اُس دن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا چار تکبیروں پر اجماع ہو گیا تھا، اسی لئے حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: چار، پانچ، سات تکبیریں پڑھی گئی ہیں، لیکن مسلمانوں کا اجماع چار تکبیروں پر ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے آج ہم بھی جنازہ میں چار تکبیریں کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار تکبیروں سے جنازہ پڑھا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن ابن ماجہ، شرح السنہ للبغوی، اور معجم اوسط للطبرانی میں ہے کہ ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدگاہ میں صحابہ کی صفیں بنوائیں، پھر نمازِ جنازہ پڑھی اور میت پر چار تکبیریں کہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 657، ط، دار احیاء التراث العربی)

بَابُ إِدْخَالِ الْمَيِّتِ الْقَبْرَ

میت کو قبر میں داخل کرنے کا بیان

243 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ: مِنْ أَيْنَ يُدْخَلُ الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ؟ قَالَ: مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ مِنْ حَيْثُ يُصَلَّى عَلَيْهِ. قَالَ إبراهيمُ: وَ حَدَّثَنِي مَنْ رَأَى أَهْلَ الْمَدِينَةِ يُدْخِلُونَ مَوْتَاهُمْ فِي الزَّمَنِ الْأَوَّلِ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ، وَإِنَّ السَّلَّ شَيْءٌ صَنَعَهُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ بَعْدَ ذَلِكَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: يُدْخَلُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَلَا تَسُلُّهُ سَلًّا مِنْ قِبَلِ الرِّجْلَيْنِ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میت کو قبر میں کس طرف سے داخل کیا جائے گا؟ فرمایا: قبلہ کی جانب سے جس طرف سے اس پر نماز جنازہ پڑھایا جاتا ہے۔ اور مجھ سے اہل مدینہ کے عمل کے دیکھنے والے نے یہ بیان کیا کہ وہ اپنے مردوں کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کیا کرتے تھے قبر کے پاؤں والے حصے کی جانب سے داخل کرنا بعد کے اہل مدینہ کا عمل ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے گا پاؤں کی جانب سے داخل نہیں کیا جائے گا، یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قبر میں داخل کرنے کا طریقہ:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قبر میں مردہ داتارنیکا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کیا جائے، جس کی صورت یہ ہو کہ جنازہ کو قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھا جائے اور پھر اس کو اسی جانب سے چوڑائی میں قبر کے اندر اتارا جائے۔
- امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مردہ کو قبر میں اتارنیکا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کی پائینتی کی جانب اس طریقہ سے رکھا

جائے کہ میت کا سر قبر کی پائینتی کے ساتھ ہو، پھر اس کو قبر میں کھینچا جائے اس طریقہ پر کہ سر پہلے قبر میں داخل ہو اور پاؤں بعد میں۔

(بدائع الصنائع ج: ۲، ص: ۲۰ تا ۲۱)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کھینچ کر قبر میں اتارا گیا ہے۔ (بدائع ج: ۲ ص: ۲۱)

جواب: آپ کو ضرورت کی بنیاد پر اس طرح سے اتارا گیا کیوں کہ جگہ تنگ تھی قبلہ کی جانب سے اتارنا مشکل ہو گیا اس لئے ایسا کیا گیا۔ (بدائع ج: ۲، ص: ۲۲)

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو قبلہ کی جانب سے ہی قبر میں اتارا ہے۔ (بدائع ج: ۲، ص: ۲۱)

قبر میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے، یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی جانب متوجہ کر دیں، میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھول دے، کیوں کہ اب کفن کے منتشر ہونے کا خوف نہیں رہا، اس کے بعد قبر پر کچی اینٹیں ٹھیک کر کے لگا دی جائیں کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر پر کچی اینٹیں لگائیں گئیں تھیں۔ (عینی ج: ا ص: ۱۱۲۶ جزء ثانی)

قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کو مضبوط کرنے کے لئے ہیں اور قبر گل سڑ کر برباد ہونے کی جگہ ہے تو قبر میں ایسی چیزوں کو لگانا اسراف ہے، البتہ جہاں زمین نرم ہو یا سیلابی ہونے کی وجہ سے قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پختہ اینٹ یا لکڑی کے تختوں سے بند کیا جا سکتا ہے، مرکل یا بانس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر قبر پر مٹی ڈال دی جائے۔

(عینی ج: ص: ۱۱۲۷ جزء ثانی)

قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور چکور نہ بنایا جائے، قبر زمین سے ایک بالشت تک بلند کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک مشروع ہے، اور جو قبر اس سے زیادہ بلند ہو اس کو ایک بالشت تک لے آنا مستحب ہے، قبر کو ایک بالشت کے بقدر اونچا کرنے کی ہیئت کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

- **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔
- **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چکور بنایا جائے گا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل:** سفیان تمار کی روایت ہے کہ میں اس جگہ داخل ہوا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک تھی، میں نے آپ کی قبر مبارک اور شیخین کی قبروں کو کوہان نما دیکھا۔ (عینی: ج: ص: ۱۱۲۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی **دلیل:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر کو چکور بنایا تھا۔

جواب: اولاً چکور بنائی گئی پھر کوہان نما کر دی گئی تھی۔

واضح رہے کہ یہ اختلاف فضیلت میں ہے ورنہ جائز دونوں طریقے ہیں۔

244- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يَدْخُلُ الْقَبْرَ إِنْ شَاءَ شَفْعًا، وَإِنْ شَاءَ وِتْرًا، كُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مردے کو قبر میں اتارنے کے لئے چاہے جفت آدمی قبر میں داخل ہو یا طاق، یہ سب برابر ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى جَنَائِزِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

مردوں اور عورتوں کی نماز جنازہ کا بیان!

مصنف اس باب میں بیان کریں گے کہ جب کئی جنازے ایک ساتھ حاضر ہو جائیں تو ان پر نماز جنازہ پڑھنے کی کیا ترتیب ہوگی ایک صف بنائی جائے یا کئی صفیں بنائی جائیں اور اگر ساتھ میں عورتیں بھی ہوں تو اب کیا ترتیب ہوگی۔ان سب کو مصنّف بیان کریں گے۔

245- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْجَنَائِزِ إِذَا اجْتَمَعَتْ، قَالَ: تُصَفُّ صَفًّا بَعْضُهَا أَمَامَ بَعْضٍ وتُصَفُّهَا جَمِيعًا، يَقُومُ الْإِمَامُ وَسْطَهَا، فَإِذَا كَانُوا رِجَالًا وَنِسَاءً، جُعِلَ الرِّجَالُ هُمْ يَلُونَ الْإِمَامَ، وَالنِّسَاءُ أَمَامَ ذَلِكَ يَلِينَ الْقِبْلَةَ، كَمَا أَنَّ الرِّجَالَ يَلُونَ الْإِمَامَ إِذَا كَانُوا فِي الصَّلَاةِ وَالنِّسَاءُ مِنْ وَرَائِهِمْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو سب کو ایک دوسرے کے آگے ترتیب سے رکھ دیں گے امام ان کے درمیان میں کھڑا ہو جائے گا۔اگر جنازے عورتوں اور مردوں دونوں کے ہوں تو مردوں کے جنازے امام کے قریب ہوں گے اور عورتوں کے ان کے آگے قبلہ کی جہت میں جیسے نماز میں مرد امام کے قریب ہوتے ہیں اور عورتیں ان کے بعد ہوتی ہیں۔
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کئی جنازے جمع ہونے کا حکم:

إِذَا اجْتَمَعَتْ، قَالَ: تُصَفُّ صَفًّا بَعْضُهَا أَمَامَ بَعْضٍ: اگر ایک ہی وقت میں کئی جنازے جمع ہو جائیں تو بہتر یہ ہے کہ سب کی نمازِ جنازہ الگ الگ پڑھی جائے، اگر سب جنازوں کی ایک ساتھ نماز پڑھی جائے تب بھی جائز ہے اور اس وقت چاہیے کہ سب جنازوں کی صف قائم کردی جائے۔(درمختار وحاشیۃ ابن عابدین:2/219، ایچ ایم سعید)

إِذَا كَانُوا رِجَالًا وَنِسَاءً، جُعِلَ الرِّجَالُ هُمْ: اگر جنازے مردوں اور عورتوں دونوں کے ہوں تو امام مردوں کے جنازے کے قریب ہوگا۔یہاں سے بیان فرما رہے ہیں کہ اگر جنازے مختلف جنس کے ہوں تو اس میں ترتیب یہ ہوگی کہ امام کے سب سے زیادہ قریب مردوں کے جنازے ہوں گے۔پھر عورتوں کے اور اگر سب ہی جنس کے جنازے حاضر ہو جائیں اور سب کی ایک ہی ساتھ نماز

جنازہ پڑھانا ہو تو اس میں رکھنے کی ترتیب اس طرح سے ہوئی۔

کہ سب سے پہلے بالغ لڑکوں کی صف پھر نابالغ لڑکوں کی پھر خنثی کی پھر بالغ لڑکیوں کی پھر نابالغ لڑکیوں کی اس میں ترتیب اس طرح قائم کی جائے گی۔(در مختار وحاشیۃ ابن عابدین:219/2،ایچ ایم سعید)

يَقُوْمُ الْإِمَامُ وَسْطَهَا: امام ان کے درمیان میں کھڑا ہوگا اس میں **تین مذاہب** ہیں۔

① - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یوسف، ابن القائم وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام مرد کا جنازہ ہو یا عورت کا ان کے سینہ کے مقابل کھڑا ہوگا۔کیونکہ سینہ موضع القلب ہے اس میں نور ایمان ہوتا ہے۔گویا کہ امام اس کی ایمان کی شفاعت کر رہا ہے(فتح القدیر:89/2)

② - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت جو حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اور امام شافعی، ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلی، وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ امام عورت کے جنازے میں تو اس کے وسط میں اور مرد کے جنازے میں اس کے سر کے پاس کھڑا ہوگا۔(۴)

③ - امام مالک، ابن شعبان وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں امام مرد کے وسط میں اور عورت کے مونڈھوں کے پاس کھڑا ہوگا۔

246 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: صَلَّى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَزَيْدِ بْنِ عُمَرَ ابْنِهَا، فَجَعَلَ أُمَّ كُلْثُومٍ تِلْقَاءَ الْقِبْلَةِ، وَجَعَلَ زَيْدًا مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے زید بن عمر پر نماز جنازہ پڑھی تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبلہ کی طرف آگے رکھا اور زید کو امام کے قریب۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: یہ ام کلثوم حضرت علی کی بیٹی اور حضرت عمرہ ہے کی بیوی ہیں ہے۔

مرد و عورت کی ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنا:

اگر مردوں اور عورتوں کے جنازے ہوں اور سب ایک ساتھ ہی پڑھائے تو اپنے قریب تو مرد کا جنازہ رکھے اور پھر اس کے بعد قبلہ کی جانب عورت کا جنازہ رکھے اگر الگ الگ بھی پڑھے تب بھی افضل تو یہی ہے کہ پہلے مردوں کا جنازہ پڑھائے۔

پہلے مرد کا جنازہ ہوگا پھر عورت کا اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے" اخروھن من حیث اخرھن اللہ "(مشکوۃ) کہ جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے کیا تم بھی ان کو پیچھے کرو۔

247 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ، قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ

اللہُ تعالی عَنہُ یُصَلِّی عَلَی جَنَائِزِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَجَعَلَ الرِّجَالَ یَلُونَہ،وَالنِّسَاءَ یَلِینَ الْقِبْلَۃَ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مردوں اور عورتوں کے جنازوں پر ایک ساتھ نماز پڑھتے دیکھا انہوں نے مردوں کو اپنے قریب رکھا اور عورتوں کو قبلہ کی طرف آگے کر کے رکھا۔

لغات: یَلُوْنَہُ: (حَسِبَ) وَلِیَ یَلِی وَلْیا فلاناً: قریب ہونا جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے۔

نوٹ: بعض نسخوں میں عیسی بن عبداللہ بن موہت ہے یہ کاتب کی غلطی ہے صحیح عثمان بن عبداللہ بن موہب ہے۔

تشریح:

افضل تو یہی ہوگا کہ الگ الگ جنازے کی نماز پڑھائے اگر ایک ساتھ پڑھائے تو ترتیب یہ ہوگی کہ امام سے قریب مردوں کی صف ہوگی اور اس کے بعد قبلہ کی طرف عورتوں کی صف ہوگی اس طرح متعدد روایات میں آتا ہے۔

248-مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِیفَۃَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْھَیْثَمُ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا أَنَّہُ صَلَّی عَلَی امْرَأَۃٍ وَلَدَتْ مِنَ الزِّنَا، مَاتَتْ ھِیَ وَابْنُھَا، فَصَلَّی عَلَیْھَا ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ تعالی عنھما، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِہِ نَأْخُذُ لَا یُتْرَکُ أَحَدٌ مِنْ أَھْلِ الْقِبْلَۃِ إِلَّا یُصَلَّی عَلَیْہِ، وَھُوَ قَوْلُ أَبِی حَنِیفَۃَ رحمہ اللہ تعالی.

ترجمہ: حضرت سعید بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک زانیہ عورت جس نے زنا کے بچے کو جنا تھا اور وہ اور اس کا بچہ دونوں کا انتقال ہوگیا اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان پر جنازہ پڑھا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فاسق وفاجر کی نماز جنازہ:

صَلَّی عَلَی امْرَأَۃٍ وَلَدَتْ مِنَ الزِّنَا: اس میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ زانیہ عورت اور اس کے بچے پر، اگر وہ مرجائے تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث باب میں آیا کہ ہر کلمہ گو کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا البتہ ایسا فاسق وفاجر شخص جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہو اس کا جنازہ مقتدی اور بڑے بزرگ وغیرہ کو نہیں پڑھنا چاہیے، کسی عام آدمی سے پڑھا لیا جائے تاکہ اس جیسے مجرموں کی ہمت افزائی نہ ہو۔

عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ: الصَّلَاۃُ الْمَکْتُوبَۃُ وَاجِبَۃٌ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ أَوْ فَاجِرًا وَإِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ. (سنن ابي داود/کتاب الصلاۃ/حدیث:594)۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فرض نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے چاہے وہ نیک ہو یا بد اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہو"

قولہ علیہ السلام: صلوا علی کل بر و فاجر۔ الحدیث۔ ترجمہ: ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرو۔

(شرح نقایہ، مکتبہ اعزازیہ دیوبند، باب الشہید ۱/۱۴۲)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله ﷺ قال: صلوا خلف كل بر و فاجر، و صلوا على كل بر و فاجر۔

(سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، دار الكتب بيروت ۲/۴۴، رقم: ۱۷۵۰)

بَابُ الْمَشْيِ مَعَ الْجَنَازَةِ

جنازہ کے ساتھ چلنے کا بیان!

249 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: رَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ يَتَقَدَّمُ الْجَنَازَةَ وَيَتَبَاعَدُ عَنْهَا فِي غَيْرِ أَنْ يَتَوَارَى عَنْهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا نَرَى بِتَقَدُّمِ الْجَنَازَةِ بَأْسًا إِذَا كَانَ قَرِيبًا مِنْهَا، وَالْمَشْيُ خَلْفَهَا أَفْضَلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو جنازہ سے آگے اور اتنی دور چلتے دیکھا کہ اس سے مخفی نہ ہو جائیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر جنازہ کے قریب ہوں تو اس سے آگے بڑھنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے ہاں اس کے پیچھے چلنا افضل ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جنازے کے ساتھ چلنے کا طریقہ:

جنازہ کو تیز لے جایا جائے گا، لیکن اتنا تیز نہیں کہ جس کی وجہ سے اس کو جھٹکے لگیں، حدیث میں آتا ہے اپنے مردوں کو جلدی لے جایا کرو اس لیے کہ اگر وہ نیک ہیں تو تم نے انہیں ان کی شاندار آرام کی جگہ بھیج دیا اور اگر برے ہیں تو تم نے انہیں جلدی اپنے کاندھوں سے اتار دیا۔

جنازہ کے آگے پیچھے دونوں جگہ چل سکتے ہیں، امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں آگے چلنا افضل ہے، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں پیچھے چلنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ اٹھانے کی ضرورت پڑی تو اٹھا لے گا اور ویسے بھی جنازہ سامنے ہو تو اسے دیکھ کر عبرت ہوتی ہے، اپنی موت یاد آتی ہے۔

جنازہ جب تک زمین پر نہ رکھ دیا جائے اس وقت تک لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے جو جنازے کے پیچھے پیچھے جائے اسے جنازہ رکھنے سے پہلے نہیں بیٹھنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ کاندھوں سے اتارنے کے لیے تعاون کی ضرورت پڑے جس میں کھڑا ہونا زیادہ معاون بنتا ہے۔

جنازہ اگر قریبی قبرستان لے جایا جا رہا ہو تو اس کے ساتھ پیدل جانا چاہیے الا یہ کہ عذر ہو یا قبرستان دور ہو تو بلا کراہت سوار ہو سکتے ہیں۔

250 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَ أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يُكْرَهُ أَنْ يَتَقَدَّمَ الرَّاكِبُ أَمَامَ الْجَنَازَةِ،

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سوار کا جنازہ کے آگے چلنا مکروہ ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔

سوار کا جنازے کے آگے چلنے کا حکم:

قَالَ يَكْرَهُ أَنْ يَتَقَدَّمَ الرَّاكِبُ أَمَامَ الْجَنَازَةِ: سوار کا جنازہ کے آگے چلنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ پہلے گزرا کہ جنازہ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے سواری پر بھی اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے اس میں دو مذہب ہیں۔

- پہلا مذہب: احناف، امام مالک، احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سواری پر بھی جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہوگا۔
- دوسرا مذہب: امام شافعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے آگے چلنا ان کے نزدیک افضل ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے" الراکب یسیر خلف الجنازۃ "۔(ابوداؤد)

صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا پیدل چلنے والے اور سوار دونوں کے لئے افضل ہے خاص کر کے سواری والے کے لئے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ وہ سوار ہونے کی وجہ سے سوء ادب جنازہ میں پہلے ہی سے مبتلا ہے۔ پیچھے چلنے کے ادب کی وجہ سے اس کی کچھ تلافی ہوجائے گی۔(اعلاء السنن: 247/7)

فقہاء فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے سواری پر جانا ہی مکروہ ہے۔

251۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، قَالَ: امْشِ حَيْثُ شِئْتَ، إِنَّمَا يُكْرَهُ أَنْ يَنْطَلِقَ الْقَوْمُ، فَيَجْلِسُونَ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَيَتْرُكُونَ الْجَنَازَةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے جنازہ کے آگے چلنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جہاں چاہو چلو مکروہ یہ ہے کہ لوگ آگے جا کر قبر کے پاس بیٹھ جائیں اور جنازے کو یونہی چھوڑ دیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جنازے کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حدیث الباب میں ذکر ہوا البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جنازہ کے پیچھے چلا کرتے تھے، جب کہ دیگر روایات میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جنازہ کی اتباع (جس کی صورت جنازہ کے پیچھے چلنا ہے) کرنے کا بھی ارشاد فرمایا۔ اس کی ایک حکمت حضرت علی

رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میت سامنے ہونے کی وجہ سے عبرت ہوگی۔تاہم جن روایات میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنازہ کے آگے چلنا مذکور ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ کے آگے چلنا بھی جائز ہے۔نیز وہ آگے چلنا کسی عارض کی بنا پر ہوتا تھا۔

امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ پیدل چلنے والے کے لئے جنازہ کے آگے چلنا اور سوار کے لئے جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔

جنازہ زمین پر اتارنے سے پہلے بیٹھنا:

إِنَّمَا يُكْرَهُ أَنْ يَنْطَلِقَ الْقَوْمُ، فَيَجْلِسُونَ عِنْدَ الْقَبْرِ:۔مکروہ یہ ہے کہ لوگ آگے جا کر قبر کے پاس بیٹھ جائیں اور جنازے کو یونہی چھوڑ دیں۔

اس مسئلہ میں بھی ائمہ کے دو مذہب ہیں۔

- پہلا مذہب: احناف، امام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے جنازہ زمین پر اتارنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔
- دوسرا مذہب: حضرت عثمان، علی، ابن عمر، امام مالک، امام شافعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ جنازہ زمین پر اتارنے سے پہلے بیٹھ جانا مکروہ نہیں ہے جائز ہے۔

252 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كُنْتُ أُجَالِسُ أَصْحَابَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدَ وَغَيْرَهُمَا، فَتَمُرُّ عَلَيْهِمُ الْجَنَازَةُ، وَهُمْ مُحْتَبُونَ، فَمَا يَحِلُّ أَحدهم حبوته، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى أَنْ يُقَامَ لِلْجَنَازَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور اسود رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ان کے پاس سے جنازہ گزرا تو یہ حضرات احتباء کی کیفیت سے بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی اپنی اس کیفیت کو ختم نہیں کرتا تھا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں ہم جنازے کے لئے قیام کے قائل نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا:

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى أَنْ يُقَامَ لِلْجَنَازَةِ: اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا اور اس کے پاس سے جنازہ گزرے تو کیا اسے کھڑا ہونا چاہیے؟ امام محمد فرمارہے ہیں کہ ہم جنازے کے لئے کھڑے ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

اس میں تین مذاہب ہیں۔

- پہلا مذہب: احناف رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا مستحب نہیں ہے۔

- دوسرا مذہب: امام شافعی، امام اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ مستحب ہے۔
- تیسرا مذہب: امام احمد امام اسحق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ اختیار ہے خواہ کھڑا ہو جائے یا بیٹھا رہے۔ (اوجز المسالک: 79/2)

جنازہ کسی جگہ سے گزرے، تو اسے دیکھ کر کھڑے ہونا چاہئے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کا فتوی یہ ہے کہ کسی جگہ بیٹھے ہوں اور وہاں سے جنازہ گزرے، تو کھڑا ہونا ضروری نہیں، اور کھڑے ہونے کے متعلق روایت میں جو حکم آیا ہے، وہ منسوخ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے کھڑے ہوتے تھے لیکن بعد میں اسے ترک فرمادیا۔

ہاں جو شخص ساتھ جانا چاہتا ہے، وہ اٹھے اور جنازے کے ساتھ شامل ہو جائے۔ درمختار میں ہے: ترجمہ: "اور جو جنازگاہ میں ہے وہ جنازہ دیکھ کر اسے رکھے جانے سے پہلے، اس کے لیے کھڑا نہ ہو اور نہ وہ جس کے پاس سے جنازہ گزرا، یہی مختار ہے۔ اور جو کھڑے ہونے کے متعلق روایت آئی ہے، وہ منسوخ ہے۔ یہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے"۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: ترجمہ: اس کے متعلق جو روایت وارد ہوئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ آگے گزر جائے یا اسے نیچے رکھ دیا جائے"۔ یہ حلبی میں مذکور ہے۔ اور یہ روایت اس روایت کی وجہ سے منسوخ ہے، جسے ابوداود، ابن ماجہ، احمد، طحاوی نے کئی اسانید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ: اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا پھر بیٹھے رہنے کا عمل فرمایا۔ اور امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت کیا ہے اور فرمایا: کھڑے ہونے کا عمل شروع میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ یہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، ج03، ص160، مطبوعہ: کوئٹہ)

253 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ: مَتَى يَجْلِسُ الْقَوْمُ؟ قَالَ: إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ عَنْ مَنَاكِبِ الرِّجَالِ، وَ قَالَ: أَرَأَيْتَ لَوِ انْتَهَوْا إِلَى الْقَبْرِ، وَلَمْ يُضْرَبْ فِيهِ بِفَأْسٍ أَكُنْتَ قَائِمًا حَتَّى يُحْفَرَ الْقَبْرُ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ عَلَى الْأَرْضِ فَلَا بَأْسَ بِالْقُعُودِ، وَ يُكْرَهُ قَبْلَ ذَلِكَ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ لوگ کب بیٹھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: جنازہ جب لوگوں کے کاندھوں سے اتار دیا جائے فرمایا: بتلاؤ اگر وہ قبر تک پہنچ گئے ہوں اور ابھی قبر میں کدال نہیں ماری گئی ہو تو کیا قبر کھودنے تک تم کھڑے رہو گے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جنازہ زمین پر رکھنے کے بعد بیٹھ جانا:

قَالَ مُحَمَّدٌ: إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ عَلَى الْأَرْضِ فَلَا بَأْسَ بِالْقُعُودِ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے

تواب بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں اس سے پہلے بیٹھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنازہ زمین پر رکھنے کے بعد بیٹھ جانا چاہیئے اس کے بعد کھڑا ہونا مکروہ ہے۔(ردالمحتار: 1/ 62)

254 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ مَاتَتْ أُمُّهُ النَّصْرَانِيَّةُ، فَتَبِعَ جَنَازَتَهَا فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا نَرَى بِاتِّبَاعِهَا بَأْسًا، إِلَّا أَنَّهُ يَتَنَحَّى نَاحِيَةً عَنِ الْجَنَازَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ابی ربیعہ کی عیسائی والدہ کا انتقال ہو گیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں اس کے جنازے کے ساتھ گئے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عیسائی کے جنازے کے ساتھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ جنازے سے ایک طرف ہو کر چلے۔یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔

غیر مسلم کے جنازے کے ساتھ جانا:

غیر مسلم کے جنازے کے ساتھ جانا منع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب مر گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شریک نہیں ہوئے فرمایا: ان کو لے جا کر دفن کردو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک غیر مسلم باندی مر گئی تو وہ اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے، اس کو دفن کرنے بھجوادیا، اس لیے کسی مسلمان کو غیر مسلم کے جنازے میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

اس واقعہ میں حضرت حارث یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان کے جنازے میں شریک ہونا اس وجہ سے تھا کہ ان کا ہم مذہب کوئی موجود نہ تھا اور کسی انسان کی میت کو بہر حال مٹی میں چھپانا ہی ہے، اس لیے یہ حضرات لے گئے، اس سے غیر مسلم کے جنازے میں شرکت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا نَرَى بِاتِّبَاعِهَا بَأْسًا: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بھی اس شکل میں ہے جب اس کا کوئی اور لے جانے والا موجود نہ ہو۔

بَابُ تَسْنِيمِ الْقُبُورِ وَتَجْصِيصِهَا

قبر کو کوہان نما بنانا اور اس پر چونا لگانا!

پہلے گزر چکا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قبر کو چوکور چھت نما بنانا افضل ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کوہان نما۔

255 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَبْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَبْرَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مُسَنَّمَةً نَاشِزَةً مِنَ الْأَرْضِ عَلَيْهَا فِلَقٌ مِنْ مَدَرٍ أَبْيَضَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ يُسَنَّمُ الْقَبْرُ تَسْنِيمًا، وَلَا يُرَبَّعُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے ان صاحب نے خبر دی جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر

مبارک دیکھی کہ وہ کوہان نما اور زمین سے ابھری ہوئی تھی ان پر سفید مٹی کے ٹکڑے لگے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔ چوکور نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

256۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَ يُقَالُ: ارْفَعُوا الْقَبْرَ حَتَّى يُعْرَفَ أَنَّهُ قَبْرٌ فَلَا يُوطَأُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا نَرَى أَنْ يُزَادَ عَلَى مَا خَرَجَ مِنْهُ، وَنَكْرَهُ أَنْ يُجَصَّصَ أَوْ يُطَيَّنَ، أَوْ يُجْعَلَ عِنْدَهُ مَسْجِدٌ، أَوْ عَلَمٌ، أَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ، وَنَكْرَهُ الْآجُرَ أَنْ يُبْنَى بِهِ أَوْ يُدْخَلَ الْقَبْرَ، وَلَا نَرَى بِرَشِّ الْمَاءِ عَلَيْهِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہا جاتا تھا کہ قبر کو اتنا اونچا کرو کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قبر ہے اور اسے روندا نہ جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ البتہ ہم اس کے قائل نہیں کہ قبر سے نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ مٹی اس پر ڈالی جائے اور اس پر چونا لگانے یا مٹی سے لیپنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اسی طرح وہاں پر مسجد بنانے یا نشانی لگانے یا اس پر لکھنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ پکی اینٹوں سے اس کی تعمیر مکروہ ہے اور یہ کہ پکی اینٹوں کو قبر میں داخل کیا جائے۔ البتہ قبر پر پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قبر کو اونچی بنانا:

ارْفَعُوا الْقَبْرَ حَتَّى يُعْرَفَ أَنَّهُ قَبْرٌ فَلَا يُوطَأُ: قبر کو بہت اونچا نہیں بنانا چاہیے بلکہ اتنا اونچا کرے کہ لوگ اس کو قبر سمجھ کر اس پر چلنے اور اسے روندنے سے بچیں، درندوں وغیرہ سے بچانے کے لیے قبر پر پتھر رکھ سکتے ہیں۔

قبر پر گچ وغیرہ لگانا:

نَكْرَهُ أَنْ يُجَصَّصَ أَوْ يُطَيَّنَ: قبر پر گچ وغیرہ ایسی چیزیں لگانا منع ہے جو پختہ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہوں، البتہ قبر کی مٹی کو اڑنے سے بچانے کے لیے اسے بھوسا ملا کر مٹی سے لیپ سکتے ہیں، اسی طرح چھڑکاؤ بھی کر سکتے ہیں۔

قبرستان میں مسجد بنانا:

نَكْرَهُ۔۔ يُجْعَلَ عِنْدَهُ مَسْجِدٌ: قبر سے ہٹ کر مسجد بنا سکتے ہیں، قبرستان کے کنارے پر بھی مسجد بنا سکتے ہیں، اس طرح نہیں بنانا چاہیے کہ قبر سامنے ہو، بیچ میں دیوار وغیرہ حائل نہ ہو تا کہ عباد قبور سے مشابہت لازم نہ آئے۔

قبر پر کتبہ لگانا:

نُكْرَهُ۔۔ عَلَمٌ، أَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ: بلا ضرورت قبر پر نام وغیرہ کا کتبہ لگانا مکروہ ہے، البتہ عام قبرستان یا ایسی جگہ جہاں قبر کو دوسری قبروں سے ممتاز کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو وہاں نشانی لگا سکتے ہیں تا کہ اس کی پہچان رہے البتہ اس پر قرآن کریم کی آیات یا

احادیث لکھنا منع ہے، اس سے قرآن واحادیث کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

قبر پر اینٹیں لگانا:

نَكْرَهُ الْآجُرَ أَنْ يُبْنَى بِهِ: مٹی اگر نرم ہو، قبر گرنے کا اندیشہ ہو تو اندر اینٹیں لگا سکتے ہیں، لیکن بلاضرورت صرف قبر کو مضبوط کرنے کے لیے ایسا کرنا منع ہے۔

257۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا شَيْخٌ لَنَا يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَرْبِيعِ الْقُبُورِ وَتَجْصِيصِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم سے ہمارے ایک شیخ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت مرفوع بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے اور گچ (چونا) کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: تَرْبِيعِ الْقُبُورِ: قبروں کو چوکور کرنا۔ تَجْصِيصِهَا: از تفعیل، گچ کرنا۔

تشریح:

وَتَجْصِيصِهَا: چونا کرنے سے منع فرمایا قبر پر چونا وغیرہ لگانا یا لیپنا زینت کی نیت سے مکروہ ہے یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

فقہاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر قبر خراب ہو جائے۔ تو مٹی وغیرہ سے لیپ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بلاکسی ضرورت اور زینت کی نیت سے چونا وغیرہ کرنا مکروہ ہوگا۔ ورنہ فی نفسہ جائز ہے۔

نوٹ: حدیث کی سند میں شیخ سے مراد بعض لوگوں کے نزدیک محمد بن مسلم بن تدرس رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں سے ہیں۔

258۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: لَأَنْ أَطَأَ عَلَى جَمْرَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَطَأَ عَلَى قَبْرٍ مُتَعَمِّدًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، يُكْرَهُ الْوَطْأُ عَلَى الْقُبُورِ مُتَعَمِّدًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں کسی انگارے پر چلوں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی قبر پر قصداً چلوں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ جان بوجھ کر قبروں کو روندنا اور ان پر چلنا مکروہ ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قبروں کے اوپر چلنا اور بیٹھنا:

لَأَنْ أَطَأَ عَلَى جَمْرَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَطَأَ عَلَى قَبْرٍ مُتَعَمِّدًا: دینِ اسلام نے انسان کو جس طرح زندگی میں مکرم اور محترم بنایا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کے تمام شرافتوں اور کرامتوں کو برقرار رکھا ہے، قبرستان میں مدفون انسان بھی ان تمام شرافتوں کی وجہ سے محترم ہے، مسلمان کے لیے ان کی تحقیر اور بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے، حدیث باب اور دیگر احادیثِ مبارکہ میں اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر بیٹھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے: ”عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم "لأن يجلس أحدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص إلى جلده خير له من أن يجلس على قبر “ ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اگر کوئی ایک انگارے پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل جائیں اور اس کی کھال تک پہنچے تو بھی بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔

(كتاب الجنائز، ج:2، ص:667، رقم:971، ط: مطبعة عيسى البابي الحلبي)

لہذا قبرستان میں مدفون انسانوں کی قبروں پر بلا ضرورت پاؤں رکھنا اور ان کے اوپر بیٹھنا انسانی توقیر کے خلاف ہونے کی وجہ سے علماء نے مکروہ کہا ہے، لہذا اس سے اجتناب لازم ہے۔

بَابُ مَنْ أَوْلَى بِالصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

259 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، أَنَّهُمَا قَالَا: الزَّوْجُ أَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِنَ الْأَبِ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اور عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: میت پر نماز جنازہ پڑھانے کا شوہر باپ سے زیادہ حق دار ہے۔

نماز جنازہ پڑھانے میں والد شوہر سے زیادہ حقدار ہے؟

الزَّوْجُ أَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِنَ الْأَبِ: نماز جنازہ پڑھانے میں شوہر باپ سے زیادہ حق دار ہے۔

ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، الاوزاعی کے نزدیک شوہر سے اولیاء زیادہ مقدم ہوتے ہیں۔ اور ولی کے بارے پھر میں سب سے مقدم باپ ہے پھر دادا۔ پھر بیٹا پھر پوتا، پھر چچا پھر ماموں پھر اس کے بعد جو عصبات میں سے زیادہ قریب ہو اور اگر تمام اولیاء درجہ میں برابر ہوں مثلاً دو بیٹے ہیں یا دو چچا ہیں تو اس صورت میں جن کی عمر زیادہ ہو ان کو مقدم کریں اور اگر اب بھی برابر ہوں تو قرعہ ڈالا جائے گا۔

260- قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: الْأَبُ أَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِنَ الزَّوْجِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَبِهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحمه الله تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شوہر کی نسبت باپ، جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس کو پسند کرتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

جنازہ پڑھانے میں اولیاء کی ترتیب:

الْأَبُ أَحَقُّ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ مِنَ الزَّوْجِ : باپ مقدم ہوگا جنازہ پڑھانے میں شوہر سے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف امام محمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تو باپ مقدم ہوگا شوہر پر۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عصبات مقدم ہونگے شوہر پر اگر عصبات بھی نہ ہوں تو پھر شوہر نماز پڑھائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقال کے بعد نکاح تو ختم ہو گیا۔ شوہر اجنبی کی طرح ہوگا۔ اور باپ ہونے کا رشتہ ختم نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ برقرار ہے۔

فائدہ: آج کل کے حالات میں جنازہ پڑھانے کے لیے امام مسجد کو مقدم کیا جائے گا، اگر ولی افضل ہو تو ولی کو مقدم کریں گے، اولیاء میں ترتیب یہ ہے باپ، الا یہ کہ باپ جاہل اور بیٹا عالم ہو تو بیٹے کو مقدم رکھیں گے، اولیاء میں ترتیب اس طرح ہے بیٹوں، بیٹوں کے بیٹوں، پھر باپ پھر دادا،، پھر بھائی پھر تایا اور چچا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو شوہر کو مقدم کیا جائے گا۔

بَابُ اسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِ

(پیدائش کے وقت) بچے کا رونا اور اس پر نماز جنازہ کا حکم!

261- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي السِّقْطِ: إِذَا اسْتَهَلَّ صُلِّيَ عَلَيْهِ، وَوُرِّثَ، وَإِذَا لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ، وَلَمْ يُوَرَّثْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَالِاسْتِهْلَالُ أَنْ يَقَعَ حَيًّا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے نا تمام بچے کے بارے میں فرمایا: اگر اس سے آواز آئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی اور وارث بنے گا اور اگر آواز نہ آئے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور آواز آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

262- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّبِيِّ يَقَعُ مَيِّتًا، وَقَدْ كَمُلَ خَلْقُهُ، قَالَ: لَا يُحْجَبُ، وَلَا يَرِثُ، وَلَا يُصَلَّى عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَكِنَّهُ يُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُدْفَنُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بچے کے بارے میں جو کامل الخلقت ہو لیکن پیدا مردہ ہوا ہو فرمایا: کہ وہ حاجب بنے گا نہ

وارث اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں البتہ اسے غسل و کفن دیا جائے گا اور دفن کیا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔

پیدائش کے فوراً بعد بچہ کا آواز نکالنا اور مرجانا:

بچے کے آواز نکالنے کے بارے میں نماز کے لیے دائی اور ماں کا قول معتبر ہے، لیکن میراث کے سلسلے میں ماں کا قول بالاتفاق معتبر نہیں، اس لیے کہ وہ اس سلسلہ میں متہم ہے، میراث کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دائی کا قول بھی غیر معتبر ہے، صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اگر وہ نیک ہو تو اس کا قول معتبر ہے۔

بچہ ماں کے پیٹ سے مرا ہوا پیدا ہو یعنی پیدا ہوتے وقت اس میں زندگی کی کوئی علامت نہیں پائی جائے، اس کو بھی بڑوں کی طرح مسنون غسل دیا جائے گا، لیکن قاعدہ کے مطابق کفن نہیں دیا جائے گا، بلکہ کسی ایک کپڑے میں لپیٹ کر بغیر نمازِ جنازہ کے دفن کر دیا جائے گا۔ ایسے بچے کا نام بھی رکھ دینا چاہیے۔

اور جو بچہ زندہ پیدا ہوا اور بعد میں مر جائے یا پیدا ہوتے ہی فوراً مر جائے، اس کے غسل، کفن، نماز، دفن وغیرہ کے اَحکام بڑوں کی طرح ہیں، یعنی اسے مسنون غسل اور کفن دیا جائے گا، نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، پھر دفن کیا جائے گا اور اس کا نام بھی رکھا جائے گا۔

اور اگر بچہ ناتمام پیدا ہو یعنی اس کے ہاتھ پاؤں منہ ناک وغیرہ عضو کچھ نہ بنے ہوں تو اسے نہلانے، کفنانے کی ضرورت نہیں، بلکہ کسی کپڑے میں لپیٹ کر ایک گڑھا کھود کر گاڑ دیا جائے۔ اور اگر ناتمام بچہ کے کچھ اعضاء بن گئے ہوں تو اس کا حکم وہی ہے جو مردہ بچہ پیدا ہونے کا ہے۔ (ماخوذ از بہشتی زیور، حصہ دوم، ص: 131، ط: دارالاشاعت)

بَابُ غُسْلِ الشَّهِيدِ

شہید کو غسل دینے کا بیان!

263 - مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّجُلِ يُسْتَشْهَدُ فَيَمُوتُ مَكَانَهُ الَّذِي قُتِلَ فِيهِ قَالَ: يُنْزَعُ عَنْهُ خُفَّاهُ وَقَلَنْسُوَتُهُ، وَيُكَفَّنُ فِي ثِيَابِهِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَيُنْزَعُ عنه أَيْضًا كُلُّ جِلْدٍ وَسِلَاحٍ وَيَزِيدُونَ مَا أَحَبُّوا مِنَ الْأَكْفَانِ، وَلَا يُغَسَّلُ، وَلَكِنْ يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اس شخص کے بارے میں جو شہید ہو جائے اس کے موزے، ٹوپی اتار لئے جائیں گے اور اسے انہیں کپڑوں میں کفن دیا جائے گا جو اس پر ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اس سے چمڑے کی چیزیں اور ہتھیار بھی اتار دیئے جائیں گے اور کفن میں جو چیز اور بڑھانا چاہیں وہ بڑھا دیں گے اور اُسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ البتہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شہید کے احکام:

شہید اسے کہتے ہیں جسے کافر ومشرک مار ڈالیں یا جنگ میں مردہ ملے اور اس کے جسم پر زخموں کے نشان ہوں یا مسلمانوں یا ذمیوں نے اسے ناحق ظلما اس طرح قتل کر دیا ہو کہ اس کے قتل کی وجہ سے دیت نہ آئے بلکہ قصاص آئے، ایسے شہید کو کفن دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ غسل نہیں دیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایسے شہید کو نہ غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، اس لیے کہ شہدائے احد رضی اللہ عنہم کو بغیر غسل ونماز کے دفن کیا گیا تھا، نماز سفارش کے لیے ہوتی ہے اور شہید اس سے مستغنی ہے، پھر اللہ نے شہداء کو زندہ قرار دیا ہے، نماز جنازہ مردہ کی ہوتی ہے زندہ کی نہیں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم، حضرت ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء احد پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم سمیت نماز پڑھی۔

نماز جنازہ ہر کلمہ گو مسلمان کی ہوتی ہے اور نماز جنازہ میت کے اکرام کے اظہار کے لیے ہوتی ہے، شہید اوروں سے زیادہ اس کا حقدار ہے۔ گناہوں سے پاک انبیاء علیہم السلام اور بچے جو معصوم ہیں ان کی جنازہ کی نماز بھی ہوتی ہے۔

باقی شہید کا زندہ ہونا تو یہ احکامِ آخرت کے اعتبار سے ہے، دنیاوی احکام کے لحاظ سے شہید موتیٰ کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے اس کا مال میراث بنتا ہے، اس کی بیوی عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

شہادت کے صحیح ہونے کے لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقتول کا جنابت سے پاک اور مکلف ہونا ضروری ہے، لہذا اگر جنبی یا بچہ شہید ہو تو اسے غسل دیا جائے گا، لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں شہید کا قتل ہونا غسلِ معروف کے قائم مقام ہے، جیسے جلد کی طہارت کے لیے ذبح کو دباغت کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں وہ حالتِ جنابت میں شہید ہو گئے تھے، فرشتوں نے انہیں غسل دیا تھا۔

شہید کے جسم سے نہ خون دھویا جائے گا نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے، البتہ فالتو کپڑے پوستین موزے اور ہتھیار وغیرہ اتار دیے جائیں گے۔

264۔ مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُقْتَلُ فِي الْمَعْرَكَةِ، قَالَ: لَا يُغَسَّلُ، وَالَّذِي يُضْرَبُ فَيُتَحَامَلُ إِلَى أَهْلِهِ، قَالَ: يُغَسَّلُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِذَا حُمِلَ أَيْضًا عَلَى أَيْدِي الرِّجَالِ حَيًّا فَمَاتَ غُسِّلَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں جو جنگ میں قتل کر دیا جائے مروی ہے فرمایا: اسے غسل نہیں دیا جائے گا اور جسے مارا جائے اور وہاں سے اٹھا کر اس کے گھر لے آیا جائے اسے غسل دیا جائے گا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اگر لوگ اسے زندہ اٹھا کر لے جائیں پھر مر جائے تو اسے غسل دیا جائے گا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میدان جنگ سے زندہ اٹھایا جانے والے شخص کا حکم:

جس شخص کو میدان جنگ سے زندہ اٹھایا جائے یا وہ کھا پی لے یا دوا دارو کی جائے یا اتنا زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ عقل و ہوش رکھتا ہو، پھر اس کا انتقال ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر سے مارے جانے کے بعد گھر لے جایا گیا وہ دو دن زندہ رہے، پھر روح پرواز کر گئی، وہ اگرچہ شہید ہوئے لیکن انہیں غسل دیا گیا، اسی طرح حضرت علی و سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم کو بھی غسل دیا گیا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روح اس جگہ پرواز کر گئی اس لیے انہیں غسل نہیں دیا گیا۔

265- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا سَالِمٌ الْأَفْطَسُ، قَالَ: مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا يَهْرُبُ مِنْ قَوْمِهِ إِلَى الْكَعْبَةِ يَعْبُدُ رَبَّهَا، وَإِنَّ حَوْلَهَا لَقبر ثَلَاثِمِائَةِ نَبِيٍّ صلوات الله عليهم وسلامه.

ترجمہ: حضرت سالم الافطس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ وہ اپنی قوم سے بھاگ کر کعبہ کی جانب آتا ہے۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہے، اور کعبہ کے اردگرد تین سو نبیوں کی قبریں ہیں۔

266- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، قَالَ: قَبْرُ هُودٍ وَصَالِحٍ وَشُعَيْبٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.

ترجمہ: حضرت عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قبریں مسجد حرام میں ہیں۔

267- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَنَاءُ أُمَّتِي بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُونِ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ الطَّعْنُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا الطَّاعُونُ؟ قَالَ: وَخزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ، وَفِي كُلٍّ شُهَدَاءُ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میری امت کی تباہی نیزہ بازی اور طاعون سے ہوگی۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیزہ بازی کو ہم جانتے ہیں۔ طاعون کیا ہے، فرمایا: تمہارے دشمن جنوں کا چھونا (کچوکا لگانا) اور ہر ایک صورت میں شہید شمار ہوگے۔

نیزہ بازی کی مراد:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ جل جلالہ سے دعا کی تھی کہ امت محمدیہ پر ایسا دشمن مسلط نہ فرمائیں جو ان کی بیخ کنی کر دے، یہ دعا قبول

کر لی گئی، لیکن یہ امت ایک دوسرے سے لڑے گی، آپس میں خون خرابہ کرے گی، نیزہ بازی سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

طاعون سے مرنے والے کا حکم:

طاعون سے مرنے والے کو بھی حکما شہید قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اسہال زدہ، آگ سے جلنے والا، پانی میں ڈوبنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا، مسافر، اللہ جل جلالہ کے راستے میں پہرہ دینے والا، جمعہ کے روز انتقال کرنے والا بھی حکما شہید ہیں، شہداء جس اجر وثواب کے مستحق ہیں ان میں سے کسی نہ کسی نوع کے اجر وثواب میں شہداء کے ساتھ یہ حضرات بھی شریک ہوں گے۔

طاعون کیا ہے:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی طرف سے حملہ کی وجہ سے یہ آفت آتی ہے، اطباء اسے ایک بیماری قرار دیتے ہیں جو وبائی شکل میں آتی ہے، جس میں بغلوں، انگلیوں اور جسم کے دوسرے حصے میں زخم پڑ جاتے ہیں، سخت سوزش ہوتی ہے، ان کے ارد گرد کا حصہ سیاہ پڑ جاتا ہے، بعض حضرات وباء اور مرض عام کو بھی طاعون کہتے ہیں۔

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُورِ

قبروں کی زیارت کا باب!

268- مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: نَهَيْنَاكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا، وَلَا تَقُولُوا هُجْرًا، فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ، وَعَنْ لَحْمِ الْأَضَاحِيِّ أَنْ تُمْسِكُوهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَأَمْسِكُوهُ مَا بَدَا لَكُمْ، وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّا إِنَّمَا نَهَيْنَاكُمْ لِيَتَّسِعَ مُوسِعُكُمْ عَلَى فَقِيرِكُمْ، وَعَنِ النَّبِيذِ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ، فَانْتَبِذُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ فَإِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ، وَلَا تَشْرَبُوا الْمُسْكِرَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، لَا بَأْسَ بِزِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ وَلِذِكْرِ الْآخِرَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب زیارت کر لیا کرو اور بری بات منہ سے مت نکالو، اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے، اور ہم نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت روکنے سے منع کیا تھا اب جب تک چاہو روک سکتے ہو اور توشہ بنا سکتے ہو اس لئے کہ ہم نے تمہیں اس وجہ سے منع کیا تھا تاکہ تمہارے مالدار فقراء پر وسعت کریں اور ہم نے کدو، سبز مٹکے اور رخت رومی لگے ہوئے برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا اب تم ہر برتن میں نبیذ بنا سکتے ہو اس لئے کہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام لیکن نہ پیو نشہ آور چیز کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب کو اختیار کرتے ہیں۔ مردوں کے لئے دعا اور آخرت یاد کرنے کے لئے زیارت قبور میں کوئی

حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زیارت قبور کا حکم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شروع میں زیارتِ قبور سے روک دیا تھا تاکہ عقیدہ کی اصلاح ہو، بت پرستی وغیرہ سے نفرت ہو، پھر جب یہ چیز پیدا ہوگئی تو آپ نے زیارت قبور کی اجازت دے دی۔

قبروں کی زیارت مستحب ہے، اس لیے کہ اس سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے، موت یاد آتی ہے، اپنا انجام سامنے آتا ہے، اعمالِ آخرت کی فکر ہوتی ہے، میت کے لیے دعا کی جاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنت البقیع جایا کرتے، وہاں کے مدفونین کو سلام کرتے، ان کے لیے استغفار کرتے تھے۔

زیارت کے آداب:

زیارت کے آداب میں سے ہے کہ قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے چہرے کے سامنے کھڑا ہو، سلام کرے، قبر کو چھونا یا چومنا نہیں چاہیے، نہ اس کے سامنے جھکے، جمعہ کے روز زیارت کرنا افضل ہے۔

عورتوں کا قبروں پر جانا:

اس میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا صرف مردوں کو اجازت دی گئی، عورتوں کے لیے بدستور ممانعت باقی ہے، البتہ زیارتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درست ہے، بعض حضرات نے کہا کہ اجازت کا حکم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے، عورتوں کو روکنے کی وجہ ان کا صبر نہ کرنا اور زیادہ رونا پیٹنا ہے۔

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنا:

ابتدائے اسلام میں مسلمان خستہ حالت میں تھے، غربت کا دور تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں پر وسعت کے لیے قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ جمع رکھنے سے منع کردیا تھا، لیکن جب وسعت آگئی تو یہ حکم ختم ہوگیا، اب جب تک چاہیں رکھ کر کھا سکتے ہیں، البتہ افضل اور اولی یہ ہے کہ ایک حصہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے رکھ لے، ایک حصہ عزیزوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں تقسیم کردے اور ایک حصہ غریب ونادار میں بانٹ دے، لیکن اگر کسی کے گھر کے افراد زیادہ ہوں یا ویسے ہی اپنے استعمال کے لیے سب گوشت رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔

شراب کے برتنوں میں پانی پینا:

شروع میں چوں کہ شراب کے عادی تھے، اس لیے یہ ڈر تھا کہ نشہ آور اور غیر نشہ آور میں فرق نہ کرسکیں، اس لیے بعض ایسے

برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا تھا جن میں نشہ جلدی پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہ بات نہ رہی تو ہر قسم کے برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی، البتہ نشہ آور کے استعمال سے منع کر دیا۔

بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

تلاوت قرآن کا باب!

269- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ مَنِ اقْتَرَأَ مِنْكُمْ بِالثَّلْثِ الْآيَاتِ اللَّاتِي فِي آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ فَقَدْ أَكْثَرَ وَأَطَابَ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو شخص رات کو وہ تین آیات پڑھ لے جو سورت بقرہ کے آخر میں ہیں۔ (یعنی امن الرسول سے سورت کے ختم تک) گویا اس نے بہت زیادہ تلاوت کی اور بہت اچھا کام کیا۔

سورتوں اور مختلف آیات کے فضائل:

قرآن کریم کی مختلف سورتوں اور آیات کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں، ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں کسی رات کو پڑھ لے وہ اس کے لیے کافی ہو جاتی ہیں، یعنی دوسرے وظائف اور اوراد کی ضرورت نہیں رہتی، یا یہ آفت دور کرنے کے لیے کافی ہو جاتی ہیں، یا جن وانس کے شر سے بچاتی ہیں۔

270- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ لَا تَهُذُّوا الْقُرْآنَ كَهَذِّ الشِّعْرِ وَلَا تَنْثِرُوهُ كَنَثْرِ الدَّقَلِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ يَنْبَغِي لِلْقَارِئِ أَنْ يَفْهَمَ مَا يَقْرَأُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ قرآن مجید کو اس طرح جلدی جلدی کاٹ کر نہ پڑھو جس طرح شعروں کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ اور نہ اس طرح بکھیرو جس طرح ردی کھجور کو بکھیرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کہ تلاوت کرنے والے کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تلاوت کا طریقہ:

قرآنِ مجید کو اس کی فصیح زبان میں قواعدِ تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھنا ضروری ہے، بے قاعدہ پڑھنے والا گناہ گار ہوگا، لہٰذا مخارج وصفات کی رعایت رکھتے ہوئے صاف تلفظ میں ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے، خواہ ترتیل سے (خوب ٹھہر ٹھہر کے) پڑھے یا حدر کے ساتھ (قدرے روانی سے پڑھے)۔ باقی لہجے وغیرہ کے حوالے سے قرآنِ مجید کی تلاوت کا خاص طریقہ یا طرز نہیں ہے، حدیث شریف میں ترنم وفنِ نغمات کے تکلفات سے اجتناب کرتے ہوئے اہلِ عرب کے (بے تکلف) طرز پر قرآنِ کریم پڑھنے کی ترغیب

ہے، اب اختیار ہے کہ عرب کے علماء کا لہجہ اختیار کیا جائے یا مصری لہجے میں تلاوت کی جائے، البتہ بتکلف نقل کرنے، اور فنِ نغمات کی باریکیوں اور دکھلاوے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت انتہائی ادب کے ساتھ کرنی چاہیے، علماء نے اس کی تلاوت کے آداب بیان فرمائے ہیں، آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مسواک اور وضو کرنے کے بعد کسی جگہ یک سوئی کے ساتھ نہایت ادب، سکون وتواضع کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھے، چارزانو ہوکر اور ٹیک لگا کر نہ بیٹھے، قرآن کی عظمت دل میں رکھے اور یہ تصور کرے کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے، پھر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ تلاوت کرے، اگر معنی سمجھتا ہے تو تدبر وتفکر کے ساتھ آیاتِ رحمت ومغفرت پر رحمت اور مغفرت کی دعا مانگے اور عذاب اور وعیدوں کی آیات پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگے، اور آیاتِ تقدیس وتنزیہہ پر سبحان اللہ کہے اور بوقتِ تلاوت رونے کی سعی وکوشش کرے، اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف روئے اور رونے والوں جیسی صورت بنائے حدیث الباب میں بھی آداب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح- (1505/4)

271 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ أَبِي النَّجُودِ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ أَمَا إِنَّ بِكُلِّ حَرْفٍ يَتْلُوهُ تَالٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ لَكُمْ الم حَرْفٌ وَ لَكِنْ أَلِفٌ وَلَامٌ مِيمٌ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو ہر وہ حرف جس کو انسان پڑھتا ہے اس پر اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف، لام، میم تین حروف ہیں اس پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

تلاوت کا اجروثواب:

قرآن کریم کی تلاوت پر اللہ جل جلالہ نے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں دینے کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ صرف الم کے پڑھنے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں، اسی طرح جس قدر تلاوت کرتا جائے گا، نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور اجروثواب ملتا رہے گا۔

یہ اجروثواب دنیا کا ہے، آخرت میں اس سے کہا جائے گا ایک ایک آیت پڑھتا جا اور جنت کے درجات پر چڑھتا جا، جہاں قرآن کریم کی آخری آیت ہوگی یہی تیرا ٹھکانہ ہوگا۔

272 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَا يَتَحَوَّلُ الرَّجُلُ مِنْ قِرَاءَةٍ إِلَى قِرَاءَةٍ. قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ يَعْنِي حَرْفَ عَبْدِ اللهِ وَحَرْفَ زَيْدٍ وَغَيْرِهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان ایک قرآت سے دوسری قرأت کی طرف نہ پھرے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یعنی قرأت عبداللہ سے قرآت زید وغیرہ کی طرف۔

قرآن کریم کو شاذ قراءت کے ساتھ پڑھنا:

اس راویت کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں:

① - قرآن کریم میں عبداللہ اور زید دونوں الفاظ آئے ہیں: ﴿فلما قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ (الأحزاب: 37) ﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ﴾ (مریم: 30) مراد یہ ہے کہ قرآن کے ایک لفظ کی جگہ دوسرا نہ پڑھا جائے، جیسے عبداللہ کی جگہ زید اور زید کی جگہ عبد اللہ پڑھنا۔

② - ایک قراءت سے دوسری قراءت کی طرف منتقل نہ ہو، جو قراءت پڑھ رہا ہے، اسی میں پڑھے، جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت کی طرف منتقل ہونا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ عبداللہ اور زید سے ائمہ قراءت مراد ہیں ایک تو اس لئے کہ یہ تشریح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، اور ائمہ قراءت بہت بعد کے ہیں، دوسرے اس لئے کہ عبداللہ نام کے دو قراء تو ہیں لیکن زید نامی کوئی قاری نہیں ہے۔

③ - قراءت متواترہ سے قراءت شاذہ کی طرف نہیں جانا چاہئے، کیونکہ قرآن کریم کو قراءت متواترہ کے مطابق پڑھنے کا حکم ہے، شاذ قراءتوں کا تعلیم دینے کے لئے پڑھنا تو درست ہے، ویسے تلاوت وغیرہ کے موقعہ پر متواتر قراءت ہی اختیار کرنا چاہئے۔

273 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ كَانَ يُقْرِئُ رَجُلًا أَعْجَمِيًّا إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ فَلَمَّا أَعْيَاهُ قَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ أَمَا تُحْسِنُ أَنْ تَقُولَ طَعَامُ الْفَاجِرِ؟ وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضي الله عنه إِنَّ الْخَطَأَ فِي كِتَابِ اللهِ لَيْسَ أَنْ تَقْرَأَ بَعْضَهُ فِي بَعْضٍ تَقُولُ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَالْغَفُورُ الْحَكِيمُ وَالْعَزِيزُ الرَّحِيمُ كَذٰلِكَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَلٰكِنَّ الْخَطَاءَ أَنْ تَقْرَأَ آيَةَ الْعَذَابِ آيَةَ الرَّحْمَةِ وَآيَةَ الرَّحْمَةِ آيَةَ الْعَذَابِ وَأَنْ تَزِيدَ فِي كِتَابِ اللهِ مَا لَيْسَ فِيهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک عجمی شخص کو جو ﴿إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ﴾ پڑھا رہے تھے اور وہ صاحب تھک گئے (اس کو صحیح نہ پڑھ سکے) تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کہ تم طعام فاجر نہیں پڑھ سکتے؟ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ جل شانہ کی کتاب میں غلطی کرنا یہ نہیں ہے کہ تم کسی لفظ کی جگہ دوسرا لفظ پڑھ دو کہو اَلْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَالْغَفُورُ الْحَكِيمُ وَالْعَزِيزُ الرَّحِيمُ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ، تو اس میں غلطی یہ ہے کہ تم آیت رحمت کی جگہ آیت عذاب پڑھ دو اور آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت پڑھ دو۔ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں وہ داخل کرو جو اس میں سے نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ پڑھنا:

قرآن کریم جس طرح نازل ہوا اور جس طرح مصاحف میں لکھا ہوا ہے، اسی طرح پڑھنا چاہیے، کسی لفظ کی جگہ دوسرے لفظ کو پڑھنا گناہ ہے، البتہ اگر **العزیز الحکیم** کی جگہ **العزیز الرحیم**، **الغفور الرحیم** کی جگہ **الغفور الحکیم** پڑھ دیا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن اگر اس طرح پڑھا جس سے بالکل معنی ہی تبدیل ہو جائیں جیسے آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت یا آیت رحمت کی جگہ آیت عذاب تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

274- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ حَسِّنُوا أَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْآنِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَالْقِرَاءَةُ عِنْدَنَا كَمَا رَوَى طَاوُسُ. قَالَ إِنَّ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ قِرَاءَةً الَّذِي إِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ حَسِبْتَهُ أَنَّهُ يَخْشَى اللهَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنی آواز کو قرآن کریم کے ذریعہ مزین و آراستہ کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ قراءت سے مراد ہمارے یہاں وہ ہے جو حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: لوگوں میں سب سے عمدہ قاری وہ ہے جس کی قراءت سن کر تمہیں یہ یقین ہو جائے کہ یہ اللہ جل جلالہ سے ڈرتا ہے۔

275- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ يُقَالُ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى لَمْ يَأْذَنْ لِشَيْءٍ إِذْنَهُ لِلصَّوْتِ الْحَسَنِ بِالْقُرْآنِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے کسی چیز کو ایسی اجازت نہیں دی جیسے قرآن کریم کو عمدہ آواز سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

خوش الحانی سے تلاوت کرنا:

قرآن کریم کو تجوید کے مطابق خوب عمدگی سے مخارج سے ادا کرتے ہوئے اچھی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، صرف عمدہ آواز سے قرآن کریم پڑھنا مطلوب نہیں، نہ ہی گا گا کر اشعار اور گانوں کی طرح پڑھنا درست ہے، یہ شرعاً ممنوع ہے، بلکہ تجوید کے مطابق خوش الحانی سے اس طرح پڑھا جائے کہ سننے والوں کے دلوں پر اثر کرے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَالْجُنُبِ

حمام میں اور جنابت کی حالت میں قرآن کریم پڑھنے کا باب!

276 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ كَانَ يَقْرَأُ أَحَدُهُمْ جُزْأَهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بِهِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات قرآن مجید کا ایک جزء (سپارہ) بغیر وضو کے پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بلا وضو تلاوت کرنا:

قرآن کریم کو بلا وضو چھونا گناہ ہے، البتہ الگ کپڑے یا اوپر والے غلاف کے ساتھ پکڑ سکتے ہیں، لیکن جو کپڑا اس کے ساتھ سلا ہوتا ہے، اس کے ساتھ بے وضو چھونا منع ہے، البتہ اگر جنبی نہ ہو تو بلا وضو قرآن کریم کی تلاوت کرسکتا ہے، تلاوت کے لیے وضو لازم نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ جنابت میں تلاوت نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ باوضو بھی تلاوت کرتے تھے اور بلا وضو بھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے آتے اور وضو کیے بغیر قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔

277- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجَمَلِي عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِّنْ بَنِي أَسَدٍ أَحْسَبُ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فَأَرَادَ أَنْ يَّبْعَثَنَا فِي حَاجَةٍ لَهُ فَقَالَ لَنَا إِنَّكُمَا عِلْجَانِ فَعَالِجَا عَنْ دِينِكُمَا قَالَ ثُمَّ دَخَلَ الْخَلَاءِ وَخَرَجَ فَأَخَذَ مِنَ الْمَاءِ شَيْئًا فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ ثُمَّ رَجَعَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَكَأَنَّا أَنْكَرْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَلَا يَحْجُزُهُ عَنْ ذٰلِكَ وَرُبَّمَا قَالَ لَا يَحْجُبُهُ عَنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بَأْسًا بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ جُنُبًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اور بنو اسد کے ایک صاحب میرا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے ہمیں کسی کام سے بھیجنا چاہا فرمایا تم دونوں طاقتور اور پہلوان ہو لہذا اپنے دین کا خیال رکھنا۔ انہوں فرمایا: پھر وہ بیت الخلاء تشریف لے گئے وہاں سے نکلے کچھ پانی لیا اس کو اپنے ہاتھوں اور کہنیوں پر پھیرا پھر واپس آکر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے، ہم نے گویا اسے اچھا نہ سمجھا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے کوئی چیز نہیں روکتی۔ بسا اوقات یہ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے جنابت کے اور کوئی چیز اس سے نہیں روکتی تھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور سوائے جنابت کے ہر حال میں قراءت قرآن کی اجازت دیتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: عِلْجَانِ: صيغة المثنى واحد منها عِلْجٌ: بمعنی موٹا قوی عجمی جمع علوج۔

حالت جنابت میں قرآن پڑھنے کا حکم:

لَا نَرَى بَأْسًا بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ جُنُبًا: سوائے جنابت کی حالت میں قراءت قرآن کی ہر حال

میں اجازت ہے۔اس بارے میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے ہر ایک سے الگ الگ مذاہب منقول ہیں۔

❁ پہلا مذاہب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حالت جنابت میں قرآن پڑھنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی مختصر سی آیت ہو اور وہ بھی دشمن وغیرہ سے حفاظت کے لئے پڑھی جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

❁ دوسرا مذہب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک چھوٹی آیت یا بڑی آیت میں سے چھوٹی آیت کے بقدر پڑھنا جائز ہوگا اس سے زائد نہیں۔

❁ تیسرا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تلاوت کی نیت سے تو ایک آیت کا پڑھنا بھی حرام ہوگا الا یہ کہ بطور ذکر یا بلا ارادہ کچھ پڑھ لیں تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

❁ چوتھا مذہب: احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تلاوت کی نیت سے تو بالکل جائز نہیں۔

278- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ قَالَ لَيْسَ لِذٰلِكَ بُنِيَ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَإِنْ شِئْتَ فَاقْرَأْ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے حمام میں قراءت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: وہ اس کے لئے نہیں بنا ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو قراءت کرلو۔

279- قَدْ بَلَغَنَا عَنِ الضَّحَاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْحَمَّامِ.

ترجمہ: ہمیں حضرت ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے حمام میں قرآت کی۔

غسل خانے میں تلاوت کرنے کا حکم:

أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْحَمَّامِ: حمام سے مراد غسل خانہ ہے بیت الخلاء نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مکروہ نہیں ہے تلاوت کرسکتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت اور عدم کراہت دونوں طرح کے قول ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حمام یعنی غسل خانے میں تلاوت کرنے کو مکروہ فرماتے ہیں، نجس اور گندگی کے مقامات پر تلاوت سے منع کیا گیا ہے، حمام بھی ایسی ہی جگہ ہوتی ہے، وہاں میل کچیل دور کیا جاتا اور جنابت کا غسل ہوتا ہے، اس لئے وہاں تلاوت سے منع کیا گیا ہے، بیت الخلاء کی دعا کے بارے میں بھی آتا ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے پہلے پڑھے، اندر داخل ہوکر زبان سے نہیں پڑھنا چاہیے۔

فتاوی عالمگیری میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ کن کن جگہوں میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، منجملہ ان کے حمام، بیت الخلاء، غسلخانہ بھی ہیں۔(فتاوی عالمگیری ۵/۳۱۵، مطبوعہ: مکتبہ اتحاد دیوبند)

280- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَرْبَعَةٌ لَا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ إِلَّا الْآيَةَ وَنَحْوَهَا

الْجُنُبُ وَ الْحَائِضُ، وَالَّذِي يُجَامِعُ أَهْلَهُ وَفِي الْحَمَّامِ .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چار آدمی قرآن کریم کی تلاوت نہیں کریں گے سوائے ایک آیت یا اس سے قریب قریب، جنبی، حائضہ عورت، جو اپنی اہلیہ کے ساتھ ہمبستری کرے اور حمام میں۔

چار قسم کے لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے:

اربعۃٌ لا یقرؤن القرآن إلّا الآیۃ ونحوھا: چار آدمی قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرسکتے سوائے ایک آیت کے یا اس کے قریب قریب الجنب، جنبی آدمی حائض عورت، حائض عورت بھی قرآن نہیں پڑھ سکتی۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے **چار مذاہب** ہیں۔

- پہلا مذہب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتیں ہیں بالکل جائز نہیں ہے بالکل جائز ہے۔
- دوسرا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے لئے بقصد تلاوت بالکل حرام ہے اور بطور ذکر جائز ہے۔
- تیسرا مذہب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ چھوٹی آیت یا بڑی آیت کا اتنا حصہ جو چھوٹی آیت کے برابر ہو وہ پڑھ سکتی ہے۔
- تیسرا مذہب: احناف رحمۃ اللہ علیہم کا، تلاوت تو نہ جنبی کے لئے جائز ہے اور نہ حائضہ کے لئے ہاں حائضہ معلمہ ہو اور اس کے نہ پڑھانے سے نقصان ہو شاگردوں کا تو اس صورت میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تو آدھی آدھی کر کے پڑھانے کی اجازت دیتے ہیں۔

کیونکہ مادون آیت پڑھنے والے کو نظم اور معنی کے اعتبار سے قرآن خوان نہیں کہہ سکتے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ احناف رحمۃ اللہ علیہم میں سے مادون الآیت کی بھی اجازت نہیں دیتے کیونکہ نصوص میں مطلقاً نہیں وارد ہوئی ہے اور مطلق میں عموم ہوتا ہے اس میں مادون الآیت بھی داخل ہے۔

281- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أُذْكُرِ اللهَ عَلَى كُلِّ حَالٍ فِي الْحَمَّامِ وَغَيْرِهِ إِذَا عَطَسْتَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ جل جلالہ کا ہر حال میں ذکر کرو حمام وغیرہ میں بھی جب چھینک آئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

282- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَحْمَدُ اللهَ عَلَى أَيِّ حَالٍ كُنْتُ فِي خَلَاءٍ أَوْ غَيْرِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ہر حالت میں اللہ جل جلالہ کی حمد بیان کرتا ہوں بیت الخلاء میں ہو یا کسی اور جگہ پر۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بیت الخلاء میں اللہ کا نام لینا:

حمام یا بیت الخلاء میں اندر جا کر اللہ جل جلالہ کا نام نہیں لینا چاہیے، البتہ دل میں لے سکتے ہیں، اسی طرح اگر قضائے حاجت کے

لیے جنگل وغیرہ میں جاتا ہے تو کپڑے اتارنے سے پہلے دعا پڑھ سکتے ہیں۔ اگر چھینک آجائے تو دل میں الحمد للہ پڑھ لے، زبان سے نہیں پڑھنا چاہیے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں بیت الخلاء وغیرہ میں بھی اللہ جل جلالہ کا نام لیا جاسکتا ہے، وہ استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے کرتے ہیں کہ "انه يذكر الله على كل احيانه"۔ (مشکوۃ)

مگر جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ بیت الخلاء وغیرہ گندی جگہ پر اللہ جل جلالہ کا پاک نام لینا اللہ جل جلالہ کے نام کی بے ادبی ہے اس لئے ایسے مقامات پر جہاں پرگندگی ہو وہاں پر دل میں ہی اللہ جل جلالہ کو یاد کرنا چاہئے۔ اور استدلال کرتے ہیں اس روایت سے جس میں آتا ہے۔ "انی کرهت ان اذكر الله الا على طهر"۔ (ابوداؤد)

بَابُ الصَّومِ فِي السَّفَرِ وَالاِفْطَارِ

سفر میں روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا باب

صوم اور صیام یہ دونوں مصدر ہیں۔ یہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر اور کبیر میں اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے مؤطا امام مالک میں اور امام رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں نماز کے بعد صوم کا ذکر فرمایا: کیوں کہ نماز اور روزہ یہ دونوں ہی بدنی عبادات ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں: کہ روزہ کی فرضیت زکوۃ کی فرضیت سے مقدم ہے اس لئے وجوداً مقدم ہوا تو ذکراً بھی مقدم کر دیا اور روایات میں روزے کو زکوۃ سے مقدم کیا گیا ہے جیسے کہ روایت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ میں ہے۔ "قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی حجة الوداع يقول اتقوا الله وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وادوا زكوة اموالكم"۔

283۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سَوْءَةَ قَالَ خَرَجْتُ أُرِيدُ مَكَّةَ، فَلَقِيتُ رُفْقَتَيْنِ: فِي إِحْدَاهُمَا حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، وَفِي الْأُخْرَى أَبُو مُوسَى، قَالَ: فَكُنْتُ فِي أَصْحَابِ حُذَيْفَةَ، قَالَ فَصَامَ حُذَيْفَةُ وَأَصْحَابُهُ وَ أَبُو مُوسَى وَأَصْحَابُهُ فَكَانَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ السُّحُورَ. وَكَانَ أَبُو مُوسَى رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ السُّحُورَ قَالَ: مُحَمَّدٌ: وبِقَوْلِ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بنی سوءۃ کے ایک شخص سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ میں مکہ کے ارادہ سے نکلا میری دو جماعتوں سے ملاقات ہوئی۔ ایک میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا کہتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بھی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، اور ان کے ساتھیوں نے بھی روزے رکھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ افطار جلدی کرتے تھے اور سحری دیر سے کھایا کرتے

اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ افطار دیر سے کرتے اور سحری جلدی کھایا کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

سحری مؤخر کرنا اور افطار میں جلدی کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری وقت میں سحری کھاتے اور افطار میں جلدی کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک افطار جلدی کرتے رہیں، یعنی وقت داخل ہونے کے بعد افطار میں بلا وجہ تاخیر نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اہل کتاب دیر سے افطار کرتے تھے۔

اس لیے جب افطار کا وقت داخل ہوجائے، سورج غروب ہوجائے تو اللہ جل جلالہ کے حکم کی تعمیل اور اتباع سنت کے واسطے فورا افطار کرنا چاہیے، تاخیر کی تو سنت کی مخالفت ہوگی۔

البتہ اتنی جلدی بھی نہ ہو کہ افطار کا وقت داخل ہونے سے پہلے افطار کرلے ورنہ روزہ نہ ہوگا، اللہ تعالی کو وہ لوگ بہت پسند ہیں جو افطار میں جلدی کرتے ہیں، ایک روایت میں آتا ہے کہ دین اسلام اس وقت تک غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کرتے رہیں، اس لیے کہ یہود ونصاری دیر سے افطار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے تذکرہ کیا گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جلدی افطار کرتے ہیں اور سحری اخیر وقت میں کھاتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا ہے، البتہ سحری اتنی مؤخر نہیں کرنا چاہیے کہ طلوعِ فجر کا شبہ ہونے لگے یا طلوع کے بعد کھالے ورنہ اگر صبح صادق کے بعد کھایا ہے تو روزہ نہ ہوگا، قضاء رکھنا پڑے گی۔

مذکورہ بالا اثر میں دو مسائل کا ذکر ہے:

① - **سفر میں روزہ نہ رکھنا:** تمام ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ مسافر روزہ نہ رکھے تو جائز ہے، بعد میں اس کا قضا کرے۔

② - اسی طرح سحری میں تاخیر اور افطاری میں جلدی کرنا بالاتفاق مستحب ہے اور ان دونوں میں روزہ داروں کے لئے آسانی مقصود ہے۔

284 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَفْطَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ أَصْحَابُهُ فِي يَوْمِ غَيْمٍ ظَنُّوا أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَابَتْ، قَالَ: فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مَا تَعَرَّضْنَا لِجَنَفٍ، نُتِمُّ هَذَا الْيَوْمَ ثُمَّ نَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، أَيُّمَا رَجُلٍ أَفْطَرَ فِي سَفَرٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، أَوْ حَائِضٌ أَفْطَرَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ فِي بَعْضِ النَّهَارِ، أَوْ قَدِمَ الْمُسَافِرُ فِي بَعْضِ النَّهَارِ إِلَى مِصْرِهِ، أَتَمَّ مَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِهِ، فَلَمْ يَأْكُلْ وَلَمْ يَشْرَبْ، وَقَضَى يَوْمًا مَكَانَهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اور ان کے ساتھیوں نے بادل والے دن روزہ افطار کیا، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ سورج غروب ہو گیا ہے پھر سورج نکل آیا (غروب اس وقت تک نہیں ہوا تھا)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے گناہ کا قصد نہیں کیا تھا (یعنی قصداً روزہ نہیں توڑا) آج کا روزہ مکمل کرلیں گے۔ پھر اس کے بدلے میں ایک روزہ قضاء رکھیں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے مہینے میں بادل والے دن غروب آفتاب سے پہلے روزہ کھول لیا یا حائضہ تھی روزہ نہیں رکھا پھر دن کے کسی حصہ میں پاک ہوگئی، یا مسافر، دن کے کسی حصہ میں اپنے وطن واپس لوٹ آیا تو ان میں سے ہر ایک باقی دن کچھ کھائے پیئے گا نہیں اور اس دن کے بدلہ قضاء روزہ رکھے گا۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقت سے پہلے سحری ختم کرنا یا افطار کرنا:

اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر سحری کھالے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی بعد میں معلوم ہوا کہ سحری کا وقت ختم ہو چکا تھا، صبح صادق ہو چکی تھی، یا کسی نے یہ سمجھ کر افطار کرلیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے، پھر معلوم ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا ہے تو اس کو اس دن کے روزے کی قضاء رکھنا ہوگی کفارہ نہیں آئے گا، اس لیے کہ اس نے قصداً ایسا نہیں کیا لہذا صرف قضاء آئے گی کفارہ نہیں آئے گا۔

روزہ میں مسافر مقیم بن گیا اور حائضہ پاک ہوگئی:

اگر مسافر دن کے کسی حصے میں اپنے شہر واپس آ یا یا حائضہ پاک ہوگئی تو یہ دن کے باقی حصے میں کچھ نہیں کھائے پیئیں گے، البتہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر مسافر زوال کے بعد یا اس سے پہلے سفر سے وطن آجائے اور وہ صبح صادق کے بعد کچھ کھا پی چکا ہو، لیکن اگر اس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو اور زوال سے پہلے اپنے شہر آیا ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے اور اس کا یہ روزہ ہو جائے گا، البتہ اگر نیت کرنے کے بعد افطار کرلیا تو قضاء آئے گی کفارہ پھر بھی نہیں آئے گا۔

لیکن حائضہ اگر کھانا کھانے سے پہلے اور زوال سے پہلے پاک ہو جائے اور روزہ کی نیت کرلے تو اس کا روزہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ ابتدائے نہار میں منافی صوم موجود تھا اور روزہ کو متعدد اجزاء پر تقسیم نہیں کر سکتے، اس لیے وہ اہل نہیں تھی، لہذا اس کی نیت درست نہیں ہوگی، بعد میں قضاء کرے گی۔

بَابُ قُبْلَةِ الصَّائِمِ وَمُبَاشَرَتِهٖ

روزہ دار کے بوسہ لینے اور مباشرت کرنے کا باب!

اس باب میں مصنف یہ بیان فرمارہے ہیں کہ روزے کی حالت میں اگر سخت ضرورت ہو تو آدمی اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے بشرطیکہ اس کا اس سے انزال نہ ہو اگر انزال ہو گیا تو اب اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ فی نفسہ بوسہ مفطر صوم نہیں البتہ یہ لازم مفطر بن جاتا ہے۔

یہاں پر مباشرت سے مراد جماع نہیں ہے بلکہ گلے لگانا یا چمٹانا وغیرہ ہے یا مرد اور عورت کا برہنہ ہو کر ملنا ہے بشرطیکہ شرم گاہ نہ ملے۔ اس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر میں مکروہ کہا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی امام حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت میں بھی یہی ہے کیوں کہ اس میں عموماً فتنہ ہو ہی جاتا ہے فتح القدیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

285- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے۔

286- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَلَاقَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

287- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا رَجُلٌ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ يُصِيبُ مِنْ وَجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا نَرَى بِذٰلِكَ بَأْسًا إِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ نَفْسَهُ عَنْ غَيْرِ ذٰلِكَ أَيِ الْإِنْزَالِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں ان کے چہرے کو سہلا لیتے (نرمی سے ہاتھ پھیر لیتے تھے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انسان کو اگر اپنے اوپر قابو ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

288- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا نَرَى بِذٰلِكَ بَأْسًا مَا لَمْ يَخَفْ عَلَى نَفْسِهِ غَيْرَ الْمُبَاشَرَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں چمٹا لیا کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اس طرح چمٹانے سے آگے بڑھنے کا خوف نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

روزہ کی حالت میں بوسہ اور مباشرت کرنا:

روزہ کی حالت میں بوسہ اور مباشرت سے روزہ نہیں ٹوٹتا الا یہ کہ انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس کی قضاء رکھنا پڑے گی کفارہ نہیں آئے گا، اس لیے کہ یہاں جماع کے معنی تو پائے گئے کہ بوسہ یا مباشرت کی وجہ سے انزال عن الشہوۃ ہو لیکن کمال جنابت نہیں پائی گئی اور کفارہ کمالِ جنابت پر آتا ہے جو شرمگاہ میں جماع سے لازم آتی ہے۔

اگر انسان کو یہ معلوم ہو کہ بوسہ سے جذبات اتنے برانگیختہ نہیں ہوں گے کہ ہمبستری یا انزال کی نوبت آجائے تو بوسہ لے سکتے ہیں، البتہ بوسہ کی حالت میں ہونٹ چوسنا مکروہ ہے، شرمگاہ کے علاوہ سے استمتاع کا حکم بوسہ کی طرح ہے۔ یہ ساری تفصیل امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی ہے۔

- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ بوسہ لینے سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔
- امام ابراہیم نخعی، عامر شعبی، عبداللہ بن قاضی شریح وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محض بوسہ وغیرہ کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کا روزہ فاسد ہوجاتا ہے، قضا آئے گی مگر کفارہ نہیں آئے گا۔

امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بوسہ لینا مطلقا جائز ہے۔ چاہے نفس پر قابو ہو یا نہ ہو

بَابُ مَا يُنْقِضُ الصَّوْمَ

روزہ توڑنے والی چیزوں کا باب

یہاں سے مصنف روزے کو توڑنے والی چیزوں کو بیان فرما رہے ہیں۔ یہ چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض ایسی ہیں کہ جن سے صرف روزہ کے توڑنے پر اس کی قضاء واجب ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ جس کے ارتکاب سے قضاء اور کفارہ دونوں ہی واجب ہوتے ہیں مصنف نے ان دونوں ہی قسموں کو اس باب میں ذکر کر دیا ہے۔

289۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُمَضْمِضُ أَوْ يَسْتَنْشِقُ وَ هُوَ صَائِمٌ فَيَسْبَقُهُ الْمَاءُ فَيَدْخُلُ حَلْقَهُ قَالَ يُتِمُّ صَوْمَهُ، ثُمَّ يَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهِ نَأْخُذُ إِنْ كَانَ ذَاكِرًا لِصَوْمِهِ فَإِذَا كَانَ نَاسِيًا لِلصَّوْمِ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو روزہ کی حالت میں کلی کرے یا ناک میں پانی ڈالے اور پانی خود بخود حلق میں چلا جائے فرمایا: وہ اپنا روزہ پورا کرے پھر اس کے بدلے میں ایک اور دن قضاء کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اسے اپنا روزہ یاد ہو اگر روزہ یاد نہ ہو تو اس پر قضاء بھی نہیں ہے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

روزے کی حالت میں کلی کرتے ہوئے پانی حلق میں چلے جانا:

کلی کرتے وقت پانی غلطی سے حلق میں چلا گیا اور روزہ یاد تھا تو روزہ فاسد ہوگیا، قضا لازم ہے، کفارہ لازم نہیں ہے، اگر کلی کے دوران روزہ یاد نہیں تھا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (الفتاوی الهندية (202/1)

290۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ فِي الْقَيْءِ: لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ تَعَمَّدَهُ فَيُتِمُّ صَوْمَهُ ثُمَّ يَقْضِيهِ بَعْدُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے قے کے بارے میں فرمایا: اس پر قضاء نہیں الا یہ کہ قصداً اس نے کی ہو تو روزہ پورا کر کے بعد

میں اس کی قضاء کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

روزہ کی حالت میں قے آنا:

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خود بخود قے آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر جان بوجھ کر قے کی جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، البتہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں اس بارے میں تفصیل ہے علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق: 295/2، پر قے کی بارہ صورتیں لکھی ہیں، پھر آگے صاحب بحر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے صرف دو صورتیں روزہ کو توڑنے والی ہیں:

① - جان بوجھ کر منہ بھر کر قے کی ہو،

② - جان بوجھ کر قے نہ کی ہو مگر بااختیار منہ بھر کر قے ہو جائے اور پھر اس کو حلق میں لوٹا لیا جائے ان صورتوں میں سب کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر جان بوجھ کر قے کی ہے مگر منہ بھر کر نہیں کی ہے تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (بدائع الصنائع: 242/2) مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

291 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُصِيبُ أَهْلَهُ وَهُوَ صَائِمٌ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ يُتِمَّ صَوْمَهُ وَ يَقْضِيَ مَا أَفْطَرَ وَيَتَقَرَّبُ إِلَى اللهِ تَعَالَى بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ خَيْرٍ وَلَوْ عَلِمَ بِهِ الْإِمَامُ عَزَّرَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَ نَرَى مَعَ ذٰلِكَ أَنَّ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةَ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں جو رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کر لے یہ مروی ہے کہ وہ روزہ پورا کرے گا، اور جو روزہ توڑ دیا ہے اس کی قضاء کرے گا اور خیر کے ان کاموں سے اللہ کا قرب حاصل کرے گا جو اس کے بس میں ہوں اور اگر اس کا علم امام کو ہو گیا تو وہ اسے سزا دے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس پر کفارہ آئے گا جو ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر وہ نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو اس طرح کھانا کھلائے گا کہ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یا کھجور یا جو کا ایک ایک صاع بطور کھانا دیدے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بھولے سے کھانا پینا اور جماع کرنا:

اگر کسی کو اپنا روزہ بالکل یاد نہ رہے اور بے خیالی میں کھا لے یا پی لے یا بیوی سے صحبت کر لے اور بعد میں یاد آجائے تو روزہ پر

کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ روزہ بدستور باقی رہے گا ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ذمہ قضاء واجب ہے اگرچہ نفل روزہ میں وہ بھی عدم فساد کے قائل ہیں۔ (معارف السنن)

روزہ کی حالت میں قصداً جماع اور کھانا پینا:

اگر کوئی شخص جماع کے ذریعہ فرض روزہ کو فاسد کر دے تو اس پر ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کفارہ اور قضاء دونوں واجب ہیں، لیکن اگر ایسی چیز کھائی یا پی جس کو لوگ کھایا کرتے ہیں یا کوئی ایسی چیز ہے کہ یوں تو نہیں کھاتے لیکن بطور دوا کے ضرورت کے وقت کھاتے ہیں تو بھی روزہ جاتا رہا اب اس پر کفارہ لازم ہے یا صرف قضاء کافی ہے اس بارے میں **دو مذہب** نقل کئے جاتے ہیں۔

- **امام شافعی و امام احمد** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔
- **حنفیہ و مالکیہ** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جس طرح جماع کیوجہ سے قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں اسی طرح کھانے و پینے کیوجہ سے قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں۔ (اوجز المسالک ج ۳، ص: ۳۵)

مذہب اول کی دلیل: کفارہ کا ذکر حدیث میں صرف جماع کے ساتھ وارد ہوا ہے کھانے، پینے میں کفارہ کا وجوب کسی حدیث سے ثابت نہیں اور قیاس سے اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ (ترمذی ج: ص: ۱۵۴)

مذہب ثانی کی دلیل: کفارہ کے وجوب کی علت روزہ کا توڑنا ہے اور یہ علت کھانے پینے میں بھی پائی جاتی ہے ہمارے مذہب کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ "إِنَّ رَجُلًا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ"۔ (مؤطأ امام محمد ج: ا ص: ۱۷۷)

لفظ افطر اپنے عموم کیوجہ سے جماع و غیر جماع سب کو شامل ہے لہذا ہمارے اوپر قیاس کا الزام درست نہیں ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ

روزے کی فضیلت کا باب!

اس باب میں مصنف روزے کی فضیلت کو بیان فرما رہے ہیں کہ عاشوراء اور عرفہ کے دن کا کسی نے روزہ رکھا تو کیا فائدہ ہوگا۔

ایک دوسری روایت قدسی میں روزے کی فضیلت کی انتہاء ہی کر دی گئی اور یہ فرمایا گیا کہ "الصوم لی وانا اجزی بہ" کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ میرے ہی لئے ہے اور اس کا بدلہ تو میں خود ہی دوں گا" روزے کے علاوہ باقی دوسری عبادات میں ریا کا دخل ہوتا ہے مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اس میں ریاء کا خطرہ بھی نہیں ہوتا۔ کہ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ اس صورت میں اس کو اللہ کا خاص قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ یا کھانا پینا چھوڑ کر یہ ملائکہ کے مشابہ بن جاتا ہے وہ مقرب ہیں تو یہ بھی مقرب بن جاتا ہے۔ یا بعض لوگ فرماتے ہیں کہ روزہ کسی غیر اللہ کے لئے نہیں ہوسکتا بخلاف دوسری عبادات کے دوسرے کے لئے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ روزے کے

فضائل پر بھی علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

292۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ صَوْمُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ يَعْدِلُ بِصَوْمِ سَنَةٍ وَصَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ بِصَوْمِ سَنَتَيْنِ سَنَةٍ قَبْلَهَا وَسَنَةٍ بَعْدَهَا.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عاشوراء کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور نویں ذی الحجہ کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے۔ایک سال پچھلا اور ایک اس کے بعد والا۔

عاشورہ اور عرفہ کے دن کا روزہ :

عاشورہ کے روزے کے ساتھ نویں یا گیارہوں کا روزہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو نویں کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔

عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے روزہ کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے لیکن یہ حکم غیر حاجیوں کے لیے ہے، حاجیوں کے لیے روزہ نہ رکھنا افضل ہے تا کہ حج کے فرائض وواجبات صحیح طریقے سے ادا کر سکے۔

293۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْأَقْمَرِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَظَلُّ صَائِمًا، وَيَبِيتُ طَاوِيًا قَائِمًا ثُمَّ يَنْصَرِفُ إِلَى شَرْبَةٍ مِّنْ لَبَنٍ قَدْ وُضِعَتْ لَهُ فَيَشْرَبُهَا فَتَكُونُ فِطْرَهُ وَسَحُورُهُ إِلَى مِثْلِهَا مِنَ الْقَابِلَةِ قَالَ فَانْصَرَفَ إِلَى شَرْبَتِهِ فَوَجَدَ بَعْضَ أَصْحَابِهِ قَدْ بَلَغَ مَجْهُودَهُ فَشَرِبَهَا فَطُلِبَ لَهُ فِي بُيُوتِ أَزْوَاجِهِ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ فَلَمْ يُوجَدْ فَطَلَبُوا عِنْدَ أَصْحَابِهِ فَلَمْ يَجِدُوا عِنْدَهُمْ شَيْئًا فَقَالَ: مَنْ يُطْعِمُنِي أَطْعَمَهُ اللهُ مَرَّتَيْنِ - فَلَمْ يَجِدُوا شَيْئًا يُطْعِمُونَهُ إِيَّاهُ قَالَ فَأَقْبَلُوا عَلَى الْعَنْزِ، فَوَجَدُوهَا كَاحْفَلِ مَا كَانَتْ فَحَلَبُوا مِنْهَا مِثْلَ شَرْبَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت علی بن الاقمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے سے ہوتے تھے اور رات بھوک کی حالت میں کھڑے ہوئے گزارتے پھر اس دودھ کی طرف متوجہ ہوتے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رکھا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پی لیتے تھے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افطار اور اگلے دن کی سحری تک کے لئے ہو جاتا تھا۔فرمایا: ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دودھ کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سخت بھوکے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پی کر اپنی ازواج مطہرات کے گھر سے ان کے لئے کھانے پینے کی چیز منگائی لیکن وہاں کچھ نہ ملا پھر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں سے منگایا وہاں بھی انہیں کھانے کے لئے کچھ نہ ملا تو دو مرتبہ یوں کہا: کہ جو مجھے کھانا کھلائے گا اللہ اس کو کھلائے گا۔لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اسے کھلاتے، راوی کہتے ہیں: کہ پھر بکری کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے بھرے ملے، چنانچہ انہوں نے اس سے اتنا دودھ نکال لیا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نکالا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فقر اختیاری تھا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فقر وفاقہ اختیاری تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس قیمتی سے قیمتی ہدایا اور عظیم مالِ غنیمت آتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب تقسیم فرمادیا کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل پے درپے بلا افطار وسحور روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے، لیکن خود مجاہدے میں منہمک رہتے، مسلسل روزے رکھتے اور چند گھونٹ دودھ پر اکتفا کرلیتے۔

بعض مرتبہ مہمانوں کے لیے بھی گھر میں کچھ نہ ہوتا تھا جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے، اس روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک معجزہ کا بھی اظہار ہورہا ہے کہ وہ جانور جو کافی وقفے کے بعد دودھ دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اس نے نہایت مختصر سے وقفے سے دوبارہ پہلے کی طرح دودھ دے دیا۔

بَابُ زَكوٰةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَمَالِ الْيَتِيمِ

سونے، چاندی اور یتیم کے مال کی زکوٰۃ کا باب

اس باب میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے۔ سونا، چاندی، زیورات کی صورت میں ہو یا برتنوں کی شکل میں یا ڈلی کی صورت میں اس میں ہر سال زکوۃ واجب ہے۔ بشرطیکہ اس میں کھوٹ غالب نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ کھوٹ تو ضرور ہوتا ہے۔ غالب سے مراد آدھے سے زائد کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہوں گے۔ اگر دونوں برابر ہوں تو شیخ ابونصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں احتیاطاً زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ یہی بات محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک اس صورت میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ یہ تفصیل احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہے ورنہ شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک زکوۃ زیورات میں واجب نہیں ہوتی۔

یتیم کے مال میں بھی احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے۔ ان کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوۃ آتی ہے باقی تفصیل آگے آرہی ہے۔

294 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ عِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنَ الذَّهَبِ زَكوٰةٌ، فَإِذَا كَانَ الذَّهَبُ عِشْرِينَ مِثْقَالًا فَفِيهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذَلِكَ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ: فَإِذَا بَلَغَتِ الْوَرِقُ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذَلِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَأْخُذُ بِذَلِكَ كُلِّهِ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ فَمَا زَادَ عَلَى مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ فِي الزِّيَادَةِ شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا فَيَكُونُ فِيهَا دِرْهَمٌ. فَمَا زَادَ عَلَى الْعِشْرِينَ مِثْقَالًا مِنَ الذَّهَبِ فَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ حَتَّى يَبْلُغَ أَرْبَعَ مَثَاقِيلَ فَيَكُونُ فِيهِ بِحِسَابِ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ بیس مثقال سے کم سونے میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ جب سونا بیس مثقال ہوجائے تو

اس میں آدھا مثقال زکوۃ ہوگی، اور اس سے جتنا زائد ہوگا اس میں اس حساب سے زکوۃ آتی رہے گی، دوسو درہم سے کم مقدار چاندی میں زکوۃ نہیں، جب چاندی دوسو درہم کے برابر ہو جائے تو اس میں پانچ درہم آتے ہیں اس سے جتنی زائد ہوتی جائے گی اسی حساب سے زکوۃ آتی جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پورے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس پورے حکم پر عمل کرتے تھے، سوائے ایک شق کے، اور وہ یہ کہ دوسو درہم سے جو زائد ہوگا اس زیادتی میں اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا۔ جب تک ان کی مقدار چالیس درہم نہ ہو جائے۔ جب چالیس درہم کی مقدار ہو جائے گی تو اس میں ایک درہم آئے گا۔ سونا جب بیس مثقال سے زیادہ ہوگا تو اس میں اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا جب تک چار مثقال نہ ہو جائے جب چار مثقال ہو جائے تو اس میں اسی حساب سے زکوۃ آئے گی۔

سونے کا نصاب:

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس سے کم میں زکوۃ واجب نہ ہوگی اور بیس مثقال میں آدھا مثقال واجب ہوگا، بیس مثقال پر اگر چار مثقال کا اضافہ ہو گیا تو نصف مثقال کے ساتھ دو قیراط اور واجب ہوں گے کیونکہ چار مثقال کا چالیسواں حصہ دو قیراط ہوتے ہیں اس لئے کہ ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے، لہذا چار مثقال اسی قیراط کے ہوئے اور اسی کا چالیسواں حصہ دو ہوتا ہے، اس لئے چار مثقال کی زکوۃ دو قیراط واجب ہوگی ایک قیراط پانچ جو کے دانوں کے برابر ہوتا ہے، چنانچہ ایک مثقال ایک سو جو کے دانوں کے وزن کے برابر ہوگا،

پھر اگر بیس مثقال پر چار مثقال سے کم کا اضافہ ہوتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس زیادتی میں کوئی زکوۃ واجب نہ ہوگی اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حساب کے بقدر زکوۃ واجب ہوگی مثلاً بیس مثقال سے اگر ایک مثقال زیادہ ہوا تو زکوۃ میں آدھا مثقال اور آدھا قیراط واجب ہوگا کیونکہ بیس مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا مثقال ہے، اور ایک مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا قیراط ہے۔

موجودہ گراموں کے حساب سے ایک مثقال کا وزن ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

سونے کا نصاب، موجودہ اوزان سے ساڑھے سات تولہ کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

ایک مثقال کا وزن: ایک مثقال کا وزن ۴ ماشہ ۴ رتی یعنی (۱ / ۲-۴) ماشہ کا ہوتا ہے، اور گراموں کے حساب سے ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام ایک مثقال کا وزن ہوگا، لہذا بیس مثقال کا وزن 87 گرام ۴۸۰ ملی گرام ہوگا اگر کسی شخص کے پاس ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونا ہے جو کہ بیس مثقال کا وزن ہے تو اس میں آدھا مثقال یعنی ۲۰ گرام ۱۸۷ ملی گرام سونا نکالنا فرض ہوگا۔

چاندی کا نصاب:

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے (۱/۲-۵۲) چنانچہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے ہاں اگر چاندی دوسو درہم ہو اوراس پر سال بھی گزر گیا ہو تو اس میں پانچ درہم کے برابر چاندی واجب ہوگی اگر دوسو درہم پر زیادتی ہو جائے تو زیادتی میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ زیادتی کی مقدار چالیس درہم کو پہنچ جائے چنانچہ اگر دوسو چالیس درہم ہوں تو ان میں چھ درہم واجب ہوں گے پھر ہر چالیس پر ایک درہم واجب ہوتا رہے گا، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک زیادتی میں زکوۃ واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، چنانچہ اگر دوسو درہم پر ایک درہم بڑھ گیا تو پانچ درہم کے علاوہ ایک درہم کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ واجب ہوگا۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۱۷۰)

چاندی کا نصاب، موجودہ اوزان سے ساڑھے باون تولہ (۱/۲-۵۲) چاندی کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

295 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَيْسَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكٰوةٌ وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ حَتّٰى يَجِبَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں آتی اور اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب تک نماز واجب نہ ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

296 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ أَبِي سَلِيمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكٰوةٌ.

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں ہے۔

یتیم کے مال پر زکاۃ کا حکم:

اس میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی، عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے، ان سب کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوۃ ہے۔

دلیل: عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابیہ انہ قال کانت عائشۃ تلینی انا و اخالی یتیمین فی حجرھا فکانت تخرج من اموالنا الزکوۃ۔ (مؤطا امام مالک)

عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی خطب الناس فقال الا من ولی یتیما لہ مال فلیتجر فیہ ولا

بترکہ حتی تاکلہ الصدقۃ۔(ترمذی)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے ان حضرات کے نزدیک مال یتیم میں زکوۃ نہیں ہے۔

دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت: "رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل" (ابوداؤد) اس میں نابالغ کو غیر مکلّف قرار دیا گیا ہے۔

اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: "لیس فی مال الیتیم زکوۃ"

روایت محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ: " ان ابن مسعود لہ سئل عن مال الیتیم فقال احص زکوۃ مالہ ولا تزکیہ فاذا بلغ فادفع الیہ مالہ "۔

اثر سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ: "لا تجب الزکوۃ الأعلی من وجبت علیہ الصلوۃ والصیام "۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یتیم کے مال میں زکوۃ نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے۔(عمدۃ القاری)

297- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ إِذَا حَضَرَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ قَدْ حَضَرَ. فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَقْضِهٖ ثُمَّ لِيُزَكِّ مَا بَقِيَ- قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ عَلَيْهِ الزَّكٰوةُ بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهٖ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رمضان کے آنے پر فرمایا کرتے تھے لوگو، یہ تمہاری زکوۃ کا مہینہ آ گیا ہے لہذا جس پر قرض ہو وہ اسے ادا کر دے پھر جو باقی بچے اس کی زکوۃ دے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں زکوۃ قرضہ ادا کرنے کے بعد ادا کی جائے گی۔

ادائیگی قرض کے زکوۃ ادا کرنے کا حکم:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا شَهْرُ زَكَاتِكُمْ قَدْ حَضَرَ: رمضان کے آنے سے پہلے اہتمام کی وجہ سے متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

جس پر قرض ہو وہ اسے ادا کر دے پھر جو باقی بچے اس کی زکوٰۃ دے۔ اس قرض سے وہ قرض مراد ہے جو زکوۃ واجب ہونے سے پہلے واجب ہوا ہو۔ اگر قرض زکوۃ کے واجب ہونے کے بعد (یعنی سال پورا ہونے کے بعد) آیا ہو تو اب زکوٰۃ اس کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ یا زکوۃ کے مال سے، اس کو کم نہیں کیا جائے گا۔(بحر الرائق، فتاوی عالمگیری)

ثُمَّ لِيُزَكِّ مَا بَقِيَ: جو قرض ادا کرنے کے بعد باقی رہے اس کی زکوۃ دی جائے گی اس بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں "و ان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصابا" کہ اگر اس کا مال اس کے قرض سے زائد ہو تو زائد کی زکوٰۃ دے بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے۔

یہاں قرض سے وہ قرض مراد ہے جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو جیسے قرض، ثمن مبیع، مہر، نفقہ زوجات نفقہ محارم وغیرہ یہ سب مانع وجوب زکوۃ ہیں۔

اور اگر ایسا قرض ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو تو وہ مانع زکوۃ نہیں ہوگا جیسے کہ دین نذر، دین کفارات، صدقہ فطر، حج، ہدی تمتع، اضحیہ وغیرہ۔ یہ سب قرض ایسے ہیں جو مانع وجوب زکوۃ نہیں ہوتے۔

298- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنِ ابْنِ سِيْرِينَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: إِذَا كَانَ لَكَ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَقَبَضْتَهُ فَزَكِّهِ لِمَا مَضَى قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہارا پیسہ لوگوں پر قرض ہو اور تم اسے وصول کر لو تو گزشتہ سالوں کی زکوۃ دو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قرض کی زکوۃ کب ادا کی جائے گی:

إِذَا كَانَ لَكَ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ: کسی نے کسی کو قرض دیا تو اب یہ جب قرض وصول کرے گا تب گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرے گا۔

اس کے بارے میں **تین مذاہب** ہیں:

- **پہلا مذہب**: احناف رحمۃ اللہ علیہم کا ہے ان کا کہنا ہے کہ جب قرض وصول ہو جائے گا تب گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کی جائے گی۔
- **دوسرا مذہب**: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مال کی زکوۃ صاحب مال کو ادا کرنی پڑے گی اگرچہ وہ مال اس کے قبضے میں نہیں ہے۔
- **تیسرا مذہب**: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سعد بن المسیب، عکرمہ، عطاء وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے کہ قرض کا مال وصول کرنے کے بعد صرف ایک سال کی زکوۃ ادا کی جائے گی۔

299- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ أَقْرَضَ رَجُلًا أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ زَكَاتُهَا عَلَى الَّذِي يَسْتَعْمِلُهَا وَيَنْتَفِعُ بِهَا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِقَوْلِ عَلِيٍّ: زَكَاتُهَا عَلَى صَاحِبِهَا إِذَا قَبَضَهَا زَكَّاهَا لِمَا مَضَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے کسی شخص کو ایک ہزار درہم قرض دیئے ہوں اس کی زکوۃ اس شخص پر آئے گی جو اسے استعمال کر رہا ہے اور اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا: ہم اس کو نہیں لیتے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں کہ اس کی زکوۃ اس کے مالک پر آئے گی جب اسے وہ قرضہ وصول ہو جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

مقروض پر زکوۃ:

ایک شخص کے ذمہ اتنا قرض ہے جو اس کے پورے مال کو گھیرے ہوئے ہے تو ایسے شخص پر بھی زکوۃ فرض نہیں ہے اور اگر مقروض کے پاس مال قرض سے زائد ہے اور وہ نصاب شرعی کے بقدر ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے۔

اس لیے کہ زکوۃ اس مال پر آتی ہے جو حاجت اصلیہ سے زائد ہو، اس کے اوپر دین آرہا ہے اور اس کے پاس زائد مال ہے ہی نہیں لہذا وہ مال کالعدم ہوگا۔

مالِ مقروضہ کی زکوۃ:

جو مال قرض دیا جاتا ہے اس کی زکوۃ قرض دینے والے پر آتی ہے، لہذا جب اس کو مال ملے گا، اس کی زکوۃ ادا کرے گا، خواہ ایک سال بعد ملے یا دو تین سال بعد، البتہ قرض لینے والے پر اس کی زکوۃ نہیں آئے گی، اس لیے کہ وہ اس کی ملکیت ہی نہیں ہے اور زکوۃ ملکیت پر آتی ہے۔

بَابُ زَكٰوةِ الْحُلِيِّ

زیورات کی زکوۃ کا باب!

300 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لَهُ إِنَّ لِي حُلِيًّا فَهَلْ عَلَيَّ فِيهِ زَكٰوةٌ فَقَالَ لَهَا: نَعَمْ فَقَالَتْ: إِنَّ لِي ابْنَيْ أَخٍ يَتَامٰى فِي حِجْرِي أَفَتُجْزِيءُ عَنِّي أَنْ أَجْعَلَ ذٰلِكَ فِيهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ لَا بَأْسَ بِأَنْ يُعْطٰى مِنَ الزَّكٰوةِ كُلُّ ذِي رَحِمٍ إِلَّا وَلَدًا، أَوْ وَالِدًا وَلَدَ وَلَدٍ وَجَدًّا وَجَدَّةً، وَإِنْ كَانُوا فِي عِيَالِهِ وَالزَّوْجَةُ لَا تُعْطٰى مِنَ الزَّكٰوةِ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا يُعْطَى الزَّوْجُ أَيْضًا وَأَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرَى بَأْسًا بِأَنْ يُعْطَى الزَّوْجُ مِنَ الزَّكٰوةِ وَلَا نَرَى فِي شَيْءٍ مِّنَ الْحُلِيِّ زَكٰوةً إِلَّا فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَمَّا فِي الْجَوْهَرِ وَاللُّؤْلُؤِ فَلَا زَكٰوةَ فِيهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِلتِّجَارَةِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے ان سے عرض کیا: میرے پاس زیورات ہیں کیا مجھ پر ان کی زکوۃ واجب ہے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، اس نے کہا: میرے دو یتیم بھتیجے میری کفالت میں ہیں کیا یہ درست ہے کہ میں ان دونوں کو زکوٰۃ دے دوں؟ فرمایا: جی ہاں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سوائے بیٹے، والد، والدہ، پوتے، دادا، دادی کے ہر رشتہ دار کو دی جاسکتی ہے خواہ وہ اس کے زیر کفالت ہی ہوں اور بیوی کو زکوۃ نہیں

دی جاسکتی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شوہر کو بھی زکوۃ (بیوی کی طرف سے) نہیں دی جائے گی ہم شوہر کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، اور زیورات میں سونے اور چاندی کے زیور کے علاوہ کسی زیور میں زکوۃ کے قائل نہیں، جواہرات اور موتی میں زکوۃ نہیں آتی سوائے اس صورت کے کہ تجارت کے لئے ہوں۔

وضاحت: یہاں اس اثر میں دو مسائل کا ذکر ہے

①-زیورات پر زکوۃ:

❁ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سونے وچاندی کی ہر چیز اور زیورات پر زکوۃ ایک سال گذرنے کے بعد لازم وفرض ہے خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر برتن ہوں یا کچھ اور استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں یعنی اگر نصاب کے برابر ہوں گے تو زکوۃ ہے۔(کتاب الفقہ ج:1ص:۹۷۸، بذل المجھود ج:۳، ص:۷)

دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے ہیں، فرمایا: کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے ان کو اس لئے بنایا ہے تاکہ ان کے ساتھ آپ کے لئے آراستہ ہو جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کی زکوۃ بھی دیتی ہو میں نے کہا: نہیں، فرمایا: تجھ کو دوزخ کی آگ کافی ہے۔(ابوداؤد: ج:اص:۲۸) اس روایت سے زیور میں زکوۃ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

❁ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عورتوں کے زیور اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔(عمدۃ القاری:472/2)

دلیل: چاندی اور سونے کا زیور عورتوں کے لئے مباح ہے اور چاندی کی انگوٹھی کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے اور ضرورت واستعمال کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔(درمنضود: ج:۳، ص:۲۲)

جواب: ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے پاس کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے جو زیورات کو زکوۃ سے مستثنیٰ کرنے پر صراحۃً دلالت کرتی ہو لہذا اس مسئلہ میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک نہایت قوی اور مضبوط ہے۔

②-کن رشتہ داروں کو زکوۃ دینا جائز ہے؟

آپ مستحق رشتہ داروں جیسے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، بلکہ یہ دوہرے اجر کا باعث ہے، لیکن آپ اپنے اصول اور فروع مثلاً: والدین، دادا، نانا، بیٹوں، بیٹیوں، اور شوہر یا بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اور نہ ہی بنو ہاشم (سید حضرات) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ یہ صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) ان کے لیے ممنوع ہے۔

(ملتقی الأبحر: باب في بيان أحكام المصرف، ص:324، ط:دار الكتب العلمية-لبنان/بيروت)

وہ رشتہ دار جن کو زکاۃ دی جاسکتی ہے:

- بہن/ بھائی: اگر وہ غریب اور مستحق زکوٰۃ ہوں۔
- چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ: اوران کے بچے (آپ کے کزن)۔
- بہو، داماد: اگر وہ مستحق ہوں تو۔
- سوتیلے رشتے: سوتیلا باپ، سوتیلی ماں، اور شوہر/ بیوی کی طرف سے سوتیلی اولاد۔
- دیگر قریبی رشتے دار: جو زکوٰۃ کے مصارف میں شامل ہوں۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (50/2):

زکوٰۃ نہ دینے کے رشتہ دار (جنہیں نہیں دے سکتے):

- بنوہاشم (سید حضرات): نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت (سادات) کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔
- اصل (جن سے آپ کی نسل چلے): ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی۔
- فروع (جن کی نسل آپ سے چلے): بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتی، نواسے، نواسیاں۔
- میاں بیوی: ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔
- غنی کے بچے: جو خود صاحب نصاب کے بچے ہوں (وہ اپنے والد کی وجہ سے غنی سمجھے جاتے ہیں)۔

(الدر المختار: كتاب الزكاة، باب المصرف، ٣٤٤/٢ ط: ایچ ایم سعید)

اہم نکتہ:

کسی بھی رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے سے پہلے یہ بات یقینی بنائیں کہ وہ شرعی طور پر مستحقِ ہیں۔

301 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْجَوْهَرِ وَاللُّؤْلُؤِ زَكٰوةٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلتِّجَارَةِ قَالَ: مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جواہرات اور موتی اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

موتیوں اور جواہرات میں زکوۃ:

موتیوں اور جواہرات میں زکوۃ نہیں، لیکن اگر وہ سونے کے ساتھ ہوں گے تو اس کے ساتھ تبعًا شامل ہوں گے، اسی طرح اگر تجارت کے لیے ہوں تو بھی زکوۃ ہے، اگر استعمال کے لیے ہیں تو ان پر زکوۃ نہیں۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (273/2)

بَابُ زَكوٰةِ الفِطْرِ وَالمَمْلُوكِيْنَ

صدقہ فطر اور غلاموں کی زکوۃ کا باب!

302۔مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي صَدَقَةِ الرَّجُلِ عَنْ كُلِّ مَمْلُوكٍ أَوْ حُرٍّ أَوْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعٌ مَنْ تَمْرٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ فَإِنْ أَدَّى صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَجْزَاهُ أَيْضًا وَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: نِصْفُ صَاعٍ مِنْ زَبِيبٍ يُجْزِئُهُ وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَلَا يُجْزِئُهُ إِلَّا صَاعٌ مِنْ زَبِيبٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے صدقہ فطر کے بارے میں مروی ہے کہ آدمی پر صدقہ آتا ہے ہر غلام یا آزاد، چھوٹے اور بڑے کی طرف سے گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور کا ایک صاع۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اگر جو کا ایک صاع دیا تب بھی جائز ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آدھا صاع کشمش دیدے تو بھی کافی ہے۔لیکن ہمارے قول کے مطابق کشمش کا پورا صاع دینا ہوگا۔

صدقہ فطر کا حکم:

اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

۞ ①-**اکثر شوافع اکثر موالک اور حنابلہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے،لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک اس کا منکر کافر نہیں ہے۔

۞ ②-**حضرات حنفیہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صدقہ فطر نہ فرض ہے اور نہ ہی سنت ہے بلکہ واجب ہے۔(معارف ج:۵،ص ۳۰۱)

صدقہ فطر کے وجوب کے لئے **تین شرطیں** ہیں: ①-آزاد ہونا، ②-مسلمان ہونا، ③-صاحب نصاب ہونا،

اس تیسری شرط کے متعلق **دو مذہب** ہیں:

۞ ①-**حنفیہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صدقہ فطر کے وجوب کے لئے زکوۃ کی طرح مالک نصاب ہونا شرط ہے اگرچہ مال نامی ہونا شرط نہیں ہے،اور نہ ہی سال کا گزرنا شرط ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس مال تجارت یا روپیہ پیسہ یا سونا یا چاندی نہیں ہے بلکہ صرف غلہ وغیرہ بقدر نصاب یا اس سے زائد عید کے دن موجود ہے تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہوجاتا ہے۔

۞ ②-**ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، بلکہ مالدار، فقیر سب پر واجب ہے،صرف یہ ضروری ہے کہ اس شخص کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ایک دن کے خرچ کے علاوہ اتنا مال ہو کہ اس میں سے صدقہ فطر اداء کرسکے۔(معارف السنن ج:۵،ص:۳۰۱)

صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب:

وہ ذات جس کا خرچہ وغیرہ آدمی برداشت کرتا ہے اور جس پر اس کو ولایت تامہ حاصل ہو اس کا سب سے پہلا مصداق تو آدمی کی خود اپنی ذات ہے، اور اسی طرح اس میں اس کی نابالغ اولاد بھی داخل ہے، ایسے ہی خدمت گار غلام ان سب کی طرف سے فطرہ واجب ہے، بالغ اولاد اور بیوی اس میں داخل نہیں ان پر آدمی کو ولایت تامہ حاصل نہیں ہوتی۔ (بدائع الصنائع: ج:۲، ص:۱۹۹)

❁ ائمہ اربعہ اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر نابالغ اولاد مالدار ہوں تو باپ پر واجب ہے کہ ان کے مال میں سے ان کا صدقۃ الفطر ادا کرے اور اگر مالدار نہ ہوں تو پھر باپ وغیرہ جو بھی ان کا ولی ہو ان کی جانب سے وہ اداء کرے۔ (عمدۃ القاری: ج:٦ ج:٥٧٦)

❁ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیوی کا صدقۃ الفطر شوہر پر واجب ہے، جس طرح خرچہ اس پر واجب ہے اور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیوی کا فطرہ خود اسی پر ہے، جیسا کہ اس کے مال کی زکوۃ خود اسی کے مال میں واجب ہے لیکن اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے ادا کردیا جائے تو جائز اور درست ہے۔ (درمنضود: ج۳، ص:۷۸)

صدقہ فطر کی مقدار:

کشمش، جو، جوار، وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے تو بالاتفاق پورا ایک صاع دینا واجب ہے مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ اگر گیہوں سے ادا کیا جائے تو کتنا دینا لازم ہے اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

❁ ① - **امام مالک، امام احمد و امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک گندم و گیہوں سے بھی پورا ایک صاع ایک آدمی پر واجب ہے۔

دلیل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ان الفاظ سے ہے "كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ إِذَا كَانَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَاعاً مِنْ طَعَامٍ"۔ (ترمذی ج:ص:۱۴۵ تا ۱۴۶) یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صدقہ فطر گیہوں سے ایک صاع دیا کرتے تھے، ان حضرات نے لفظ طعام کو گندم کے معنی پر محمول کیا ہے۔ (معارف ج:۵، ص:۳۰۶)

جواب: ہمارے نزدیک طعام سے مراد گندم نہیں ہے بلکہ جوار یا باجرہ وغیرہ ہے، گندم پر لفظ طعام کا اطلاق اس وقت شروع ہوا جب سے گندم کا استعمال بڑھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں طعام کا لفظ بول کر جوار یا باجرہ وغیرہ مراد لیا جاتا تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ج ۳، ص:۲۹۷۔

❁ ② - **امام ابو حنیفہ، صاحبین و جمہور فقہاء** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک گندم اور گیہوں سے صرف نصف صاع واجب ہے نیز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کشمش میں سے بھی نصف صاع کافی ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۲، ص:۵۸۱)

دلیل: حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں "أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ"۔ (طحاوی ج:ص:۳۵۰)

303- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ الْمَكِّي عَنِ الْمُجَاهِدِ قَالَ مَا سِوَى الْبُرِّ فَصَاعًا

صَاعًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهَذَا نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: گیہوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں صدقہ فطر ایک صاع آئے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

304 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْمَمْلُوكِينَ وَ الَّذِينَ يَؤَدُّونَ الضَّرِيبَةَ زَكٰوةٌ وَلٰكِنْ إِذَا كَانُوا لِلتِّجَارَةِ كَانَتِ الزَّكٰوةُ فِي الْقِيمَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: غلاموں اور کما کرلانے والے غلاموں میں زکوۃ نہیں لیکن اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر ان کی قیمت میں زکوۃ آئے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الضَّرِيبَةَ: ٹکس کی رقم، یعنی مال کی وہ مقررہ مقدار جو آمدنی وغیرہ پر حکومت کو قانونًا دی جاتی ہے۔

غلام میں زکوۃ کا حکم:

لَيْسَ فِي الْمَمْلُوكِينَ وَ الَّذِينَ يَؤَدُّونَ الضَّرِيبَةَ زَكٰوةٌ: غلام اگر خدمت کے لئے ہو تو بالاتفاق اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

اس بارے میں متعدد روایت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً "قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق"۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "انه عليه الصلوة والسلام ليس على المسلم صدقة فى عبده ولا فى فرسه"۔ (بخاری و مسلم)

وَ الَّذِينَ يَؤَدُّونَ الضَّرِيبَةَ زَكٰوةٌ: وہ غلام جس کو تجارت کی اجازت ہے اس پر بھی زکوۃ نہیں ہے۔

اس غلام کی کمائی اپنی نہیں ہوتی ہے بلکہ آقا کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اس پر زکوۃ نہیں آتی۔ اور یہ مال اس کے مالک کی ملکیت میں جائے گا پھر سال گزرنے کے بعد مالک اس کی زکوۃ دے گا۔ (البحر الرائق)

305 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَمْلُوكُونَ لِلتِّجَارَةِ فَالصَّدَقَةُ مِنَ الْقِيمَةِ فِي كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر غلام تجارت کے لئے ہوں تو ان کی قیمت میں دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ آئے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

غلام پر زکوۃ:

غلام اگر خدمت کے لیے ہوں تو ان پر زکوۃ نہیں آتی، لیکن اگر تجارت کے لیے ہوں تو دوسرے اموالِ تجارت کی طرح ان میں بھی زکوۃ آئے گی اور ان کی قیمت لگا کر ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ کے لازم آئیں گے۔

بَابُ زَكٰوةِ الدَّوَابِ الْعَوَامِلِ

کام کاج کرنے والے چوپایوں کی زکوۃ کا باب!

306- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْخَيْلِ السَّائِمَةِ الَّتِي يُطْلَبُ نَسْلُهَا إِنْ شِئْتَ فِي كُلِّ فَرَسٍ دِينَارٌ وَإِنْ شِئْتَ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَإِنْ شِئْتَ فَالْقِيمَةُ ثُمَّ كَانَ فِي كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فِي كُلِّ فَرَسٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةِ وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَلَيْسَ فِي الْخَيْلِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سائمہ گھوڑوں کے بارے میں جن سے افزائش نسل مقصود ہو یہ فرمایا: کہ اگر چاہو تو ہر گھوڑے گھوڑی کے بدلے ایک دینار دے دو اور اگر چاہو دس درہم دے دو، یا اگر چاہو تو (ان کی) قیمت کا اعتبار کرو، پھر ہر دو سو درہم میں پانچ درہم کے حساب سے زکوۃ ادا کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عمل کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک گھوڑوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

لغات: السائمة: جمع سوائم، چراگاہ میں چرنے والے مویشی، فِي كُلِّ فَرَسٍ دِينَارٌ: دِينَارٌ مبتدا اور في كل فرس خبر مقدم ہے۔

307- بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ عَفَوْتُ لِأُمَّتِي عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ.

ترجمہ: ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی امت کے لئے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ معاف کردی ہے۔

308- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا خَيْثَمُ بْنُ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَيْسَ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَلَا فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوۃ نہیں ہے۔

گھوڑوں پر زکوۃ:

وہ گھوڑے جن کا گزارا چارہ اور کٹی پر ہے اور تجارت کے لئے ہیں تو ایسے گھوڑوں پر بالاتفاق زکوۃ واجب ہے۔

وہ گھوڑے جن کا گزارا چرنے پر ہے اور سواری بوجھ ڈھونے اور جہاد کے لئے ہیں تو ان کی زکوۃ بالاتفاق نہیں ہے۔

وہ گھوڑے جن کا گزارا چرنے پر ہے اور دودھ و نسل کے لئے پالے جائیں اور مذکر و مؤنث مخلوط ہوں تو ایسے گھوڑوں کی زکوۃ کے بارے میں کیا حکم ہے اس مسئلہ کے بارے میں **دو مذہب** ہیں:

① - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوۃ واجب ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو ہر ایک گھوڑے کی جانب سے

ایک دینار سالانہ دے دیا کرے اور یا قیمت لگا کر چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا کرے۔

دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی تھی اور ہر گھوڑے کی جانب سے ایک دینار وصول فرمایا کرتے تھے۔(طحاوی ج:اص:۳۴۰)

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو لیا ہے وہ بطور زکوٰۃ نہیں تھا بلکہ بطور نفل کے لئے تھا؛لہذا استدلال درست نہیں ہے۔

۲-ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔(معارف السنن ج:۵،ص:۱۷۸ تا ۱۶۹)

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے تمہارے لئے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ کو معاف کر دیا ہے۔(طحاوی ج: اص: ۳۴۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے،اس لیے اسی پر فتوی مناسب ہوگا۔

309- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْحُمُرِ السَّائِمَةِ زَكٰوةٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سائمہ گدھوں میں زکوۃ نہیں ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گدھے اور خچر میں زکوۃ:

خچر اور گدھے میں زکوۃ نہیں،الا یہ کہ تجارت کے لیے ہوں تو پھر دوسرے اموالِ تجارت کی طرح ان کی قیمت پر بھی زکوۃ آئے گی۔

310- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لَيْسَ فِيمَا عُمِلَ عَلَيْهِ مِنَ الثِّيْرَانِ صَدَقَةٌ وَلَا عَلَى مَا يَكُونُ مِنَ الْإِبِلِ الطَّحَّانَاتِ وَالْعَمَّالَاتِ صَدَقَةٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جن بیلوں سے کام کیا جاتا ہے ان پر زکوۃ نہیں یا جن اونٹوں سے پن چکی یا دوسرا کام لیا جاتا ہے ان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کام کاج کرنے والے جانوروں میں زکوۃ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ،حضرت علی رضی اللہ عنہ ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہ حضرات رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کام کرنے اور بوجھ اٹھانے والے اونٹوں اور ہل چلانے والے بیل میں زکوۃ نہیں ہے،اس لیے کہ زکوۃ مالِ نامی یا تجارت کے مال پر آتی ہے اور ان میں دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں پائی جارہی ہے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ،حضرت قتادہ،امام زہری وغیرہ حضرات رحمۃ اللہ علیہم کے

نزدیک ایسے جانوروں پر زکوۃ آئے گی۔

بَابُ زَکٰوةِ الزَّرْعِ وَالْعُشْرِ

کھیت کی زکوٰۃ اور عشر کا بیان!

اس باب میں عشر کو بیان کریں گے۔ زمین سے جو زرعی پیداوار ہو اس کا دسواں حصہ صدقہ کرنے کو عشر کہتے ہیں۔ یہ قرآن وحدیث ہر دو سے ثابت ہے۔قرآن میں آتا ہے۔﴿وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (البقرہ:267)﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾(الانعام:141)

کتب حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"فیما سقت السماء او العیون وکان عشریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر "۔

عشر کے ادا کرنے کی دو شرطیں ہیں اہلیت ہو یعنی مسلمان ہو محلیت یعنی زمین غیر خراجی ہو، کیوں کہ احناف کے نزدیک عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہوتے۔

کتنے میں عشر آئے گا: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وزن کا کوئی تعین نہیں، صاحبین و دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک پانچ وسق ہونا ضروری ہے۔

جس طرح زکوۃ میں تملیک ضروری ہے اس طرح عشر میں بھی تملیک ضروری ہوگی۔ کہ جس کو دیا ہے وہ اس کا مالک بن جائے۔

زکوۃ کی طرح مردے کے کفن یا مسجد کی تعمیر میں عشر کا دینا بھی جائز نہیں ہوگا۔

311 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ فِي كُلِّ شَيْءٍ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ مِمَّا سَقَتِ السَّمَاءُ وَسُقِيَ سَيْحًا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَلَيْسَ فِي الْخَضِرِ صَدَقَةٌ وَالْخَضِرُ الْبُقُولُ وَالرِّطَابُ وَمَا لَمْ يَكُنْ لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ نَحْوُ: الْبِطِّيخِ وَالْقِثَّاءِ وَالْخِيَارِ وَمَا كَانَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ فَلَيْسَ فِيهِ صَدَقَةٌ حَتَّى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسَاقٍ وَالْوَسْقُ سِتُّونَ صَاعًا وَالصَّاعُ الْقَفِيزُ الْحَجَّاجِيُّ وَرُبُعُ الْهَاشِمِيِّ وَهُوَ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر وہ چیز جسے زمین پیدا کرے اور وہ بارش کے پانی سے سیراب ہو یا بہنے والے پانی سے، اس میں عشر آئے گا اور جو بڑے ڈول یا عام ڈول سے سیراب ہو، اس میں بیسواں حصہ آئے گا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اختیار کرتے تھے۔لیکن ہمارے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں اور سبزیوں سے ترکاریاں اور تر چیزیں مراد ہیں جو ٹھہرتی نہ ہوں جیسے تربوز، کھیرا، ککڑی وغیرہ اور گیہوں، جو، کھجور، کشمش اور ان جیسی چیزوں میں اس وقت تک عشر نہیں آئے گا جب

تک پانچ وسق کی مقدار کو نہ پہنچ جائیں ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع سے حجازی قفیز اور ہاشمی کا ربع مراد ہے جو آٹھ رطل کا بنتا ہے۔

لغات: سَیْحًا: دریاؤں کا بہتا پانی، الغرب: بڑا ڈول، دالیۃ: عام ڈول، البُقُول: بقل کی جمع، سبزیاں، الرِّطاب: تر اشیاء، البِطِّیخُ: تربوز، القِثَّاءُ: ککڑی، الخِیَارُ: کھیرہ۔

زرعی پیداوار میں نصاب:

جن چیزوں میں عشر واجب ہوتا ہے ان کے لئے کوئی خاص مقدار نصاب شرط ہے جیسے زکوۃ کے لئے ہوتا ہے یا نہیں، اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

❁ **امام ابوحنیفہ وامام زفر** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے پیداوار کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے اور کسی خاص پیداوار کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی پیداوار میں ضابطہ کے مطابق عشر واجب ہوگا، چاہے پیداوار کی مقدار بہت کم ہو یا زیادہ ہو، وہ پیداوار باقی رہنے والی ہو جیسے غلہ، اناج یا باقی رہنے والی نہ ہو جیسے ساگ سبزیاں پھل زمین کو نہر وغیرہ کے جاری پانی سے سیراب کیا ہو یا بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو ہر حال میں عشر واجب ہے، یعنی اسکی پیداوار میں سے دسواں حصہ نکال کر زکوۃ کی طرح فقراء کو دینا واجب ہوگا، چنانچہ اگر چالیس کلو غلہ پیدا ہو تو چار کلو دینا واجب ہوگا۔ (معارف السنن ج:۵، ص ۲۰۲)

پیداوار سے مراد: پیداوار سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جس کو زمین میں لوگ عادتاً بوتے ہوں اور وہ پیداوار ہے جس سے مقصود کمائی اور آمدنی کا حصول ہو۔ بانس، لکڑی، گھاس چونکہ ان میں یہ بات نہیں ہے بلکہ ان کو تو زمین سے دور کر کے صاف کیا جاتا ہے لہذا ان میں عشر واجب نہیں ہے ہاں اگر وہ بانس یا گھاس اس قسم کا ہو کہ جس سے کمائی اور آمدنی مقصود ہو تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔ (اللباب ج:اص:۱۴۶)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ **کی دلیل:** "وَاٰتُوا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ" اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے (خیر خیرات) وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو دیا کرو)۔

اس میں زمین کی پیداوار پر جس حق کا ذکر کیا گیا ہے وہ مطلق ہے اور اس میں قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس زمین کی سیرابی نہر یا بارش کے پانی سے ہوتی ہے اس میں عشر لازم ہوتا ہے۔ (طحاوی ج:اص:۳۴۶) اس حدیث میں مقدار کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی پیدا ہوگا اس میں عشر واجب ہوا کرے گا،

❁ **صاحبین اور ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

① - زمین کی پیداوار میں نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے اگر پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اور اگر پانچ

وسق یا اس سے زائد ہو تو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے۔(معارف السنن ج۵،ص ۲۰۲)اور پانچ وسق کی مقدار موجودہ زمانہ میں 9 کوئنٹل 44 کلو 784 گرام ہوتی ہے۔

۲- وہ چیز جو کہ زمین سے پیدا کی گئی ہے بغیر کسی علاج و تدبیر کے ایک سال تک باقی رہنے والی ہو جیسے گیہوں، چاول، وغیرہ، لہذا سبزیاں، پھل، پھول وغیرہ میں انکے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج۶،ص:۵۲۷)

دلیل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ۵ وسق سے کم پیداوار میں زکوۃ اور عشر لازم نہیں ہے۔(ترمذی ج:۱:۱۳۶) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زمین کی پیداوار کا عشر لازم نہیں ہے۔

جواب: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پانچ وسق سے کم کی پیداوار میں عشر ہی واجب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر پانچ وسق سے کم پیداوار ہے تو مصدق (زکوۃ وصول کرنے والا) کو وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے بلکہ مالک اپنے اختیار سے خود ہی فقراء میں تقسیم کر دیا کرے گا۔(مستفاد از ایضاح الطحاوی: ج۳،ص:۱۶۵)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب راجح ہے اور اس میں احتیاط ہے۔(اللباب ج:اص:۱۴۶، معارف السنن ج:۵،ص:۲۰۸)

312- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ قَالَ مَنْسُوخَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے یہ فرمان مبارک ﴿و آتوا حقه يوم حصاده﴾ اور اس کھیتی کا حق اس کے کاٹنے کے دن دو" اس کے بارے میں فرمایا یہ منسوخ ہے۔

313- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي صَخْرَةَ الْمُحَارِبِيِّ عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ: بَعَثَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مُصَدِّقًا إِلَى عَيْنِ التَّمْرِ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ رُبُعَ الْعُشْرِ وَ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِّمَّةِ إِذَا اخْتَلَفُوْا بِهَا لِلتِّجَارَةِ نِصْفَ الْعُشْرِ وَمِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ الْعُشْرَ.

ترجمہ: حضرت زیاد بن حدیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عین التمر نامی جگہ کی جانب عشر وصول کرنے کے لئے بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کے اموال سے ان کے مال کا چالیسواں حصہ لیں اور ذمیوں کے اموال سے بیسواں حصہ لیں اگر وہ وہاں تجارت کے لئے آتے جاتے ہوں اور اہل حرب (دار الحرب کے کافروں) سے دسواں حصہ وصول کریں۔

314- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَبْعَثُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مُصَدِّقًا لِأَهْلِ الْبَصْرَةِ قَالَ: فَأَرَادَنِي أَنْ أَعْمَلَ لَهُ. فَقُلْتُ لَا حَتّٰى تَكْتُبَ لِي عَهْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ الَّذِي كَتَبَ لَكَ فَكَتَبَ لِي أَنْ أَخُذَ مِنْ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ رُبُعَ الْعُشْرِ وَمِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِّمَّةِ إِذَا اخْتَلَفُوْا بِهَا لِلتِّجَارَةِ نِصْفَ الْعُشْرِ وَ

مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ الْعُشْرَ. قَالَ: مُحَمَّدٌ وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ. فَأَمَّا مَا أُخِذَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ زَكوٰةٌ فَيُوضَعُ فِي مَوْضِعِ الزَّكَاةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَمَنْ سَمَّى اللهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا أُخِذَ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَمَنْ أَهْلِ الْحَرْبِ يُوضَعُ مَوْضِعَ الْخَرَاجِ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِلْمُقَاتِلَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اہل البصرہ سے زکوۃ وصول کرنے بھیجا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ میں ان کے لئے عامل بن جاؤں، تو میں نے عرض کیا: میں آپ کے لئے اس وقت تک کام نہیں کرونگا جب تک آپ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وہ عہد نامہ لکھ کر نہ دیں جو انہوں نے آپ کو لکھا تھا تو اس پر انہوں نے مجھے یہ لکھ کر دیا کہ میں مسلمانوں کے مال میں سے چالیسواں حصہ لوں اور ذمیوں کے اموال میں بیسواں حصہ لوں جب وہ وہاں تجارت کے لئے آتے جاتے ہوں اور اہل حرب (حربی کافروں) کے مال میں سے دسواں حصہ وصول کروں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں البتہ مسلمانوں سے جو وصول کیا جائے گا وہ زکوۃ ہوگی اور اسے مصارف زکوۃ یعنی فقراء، مساکین اور اللہ جل جلالہ نے اپنی کتاب میں جن مصارف کا نام لیا ہے، ان میں رکھا جائے گا اور جو اہل ذمہ اور اہل حرب سے لیا جائے گا اسے بیت المال میں خراج کی جگہ لڑنے والی جماعت (مجاہدین اور ان کی جنگی انتظامات) کے لئے رکھ دیا جائے گا۔

زکوۃ، عشر اور خراج کی تعریف، حکم اور ان کے درمیان فرق:

اصطلاح شریعت میں زکوۃ مال مخصوص کا مخصوص اشخاص کو اللہ جل جلالہ کی رضا کیلئے مالک بنانے کا نام ہے، زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس پر جو زکوۃ آتی ہے اس کو عشر کہتے ہیں اور جس زمین کو مسلمان فتح کرنے کے بعد ان کے اصل مالکان کے حوالے کر کے اس کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ ان سے لیں یا اس زمین پر مخصوص ٹیکس عائد کر دیں تو اس کو اصطلاح شریعت میں خراج کہتے ہیں۔

زکوۃ اور عشر کا حکم یہ ہے کہ یہ دونوں مسلمانوں پر فرض ہیں اور خراج ذمیوں پر ایک ٹیکس ہے جو اُن پر لازم ہے۔

عشر زکوۃ ہی کی ایک قسم ہے، لیکن مال تجارت اور سائمہ جانوروں میں مقدار واجب کو زکوۃ کہا جاتا ہے، اور زمین کی پیداوار میں مقدار واجب عشر کہلاتا ہے، زکوۃ کیلئے صاحب نصاب ہونا اور مال پر حولان حول ہونا (سال کا گزرنا) شرط ہے، جبکہ عشر میں دونوں شرطیں نہیں۔ زکوۃ سال میں ایک مرتبہ واجب ہوتی ہے جبکہ عشر جتنی مرتبہ زمین سے پیداوار حاصل ہو اتنی ہی مرتبہ واجب ہوتا ہے۔ دین مانع زکوۃ ہے، لیکن مانع عشر نہیں۔

خراج بھی زکوۃ اور عشر کی طرح وظیفہ مالیہ ہے لیکن زکوۃ اور عشر میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے اور خراج میں عقوبت کا۔ زکوۃ وعشر ابتداء مسلمانوں پر لازم ہے جبکہ خراج ابتداء کافروں پر لازم ہے اور انتہاء مسلمانوں پر بھی لازم ہوسکتا ہے۔

(کما فی خلاصۃ الفتاوی: ۲۳۵/۱، وفی الدر المختار: ۳۲۶/۲)

بَابُ كَيْفَ تُعْطَى الزَّكَاةُ

زکوۃ کیسے دی ادا کی جائے؟

315 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ جُبَيْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّ رَجُلًا أَرَادَ أَنْ يُّعْطِيَ زَكَاةَ أَرْبَعِ مِائَةِ دِرْهَمٍ، فَذَهَبَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ يَدُلُّهُ، فَكَانَ يُعْطِي أَهْلَ الْبَيْتِ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَوْ كُنْتُ أَنَا كَانَ أَنْ أُغْنِيَ بِهَا أَهْلَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ أَحَبُّ إِلَيَّ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ أُعْطِي مِنَ الزَّكَاةِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِائَتَيْنِ وَلَا يُبْلَغُ بِهَا مِائَتَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُغْرَمًا فَيُعْطَى قَدْرَ دَيْنِهِ وَفَضْلَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ إِلَّا قَلِيلًا وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے چار سو درہم کی زکوۃ دینا چاہی چنانچہ رہنمائی کے لئے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے وہ صاحب ایک گھر والوں کو دس درہم دینے لگے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر میں تقسیم کرتا تو مجھے ایک گھر والوں کو بھیک سے بے نیاز کرنا زیادہ پسند تھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں زکوۃ میں دو سو درہم سے کم دیا جائے گا پورے دو سو درہم نہ دیئے جائیں گے الا یہ کہ وہ مقروض ہو تو اس کو قرضہ کے مطابق دیا جائے گا اور دو سو سے کچھ کم، اسے مزید دیے جائیں گے یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کیا ہر مصرف کو زکوۃ دینا ضروری ہے:

❁ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سات قسم کے لوگ زکوۃ کا مصرف ہیں، چنانچہ مالک اگر ان اقسام میں سے ہر ایک کو دیدے تب بھی جائز ہے اور اگر مکمل زکوۃ ایک ہی قسم کے لوگوں کو دیدے یا ایک ہی آدمی کو دیدے تب بھی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۶)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر ایک فقیر کو مقدار نصاب سے زائد دیا جائے کہ زکوۃ کی رقم سے وہ فقیر صاحب نصاب بن جائے، اس طرح زکوۃ دینے سے زکوۃ تو ادا ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ایسا کرنا مقصدِ شریعت کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ زکوۃ سے فقیر کو مالدار بنانا مقصد نہیں ہے بلکہ پیٹ بھرنا مقصد ہے، لیکن اگر فقیر مقروض ہے تو اس کو نصاب سے زائد دینا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس سے مالدار نہ ہوگا بلکہ اپنا قرضہ ادا کرے گا۔

❁ شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک زکوۃ کو ان آٹھوں اقسام پر تقسیم کرنا ضروری ہے بشرطیکہ تمام مصارف و اصناف مال کی جگہ میں موجود ہوں ورنہ جو موجود ہوں ان میں تقسیم کی جائے گی نیز ہر قسم میں کم از کم تین شخصوں کو دینا ضروری ہے۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۲۰۱)

شوافع رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: ﴿انما الصدقات للفقراء﴾، میں "لام" کے ذریعہ جو اضافت ہو رہی ہے وہ بیان استحقاق کے لئے ہے لہذا ہر صنف کو زکوۃ کی ادائیگی ضروری ہوگی اور چونکہ جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور جمع کا اقل فرد تین ہے لہذا ہر قسم کے کم از کم

تین افراد کو زکوۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۶)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت میں "لام" کے ذریعے ہونے والی اضافت بیان مصارف کے لیے ہے پھر چوں کہ "للفقراء" میں تمام قسموں میں الف لام جنسی ہے، اس لیے اس نے ان تمام کی جمعیت کو باطل کر دیا لہذا کسی ایک مصرف کے کم از کم تین فرد کو زکوۃ دینا ضروری نہیں ہوگا۔

بَابُ زَكوةِ الْإِبِلِ

اونٹوں کی زکوۃ کا باب!

316 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : فِي خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ إِلَى تِسْعٍ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى أَرْبَعَ عَشْرَةَ . فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى تِسْعَ عَشْرَةَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إِلَى أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ابْنَةُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَ ثَلَاثِينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا ابْنَةُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَ أَرْبَعِينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِّينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِئَةٍ ، ثُمَّ تُسْتَقْبَلُ الْفَرِيضَةُ فَإِذَا كَثُرَتِ الْإِبِلُ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پانچ اونٹوں سے نو تک ایک بکری ہے، پھر جب ایک بڑھ جائے تو چودہ تک دو بکریاں آئیں گی، پھر جب ایک بڑھ جائے تو انیس تک تین بکریاں آئیں گی، پھر جب ایک اور بڑھ جائے تو چوبیس تک ان میں چار بکریاں آئیں گی، پھر جب ایک اور بڑھ جائے تو پینتالیس تک ایک بنت مخاض آئے گی، پھر جب ایک بڑھ جائے تو ساٹھ تک ایک حقہ آئے گا، پھر جب ایک بڑھ جائے تو پچھتر تک ایک جذعہ آئے گا، پھر جب ایک بڑھ جائے تو نوے تک دو بنت لبون آئینگی، پھر جب ایک بڑھ جائے تو ایک سوبیس تک دو حقے آئیں گے، پھر استیناف ہوگا یعنی سارا فریضہ زکوۃ ابتداء سے (ادا کیا جائے گا) اور جب اونٹ زیادہ ہو جائیں تو ہر پچاس میں ایک حقہ آئے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں، اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

لغات: ابنة مخاض: وہ اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہوگئی ہو، ابنة لبون: وہ اونٹنی جو تیسرے سال میں آگئی ہو، حقة: وہ اونٹنی جو چوتھے سال میں داخل ہوگئی ہو، جذعة: وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہوگئی ہو۔

ایک سوبیس سے زائد اونٹوں کی زکوۃ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک سوبیس کے بعد ایک استیناف ہوگا جو ایک سو پچاس تک چلے گا، ایک سوبیس کے بعد ہر پانچ پر ایک دنبہ یا بکرا آئے گا، جب پچیس ہو جائیں گے تو بنت مخاض آ جائے گی، جب تیس ہو جائیں گے تو یہ ایک سو پچاس ہو گئے لہذا ان پر تین حقے آئیں گے، اس کے بعد پھر استیناف ہوگا اور پانچ پر ایک بکرا، دس پر دو، پندرہ پر تین، بیس پر چار، پچیس پر بنت مخاض، چھتیس پر بنت لبون، چھیالیس پر حقہ، ایک سو چھیانوے سے دو سو تک چار حقے، اس کے بعد پھر استیناف ہوگا جو اس دوسرے استیناف کی طرح ہوگا اور ہر پچاس پر ایک حقہ بڑھتا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک سوبیس کے بعد ہر چالیس میں بنت لبون اور پچاس میں حقہ آتا رہے گا، ایک سو تیس پر دو بنت لبون ایک حقہ، ایک سو چالیس پر دو حقے ایک بنت لبون، ایک سو پچاس پر تین حقے، یعنی جتنے اربعین ہوں گے اتنی بنت لبون اور جتنے خمسین ہوں گے اتنے حقے آئیں گے۔

317 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: فِي مِئَةٍ وَخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ حِقَّتَانِ وَشَاةٌ، وَفِي الثَّلَاثِينَ وَالْمِئَةِ حِقَّتَانِ وَشَاتَانِ، وَفِي خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ وَمِئَةٍ حِقَّتَانِ وَثَلَاثُ شِيَاهٍ، وَفِي أَرْبَعِينَ وَمِئَةٍ حِقَّتَانِ وَأَرْبَعُ شِيَاهٍ، وَفِي خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ وَمِئَةٍ حِقَّتَانِ وَابْنَةُ مَخَاضٍ، وَفِي خَمْسِينَ وَمِئَةٍ ثَلَاثُ حِقَاقٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، ثُمَّ تُسْتَقْبَلُ الْفَرِيضَةُ أَيْضًا فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسِينَ أُخْرَى كَانَتْ فِيهَا حِقَّةٌ، ثُمَّ تُسْتَقْبَلُ الْفَرِيضَةُ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک سو پچیس اونٹوں میں دو حقے اور ایک بکری آئے گی اور ایک سو تیس میں دو حقے اور دو بکریاں آئیں گی، اور ایک سو پینتیس میں دو حقے اور تین بکریاں آئیں گی اور ایک سو چالیس میں دو حقے اور چار بکریاں آئیں گی، اور ایک سو پینتالیس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض آئے گی، اور ایک سو پچاس میں تین حقے آئیں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں اس کے بعد زکوۃ کا حساب از سر نو شروع ہوتا رہے گا اور ہر پچاس پر حقہ بنتا رہے گا، پھر جب ایک اور پچاس تک پہنچ جائیں تو اس میں ایک حقہ لازم ہوگا اور پھر یہ سارا فریضہ زکوۃ از سر نو شروع ہوتا رہے گا، اور یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اونٹوں کی زکوۃ میں استیناف کا حکم:

ایک سوبیس تک کا حساب ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ ایک سوبیس کے بعد اختلاف ہے۔

فائدہ: ایک سوبیس کے بعد نیا حساب چلتا ہے ایک سو پچاس تک اس کو استیناف اول کہتے ہیں پھر ایک سو اکیاون کے بعد

سے دوسو تک نیا حساب چلتا ہے اس کو استیناف ثانی کہتے ہیں۔

مذہب احناف رحمۃ اللہ علیہم:

استناف اول: امام ابوحنیفہ ابوسفیان ثوری، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جب ایک سو میں سے پانچ زائد ہو جائیں یعنی ایک سو پچیس ہو جائیں تو اب دو حقے اور اب بکری واجب ہوگی۔ اس طرح ہر پانچ پر ایک بکری کا اضافہ ہوگا رہے گا۔

جب ایک سو پینتالیس ہو جائیں تو اب دو حقے اور ایک بنت مخاض ہوں گے۔ اور جب ایک سو پچاس ہو جائیں تو اب تین حقے واجب ہوں گے۔

استیناف ثانی: جب اونٹ ایک سو پچاس سے زائد ہو جائیں تو ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہوگی۔ جب ایک سو پچھتر ہو جائیں تو اب تین حقے اور ایک بنت مخاض آئے گا جب ایک سو چھیاسی ہو جائیں تو اب تین حقے اور ایک بنت لبون ہوگی۔ اگر جب ایک سو اونٹ ہو جائیں تو اب چار حقے ہو جائیں گے چھیانوے سے دوسو تک دوسو کے بعد پھر استیناف ثانی کی طرح حساب ہوگا۔

بَابُ زَكوةِ الْغَنَمِ

بکریوں کی زکوۃ کا باب

"غنم" اسم جنس ہے یہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے بعض اہل لغت نے فرمایا: غنم یہ "غنیمة" سے ماخوذ ہے "فکانت غنیمة بکل طالب" کیونکہ بکری کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی چیز نہیں بخلاف اونٹ، گائے وغیرہ کے۔

318 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنَ الْأَرْبَعِينَ مِنَ الْغَنَمِ زَكَاةٌ، فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ فَفِيهَا شَاةٌ إِلَى مِئَةٍ وَعِشْرِينَ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيهَا شَاتَانِ إِلَى مِئَتَيْنِ، فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ عَلَى مِئَتَيْنِ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاءٍ، إِلَى ثَلَاثِ مِئَةٍ، فَإِذَا كَثُرَتِ الْغَنَمُ فَفِي كُلِّ مِئَةٍ شَاةٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: چالیس سے کم بکریوں (بھیڑ، دنبوں) میں زکوٰۃ نہیں ہے جب چالیس ہو جائیں تو ان پر ایک بکری آئے گی، ایک سو بیس تک جب ایک سو اکیس ہو جائیں تو دوسو تک دو بکریاں آتی ہیں پھر دوسو ایک سے تین سو تک تین پھر جب اس سے زیادہ ہو جائیں تو پھر ایک سو پر ایک بکری آتی رہے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

بکریوں کا نصاب:

بکریوں کے نصاب کے بارے میں دو مذاہب ہیں:

- ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم: چالیس بکریوں میں ایک بکری، ایک سوبیس میں دو بکریاں اور دوسو میں تین بکریاں اور چارسو میں چار بکریاں اسی طرح ہرسو پر ایک بکری آتی رہے گی۔
- ابراہیم نخعی، امام شعبی، وغیرہ حضرات رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تین سو ایک میں چار بکریاں ہیں چارسو تک اور پھر چارسو ایک ہوجائیں تو اب پانچ بکریاں ہیں۔

319۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ بَعَثَ سَعْدًا، أَوْ سَعِيدَ بْنَ مَالِكٍ مُصَدِّقًا، فَأَتَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: أَوَلَسْتَ فِي جِهَادٍ؟ قَالَ: وَمِنْ أَيْنَ؟ وَالنَّاسُ يَزْعُمُونَ أَنِّي أَظْلِمُهُمْ، قَالَ: وَمِمَّ ذَلِكَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: تَحْسِبُ عَلَيْنَا السَّخْلَةَ فِي الْعَدَدِ قَالَ: اِحْسِبْهَا وَإِنْ جَاءَ بِهَا الرَّاعِيُّ عَلَى كَفِّهِ، أَوَلَسْتَ تَدَعُ لَهُمُ الْمَاخِضَ، وَالرُّبَّى، وَالْأَكِيلَةَ، وَتَيْسَ الْغَنَمِ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ وَالْمَاخِضُ: الَّتِي فِي بَطْنِهَا وَلَدُهَا، وَالرُّبَّى: الَّتِي تُرَبِّي وَلَدَهَا، وَالْأَكِيلَةُ: الَّتِي تُسَمَّنُ لِلْأَكْلِ، وَإِنَّمَا يَنْبَغِي لِلْمُصَدِّقِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ أَوْسَطِ الْغَنَمِ، وَيَدَعَ الْمُرْتَفِعَ وَالرُّذَّالَ، وَيَأْخُذَ مِنَ الْأَوْسَاطِ الْبَيْنِ فَصَاعِدًا.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعد یا سعید بن مالک رضی اللہ عنہ کو زکوۃ کے وصول کرنے کے لئے بھیجا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جہاد کی اجازت مانگنے آئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم جہاد میں نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کیا: وہ کیسے؟ جب کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان پر ظلم کرتا ہوں، انہوں نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا لوگ کہتے ہیں: کہ آپ بکریوں کے بچے کو بھی شمار کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس (بچے) کو بھی شمار کرو، اگر چہ وہ چرواہا اسے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر ہی کیوں نہ لائے، کیا تم ان کے لئے حاملہ بکری، دودھ پلانے والی بکری، کھانے کے لئے موٹی کی گئی بکری، اور جفتی کے لئے تیار کردہ نر کو نہیں چھوڑتے ہو؟۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر ہی عمل کرتے ہیں "الْمَاخِضُ" مراد وہ جانور ہے جس کے پشت میں بچہ ہو۔ "الرُّبَّى" سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے بچے کو پالے۔ "الْأَكِيلَة" سے مراد یہ ہے جسے ذبح کرنے اور کھانے کے لئے خوب موٹا تازہ کیا جائے، زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ درمیانی قسم کا جانور کے عمدہ اور بالکل ادنی کو چھوڑ دے درمیانی قسم کا یا کچھ معمولی سے اچھا ہو تو اس کو لے لے۔

لغات: السَّخْلَة: جمع سخل وسخال، بکری کا بچہ، تَيْس: بکرا، نر۔

جانوروں کے بچوں پر زکوۃ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اونٹ، گائے، اور بکری کے ایک سال سے کم عمر بچوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر صرف بچے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے، ہاں اگر ان بچوں کے ساتھ بڑے بھی ہوں یعنی ایک سال یا زیادہ کے تو ان میں زکوۃ واجب ہوجائے گی اور باقی بچے ان کے تابع ہو کر نصاب میں شمار ہوں گے البتہ وہ زکوۃ میں نہیں لیے جائیں گے بلکہ زکوۃ میں وہی پوری

بکری یا اس کی قیمت لی جائے گی یہ چھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں مگر زکوۃ کی ادائیگی ان سے درست نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے اور اس قول کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان بچوں میں انھیں کا ایک واجب ہوگا مثلاً بکری کے چالیس بچوں میں ایک بچہ بطور زکوۃ واجب ہوگا یہی قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے طرفین کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔ (شامی ج:۲، ص:۲۶ عینی ج:اص:۱۱۸۴)

نوٹ: زکوۃ وصول کرنے میں زکوۃ وصول کرنے والے کو نہ بہت اعلیٰ لینا چاہیے جس سے مالک کا نقصان ہو اور نہ بالکل معمولی لے جس سے غرباء وفقراء کی حق تلفی ہو، بلکہ درمیانے قسم کا جانور لینا چاہیے۔

بَابُ زَكَاةِ الْبَقَرِ

گائے کی زکوۃ کا باب!

320۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ شَيْءٌ، فَإِذَا كَانَتْ ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ فَفِيهَا تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ إِلَى أَرْبَعِينَ، فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ فَفِيهَا مُسِنَّةٌ، ثُمَّ مَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَلَيْسَ فِي الزِّيَادَةِ عَلَى الْأَرْبَعِينَ شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ الْبَقَرُ سِتِّينَ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتِّينَ كَانَ فِيهَا تَبِيعَانِ أَوْ تَبِيعَتَانِ، وَ التَّبِيعُ: الْجَذَعُ الْحَوْلِيُّ، وَالْمُسِنَّةُ الثَّنِيَّةُ فَصَاعِدًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تیس گایوں سے کم میں کچھ نہیں، جب تیس ہو جائیں تو ان میں چالیس تک ایک تبیع یا تبیعہ آئے گی، پس جب چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک مسنہ ہے، پھر جتنی بڑھتی رہیں گی اسی حساب سے ان میں زکوۃ آتی رہے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سب پر عمل کرتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب چالیس گائے سے زیادہ ہو جائیں تو ان پر اس وقت تک کچھ نہیں آئے گا جب تک ساٹھ نہ ہو جائیں اور جب ساٹھ ہو جائیں گی تو ان میں دو تبیع یا تبیعے آئیں گے تبیع ایک سال سے اوپر کے اور مسنہ دو سال یا اس سے زیادہ والے جانور کو کہتے ہیں۔

تشریح:

- **ائمہ اربعہ اور جمہور علماء** رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گائے بھینس اگر تیس سے کم ہو تو ان پر کوئی زکوۃ نہیں اور تیس پر گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک سال کا ہو زکوۃ میں دینا ضروری ہے اور تیس کے بعد انتالیس تک کچھ بھی نہیں ہے چالیس گائے بھینس میں پورے دو سال کا بچہ دینا ہوگا۔
- **پھر ائمہ ثلاثہ اور صاحبین** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چالیس سے زائد پر مزید کوئی زکوۃ نہیں ہے، یہاں تک کہ عدد ساٹھ تک پہنچ جائے

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب چالیس پر ایک گائے زیادہ ہوگی تو اس زائد پر دوسالہ بچہ کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہونے پر دوسالہ بچہ کا بیسواں حصہ اور تین زائد ہونے پر دوسالہ بچہ کے دسویں حصہ کے تین چوتھائی واجب ہوں گے فتوی صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔(معارف:ج:۵،ص:۱۹۳تا۱۹۴)

جب ساٹھ ہوجائیں تو ایک ایک سال کے دو بچے دیئے جائیں گے، پھر ستر میں ایک ایک سال کا بچہ اور ایک کے دوسال کا بچہ جب اسی ہوجائیں تو دوسال کے دو بچے اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دو سال کا غرضیکہ ساٹھ کے بعد پھر ہر دہائی سے نصاب بدلتا رہے گا دہائی سے کم بڑھے تو زکوۃ میں زیادتی نہ ہوگی، وہی زکوۃ دینی ہوگی جو اس سے پہلے دی جاتی تھی۔

نوٹ: گائے بھینس کے نصاب میں نر و مادہ یعنی بیل، بچھڑا، کٹرا، جھوٹا، بھینسا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

تبیعة اسے کہتے ہیں جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہوگیا ہو اور **مسنہ** اسے کہتے ہیں جو دوسال پورے کر کے تیسرے میں داخل ہوگیا ہو۔

بَابُ الرَّجُلِ يَجْعَلُ مَالَهُ لِلْمَسَاكِينِ

اپنے مال کو مساکین کے لیے وقف کرنے کا باب!

321- قَالَ مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا جَعَلَ الرَّجُلُ مَالَهُ فِي الْمَسَاكِينِ صَدَقَةً فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَا يَسَعُهُ وَيَسَعُ عِيَالَهُ فَلْيُمْسِكْهُ، وَلْيَتَصَدَّقْ بِالْفَضْلِ، فَإِذَا أَيْسَرَ تَصَدَّقَ بِمِثْلِ مَا أَمْسَكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَإِنَّمَا عَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ مِنْ مَالِهِ بِأَمْوَالِ الزَّكَاةِ: الذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَالْمَتَاعِ لِلتِّجَارَةِ، وَالْإِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ السَّائِمَةِ، فَأَمَّا الْمَتَاعُ، وَالرَّقِيقُ، وَالدُّورُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِمَّا لَيْسَ لِلتِّجَارَةِ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَنَاهُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب آدمی اپنے سارے مال کو مساکین کے لئے وقف کر دے تو اسے اتنا مال روک لینا چاہئے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے کافی ہو اور زائد کو صدقہ کر دینا چاہئے پھر جب مزید مال آجائے تو جتنا مال روکا تھا اتنا صدقہ کر دے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا؛ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اموال زکوۃ سونا، چاندی، تجارت کے سامان اونٹ، گائے، چرنے والے بکریوں کو صدقہ کر دے، رہا ساز وسامان، غلام، مکان گھر وغیرہ جو تجارت کے لئے نہیں ہے اس پر ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس نے قسم کھاتے وقت ان کو بھی اس میں شامل کیا ہو۔

مملوکہ چیزوں کو صدقہ کرنے کی نذر:

اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ وہ اپنی مملوکہ چیزوں کو صدقہ کردے گا تو اس پر تمام چیزوں کو صدقہ کرنا لازم ہوگا، لیکن چوں کہ ایسی صورت میں اگر وہ سب مال صدقہ کردے گا تو اس کو یہ نقصان پہنچے گا کہ وہ محتاج اور صدقہ کا مستحق بن جائے گا، اس لیے اس سے کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کی بمقدار روک لو پھر جب اور مال کمالو تو جتنا روکا تھا اتنا صدقہ کردینا۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ نذر مانتا ہے کہ اپنے مال کو صدقہ کردے گا تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ جو اس جنس سے ہے جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، وہ صدقہ کرنا پڑے گا اور دوسرا نہیں۔

كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

مناسك: یہ منسک کی جمع ہے اس لفظ کے لغت میں کئی ترجمے آتے ہیں مثلا، عبادت کرنا، قربانی کرنا، حج کرنا۔

حج کا لغوی معنی واصطلاحی معنی: حج کے لغوی معنی تو مطلقاً قصد وزیارت کرنے کے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں خاص طریقے سے خاص وقت میں خاص شرائط کے ساتھ بیت اللہ کا ارادہ کرنے کو "حج" کہتے ہیں۔

حج کس سال میں فرض ہوا: اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ مثلاً۔

ہجرت سے پہلے فرض ہو چکا تھا مگر یہ قول صحیح نہیں ہے۔

جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ حج مدنی زندگی میں فرض ہوا۔ بعض کے نزدیک 5ھ میں بعض نے 6ھ اور بعض نے 7ھ اور بعض نے 8ھ اور بعض نے 9ھ اور بعض نے 10ھ فرمایا ہے۔

مگر زیادہ تر علماء کی رائے 6ھ اور 9ھ پر ہے۔

حج کا حکم: حج کا فرض ہونے کے بعد کرنا ضروری ہے انکار کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اور حج عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا مردوں اور عورتوں پر بلاخوف فرض عین ہے۔

بَابُ الْإِحْرَامِ وَالتَّلْبِيَةِ

احرام اور تلبیہ کا باب!

322- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: لَمَّا انْبَعَثَ بِهِ بَعِيرُهُ قَالَ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ، لَبَّيْكَ إِلَهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ، غَفَّارَ

الذُّنُوبِ لَبَّيْكَ . قَالَ مُحَمَّدٌ : إِنْ شَاءَ الرَّجُلُ أَحْرَمَ حِينَ يَنْبَعِثُ بِهِ بَعِيرُهُ ، وَ إِنْ شَاءَ فِي دُبُرِ صَلَاتِهِ ، وَ التَّلْبِيَةُ الْمَعْرُوفَةُ إِلَى قَوْلِهِ : وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ، فَمَا زِدْتَ فَحَسَنٌ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ .

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے جب حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے اونٹ نے اٹھایا تو انہوں نے کہا: ترجمہ: اے اللہ میں حاضر ہوں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر خدمت ہوں بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں آپ ہی کے لئے ہیں اور ملک بھی، آپ کا کوئی شریک نہیں، اے معبود برحق میں حاضر ہوں، حاضر ہوں اے گناہوں کے معاف کرنے والے میں حاضر ہوں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر انسان چاہے تو اس وقت احرام کی نیت کر لے جب اس کا اونٹ اسے لے کر کھڑا ہوا اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھنے کے بعد نیت کر لے۔ مشہور تلبیہ "وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ" تک ہے آپ اس میں جتنا تعریف کلمات حمد و ثنا کا اضافہ کرنا چاہیں کر لیں۔

یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مواقیت کی تعداد:

مواقیت میقات کی جمع ہے، یہاں مجازا وہ جگہیں مراد ہیں جہاں سے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں۔

مواقیت کی تعداد پانچ ہے:

① - ذوالحلیفہ: اس زمانہ میں اس کو بئر علی سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ اہل مدینہ اور اس کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، تبوک اردن (جارڈن) وغیرہ سے آنے والوں کے لئے بھی میقات ہے۔

② - ذات عرق: یہ مکہ المکرمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے یہ اہل عراق، ایران، خراسان، افغانستان، ازبکستان، ترکمانستان، قزاقستان، روس اور چین سے خشکی کے راستے سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے اس مقام پر ان لوگوں کے لئے احرام باندھنا لازم ہے۔ (ایضاح المناسک: ص: ۳۹)

③ - جحفہ: یہ مقام مکۃ المکرمہ سے پانچ چھ منزل کے فاصلہ پر ہے اس زمانہ میں یہ مقام ویران سا ہو گیا ہے یہ اہل شام، مصر، سوڈان اور براعظم افریقہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے میقات ہے نیز ملک شام کے بعد ترکستان بلغاریہ، روم، جرمنی، فرانس سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے۔ (ایضاح المناسک: ص: ۳٦)

④ - قرن: یہ مقام مکۃ المکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے یہ اہل نجد اور خلیجی ممالک اور اس طرف سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے۔ (ایضاح المناسک ص: ۳٦)

⑤ - یلملم: یہ مکۃ المکرمہ سے تقریبا تیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے، مسقط، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، سنگاپور، ملیشیا، انڈونیشیا، آسٹریلیا، وغیرہ سے بحری جہاز سے آنے والوں کے

لئے یہ میقات ہے مگر جدہ اس کے محاذ میں پڑتا ہے، اس لئے بحری راستہ سے آنیوالوں کے لئے جدہ میں بھی احرام باندھنا جائز ہے۔
(ایضاح المناسک ص:۳۶)

آفاقی کا بلا احرام میقات سے گزرنا:

ماقبل میں جو مواقیت بیان کئے گئے ہیں ان مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرنا **دو طریقے** سے ہوسکتا ہے:

① - اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر رہا ہے اور آئندہ سامنے کوئی دوسرا میقات بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں بلا احرام اگر اپنے میقات سے تجاوز کر جائے گا تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اس پر ایک قربانی واجب ہوجائے گی۔

② - اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر جاتا ہے اور آگے کوئی دوسرا میقات بھی ہے اور دوسرے میقات سے احرام باندھ لیتا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، مگر دم واجب نہیں اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دم واجب ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی)

اپنے میقات پر آنے سے قبل اپنے گھر یا کسی اور مقام پر احرام باندھنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، حنفیہ وشافعیہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۳۵)

حل اور حرم کی تعریف:

حل: یہ حدود حرم سے باہر اور حدود میقات کے اندر کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے، اس کو حل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حدود حرم کے برخلاف شکار وغیرہ کھیلنا حلال ہے۔

حرم: یہ مکہ المکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور دور تک زمین ہے، اور اس کے حدود پر نشانات لگے ہوئے ہیں ان نشانات کے اندرونی حصہ کو حرم کہا جاتا ہے۔ (ایضاح المناسک: ص:۳۸)

میقات کے اندر رہنے والا احرام کہاں سے باندھے:

جو شخص میقات کے اندر کا رہنے والا ہے اس کے احرام باندھنے کی جگہ حل ہے اور جو شخص مکہ میں موجود ہو خواہ مکہ کا باشندہ ہو یا مکہ میں وقتی طور سے مقیم ہوگیا ہو تو حج کرنیکی صورت میں اس کے احرام باندھنے کی جگہ حرم ہے، اور عمرہ کی صورت میں حدود حرم سے کسی جانب نکل کر حل میں احرام باندھ کر ارکان عمرہ ادا کرے۔

احرام کی حقیقت:

احرام کا مطلب یہ ہے کہ ایک مخصوص، حالت اور مخصوص لباس کے ساتھ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھ لیا جائے، احرام کی جو دو چادریں ہوتی ہیں وہ حقیقت میں احرام نہیں ہے بلکہ ان کو مجازاً احرام کہہ دیتے ہیں۔

جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وہ پہلے غسل کر لے یا وضو کر لے لیکن غسل کرنا افضل ہے، غسل کے بعد احرام کے دو کپڑے ایک کو لنگی کی جگہ پہن لیا جائے اور دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھ لیا جائے وہ دونوں کپڑے خواہ دھلے ہوئے ہوں یا نئے ہوں اور اگر میسر ہو تو اپنے بدن کو خوشبو لگائے پھر دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان الفاظ سے دعاء مانگے اے اللہ! میرا ارادہ حج کرنے کا ہے اس کو میرے لئے آسان فرما، اور میری طرف سے قبول فرما۔

حج افراد:

صرف حج کا ارادہ ہے عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، اور یہ حج افراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ حاضر ہو کر طواف قدوم کر کے احرام کی حالت میں قیام کیا جائے اور یوم النحر کے دن جمرہ عقبہ کی رمی، اس کے بعد احرام کھول دیا جائے اور ایسے حاجی پر کوئی قربانی لازم نہیں ہے، صرف ایک سعی ہے، اور ایک طواف واجب ہے۔

دو رکعت نماز احرام ادا کرنے کے بعد نماز کا سلام پھیرتے ہی متصلا اسی مجلس میں احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھ لیا جائے احرام کی نماز اور احرام کی نیت وتلبیہ کے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہئے، اگر بہت زیادہ فاصلہ ہو جائے گا تو سنت طریقہ سے احرام باندھنے کا جو حکم ہے اس پر عمل نہ ہوگا اور سنت طریقہ کے ثواب سے بھی محروم ہو جائے گا۔

تلبیہ پڑھنا فرض ہے:

بوقت احرام ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا فرض اور شرائط احرام میں سے ہے جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ دخولِ صلوۃ کے لئے شرط ہے اسی طرح حج میں تلبیہ دخول حج کے لئے شرط ہے، لہٰذا اگر تلبیہ نہیں پڑھے گا تو احرام صحیح نہ ہو، اور نہ ہی حج یا عمرہ صحیح ہوگا اور بار بار تلبیہ کا تکرار سنت ہے۔

کیا الفاظِ تلبیہ میں زیادتی کی گنجائش ہے:

تلبیہ کے مذکورہ کلمات "لبیك اللھم لبیك، لبیك لاشریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك لاشریك لك" میں سے کوئی کلمہ کم نہ کیا جائے کیونکہ یہ الفاظ منصوص اور متفق علیہ ہیں مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان الفاظ پر کچھ الفاظ کی زیادتی جائز ہے یا نہیں اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

① - **ائمہ ثلاثہ اور امام محمد** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک الفاظ تلبیہ پر ایسے الفاظ کی زیادتی کی گنجائش ہے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرتے ہوں۔

② - **امام مالک اور امام ابو یوسف** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک الفاظ منصوصہ پر زیادتی مکروہ ہے اس سے گریز کرنا ضروری ہے۔

(معارف السنن ج:۶، ص:۳۱۳)

احرام کی پابندیاں:

تلبیہ پڑھتے ہی محرم ہوجائے گا اب اسے ممنوعات احرام،فحش کلام،لڑائی جھگڑے اور ہمبستری سے بچنا چاہیے، سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔شکار کرنا،عمامہ،ٹوپی،قبہ،جبہ،موذے اور جوتے پہننا ممنوع،سر یا چہرہ ڈھانکنا،خوشبو لگانا،بال مونڈنا یا کاٹنا، ناخن کاٹنا،زعفران یا عصفر سے رنگا کپڑا پہننا منع ہے۔

البتہ حالتِ احرام میں غسل کرنا،سایہ میں بیٹھنا اور پیٹی باندھنا درست ہے،سر اور داڑھی کو خطمی سے نہیں دھوئے گا،کثرت سے تلبیہ پڑھے گا۔

323 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهِ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعَ خِصَالٍ، قَالَ مَا هُنَّ؟ قَالَ رَأَيْتُكَ حِيْنَ أَرَدْتَ أَنْ تُحْرِمَ رَكِبْتَ رَاحِلَتَكَ ثُمَّ اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ أَحْرَمْتَ حِيْنَ انْبَعَثَ بِكَ بَعِيْرُكَ، وَرَأَيْتُكَ إِذَا طُفْتَ بِالْبَيْتِ لَمْ تُجَاوِزِ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ حَتّٰى تَسْتَلِمَهُ وَرَأَيْتُكَ تُلَوِّنُ لِحْيَتَكَ بِالصُّفْرَةِ وَرَأَيْتُكَ تَتَوَضَّأُ فِي النِّعَالِ السِّبْتِيَّةِ، قَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَصْنَعُ ذٰلِكَ كُلَّهُ فَصَنَعْتُهُ قَالَ مُحَمَّدٌ، وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: ایک صاحب نے ان سے اے عبدالرحمن (یہ ابن عمر کی کنیت ہے) میں نے آپ کو چار کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔انہوں نے پوچھا: کہ وہ کیا ہیں۔تو اس آدمی نے کہا: کہ جب آپ نے احرام کا ارادہ کیا تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کیا پھر جب آپ کا اونٹ آپ کو لے کر کھڑا ہوا تو آپ نے احرام کی نیت کی،اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ اس کے استلام سے پہلے اس سے آگے نہیں بڑھے۔اور میں نے آپ کو دیکھا آپ اپنی ڈاڑھی زرد رنگ میں رنگتے ہیں۔اور میں نے آپ کو دیکھا آپ سبتی جوتوں میں ہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میں نے بھی کیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ان سب پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: النِّعَالِ السَّبْتِيَّةِ: وہ جوتے جن پر بال نہ ہو۔

تشریح:

رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعَ خِصَالٍ: اس اثر میں چار مسائل کا ذکر کیا گیا ہے

سواری پہ سوار ہوکر تلبیہ پڑھنا:

رَأَيْتُكَ حِيْنَ أَرَدْتَ أَنْ تُحْرِمَ رَكِبْتَ رَاحِلَتَكَ۔۔الخ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بھی

آتا ہے کہ آپ نے سواری پر سوار ہو کر تلبیہ پڑھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے فورا بعد تلبیہ پڑھا، ہوسکتا ہے جنھوں نے نماز کے فورا بعد کا تلبیہ نہ سنا ہو تو انہوں نے اونٹنی پر سوار ہو کر پڑھا جانے والا تلبیہ پہلی مرتبہ نیتِ احرام والا تلبیہ سمجھا ہو۔

حجرِ اسود اور رکن یمانی کا استلام:

رَأَيْتُكَ إِذَا طُفْتَ بِالْبَيْتِ لَمْ تُجَاوِزِ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ حَتَّى تَسْتَلِمَهُ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ طواف شروع کرنے سے پہلے اور طواف کا ہر چکر پورا ہونے کے بعد حجرِ اسود پر دونوں ہاتھ رکھ کر حجرِ اسود کو چومنا، یا اگر حجرِ اسود کا چومنا ممکن نہ ہو، تو حجرِ اسود کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومنا، یا اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو، تو حجرِ اسود کی طرف ہتھیلیوں سے اشارہ کر کے ہتھیلیوں کو چومنا، "استلامِ حجرِ اسود" کہلاتا ہے، حجرِ اسود کا استلام سنت ہے، لہذا اگر کسی شخص نے طواف کے شروع اور آخر میں استلام کیا اور درمیان میں نہیں کیا، تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کسی نے بالکل بھی استلام نہیں کیا، تو اس سے ثواب میں کمی واقع ہوگی، البتہ طواف صحیح ہو جائے گا۔ (بدائع الصنائع: بیان سنن الحج، 2/339)

طواف کرتے ہوئے جب طواف کرنے والا رکن یمانی پر پہنچے، تو رکن یمانی کو دونوں ہاتھ یا صرف دایاں ہاتھ لگائے، اگر ہاتھ لگانے کی گنجائش نہ ہو، تو دور سے اشارہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح رکن یمانی کو ہاتھ لگانے کے بعد ہاتھ کو بوسہ بھی نہیں دیا جائے گا، رکن یمانی کے استلام کو علماء نے مستحب لکھا ہے، لہذا اگر کوئی رکن یمانی کا استلام نہیں کرتا، تو کوئی حرج نہیں۔ (الھندیة: 1/225، ط: مکتبة رشیدیة)

داڑھی میں خضاب لگانا:

رَأَيْتُكَ تُلَوِّنُ لِحْيَتَكَ بِالصُّفْرَةِ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ داڑھی کے بالوں کو رنگنا جائز ہے، البتہ خالص کالے رنگ کا خضاب لگانا جائز نہیں ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی ممانعت اور سخت وعید آئی ہے، صرف حالتِ جہاد میں دشمن کو مرعوب رکھنے اور اس کے سامنے جوانی اور طاقت کے اظہار کے لیے کالا خضاب استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: "حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنت کی خوش بو بھی نصیب نہ ہوگی"۔ (ابوداؤد (138/8)

البتہ خالص کالے رنگ کے علاوہ دیگر رنگوں کا خضاب لگانا جائز ہے۔ یہی حکم آج کل بازار میں دست یاب بالوں کے جدید کلر (رنگ) کا بھی ہے یعنی خالص سیاہ (کالا) کلر بالوں پر لگانا تو جائز نہیں ہے، البتہ کالے رنگ کے علاوہ دوسرے کلر مثلاً خالص براؤن، سیاہی مائل براؤن یا سرخ (لال) کلر لگانا جائز ہے۔ (الفتاوی الھندیة (359/5)

چپل پہن کر وضو کرنا:

رَأَيْتُكَ تَتَوَضَّأُ فِي النِّعَالِ السِّبْتِيَّةِ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایسی چپلیں پہن کر وضو کر سکتے ہیں جو پاؤں تک پانی پہنچنے

میں رکاوٹ نہ بنیں، اور دباغت دی گئی کھال سے یا مذبوحہ جانور کی کھال سے بنائی گئی چپلوں میں بھی وضو کر سکتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں یہ سب کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے میں بھی کر رہا ہوں۔

بَابُ الْقِرَانِ وَفَضْلِ الْإِحْرَامِ

حج قرآن اور احرام کی فضیلت کا باب!

324 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخْعِي عَنْ أَبِي نَصْرٍ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: إِذَا أَهْلَلْتَ بِالْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ فَطُفْ لَهُمَا طَوَافَيْنِ، وَاسْعَ لَهُمَا سَعْيَيْنِ بِالصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ. قَالَ مَنْصُورٌ: فَلَقِيتُ مُجَاهِدًا وَهُوَ يُفْتِي بِطَوَافٍ وَاحِدٍ لِمَنْ قَرَنَ، فَحَدَّثْتُهُ بِهَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ لَوْ كُنْتُ سَمِعْتُ لَمْ أُفْتِ إِلَّا بِطَوَافَيْنِ، وَأَمَّا بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَا أُفْتِي إِلَّا بِهِمَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جب تم حج اور عمرہ کا احرام باندھو تو ان دنوں کے لئے دو طواف کرو اور صفاء مروہ کے درمیان دو سعی کرو۔ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پھر میری ملاقات حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اس حالت میں ہوئی جب کہ وہ قران کرنے والوں کو ایک طواف کا حکم دے رہے تھے۔ میں نے انہیں یہ حدیث سنائی تو انہوں نے فرمایا: اگر میں نے یہ حدیث پہلے سنی ہوتی تو دو طواف ہی کا فتوی دیتا لیکن آج کے بعد سے میں دو طواف کا ہی فتوی دوں گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

طواف قدوم، طواف زیارت، طواف وداع:

إِذَا أَهْلَلْتَ بِالْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ فَطُفْ لَهُمَا طَوَافَيْنِ: اس میں بیان کیا جا رہا ہے کہ قارون اور طواف اور سعی کرے گا مختصر یہ کہ حج کے اندر تین طواف لازمی اور ضروری ہیں۔

۱- طواف قدوم: مکہ پہنچنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے ہوتا ہے اور یہ سنت ہے۔

۲- طواف زیارت: یہ دس ذی الحجہ کو ہوتا ہے اور یہ حج کا رکن ہے۔

۳- طواف وداع: یہ طواف صدر ہے واپسی کے وقت ہوتا ہے اور اس کا حکم واجب ہے۔

اتنی بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قارن مفرد اور ممتنع جو بھی ہو طواف زیارت اور طواف وداع ایک ہی دفعہ کریں گے قارن کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ طواف قدوم ایک مرتبہ ایک مرتبہ ایک ساتھ کرے گا یا ایک بار یا دو مرتبہ طواف اور دو مرتبہ سعی کریں گے۔ اس میں فقہاء کے **دو مذاہب** ہیں۔

❁ **پہلا مذہب:** امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم ان کے نزدیک ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔

دوسرا مذہب: احناف، حضرت عمر، حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے نزدیک قارن پر دوطواف اور دوسعی لازمی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی مذہب والوں کے متعدد احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو کتب فقہ میں موجود ہیں۔

325 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ طَاوُوسٍ قَالَ: لَوْ حَجَجْتُ أَلْفَ حَجَّةٍ لَمْ أَدَعِ الْقِرَانَ حَتَّى لَقَدْ كُنَّا نَدْعُوهُ الْحَجَّ الْأَكْبَرَ، وَالْحَجَّ الْأَصْغَرَ، وَنَرَى أَنَّ حَجَّ مَنْ لَمْ يَقْرِنْ لَمْ يَكْمُلْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ الْقِرَانُ عِنْدَنَا أَفْضَلُ مِنْ غَيْرِهِ، وَكُلٌّ جَمِيلٌ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اگر ایک ہزار حج بھی کروں تب بھی قران کو نہ چھوڑوں گا حتی کہ ہم تو اسے حج اکبر اور حج اصغر کہا کرتے تھے اور یہ کہ جس نے حج کیا قران نہیں کیا اس کا حج مکمل نہیں ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں ہمارے ہاں قران دوسروں سے افضل ہے ویسے سب ٹھیک اور جائز ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تشریح:

وَالْحَجَّ الأصغر: مطلب یہ ہے کہ قرآن کو حج اکبر، اور افراد اور تمتع کو حج اصغر شمار کرتے تھے، قرآن کو کامل حج اور دوسروں کو ناقص سمجھتے تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے افراد سے منع فرمایا قران سے نہیں ہیں افراد سے منع کرنے سے مراد یہ ہے کہ صرف عمرہ کرنے سے منع فرمایا۔

حج کی اقسام:

حج کی کل تین قسمیں ہیں:

① - حج افراد ② - حج قران ③ - حج تمتع۔

حج افراد: اس کا بیان گزر چکا ہے۔

حج قران: کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ساتھ احرام باندھ لیا جائے اور مکہ المکرمہ پہنچ کر ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے یا میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکہ المکرمہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں یا مکۃ المکرمہ پہنچنے کے بعد طواف عمرہ سے قبل حج کا احرام باندھ لیا جائے اور پھر ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے اور نہ ہی حلق رأس کیا جائے بلکہ اسی حالت احرام میں مکۃ المکرمہ میں قیام کیا جائے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ایک قربانی کرے پھر حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور حج قرآن کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں اور قارن پر دوسعی اور دوطواف لازم ہیں اور کوئی جنایت ہوجائے تو دو جرمانے واجب ہوجائیں گے۔ (ایضاح الطحاوی: ج ۳: ۲۶۴)

حج تمتع: کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچ کر ارکان عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا جائے اس کے بعد مکۃ المکرمہ کے باشندوں کی طرح بغیر احرام کے قیام کیا جائے پھر آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو حدود حرم میں جہاں اپنا قیام ہے وہاں سے حج کا احرام باندھ کر منی کو روانہ ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں آ کر طواف کر کے دوگانہ طواف کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھ کر احرام باندھے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد تمتع کی قربانی کی جائے اس کے بعد حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور تمتع کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے اور اس پر عمرہ کے لئے ایک سعی اور ایک طواف الگ اور حج کے لئے بھی ایک سعی اور ایک طواف الگ سے لازم ہو جاتے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی، ج ۳، ص: ۳۶۱)

کون سا حج افضل ہے؟

حج افراد، حج قرآن، اور حج تمتع تینوں میں سے ہر ایک تمام امت کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ تینوں میں سے کونسا حج افضل اور اولی ہے اس بارے میں **تین مذہب** ہیں:

① - **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے اصل حج افراد ہے اس کے بعد حج قران ہے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

② - **امام احمد** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج تمتع ہے اس کے بعد حج افراد اس کے بعد حج قران ہے۔

③ - **احناف** رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک سب سے افضل حج قران ہے اس کے بعد حج تمتع اور اس کے بعد حج افراد ہے۔

(معارف السنن ج: ۲، ص: ۲۷۳)

حج قران کا طریقہ:

قران کی کیفیت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے احرام باندھ کر دونوں کے ساتھ تلبیہ کہے اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان الفاظ سے دعا مانگے، اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں آپ ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما دیں اور میری طرف سے دونوں کو قبول فرمالیں۔

قارن جب مکۃ المکرمہ میں داخل ہو تو طواف قدوم نہ کرے بلکہ عمرہ کے افعال شروع کر دے چنانچہ پہلے طواف عمرہ کرے اور یہ طواف عمرہ فرض اور رکن ہے اور اس طواف میں اضطباع اور رمل بھی مسنون ہے اور اس طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا بھی واجب ہے، اب وہ عمرہ کے احرام سے فارغ ہو گیا لیکن احرام نہیں کھولے گا، محرم رہے گا، پھر افعال حج شروع کرے چنانچہ مفرد بالحج کی طرح پہلے طواف قدوم کرے اور اس کے بعد سعی کرے۔

قارن جب دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کر چکے تو ایک قربانی کرے، چونکہ اس کو ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرنے کا موقع ملا اس لئے شکرانہ میں ایک قربانی کرنا اس پر واجب ہوجاتا ہے اور قربانی میں یہ اختیار ہے کہ چاہے ایک بکرا یا دنبہ کرے اور یا ایک پوری گائے یا اونٹ کرے اور یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ کرے، پھر حلق کر کے احرام کھول دے اور حج قرآن کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں۔

ذبح کے بعد حلق کر کے کپڑے پہن سکتا ہے، احرام کھل گیا سوائے بیوی کے اب سب چیزیں حلال ہوگئیں، اب مکہ مکرمہ آ کر طوافِ زیارت کرے، طواف زیارت کر کے واپس منی چلا جائے، گیارہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنی ہوگی اور اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوگا، پہلے جمرہ اولی کو سات کنکریاں مارے گا پھر جمرہ وسطی کو پھر جمرہ عقبہ کو، رمی کے بعد دعا مانگے گا، عقبہ کے بعد فورا روانہ ہوجائے گا، اسی طرح بارہ کو بھی تینوں کو کنکریاں مارنا ہیں، تیرہ کا غروبِ آفتاب اگر منی میں رہتے ہوئے ہوجائے تو اس کی کنکریاں بھی مارنا پڑیں گی، اگر اس سے پہلے وہاں سے نکل گیا تو تیرہ کی رمی ضروری نہیں۔

326 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ إِنَّمَا نَهَى عَنِ الْإِفْرَادِ، فَأَمَّا الْقِرَانُ فَلَا يَعْنِي بِقَوْلِهِ: نَهَى عَنِ الْإِفْرَادِ إِفْرَادَ الْعُمْرَةِ.

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے افراد ہی سے منع کیا، اور جہاں تک قران کی بات ہو تو اسے منع نہیں کیا، یہاں افراد سے منع کرنے سے مراد یہ ہے کہ صرف عمرہ کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ دو حج قران اور تمتع سے منع کرتے تھے، کیونکہ ان کے ہاں حج افراد افضل ہے، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کر دی کہ وہ افراد عمرہ (اکیلا عمرہ) سے منع کرتے تھے، اور جب عمرو حج کے ساتھ کیا جائے تو وہ قران یا تمتع ہوگا۔

327 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَلِي بْنِ ابي طَالِبٍ قَالَ تَمَامُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَنْ تُحْرِمَ بِهِمَا مِنْ جَوْفِ دُوَيْرَتِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ مَا عَجَّلْتَ مِنَ الْإِحْرَامِ فَهُوَ أَفْضَلُ إِنْ مَلَكْتَ نَفْسَكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اکمال حج اور عمرہ یہ ہے کہ تم ان دونوں کا احرام اپنے گھر سے باندھو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں احرام جتنا جلدی باندھا جائے گا بہتر ہے بشرطیکہ اپنے اوپر قابو رکھنے والا ہو یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

احرام باندھنے کی افضل جگہ:

اگر محظوراتِ احرام کے ارتکاب کا خدشہ نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ گھر سے احرام باندھ کر چلے تا کہ وہیں سے تلبیہ پڑھنا شروع کردے، وہ سب میقات جہاں جہاں تلبیہ کی آواز پہنچے گی قیامت کے روز اس کے لیے گواہی دیں گے، احرام جتنا طویل ہوگا اتنا اجر ملے گا۔ اگر بالفرض راستے میں روح پرواز کر گئی تو محرم کو حج یا عمرہ جس کا احرام باندھا ہے، اس کا ثواب ملتا رہے گا، لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر قابو نہیں رکھتا، محظورات کے ارتکاب کا ڈر ہے تو اسے میقات سے ہی احرام باندھنا چاہیے تا کہ گناہ گار نہ ہو۔

328- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْخٌ مِنْ رَبِيعَةَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ إِسْحَاقَ الْقُرَشِيِّ قَالَ: إِنَّ الْحَاجَّ مَغْفُورٌ لَهُ، وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ إِلَى انْسِلَاخِ الْمُحَرَّمِ.

ترجمہ: حضرت معاویہ ابن اسحاق قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حاجی کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور اس کے بھی جس کے لیے وہ ماہ محرم ختم ہونے تک استغفار کرے۔

لغات: انسلاخ: سلخ سے ہے جس کے معنی ہیں بکری کی کھال نکالنا، یہاں مطلق خروج مراد ہے۔

محرم ختم ہونے کا مطلب:

إِلَى انْسِلَاخِ الْمُحَرَّمِ: بظاہر محرم ختم ہونے سے مراد یہ ہے کہ حاجی اپنے گھر نہ پہنچ جائے، اس لیے کہ حج کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوتے تھے اور دور دراز والے لوگوں کو گھر پہنچنے میں اتنے دن لگ جاتے تھے۔

329- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ عَائِذٍ الطَّائِيُّ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: حَاجُّ بَيْتِ اللهِ، وَالْمُعْتَمِرُ، وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَفْدُ اللهِ، دَعَاهُمْ فَأَجَابُوهُ، وَيُعْطِيهِمْ مَا سَأَلُوهُ.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حج بیت اللہ کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور اللہ جل جلالہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، اللہ جل جلالہ کے مہمان ہیں اللہ جل جلالہ نے انہیں دعوت دی، تو انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، اور اللہ جل جلالہ انہیں وہ سب کچھ عطا کرے گا جو وہ اس سے مانگیں گے۔

دعا کی قبولیت کے درجات:

حقیقت یہ ہے کہ اجابت کے یقین کے ساتھ جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ رزقِ حلال ہو، گناہوں سے توبہ ہو، یہ ذہن میں رہے کہ دعا کی قبولیت کے **تین درجات** ہیں:

① - جو مانگا وہ مل گیا۔ ② - جو مانگا اس کی بجائے اس سے بہتر اور نفع بخش چیز دے دی جائے۔

③ - دنیا میں دینے کی بجائے آخرت کے لیے ذخیرہ بنالیا جائے۔

لوگ عام طور سے پہلی قسم کو قبولیت سمجھتے ہیں حالاں کہ اللہ جل جلالہ دعائیں ضرور قبول فرماتے ہیں، البتہ چوں کہ وہ عالم الغیب ہیں اور مومنین کے بڑے ہمدرد، رحیم و شفیق ہیں، اس لیے ان کو وہ عطا فرماتے ہیں جو ان کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہو، اس لیے دعا قبول ہونے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہیے، مایوس نہیں ہونا چاہیے، تضرع، عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ مانگتے رہنا چاہیے۔

330 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَالِكٍ الْهَمْدَانِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: خَرَجْنَا فِي رَهْطٍ نُرِيدُ مَكَّةَ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالرَّبَذَةِ رُفِعَ لَنَا خِبَاءٌ فَإِذَا فِيهِ أَبُو ذَرٍّ الْغِفَارِيّ، فَأَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، فَرَفَعَ جَانِبَ الْخِبَاءِ فَرَدَّ السَّلَامَ، فَقَالَ مِنْ أَيْنَ أَقْبَلَ الْقَوْمُ فَقُلْنَا مِنَ الْفَجِّ الْعَمِيقِ، قَالَ فَأَيْنَ تَؤُمُّونَ؟ قُلْنَا الْبَيْتَ الْعَتِيقَ، قَالَ اللهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا أَشْخَصَكُمْ غَيْرُ الْحَجِّ؟ فَكَرَّرَ ذَلِكَ عَلَيْنَا مِرَارًا فَحَلَفْنَا لَهُ فَقَالَ انْطَلِقُوا انْسُكُكُمْ ثُمَّ اسْتَقْبِلُوا الْعَمَلَ.

ترجمہ: حضرت محمد بن مالک ہمدانی اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: ہم ایک جماعت کے ساتھ مکہ کے ارادہ سے نکلے جب ربذہ نامی جگہ پر پہنچے تو ایک خیمہ ہمارے سامنے آیا دیکھا تو اس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ہم ان کے پاس گئے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے خیمہ کا ایک کنارہ ہٹایا سلام کا جواب دیا اور فرمایا: آپ لوگ کہاں سے آرہے ہو؟ ہم نے کہا: بہت دور گھاٹی سے، فرمایا: کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے عرض کیا: بیت عتیق (یعنی بیت اللہ) کا، فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تمہیں حج کے علاوہ کسی اور مقصد نے نہیں نکالا؟ یہ بات انہوں نے ہمیں مکرر سہ کرر مرتبہ کہی، پس ہم نے ان کے سامنے قسم کھالی، پھر انہوں نے فرمایا: جاؤ جا کر حج کرلو پھر از سر نو عمل کرنا۔

حج گناہوں کا کفارہ ہے:

حج سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اب گویا نئی زندگی شروع ہورہی ہے، لہذا از سر نو اعمال شروع ہورہے ہیں، اس لیے حج کے بعد بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے، نیک اعمال میں لگے رہنا اور گناہوں سے بچنا چاہیے تاکہ پاک صاف رہے۔

بَابُ الطَّوَافِ وَالْقِرَاءَةِ فِي الْكَعْبَةِ

طواف اور کعبہ میں قراءت کا باب!

331 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عن حمادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

332 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ رَمَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، الرَّمَلُ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثِ الْأُوَلِ مِنَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَ حِينَ يَبْتَدِئُ الطَّوَافَ حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَيْهِ ثَلٰثَةَ أَطْوَافٍ كَامِلَةٍ، وَ يَمْشِي الْأَرْبَعَةَ الْأَوَاخِرَ مَشْيًا عَلَى هَيْئَتِهِ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کہ پہلے تین چکروں میں رمل حجر سے شروع ہوگا جس وقت طواف حجر سے شروع ہوگا اور حجر اسود کے پہنچنے تک ہوگا، ہم پورے تین چکر اسی طرح لگاتے جائیں گے آخری چار چکروں میں اپنی رفتار کے مطابق چلے گا، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رمل اور اضطباع کا معنی:

عمرۃ القضاء کے موقع پر مشرکین نے کہا تھا مدینہ کے بخار کی وجہ سے مسلمان کمزور ہوگئے ہیں، اہلِ مکہ پہاڑ پر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد کا انتظار کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اضطباع کیا اور شروع کے تین چکروں میں رمل کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح کیا۔

اضطباع کہتے ہیں اوپر والی چادر کو دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔

رمل کہتے ہیں مونڈھے ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ ذرا تیز رفتار چلنا جس طرح مقابلہ کے وقت پہلوان چلتے ہیں۔

اضطباع طواف کے ساتوں چکر میں کرنا سنت ہے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرنا سنت ہے۔

333- مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ أَنَّهُ سَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ مَعَ عِكْرِمَةَ، فَجَعَلَ حَمَّادٌ يَصْعَدُ الصَّفَا وَ لَايَصْعَدُهُ عِكْرِمَةُ، وَ يَصْعَدُ حَمَّادُ الْمَرْوَةَ وَ لَايَصْعَدُهُ عِكْرِمَةُ قَالَ: فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدَ اللهِ أَلَا تَصْعَدُ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ؟ فَقَالَ هٰكَذَا طَوَافُ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ حَمَّادٌ: فَلَقِيتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ إِنَّمَا طَافَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَ هُوَ شَاكٍ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ بِمِحْجَنٍ، فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ لَمْ يَصْعَدْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِقَوْلِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ نَأْخُذُ، يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَصْعَدَ عَلَى الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ، فَيَسْتَقْبِلُ الْكَعْبَةَ حَيْثُ يَرَاهَا، ثُمَّ يَدْعُو، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ انہوں نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ صفا پر چڑھنے لگے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ زیادہ اوپر نہ چڑھے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ مروہ پر چڑھے، عکرمہ نہ چڑھے فرمایا: میں نے عرض کیا: اے عکرمہ! آپ صفا مروہ پر کیوں نہیں چڑھتے تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طواف اسی طرح تھا۔ حضرت حماد

نے فرمایا: پھر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ملا ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیماری کی وجہ سے اونٹنی پر طواف فرمایا تھا۔ ارکان (حجر اسود اور رکن یمانی) کا استلام عصا سے کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی اپنی سواری پر کی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں چڑھے۔ امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ آدمی کو صفا و مروہ پر چڑھنا چاہئے۔ قبلہ رخ ہو اتنا کہ چڑھنے والے کو بیت اللہ نظر آ جائے پھر دعا کریں، اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صفا اور مروہ کی سعی:

صفا اور مروہ دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں جو مسجد حرام سے متصل ہیں جہاں بئر زمزم ہے وہاں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو رکھ کر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھی تھیں اور حضرت ہاجرہ اپنے اندر بہت زیادہ للّٰہیت رکھتی تھیں اور سخت پریشانی کے عالم میں دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر پانی تلاش کر رہی تھیں اللہ جل جلالہ کو ان کا دوڑنا اس قدر پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے تمام امت پر اس عمل کو واجب اور لازم فرما دیا ہے یہ عمل حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے فرض نہیں ہے البتہ حضرات ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک رکن اور فرض ہے۔

حاجی طواف قدوم سے فارغ ہو کر صلاۃ طواف اور دعاء کے بعد آب زمزم پینے کے بعد حجر اسود کا استلام کر کے مسجد حرام سے نکلے اس کے بعد صفاء پہاڑی کے دامن پر کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر اللہ جل جلالہ سے دعائیں مانگے اور تکبیر و تہلیل پڑھ کر سعی شروع کر دے اور جب ہرے کھمبے کے پاس پہنچ جائے تو دوڑنے کے قریب تیز چلے جب مروہ پر پہنچے گا تو ایک چکر مکمل ہو جائے گا پھر اسی طرح مروہ سے صفا پر آئے گا تو دوسرا چکر پورا ہو گا اسی طرح سات چکر مروہ پر جا کر پورے ہو جائیں گے اور آخر میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ جل جلالہ سے مرادیں مانگے اور تکبیر و تہلیل پڑھے۔

صفا و مروہ کے درمیان دو ہرے کھمبے ہیں ان کو میلین اخضرین کہا جاتا ہے، جب سعی کرتے ہوئے ہرے ستون کے پاس پہنچ جائے خوب تیز چلے اور تیز رفتاری کا سلسلہ دوسرے ستون کے بعد چھ ہاتھ تک جاری رکھے، باقاعدہ دوڑنا نہیں چاہئے بلکہ دوڑنے کے قریب تیز چلنا مسنون ہے۔ (ایضاح المناسک: ۱۳۱)

334 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْكَعْبَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِالْقُرْآنِ، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَرَى بِهَذَا بَأْسًا إِذَا فَهِمَ مَا يَقُولُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کعبہ میں پہلی رکعت میں قرآن مجید کی تلاوت کی اور دوسری

رکعت میں "قل ھو اللہ احد" پڑھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جو پڑھ رہا ہے اگر وہ سمجھ میں آ رہا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کعبہ میں نماز پڑھنا:

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کعبہ میں فرض ونفل سب پڑھ سکتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں مطلقا نماز ناجائز ہے، نہ اندر پڑھ سکتے ہیں نہ اس کے اوپر الا یہ کہ سامنے سترہ ہو، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرض جائز نہیں، نفل پڑھ سکتے ہیں۔

امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خود بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے ہر کنارہ میں جا کر دعائیں مانگیں اور کوئی نماز اس میں نہیں پڑھی اور جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ (طحاوی)

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترک صلوٰۃ عدم جواز پر دلیل نہیں بن سکتا۔ (طحاوی ج:اص: ۲۶۴)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت اسامہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے قبلہ کی دیوار کے تین گز کے فاصلہ پر ایک ستون کو اپنے بائیں جانب اور دو کو اپنی دائیں اور تین کو اپنے پیچھے کی جانب کر کے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔ (طحاوی ج:اص: ۲۶۴) اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا انکار ہرگز درست نہ ہوگا۔

بَابُ مَتٰى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ؟ وَالشَّرْطِ فِي الْحَجِّ

تلبیہ کب ختم کیا جائے اور حج میں شرط لگانے کا بیان!

335 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: يَقْطَعُ الْمُحْرِمُ التَّلْبِيَةَ بِالْعُمْرَةِ إِذَا اسْتَلَمَ الْحَجَرَ، وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِالْحَجِّ فِي أَوَّلِ حَصَاةٍ يَرْمِي بِهَا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عمرہ کا احرام باندھنے والا حجر اسود کے استلام کرنے پر تلبیہ پڑھنا موقوف کر دے گا اور حاجی جب جمرہ عقبہ کو پہلی کنکری مارے گا تو اس وقت تلبیہ موقوف کر دے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تلبیہ کب پڑھنا شروع کیا جائے؟ کتنی دفعہ پڑھنا چاہیئے اور تلبیہ پڑھنا کب بند کرے؟

: احرام باندھنے کے وقت سے تلبیہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو عمرہ میں طواف شروع کرنے تک اور حج میں دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے تک جاری رہتا ہے، ان اوقات کے بعد تلبیہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ (معلم الحجاج ۱۰۴)

بعض لوگ احرام بے احرام ہر وقت تلبیہ پڑھتے نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ عمرہ کے طواف اور طوافِ زیارت کے

دوران تلبیہ کا ورد رکھتے ہیں، تو یہ طریقہ خلافِ سنت ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

اور تلبیہ تین بار پڑھنا مستحب ہے جس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ تین بار لگاتار پڑھے اور تلبیہ کے دوران کوئی اور بات چیت نہ کرے۔ (غنیۃ الناسک ۷۴، شامی ۳/۴۹۲ زکریا، البحر الرائق ۲/۳۲۵ کوئٹہ)

يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِالْحَجِّ فِي أَوَّلِ حَصَاةٍ يَرْمِيْ بِهَا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ: امام ابوحنیفہ، امام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عمرہ کا احرام جہاں سے بھی باندھا ہو خواہ میقات سے یا مقام تنعیم سے یا مقام جعرانہ سے ہر حال میں طواف شروع کرتے وقت جب حجر اسود کا استلام کرے گا اس وقت تلبیہ کہنا ختم کر دے گا امام شافعی کا بھی تقریباً یہی مذہب ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا جب طواف شروع کرے گا تب وہ تلبیہ کہنا ختم کرے گا۔ (عمدۃ القاری:21/10)

حضرت حسن بصری، عروہ بن زبیر اور امام مالک وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو حدود حرم میں داخل ہوتے وقت تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا۔ اور اگر مقام جعرانہ یا مقام تنعیم سے احرام باندھا ہے تو مکہ المکرمہ کی آبادی میں داخل ہوتے وقت تلبیہ پڑھنا ختم کرے گا۔

336 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِطُ فِي الْحَجِّ قَالَ: لَيْسَ شَرْطُهُ بِشَيْءٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو حج میں کوئی شرط لگائے فرمایا: اس کا شرط لگانا کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حج میں شرط لگانے کا حکم:

الرَّجُلِ يَشْتَرِطُ فِي الْحَجِّ قَالَ: لَيْسَ شَرْطُهُ بِشَيْءٍ: فقہاء احناف، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے قولِ جدید کے مطابق احرام کی نیت کرتے ہوئے اس طرح شرط لگانا "جہاں پریشانی آئی تو احرام کھول دوں گا" معتبر نہیں ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ حج میں شرط لگانے سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: کیا تمہارے لیے تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کافی نہیں ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام احمد وغیرہ حضرات رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس قسم کی شرط لگانا جائز ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیہ (ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا) نے احرام میں شرط لگانے کا پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دی۔

جواب: جہاں تک سوال میں ذکر کردہ حدیث کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اجازت حضرت ضباعہ بنت زبیر

رضی اللہ عنہما کے ساتھ خاص تھی یا یہ ان کی تسلّی اور اطمینانِ قلب کے لیے تھی، اسی لیے احناف کے نزدیک بھی اطمینانِ قلب کے لیے اشتراط کی گنجائش ہے، لیکن شرط لگانے کی صورت میں بھی حکم وہی رہے گا جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

بَابُ الْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَغَيْرِهَا

اشہر حج وغیرہ میں عمرہ کرنا!

337 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ إِذَا أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ فِي غَيْرِ أَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ أَقَامَ حَتَّى يَحُجَّ، أَوْ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ ثُمَّ حَجَّ فَلَيْسَ بِمُتَمَتِّعٍ، وَإِذَا أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ ثُمَّ حَجَّ، فَلَيْسَ بِمُتَمَتِّعٍ، وَإِذَا اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ أَقَامَ حَتَّى يَحُجَّ فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو غیر اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے پھر حج تک ٹھہرا رہے یا اپنے گھر لوٹ جائے پھر حج کرے تو وہ متمتع نہیں کہلائے گا اور جب اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھے پھر اپنے گھر لوٹ جائے اور حج کرے تو وہ متمتع کہلائے گا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم ان سب کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

اشہر حج کے علاوہ عمرہ ادا کرنے سے متمتع نہیں بنے گا:

تمتع کس کو کہتے ہیں لغت میں تمتع کہتے ہیں نفع اٹھانا ی نفع پہنچانا اور شرعاً تمتع کے معنی ہیں کہ غیر مکی یعنی آفاقی ایک سال کے حج کے مہینوں میں ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کو (یعنی حج اور عمرہ) کو جمع کرنے کا فائدہ اٹھائے اور عمرہ کا احرام کھول کر اپنے اہل وعیال یعنی اپنے وطن واپس نہ جائے اس تعریف سے متمتع وہ ہوا کہ جو حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج ادا کرے عمرہ کے طواف کے سات چکر نہ سہی تو کم از کم اکثر حصہ یعنی چار یا چار سے زیادہ چکر حج کے مہینے میں ہو۔ (بدائع الصنائع)

اور اس اثر بالا میں جب اس نے عمرہ غیر اشہر الحج میں ادا کیا تو اب متمتع کی تعریف ہی نہیں پائی گئی اس لئے اس شخص کو متمتع نہیں کہا جائے گا۔

338 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ ذَلِكَ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ هَدْيٌ بِمُتْعَتِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَذَلِكَ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى "ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ".

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ والے کے بارے میں فرمایا: کہ وہ اشہر حج میں عمرہ کرلے پھر اسی سال حج کرے تو اس پر تمتع کی وجہ سے ہدی لازم نہیں آئے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہ اس

لئے کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾۔

اہل مکہ کے لیے نہ تمتع ہے نہ قران:

اہلِ مکہ کے لیے نہ تمتع ہے نہ قران، اس لیے کہ حدیث میں ذکر کردہ آیت کے مطابق تمتع اس کے لیے جائز ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو، قران اس لیے جائز نہیں کہ اس صورت میں دونوں عبادتوں (عمرہ اور حج) میں سے ایک میں خلل لازم آئے گا، اس لیے کہ اگر ان دونوں کو حرم میں جمع کیا تو عمرہ کے احرام کی شرط نہیں پائی جائے گی اس لیے کہ مکی کے لیے عمرہ کے احرام کا میقات حل ہے، اور اگر دونوں کا احرام حل سے باندھتا ہے تو میقات حج میں خلل پڑے گا اس لیے کہ اس کا میقات حرم ہے۔ اگر کسی مکی نے تمتع یا قران کرلیا تو اس پر دمِ جبر آئے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اہلِ مکہ تمتع کر سکتے ہیں، قران نہیں کر سکتے۔

متمتع عمرہ کرکے اپنے شہر لوٹ گیا:

متمتع اگر عمرہ کر کے اپنے شہر لوٹ گیا اور ہدی اس کے ساتھ نہ ہو تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا، اس لیے کہ تمتع کا مطلب ہے ایک سفر میں حج و عمرہ دونوں کو جمع کرنا اور اس نے دونوں کے لیے مستقل سفر کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں گھر جانے سے تمتع باطل نہیں ہوتا۔

عمرہ کے طواف کا اکثر حصہ اشہر حج میں ادا کیا:

اگر کوئی شخص اشہر حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھے اور طواف کے چار سے کم شوط کرلے، پھر اشہر حج داخل ہو جائیں اور باقی چار شوط اشہر حج میں کرے اور حج کا احرام باندھے تو وہ متمتع کہلائے گا، لیکن اگر اشہر حج سے پہلے عمرہ کے چار یا اس سے زیادہ شوط ادا کر لیے، پھر اسی سال حج کیا تو متمتع نہ ہوگا، اس لیے کہ عمرہ کا اکثر حصہ اشہر حج سے پہلے کیا ہے۔

اشہر حج: شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے کہلائے جاتے ہیں۔

339 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقْدَمُ مُتَمَتِّعًا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَلَا يَطُوفُ حَتَّى يَدْخُلَ شَوَّالُ قَالَ: هُوَ مُتَمَتِّعٌ لِأَنَّهُ طَافَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ عُمْرَتُهٗ فِي الشَّهْرِ الَّذِي يَطُوفُ فِيهِ، وَلَيْسَ فِي الشَّهْرِ الَّذِي يُحْرِمُ فِيهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جو رمضان کے مہینے میں متمتع بن کر آئے۔ اور وہ طواف نہ کرے یہاں تک کہ شوال کا مہینہ داخل ہو جائے فرمایا: وہ متمتع ہے۔ اس لئے کہ اس نے طواف اشہر حج میں کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو ہی اختیار کرتے ہیں اس کا عمرہ اس مہینے میں شمار کیا جائے گا جس میں وہ طواف کرے اور اس مہینے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس میں وہ احرام باندھے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

رمضان میں عمرہ کا احرام باندھ کر طواف شوال میں کرنا:

فَلَا یَطُوفُ حَتّٰی یَدْخُلَ شَوَّالُ: کہ وہ طواف نہیں کرتا یہاں تک کہ شوال کا مہینہ داخل ہو جائے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول یہ ہے کہ جس نے عمرہ کا احرام اشہر الحج سے پہلے باندھا مگر طواف اس نے شوال میں چار یا اس سے زائد یعنی اکثر طواف کا حصہ شوال کے مہینہ میں کرے پھر حج کا احرام باندھ لیا تو وہ شخص متمتع ہو جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی نے عمرہ کے احرام سے حلال اشہر حج میں ہوا گرچہ عمرے کا تمام طواف اس نے اشہر الحج سے پہلے ہی کر لیا ہو۔ پھر وہ متمتع ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید یہ ہے کہ جس آدمی نے احرام عمرہ اشہر الحج میں باندھ لیا اگرچہ طواف اشہر الحج میں کرے تب بھی وہ تمتع نہیں ہوگا۔

340 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَفُوتُهُ صَوْمُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ قَالَ عَلَيْهِ الْهَدْيُ، لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَوْ أَنْ يَبِيعَ ثَوْبَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو ایام حج میں تین روزے نہ رکھ سکے فرمایا: اس پر ہدی لازم ہوگی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں خواہ اس کے لئے اسے اپنے کپڑے کیوں نہ بیچنے پڑیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

اگر قارن یا متمتع قربانی پر قادر نہ ہو:

اگر متمتع یا قارن کے پاس دم تمتع یا قران نہ ہو تو اسے دس روزے رکھنا ہوں گے اس لیے کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ - تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ (سورۃ البقرہ، 196) یعنی اور جس کسی کو میسر ہی نہ آئے وہ تین دن کے روزے زمانہ حج میں رکھ ڈالے اور سات روزے جب تم واپس ہو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔

تین روزے حج سے پہلے رکھے گا، ان روزوں کو بالکل اخیر میں رکھے گا یعنی سات، آٹھ اور نو ذوالحجہ کو، مؤخر اس لیے کرے گا تاکہ ہوسکتا ہے ہدی پر قادر ہو جائے، لیکن اگر کوئی شخص اس سے پہلے رکھ لے تب بھی جائز ہے آخری دنوں میں رکھنا افضل ہے، اگر حج سے پہلے تین روزے نہ رکھ سکے اور یوم النحر آ جائے تو اب دم تمتع یا قران ہی دینا ہوگا، روزہ بعد میں نہیں رکھ سکتا۔

اگر پہلے تین روزے رکھ لیے ہوں تو ایام تشریق گزرنے کے بعد جب گھر چلا جائے تو سات روزے رکھے، لیکن احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر مکہ مکرمہ میں ہی رکھ لیے تب بھی جائز ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک ایام تشریق گزرنے کے بعد گھر لوٹ کر ہی

روزے رکھے گا،اس سے پہلے نہیں رکھ سکتا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ "سبعة اذا رجعتم " سے مراد ہے اعمالِ حج سے فارغ ہونا،لہذا فارغ ہونے کے بعد روزے رکھ سکتا ہے خواہ گھر نہ بھی گیا ہو۔

341۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَجُوزٍ مِنَ الْعَتِيكِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ لَا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِي أَيِّ السَّنَةِ شِئْتَ مَا خَلَا خَمْسَةَ أَيَّامٍ يَوْمَ عَرَفَةَ، وَيَوْمَ النَّحْرِ، وَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: عَشِيَّةُ عَرَفَةَ، فَأَمَّا غَدَاةُ عَرَفَةَ فَلَا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِيهَا۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پانچ دن یعنی یوم عرفہ، یوم النحر ،اور ایام تشریق کے علاوہ سال کے جن دنوں میں چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں البتہ ہم نویں ذی الحجہ کی شام کو عمرہ سے منع کرتے ہیں نویں ذی الحجہ کی صبح کو وہ عمرہ کر سکتا ہے۔

عمرہ کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں:

اس پر اجماع ہے کہ عمرہ کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں،جس کے گزرنے کی وجہ سے وہ فوت ہو جاتا ہو،عمرہ سال میں پانچ دن کے علاوہ جب چاہے کر سکتے ہیں،حضرت عائشہ کی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے ان پانچ دن میں عمرہ کرنا منع ہے۔

ان پانچ دنوں میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے پہلے سے احرام باندھا ہے جیسے قارن اور وہ حج نہ کر سکا،وقوف عرفات نہ پا سکا تو اس کے لیے ان دنوں میں عمرہ کرنا درست ہے۔

ان پانچ دنوں میں عمرہ کرنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ ایام حج کے لیے متعین ہیں،امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نویں ذی الحجہ (عرفہ کے دن) زوال سے پہلے عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے،اس لیے کہ وقوف عرفات کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

عمرہ واجب ہے یا سنت؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمرہ واجب ہے،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے اور احناف میں سے بعض کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے،لیکن راجح یہ ہے کہ عمرہ واجب نہیں بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

(اوجز المسالک ج:3ص:389)

بَابُ الصَّلٰوةِ بِعَرَفَةَ وَ جَمع

عرفات اور مزدلفہ میں نماز پڑھنے کا بیان!

342۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا صَلَّيْتَ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي رَحْلِكَ فَصَلِّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الصَّلَاتَيْنِ لِوَقْتِهَا، وَ لَا تَرْتَحِلْ مِنْ مَنْزِلِكَ حَتَّى تَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهَذَا كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى، فَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِنَّهُ يُصَلِّيْهَا فِي رَحْلِهِ كَمَا يُصَلِّيْهَا مَعَ الْإِمَامِ، يَجْمَعُهُمَا جَمِيعًا بِأَذَانٍ وَ إِقَامَتَيْنِ لِأَنَّ الْعَصْرَ إِنَّمَا قُدِّمَتْ لِلْوُقُوفِ وَ كَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ وَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، وَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ وَ عَنْ مُجَاهِدٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے دن اپنے خیمے میں نماز پڑھو تو (ظہر اور عصر) دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت پر پڑھو اور نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی جگہ سے کوچ مت کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر عمل کرتے ہیں لیکن ہمارا قول یہ ہے کہ خیمہ میں بھی دونوں نمازوں کو ایک ساتھ اسی طرح پڑھے گا جس طرح امام کے ساتھ دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھتا ہے اس لئے کہ عصر کی نماز کو وقوف عرفات کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ اسی طرح کا قول ہمیں ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کا بھی پہنچا ہے۔

عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کی حیثیت:

حج کے موقع پر دو مرتبہ جمع بین الصلوتین مشروع ہے، ایک تو عرفات میں جمع بین الظہر والعصر جمع تقدیم، اور دوسرے مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء جمع تاخیر، پھر احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلوتین مسنون ہے اور مزدلفہ میں واجب، جبکہ دوسرے حضرات کے نزدیک مزدلفہ میں بھی مسنون ہے واجب نہیں۔ (فتح الملہم، ج:3، ص:287)

عرفات میں جمع تقدیم کی شرائط:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عرفات میں جمع تقدیم کی چھ شرائط ہیں،

۱- احرام حج، ۲- تقدیم الظہر علی العصر، ۳- الوقت والزمان، یعنی یوم عرفہ اور زوال کے بعد کا وقت،

۴- مکان، یعنی وادئ عرفات یا اس کے آس پاس کا علاقہ،

۵- دونوں نمازوں کا باجماعت ہونا، ۶- امام اعظم یا اس کے نائب ہونا۔ (معارف السنن، ج:6، ص:451)

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک شروع کی چار شرائط کافی ہیں، آخری دو شرائط ضروری نہیں۔

(المغنی لابن قدامہ ج:3،ص:407)

عرفات میں جمع بین الصلوتین کی صورت میں اذان اور اقامت کی تعداد:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلوتین ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ایک ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عرفات کی جمع بین الصلوتین دو اذانوں اور دو اقامت کے ساتھ ہوگی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ عرفات کی جمع بین الصلوتین بغیر اذان کے دو اقامتوں کے ساتھ ہوگی۔(معارف السنن، ج:6، ص:452)

343 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ إِذَا صَلَّيْتَهُمَا بِجَمْعٍ صَلَّيْتَهُمَا بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ، وَإِنْ تَطَوَّعْتَ بَيْنَهُمَا فَاجْعَلْ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ إِقَامَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى، وَلَا يُعْجِبُنَا أَنْ يَتَطَوَّعَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مزدلفہ میں نماز کے بارے میں مروی ہے فرمایا: اگر تم انہیں (مزدلفہ) میں پڑھو تو ایک اقامت کے ساتھ پڑھو گے اگر دونوں (یعنی مغرب اور عشاء) کے درمیان نفل پڑھیں تو پھر ہر ایک کے لئے الگ الگ اقامت کہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا؛ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان سنن و نوافل پڑھنا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

مزدلفہ میں جمع تاخیر کی شرائط:

مزدلفہ میں حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جمع تاخیر کی درج ذیل شرائط ہیں:

①-احرام حج، ②-تقدیم الوقوف بعرفات، ③-زمان مخصوص یعنی لیلۃ النحر،

④-وقت مخصوص یعنی عشاء، ⑤-مکان مخصوص یعنی مزدلفہ۔

مزدلفہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی امام یا نائب اور جماعت کی شرط نہیں۔(المغنی ج:3،ص419)

مزدلفہ میں اذان و اقامت کے عدد سے متعلق اقوال:

مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کی صورت میں اذان و اقامت کی تعداد کے بارے میں **چار اقوال مشہور** ہیں:

①-ایک اذان اور ایک اقامت، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

②-ایک اذان اور دو اقامتیں، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے۔

③-دو اذانیں اور دو اقامتیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

④-دو اقامتیں بغیر اذان کے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

(معارف السنن، ج:6، ص:451)

344-مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَخْرُجُ يَوْمَ عَرَفَةَ مِنْ مَنْزِلِهِ، وَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ التَّعْرِيفُ يَصْنَعُهُ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ مُحْدَثٌ إِنَّمَا التَّعْرِيفُ بِعَرَفَاتٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ نویں ذی الحجہ کو اپنی جگہ سے نہیں نکلتے تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لوگ عرفہ کے دن جو تعریف (یعنی دوسرے علاقوں والے عرفات والوں کے مشابہت اختیار کرتے ہیں) یہ کچھ نہیں وقوف صرف عرفات میں (عبادت) ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں۔

عرفات سب وقوف کی جگہ ہے:

حدیث میں "تعریف" کا مطلب ہے میدانِ عرفات میں جانا۔

ظہر وعصر پڑھ کر امام اور سارے لوگ موقف چلے جائیں گے، میدانِ عرفات میں جہاں چاہیں وقوف کریں، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفات سب وقوف کی جگہ ہے، بطنِ عرنہ سے دور رہو اور مزدلفہ سب ٹھہرنے کی جگہ ہے، وادیٔ محسر سے دور رہو۔

عرفات پر چڑھنا:

جبلِ عرفات پر چڑھنا کوئی عبادت نہیں، عوام اسے عبادت سمجھ کر زیادہ اوپر چڑھتے ہیں، اسی طرح حج کے علاوہ کسی اور جگہ عرفہ کے دن جمع ہونا اور دعا کرنا، عبادت کرنا بے اصل ہے، وقوفِ عبادت صرف میدانِ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو کرنا ہے۔

بَابُ مَنْ وَاقَعَ أَهْلَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ

حالت احرام میں بیوی سے ہمبستری کرنے والے کا بیان!

345 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رَفِيعٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا آتَاهُ فَقَالَ إِنِّي قَبَّلْتُ امْرَأَتِي وَ أَنَا مُحْرِمٌ، فَحَذَفْتُ بِشَهْوَتِي فَقَالَ: إِنَّكَ لَشَبِقٌ أَهْرِقْ دَمًا وَ تَمَّ حَجُّكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا يَفْسُدُ الْحَجُّ حَتَّى يَلْتَقِيَ الْخِتَانَانِ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَ كَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے

حالت احرام میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا اور میں نے اپنی شہوت کو دبا لیا فرمایا: تم بہت شہوت والے ہو ایک جانور ذبح کرو اور حج پورا کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں حج اس وقت تک فاسد نہ ہوگا جب تک شرم گاہ آپس میں نہ مل جائیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح ہم کو عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت پہنچی ہے۔

احرام کی حالت میں بوسہ لینا:

احرام کی حالت میں بوسہ لینا یا شہوت کے ساتھ چھونا موجبِ دم ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو، بلا شہوت چھونا موجبِ دم نہیں۔

346۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: إِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا يُفِيضُ مِنْ عَرَفَاتٍ فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ، وَ يَقْضِي مَا بَقِيَ مِنْ حَجِّهِ، وَ تَمَّ حَجُّهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر عرفات سے واپسی کے بعد ہمبستری کی تو اس پر ایک اونٹ لازم آئے گا اور باقی ماندہ افعال (حج) پورا کرے اس کا حج ہو گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو پسند کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

347۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: إِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا يَفِيضُ مِنْ عَرَفَاتٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ، وَ يَقْضِي مَا بَقِيَ مِنْ حَجِّهِ، وَ عَلَيْهِ الحَجُّ مِنْ قَابِلٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا الْقَوْلِ، وَالْقَوْلُ مَا قَالَ فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر عرفات سے واپسی ہونے کے بعد ہمبستری کی تو اس پر دم لازم آئے گا۔ اور باقی ماندہ افعال (حج) پورے کرے گا اور آئندہ سال حج کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس قول کو پسند نہیں کرتے، اور بات وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔

وقوفِ عرفہ سے پہلے یا بعد جماع کرنا:

اگر وقوف عرفہ سے پہلے کوئی شخص جماع کرلے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور اس پر ایک بکری آئے گی اور باقی ماندہ افعال پورے کرے گا اور آئندہ سال اس حج کی قضاء کرے گا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اونٹ واجب کرتے ہیں۔

اور جو شخص وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے گا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا البتہ اس جنایت کی وجہ سے اس پر ایک اونٹ ذبح کرنا لازم ہوگا، اگر حلق کرانے کے بعد جماع کیا تو ایک دنبہ یا بھیڑ بکری دینا ہوگی۔

348۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَنْ قَبَّلَ وَ هُوَ مُحْرِمٌ فَعَلَيْهِ دَمٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ إِذَا قَبَّلَ بِشَهْوَةٍ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے حالت احرام میں بوسہ لیا اس پر دم لازم ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو

اختیار کرتے ہیں اگرچہ بوسہ شہوت کے ساتھ ہو، اور یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بَابُ مَنْ نَحَرَ فَقَدْ حَلَّ

جس نے ذبح کرلیا تو وہ حلال ہو گیا!

349۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ فِي الْمُتَمَتِّعِ إِذَا نَحَرَ الْهَدْيَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا حَلَقَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ تَحِلَّ لَهُ النِّسَاءُ خَاصَّةً حَتَّى يَزُورَ الْبَيْتَ فَيَطُوفَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ وَأَمَّا غَيْرَ النِّسَاءِ وَالطِّيبِ فَقَدْ حَلَّ ذَلِكَ لَهُ إِذَا حَلَقَ رَأْسَهُ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے متمتع کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے جب یوم النحر میں ہدی کو ذبح کرلیا تو وہ حلال ہو گیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر حلق کرلیا ہو مگر اس کے لئے عورت اس وقت تک حلال نہ ہو گی جب تک طواف زیارت نہ کرلے عورتوں کے علاوہ باقی چیزیں مثلاً خوشبو وغیرہ، سر منڈانے کے بعد طواف بیت اللہ سے پہلے ہی حلال ہو جاتی ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

ہدی ذبح کرنے کے بعد حلال ہو جائے گا:

جب حاجی دسویں تاریخ کورمی کے بعد ذبح کر کے سر منڈالے گا تو اب اس کے لیے سلے ہوئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا وغیرہ سب جائز ہو گیا، البتہ طوافِ زیارت سے پہلے جماع اور اس کے دواعی ممنوع ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص بوسہ لے لے یا ہمبستری کرلے تو اس پر ایک بکری یا دنبہ آتا ہے۔

بَابُ مَنِ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَالْحَلْقِ

حالت احرام میں پچھنے لگوانے اور سر منڈانے کا بیان!

350۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو السَّوَّارِ عَنْ أَبِي حَاضِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَكِنْ لَا يَنْبَغِي لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَحْلِقَ شَعَرًا إِذَا احْتَجَمَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابو حاضر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت احرام میں پچھنے لگوائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔ لیکن محرم اگر پچھنے لگوائے تو اسے بال نہیں مونڈنا چاہئے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حالت احرام میں پچھنا لگوانا:

حالتِ احرام میں پچھنا (حجامہ/سینگی) لگوانا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام میں پچھنا لگوایا تھا، البتہ اگر پچھنے لگواتے ہوئے بال اتریں تو اس صورت میں فدیہ (ایک بکری، تین دن کے روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا) دینا لازم ہوتا ہے، ورنہ کوئی حرج نہیں۔

تفصیل:

جواز: صحیح بخاری اور مسلم کی احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے احرام میں سینگی (پچھنا) لگوائی تھی۔

فدیہ کی شرط: اگر پچھنا لگوانے کے دوران بال اتریں (جیسے سر کے بال)، تو یہ بال کٹوانے کے حکم میں شامل ہوگا اور اس کا فدیہ دینا ضروری ہوگا۔

اجرت: پچھنا لگانے والے کو اجرت دینا بھی جائز ہے اور یہ حرام نہیں ہے۔

خلاصہ:

اگر کوئی شخص احرام میں ہے اور اسے کو پچھنے لگوانے کی ضرورت پیش آئے، تو لگوا سکتا ہے، لیکن احتیاط کرے کہ اس میں بال نہ اتریں، ورنہ فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔

351 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ الرَّأْسَ مِنَ النِّسَاءِ فَهُوَ أَفْضَلُ، وَ الْحَلْقُ لِلرِّجَالِ أَفْضَلُ، يَعْنِي فِي الْإِحْرَامِ وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَمَا أُحِبُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْخُذَ أَقَلَّ مِنَ الْأَنْمُلَةِ مِنْ جَوَانِبِ رَأْسِهَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عورتیں بال کتروائیں یہ افضل ہے اور مردوں کے لئے حلق (سر منڈانا) افضل ہے یعنی احرام کی حالت میں ہم اس کو پسند کرتے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ میں عورتوں کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے سر کے بالوں کے کناروں سے پورے سے کم کاٹیں۔

حلق اور قصر کی تفصیل:

عمرے یا حج کے احرام سے نکلنے کے لیے آخری عمل "حلق" یا "قصر" ہے، افضل یہ ہے کہ مرد حضرات پورے سر کے بال منڈوائیں اسے "حلق" کہا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص حلق نہیں کروانا چاہتا تو کم از کم چوتھائی سر کے بال ایک پورے کی مقدار قصر کرنا (کاٹنا) ضروری ہے، سر کے جس حصے سے بھی چوتھائی سر کی مقدار ایک پورے کے بقدر بال کاٹ دیے تو احرام سے حلال ہوجائے گا۔ البتہ قصر کی صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ پورے سر کے بال کم از کم ایک پورے کے برابر کاٹے۔ چوتھائی سر سے کم اور ایک پورے کی لمبائی سے کم مقدار بال کاٹنا عمرہ یا حج کے احرام سے حلال ہونے کے لیے کافی نہیں ہوگا؛ لہٰذا اگر کسی مرد کے بال پہلے سے ایک پورے سے چھوٹے ہوں تو ایسی صورت میں قصر کی اجازت نہیں ہوگی، بہرصورت حلق ہی کرانا ہوگا۔

واضح رہے کہ مردوں کے لیے قصر (یعنی بال کتروانے) کے مقابلہ میں حلق (یعنی پورے سر کے بال منڈوانا) زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے سر مبارک کا حلق فرما کر ارشاد فرمایا: "رحم اللہ المحلقین"، یعنی اللہ

جل جلالہ سرمنڈانے والوں پر رحم فرمائیں، توصحابہ نے عرض کیا کہ: "اے اللہ کے رسول! سر کے بال کتروانے والوں پر بھی رحمت ہو"، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ: "رحم الله المحلقين"، توصحابہ رضی اللہ عنہم نے دوبارہ مقصرین یعنی کتروانے والوں کے لیے دعا کی درخواست کی، مگر آپ نے تیسری مرتبہ بھی حلق کرنے والوں ہی کے لیے دعا فرمائی اور چوتھی مرتبہ میں مقصرین کو دعا میں شامل فرمایا۔

(صحیح البخاری باب الحلق والتقصیر عند الإحلال.213/2)

اور خواتین کے لیے بہر صورت یہ حکم ہے کہ وہ حج یا عمرے کے احرام سے حلال ہونے کے لیے سر کے بالوں کا قصر کریں، یعنی ایک پورے کے برابر کاٹ لیں، اگر کسی خاتون نے کم از کم چوتھائی سر کے بال ایک پورے کے بقدر کاٹ لیے تو وہ احرام سے حلال ہو جائے گی۔

بَابُ مَنِ احْتَاجَ مِنْ عِلَّةٍ فَهُوَ مُحْرِمٌ

حالت احرام میں بیماری کی وجہ سے کسی چیز کا محتاج ہونا!

352 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: فِي الشُّقَاقِ إِذَا أَحْرَمْتَ قَالَ ادَّهِنْهُ بِالسَّمْنِ وَالْوَدَكِ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: بِكُلِّ شَيْءٍ تَأْكُلُهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ سَعِيدٍ نَأْخُذُ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طِيبٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تم احرام میں ہو تو پھٹی جگہ کو گھی اور چربی سے مالش کر سکتے ہو، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر اس چیز سے مالش کر سکتے ہیں جو تم کھاتے ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ جب تک اس میں خوشبو نہ ہو اور یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محرم کا علاج کے لیے تیل لگانا:

پھٹی ایڑھیوں یا کسی اور زخم میں علاج کے لیے گھی، چربی یا بغیر خوشبو والا تیل یا ویسلین لگا سکتے ہیں، خوشبودار تیل یا ویسلین لگانا منع ہے، ٹانگوں میں درد کے لیے بھی بغیر خوشبو والا تیل لگا سکتے ہیں، البتہ سر میں تیل لگانا منع ہے خواہ بغیر خوشبو کے ہو، اس لیے کہ حاجی پراگندہ بال ہوتا ہے اور تیل لگانے سے پراگندگی ختم ہوتی ہے، اس لیے مطلقاً منع ہے۔

353 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ يَغْتَسِلُ الْمُحْرِمُ؟ قَالَ مَا يَصْنَعُ اللهُ بِدَرَنِهِ شَيْئًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا محرم غسل کر سکتا ہے؟ فرمایا: اللہ جل جلالہ کو اس کے میل کچیل سے کیا سروکار، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں، یہی بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محرم کا غسل کے لیے حمام جانا:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حالت احرام میں غسل کر سکتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی غسل ثابت ہے، ویسے بھی غسل طہارت ہے جو محرم کے لیے ممنوع نہیں، محرم حمام میں بھی داخل ہو سکتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جحفہ میں حمام میں تشریف لے گئے تھے، البتہ میل کچیل دور کرنا مکروہ ہے، صرف پانی سے غسل کر سکتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بدن سے میل کچیل دور کرنے کی نیت سے اس نے غسل کیا تو فدیہ واجب ہوگا۔ (غنیۃ الناسک)

354۔ مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي ظُفُرِ الْمُحْرِمِ يَنْكَسِرُ قَالَ: يَكْسِرُهُ قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: يَقْطَعُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَكُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے محرم کے ٹوٹے ہوئے ناخن کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اسے توڑ دے گا، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے کاٹ دے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سب ٹھیک ہے، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محرم کا ناخن کاٹنا:

محرم کو اپنے ناخن کو کاٹنا تو منع ہے۔ اگر کسی محرم نے اپنے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کا ناخن ایک مجلس میں کاٹ لئے تو دم آ جائے گا۔ مگر یہاں پر امام محمد نے یہ فرمایا: کہ محرم اپنے ناخن کو توڑے جب کہ وہ پہلے سے لٹک رہا ہو تو اب کیا ہوگا۔ اس بارے میں فرمایا کہ اگر ایسی نوعیت سے کہ اس نے ٹوٹے ہوئے ناخن کو توڑا یا کاٹا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔

جبکہ فقہاء نے تو اس میں یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر وہ ناخن احرام باندھنے کے بعد ٹوٹا ہوا اور اب اس نے اس کو کاٹا یا احرام باندھنے سے پہلے کا ٹوٹا ہوا ہو اس کو احرام باندھنے کے بعد کاٹا ہو ان سب صورتوں میں کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ نہ دم نہ صدقہ۔ کیونکہ ٹوٹے ہوئے ناخن میں بڑھنے کی طاقت نہیں رہتی اس کی مثال سوکھی ہوئی گھاس کی طرح ہے تو جس طرح سوکھی ہوئی گھاس پر کچھ واجب نہیں اسی طرح اس پر بھی کچھ واجب نہیں ہوگا۔ (بحر الرائق، لباب المناسک)

355 ۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ يَسْتَاكُ الْمُحْرِمُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: محرم مرد اور عورتیں مسواک کر سکتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

احرام میں مسواک، ٹوتھ پیسٹ اور ماؤتھ واش کے استعمال کا حکم:

مسواک ہر حال میں کرنا مسنون و مستحب ہے؛ لہٰذا حالتِ احرام میں مسواک کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ٹوتھ پیسٹ میں اگر خوشبودار چیزیں ڈالی گئی ہوں، وہ پکی ہوئی نہ ہوں، خوشبودار چیزیں مقدار میں کم ہوں اور ٹوتھ پیسٹ کی مقدار زیادہ ہو تو ایسا ٹوتھ پیسٹ احرام کی حالت میں استعمال کرنا مکروہ تو ہے، مگر اس کی وجہ سے کوئی دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر خوشبودار چیزوں کی مقدار زیادہ ہو اور ٹوتھ پیسٹ کی مقدار کم ہو تو اس صورت میں اگر ٹوتھ پیسٹ پورے منہ یا منہ کے اکثر حصے میں لگ جائے تو دم واجب ہوگا، البتہ اگر ٹوتھ پیسٹ سادہ ہو اس میں کسی قسم کی خوشبو یا خوشبودار چیز نہ ملائی گئی ہو تو وہ استعمال کرنا جائز ہے، اس سے دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا۔ (فتاوی شامی: کتاب الحج، باب الجنایات، 2/547، ط: ایچ ایم سعید)

بَابُ الصَّيْدِ فِي الْإِحْرَامِ

حالت احرام میں شکار کرنے کا بیان!

356 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أَهْلَلْتَ بِهِمَا جَمِيعًا الْعُمْرَةِ وَ الْحَجِّ فَأَصَبْتَ صَيْدًا، فَإِنَّ عَلَيْكَ جَزَاءَيْنِ، فَإِنْ أَهْلَلْتَ بِعُمْرَةٍ كَانَ عَلَيْكَ جَزَاءٌ، فَإِنْ أَهْلَلْتَ بِالْحَجِّ كَانَ عَلَيْكَ جَزَاءٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تم نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہوا اور پھر شکار کرلیا تو تم پر دو جزائیں آئیں گی اگر تم نے عمرہ کا احرام باندھا ہو تو ایک جزاء آئے گی اور اگر حج کا احرام باندھا ہو تب بھی ایک جزاء آئے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شکار کی جانب راہنمائی کرنے والے پر جزا واجب ہونے کی شرائط:

اگر محرم نے کسی شکار کے جانور کو قتل کر دیا یا اس پر اس کو رہنمائی کی جس نے اس کو قتل کیا ہے مثلاً محرم نے شکاری کو کہا شکار کا جانور فلاں جگہ ہے مدلول نے اس کو مار ڈالا، تو ان دونوں صورتوں میں صرف محرم پر جزاء واجب ہوگی، بشرطیکہ مدلول حلال ہو اور اگر مدلول بھی محرم ہو تو پھر دونوں میں سے ہر ایک پر مکمل جزاء واجب ہوگی خواہ شکار حدود حرم کا ہو یا حدود حرم سے باہر کا جان بوجھ کر قتل کیا ہو یا بھول کر ہر حال میں محرم کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار کے حکم میں ہوگا اور محرم پر اس کا متبادل جرمانہ ادا کرنا بھی واجب ہوگا۔

رہنمائی کرنے والے محرم پر جزاء واجب ہونے کے لئے صاحب جوہرہ نیرہ نے **تین شرطیں** بیان کی ہیں:

۱- مدلول دلالت سے پہلے شکار کی جگہ سے ناواقف ہو اگر وہ پہلے ہی سے جانتا ہو کہ فلاں جگہ شکار ہے تو دال پر جزاء واجب نہ ہوگی۔

۲- مدلول اس شکار کو دلالت کرنے والے کے محرم ہونے کی حالت میں پکڑے اگر اس کے پکڑنے سے پہلے ہی رہنمائی کرنے والا احرام سے حلال ہو گیا تو اس پر جرمانہ لازم نہ ہوگا۔

۳- رہنمائی کے بعد شکار اسی جگہ موجود ہے اگر اس جگہ سے دوسری جگہ بھاگ گیا اور مدلول نے دوسری جگہ سے شکار کیا تو دال

پر جزاء واجب نہ ہوگی۔ (جو ہرہ، ج:۱، ص: ۲۱۳)

جرمانے کی کیفیت کیا ہوگی؟

جرمانے کی کیفیت کیا ہوگی، اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

- شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک شکار چاہے مثلی ہو یا غیر مثلی ہر حال میں قیمت کا صدقہ کرنا جائز ہے؛ لہذا اس کو اختیار ہے کہ چاہے مثل صوری ادا کرے یا مثل معنوی ہر طرح جائز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر جنگل میں شکار کو قتل کیا ہے تو اس جگہ میں دو عادل مرد اس کی قیمت کا اندازہ کریں گے اور اگر وہاں اس کی کوئی قیمت نہ ہو تو قریب کی کسی بستی میں جا کر اندازہ کریں پھر اس کی قیمت کی تعین ہو جائے تو اب قاتل کو اختیار ہے چاہے تو وہ اس قیمت میں ہدی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کر دے اور اس کے گوشت کو مساکین حرم پر تقسیم کر دے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اس قیمت میں ہدی کا جانور آ سکتا ہو اور اگر چاہے تو اس کا غلہ خرید لے اور صدقہ فطر کی مقدار ایک ایک مسکین کو صدقہ کر دے یعنی اگر گندم خریدا ہے تو ہر مسکین پر نصف نصف صاع صدقہ کر دے اور اگر کھجور یا جو ہے تو ایک ایک صاع صدقہ کر دے اور اگر چاہے تو ہر مسکین کے غلہ کے بجائے روزہ رکھ لے اور اگر نصف صاع سے کم بچ جائے تو چاہے اس کو خیرات کر دے اور چاہے اس کے بدلہ میں ایک روزہ رکھ لے۔
- ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جس شکار کو مارا ہے اگر اس کا مثل صوری اہلی جانوروں میں موجود ہے تو مثل صوری جرمانہ میں ادا کرنا لازم ہوگا مثل معنوی یعنی قیمت دینا جائز نہ ہوگا مثلاً ہرن اور بجو میں بکری لازم ہے اور خرگوش میں بکری کا چھ ماہ کا بچہ اور شتر مرغ میں اونٹ لازم ہوگا اور جنگلی چوہے کی جزا میں بکری کا چار ماہ کا مادہ بچہ واجب ہوگا اور نیل گائے میں گائے لازم ہوگی اور اگر اہلی جانوروں میں سے شکار کا مثل صوری موجود نہیں ہے تو قیمت دینا جائز ہو سکتا ہے جیسے گوریا اور کبوتر اور ان کے مانند جانور جن کی کوئی نظیر نہیں ہے چنانچہ ان جانوروں میں قیمت واجب ہوگی، اصح قول شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱، ص:۱۸۷)

اگر قارن جنایت کرے؟

اگر قارن کوئی جنایت کرے گا تو اس پر دو دم لازم آئیں گے ایک عمرہ کے احرام کی وجہ سے دوسرا حج کے احرام کی بناء پر، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک دم لازم آئے گا۔ صرف ایک صورت ایسی ہے جس میں ہمارے نزدیک بھی قارن پر ایک دم واجب ہوگا، وہ یہ ہے کہ قارن بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے تو اس قارن پر ایک دم واجب ہوگا، البتہ اگر لوٹ کر کسی بھی میقات میں جا کر احرام باندھ لے تو جرمانہ کی قربانی معاف ہو جائے گی۔

357 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ، إِلَّا مُحْرِمٌ غَيْرِي، فَبَصُرْتُ بِعَانَةٍ، فَثُرْتُ إِلَى فَرَسِي فَرَكِبْتُهَا، وَ عَجَّلْتُ عَنْ سَوْطِي،

فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُوْنِي. فَأَبَوْا فَنَزَلْتُ عَنْهَا فَأَخَذْتُ سَوْطِي، ثُمَّ رَكِبْتُهَا فَطَلَبْتُ الْعَانَةَ. فَأَصَبْتُ مِنْهَا حِمَارًا، فَأَكَلْتُ وَأَكَلُوا مَعِي.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا میرے سوا سب لوگ حالت احرام میں تھے میں نے گورخر کا ایک ریوڑ دیکھا جلدی سے اپنے گھوڑے کی طرف لپکا اس پر سوار ہوا اور جلدی میں کوڑا اٹھانا بھول گیا۔ میں نے ان حضرات سے کہا: مجھے کوڑا دے دو انہوں نے اس سے انکار کیا میں نے گھوڑے سے اتر کر اپنا کوڑا لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر گورخروں کی جماعت کو تلاش کیا اور میں نے ان میں سے ایک گورخر کو شکار کر لیا میں نے بھی اس کا گوشت کھایا اور ان لوگوں نے بھی میرے ساتھ کھایا۔

غیر محرم کا محرم کے لئے شکار کرنا اور محرم کے لئے اس شکار کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو اب کیا محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس میں فقہاء کے **تین مذاہب** ہیں۔

- **پہلا مذہب**: حضرت عمر، عائشہ، حضرت طلحہ، ابوہریرہ، زبیر رضی اللہ عنہم، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہر وہ شکار جس میں محرم کا کوئی دخل نہ ہو اور اس کو حلال آدمی نے محرم کے لئے شکار کیا ہو تو یہ محرم کے لئے جائز ہے۔ اگر محرم نے کسی قسم کا کوئی اشارہ یا دلالت، اعانت وغیرہ کی ہو تو اب یہ ناجائز ہو جائے گا۔
- **دوسرا مذہب**: امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو اور اس میں محرم نے نہ حکم دیا اور نہ اشارہ کیا اور نہ دلالت کیا اور نہ ہی اعانت کی اور نہ غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا ہو تو اب ان شرطوں کے ساتھ تو غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کے لئے جائز ہوگا اور اگر غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا تو اب محرم کے لئے ایسا شکار کھانا بھی جائز نہیں ہوگا۔
- **تیسرا مذہب**: امام عامر شعبی، سفیان ثوری، لیث بن سعید، طاؤس بن کیسان وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حلال آدمی کے شکار کردہ جانور کا گوشت محرم کے لئے مطلقاً ناجائز ہے خواہ غیر محرم نے اپنے لئے شکار کیا ہو یا محرم کو کھلانے کے لئے کیا ہو کسی بھی صورت میں یہ حلال نہیں ہوگا۔ (اوجز المسالک)

358۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَرَرْتُ فِي الْبَحْرَيْنِ فَسَأَلُوْنِي عَنْ لَحْمِ الصَّيْدِ يَصِيدُهُ الْحَلَالُ، هَلْ يَصْلَحُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَأْكُلَهُ؟ فَأَفْتَيْتُهُمْ بِأَكْلِهِ وَفِي نَفْسِي مِنْهُ شَيْءٌ، ثُمَّ قَدِمْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرْتُ لَهُ مَا قُلْتُ لَهُمْ. فَقَالَ لَوْ قُلْتَ غَيْرَ ذٰلِكَ لَمْ تَقُلْ بَيْنَ اثْنَيْنِ مَا بَقِيتَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بحرین سے گزرا ان لوگوں نے مجھ سے اس شکار کے گوشت کے بارے میں

دریافت کیا جسے حلال آدمی نے شکار کیا ہو کہ کیا محرم اسے کھا سکتے ہیں؟ میں نے انہیں کھانے کی اجازت دے دی لیکن میرے دل میں اس کے بارے میں کچھ شک تھا پھر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہیں اپنا جواب بتلایا تو انہوں نے فرمایا: اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور بات کہتے تو جب تک زندہ رہتے دو آدمیوں کے درمیان بھی فتوی نہیں دے سکتے تھے۔

وضاحت:

لَوْ قُلْتَ غَيْرَ ذٰلِكَ لَمْ تَقُلْ بَيْنَ اثْنَيْنِ مَا بَقِيْتَ: بعض نسخ میں عبارت اس طرح ہے کہ "**لَوْ قُلْتَ غَيْرَ هٰذَا مَا أَفْتِيْتَ بَيْنَ اثْنَيْنِ مَا بَقِيْتَ**"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہی بات درست ہے جو آپ نے بتائی ہے یعنی محرم کے لئے اس کا کھانا درست ہے، اس کے علاوہ جو بھی بات ہے وہ درست نہیں ہے، وہ آپ دو آدمیوں کے درمیان نہیں کہہ سکتے۔

اس اثر میں ماقبل والے ہی اثر کے مسئلہ کی وضاحت کی جارہی ہے کہ محرم کے لئے شکار کیا اگر غیر محرم نے کھالیا تو اب اس کے کھانے کا فتوی دیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اور اس کی تائید حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔

359- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، قَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَحْمَ الصَّيْدِ صَفِيفًا، وَنَتَزَوَّدُونَا كُلُهُ وَنَحْنُ مُحْرِمُونَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم شکار کا خشک کیا ہوا گوشت ساتھ لے جاتے اور زادِراہ کے طور سے رکھتے اور اسے کھاتے بھی تھے حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں ہوتے تھے۔

وضاحت:

یعنی محرم کے لئے حالت احرام میں خود شکار وغیرہ کرنا منع ہے ہاں البتہ اگر احرام سے پہلے شکار کیا ہو یا حالت احرام میں کسی نے شکار کا گوشت دیا ہو تو اس کو اپنے پاس رکھنا اور اس کو کھانا جائز ہے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ استدلال فرمارہے ہیں کہ غیر محرم کا شکار محرم کھا سکتا ہے یہی احناف رحمۃ اللہ علیہم کا بھی مذہب ہے۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسے کہ پہلے تفصیل سے گزرا ہے۔

360- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ ﷺ قَالَ: تَذَاكَرْنَا لَحْمَ الصَّيْدِ يَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ وَ النَّبِيُّ ﷺ نَائِمٌ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: فِيمَ تَنَازَعُونَ؟ فَقُلْنَا فِي لَحْمِ الصَّيْدِ يَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ فَأَمَرَنَا بِأَكْلِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهٰذَا نَأْخُذُ، إِذَا ذَبَحَ الْحَلَالُ الصَّيْدَ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْكُلَهُ الْمُحْرِمُ وَإِنْ كَانَ ذَبَحَهُ مِنْ أَجْلِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ أَرَاهُمْ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ قَدْ تَنَازَعُوا فِي الْفِقْهِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمْ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ لِذٰلِكَ، فَلَمْ يَعِبْهُ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانے پر بحث کر رہے تھے آپ آرام فرما رہے تھے پھر ہماری آواز بلند ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور فرمایا: کس چیز میں جھگڑ رہے تھے؟ ہم نے کہا شکار کے گوشت کے بارے میں کہ محرم اسے کھا سکتا ہے یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کھانے کی اجازت دی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر کوئی غیر محرم شکار کو ذبح کرے تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے خواہ اس نے اُن کے لئے کیوں نہ ذبح کیا ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرا خیال ہے یہ حضرات اس حدیث کی گہرائی میں جانا چاہتے تھے ان کی آوازیں بلند ہوگئیں اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی آپ نے انہیں کچھ نہیں فرمایا۔

تشریح:

اس اثر میں بھی احناف رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کی تائید ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو محرم کو اس کا کھانا جائز ہے۔ اس اثر سے پہلے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

361 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا اشْتَرَكَ الْقَوْمُ الْمُحْرِمُونَ فِي صَيْدٍ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ جَزَاؤُهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، أَلَا تَرَى أَنَّ الْقَوْمَ يَقْتُلُونَ الرَّجُلَ جَمِيعًا خَطَأً فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ كَفَّارَةٌ: عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کئی محرم کسی شکار کے قتل کرنے پر جمع ہو جائیں تو ان میں سے ہر ایک پر اس کی پوری جزاء آئے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر لوگ مل کر غلطی سے کسی ایک آدمی کو قتل کر دیں تو ان میں سے ہر ایک پر ایک مؤمن غلام آزاد کرنے کا کفارہ آئے گا اگر وہ نہ ملے تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے۔

شکار کرنے میں اگر کئی محرم شریک ہو جائیں:

اگر ایک شکار کے شکار کرنے میں کئی محرم شریک ہوں تو احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ان میں سے ہر ایک پر پوری پوری جزاء آئے گی، اس لیے کہ یہ جنایت کی جزاء اور محل کا بدل ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صرف ایک جزاء آئے گی، البتہ اگر حرم کے جانور کو دو حلال آدمی شکار کر لیں تو ان پر ایک جزاء آئے گی، اس لیے کہ یہ محل کا بدل ہے نہ کہ جنایت کی جزاء۔

362 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أُهْدِيَ لَهُ ظَبْيَانِ وَبَيْضُ نَعَامٍ فِي الْحَرَمِ. فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهُ وَقَالَ: هَلَّا ذَبَحْتَهُمَا قَبْلَ أَنْ تَجِيءَ بِهِمَا؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا أُدْخِلَ شَيْءٌ مِنَ الصَّيْدِ الْحَرَمِ حَيًّا لَمْ يَحِلَّ ذَبْحُهُ، وَلَا بَيْعُهُ، وَخُلِّيَ سَبِيلُهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: انہیں حرم میں دو ہرن اور شتر مرغ کے انڈے ہدیہ کیے گئے انہوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: تم ان کو لانے سے پہلے ذبح کر کے کیوں نہیں لائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اگر کوئی شکار حرم میں زندہ داخل کیا جاتا ہے تو اس کا ذبح کرنا یا بیچنا جائز نہیں اسے چھوڑ دینا چاہئے یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زندہ شکار کو حرم میں پکڑنا:

اگر کوئی شکار حرم میں زندہ داخل کیا جائے تو اسے ذبح کرنا اور بیچنا ناجائز ہے، اس لیے حرم کی وجہ سے وہ امن کا مستحق تھا، حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہاں (حرم) کے شکار کو بھگایا نہیں جائے گا۔

اگر کوئی حلال (غیر محرم) حرم کے شکار کو مار دے تو اس پر اس کی جزاء آتی ہے، اس میں روزہ رکھنا درست نہیں، زندہ شکار کو حرم میں پکڑنا یا اپنے پاس رکھنا منع ہے، اس لیے اسے چھوڑ دینا چاہیے، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہیں فرمایا، نیز شتر مرغ وغیرہ کا انڈہ اگر کوئی شخص توڑ دے تو اس پر جزاء آتی ہے۔

بَابُ مَنْ عَطِبَ هَدْيُهُ فِي الطَّرِيقِ

جس کی ہدی راستے میں مرجائے ایسے شخص کا بیان!

363 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ خَالَتِهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: سَأَلْتُهَا عَنِ الْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ فِي الطَّرِيقِ كَيْفَ يَصْنَعُ بِهِ؟ قَالَتْ: أَكْلُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ تَرْكِهِ لِلسِّبَاعِ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ فَإِنْ كَانَ وَاجِبًا فَاصْنَعْ بِهِ مَا أَحْبَبْتَ وَعَلَيْكَ مَكَانَهُ، وَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَتَصَدَّقْ بِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ فِي مَكَانٍ لَا يُوجَدُ فِيهِ الْفُقَرَاءُ فَانْحَرْهُ، وَاغْمِسْ نَعْلَهُ فِي دَمِهِ، ثُمَّ اضْرِبْ بِهِ صَفْحَتَهُ، ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُونَ، فَإِنْ أَكَلْتَ مِنْهُ شَيْئًا فَعَلَيْكَ مَكَانَ مَا أَكَلْتَ، وَإِنْ شِئْتَ صَنَعْتَ بِهِ مَا أَحْبَبْتَ وَعَلَيْكَ مَكَانَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهَذَا نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی خالہ فرماتی ہیں: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ہدی کے بارے میں پوچھا کہ اگر وہ راستے میں مرجائے تو اس کا کیا کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک اس کا کھانا اسے برباد کرنے سے بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر ہدی واجبہ ہے تو اس کا جو چاہے کریں البتہ اس کے بدلے میں ایک اور ہدی دینا پڑے گی۔ اور اگر وہ نفلی ہے تو اسے فقراء پر صدقہ کر دو، اگر وہ ایسی جگہ پر مرتی ہے جہاں فقراء نہ ہوں تو اسے ذبح کر دو اور اس کا قلادہ اس کے خون میں ڈبو کر اس کے کنارے کو (کوہان) پر مار دو، پھر لوگوں کے کھانے کے لئے اس کو چھوڑ دو، اگر تم نے اس سے کچھ کھا لیا تو اس کا بدلہ دو،

اور اگر چاہو تو جو پسند کرو اس کے ساتھ کرو اور اس کے بدلے دوسرا جانور دے دو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

ہدی کی تعریف:

وہ مخصوص چوپایہ جس کو محرم بالحج یا محرم بالعمرہ قربانی کی نیت سے حرم لے جائے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، حنفیہ کے یہاں سوق ہدی بڑی اہمیت رکھتا ہے حتی کہ یہ چیز ان کے نزدیک تلبیہ کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

ہدی کی اقسام:

ہدی تین قسم کے جانور ہیں: اونٹ، گائے، بکری،

① - ادنی: بکری بھیڑ۔ ② - اوسط: گائے، بیل، بھینس۔ ③ - اعلیٰ: اونٹ نر و مادہ۔

قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکرا بکری دنبہ بھیڑ ایک سال کے ہوں لیکن اگر بھیڑ اور دنبہ چھ مہینے سے زیادہ اور ایک سال سے کم ہو مگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو سال بھر سے کم کا نہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ گائے بیل بھینس بھینسا کا پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے اور اونٹ پانچ سال کا۔

ہدی کی شرائط:

ہدی کی شرائط میں عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں ہے، چنانچہ ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا تہائی کان یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو یا تہائی دم یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو، ایسے ہی ہاتھ اور پیر کٹا ہوا ہو۔

جو جانور کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جو اتنا دبلا لاغر بالکل مریل جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، یا جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا ہے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگاتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے جو جانور ذبح کرنے کی جگہ خود نہ جا سکتا ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

ہدی کا گوشت کھانا:

نفلی ہدی، ہدی تمتع، اور ہدی قران میں سے خود کھانا جائز بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے، ان کے علاوہ احصار کی قربانی، نذر کی قربانی، جنایات کی قربانی، کفارات کی قربانی میں سے نہ خود کھانا جائز ہے اور نہ مالداروں کو کھلانا جائز ہے بلکہ وہ سب فقراء کا حق ہے ایسے ہی نفلی ہدی اگر حرم بھیجنے سے پہلے ہی ذبح کر دی تو اس کا گوشت کھانا ناجائز ہے۔ (اللباب، ج ۱، ص ۱۹۴)

ہدی کس وقت ذبح کی جائے گی؟

حاجی کی قربانی دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کے اندر اندر ہونا واجب ہے، لہذا اگر دسویں سے قبل کرے گا تو قربانی ہی صحیح نہ ہوگی اور بارہویں سے مؤخر کرے گا تو ترک واجب کا جرمانہ لازم ہوگا، جو شخص میقات سے صرف حج کا احرام باندھتا ہے تو اس پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے البتہ نفلی قربانی کر سکتا ہے، اسی طرح نفلی قربانی کو بھی ایام نحر کے اندر ذبح کرنا واجب ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی قربانی کو بھی یوم نحر میں ذبح کرنا افضل ہے، (شامی، ج:۲، ص: ۳۴۴) باقی ہدایا جب چاہے ذبح کر سکتے ہیں کیونکہ یہ دم کفارات کے دم ہیں اس لئے یوم نحر کے ساتھ خاص نہ ہوں گے۔

ہدی کا حرم میں ہونا ضروری ہے:

ہدی نفلی ہو یا غیر نفلی اس کا حدود حرم کے اندر ذبح کرنا واجب ہے اگر حدود حرم سے باہر حل میں کر لی تو ترک واجب کی وجہ سے اس قربانی کے علاوہ ایک اور قربانی جرمانہ میں کرنا واجب ہو جائے گا، حنفیہ کے نزدیک ہدی کا گوشت حرم اور غیر حرم کے فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے مگر حرم کے مساکین افضل ہیں الا یہ کہ دوسرے لوگ ان سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج:ا ص:۲۲۳)

ہدی اگر حرم تک پہنچنے سے پہلے ہلاک ہونے لگے:

اگر کوئی شخص ہدی لیکر گیا لیکن وہ ہلاک ہوگئی اب اگر وہ ہدی نفلی ہے تو اس پر دوسری واجب نہ ہوگی اور اگر وہ ہدی واجب ہے تو اس پر اس کی جگہ دوسری ہدی واجب ہوگی کیونکہ واجب اس کے ذمہ میں باقی ہے، اور اگر ہدی کے جانور میں ایسا عیب پیدا ہو گیا کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی تو بھی اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کی جائے گی۔

لیکن ہدی اگر اپنے محل یعنی حرم تک پہنچنے سے قبل ہلاک ہونے لگے تو کیا کیا جائے؟ تو اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اس کو ذبح کر دے اور اس کے خون میں نعل (جوتے یا چمڑے کا ٹکڑا جو گلے میں ڈال رکھا ہے) کو بھگو کر کوہان پر مل دے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی ہے پھر ایسے جانور کے بارے میں۔۔

❁ احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ اس میں سے خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا جائز نہیں بلکہ اسے صرف فقراء کھا سکتے ہیں البتہ اگر وہ ہدی واجب تھی تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کی جگہ دوسری ہدی قربان کرے اور یہ ہدی اس کی ملکیت ہوگئی، چنانچہ اسے خود کھانے، مالداروں اور فقراء کو کھلانے اور ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (معارف السنن:502/6)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: نفلی جانور خریدنے سے وہ ذبح کے لئے متعین ہو جاتا ہے، لہذا اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ فقراء کو کھلایا جائے مالداروں کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بخلاف ہدی واجب کے کہ وہ خریدنے

سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی جگہ دوسرا جانور بھی قربان کیا جا سکتا ہے، لہذا وہ جانور متعین طور سے قربت کے لئے خاص نہ رہا۔

(درس ترمذی، ج۳، ص: ۱۷۹)

دوسرا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اس کو اس میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے خواہ فروخت کر دے یا ذبح کر دے کھائے اور کھلائے اور اگر وہ نذر کی ہدی ہے تو اس کی ملکیت اس سے زائل ہوگئی، اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے، لہذا نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے جانور کے ساتھ تبدیل کرنا۔ (معارف السنن، ج:۲، ص: ۵۰۲)

بَابُ مَا يَصْلَحُ لِلْمُحْرِمِ مِنَ اللِّبَاسِ وَ الطِّيبِ

محرم کے لئے کون سا لباس اور خوشبو لگانا جائز ہے!

364 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنِ الْهِمْيَانِ يَلْبَسُهُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت خارجہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پیٹی (تھیلی) کے بارے میں پوچھا کہ محرم اسے باندھ سکتا ہے؟ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الْهِمْيَانِ: لمبی تھیلی، کمر پر بیگ باندھنا۔

محرم کا پیٹی (کمر پر بیگ) باندھنا:

محرم سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا، البتہ پیٹی باندھ سکتا ہے، اس لیے کہ یہ سلے ہوئے کپڑوں میں شامل نہیں اور پیسوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔

365 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ كَثِيرِ بْنِ جُمْهَانَ قَالَ: بَيْنَمَا عَبْدُ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فِي الْمَسْعَى وَ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ لَوْنَ الْهَرَوِيِّ إِذْ عَرَضَ لَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: أَتَلْبَسُ هَذَيْنِ الْمَصْبُوغَيْنِ وَ اَنْتَ مُحْرِمٌ؟ قَالَ: إِنَّمَا صَبَغْنَا بِمَدَرٍ قَالَ: مُحَمَّدٌ وَ بِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بِهِ بَأْسًا. لِأَنَّهُ لَيْسَ بِطِيبٍ وَ لَا زَعْفَرَانٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت کثیر بن جمہان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سعی کی جگہ پر تھے انہوں نے ہروی رنگ کے رنگے ہوئے دو کپڑے پہن رکھے تھے۔ ایک صاحب ان کے سامنے آئے اور ان سے عرض کیا: کیا آپ حالت احرام میں یہ رنگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ہم نے انہیں مٹی سے رنگا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں اس میں

کوئی حرج نہیں سمجھتے، اس لئے کہ وہ خوشبو اور زعفران نہیں ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: الْمَسْعَى: (اسم) کوشش، تصرف، عمل (2) سعی کا مقام (صفا اور مروہ کے درمیان)، لَوْنَ الْهَرَوِيِّ: ہروی، شہر ہرات کی طرف منسوب ہے، لون ثوبان کی صفت ہے، اور یہاں مصدر ہونے کی وجہ سے تثنیہ کی صفت بن سکتا ہے۔ الْمَصْبُوْغَيْنِ: تثنیہ ہے بمعنی رنگنا، مَدَر: [اسم] لیس دار مٹی گارا، مٹی، ڈھیلا۔

محرم کے لئے رنگے ہوئے احرام باندھنے کا حکم:

زعفران یا ورس وغیرہ میں رنگے ہوئے کپڑے کے بارے میں امام ابوحنیفہ، امام احمد کا قول مشہور، امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ رنگا ہوا کپڑا اگر دھو کر صاف کر لیا جائے اور اس کی خوشبو کو ختم کر لیا جائے صرف اس کا رنگ باقی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں محرم اسے استعمال کر سکتا ہے۔

جبکہ حضرت مجاہد، عروہ بن زبیر، ہشام بن عروہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم حضرات فرماتے ہیں کہ ورس یا زعفران وغیرہ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے خواہ اس کو دھو کر اس کے خوشبو کو ختم کر کے صاف بھی کیا گیا ہو۔

366 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ طِيبِ الرَّجُلِ وَهُوَ مُحْرِمٌ. قَالَ: لَأَنْ أُصْبِحَ أَنْضَحُ قِطْرَانًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصْبِحَ أَنْضَحُ طِيبًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَنْبَغِي لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَتَطَيَّبَ بِشَيْءٍ مِنَ الطِّيبِ بَعْدَ الْإِحْرَامِ.

ترجمہ: حضرت محمد بن المنتشر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے انسان کے حالت احرام میں خوشبو لگانے کے بارے میں پوچھا، انہوں نے فرمایا: میں تارکول لگا لوں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں خوشبو لگاؤں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کہ محرم کے لئے احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔

محرم کا خوشبو لگانا:

حالتِ احرام میں خوشبو کا استعمال حرام ہے۔ اگر خوشبو کا استعمال کیا جائے، تو اس کی مقدار کے حساب سے کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ خوشبو کی معمولی مقدار لگنے پر صدقہ لازم ہوتا ہے، جبکہ زیادہ مقدار یا پورے عضو پر لگنے پر دم واجب ہوتا ہے۔ خوشبو والے صابن، تیل اور خوشبودار ٹشوز کا استعمال بھی منع ہے۔

نوٹ: مشائخ کا قلیل اور کثیر کے درمیان حد فاصل میں اختلاف ہے، بعض مشائخ نے مکمل بڑے عضو مثلاً ران یا پنڈلی وغیرہ پر خوشبو لگانے کو کثیر کہا ہے، بعض نے بڑے عضو کے چوتھائی پر خوشبو لگانے کو کثیر کہا ہے، امام ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے خوشبو کے اعتبار سے قلت اور کثرت کا اعتبار کیا ہے، اگر خوشبو اپنی ذات کے اعتبار سے زیادہ ہیں یعنی خوشبو اتنی ہیں کہ لوگ اسے زیادہ سمجھتے ہیں تو وہ زیادہ ہے، ورنہ

کم ہے، ان تمام اقوال میں تطبیق یوں ہے کہ اگر خوشبو کم ہے تو اعتبار عضو کا ہے، خوشبو کا نہیں، لہذا اگر تھوڑی سی خوشبو لے کر مکمل عضو پر مل لیا تو یہ کثیر ہوگا اور دم لازم ہوگا، اور مکمل عضو سے کم پر ملا تو صدقہ لازم ہوگا، اور اگر خوشبو زیادہ ہو تو اعتبار خوشبو کا ہے، عضو کا نہیں، لہذا اگر زیادہ خوشبو لے کر چوتھائی عضو پر لگایا تو دم لازم ہوگا۔

احرام میں خوشبو کے استعمال کا حکم:

استعمال ممنوع ہے: حالتِ احرام میں مرد اور خواتین دونوں کے لیے خوشبو اور خوشبودار تیل کا استعمال ممنوع ہے۔

کفارہ: خوشبو کے استعمال کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

صدقہ: اگر خوشبو قلیل (کم) مقدار میں اور صرف ایک چھوٹے سے عضو کے ایک چھوٹے سے حصے پر لگی ہو، تو صدقہ واجب ہوتا ہے۔ (صدقہ سے مراد صدقۂ فطر (1920 گرام) کی مقدار گندم یا اُس کا آٹا یا اُس کی رقم ہے)

دم: اگر خوشبو کثیر (زیادہ) مقدار میں ہو، یا کسی بڑے عضو پر لگ جائے، تو دم واجب ہوتا ہے۔

ممنوع اشیاء:

- خوشبودار صابن، شیمپو اور خوشبودار ٹشوز۔
- خوشبودار تیل (جیسے زیتون کا تیل، اگر خوشبو والا ہو)۔
- خوشبودار مسواک (اگر واقعی خوشبو والی ہو)۔

کچھ رعایتیں:

- اگر خوشبو کسی کھائے جانے والے کھانے میں پکی ہوئی ہو، اور اس کی مہک اب بھی موجود ہو، تو اسے کھانا جائز ہے۔
- سادہ تیل، جیسے سادہ ناریل یا بادام کا تیل، بغیر خوشبو کے استعمال کرنا جائز ہے۔
- احرام میں داخل ہونے سے پہلے کپڑوں میں خوشبو لگانا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی مہک دیر تک باقی نہ رہے۔

(المحیط البرھاني: کتاب المناسك، ج:2، ص:453، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

محرم کے لئے کن جانوروں کا قتل کرنا جائز ہے!

367 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ: الْفَارَةَ، وَالْحَيَّةَ، وَالْكَلْبَ الْعَقُورَ، وَالْحِدأَةَ، وَالْعَقْرَبَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: محرم چوہے، سانپ، پاگل کتے، چیل، اور بچھو کو مار سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لغات: اَلْفَارَّة: چوہا، وَالْحَیَّة: سانپ، وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرَ: پاگل کتا، وَالْحِدَأَة: چیل، الْعَقْرَب: بچھو۔

368۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمُ الْأَفْطَسِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَبَصَرَ بِحِدَاةٍ عَلَى دَبَرَةِ بَعِيرِهِ فَأَخَذَ الْقَوْسَ فَرَمَاهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَمَا عَدَا عَلَيْكَ مِنَ السِّبَاعِ فَقَتَلْتَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْكَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا کہ انہوں نے اپنے اونٹ کے پچھلے حصے پر ایک چیل کو بیٹھے دیکھا اور کمان لے کر حالت احرام میں ہی اسے مار ڈالا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب پر عمل کرتے ہیں جو درندہ آپ پر حملہ کردے آپ اس کو مار ڈالیں تو اس میں آپ پر کچھ نہیں آئے گا۔

لغات: دَبَرَة: پیچھے کا حصہ، پچھلا حصہ، یا کمزور ہونا، الْقَوْسَ: کمان۔

کن جانوروں کو حالت احرام میں مارنا جائز ہے:

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ محرم کو حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں جیسے کہ قرآن میں فرمایا: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾۔ مگر یہاں پر چند ایسے جانوروں کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا جا رہا ہے کہ ان کو محرم مار سکتا ہے اور اس مارنے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کا ضمان بھی نہیں آئے گا۔

سوال: قرآن کی آیت میں تو مطلقاً شکار حرام کیا گیا ہے تو کلام الٰہی میں تغیر آئے گا۔ یہ بات تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی محال ہے۔

جواب: جن روایات میں چند جانوروں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہاں حقیقۃً استثنیٰ مراد نہیں ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی آیت کی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ اس آیت کریمہ میں یہ چند جانور داخل نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں پر استثنا مستعار ہے بیان کے لئے۔

احادیثِ مبارکہ میں جن موذی جانوروں کو قتل کرنے کی صراحت کے ساتھ اجازت ہے وہ یہ ہیں:

① - چھپکلی، ② - چوہا، ③ - بچھو، ④ - سانپ،

⑤ - چیل، ⑥ - کوا، ⑦ - کتا۔

ان کے علاوہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے علتِ ایذاء کی وجہ سے بعض دیگر جانوروں اور حشرات الارض کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے۔

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور طبعی طور پر موذی ہوں اور تکلیف پہنچانے میں عموماً ابتدا کرتے ہوں، انہیں قتل کرنا ہر حال میں جائز ہے، حتیٰ کہ حالتِ احرام میں بھی انہیں قتل کرنے سے محرم پر کوئی دم وغیرہ نہیں آتا، جیسے: شیر، بھیڑیا، تیندوا،

چیتا، وغیرہ۔ اور جو جانور تکلیف پہنچانے میں ابتدا نہیں کرتے، جیسے: گوہ، لومڑی، وغیرہ، وہ جب کسی پر حملہ کریں تو ان کی ایذا سے بچنے کے لیے انہیں قتل کرنا جائز ہے۔

لیکن موذی جانوروں کو قتل کرنے میں بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ انہیں تکلیف کم سے کم ہو، مثلاً: گولی وغیرہ سے قتل کرنا یا تیز چھری سے ذبح کرنا۔ باقی انہیں جلانے، ان پر گرم پانی ڈالنے، یا ان کے اعضاء کاٹ کر تکلیف دے کر مارنے یا ضرورت سے زائد تکلیف دے کر مارنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر موذی جانوروں سے کسی اور طریقہ سے چھٹکارا ممکن نہ ہو یا مشکل ہو تو انہیں جلانے یا گرم پانی ڈالنے کی گنجائش ہوگی، لیکن شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

بَابُ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

حالت احرام میں نکاح کا باب!

369 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا بِعُسْفَانَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا، وَلَكِنَّهُ لَا يُقَبِّلُ، وَلَا يَلْمَسُ، وَلَا يُبَاشِرُ حَتَّى يَحِلَّ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ہیثم ابن ابی ہیثم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے عسفان نامی جگہ میں حالت احرام میں نکاح کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے البتہ محرم جب تک حلال نہ ہو جائے بوسہ نہیں لے گا نہ چھوئے گا نہ مباشرت کرے گا یہی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محرم کا نکاح کرنا اور پڑھانا:

- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محرم کے لیے حالتِ احرام میں نکاح کرنا اور پڑھانا جائز نہیں، محرم کو ان چیزوں سے روکا گیا ہے، ان کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ: "ان المحرم لا ینکح ولا ینکح"۔ (معارف السنن، ج:6، ص:345)
- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک نکاح کر سکتے ہیں البتہ جماع اور اس کے مقدمات لمس وتقبیل نہیں کر سکتے۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے حالتِ احرام میں نکاح کیا تھا۔ (صحیح البخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قولی حدیث کا جواب احناف رحمۃ اللہ علیہم یہ دیتے ہیں کہ وہ کراہت پر محمول ہے، پھر ظاہر ہے یہ کراہت بھی اس شخص کے لیے ہوگی جو نکاح کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے اور وطی میں مبتلا ہو جائے۔ (اعلاء السنن، ج:11، ص:49)

بَابُ بَيْعِ بُيُوتِ مَكَّةَ وَأَجْرِهَا

مکہ مکرمہ کے گھر بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان!

370- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ أُجُورِ بُيُوتِ مَكَّةَ شَيْئًا فَإِنَّمَا يَأْكُلُ نَارًا. وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَكْرَهُ أُجُورَ بُيُوتِهَا فِي الْمَوْسِمِ، وَفِي الرَّجُلِ يَعْتَمِرُ ثُمَّ يَرْجِعُ. فَأَمَّا الْمُقِيمُ وَالْمُجَاوِرُ فَلَا يَرَى بِأَخْذِ ذَلِكَ مِنْهُمْ بَأْسًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مکہ کے گھروں کی کچھ بھی اجرت کھاتا ہے وہ گویا آگ کھا رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ موسم حج اور عمرہ کے لئے آنے والوں کو مکہ کے گھر کرایہ پر دینے کو ناپسند کرتے تھے، لیکن مقیم اور وہاں پر رہنے والوں سے اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: اَلْمَوْسِمِ: (اسم) لوگوں کا بڑا مجمع، سالانہ میلا، تہوار، کسی پھل کی فصل کا وقت، کسی کا سیزن کام کا وقت یا زمانہ جیسے شکار کا زمانہ حج کا زمانہ، اَلْمُجَاوِرُ: اسم فاعل، پڑوسی قریب متصل۔

371- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، فَحَرَامٌ بَيْعُ رِبَاعِهَا وَأَكْلُ ثَمَنِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَنْبَغِي أَنْ تُبَاعَ الْأَرْضُ، فَأَمَّا الْبِنَاءُ فَلَا بَأْسَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل جلالہ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا ہے، لہذا اس کے گھروں کو بیچنا اور اس کی اجرت کھانا حرام ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کہ زمین کا بیچنا منع ہے مکان بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

مکہ مکرمہ کی زمین بیچنا یا کرایہ پر دینے کا حکم:

مکہ مکرمہ کے مکانات بیچنا درست ہے، زمین کا بیچنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکروہ ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اسے جائز قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ زمین کے وہ مالک ہیں لہذا مکان کے حکم میں ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس روایت سے بھی جس میں یہ آتا ہے کہ مکہ مکرمہ حرمِ محترم ہے، اس کے مکانات کو بیچا نہیں جائے گا، نہ وہ میراث بنیں گے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں چار ہزار درہم کے ایک مکان کو خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔

حکیم بن حرام رضی اللہ عنہ نے دار الندوہ فروخت کیا تھا۔

مسجد کی توسیع کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات خریدے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد کی توسیع کیلئے کچھ مکانات ان کے مالکوں سے خرید کر مسجد میں شامل کئے تھے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے **جواب**: ان سب کا ایک ہی جواب ہے کہ یہاں پر مکانات اور عمارات کی خرید وفروخت ہوتی تھی زمین کی نہیں ہوتی تھی۔ اگر غور کریں تو یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ سب مکانات جن کو خریدا گیا تھا۔ کسی میں بھی صرف زمین کا ذکر نہیں ہے۔ اور عمارات اور مکانات کا فروخت کرنا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

مکہ کی زمین کا کرایہ لینا:

مکہ کی زمین، عمارتیں اور گھر وغیرہ کرایہ پر دینا ان کے مالکوں کے لیے جائز ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف حج کے دنوں میں حاجیوں کی ضرورت کے پیش نظر ان سے رہائش کا کرایہ لینا مکروہ ہے، تاہم اگر کسی نے کرایہ لیا تو اس کے لیے کرایہ کی رقم حلال ہے، یہ رقم سود نہیں ہے۔

بعض احادیث میں مکہ کی زمین کا کرایہ لینے کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "من أكل من أجر بيوت مكة شيئا فإنما يأكل نارا "۔ (سنن دار قطنی) ترجمہ: جس نے مکہ کے گھروں کی اجرت کھائی گویا اس نے آگ کھائی۔

دوسری روایت میں یہ لفظ ہے، "فكأنما أكل الربا " گویا اس نے سود کھایا، ان احادیث کے بارے میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت مسجد حرام اور مکہ کی اس زمین سے متعلق ہے جہاں ارکان حج ادا کیے جاتے ہیں، یعنی عرفات، مزدلفہ، منٰی وغیرہ۔ یہ زمینیں کسی کی ملکیت نہیں، اس لیے ان کا کرایہ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اس بات کی دلیل وہ صحیح احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کی مملوکہ زمین باقی زمینوں کی طرح اپنے مالک کی ملکیت ہوتی ہے، اس میں میراث بھی جاری ہوتی ہے، اور مالک کے لیے اس کی خرید وفروخت اور کرائے پر دینا بھی جائز ہے۔

بَابُ الْإِيْمَانِ

ایمان کا بیان!

372- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي حَبِيبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: بَيْنَا أَنَا رَدِيفُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قال: قُلْتُ لَهُ: وَإِنْ زَنَى، وَإِنْ سَرَقَ؟ فَسَكَتَ عَنِّي، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى، وَإِنْ سَرَقَ، قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي الدَّرْدَاءِ. قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى إِصْبَعِ أَبِي الدَّرْدَاءِ السَّبَّابَةِ يُؤْمِي بِهَا إِلَى أَرْنَبَتِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں میں نے صحابی رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں سواری پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ جل جلالہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ جل جلالہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اگر زنا اور چوری کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے پھر فرمایا جو شخص گواہی دے کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ جل جلالہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی میں نے عرض کیا اگر چہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا اگر چہ زنا کرے اور اگر چہ چوری کرے اور اگر چہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو، راوی فرماتے ہیں! گویا میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی شہادت والی انگلی کو دیکھ رہا ہوں جس سے وہ اپنی ناک کی طرف اشارہ کررہے ہے۔

لغات: رَدِيْفُ: سواری پر سوار کے پیچھے سوار ہونے والا، سَار: (ض) سیر کرنا، رَغِمَ: (س) ذلیل ہونا، فروتنی کرنا، ناک زمین پر رگڑنا، ناک خاک آلود ہونا، السبابة: انگشتِ شہادت، سَبَّ: (ن) کے معنی گالی دینا، زمانہ جاہلیت میں اس انگلی سے گالی دینے کا رواج تھا، اس لئے اس کا نام سبابہ پڑ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نام بدل کر مسبّحة: رکھا، یعنی تسبیح کرنے والی انگلی، اس سے اللہ کی تسبیح کرنی چاہئے۔ أَرْنَبَتِه: ناک کا سرا۔

373- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ أَبِي الْمُخَارِقِ، عَنْ طَاوُوسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَرَأَيْتَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَسْرِقُونَ أَغْلَاقَنَا، وَ يَفْتَحُوْنَ أَبْوَابَنَا، أَ كُفَّارٌ هُمْ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: أَرَأَيْتَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَتَأَوَّلُوْنَ مِنَ الْقُرْآنِ وَ يَشْهَدُونَ عَلَيْنَا بِالْكُفْرِ، وَيَسْتَحِلُّوْنَ دِمَاءَنَا، أَ كُفَّارٌ هُمْ؟ قَالَ: لَا فَكَيْفَ إِذًا؟ قَالَ: لَا حَتَّى يَجْعَلُوا مَعَ اللهِ شَرِيكًا مَثْنَى مَثْنَى، قَالَ طَاوُوسٌ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى إِصْبَعِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا وَهُوَ يُحَرِّكُهَا.

ترجمہ: حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے ابو

عبدالرحمن! کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا یہ ہمارے تالے چوری کر لیتے ہیں اور ہمارے دروازے کھول دیتے ہیں کیا یہ کافر ہیں؟ فرمایا: نہیں کیا تم نہیں دیکھتے وہ لوگ قرآن مجید کی تاویل کرتے ہیں اور ہمارے خلاف کفر کا فتویٰ دیتے ہیں اور ہمارے خون کو حلال جانتے ہیں کیا وہ کافر ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں، (اس نے عرض کیا) پھر کیسے کافر ہوں گے؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس وقت تک کافر نہیں ہوں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دوسرا شریک نہ ٹھہرائیں، دو دو خدا نہ مانیں۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گویا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی انگلی کو دیکھ رہا ہوں اور وہ اسے حرکت دے رہے ہیں۔

374۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِي، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِذْهَبُوا بِنَا نَعُودُ جَارَنَا هَذَا الْيَهُودِيَّ، قَالَ: فَأَتَيْنَاهُ، فَقَالَ: كَيْفَ أَنْتَ؟ وَ كَيْفَ؟ فَسَأَلَهُ، ثُمَّ قَالَ: يَا فُلَانُ، اِشْهَدْ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَنَظَرَ الرَّجُلُ إِلَى أَبِيهِ وَ كَانَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا، فَسَكَتَ فَقَالَ: يَا فُلَانُ، اِشْهَدْ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَنَظَرَ الرَّجُلُ إِلَى أَبِيهِ فَلَمْ يُكَلِّمْهُ، فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ: يَا فُلَانُ، اِشْهَدْ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ: اِشْهَدْ لَهُ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَعْتَقَ بِي نَسَمَةً مِنَ النَّارِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَى بِعِبَادَةِ الْيَهُودِي وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوسِيِّ بَأْسًا.

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمیں لے جاؤ کہ ہم اپنے پڑوسی اس یہودی کی بیمار پرسی کریں فرماتے ہیں پس ہم اس کے پاس گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ مزید کیفیت پوچھی پھر فرمایا: اے فلاں! گواہی دو کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ جل جلالہ کا رسول ہوں اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے سرہانے تھا اس نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ خاموش رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (دوبارہ) فرمایا: گواہی دو کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ جل جلالہ کا رسول ہوں اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس نے کوئی بات نہ کی بلکہ خاموش رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: اے فلاں! گواہی دو کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ اب اس کے باپ نے کہا گواہی دو تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ایک ذی روح کو میری وجہ سے جہنم سے آزاد کر دیا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں، ہم کسی یہودی عیسائی اور مجوسی کی بیمار پرسی میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

پڑوسی کے حقوق:

اِذْهَبُوا بِنَا نَعُودُ جَارَنَا هَذَا الْيَهُودِيَّ: اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے بیان فرمایا کہ پڑوسی اگر کافر بھی ہو تو بھی

اس کے حقوق ہیں اوران میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب وہ بیمار ہوتو اس کی عیادت کی جائے جیسا کہ شعب الإیمان (105/12) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں، اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دوحق ہیں، اور تیسرا وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے۔

تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہو، مسلمان بھی اور رشتہ دار بھی ہو، تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا، دوسرا پڑوسی ہونے کا اور تیسرا قرابت داری کا ہوگا۔ اور دوحق والا وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم دینی بھائی ہے، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا ہوگا۔ اور ایک حق والا غیر مسلم پڑوسی ہے (جس سے کوئی قرابت ورشتہ داری نہ ہو) اس کے لیے صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں ہے، ایمان کے لئے تصدیق قلبی کافی ہے اس سے خوارج اور معتزلہ کی تردید ہوگئی۔

مرتکب کبیرہ کا حکم:

اہلِ سنت والجماعت کے ہاں کوئی بھی مسلمان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے سے کافر نہیں ہوتا، البتہ فاسق ضرور ہوجاتا ہے، جبکہ خوارج کے ہاں مرتکبِ کبیرہ کافر ہوجاتا ہے اور معتزلہ کے ہاں ایسا آدمی جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے وہ نہ مسلمان رہتا ہے، نہ کافر بنتا ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک مرتبہ ہے اس پر آجاتا ہے، جس کو ان کے ہاں منزلۃ بین المنزلتین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کے ہاں اگر مرتکب کبیرہ اسی حالت میں مرگیا تو وہ اپنے گناہوں کی سزا جھیل کر جنت میں ضرور جائے گا، جبکہ معتزلہ وخوارج کے ہاں ایسا آدمی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، مرجئہ کے ہاں ایمان لانے کے بعد بھی آدمی جو کرتا رہے کوئی پکڑ دھکڑ نہیں۔

اہل سنت والجماعت کی دلیل وہ تمام آیات ہیں جن میں مرتکب کبیرہ کو صاحبِ ایمان کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے:

١- ﴿یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی﴾۔

٢- ﴿یا ایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا﴾۔

٣- ﴿وان طائفتان من المومنین اقتتلوا﴾۔

معتزلہ وخوارج کی دلیل:

١- قرآن میں ہے کہ: ﴿افمن کان مومنا کمن کان فاسقا﴾ یعنی مومن اور فاسق جدا جدا ہیں۔

٢- ﴿لایزنی الزانی وھو مومن﴾، اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مومن نہیں رہتا۔

٣- ﴿من ترك الصلوۃ متعمدا فقد کفر﴾، اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جان بوجھ کر چھوڑنے والا کافر ہے۔

جواب: آیت مبارکہ میں فاسق سے مراد مومن گناہ گار نہیں بلکہ کافر ہے اور حدیثِ مبارکہ تہدید پر محمول ہے، یا گناہ کو حلال سمجھ کر کرنے والے کے بارے میں ہے۔

ایمان مرکب ہے یا بسیط:

بسیط وہ ہے جو اجزاء سے مرکب نہ ہو اور مرکب وہ ہے جو کئی اجزء یا چیزوں سے مل کر بنا ہو۔

ایمان مرکب ہے یا بسیط، اس میں کل **پانچ مذاہب** ہیں:

① - **مرجیہ کے نزدیک**: ایمان بسیط ہے صرف دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے، جس کے بعد کوئی گناہ مضر نہیں اور کوئی نیکی مفید نہیں۔

② - **کرامیہ کے نزدیک**: ایمان فقط زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے، دل کی تصدیق ہو یا نہ ہو، زبانی اقرار نجات کے لیے کافی ہے۔

③ - **معتزلہ کے نزدیک**: ایمان اعتقاد اور عمل اور قول کا ایسا مجموعہ ہے جس کو علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے گناہِ کبیرہ کا مرتکب اگر بلا توبہ مرے گا تو وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا، گویا اللہ پر مطیع کا ثواب اور عاصی کا عذاب واجب ہے۔

④ - **خوارج کے نزدیک**: ایمان اعتقاد و عمل دونوں کا مجموعہ ہے، جس کے بعد صرف کفر ہی کا درجہ ہے۔ لہٰذا کبیرہ وصغیرہ گناہوں کا مرتکب جو توبہ نہ کرے وہ کافر ہے۔

⑤ - **اہلسنت والجماعت کے نزدیک**: ایمان قول و عمل کا ایک مجموعہ ہے جس کے لیے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی و عمل بالارکان ضروری ہے اور وہ ان اجزائے ثلاثہ سے مرکب ہے، وہ گھٹتا اور بڑھتا ہے، اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو بشرطِ صحتِ ایمان اللہ چاہے تو اسے بخش دے یا دوزخ میں سزا دینے کے بعد جنت میں داخل کر دے۔

اہل سنت والجماعت کے ہاں ایمان کی حقیقت:

اہلسنت والجماعت کے درمیان صرف ایمان کی حقیقت کی تعبیر میں اختلاف ہے چنانچہ محدثین کی تعبیر ایمان کی حقیقت کے بارے میں یہ ہے کہ: "الایمان معرفة بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان" یعنی وہ ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں اور وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے اعمال بظاہر ایمان میں داخل معلوم ہوتے ہیں۔

حضراتِ متکلمین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کی تعبیر یہ ہے کہ: "الایمان هو التصديق بالقلب والاقرار باللسان شرط لاجراء الاحکام. والعمل بالارکان نتيجة التصديق وثمرة الايمان"، یعنی یہ حضرات ایمان کے بسیط اور مجرد تصدیق قلبی کا نام ہونے کے قائل ہیں اور عمل کو انہوں نے ثمرہ ایمان اور نتیجہ ایمان قرار دیا ہے۔

اعمال کے تارک کو محدثین بھی کافر نہیں مانتے اور نہ احناف اسے کامل مومن قرار دیتے ہیں، اس لیے بنیاد اور اصل کے اعتبار سے دونوں حضرات کے مذہب میں فرق نہیں رہتا۔ (ایضاح البخاری، ص:113)

375۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ الْجَدَلِيُّ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ الْأَحْمَسِيِّ قَالَ: جَاءَ يَهُودِيٌّ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ قَوْلَهُ: ﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ فَأَيْنَ النَّارُ؟ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ: أَجِيبُوهُ. فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ فِيهَا شَيْءٌ. فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَرَأَيْتَ النَّهَارَ إِذَا جَاءَ أَلَيْسَ يَمْلَأُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَأَيْنَ اللَّيْلُ؟ قَالَ: حَيْثُ شَاءَ اللهُ. قَالَ عُمَرُ: وَالنَّارُ حَيْثُ شَاءَ اللهُ. فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: وَالَّذِي نَفْسُكَ بِيَدِهِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّهَا لَفِي كِتَابِ اللهِ الْمُنْزَلِ كَمَا قُلْتَ.

ترجمہ: حضرت طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ایک یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا قرآن مجید کی اس آیت کے حوالے سے بتائیں کہ جہنم کہاں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے! ﴿سَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ اپنے رب کی طرف سے بخشش کی جلدی کرو اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی تمام آسمان اور زمین ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اسے جواب دو تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب دن آجاتا ہے تو آسمانوں اور زمین کو بھر نہیں لیتا؟ اس نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے فرمایا رات کہاں ہے؟ اس نے کہا جہاں اللہ جل جلالہ چاہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہنم بھی وہاں ہے جہاں اللہ جل جلالہ چاہے۔ یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں آپ کی جان ہے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب میں اسی طرح ہے۔ (شاید تورات مراد ہو)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا مطلب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا مطلب یہ تھا کہ اللہ جل جلالہ کی مخلوقات بہت وسیع اور لامحدود ہیں، ہماری عقل محدود ہے، اس لیے ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے، اس لیے تمہیں یہ شبہ پیش آیا، تو بظاہر اس کو ایک مثال سے سمجھ لو، جس طرح دن آتا ہے رات غائب ہو جاتی ہے، دن کی روشنی ہر جگہ پھیل جاتی ہے لیکن اس سے رات کا ختم ہونا لازم نہیں آتا، اللہ جل جلالہ نے ایک نظام بنایا ہے، اس کے مطابق ہر چیز جاری وساری ہے، اسی طرح دوزخ وجنت کا مسئلہ بھی ہے۔

376۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: بَيْنَا أَنَا عِنْدَ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ فَسَأَلَهُ عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ: إِنَّ بِمِصْرِنَا قَوْمًا صَالِحِينَ يَقُولُونَ: إِنْ شَهِدْنَا إِنَّا مُؤْمِنُونَ شَهِدْنَا أَنَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: فَقُولُوا: إِنَّكُمْ مُؤْمِنُونَ وَلَا تَقُولُوا: إِنَّا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. فَوَاللهِ مَا فِي السَّمَاءِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلَا مِنْ نَبِيٍّ مُرْسَلٍ، وَلَا عَبْدٌ صَالِحٌ إِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ السَّبِيلُ وَالْحُجَّةُ. أَمَّا مَلَكٌ أَطَاعَ اللهَ طَاعَةً حَسَنَةً. فَاللهُ مَنَّ عَلَيْهِ بِتِلْكَ الطَّاعَةِ. فَهُوَ مُقَصِّرٌ عَلَى شُكْرِهَا، وَأَمَّا

نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَوْ عَبْدٌ صَالِحٌ أَذْنَبَ فَلِلّٰهِ عَلَيْهِ السَّبِيْلُ وَالْحُجَّةُ.

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں اس دوران میں حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا تو حضرت علقمہ بن مرثد الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سوال کرتے ہوئے کہا: ہمارے شہر میں نیک لوگوں کی ایک جماعت ہے وہ کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم مومن ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم جنتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا: یوں تم یہ تو کہا کرو کہ ہم مومن ہیں اور یہ نہ کہو کہ ہم جنتی ہیں، اس لئے کہ اللہ کی قسم! آسمان میں جو بھی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل یا نیک بندہ نہیں مگر یہ کہ اللہ جل جلالہ کے پاس اس کے خلاف حجت اور دلیل موجود ہے، بہرحال فرشتے پر اس طرح اس نے بہت اچھی طرح اطاعت کی ہے تو اللہ جل جلالہ نے اس کو اطاعت کی توفیق دے کر اس پر احسان کیا، پس وہ اس کا شکر ادا کرنے میں کوتاہ ہے نبی مرسل یا نیک بندوں سے لغزش ہوئی تو اللہ جل جلالہ کی ان سے پوچھ گچھ اور ان کے خلاف حجت و دلیل ہے۔

ایمان خوف و رجاء کے درمیان کا نام ہے

ایمان خوف و رجاء کے درمیان کا نام ہے، اس لیے انسان کو اللہ جل جلالہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اپنے ظاہری اعمال پر غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے، اس لیے کہ انسان سے کوئی نہ کوئی گناہ سرزد ہو ہی جاتا ہے، ناشکری ہو ہی جاتی ہے، لہذا انسان کو اللہ جل شانہ سے عفو و درگزر کی امید رکھنی چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے گناہوں کی نحوست اور اللہ جل جلالہ کی گرفت سے خوفزدہ بھی رہنا چاہیے، نہ معلوم کیا نافرمانی ہو جائے جس پر مواخذہ ہو جائے، اس لیے دعویٰ نہیں کرنا چاہیے، خاتمہ کس پر ہوگا اور آخرت میں کیا ملے گا؟ اس کا کسی کو پتہ نہیں، لہذا ڈرتے رہنا چاہیے اور اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہیے اور اس کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔

377- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَوَاحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمَّى شَاةً مِنْ غَنَمِهِ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَوْصَى بِهَا جَارِيَةً لَهُ كَانَتْ فِي الْغَنَمِ. وَكَانَ يَتَعَاهَدُهَا وَيَنْظُرُ إِلَيْهَا كُلَّمَا أَتَى الْغَنَمَ حَتَّى سَمُنَتْ وَصَلُحَتْ. فَجَاءَ يَوْمًا فَفَقَدَهَا مِنَ الْغَنَمِ. فَسَأَلَهَا عَنْهَا فَقَالَتْ: ضَاعَتْ. فَلَطَمَ وَجْهَهَا فَلَمَّا سُرِّيَ ذَلِكَ عَنْهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِالْقِصَّةِ فَقَالَ: لَمْ أَمْلِكْ نَفْسِي أَنْ لَطَمْتُهَا. قَالَ: فَأَعْظَمَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: لَعَلَّهَا مُؤْمِنَةٌ. قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ: إِنَّهَا سَوْدَاءُ. قَالَ: فَقَالَ: إِيتِ بِهَا. فَلَمَّا جَاءَ بِهَا قَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمُؤْمِنَةٌ أَنْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَيْنَ اللهُ؟. قَالَتْ فِي السَّمَاءِ. قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ مُؤْمِنَةٌ. قَالَ: فَقَالَ: عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَهِيَ حُرَّةٌ يَا رَسُولَ اللهِ.

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کردی اور اپنی اس لونڈی کو وصیت کی جو بکریوں کے سلسلے میں مقرر تھی وہ اس کا خیال

رکھے اور جب بھی بکریوں کے پاس جاتے اس کو دیکھتے۔حتی کہ وہ موٹی تازی ہوگئی اور کھانے کے قابل ہوگئی ایک دن وہ تشریف لائے تو اسے گم پایا اس لونڈی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: وہ گم ہوگئی ہے، تو انہوں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واقعہ بتایا اور یہ بھی کہا: کہ میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور اسے تھپڑ مار دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو بہت برا سمجھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ وہ مومنہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! وہ سیاہ فام ہے۔(اس کے ایمان کا علم نہیں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اسے لے کر آؤ، جب وہ اس لونڈی کو لے کر حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تو مومنہ ہے؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا آسمان میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ مومنہ ہے۔راوی فرماتے ہیں! حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آزاد ہے۔

ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے:

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اعمال اس کی حقیقت میں داخل نہیں، اس نے شہادتین کا اقرار کیا تھا جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مومن قرار دیا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ملازمین اور ماتحت کام کرنے والے انسان کے مددگار ہوتے ہیں، ان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، ورنہ سزا ملے گی، اس لیے احتیاط برتنا چاہیے، اور اگر ایسا ہوجائے تو کسی مناسب طریقے سے اس کی تلافی کی جائے، خواہ انعام دے کر ہو یا کام کا بوجھ ہلکا کر کے یا کسی اور مناسب طریقے سے۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ

شفاعت کا بیان!

378 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ قَالَ: يُعَذِّبُ اللهُ قَوْمًا مِمَّنْ كَانَ يَعْبُدُهُ وَلَا يَعْبُدُ غَيْرَهُ، وَقَوْمًا مِمَّنْ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَهُ، ثُمَّ يَجْمَعُهُمْ فِي النَّارِ، فَيُعَيِّرُ الَّذِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَ غَيْرَ اللهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَهُ، فَيَقُولُونَ: عُذِّبْنَا لِأَنَّا عَبَدْنَا غَيْرَهُ، فَمَا أَغْنَتْ عَنْكُمْ عِبَادَتُكُمْ إِيَّاهُ وَقَدْ عُذِّبْتُمْ مَعَنَا، فَيَأْذَنُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِلْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّينَ فَيَشْفَعُونَ، فَلَا يَبْقَى فِي النَّارِ أَحَدٌ مِمَّنْ كَانَ يَعْبُدُهُ إِلَّا أَخْرَجَهُ، حَتَّى يَتَطَاوَلَ لِلشَّفَاعَةِ إِبْلِيسُ لِعِبَادَتِهِ الْأُولَى. قَالَ: فَيَقُولُ: ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ابراہیم سے اللہ جل جلالہ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں پوچھا! ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ بہت آرزوئیں کریں گے کافر کاش مسلمان ہوتے۔ تو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو عذاب دے گا جو اس کی عبادت کرنے اور اس کے غیر کی پوجا نہ کرنے والوں میں سے ہوں گے اور اس قوم کو بھی (عذاب دے گا) جو اس کے غیر کی پوجا کرتے تھے پھر ان کو جہنم میں جمع کرے گا تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے غیر کی پوجا کرتے تھے وہ ان کو عار دلائیں گے جو اس کی عار کی عبادت کرتے تھے اور کہیں گے ہمیں تو اس لئے عذاب ہوا کہ ہم نے غیر اللہ کی پوجا کی اور تمہیں اس کی عبادت نے کوئی فائدہ نہ دیا اور ہمارے ساتھ تمہیں بھی عذاب دیا گیا۔ تو اللہ جل جلالہ فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اجازت دے گا تو وہ شفاعت کریں گے اور جہنم میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر اسے نکال لے گا حتی کہ شیطان بھی اپنی سابقہ عبادت کی وجہ سے شفاعت کی طرف متوجہ ہوگا تو اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا! ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾.

شفاعت کا معنی:

شفاعت "شفع" سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو اس کے مثل کے ساتھ ملانا، اسی سے شفاعت ہے، جس کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد و مساعدت کے لیے اپنی سفارش ملانا۔

مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت:

کیا مرتکبِ کبیرہ کے لیے شفاعت فائدہ مند ہوگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اہل سنت والجماعت کے ہاں مرتکبِ کبیرہ کے حق میں شفاعت بمعنی گناہ معاف کیے جانے کے ہوگی، جسے اللہ منظور فرمائیں گے، جب کہ معتزلہ ایسی شفاعت کو نہیں مانتے، ان کے ہاں شفاعت صرف نیک بندوں کے درجات میں بلندی کے لیے ہوگی۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: "واستغفر لذنبك وللمومنين والمومنات" تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے استغفار کرنا شفاعت ہی تو ہے اور جب اللہ جل جلالہ نے خود حکم دیا ہے تو وہ قبول بھی فرمائیں گے۔

معتزلہ کی **دلیل**: قرآن مجید میں ہے: 1۔ ﴿واتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئا ولا يقبل منها شفاعة﴾، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ماللظالمين من حميم ولا شفيع يطاع﴾۔

جواب: ان آیات سے کفار مراد ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز مختلف احوال ہوں گے، ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس وقت میں کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿من ذا الذى يشفع عنده الا باذنه﴾۔

شفاعت کی اقسام:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ قسم کی شفاعت ثابت ہے:

① - روایات میں ہے کہ جب سب لوگوں کو جمع کرلیا جائے گا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں کی درخواست پر اللہ سے حساب کتاب شروع کرنے کے لیے شفاعت کریں گے۔

② - دوسری شفاعت وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل جلالہ سے امتِ محمدیہ کا حساب شروع کرنے کے لیے فرمائیں گے۔

③ - جن لوگوں کے بارے میں دوزخ جانے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل جلالہ سے شفاعت کریں گے اور ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

④ - چوتھی شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے لیے فرمائیں گے کہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے۔

⑤ - ایک شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی جماعت کے لیے فرمائیں گے جن کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیجا جائے گا۔

⑥ - ایک شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کے بارے میں جنت کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، مگر ابھی تک وہ جنت میں داخل نہیں کیے گئے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

⑦ - اہلِ جنت کے درجات کی بلندی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت فرمائیں گے اور ان کے درجات بلند کیے جائیں گے۔

⑧ - آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے وہ لوگ جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیے گئے ہوں گے، ان کو جنت میں داخل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

379 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ رِبْعِي بْنِ حِرَاشٍ الْعَبَسِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَوْمٌ مُنْتِنِينَ قَدْ مَحَشَتْهُمُ النَّارُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنت میں ایک ایسی قوم داخل ہوگی جو بدبودار ہوگی اور آگ نے ان کے چمڑے اور گوشت کو جلا دیا ہوگا۔

380 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي الزُّعْرَاءِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يُعَذِّبُ اللهُ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِذُنُوبِهِمْ، ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى لَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللهُ: ﴿ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ، قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ. وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ، وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ، وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ، حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ، فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴾.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ

سے عذاب دے گا پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت سے ان کو جہنم سے نکالے گا حتی کہ جہنم میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت میں کیا۔ ترجمہ: "تمہیں جہنم میں کونسی چیز لائی ہے؟ وہ کہیں گے ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور اہل باطل کے ساتھ باطل میں مشغول ہوتے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے حتیٰ کہ ہمارے پاس موت آگئی پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کو کوئی نفع نہیں دے گی۔

خلود فی النار صرف کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے:

خلود فی النار صرف کافروں اور مشرکوں کے لیے ہوگا، اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾، یعنی اللہ اس کو تو بے شک نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، لیکن اس کے علاوہ جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا۔

مسلمان خواہ کتنے گناہ گار کیوں نہ ہوں سزا بھگت کر جنت میں ضرور داخل ہوں گے، بعض سفارش کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے، بعض اللہ جل جلالہ کی رحمت اور فضل کی وجہ سے اور بعض انبیاء، ملائکہ مقربین اور صالحین کی سفارش کی وجہ سے۔

381 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِي، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. قَالَ: وَ سَأَلْتُهُ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ ﴿وَ مِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ قَالَ: الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الشَّفَاعَةُ. قَالَ: يُعَذِّبُ اللهُ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ بِذُنُوبِهِمْ، ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، فَيُؤْتَى بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ. فَيَغْتَسِلُونَ فِيهِ غَسْلَ الثَّعَارِيرِ، ثُمَّ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، فَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ، ثُمَّ يَطْلُبُونَ إِلَى اللهِ، فَيُذْهِبُ ذَلِكَ الِاسْمَ عَنْهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! "جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالینا چاہیئے۔ راوی فرماتے ہیں میں ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ ترجمہ: "اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لئے (فرائض سے) اضافی عبادت ہے یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا"، تو آپ نے فرمایا مقام محمود سے شفاعت مراد ہے پھر فرمایا اللہ جل جلالہ اہل ایمان میں سے ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا۔ پھر انہیں حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیں گے اور ان کو ایک نہر پر لایا جائے گا جسے "حیوان" کہا جاتا ہے (یعنی نہر حیات) اور ان کو چھوٹی لکڑیوں (خربوزہ) کی طرح دھویا جائے گا پھر جنت میں داخل کیا جائے گا تو ان کو (ان کے جہنمیوں کے نام سے پکارا جائے گا) جہنمی کہا جائے گا پھر ان کو اللہ جل جلالہ کے دربار میں طلب کیا جائے گا پس اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام ختم کردے گا۔

مقام محمود سے کیا مراد ہے؟

جمہور علماء امت، صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مقام محمود کی تفسیر یوں منقول ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی

شفاعتِ کبریٰ ہے، یہ بلند مرتبہ کسی بھی دوسرے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل نہ ہوگا، بعض روایات بھی اس قول کی تائید کرتی ہیں۔
(فتاویٰ حقانیہ)

اور اسے "مقامِ محمود" اس لیے کہا گیا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں جا کر اللہ جل جلالہ کی ایسی حمد وثناء کریں گے جو نہ آج تک کسی نے کی اور نہ کر سکے گا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے بھی نہیں معلوم کہ اس وقت کن کلمات سے حمد کروں گا، اللہ جل جلالہ ہی وہ کلمات اس وقت اِلقا فرمائیں گے، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے حساب شروع ہو جائے گا تو پوری دنیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتشکر کے جذبے سے سرشار ہو جائے گی، عربی میں "حمد" کے مفہوم میں شکر بھی داخل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ط:94/5)

فَيُؤْتَى بِهِمْ نَهَرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ:

الحیوان بفتح الحاء والیاء بمعنی زندگی کے ہے مطلب یہ ہے کہ اس میں آبِ حیات ہوگا جو بھی اس پئے گا اور استعمال کرے گا، اسے ہمیشہ کی زندگی ملے گی، یہ آبِ حیات صرف آخرت میں نصیب ہوگا۔

ثعاریر کے معنی:

ثعاریر یہ ثعرور کی جمع ہے، نہایہ میں لکھا ہے کہ یہ چھوٹی ککڑی کو کہتے ہیں اور دوسرا معنی بعض حضرات نے یہ کیا ہے کہ ثعاریر طراثیث کو کہتے ہیں جو طرثوث کی جمع ہے، یہ ایک قسم کی سبزی یا گھاس ہے جو نہایت سفید ہوتی ہے اور کھائی جاتی ہے۔

ثعاریر کے ساتھ وجہ تشبیہ:

معنی اول کی صورت میں وجہ تشبیہ تیزی سے بڑھنا ہے اور معنی ثانی کی صورت میں وجہ تشبیہ سفیدی ہے۔

باقی ان لوگوں کو جہنمی تنقیص وتحقیر کے لیے نہیں بلکہ انہیں اللہ جل جلالہ کی اس عظیم نعمت کو یاد دلانے کے لیے کہا جائے گا تاکہ خوشی میں مزید اضافہ ہو اور یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ جل جلالہ نے جہنم سے نجات عطا فرمائی ہے۔

382 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بِمِثْلِ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت شداد بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

383 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ صُهَيْبٍ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الْفَقِيرُ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الشَّفَاعَةِ، فَقَالَ: يُعَذِّبُ اللهُ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ، ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قُلْتُ لَهُ: فَأَيْنَ قَوْلُ اللهِ: ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ﴾ فَقَالَ لِي: هَذِهِ فِي الَّذِينَ كَفَرُوا، اقْرَأْ مَا قَبْلَهَا.

ترجمہ: حضرت یزید بن صہیب رحمۃ اللہ علیہ سے (جن کو فقیر کہا جاتا تھا) روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شفاعت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ جل جلالہ اہل ایمان میں سے ایک قوم کو عذاب دے گا پھر ان کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے نکالے گا حضرت صہیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا اللہ جل جلالہ کا یہ قول کہاں گیا۔ ترجمہ: "وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔" انہوں نے فرمایا: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کافر ہیں، اس سے پہلے کی آیت پڑھو۔

جس نے کلمہ پڑھا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا:

احادیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفارش فرمائیں گے، انبیاء علیہم السلام سفارش کریں گے، اور مومن سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سب نے سفارش کرلی، اب ارحم الراحمین رہ گئے (یعنی ان کی باری ہے) چنانچہ اللہ جل جلالہ دوزخیوں میں سے ایک مٹھی بھر افراد کو نکالیں گے جو جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے، انہیں نہرِ حیاۃ میں ڈال دیا جائے گا وہ وہاں سے صاف ستھرے ہو کر سیلاب کے پودے کی طرح نکلیں گے۔ یہ مٹھی بھر افراد لاتعداد ہوں گے۔

بہرحال جس نے کلمہ پڑھا ہے وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا، البتہ کفار و مشرکین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، وہاں ان کو موت بھی نہیں آئے گی کہ دردناک عذاب سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔

بَابُ التَّصْدِيقِ بِالْقَدْرِ

تقدیر کی تصدیق!

384 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَأَلَهُ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جَعْشَمٍ الْمُدْلِجِيّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنَا عَنْ عُمْرَتِنَا هَذِهِ أَلِعَامِنَا هَذَا أَمْ لِلْأَبَدِ؟ فَقَالَ: لِلْأَبَدِ، قَالَ: أَخْبِرْنَا عَنْ دِينِنَا هَذَا كَأَنَّمَا خُلِقْنَا لَهُ، فِي أَيِّ شَيْءٍ الْعَمَلُ؟ فِي شَيْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْأَقْلَامُ، وَثَبَتَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ أَمْ فِي شَيْءٍ نَسْتَأْنِفُ فِيهِ الْعَمَلَ؟ قَالَ: فِي شَيْءٍ قَدْ جَرَتْ بِهِ الْأَقْلَامُ وَثَبَتَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ، قَالَ: فَفِيمَ الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: اِعْمَلُوا فَكُلُّ عَامِلٍ مُيَسَّرٌ، مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى، وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى. وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى﴾.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم المدلجی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اس عمرہ کے بارے میں ہمیں بتائیں کیا یہ

اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ کے لئے ہے، عرض کیا کہ: ہمارے دین کے بارے میں بتائیے گویا کہ ہم اس (جنت یا جہنم) کے لئے پیدا کئے گئے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ گویا یہ ایسے کام کے بارے میں ہے جس کے ساتھ قلمیں جاری ہو چکی ہیں اور اس کے ساتھ تقدیر ثابت ہو چکی ہیں۔ یا اس چیز میں ہے جس میں ہم عمل کا آغاز کریں گے فرمایا: اس میں جس میں قلمیں چل چکی ہیں اور تقدیریں ثابت ہو چکی ہیں پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: تم عمل کرو ہر عمل والے کے لئے عمل آسان کر دیا گیا جو آدمی اہل جنت میں سے ہے اسے اعمال جنت کے لئے آسانی دی گئی اور جو جہنمیوں میں سے ہے اس کے لئے اہل جہنم کے کام آسان ہیں پھر یہ آیت پڑھی: "بہر حال وہ جس نے دیا اور پرہیز گار بنا اور سب سے اچھی راہ کو سچا مانا۔ تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔ اور رہا وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا۔ اور سب سے اچھی راہ کو جھٹلایا۔ تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے"۔

ہر عمل تقدیر میں لکھا جا چکا ہے:

سوال کا حاصل یہ ہے کہ ہم جو عمل کرتے ہیں وہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے یا ہم ابتداء سے کر رہے ہیں، تقدیر میں اس کا کوئی ذکر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ہر عمل تقدیر میں لکھ جا چکا ہے، حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: کہ اگر ہر عمل لکھا جا چکا ہے تو ہمارے عمل کا کوئی فائدہ بھی نہ ہونا چاہئے، کیونکہ ہونا تو وہی ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: کہ نہیں، عمل ضرور کرو، کیونکہ اپنی تقدیر کا علم کسی کو بھی نہیں، اگر اچھے اعمال کرو گے تو اللہ جل جلالہ آسانی کے اسباب مہیا کر دے گا، اور اگر برے اعمال کرو گے تو برائی اور تنگی والے اسباب مہیا کرے گا۔

385- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رَفِيعٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ نَفْسٍ إِلَّا قَدْ كَتَبَ اللهُ مَدْخَلَهَا، وَمَخْرَجَهَا، وَمَا هِيَ لَاقِيَةٌ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: فَفِيمَ الْعَمَلُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: كُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ. فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: الْآنَ حَقَّ الْعَمَلُ.

ترجمہ: حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل جلالہ نے ہر نفس کے داخل ہونے اور نکلنے کی جگہ اور جو کچھ اسے ملنے والا ہے (سب کچھ) لکھ دیا ہے انصار میں سے ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: جو جنتی ہوگا اس کے لئے اہل جنت کے اعمال آسان کر دیئے گئے اور جو جہنمیوں میں سے ہے اس کے لئے جہنمیوں کے اعمال آسان کر دیئے گئے انصار نے کہا: اب عمل ثابت ہو گیا۔

قضاء وقدر کا معنی

تقدیر کے معنی ہیں: اندازہ کرنا، مقرر کرنا یا طے کرنا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: ﴿فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ﴾ اور ﴿قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا﴾۔

اور اصطلاح میں تقدیر کہتے ہیں: "الحکم الکلی المکتوب من الازل"، یعنی اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ نے ابتدا سے لے کر انتہاء تک واقع ہونے والی چیزوں کو لکھ دیا ہے، اسی کو تقدیر کہتے ہیں اور پھر اسی لکھے ہوئے کے مطابق ان اشیاء کو عملی شکل پہنانے کا نام "قضاء" ہے۔

تقدیر کی اقسام:

تقدیر کی دو قسمیں ہیں:

① - تقدیر معلق: وہ تقدیر جو کسی دوسرے کام کے ساتھ معلق ہے کہ بندہ اگر فلاں کام کرے گا تو یہ ہوگا، اس میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

② - تقدیر مبرم: جو قطعی تقدیر ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

کیا انسان مجبور محض ہے؟

اہلِ سنت والجماعت کے ہاں انسان جو بھی کام کرے وہ اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ کی طرف سے ہے، اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ نے اس کو اپنے علم سے پہلے ہی لکھ دیا ہے، بندہ صرف کاسب ہے، ان افعال کا خالق اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ ہی ہے۔ خیر وشر دونوں کو اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ نے پیدا کیا ہے، البتہ انسان کو اختیار دیا ہے لیکن اس میں انسان دائرہ تقدیر سے باہر نہیں نکل سکتا، اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ کو معلوم تھا کہ بندہ اپنے اختیار سے اہلِ جنت والے کام کرے گا اس کے لیے جنت والا پروانہ لکھ دیا، دوسرے کے لیے یہ معلوم تھا کہ یہ اپنے کسب واختیار سے جہنمیوں والے کام کرکے جہنم میں جائے گا، اس کے لیے جہنمی ہونا لکھ دیا، بندہ اپنے اس فعل میں نہ مجبورِ محض ہے نہ قادر مطلق۔

قدریہ (یہ فرقہ قضاء وقدر کا منکر ہے) کے ہاں انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، وگرنہ تو افعالِ شر کے خالق ہونے کی نسبت بھی اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ کی طرف کرنا لازم آئے گا۔

جبریہ کے ہاں انسان مجبورِ محض ہے، ان کے نزدیک انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے، اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کو کسی کام کا کوئی اختیار نہیں۔

386 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ الْحَضْرَمِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرٍ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَاعِدًا فِي جَانِبِهِ، فَقُلْتُ لِصَاحِبِي: هَلْ لَكَ أَنْ تَأْتِيَ ابْنَ عُمَرَ فَتَسْأَلُهُ عَنِ الْقَدَرِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ فَقُلْتُ: دَعْنِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّذِي أَسْأَلُهُ، فَإِنِّي أَرْفَقُ بِهِ مِنْكَ، فَأَتَيْنَاهُ فَقَعَدْنَا إِلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنَّا قَوْمٌ نَتَقَلَّبُ فِي هَذِهِ الْأَرَضِينَ، فَرُبَّمَا قَدِمْنَا الْبَلَدَ بِهِ قَوْمٌ

يَقُولُونَ: لَا قَدَرَ. قَالَ: أَبْلِغُوهُمْ أَنِّي مِنْهُمْ بَرِيءٌ، وَأَنِّي لَوْ أَجِدُ أَعْوَانًا لَجَاهَدْتُهُمْ.....

ترجمہ: یحی بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں بیٹھے تھے کہ اچانک میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مسجد کی ایک جانب بیٹھے دیکھا تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا: کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر تقدیر کے بارے میں دریافت کرو؟ تو اس نے کہا: جی ہاں، پھر میں نے کہا: چلو چھوڑو، میں خود ہی ان سے پوچھتا ہوں، اس لیے کہ میں تم سے زیادہ ان کا قریبی ساتھی ہوں لہذا ہم وہاں گئے اور ان کے پاس بیٹھے پھر میں نے عرض کیا: اے ابو عبد الرحمن! ہم لوگ ان علاقوں میں آتے جاتے رہتے ہیں پھر بسا اوقات ہم ایک بستی میں آتے ہیں جہاں ایسے لوگ رہتے ہیں جو کہتے ہیں: تقدیر کچھ نہیں، آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں ان سے بری ہوں اور اگر مجھے مددگار ملے تو میں ان کے ساتھ اس بات پر جہاد کرتا،

..قَالَ: ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ أَقْبَلَ شَابٌّ جَمِيلٌ، حُسْنُ اللِّمَّةِ، طَيِّبُ الرِّيحِ، عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيضٌ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ. السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَدْنَا. ثُمَّ قَالَ: أَدْنُو يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: ادْنُهْ. فَدَنَا دَنْوَةً أَوْ دَنْوَتَيْنِ. ثُمَّ قَامَ مُوَقِّرًا لَهُ. ثُمَّ قَالَ: أَدْنُو يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَدَنَا دَنْوَةً أَوْ دَنْوَتَيْنِ. ثُمَّ قَامَ مُوَقِّرًا لَهُ. ثُمَّ قَالَ: أَدْنُو يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: ادْنُهْ. حَتَّى جَلَسَ. فَأَلْصَقَ رُكْبَتَيْهِ بِرُكْبَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ مَا هُوَ؟..

راوی نے کہا: پھر آپ نے حدیث بیان کرنا شروع کی فرمایا ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک خوبصورت زلفیں رکھے عمدہ خوشبو لگائے، سفید کپڑوں میں ملبوس ایک خوبصورت نوجوان آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! السلام علیکم، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی جواب دیا، پھر انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں قریب ہو جاؤں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہو جاؤ، وہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کر کے قریب ہوئے، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کے لیے کھڑے ہوئے، پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں قریب ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، وہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کر کے قریب ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام میں کھڑے ہوئے، پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں قریب ہو جاؤں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، یہاں تک کہ وہ بیٹھ گئے اور اپنے گھٹنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں سے ملائے، پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں وہ کیا ہے؟

..قَالَ: الْإِيمَانُ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ. قَالَ: صَدَقْتَ. فَتَعَجَّبْنَا لِقَوْلِهِ: صَدَقْتَ. كَأَنَّهُ يَعْلَمُ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ مَا هِيَ؟ قَالَ: إِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَحَجُّ الْبَيْتِ، وَصَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَالِاغْتِسَالُ مِنَ الْجَنَابَةِ. قَالَ: صَدَقْتَ. فَتَعَجَّبْنَا لِقَوْلِهِ: صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَعْلَمُ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ مَا هُوَ؟ قَالَ: تَعْمَلُ لِلهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ:

صَدَقْتَ، فَتَعَجَّبْنَا لِقَوْلِهِ: صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَعْلَمُ....

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، انہوں نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا، ہمیں ان کی اس بات سے کہ بالکل سچ فرمایا بہت تعجب ہوا، گویا کہ وہ یہ بات پہلے سے جانتے ہیں، انہوں نے کہا اسلام کے اصول اور احکامات بتلا دیجئے وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا، انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا، پس ہمیں ان کی اس بات سے کہ آپ نے سچ فرمایا کہنے سے بہت تعجب ہوا، گویا کہ وہ یہ بات (پہلے) سے جانتے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتلا دیجئے کہ وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ جل شانہ کے لیے اخلاص سے اس طرح عمل کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور پھر اگر تم اُسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا، ہمیں ان کے آپ نے سچ فرمایا کہنے سے تعجب ہوا، گویا کہ وہ یہ بات (پہلے سے) جانتے ہیں،

... قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ مَتٰى هُوَ؟ قَالَ: مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: صَدَقْتَ، فَتَعَجَّبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ، فَانْصَرَفَ وَ نَحْنُ نَرَاهُ، إِذْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيَّ بِالرَّجُلِ، فَسِرْنَا فِي إِثْرِهِ فَمَا نَدْرِي أَيْنَ تَوَجَّهَ، وَلَا رَأَيْنَا مِنْهُ شَيْئًا، فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هٰذَا جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِينِكُمْ، مَا أَتَانِي فِي صُورَةٍ قَطُّ إِلَّا وَ أَنَا أَعْرِفُهُ فِيهَا قَبْلَ هٰذِهِ الصُّورَةِ.

انہوں نے عرض کیا: مجھے قیامت کے بارے بتلائیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؟ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ اس کو نہیں جانتا، انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا، ہمیں ان کے آپ نے سچ فرمایا کہنے سے تعجب ہوا، گویا کہ وہ یہ بات (پہلے سے) جانتے ہیں اور وہ واپس ہوئے اور ہم ان کو دیکھ رہے تھے کہ اسی دوران آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان صاحب کو میرے پاس لاؤ، ہم ان کی تلاش میں نکلے، تو ہمیں پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کس طرف گئے نہ ہی ان کے کوئی آثار قدم ملے پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارے دین کی باتیں سکھلانے آئے تھے، آج سے پہلے میرے پاس وہ جس شکل وصورت میں بھی آئے میں نے انہیں پہچان لیا (آج نہیں پہچان سکا)۔

حدیث جبریل علیہ السلام:

اس حدیث مبارکہ کو محدثین ام السنۃ بھی کہتے ہیں اور ام الحدیث بھی کہتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ کا مشہور نام حدیث جبرائیل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں 10ھ حضور ﷺ نے جو حج فرمایا ہے، حجۃ الوداع، اس حج سے کچھ دن قبل یہ حدیث مبارک حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔

شان ورود:

ہوا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: تم جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھو، کوئی بات پوچھ لو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کے رعب کی وجہ سے پوچھ نہ سکے۔ اللہ رب العزت نے غیب سے ایک اور انتظام فرمایا کہ ایک شخص سوال کر رہا ہے اور نبی کریم ﷺ اس کو جواب دے رہے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پوری حدیث کو سن رہے ہیں۔ سوال بھی سنتے ہیں اور جواب بھی سنتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو اُم السُّنۃ کیوں کہتے ہیں؟ سنت کا معنیٰ دین ہے اور ام کا معنیٰ خلاصہ ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے پورے دین کا خلاصہ بیان فرمادیا ہے۔ بلکہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے جس طرح قرآن کریم کی 114 سورتوں میں سے پہلی سورۃ سورۃ الفاتحہ کو ام الکتاب کہتے ہیں احادیث پیغمبر میں سے اس حدیث کو ام السنۃ کہتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ پورے قرآن کریم کا خلاصہ ہے اور یہ حدیث مبارکہ پورے ذخیرہ احادیث کا خلاصہ ہے۔

ایمان کیا ہے؟

اس حدیث میں ایمان کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ:

① - **اللہ جل جلالہ وحدہ لاشریک لہ** ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں، خالق و مالک وہی ہے، رازق و معطی وہی ہے، اسی نے ہر چیز کو وجود بخشا، وہی ان سب چیزوں کو فنا کرے گا، وہی طاقت وقوت والا ہے۔

② - **فرشتوں پر ایمان لانا:** کہ وہ نورانی مخلوق ہیں، اللہ جل جلالہ کے حکم کے تابع ہیں، وہ نہ گناہ کرتے ہیں نہ نافرمانی، جو حکم ملے وہی کرتے ہیں، وہ موجود ہیں، اللہ جل جلالہ نے ان کے ذمے مختلف کام لگائے ہیں، اللہ جل جلالہ کی مخلوقات میں سے وہ بھی ایک مخلوق ہیں۔

③ - **اللہ تعالی کی کتابوں پر ایمان لانا:** یعنی اللہ جل جلالہ نے چار کتابیں زبور، تورات، انجیل اور قرآن کریم نازل فرمائیں، اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کو صحیفے عطا فرمائے، وہ سب برحق ہیں۔

④ - **رسولوں پر ایمان لانا:** اللہ جل جلالہ نے انبیاء علیہم السلام کو مخلوق کا خالق سے رابطہ جوڑنے، راہِ راست دکھانے اور مقتداء علم وعمل بنا کر ان مقدس ہستیوں کو دنیا میں بھیجا، تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے بعد یہ کام آپ کی امت کے ذمہ لگایا گیا، قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

تمام انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے، جن کا مجملاً تذکرہ آتا ہے ان پر اجمالاً ایمان رکھنا، جن کا تفصیلی تذکرہ آتا ہے ان پر تفصیلاً

ایمان رکھنا ضروری ہے۔

۵- **قیامت کے دن پر ایمان رکھنا:** دنیا فانی ہے اور آخرت اصل ٹھکانہ ہے، بندے کے اعمال کی اصل جزا وہیں ملے گی، یہ دنیا ایک دن ختم ہوجائے گی، اس کے بعد قیامت ہوگی، ایک فریق کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور ایک کو دوزخ میں، اللہ جل جلالہ نے ان دونوں کو تیار کیا ہوا ہے، گناہ گار مومن اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں ضرور داخل ہوں گے، موت کو بھی موت آجائے گی، پھر جو جہاں کا مستحق ہوگا، اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے گا۔

اچھی بری تقدیر کا مطلب:

تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اچھا ہو یا برا، فائدہ کا ہو یا نقصان کا، یہ سب اللہ جل شانہ کے حکم سے ہوتا ہے، نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ فائدہ، جو آفت یا مصیبت پہنچ گئی وہ دور نہیں ہوسکتی تھی، اور جو نہیں پہنچی وہ کوئی دوسرا ہم پر مسلط نہیں کرسکتا، صدقہ مصیبت کو ٹالتا ہے اور دعاؤں سے کایا پلٹ جاتی ہے، لیکن یہ دونوں چیزیں بھی تقدیر کے تابع ہیں۔

ارکانِ اسلام:

۱- **نماز ادا کرنا:** اسلام کے بنیادی ارکان میں سب سے پہلا فریضہ نماز ہے، جو دینِ اسلام کا ستون ہے، اس پر ایمان رکھنا، پانچوں وقت کی باجماعت نماز پڑھنا اور بلا عذر جماعت نہ چھوڑنا ضروری ہے، ہر عاقل بالغ مرد و عورت پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے، شرائط و آداب کے ساتھ پابندی سے اسے ادا کرنا چاہیے۔

۲- **زکوۃ دینا:** ہر عاقل بالغ، صاحبِ نصاب مرد و عورت پر سال میں ایک مرتبہ زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔

۳- **حج بیت اللہ:** ساری زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا ہر ایسے عاقل بالغ مرد و عورت پر فرض ہے جو استطاع رکھتا ہو اور اس کے پاس آمد و رفت کا خرچ ہو اور راستہ پر امن ہو۔

۴- **رمضان کے روزے:** سال میں ایک مہینے کے روزے ہر مسلمان عاقل بالغ مرد و عورت پر فرض ہیں، جو گناہوں کی معافی، درجات کی ترقی کا اہم ترین ذریعہ ہیں۔

غسل جنابت کرنا:

دینِ اسلام نے جس طرح باطن اور قلب کی صفائی کا اہتمام کیا ہے، اسے کفر و شرک اور باطل عقائد سے پاک صاف کیا، اسی طرح اس کے ظاہر کو بھی ظاہری آلودگی سے پاک کیا، چنانچہ اگر حدثِ اکبر پیش آجائے، عورت سے ہمبستری کی ہو، احتلام ہوجائے یا کسی اور وجہ سے شہوت سے منی نکل آئے یا عورت حیض و نفاس سے پاک ہو تو ان صورتوں میں غسل فرض ہوجاتا ہے، جو شخص بلا وجہ غسلِ

جنابت میں تاخیر کرتا ہے ایسے شخص سے رحمت کے فرشتے دور رہتے ہیں۔

احسان کیا ہے؟

احسان کہتے ہیں اخلاص کے ساتھ عمل کرنا، اخلاص بڑا عظیم سرمایہ ہے اور ریا کاری سے تمام نیک اعمال ضائع ہوجاتے ہیں، جبکہ اخلاص معمولی سے عمل کو بھی بڑا قیمتی بنا دیتا ہے، اخلاص مطلوب اور محمود ہے اور ریا کاری مبغوض اور ناپسند ہے۔ اخلاص کے لیے ایک نسخہ یہ بتلایا کہ تم عبادت اس طرح کرو کہ تمہیں یہ یقین ہو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تمہارا ایمان اتنا مضبوط نہ ہو تو یہ ذہن میں رکھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

قیامت کی نشانیاں:

حضرت جبریل علیہ السلام نے امتِ محمدیہ کو تعلیم دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے بارے میں بھی سوال کیا، چونکہ اللہ جل شانہ نے پانچ چیزوں کا علم اپنے پاس رکھا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے صاف فرمادیا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اسے بھی اس سے زیادہ معلوم نہیں جو سائل کو معلوم ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾، یعنی بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور نہ کوئی یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔

لہذا یہ بتلانا کہ قیامت کس سال آئے گی، یہ کسی کو معلوم نہیں، کچھ تفصیلات اور نشانیاں معلوم ہیں جن سے سال اور حقیقی وقت معلوم نہیں ہوسکتا، البتہ احادیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ محرم کا مہینہ، عاشورہ کا دن اور جمعہ کا روز ہوگا۔

387۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ إِذْ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ: إِنَّ اللهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ، فَقَالَ قَسٌّ مِنْ تِلْكَ الْقُسُوسِ: مَا يَقُولُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالُوا: يَقُولُ: إِنَّ اللهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ، فَقَالَ: بر گشت، اللهُ أَعْدَلُ مِنْ أَنْ يُّضِلَّ أَحَدًا، فَبَلَغَتْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَقَالَتُهُ، فَقَالَ: كَذَبْتَ بَلِ اللهُ أَضَلَّكَ، وَاللهِ لَوْلَا عَهْدُكَ لَضَرَبْتُ عُنُقَكَ.

ترجمہ: حضرت عبدالاعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مقام جابیہ (دمشق کی ایک بستی) میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ تو وہاں یہودی علماء میں سے ایک عالم نے کہا: امیر المومنین کیا کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے بتلایا کہ: وہ فرماتے ہیں بے شک اللہ

جَلَّ جَلَالُہٗ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اس یہودی عالم نے کہا: وہ تو (حق سے) پھر گئے ہیں اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرنے سے زیادہ عدل کرنے والا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اس کی بات پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا بلکہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے تمہیں گمراہ کر دیا اگر تم سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔

لغات: قَسٌّ: ج قُسُوس، عیسائی پادریوں کا ایک درجہ جو شماس اور اسقف کے درمیان ہوتا ہے، عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، برگشتہ، یا برگشت، راہ راست سے ہٹا ہوا۔

جو تقدیر میں ہے وہی ہوتا ہے:

اہلِ زیغ کی طرح اس یہودی نے بھی کہا کہ اللہ جل شانہ کسی کو گمراہ نہیں فرماتے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بتلا دیا کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے جو فیصلہ کر رکھا ہے وہی ہوگا، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ظلم نہیں کرتے اس لیے کہ انسان کو اختیار دیا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے ارادے سے وہ کام کر کے جہنم کا مستحق بنتا ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھوٹا قرار دیا اور بتلا دیا کہ منکرِ تقدیر کی گردن اڑا دی جائے گی، تم سے معاہدہ ہے، اس لیے تمہیں چھوڑ دیا۔ (المختار)

388 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي وَاثِلَةَ أَوِ ابْنِ وَاثِلَةَ (شَكَّ مُحَمَّدٌ) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: تَكُونُ النُّطْفَةُ فِي الرَّحِمِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ تَكُونُ عَلَقَةً أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ تَكُونُ مُضْغَةً أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يُنْشَأُ خَلْقُهُ، فَيَقُولُ: رَبِّ أَذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى، شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ؟ وَمَا رِزْقُهُ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، الشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ، وَالسَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مادہ منویہ رحم میں چالیس دن ٹھہرتا ہے پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا ہو جاتا ہے پھر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اس کی تخلیق فرماتا ہے پھر وہ (فرشتہ) کہتا ہے: اے میرے ربّ! مذکر ہے یا مونث بد بخت ہے یا نیک بخت؟ اور اس کا رزق کیا ہوگا؟ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بد بخت لکھا گیا ہے اور نیک بخت وہ ہے جس کو اس کے غیر سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

پیدا ہونے سے پہلے سب کچھ لکھا جا چکا ہے:

یہ بات کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی اس موقوف روایت میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو اپنی ماں کے شکم میں پہلے چالیس روز تک (نطفہ کی صورت میں) رکھا جاتا ہے، پھر وہ چالیس روز تک جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتا ہے، پھر وہ چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا بن کر رہتا ہے، پھر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ وہ چار باتیں لکھ دے۔ چنانچہ وہ اس کے اعمال، اس کی موت کا وقت، اس کا رزق اور یہ کہ وہ بد بخت ہوگا یا نیک

بخت لکھ دیتا ہے، پھر اس کے جسم میں روح پھونکی جاتی ہے،
چنانچہ کوئی آدمی دوزخیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن اس پر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے تو وہ جنتیوں جیسے عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی جنتیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے، حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن اس پر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جہنمیوں جیسے عمل کرنے لگ جاتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحيح بخاري، حديث نمبر 3332)

بَابُ مَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ الْحُرِّ مِنَ التَّزْوِيجِ

آزاد مرد کے لئے حلال شادیوں کا بیان!

389 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ الْجَدَلِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ قَالَ: كَانَ يَقُولُ: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾، قَالَ: أُحِلَّ لَكُمْ أَرْبَعٌ وَحُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، قَالَ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمُحْصَنَاتُ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ بَعْدَ الْأَرْبَعِ.

ترجمہ: حضرت قیس بن مسلم الجدلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) سے اللہ جل جلالہ کے اس قول: ترجمہ: "اور وہ عورتیں بھی حرام کی گئی ہیں جو قید نکاح میں ہوں مگر جن لونڈیوں کے تم مالک بن جاؤ" کے بارے میں روایت کرتے ہیں، فرمایا: وہ فرمایا کرتے تھے کہ، اور ارشاد خداوندی ہے! ترجمہ: "پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو تین تین اور چار چار"، اور انہوں فرمایا: تمہارے لئے چار تک عورتیں حلال کی گئی ہیں اور تم پر تمہاری مائیں اور اس کے علاوہ جو آیت میں مذکور ہیں وہ بھی حرام ہیں اور انہوں نے فرمایا: اس سے زیادہ آزاد پاک دامن عورتیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں البتہ چار بیویوں کے بعد باندھیاں جتنی ہو رکھ سکتے ہو۔

390 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا نَكَحَ الرَّجُلُ الْأَمَةَ عَلَى الْحُرَّةِ فَنِكَاحُ الْأَمَةِ فَاسِدٌ، وَإِذَا نَكَحَ الْحُرَّةَ عَلَى الْأَمَةِ أَمْسَكَهُمَا جَمِيعًا، وَيَقْسِمُ لِلْحُرَّةِ لَيْلَتَيْنِ، وَلِلْأَمَةِ لَيْلَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے شادی کرے تو باندی سے نکاح فاسد ہوگا، اور اگر باندی کے ہوتے ہوئے آزاد عورت سے شادی کرے تو دونوں کو رکھ سکتا ہے، اور آزاد عورت کو باری میں دو راتیں دے گا اور باندی کو ایک رات، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

کیا آزاد عورت کے رہتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتے ہیں؟

اگر پہلے سے آزاد عورت نکاح میں موجود ہے تو احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک باندی سے نکاح ناجائز ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آزاد آدمی کے لئے اگر چہ یہ صورت جائز نہیں، مگر غلام کے لئے جائز ہے کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد عورت رضامند ہے تو اس کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر رضامند نہیں تو پھر نکاح درست نہ ہوگا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "لَا تُنْكَحُ الْأَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ"، (اخرجه الدار قطنی (۳۹/۴) کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح نہ کیا جائے، اس حدیث میں عموم ہے شوہر آزاد ہو یا غلام عورت راضی ہو یا ناراض لہذا یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما دونوں کے خلاف حجت ہوگی۔

البتہ اگر کسی کے نکاح میں باندی ہو تو اس پر آزاد عورت سے شادی کر سکتا ہے، اس میں اس باندی کے لیے کوئی عار کی بات بھی نہیں ہے۔

391- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لِلْحُرِّ أَنْ يَّتَزَوَّجَ أَرْبَعَ مَمْلُوكَاتٍ وَ ثَلَاثًا، وَاثْنَتَيْنِ وَوَاحِدَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَهُ أَنْ يَّتَزَوَّجَ مِنَ الْإِمَاءِ مَا يَتَزَوَّجُ مِنَ الْحَرَائِرِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں: آزاد مرد چار، تین، دو اور ایک لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کہ جتنی تعداد میں آزاد عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اتنی ہی تعداد میں لونڈیوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ایک وقت میں کتنی باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جس طرح ایک مرد چار آزاد عورتوں سے شادی کر سکتا ہے، اسی طرح چار باندیوں سے بھی شادی کر سکتا ہے، البتہ چار سے زائد شادی کرنا ناجائز ہے اور اس پر اجماعِ امت ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: آیت میں ہے کہ چار سے زیادہ شادی نہ کرو ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (آیت ۳ سورۃ النساء) نکاح کرو جو اچھی لگے عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار یہ آیت بیان عدد میں نص ہے اور عدد کی صراحت زیادتی کے لئے مانع ہے نیز یہ آیت شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے خلاف بھی حجت ہے کیوں کہ آیت میں لفظ نساء مذکور ہے اور نساء جس طرح آزاد کو شامل ہے اسی طرح باندی کو بھی شامل ہے۔

❁ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر باندی سے نکاح کرے تو صرف ایک باندی سے کرسکتا ہے زائد سے نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی **دلیل**: باندی سے شادی کرنا مجبوری کے درجہ میں ہے جب کہ آزاد عورت سے شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو لہذا بقدر ضرورت ہی نکاح جائز ہوگا، اور ضرورت پوری ہوجاتی ہے ایک باندی سے اس لیے ایک سے زائد باندی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

بَابُ مَا يَحِلُّ لِلْعَبْدِ مِنَ التَّزْوِيجِ

غلام کے لئے کتنی بیویاں رکھنا جائز ہے؟

392 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : لَيْسَ لِلْعَبْدِ أَنْ يَتَزَوَّجَ إِلَّا حُرَّتَيْنِ، أَوْ مَمْلُوكَتَيْنِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: غلام صرف دو آزاد عورتوں یا دو لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

غلام کتنی شادیاں کرسکتا ہے؟

غلام کے لئے احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دو عورتوں سے نکاح جائز ہے زیادہ سے اجازت نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آزاد کی طرح غلام کے لئے بھی چار کی اجازت دیتے ہیں، احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ غلام کی نعمت آزاد کے مقابلہ میں آدھی ہے اس لیے آزاد کو چار کی اجازت ہے تو غلام کو دو کی اجازت ہوگی۔

393 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : لَا يَحِلُّ لِلْعَبْدِ أَنْ يَتَسَرَّى، وَلَا يَحِلُّ لَهُ فَرْجٌ إِلَّا بِنِكَاحٍ يُزَوِّجُهُ مَوْلَاهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلام کے لئے کسی کو لونڈی کے طور پر رکھنا جائز نہیں اور اس کے لئے کسی (عورت) سے جماع بھی جائز نہیں البتہ یہ کہ اس کا مالک اس کا نکاح کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

غلام باندی نہیں رکھ سکتا:

چوں کہ غلام کو خرید وفروخت کا اختیار نہیں، اس لیے باندی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، آزاد مرد باندی کا مالک بن سکتا ہے لہذا اس کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے جس میں وطی بھی داخل ہے، اس لیے آزاد آدمی ہمبستری کے لیے باندیاں رکھ سکتا ہے، البتہ غلام نہیں رکھ سکتا، یہی بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اگلے اثر سے مزید وضاحت کے ساتھ آرہی ہے۔

394 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ الْمَكِّيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ

الْمَقْبُرِيِّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَا يَحِلُّ فَرْجٌ مِنَ الْمَمْلُوكَاتِ إِلَّا مَنِ ابْتَاعَ، أَوْ وُهِبَ، أَوْ تُصُدِّقَ، أَوْ أُعْتِقَ جَازَ، يَعْنِي بِذَلِكَ الْمَمْلُوكَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ يَعْنِي أَنَّ الْمَمْلُوكَ لَا يَحِلُّ لَهُ فَرْجٌ إِلَّا بِنِكَاحٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی مملوکہ عورت کا فرج حلال نہیں ہوتا مگر اس کے لیے جو اسے خریدے یا اسے ہبہ کر دی جائے یا اس پر صدقہ کر دی جائے یا غلام کو آزاد کر دیا جائے، پھر جائز ہے، اس سے ان کی مراد غلام ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یعنی غلام کے لیے باندی بغیر نکاح کے حلال نہیں اور یہی امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

395- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا يَصْلُحُ لِلْعَبْدِ أَنْ يَتَسَرَّى، ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾، فَلَيْسَتْ لَهُ بِزَوْجَةٍ وَلَا مِلْكَ يَمِينٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: غلام کے لیے درست نہیں کہ وہ ہمبستری کے لیے باندی رکھے، پھر یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ: ہاں البتہ اپنی بیویوں سے اور باندیوں سے) چنانچہ وہ باندی نہ اس کی بیوی ہے (نکاح کے بغیر) اور نہ اس کی ملکیت ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

396- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَبْدِ إِذَا زَوَّجَهُ مَوْلَاهُ فَالطَّلَاقُ بِيَدِ الْعَبْدِ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَالطَّلَاقُ بِيَدِ مَوْلَاهُ، وَيَأْخُذُ مِنَ الْمَرْأَةِ مَا أَخَذَتْ مِنْ عَبْدِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس غلام کے بارے میں مروی ہے جس کا مولی اس کی شادی کرا دے: طلاق غلام کے ہاتھوں میں ہوگی، اور اگر غلام آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لے تو طلاق آقا کے قبضے میں ہوگی اور وہ عورت سے وہ لے لے گا جو عورت نے اس غلام سے لیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

کیا غلام کی طلاق مولی کے قبضہ میں ہے؟

طلاق کا حق اسے ہوتا ہے جس کے نکاح میں وہ عورت ہو، اگر مولی اپنے غلام کی شادی کرا دے تو اب طلاق کا حق غلام کو ہوگا، مولی اس کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا، غلام اگر طلاق دے گا تو واقع ہو جائے گی اس لیے کہ اس صورت میں مولی کے حق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لیکن اگر غلام یا باندی آقا کی اجازت کے بغیر اپنی شادی کر لیں تو یہ نکاح درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے جس غلام نے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ زانی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں، لیکن یہ حدیث ان کے مذہب کی

تردید کررہی ہے، ایسے غلام کی طلاق مولی کے قبضہ میں ہے اس سے یہی مراد ہے کہ اس کا نکاح ہی درست نہیں ہوا۔

397- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَنِكَاحُهُ فَاسِدٌ، وَإِنْ أَذِنَ لَهُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ فَنِكَاحُهُ ثَابِتٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِنَّمَا يَعْنِي بِقَوْلِهِ: إِنْ أَذِنَ لَهُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ يَقُولُ: إِنْ أَجَازَ مَا صَنَعَ فَهُوَ جَائِزٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: غلام جب اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح فاسد ہے، اور اگر غلام کے اس طرح نکاح کرنے کے بعد مولی اس نکاح کو جائز قرار دے، تو اس کا نکاح درست ہو جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے قول (إِنْ أَذِنَ لَهُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ) سے ان کی مراد ہے: اس نے جو نکاح کیا ہے مولی اس کی اجازت دے دے تو نکاح جائز ہوگا اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

فَنِكَاحُهُ فَاسِدٌ: یہاں فاسد سے مراد موقوف ہے، کیونکہ فاسد کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

مولی کی اجازت کے بغیر نکاح موقوف ہوگا:

اگر غلام یا باندی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلیں تو احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ نکاح موقوف ہوگا، اگر مولی اس پر اعتراض نہ کرے تو نکاح درست ہو جائے گا اور اگر رد کردے تو کالعدم ہو جائے گا، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فضولی کا عقد اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر صاحبِ حق نے اجازت دے دی تو وہ معاملہ جائز ہو جائے گا ورنہ کالعدم، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں، اس لیے کہ عقد کا مقصد ہے اس کے احکامات لازم ہونا اور فضولی کسی حکم کو لازم نہیں کرسکتا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ یہ تصرف اس نے کیا ہے جو اہل ہے اور محل میں کیا ہے، البتہ اس کا انعقاد موقوف ہے، اگر فائدہ مند ہوگا نافذ کردے گا ورنہ نہیں، بعض مرتبہ کسی معاملے کا حکم اس معاملے سے موخر ہو جاتا ہے، جیسے بیع بشرط الخیار میں ہوتا ہے کہ وہ بیع خیار ختم ہونے پر لازم ہوتی ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ

اس شخص کا بیان جو اپنی ام ولد کا کسی سے نکاح کرادے

398- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِ سَيِّدِهَا إِذَا وَلَدَتْهُ وَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ بِمَنْزِلَتِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ام ولد اپنے آقا کے علاوہ کسی اور سے بچہ پیدا کرے، اس حال میں کہ وہ ام ولد ہو تو وہ

بچہ بھی ام ولد کی طرح (آزاد) ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

وضاحت:

ام ولد کی اولاد بھی مولیٰ کی مملوک ہوتی ہے البتہ ام ولد کی طرح اس کی اولاد بھی آقا کی موت کے بعد آزاد ہوجاتی ہے۔

399 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ عَبْدًا فَتَلِدُ أَوْلَادًا ثُمَّ يَمُوتُ، قَالَ: هِيَ حُرَّةٌ وَأَوْلَادُهَا أَحْرَارٌ، وَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ كَانَتْ مَعَ الْعَبْدِ، وَإِنْ شَاءَتْ لَمْ تَكُنْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَلَهَا الْخِيَارُ أَيْضًا وَإِنْ كَانَتْ تَحْتَ حُرٍّ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو اپنی ام ولد کا کسی غلام سے نکاح کرا دے، پھر اس غلام سے اس کے یہاں اولاد ہو پھر آقا مر جائے، انہوں نے فرمایا: ام ولد آزاد ہوجائے گی اور اس کی اولاد بھی آزاد ہوگی، اس ام ولد کو اختیار ہوگا، چاہے غلام کے ساتھ رہے، اور چاہے اس کے ساتھ نہ رہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اس عورت کو خیارِ عتق حاصل ہوگا اگر چہ وہ کسی آزاد آدمی کے نکاح میں ہو۔

مولی اگر باندی کی شادی کر کے آزاد کردے:

اگر کسی آقا سے باندی کے ہاں بچہ پیدا ہوجائے تو اس باندی کو ام ولد کہتے ہیں اب اس کا بیچنا اور کسی کو دینا درست نہیں، البتہ مولی اس سے کام کاج کرا سکتا ہے، اس سے ہمبستری کرسکتا ہے، اس کی شادی کرا سکتا ہے، اسے اجرت پر کام کاج کے لیے دے سکتا ہے، امِ ولد مولی کے مرنے کے بعد آزاد ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر مولی اس کی شادی کرادے تو اس کی اولاد بھی آزاد شمار ہوگی۔

مولی اگر اپنی باندی کی شادی کسی اور سے کردے پھر اسے آزاد کردے تو باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوگا، اس کا شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام، اس لیے کہ اب تک اس کے شوہر کو اس پر دو طلاقوں کا اختیار تھا، آزاد ہونے کے بعد تین طلاقوں کا مالک بن جائے گا اس لیے عورت کو اختیار ہوگا، کہ چاہے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہے ورنہ جس مجلس میں اسے آزاد ہونے کا علم ہوا اس میں اگر بغیر فیصلہ کے کھڑی ہوگئی تو اس کا خیارِ عتق ختم ہوجائے گا، اگر وہ نکاح ختم کرنا چاہتی ہے تو بغیر طلاق کے جدائی اختیار کرسکتی ہے۔

اگر باندی کی آزادی کے وقت اس کا شوہر غلام تھا تو بالاتفاق خیارِ عتق حاصل ہوگا مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آزادی کے وقت اگر شوہر آزاد تھا تو باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوگا یا نہیں چناں چہ اس بارے میں **دو مذہب** ہیں۔

- ① - **احناف** رحمہم اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ آزادی کے وقت اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں میں باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوگا۔
- ② - **موالک وشوافع** رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ آزادی کے وقت اگر شوہر آزاد تھا تو باندی کو خیارِ عتق حاصل نہیں ہوگا اور اگر غلام ہے تو خیارِ عتق حاصل ہوگا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنی باندی بریرہ کو آزاد کر دیا تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِی "اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثبوت خیار کی علت ملک بضع کو قرار دیا اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر آزاد ہے یا غلام لہذا یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں کو شامل ہوگی۔

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ جس وقت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خیار دیا گیا تو ان کے شوہر اس وقت غلام تھے یا آزاد، جب روایات متعارض ہیں تو ان سب روایات کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان" ملکت بضعك " پر عمل کریں گے، اور یہی حدیث موالک وشوافع رحمۃ اللہ علیہم کے خلاف حجت ہوگی۔

باب الرجل يَتَزَوَّجُ وَبِهِ الْعَيْبُ، وَالْمَرْأَةِ

عورت یا مرد نکاح کے وقت عیب دار ہوں!

400 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ وَ هُوَ صَحِيحٌ، أَوْ يَتَزَوَّجُ وَ بِهِ بَلَاءٌ لَمْ يُخْبِرِ امْرَأَتَهُ، وَلَا أَهْلَهَا: إِنَّهَا امْرَأَتُهُ أَبَدًا، لَا يُجْبَرُ عَلَى طَلَاقِهَا، قَالَ: وَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَ هِيَ هَكَذَا فَهِيَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَ أَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ بِهَا الْعَيْبُ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ، وَإِنْ كَانَ الرَّجُلُ بِهِ الْعَيْبُ فَكَانَ عَيْبًا يُحْتَمَلُ فَالْقَوْلُ عِنْدَنَا مَا قَالَهُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَإِنْ كَانَ عَيْبًا لَا يُحْتَمَلُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَجْبُوبِ وَ الْعِنِّينِ، تُخَيَّرُ امْرَأَتُهُ فَإِنْ شَاءَتْ أَقَامَتْ مَعَهُ، وَإِنْ شَاءَتْ فَارَقَتْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو تندرستی میں شادی کرے یا بیماری کی حالت میں شادی کرے اور نہ اپنی عورت کو بیماری کی خبر دے، اور نہ اس کے گھر والوں کو: یہ عورت ہمیشہ کے لیے اس کی بیوی ہے، اس مرد کو اسے طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، انہوں نے فرمایا: اور اگر کسی مرد نے ایسی کیفیت کی عورت سے شادی کی، تو عورت کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور بہر حال ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت میں عیب ہو تو بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، اور اگر مرد میں عیب ہے اور قابل برداشت ہے تو بات وہی ہوگی جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور اگر عیب نا قابل برداشت ہو تو ایسا شخص مقطوع الذکر اور نامرد کی طرح ہوگا، اس کی بیوی کو اختیار دیا جائے گا چاہے اسی کے ساتھ رہے اور چاہے تو اس سے جدائی اختیار کر لے۔

401 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ وَ بِهَا عَيْبٌ أَوْ دَاءٌ: إِنَّهَا امْرَأَتُهُ، طَلَّقَ أَوْ أَمْسَكَ، وَلَا تَكُونُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْإِمَاءِ أَنْ يَرُدَّهَا مِنْ عَيْبٍ، وَقَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ بِالرَّجُلِ عَيْبٌ

أَ كَانَ لَهَا أَنْ تَرُدَّهُ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ بِيَدِ الزَّوْجِ إِنْ شَاءَ طَلَّقَ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ أَلَا تَرَىٰ أَنَّهُ لَوْ وَجَدَهَا رَتْقَاءَ لَمْ يَكُنْ لَهُ خِيَارٌ؛ لِأَنَّ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ...

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جو ایسی عورت سے شادی کرے جس میں عیب ہو یا اسے کوئی بیماری لاحق ہو: وہ اس کی بیوی ہے، طلاق دے یا روکے رکھے، اور وہ اس معاملہ میں باندی کی طرح نہیں ہوگی کہ عیب کی وجہ سے اسے واپس کرنے کا اختیار ہو، اور انہوں نے فرمایا: بتلاؤ اگر مرد میں عیب ہوتا تو کیا عورت کو اسے واپس کرنے کا حق ہوتا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے، چاہے طلاق دے دے اور چاہے روکے رکھے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر عورت کا اگلا راستہ بند ہوتا (نا قابل جماع ہوئی) تو بھی مرد کو اختیار (فسخ نکاح) نہ ہوتا، اس لیے کہ طلاق مرد کے قبضے میں ہے،

...وَ لَوْ وَجَدَتْهُ مَجْبُوبًا كَانَ لَهَا الْخِيَارُ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَيْسَ بِيَدِهَا، وَ كَذٰلِكَ إِذَا وَجَدَتْهُ مَجْنُونًا مُوَسْوِسًا يُخَافُ عَلَيْهَا قَتْلُهُ، أَوْ وَجَدَتْهُ مَجْذُومًا مُنْقَطِعًا لَا تَقْدِرُ عَلَى الدُّنُوِّ مِنْهُ، وَ أَشْبَاهُهُ هٰذَا مِنَ الْعُيُوبِ الَّتِي لَا تُحْتَمَلُ. فَهٰذَا أَشَدُّ مِنَ الْعِنِّيْنِ وَ الْمَجْبُوبِ، وَقَدْ جَاءَ فِي الْعِنِّيْنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّهَا تُؤَجَّلُ سَنَةً ثُمَّ تُخَيَّرُ، وَ جَاءَ أَيْضًا فِي الْمُوَسْوِسِ أَثَرٌ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَجَّلَهَا ثُمَّ خَيَّرَهَا. وَ كَذٰلِكَ الْعُيُوبُ الَّتِي لَا تُحْتَمَلُ هِيَ أَشَدُّ مِنَ الْمَجْبُوبِ وَالْعِنِّيْنِ.

ترجمہ: اور اگر عورت مرد کو مقطوع الذکر پائے تو عورت کو اختیار ہوگا، اس لیے کہ طلاق دینا اس کے اختیار میں نہیں ہے، اور اسی طرح عورت اگر مرد کو دیوانہ، شکی وہمی پائے جس سے اس عورت کے قتل کا ڈر ہو یا وہ شوہر کو جذامی، الگ تھلگ رہنے والا پائے، عورت اس کے قریب نہ ہوسکتی ہو، اور اس کے مثل ایسے عیوب ہو جو نا قابل برداشت ہوں، تو یہ نامرد اور مقطوع الذکر سے زیادہ سخت عیب ہے اور نامرد کے بارے میں آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ عورت کو ایک سال کی مہلت دی جائے پھر اس کو اختیار دیا جائے گا اور وہمی کے بارے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اثر منقول ہے کہ انہوں نے عورت کو مہلت دی پھر اسے اختیار دیا، اسی طرح وہ عیب جو نا قابل برداشت ہوں وہ مقطوع الذکر اور نامرد سے زیادہ برے ہیں۔

402- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ، يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَجِدُهَا مَجْذُومَةً، أَوْ بَرْصَاءَ، قَالَ: هِيَ امْرَأَتُهُ، إِنْ شَاءَ طَلَّقَ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اُس شخص کے بارے میں مروی ہے جو کسی عورت سے شادی کرے اور اسے جذام زدہ یا برص کی مریضہ پائے، انہوں نے فرمایا: وہ اس کی بیوی ہے، اگر چاہے تو اسے طلاق دے اور اگر چاہے تو اسے روکے رکھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے کہ طلاق مرد کے قبضے میں ہے (جب چاہے طلاق دے دے)۔

اگر شادی کے بعد مرد وعورت میں عیب معلوم ہو:

اگر شادی کے بعد عورت میں کوئی عیب معلوم ہو تو ایسی صورت میں شوہر کو نکاح فسخ کرنے کا حق نہ ہوگا، اس لیے کہ عقدِ نکاح سے مرد کو حقِ وطی حاصل ہوتا ہے اور عیب کی وجہ سے یہ حق فوت نہیں ہوتا، البتہ اس میں کچھ خلل آجاتا ہے، موت کی وجہ سے یہ حق بالکل ہی فوت ہوجاتا ہے حالاں کہ تب بھی نکاح فسخ نہیں ہوتا، باقی اگر اس کی وجہ سے حقوقِ زوجیت ادا نہ ہوسکتے ہوں تو طلاق دے دے۔

اگر مرد میں عیب ہو مثلاً جزام، برص یا جنون ہو تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عورت کو فسخِ نکاح کا حق نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان عیوب کے ساتھ بھی مقاصدِ نکاح حاصل ہوسکتے ہیں، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کو فسخِ نکاح کا حق ہوگا، اس لیے کہ عورت کو اس سے نقصان پہنچنے کا ڈر رہتا ہے۔

اگر شدید نامرد ہو (عورت سے جماع کرنے پر قادر ہی نہ ہو) تو حاکم مرد کو ایک سال کی مہلت دے گا، اگر اس میں علاج کرا کر ٹھیک ہوگیا تو عورت کا حقِ خیار ختم ہوجائے گا ورنہ اگر عورت جدائی کا مطالبہ کرے تو ان دونوں میں تفریق کردی جائے گی، یہ تفریق ایک طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگی اور اگر شوہر نے عورت کے ساتھ خلوتِ صحیحہ کرلی ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔

لیکن اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو قاضی ان دونوں میں فوری تفریق کردے گا، علاج وغیرہ کی مہلت نہیں دے گا، اس لیے کہ نامرد کو مہلت اس لیے دی گئی تھی تاکہ علاج وغیرہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ خلقۃً نامرد ہے یا کسی بیماری کی وجہ سے اور جس کے پاس آلہ تناسل نہ ہو اسے یہ مہلت دینا بے سود ہے، خصی مرد کو نامرد کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی اس لیے کہ اس سے ہمبستری کی امید رکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ مَا نُهِيَ عَنْهُ مِنَ التَّزْوِيجِ وَاسْتِئْمَارِ الْبِكْرِ

ممنوع نکاح اور کنواری لڑکی سے اجازت لینا!

403- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَزَوَّجُ فُلَانَةً؟ فَنَهَاهُ عَنْهَا، ثُمَّ أَتَاهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَنَهَاهُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَوْدَاءُ وَلُودٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حَسْنَاءَ عَاقِرٍ، إِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ، حَتَّى أَنَّ السِّقْطَ يَظَلُّ مُحْبَنْطِئًا يُقَالُ لَهُ: أُدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ: لَا حَتَّى يَدْخُلَ أَبَوَايَ.

ترجمہ: حضرت عبدالملک بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ شام کے ایک شخص سے اور وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں فلاں عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے روک دیا پھر تین مرتبہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منع فرمادیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سیاہ رنگ کی بچے

جننے والی مجھے خوبصورت بانجھ کے مقابلے میں پسند ہے بیشک میں باقی امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا حتی کہ نا تمام بچہ رک جائے گا اس سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ، تو وہ کہے گا: نہیں حتی کہ میرے ماں باپ جنت میں داخل ہوں۔

لغات: **وَلُوْدٌ**: بکثرت بچے جننے والی یا بہت اولا د والی، **حَسْنَاءَ**: حسینہ، خوبصورت، **عَاقِر**: بانجھ عورت ج: **عواقر**، **مُكَاثِرٌ**: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ①- زیادتی طلب کرنا، یعنی میں چاہتا ہوں کہ میری امت دوسری امتوں پر زیادہ ہو ②- مکاثر بمعنی مفاخر ہے، یعنی جب تم زیادہ ہو گے تو میں تمہاری وجہ سے دوسری سابق امتوں پر فخر کروں گا۔ **السِّقْط**: سین پر کسرہ، فتحہ اور ضمہ تینوں درست ہیں، البتہ کسرہ افصح ہے نا تمام بچہ جو وقت سے پہلے گر جائے، **محبنطئًا**: اس کے کئی معانی آتے ہیں: رکنے والے، یعنی جنت میں داخل ہونے سے رک جائے گا، باز آئے گا، دوسرا معنی **متبغّض**، یعنی جسے اچھا نہ سمجھا جائے، مبغوض تصور کیا جائے، یعنی تم لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے، لیکن اس کی بھی فضلیت ہے۔ تیسرا معنی ایسی چیز جس کو طلب نہ کیا جائے، جس کی چاہت نہ کی جائے۔

کن صفات کی حامل عورت سے شادی کرنی چاہیے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسی عورت سے شادی کرو جو خوب بچے دینے اور محبت کرنے والی ہو اس لیے کہ میں قیامت میں تمہاری کثرت کی وجہ سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔

نکاح کا مقصد امت کو بڑھانا ہے اس لیے اس قسم کی عورتوں سے شادی کا حکم دیا گیا، اولاد سے انسان کو خود بھی فائدہ پہنچتا ہے، دنیا میں طاقت وقوت کا ذریعہ بنتی اور صدقہ جاریہ ہے، اگر ان کی صحیح تربیت ہو تو وہ جتنے نیک عمل کریں گے اس کا پورا ثواب انہیں بھی ملے گا اور ان کے والدین کو بھی، نیک اولاد والدین کی مغفرت اور ترقی درجات کی دعا کرتی ہے، ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرتی ہے، ان کی خدمت کر کے جنت کماتی ہے۔ حتی کہ نا تمام بچہ بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک اس کے والدین کو جنت میں داخل نہ کر دیا جائے گا۔

شادی میں دین کو مدار اور اخلاق کو وجہ ترجیح بنانا چاہیے نہ کہ ظاہری حسن و جمال اور مال و دولت کو، حدیث شریف میں آتا ہے عورت سے چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے، اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب نسب کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی اور جمال کی وجہ سے اور اس کے دین وتقوی کی وجہ سے، تم دیندار کو حاصل کر لو واقعی یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔

باقی حدیث میں ذکر کردہ صاحب جس عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے وہ بانجھ ہوگی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحب کو ان صاحبہ سے شادی کرنے سے منع کر دیا، اس لیے کہ ان سے شادی کا اصل مقصد توالد وتناسل پورا نہیں ہو سکتا تھا۔

404- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَرِضَاهَا سُكُوتُهَا، وَقَالَ: وَهِيَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهَا لَعَلَّ بِهَا عَيْبًا لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا الرِّجَالُ مَعَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى أَنْ تُتَزَوَّجَ الْبِكْرُ الْبَالِغَةُ إِلَّا بِإِذْنِهَا، زَوَّجَهَا وَالِدٌ أَوْ غَيْرُهُ، وَرِضَاهَا سُكُوتُهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کنواری عورت سے اس کی اجازت لئے بغیر نکاح نہ کیا جائے اور اس کی رضا اس کا خاموش رہنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: وہ اپنے نفس کے بارے میں زیادہ جانتی ہے ہوسکتا ہے اس میں کوئی عیب ہو جس کی وجہ سے مرد اس کا ہمبستری اختیار نہ کرسکے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں ہمارے خیال میں کنواری بالغہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، اس کا نکاح باپ کرے یا کوئی دوسرا، اس کی رضا اس کی خاموشی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مسئلہ ولایت اجبار:

آیا ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ عورت کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے؟ اگر ہے تو کسی صورت میں؟ اس بارے میں **دو مذہب** ہیں:

- ① - **شوافع** رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک ولایت اجبار کا دار و مدار بکارت (عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے) پر ہے یعنی عورت جب تک باکرہ رہے گی ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، اور جب وہ ثیبہ ہوجائے گی تو ولایت اجبار ختم ہوجائے گی
- ② - **حنفیہ** رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک ولایت اجبار کا دار و مدار صغر اور کبر پر ہے یعنی صغیرہ کا نکاح اس کا ولی بغیر اس کی اجازت کے کر سکتا ہے اور بالغہ کا بغیر اس کی اجازت کے نہیں کرسکتا اس اختلاف کے پیش نظر یہاں چار صورتیں پیدا ہوں گی **دو اتفاقی اور دو اختلافی**:

① - صغیرہ و باکرہ، ② - بالغہ ثیبہ یہ دونوں صورتیں اتفاقی ہیں پہلی صورت میں حق اجبار سب کے نزدیک ہوگا اور دوسری صورت میں کسی کے نزدیک نہ ہوگا ③ - صغیرہ ثیبہ، ④ - بالغہ باکرہ یہ دونوں صورتیں اختلافی ہیں پہلی صورت میں ولایت اجبار جس طرح حنفیہ رحمہم اللہ علیہم کے یہاں ہوگی اسی طرح مالکیہ کے یہاں بھی ہوگی اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ ہوگی اور دوسری صورت میں حنفیہ رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک ولایت اجبار نہ ہوگی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک ہوگی۔

دلیل شوافع رحمہم اللہ علیہم: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَلایمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا" (ترمذی ۱/ ۱۳۱) کہ عورت اپنی ذات کے بارے میں ولی سے زیادہ حقدار ہے اور عورت سے یہاں ثیبہ مراد ہے اب اگر اس کا مفہوم مخالف نکالا جائے تو یہ عبارت اس طرح ہوگی "اَلْبِكْرُ لَيْسَتْ أَحَقَّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا" کہ باکرہ اپنی ذات پر ولی سے زیادہ حق دار نہیں ہے اس مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ اپنے نکاح کی حق دار نہیں ہے بلکہ ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہے اور ثیبہ اپنے نکاح کی حق دار ہے اس لیے اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔

جواب: مفہوم مخالف ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے نیز الایم سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے **دلائل**: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "لَا تُنْکَحُ الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَإِذْنُهَا الصُّمُوتُ"۔(ترمذی (۱۳۱/۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ثیبہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ کیا جائے اور باکرہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے، اس حدیث میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا حکم ایک بیان کیا گیا صرف اجازت کے طریقہ میں فرق ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ باکرہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی اور جب باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ولایت اجبار کا دارومدار نہیں ہوا تو دوسری شق متعین ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ولایت اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے۔

ولی اگر کنواری عاقل بالغ لڑکی سے اس کی شادی کی اجازت طلب کرے اور وہ خاموش رہے یا ہنس دے یا بلا آواز کے رونے لگے تو یہ اجازت شمار ہوگی اور اگر انکار کر دے تو اس کی شادی وہاں نہ کرائی جائے، اور اگر لڑکی ثیبہ ہے تو اس کی اجازت زبانی ہوگی۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ وَلَمْ يَفْرِضْ صَدَاقَهَا حَتَّى مَاتَ

نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہوا اور پھر خاوند فوت ہوگیا؟

405 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَسَأَلَهُ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ، قَالَ: مَا بَلَغَنِي فِي هَذَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ. قَالَ: فَقُلْ فِيهَا بِرَأْيِكَ. قَالَ: أَرَى لَهَا الصَّدَاقَ كَامِلًا، وَلَهَا الْمِيرَاثُ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ: قَضَيْتَ، وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ، بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ الْأَشْجَعِيَّةِ قَالَ: فَفَرِحَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَرْحَةً مَا فَرِحَ قَبْلَهَا مِثْلَهَا، لِمُوَافَقَةِ رَأْيِهِ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَجِبُ الْمِيرَاثُ وَالْعِدَّةُ حَتَّى يَكُونَ قَبْلَ ذَلِكَ صَدَاقٌ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَالرَّجُلُ الَّذِي قَالَ: لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَا قَالَ، مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے لئے مہر مقرر نہیں کیا اور جماع سے پہلے فوت ہوگیا انہوں نے فرمایا: اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مجھے کوئی بات نہیں پہنچی اس نے کہا: اپنی رائے سے فرما دیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے خیال میں اس کے لئے کامل مہر ہے، اس کے لئے وراثت بھی ہے اور اس پر عدت بھی لازم ہے۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے نام سے قسم کھائی جاتی ہے آپ نے وہی فیصلہ فرمایا جو رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بروع بنت واشق الاشجعیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا۔ راوی فرماتے ہیں: (اس پر) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے کیونکہ ان کی رائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے موافق ہوگئی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں وراثت اور عدت اس وقت تک واجب نہیں ہوتی جب تک اس سے پہلے مہر واجب نہ ہوا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ گفتگو کرنے والے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ تھے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

مہر کی شرعی حیثیت:

مہر کی مشروعیت کتاب اللہ حدیث اور اجماع سے ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ﴾ (آیت ۲۴ سورۃ النساء) اور حلال کر دی گئیں ہیں تمہارے لئے محرمات کے سوا سب عورتیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس آیت میں ﴿تبتغوا باموالکم﴾ سے مہر فرض ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے مہر متعین کئے بغیر بھی شادی ہو جائے گی اور آیت کی وجہ سے خود بخود مہر لازم ہو جائے گا اور مہر کی مشروعیت کے سلسلہ میں احادیث تو بے شمار ہیں۔

مہر کی مقدار:

اکثر مہر کی کوئی مقدار نہیں البتہ اقل مہر کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں **تین مذہب** ہیں:

- ① -**امام شافعی اور امام احمد** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو مال ہو اور بیع میں ثمن بن سکتی ہو وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے،
- ② -**امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار یا تین درہم ہے،
- ③ -حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں کم سے کم مہر دس درہم ہے اس سے کم مہر کی تعیین صحیح نہیں ہوگی۔

نکاح کیا اور مہر مقرر کر دیا:

شوہر نے بیوی کا مہر مقرر کر دیا دس درہم یا زیادہ پھر اس کے بعد دخول پایا گیا یا صحبت سے پہلے دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو اب مہر متعین ہی دینا ہوگا مہر مثل لازم نہیں ہوگا کیوں کہ صحبت کرنے سے گویا کہ اپنا مال وصول کیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہوتا ہے لہذا شوہر پر بدل یعنی مہر ہوگا اسی طرح صحبت سے پہلے انتقال ہو گیا تو شی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی اور شی اپنی انتہاء کو پہنچ کر مؤکد ہو جاتی ہے لہذا اب پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔

لیکن کسی عورت سے شادی ہو چکی لیکن ابھی تک اس کے ساتھ صحبت نہیں کی یا خلوت نہیں کی اور طلاق دے دی تو عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا، ہمارے نزدیک خلوت دخول کے مرتبہ میں ہے لہذا جو حکم دخول کا ہوگا وہی خلوت کا ہوگا مذکورہ مسئلہ کی دلیل آیت شریفہ

ہے ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (آیت ۲۳۷ سورۃ البقرہ) اگر تم نے طلاق دی جماع سے پہلے اوران کے لئے مہر مقرر کر رکھا ہے تو جتنا مقرر کیا ہے اس کا آدھا مہر ملے گا۔

نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا:

شوہر نے نکاح کیا اور مہر کے بارے میں خاموش رہا نہ ذکر کیا اور نہ نفی کی یا نکاح کیا اور یوں کہا کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں ہمارے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گی، بشرطیکہ بیوی سے صحبت کر لی یا شوہر کا انتقال ہو گیا یا بیوی کا انتقال ہو گیا۔

دلیل: یہ ہے کہ اس جیسی صورت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ" اس کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔

اگر شوہر نے عورت کو عقد نکاح کے بعد صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی اور عورت کے لیے مہر متعین نہیں تھا تو ایسی عورت کو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک متعہ ملے گا جو شوہر پر واجب ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ مستحب ہے، متعہ میں تین کپڑے ہوتے ہیں کرتی، اوڑھنی، چادر، اور معیار میں مرد کے حال کا اعتبار ہوگا۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا

کسی عورت سے عدت کے دوران نکاح کرنا پھر اسے طلاق دے دینا!

406- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَالَ: لَا يَقَعُ عَلَيْهَا طَلَاقُهُ، وَإِنْ قَذَفَهَا لَمْ يُجْلَدْ، وَلَمْ يُلَاعَنْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جو کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران نکاح کر کے پھر اسے طلاق دے دیتا ہے، آپ فرماتے ہیں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر وہ اس پر تہمت لگائے تو اسے حد قذف نہیں لگایا جائے گا اور نہ لعان ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

407- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي امْرَأَةٍ تَزَوَّجَتْ فِي عِدَّتِهَا فَوَلَدَتْ: إِنِ ادَّعَاهُ الْأَوَّلُ فَهُوَ وَلَدُهُ، وَإِنْ نَفَاهُ الْأَوَّلُ فَادَّعَاهُ الْآخَرُ فَهُوَ وَلَدُهُ، وَإِنْ شَكَّا فِيهِ فَهُوَ وَلَدُهُمَا يَرِثُهُمَا وَيَرِثَانِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَرَى إِذَا طَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَهَا غَيْرُهُ فِي عِدَّتِهَا فَدَخَلَ بِهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ سَنَتَيْنِ مُنْذُ دَخَلَ بِهَا الْآخَرُ فَهُوَ ابْنُ الْأَوَّلِ، وَإِنْ كَانَ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ فَهُوَ ابْنُ الْآخِرِ، وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ نَحْوًا مِنْ ذَلِكَ فِي الطَّلَاقِ الْبَائِنِ أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حماد سے اس عورت کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو عدت کے دوران نکاح کرے اور اس

کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے اگر اس کا پہلا خاوند اس بچے کا دعوی کرے تو وہ اس کا ہوگا اور اگر وہ اس کی نفی کرے اور دوسرا خاوند دعوی کرے تو دوسرے کا ہوگا اور اگر دونوں شک کریں تو دونوں کا بچہ قرار پائے گا وہ ان دونوں کا وارث ہوگا اور وہ دونوں اس کے وارث ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ ہمارے نزدیک جب ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت کے دوران دوسرے آدمی نے اس سے نکاح کر کے جماع بھی کیا تو اگر وہ بچہ اس وقت سے لے کر دو سالوں کے اندر اندر پیدا ہوا تو پہلے خاوند کا ہوگا اور دو سال سے زیادہ مدت کے بعد پیدا ہو تو دوسرے خاوند کا ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ طلاق بائن کے بارے میں بھی اسی قسم کی بات فرماتے ہیں۔

408 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَرْأَةِ تَتَزَوَّجُ فِي عِدَّتِهَا قَالَ: يُفَرَّقُ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ زَوْجِهَا الْآخَرِ، وَ لَهَا الصَّدَاقُ مِنْهُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، وَ تَسْتَكْمِلُ مَا بَقِيَ مِنْ عِدَّتِهَا مِنَ الْأَوَّلِ، وَ تَعْتَدُّ مِنَ الْآخَرِ عِدَّةً مُسْتَقْبِلِيَّةً، ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا الْآخَرُ إِنْ شَاءَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: تَسْتَكْمِلُ عِدَّتَهَا مِنَ الْأَوَّلِ وَ تَحْتَسِبُ بِمَا مَضَى مِنْ ذَلِكَ مِنْ عِدَّةِ الْآخَرِ إِلَى اسْتِكْمَالِهَا عِدَّةَ الْأَوَّلِ، وَ تَعْتَدُّ بِمَا بَقِيَ مِنْ عِدَّةِ الْآخَرِ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے بارے میں جو عدت کے دوران نکاح کرے فرمایا: اس کے اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اس کے لئے مہر ہوگا کیونکہ اس شخص نے اس کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کیا اور پہلے خاوند کی بقیہ عدت پوری کر کے دوسرے کی مستقل عدت گزارے گی پھر اگر دوسرا شوہر چاہے تو اس سے نکاح کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں البتہ ہم کہتے ہیں کہ پہلے خاوند کی عدت مکمل کرے اور جس قدر وقت گزرا ہے اس کو پہلی عدت کی تکمیل میں شمار کر کے باقی کو دوسری عدت میں شمار کرے۔

409 - مُحَمَّدٌ قَالَ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ: إِذَا دَخَلَتْ عِدَّةٌ فِي عِدَّةٍ كَانَتْ عِدَّةً وَاحِدَةً، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهَذَا نَأْخُذُ، وَ هُوَ تَفْسِيرُ قَوْلِنَا فِي الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ایک عدت دوسری میں داخل ہو جائے تو وہ ایک ہی عدت ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور یہ پہلی حدیث میں ہمارے قول کی وضاحت ہے۔

عدت کا لغوی اصطلاحی معنی:

عدت کا لغوی معنی ہے عورت کا ایام حیض شمار کرنا۔ اور شریعت میں عدت ان ایام کو کہتے ہیں جو عورت کے اوپر سے شوہر کی ملک متعہ زائل ہونے کے بعد اس کو انتظار میں گزارنے لازم ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ عورت مدخولہ ہوگئی یا خلوت ہوگئی یا شوہر مرا ہو۔

عدت کی مدت:

طلاق کی صورت میں عورت کی عدت تین حیض یا تین ماہ ہیں، اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے اور موت کی صورت میں عدت چار مہینے دس دن ہے۔

عدت کے دوران نکاح منعقد نہیں ہوتا اگر کسی نے شادی کی تو نہ اس کی طلاق کا اعتبار ہوگا نہ قذف اور لعان کا، اس لیے کہ یہ عورت اس کی بیوی نہیں بنی۔

عدت کے دوران اگر کسی نے شبہۃ وطی کرلی یا شادی کرلی:

اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا مثلا بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کسی عورت سے شبہ میں وطی کر لی مثلا یہ سمجھ کر کہ بیوی ہے رات میں وطی کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اجنبیہ ہے تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدت واجب ہوگی۔

لہذا عدت کی حالت میں اگر معتدہ عورت سے کوئی دوسرا شخص شادی کرلے یا شبہ کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی ہمبستری کرلے تو اس پر ایک اور عدت آئے گی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں گی، جو اسے حیض آئے گا وہ دونوں کی عدت شمار ہوگا پھر اگر پہلے کی عدت مکمل ہوجائے اور دوسرے کی مکمل نہ ہو تو عورت دوسرے کی عدت پوری کرے گی، مثلا اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اسے ایک حیض آیا تھا کہ کسی نے اس سے شبہۃ وطی کرلی یا شادی کرلی تو عورت تین حیض اور گزارے گی، پہلے شوہر کے دو حیض اور ہوں گے اور یہ دو حیض دوسرے والے کی عدت کے بھی شمار ہوں گے، تیسرا ایک حیض اور عدت گزارے گی تا کہ دوسرے شوہر کی عدت مکمل ہوجائے۔

بَابُ مَا إِذَا أُدْخِلَتِ الْمَرْأَتَانِ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا عَلَى زَوْجِ صَاحِبَتِهَا

جب دو بہنیں بدل کر ایک دوسرے کے خاوند کے پاس چلی جائیں!

410 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أُدْخِلَتِ الْمَرْأَتَانِ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلَى أَخِ زَوْجِهَا، فَوُطِئَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا، فَإِنَّهُ تُرَدُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا إِلَى زَوْجِهَا، وَلَهَا الصَّدَاقُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، وَلَا يَقْرُبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب دو عورتیں اپنے اپنے خاوند کے بھائی (دوسری کے خاوند) کے پاس چلی جائیں اور ان میں سے ہر ایک جماع بھی کرلے تو ان میں سے ہر ایک کے (اصل) شوہر کی طرف لوٹا یا جائے گا اور اس کے لئے مہر ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس کی شرمگاہ کو حلال سمجھ کر فائدہ اٹھایا ہے اور اس کا شوہر اس کے قریب اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

نکاح فاسد اور شبہۃً وطی والی عورت کی عدت وفات نہیں:

ایسی عورت جس کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو یا شبہۃ اس سے ہمبستری کر لی گئی ہو تو ان کی عدت موت اور جدائی دونوں صورتوں میں تین حیض ہوگی، اس لیے کہ یہ عدت وطی کی وجہ سے واجب ہوئی ہے نہ کہ حقِ نکاح کی وجہ سے اور جو عدت وطی کی وجہ سے لازم آئے تو وہ تین حیض یا تین مہینے ہوتی ہے، عدتِ وفات صرف بیوی پر آتی ہے، نکاحِ فاسد اور شبہۃ وطی سے عورت بیوی نہیں بنتی، اس لیے عدتِ وفات نہیں آئے گی۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ مُخْتَلِعَةً أَوْ مُطَلَّقَةً

خلع کر لینے والی یا مطلقہ سے نکاح کرنا!

411 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ الْمُولَى مِنْهُ، وَالْمُخْتَلِعَةَ إِنَّ زَوْجَهَا لَا يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُرَاجِعَهَا إِلَّا بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ، وَإِنْ مَاتَا لَمْ يَتَوَارَثَا: لِأَنَّ الطَّلَاقَ بَائِنٌ، وَلَكِنَّهُ يُطَلِّقُ مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جس عورت سے ایلاء کیا جائے یا خلع ہو جائے تو اس کا خاوند جب تک جدید نکاح نہ کرے رجوع نہیں کر سکتا اور اگر وہ مر جائیں تو ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ (یعنی ان میں سے کوئی ایک مر جائے) کیونکہ یہ طلاق بائن ہے البتہ جب تک (عورت) عدت میں ہو اسے (مزید) طلاق دی جا سکتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

412 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمُخْتَلِعَةَ، وَالْمُولَى مِنْهَا، وَالَّتِي أُعْتِقَتْ فِي عِدَّتِهَا، ثُمَّ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَلَهَا الصَّدَاقُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَكَذَلِكَ قَوْلُهُ فِي كُلِّ امْرَأَةٍ كَانَتْ مِنْ رَجُلٍ فِي عِدَّةٍ مِنْ نِكَاحٍ جَائِزٍ، أَوْ فَاسِدٍ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِثْلِ عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ فَيَتَزَوَّجُهَا فِي عِدَّتِهَا مِنْهُ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا تَطْلِيقَةً، فَعَلَيْهِ الصَّدَاقُ كَامِلاً. وَالتَّطْلِيقَةُ يَمْلِكُ فِيهَا الرَّجْعَةَ عَلَيْهَا، وَالْعِدَّةُ مُسْتَقْبِلَةٌ مِنْ يَوْمِ طَلَّقَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّهُ إِذَا طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَلَهَا عَلَيْهِ نِصْفُ الصَّدَاقِ، وَلَا رَجْعَةَ لَهُ عَلَيْهَا، وَتَسْتَكْمِلُ مَا بَقِيَ مِنْ عِدَّتِهَا، وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، وَعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، وَأَهْلِ الْحِجَازِ، وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنِ الشَّعْبِيِّ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص ایسی عورت سے نکاح کرے جس نے خلع کیا ہو یا اس سے ایلاء کیا گیا ہو یا اسے عدت کے دوران آزاد کیا گیا ہو، پھر جماع سے پہلے اسے طلاق دے تو اس کے لئے مہر ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اسی طرح آپ نے فرمایا: ہر وہ عورت جو کسی شخص سے نکاح صحیح یا فاسد کے بعد اس کی عدت میں ہو یا اس کے علاوہ کوئی صورت ہو: مثلاً ام ولد کی عدت، اور عدت کے دوران وہی مرد اس سے نکاح کر لے جماع سے پہلے اسے ایک طلاق دے دے، تو اس شخص پر پورا مہر لازم ہوگا اور اس طلاق میں رجوع کا مالک ہوگا اور عورت پر اسی دن سے عدت آئے گی جس دن اس شخص نے طلاق دی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے لیکن اگر مرد نے جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اس پر نصف مہر لازم ہوگا وہ رجوع بھی نہیں کر سکے گا اور عورت باقی عدت کو مکمل کرے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حجاز کا یہی قول ہے ان میں بعض نے اسے حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا۔

ایلاء کا لغوی اصطلاحی معنی:

ایلاء کا لغوی معنی ہے قسم کھانا، اور اصطلاح میں چار ماہ یا اس سے زائد اپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھانا۔

خلع کا لغوی اصطلاحی معنی:

خلع کا لغوی معنی ہے اتارنا، اور شریعت میں خلع کہتے ہیں زوجیت کو مال کے بدلے میں نکال دینا۔

ایلاء اور خلع کا حکم یہ ہے عورت پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

طلاقِ بائن میں تجدید نکاح کے بعد دخول سے قبل طلاق دینا:

اگر کوئی شخص عورت کو طلاقِ بائن دے اور عدت کے دوران اس سے شادی کر لے پھر دخول سے قبل اسے طلاق دے دے تو شیخین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عورت کو پورا مہر ملے گا اور عورت مستقل عدت بھی گزارے گی، اس لیے کہ یہ شوہر پہلے کی وطی کی وجہ سے اس پر قدرت رکھنے والا شمار ہوگا نئے دخول کا محتاج نہیں ہے اور عورت پر از سر نو عدت گزارنا اس لیے لازم آئے گی کہ اس نے حکماً دخول کے بعد عورت کو طلاق دی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورت کو نصف مہر ملے گا اور اس عورت کو از سر نو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر ملتا ہے اور عدتِ جدید کی ضرورت نہیں ہوتی۔

عدت کے دوران یا عدت کے بعد اگر شوہر کا انتقال ہو جائے:

اگر کوئی شخص عورت کی رضامندی کے بغیر مرض الموت میں طلاقِ بائن دے دے اور عورت عدت میں ہو اور یہ مرد مر جائے تو عورت وارث بنے گی لیکن اگر عورت کی عدت گزرنے کے بعد مرد کا انتقال ہوا تو عورت کو میراث نہیں ملے گی۔

اگر عورت طلاق کا مطالبہ کرے اور مرد اسے طلاقِ بائن دے دے یا عورت کو اختیار دے دے اور شوہر عورت کی عدت کے دوران مر جائے تو عورت کو میراث نہیں ملے گی اس لیے کہ اس نے اپنے حق کو اپنی رضامندی سے باطل کیا ہے۔

البتہ طلاقِ رجعی کی صورت میں عدت کے دوران حقِ میراث ختم نہیں ہوتا خواہ عورت نے طلاق خود طلب کی ہو یا مرد نے اس کی مرضی کے بغیر طلاق دی ہو۔اس لیے کہ طلاقِ رجعی میں نکاح ختم نہیں ہوتا۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ الْيَهُودِيَّةَ أَوِ النَّصْرَانِيَّةَ أَنَّهَا لَا تُحْصِنُ

جو آدمی یہودی اور نصرانی سے شادی کرلے تو وہ اس کو محصن نہیں بناتی!

413- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِنِكَاحِ الْيَهُودِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ عَلَى الْحُرَّةِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آزاد عورت پر یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

414- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ تَزَوَّجَ يَهُودِيَّةً بِالْمَدَائِنِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَنْ خَلِّ سَبِيلَهَا، فَكَتَبَ إِلَيْهِ: أَحَرَامٌ هِيَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ فَكَتَبَ إِلَيْهِ: أَعْزِمُ عَلَيْكَ أَنْ لَا تَضَعَ كِتَابِي حَتَّى تُخَلِّيَ سَبِيلَهَا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَقْتَدِيَ بِكَ الْمُسْلِمُونَ فَيَخْتَارُوا نِسَاءَ أَهْلِ الذِّمَّةِ لِجَمَالِهِنَّ، وَكَفَى بِذَلِكَ فِتْنَةً لِنِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا نَرَاهُ حَرَامًا، وَلَكِنَّا نَرَى أَنْ يَخْتَارَ عَلَيْهِنَّ نِسَاءَ الْمُسْلِمِينَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مدائن (نامی شہر) میں یہودی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ اسے چھوڑ دو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: کہ کیا یہ حرام ہے امیر المومنین! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں لکھا: میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ میرا خط رکھنے سے پہلے اس کو طلاق دے دو، اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ مسلمان تمہاری اقتدا کرتے ہوئے ذمی لوگوں کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے اختیار کریں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے آزمائش کے لئے ایک بڑا ذریعہ بنے گا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں، ہم اس عمل کو حرام نہیں سمجھتے لیکن ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان (ذمی عورتوں) پر مسلمان عورتوں کو ترجیح دی جائے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اہل کتاب پر مسلمان عورت کو ترجیح دینے کی وجہ:

اولاد پر ماں کا بہت اثر پڑتا ہے اس لیے کتابیہ عورت بچوں کو بھی یہودی یا نصرانی بنانے کی کوشش کرے گی یا طبعا اور فطرۃ بچوں کے ذہن پر اس کی عادات، اخلاق اور مذہب کا اثر پڑے گا، اس لیے انسان کو مسلمان نیک، دیندار اور خاندانی شریف عورت کو

ترجیح دینی چاہیے جو دین و دنیا دونوں میں بہترین مددگار بنتی ہے، البتہ خصوصی حالات میں اگر کوئی شادی کر لے تو جائز ہے بشرطیکہ عورت کافر، مشرک اور بت پرست نہ ہو واقعۃً اہلِ کتاب میں سے ہو، جس کا آج کے دور میں ملنا بہت مشکل ہے۔

415- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا يُحْصِنُ الْمُسْلِمُ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ، وَلَا يُحْصِنُ إِلَّا بِالْحُرَّةِ الْمُسْلِمَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مری ہے وہ فرماتے ہیں مسلمان (مرد) یہودی اور عیسائی عورت (سے نکاح کی وجہ) سے محصن نہیں ہوتا اور وہ صرف مسلمان آزاد عورت کی وجہ سے محصن ہوتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

رجم کے لیے محصن ہونے کی شرائط:

حدِ زنا کے باب میں محصن (شادی شدہ) شخص کی سزا رجم ہے اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) کی سزا کوڑے ہے، اور زنا کے باب میں جو "اِحصان" ہے، اس کی سات شرائط ہیں:

١- آزاد ہونا۔

٢- عاقل ہونا۔

٣- بالغ ہونا۔

٤- مسلمان ہونا۔

٥- اس کا نکاح صحیح ہو چکا ہو۔

٦- نکاح کے بعد بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کیا ہو۔

٧- میاں بیوی نکاح کے بعد ازدواجی تعلق کے وقت صفتِ احصان کے ساتھ متصف ہوں۔

غیر محصن وہ شخص ہے جس میں مذکورہ سات باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو۔ (فتاوی شامی: کتاب الحدود: 16/4، ط: سعید)

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ

حالت شرک میں نکاح کرنے کے بعد اسلام لانا!

416- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الَّذِي يَتَزَوَّجُ فِي الشِّرْكِ وَيَدْخُلُ بِامْرَأَتِهِ، ثُمَّ أَسْلَمَ بَعْدَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَزْنِي، أَنَّهُ لَا يُرْجَمُ حَتَّى يُحْصِنَ بِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جو شخص حالت شرک میں نکاح کر کے جماع بھی کرے پھر اس کے بعد اسلام قبول کرے، پھر زنا کا مرتکب ہو تو اسے رجم نہ کیا جائے گا جب تک وہ مسلمان عورت سے نکاح کر کے محصن نہ ہو۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

آٹھ قسم کے لوگ محصن نہیں بنیں گے:

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ رجم اس شخص کو کیا جاتا ہے جو محصن ہو اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہو اور اس نے کسی عورت سے نکاح صحیح کیا ہو، عورت سے دخول اس حالت میں کیا ہو کہ وہ دونوں (یعنی مرد وعورت) مذکورہ اوصاف والے ہوں، لیکن اگر مرد غلام، نابالغ، مجنون یا کافر ہو، یا عورت باندی، کافر، مجنون یا بچی ہو تو اس سے محصن نہیں بنے گا۔ (المختار)

417 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَانَا يَهُودِيَّيْنِ أَوْ نَصْرَانِيَّيْنِ فَأَسْلَمَ الزَّوْجُ فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا، أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ أَوْ لَمْ تُسْلِمْ، فَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ عُرِضَ عَلَى الزَّوْجِ الْإِسْلَامُ، فَإِنْ أَسْلَمَ أَمْسَكَهَا بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ، وَإِنْ أَبَى أَنْ يُسْلِمَ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ كَانَا مَجُوسِيَّيْنِ فَأَسْلَمَ أَحَدُهُمَا عُرِضَ عَلَى الْآخَرِ الْإِسْلَامُ، فَإِنْ أَسْلَمَ كَانَا عَلَى نِكَاحِهِمَا الْأَوَّلِ، فَإِنْ أَبَى أَنْ يُسْلِمَ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: جب دو یہودی (مرد وعورت) ہو یا دو عیسائی (مرد وعورت) ہوں اور خاوند اسلام قبول کرے، تو دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے، خواہ عورت اسلام قبول کرے یا نہ کرے، اور اگر عورت اسلام قبول کرلے، تو پہلے نکاح کے ساتھ برقرار رہیں گے اور اگر اسلام لانے سے انکار کرے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے اور اگر دونوں مجوسی (آتش پرست) ہوں اور ان میں سے ایک اسلام قبول کرلے تو دونوں پہلے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو دونوں میں تفریق کردی جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

418 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْيَهُودِيِّ وَالْيَهُودِيَّةِ يُسْلِمَانِ، أَوِ النَّصْرَانِيِّ وَالنَّصْرَانِيَّةِ، قَالَ: هُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا لَا يَزِيدُهُمَا الْإِسْلَامُ إِلَّا خَيْرًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ یہودی مرد وعورت یا عیسائی مرد وعورت اسلام قبول کریں (تو کیا حکم ہے) فرمایا: وہ پہلے نکاح پر برقرار رہیں گے اسلام تو بھلائی ہی بڑھاتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

کتابی اگر مسلمان ہوجائے تو نکاح باقی رہے گا؟

یہودی یا نصرانی عورت کا شوہر اگر مسلمان ہوجائے تو ان دونوں کا نکاح برقرار رہے گا اس لیے کہ جب مسلمان مرد عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کرسکتا ہے تو اگر پہلے عیسائی یا یہودی ہو بعد میں مسلمان ہوجائے تو اس کا نکاح بدرجہ اولی باقی رہے گا۔

لہذا اگر دونوں یہودی یا عیسائی ہوں اور شوہر اسلام لے آئے تو عورت مسلمان ہو یا نہ ہو ان کا نکاح برقرار رہے گا، لیکن اگر عورت اسلام لے آئے اور اس کا شوہر مسلمان نہ ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے گا اگر وہ اسلام قبول کرے تو یہ عورت اس کی بیوی رہے گی اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو قاضی دونوں میں تفریق کردے گا اور یہ تفریق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ جدائی بغیر طلاق کے ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت اگر دخول سے قبل اسلام قبول کرے تو شوہر سے فوراً جدا ہوجائے گی اور اگر دخول ہو چکا ہو تو عدت گزرنے تک انتظار کیا جائے گا اگر عدت گزرنے پر بھی اس کا شوہر مسلمان نہ ہوا تو ان دونوں میں جدائی واقع ہوجائے گی۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذکر کردہ واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اگر شادی شدہ مجوسی مرد مسلمان ہوجائے:

اگر دونوں مجوسی ہوں اور مرد اسلام قبول کرلے تو عورت پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ مسلمان ہوگئی تو اس کی بیوی رہے گی اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا اور یہ تفریق طلاق کے حکم میں نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ جدائی عورت کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہورہی ہے۔

اگر مرد اس عورت سے دخول کرچکا ہو تو اسے پورا مہر ملے گا اور اگر اس سے دخول نہ کیا ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا، نیز عرضِ اسلام دارالاسلام میں ہوگا، دارالحرب میں حیض کو عرضِ اسلام کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔

419 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : إِذَا أَسْلَمَ الرَّجُلُ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِامْرَأَتِهِ وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ عُرِضَ عَلَيْهَا الْإِسْلَامُ ، فَإِنْ أَسْلَمَتْ فَهِيَ امْرَأَتُهُ، وَإِنْ أَبَتْ أَنْ تُسْلِمَ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَهْرٌ، لِأَنَّ الْفُرْقَةَ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِهَا، وَإِذَا أَسْلَمَتْ قَبْلَ زَوْجِهَا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا عُرِضَ عَلَى الزَّوْجِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَسْلَمَ فَهِيَ إِمْرَأَتُهُ، وَإِنْ أَبَى فُرِّقَ بَيْنَهُمَا ، وَكَانَتْ تَطْلِيقَةً بَائِنًا، وَكَانَ لَهَا نِصْفُ الصَّدَاقِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى ، إِذَا جَاءَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ كَانَ ذَلِكَ طَلَاقًا ، وَكَانَ لَهَا نِصْفُ الصَّدَاقِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي أَبَى الْإِسْلَامَ. وَإِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ هِيَ الَّتِي أَبَتِ الْإِسْلَامَ فَالْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا فَلَا شَيْءَ لَهَا مِنَ الصَّدَاقِ، وَلَيْسَتْ فُرْقَتُهَا بِطَلَاقٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی مجوسیہ عورت سے جماع کرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اس عورت کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کی بیوی رہے گی اور اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے اور اس کے لئے مہر نہیں ہوگا کیونکہ یہ جدائی عورت کی جانب سے آئی ہے اور جب وہ (عورت) خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے اور اس نے اس سے جماع بھی نہ کیا ہو تو خاوند کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ اسلام قبول کر لے تو یہ اس کی بیوی شمار ہوگی اور اگر وہ انکار کرے تو دونوں میں جدائی کر دی جائے یہ طلاق بائن ہوگی اور عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ جب جدائی خاوند کی جانب سے ہو تو یہ طلاق ہوگی اور عورت کے لئے نصف مہر ہوگا کیونکہ خاوند نے اسلام لانے سے انکار کیا ہے اور جب عورت اسلام لانے سے انکار کرے تو یہ جدائی عورت کی جانب سے ہوگی اور اسے مہر میں کچھ بھی نہیں ملے گا اور یہ تفریق طلاق نہیں ہوگی۔

420۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا جَاءَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِ الرَّجُلِ فَهِيَ طَلَاقٌ، وَإِذَا جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ فَلَيْسَتْ بِطَلَاقٍ، فَإِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ كَامِلاً، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا صَدَاقَ لَهَا إِنْ كَانَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ قَالَ: إِذَا ارْتَدَّ الزَّوْجُ عَنِ الْإِسْلَامِ بَانَتِ الْمَرْأَةُ مِنْهُ، وَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ طَلَاقًا، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَهُوَ طَلَاقٌ، وَهُوَ قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب تفریق مرد کی جانب سے ہو تو یہ طلاق کے حکم میں ہے اور جب عورت کی طرف سے ہو تو یہ طلاق نہیں ہے اور اگر جماع کی ہو تو پورا مہر ہوگا اور اگر جماع نہ کیا ہو تو عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا اگر جدائی کا باعث وہ (عورت) ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے ایک بات کا انکار کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: جب خاوند اسلام سے پھر جائے (مرتد ہو جائے) تو عورت اس سے جدا ہو جائے گی اور یہ جدائی طلاق نہیں ہوگی لیکن ہمارے نزدیک یہ طلاق ہے اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

اگر میاں بیوی مرتد ہو جائیں؟

میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں میں بغیر طلاق کے جدائی واقع ہو جائے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر اگر مرتد ہو تو یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی بشرطیکہ شوہر نشہ میں مدہوش نہ ہو۔

اگر شوہر مرتد ہوا اور عورت سے دخول کر چکا ہو تو اسے پورا مہر ملے گا اور اگر دخول نہ کیا ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا اور اگر عورت مرتد ہوئی ہو اور ابھی دخول نہ ہوا ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا، اگر دخول ہو چکا ہو تو پورا مہر ملے گا، اس لیے کہ دخول کی وجہ سے مہر لازم ہو گیا تھا، البتہ اسے نان نفقہ نہیں ملے گا۔

اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو استحساناً انہیں اپنے سابق نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

بَابُ الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْاَمَةَ ثُمَّ يَشْتَرِيهَا، أَوْ تُعْتَقُ

لونڈی سے نکاح کرنے کے بعد اسے خریدنا یا آزاد کرنا!

421- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْأَمَةَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا وَاحِدَةً ثُمَّ يَشْتَرِيهَا قَالَ: يَطَؤُهَا، وَإِنْ أَعْتَقَهَا فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، وَإِنْ طَلَّقَهَا اثْنَتَيْنِ ثُمَّ اشْتَرَاهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو کسی لونڈی سے نکاح کرتا ہے پھر اسے ایک طلاق دے کر خرید لیتا ہے تو وہ فرماتے ہیں: وہ اس سے (بطور لونڈی) جماع کر سکتا ہے اور اگر آزاد کرے تو اس کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور گر دو طلاقیں دینے کے بعد خریدے تو جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ (حلالہ ضروری ہے) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

باندی کا شوہر کتنی طلاق کا مالک ہے؟

شوہر باندی کو دو طلاق دے سکتا ہے، دو طلاقوں کے بعد وہ پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک حلالہ نہ کرائے، صرف مولی کے ہمبستری کرنے سے پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی، البتہ ایک طلاق کے بعد اسے دوبارہ بیوی بنا سکتا ہے۔

منکوحہ باندی کا اگر مالک بن جائے:

باندی سے شادی کرنے والا اگر اس کا مالک بن جائے تو اب یہ اس کی بیوی نہیں رہے گی، اس لیے کہ باندی بحیثیتِ باندی بیوی نہیں بن سکتی، لہٰذا یا تو اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے یا بطورِ باندی اس سے انتفاع کرے، باندی کو اگر دو طلاق دینے کے بعد خریدا ہے تو بغیر حلالہ کے اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

422- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: إِذَا طَلَّقَ الْحُرُّ الْأَمَةَ تَحْتَهُ فَإِنَّهَا تَبِينُ بِتَطْلِيقَتَيْنِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ إِنْ كَانَتْ تَحِيضُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَحِيضُ فَشَهْرٌ وَنِصْفٌ، وَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، وَإِنْ طَلَّقَ الْعَبْدُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حُرَّةٌ بَانَتْ مِنْهُ بِثَلَاثٍ، وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ إِنْ كَانَتْ تَحِيضُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ أَشْهُرٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ. الطَّلَاقُ بِالنِّسَاءِ، وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب آزاد آدمی اپنی بیوی کو جو کسی کی لونڈی ہے طلاق دے تو وہ دو طلاقوں سے جدا ہو

جاتی ہے اوراس کی عدت دوحیض ہیں اگر اسے حیض آتا ہے اور اگر حیض نہ آتا ہوتو ڈیڑھ مہینہ عدت ہے اور جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس (پہلے خاوند) کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر غلام اپنی بیوی کو طلاق دے اور وہ (عورت) آزاد ہوتو وہ تین طلاقوں سے بائن (جدا) ہوتی ہے اور اس کی عدت تین حیض ہیں اگر اسے حیض نہ آتا ہوتو اس کی عدت تین مہینے ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں طلاق (کی تعداد) اور عدت کا اعتبار عورتوں سے ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

423- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَزِيدَ الْمَكِّيُّ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ يَقُولُ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: الطَّلَاقُ بِالنِّسَاءِ وَالْعِدَّةُ. فَبِهَذَا نَأْخُذُ. نَقُولُ إِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ حُرَّةً فَطَلَاقُهَا ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ، وَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حَيْضٍ إِنْ كَانَ زَوْجُهَا حُرًّا، أَوْ عَبْدًا، وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَطَلَاقُهَا اثْنَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ إِنْ كَانَ زَوْجُهَا حُرًّا أَوْ عَبْدًا.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلاق (کی تعداد) اور عدت کا اعتبار عورتوں سے ہے۔ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کہ جب عورت آزاد ہوتو اس کی طلاق (طلاق مغلظہ) تین طلاقیں ہیں اور اس کی عدت تین حیض ہیں چاہے اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت لونڈی ہوتو اس کی طلاق دو طلاقیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں چاہے خاوند آزاد ہو یا غلام ہو۔

طلاق اور عدت میں کس کا اعتبار ہوگا؟

طلاق میں مرد کے حال کا اعتبار ہے یا عورت کے؟اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

① - احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک طلاق کے عدد میں عورتوں کا اعتبار ہے یعنی باندی کی دو طلاقیں ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی تین طلاقیں ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، لہذا باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی اور آزاد تین طلاقوں سے۔

② - جمہور اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک طلاق کا مدار مردوں پر ہے مرد اگر آزاد ہے تو اس کی بیوی تین سے کم میں مغلظہ نہ ہوگی اور اگر غلام ہے تو دو میں مغلظہ ہوجائے گی خواہ بیوی کیسی ہی ہو۔

جمہور اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے " اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ ". (الدرایۃ ۲/۷۰) طلاق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت عورتوں کے ساتھ ہے اس حدیث میں طلاق اور عدت کے درمیان مقابلہ کیا گیا ہے لہذا مقابلہ کو ثابت کرنے کے لئے طلاق میں مردوں کے حال کا اعتبار ہوگا۔

جواب: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " الطلاق بالرجال " کے معنی ہیں " ایقاع الطلاق بالرجال " یعنی طلاق واقع

کرنا مردوں کے اختیار میں ہے، اس تاویل کے بعد یہ حدیث شوافع رحمہ اللہ علیہم کا مستدل نہیں بن سکتی، نیز یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ" لم اجدہ مرفوعًا "، (الدرایة في تخريج احاديث الهدایه: 70/2) اور شوافع رحمہ اللہ علیہم کے نزدیک حدیث موقوف قابل استدلال نہیں ہوتی ہے۔

احناف کی رحمہ اللہ علیہم دلیل: عن عائشة رضی الله عنها عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان، (ترمذی 141/1) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد طلاق میں عورتیں معتبر ہیں نہ کہ مرد۔

البتہ عدت میں سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی حالت کا اعتبار ہوگا، آزاد عورت کی عدت تین حیض یا تین ماہ ہیں اور باندی کی عدت دو حیض یا ڈیڑھ ماہ ہے۔

424- مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْأَمَةَ فَتُعْتَقُ قَالَ : تُخَيَّرُ فَإِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَهِيَ امْرَأَتُهُ، وَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَلَيْسَ لَهُ عَلَيْهَا سَبِيلٌ، وَإِنْ مَاتَ وَقَدِ اخْتَارَتْهُ فَعِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ، وَإِنْ مَاتَ وَقَدِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ، وَلَا مِيرَاثَ لَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو کسی لونڈی سے نکاح کرتا ہے پھر لونڈی کو آزاد کر دیا جاتا ہے اس کو اختیار (خیار عتق) ہوگا اگر اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو یہ اس کی بیوی ہے اور اگر اپنے آپ کو اختیار کرے تو اس شخص کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اور اگر اس صورت میں جب اس نے خاوند کو اختیار کیا تھا خاوند مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہوگی اور (اس صورت میں) اس کو وراثت ملے گی اور اگر خاوند مر جائے جب کہ عورت نے اپنے آپ کو اختیار کیا ہو تو عدت تین حیض ہوں گے اور اسے وراثت نہیں ملے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

خیار عتق کے بعد اگر شوہر کا انتقال ہو جائے؟

وَإِنْ مَاتَ ...الخ: خیار عتق پر تفریع بیان فرما رہے ہیں کہ اگر عورت نے جدائی اختیار نہیں کی اور شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہوگی اور اسے میراث بھی ملے گی کیونکہ وہ اس کی آزاد بیوی ہے اور اگر عورت نے جدائی اختیار کر لی تھی پھر شوہر کا انتقال ہوا تو اس کی عدت تین حیض ہوگی کیونکہ وہ آزاد ہے اور اسے میراث نہیں ملے گی اس لئے کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔

425- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أُعْتِقَتِ الْمَمْلُوكَةُ وَلَهَا زَوْجٌ خُيِّرَتْ

، فَإِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا ، فَإِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الصَّدَاقُ لِمَوْلَاهَا ، وَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا ، وَلَمْ يَكُنْ لَهَا صَدَاقٌ وَلَا لِمَوْلَاهَا ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِهَا ، وَلَمْ تَكُنْ فُرْقَتُهَا طَلَاقًا ، وَ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ مِنْ يَوْمِهَا إِنْ شَاءَتْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب باندی کو آزاد کیا جائے اور اس کا خاوند ہو تو اسے (باندی کو اختیار ہو گا اگر وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اب اگر وہ اس سے جماع کر چکا ہے تو اس کے لئے مہر ہو گا جو اس کے آقا کو ملے گا اور اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کرتی ہے اور اس نے اس سے جماع بھی نہیں کیا تو دونوں میں تفریق کر دی جائے اور اسے مہر نہیں ملے گا اور نہ ہی اس کے مالک کو ملے گا۔ کیونکہ یہ تفریق عورت کی جانب سے آئی ہے اور یہ طلاق نہیں ہے اور اس عورت کے لئے جائز ہے کہ اگر چاہے تو اسی دن نکاح کر لے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

منکوحہ باندی اگر آزاد ہو جائے:

مولی اگر اپنی باندی کا کسی سے نکاح کرادے تو یہ جائز ہے البتہ یہ باندی جب آزاد ہو گی تو اسے خیارِ عتق ملے گا چاہے اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد، اگر یہ عورت چاہے تو اسے اختیار کر کے اس کے ساتھ اس کی بیوی کی حیثیت سے رہے اور چاہے تو شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جائے۔

لیکن اگر کوئی باندی اپنے مولی کی اجازت کے بغیر شادی کر لے پھر آزاد ہو جائے تو اس کا نکاح صحیح رہے گا البتہ مولی کے حق کی وجہ سے اسے موقوف قرار دیا گیا تھا اور وہ حق آزادی ملنے کی وجہ سے ختم ہو گیا، اب اسے خیارِ عتق حاصل نہ ہو گا، اس لیے کہ نکاح آزادی کے بعد نافذ ہوا ہے۔

اگر شوہر نے دخول نہ کیا ہو اور باندی خیارِ عتق ملنے پر اپنے آپ کو اختیار کر لے تو اس صورت میں اسے نہ مہر ملے گا نہ اس پر عدت آئے گی۔ یہ جب چاہے دوسرا نکاح کر سکتی ہے، مہر اس لیے نہیں ملے گا کہ اس نے اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہیں کیا اور عدت اس لیے نہیں آئے گی کہ خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی۔

426- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْأَمَةِ يَمُوتُ عَنْهَا زَوْجُهَا فَتُعْتَقُ فِي عِدَّتِهَا: إِنَّهَا تَعْتَدُّ عِدَّةَ الْأَمَةِ وَلَا تَرِثُ، فَإِنْ طَلَّقَهَا تَطْلِيقَتَيْنِ ثُمَّ أُعْتِقَتْ اعْتَدَّتْ عِدَّةَ الْأَمَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس باندی کا خاوند مر جائے پس وہ عدت کے دوران آزاد کر دی جائے تو وہ باندی والی عدت گزارے اور وہ وارث نہیں ہو گی اور اگر وہ اسے دو طلاقیں دے پھر اسے آزاد کیا جائے تو وہ باندی والی عدت گزارے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

باندی کی عدت:

باندی کی عدت وفات دو ماہ پانچ دن ہے، اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، باندی کو اگر طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کر دیا گیا ہو تو اس کی عدت آزاد عورتوں والی عدت بن جائے گی اس لیے کہ طلاق رجعی کی صورت میں ہر اعتبار سے نکاح قائم ہوتا ہے، یہ عدت طلاق کے وقت سے شمار ہوگی۔

البتہ اگر طلاق بائن یا عدتِ وفات کی صورت میں اسے آزاد کیا گیا ہے تو اس کی عدت باندی والی رہے گی، اس لیے کہ طلاق بائن یا شوہر کی موت کے وقت یہ اس کے نکاح سے نکل گئی تھی اور اس وقت باندی تھی اس لیے باندیوں والی عدت گزارے گی۔

427- مُحَمَّدٌ وَأَسَدٌ قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ الْأَحْنَفِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ: إِنِّي تَزَوَّجْتُ وَلِيدَةً لِعَمِّي، فَوَلَدَتْ لِي جَارِيَةً، وَإِنَّ عَمِّي يُرِيدُ بَيْعَهَا، فَقَالَ: كَذَبَ، لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ، مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ: مستورد بن احنف رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں نے اپنے چچا کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے میرے لئے ایک بچی پیدا ہوئی اور میرا چچا اسے (اس بچی) کو فروخت کرنے کا ارادہ کرتا تو انہوں نے فرمایا: وہ جھوٹ کہتا ہے اسے اس بات کا حق نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں وہ اسے بیچ نہیں سکتا جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہے۔

جو ذی رحم کا مالک بن جائے:

باندی کا جو بچہ مولی سے ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے اور جو بچہ باندی کے شوہر سے ہوگا وہ اس کے مولی کا غلام بنے گا، حدیث میں مذکور واقعہ میں باندی کا بچہ مولی کا غلام بن گیا اور مولی اپنے بھتیجے کے بیٹے کا ذی رحم ہونے کی وجہ سے مالک نہیں بن سکتا اس لیے وہ آزاد ہو جائے گا، لہٰذا اس کا بیچنا درست نہیں۔

428- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الْأَمَةَ زَوْجُهَا طَلَاقًا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَأُعْتِقَتْ فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْحُرَّةِ، وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ لَا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَعَتَقَتْ فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْأَمَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کسی باندی کو اس کا خاوند ایسی طلاق دے جس میں رجوع کا مالک ہو، پھر وہ آزاد کر دی جائے تو اس کی عدت آزاد عورت والی عدت ہے اور اگر (طلاق ایسی ہو جس میں) خاوند رجوع کا مالک نہ ہو اور اسے آزاد کیا جائے تو اس کی عدت باندی والی عدت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا

بھی یہی قول ہے۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ ثُمَّ فَجَرَ أَحَدُهُمَا

نکاح کے بعد میاں بیوی میں سے کوئی گناہ (زنا) کرے!

429- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا ثُمَّ زَنَى، جُلِدَ وَأَمْسَكَ امْرَأَتَهُ، وَإِنْ زَنَتْ هِيَ وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى يُقَامَ عَلَيْهَا الْحَدُّ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَا عَلَيْهِ الْعَامَّةُ فَهِيَ امْرَأَتُهُ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِنْ شَاءَ طَلَّقَ، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَهُوَ قَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور (ابھی اس سے جماع نہ کرے پھر زنا کرے تو اسے کوڑے لگائے جائیں اور وہ اپنی بیوی کو (اپنے پاس) رکھ سکتا ہے اور لیکن عورت اگر دخول سے قبل کسی اور سے زنا کرے، حتی کہ اس پر حد لگا دی جائے گی، تو ان دونوں میں تفریق کر دی جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور عام فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وہ ہر حال میں اس کی بیوی ہی رہے گی چاہے تو طلاق دے چاہے تو روک لے اور یہی ہمارا قول ہے۔

کیا زنا سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

فتوی اسی پر ہے کہ مرد دخول سے پہلے زنا کرے تو اس کو کوڑے لگیں گے، رجم نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ محصن نہیں بنا، عورت مرد کے نکاح سے خارج نہیں ہوتی چاہے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، البتہ مرد کو طلاق دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔

اگر بیوی دخول سے پہلے زنا کرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی اور تفریق کی جائے گی، احناف اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وہ اس کی بیوی ہے، رکھ سکتا ہے اگر اس جرم کی پاداش میں شوہر اس کو طلاق دے تو گناہ گار نہ ہوگا۔

430- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ فَقَالَ: رَجُلٌ فَجَرَ بِامْرَأَةٍ: أَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا؟ قَالَ: نَعَمْ. ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک شخص حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: کہ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو کیا وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ترجمہ: "اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

زانیہ سے نکاح کرنا:

مسئلہ یہی ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو تو خواہ اس سے حمل کیوں نہ ٹھہر جائے تب بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے اس پر سب کا اتفاق ہے سب حضرات کے یہاں اس سے ہمبستری بھی کر سکتا ہے وہ عورت نان نفقہ کی بھی مستحق ہوگی (کذا فی النوازل) پیدا ہونے والا بچہ اسی کا کہلائے گا، البتہ مذکورہ آیت میں نکاح کا بیان نہیں ہے، آیت تلاوت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کریں تو توبہ قبول ہوگی۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ الْمُتْعَةَ!

نکاح متعہ!

431 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ قَالَ : إِنَّمَا رُخِّصَتْ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ لَهُمْ شَكَوْا إِلَيْهِ فِيهَا الْعُزُوبَةَ ، ثُمَّ نَسَخَتْهَا آيَةُ النِّكَاحِ وَالْمِيرَاثِ وَالصَّدَاقِ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عورتوں کے ساتھ متعہ کے بارے میں مروی ہے فرمایا: ایک غزوہ کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عورتوں سے دوری کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو متعہ کی اجازت دی پھر آیت نکاح، میراث اور مہر نے اس کو منسوخ کیا۔ میراث اور مہر کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

لغات: الْعُزُوبَةَ: دور ہونا غائب ہونا۔

متعہ کی شرعی حیثیت:

متعہ اصطلاحی جس کے جواز کا ایک فرقہ (متعہ کے جواز کے قائلین میں بنیادی طور پر شیعہ اثنا عشری کے فقہاء اور علماء شامل ہیں) مدعی ہے یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن کے لئے اتنے پیسے یا فلاں جنس کے عوض میں تم سے متعہ کرتا ہوں۔

متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں نہ حصول اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا اور نہ عفت و عصمت اور اسی لیے جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو فریق مخالف زوجہ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا اور اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا اور چونکہ مقصد محض قضاء شہوت ہے، اس لئے مرد و عورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں۔

حالاں کہ قرآن مجید نے محرمات کا ذکر فرما کر یوں فرمایا ہے: کہ ان کے علاوہ اپنے اموال کے ذریعے حلال عورتیں تلاش کرو، اس حال میں کہ پانی بہانے والے نہ ہوں یعنی محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ محصنین کی بھی قید لگائی ہے، یعنی یہ کہ عفت کا دھیان رکھنے والے ہوں۔

صاحب روح المعانی، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر غزوہ خیبر میں حرام کر دیا گیا، اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا، لیکن پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فرمان باری تعالیٰ شانہ: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾، یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اس سے حرمت متعہ صاف ظاہر ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے، لیکن یہ نسبت بالکل غلط ہے، جیسا کہ شراح ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے۔

بعض لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اخیر تک حلت متعہ کے قائل تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب ماجاء فی نکاح المتعة کا باب قائم کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں، پہلی حدیث یہ ہے: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھو کا گوشت کھانے سے منع فرمایا"۔

دوسری حدیث جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے وہ یہ ہے: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں متعہ اسلام کے عہد اول میں مشروع تھا، یہاں تک کہ آیت کریمہ ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہو گیا، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زوجہ شرعیہ اور مملوکہ شرعیہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے"۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کچھ عرصہ تک متعہ کو جائز سمجھتے تھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے جیسا کہ صحیح مسلم: 1 / 254 پر ہے اور آیت شریفہ ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ سے متنبہ ہو کر رجوع فرمالیا، جیسا کہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات سے معلوم ہوا۔

432 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ غَزْوَةِ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَعَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَمَا كُنَّا مُسَافِحِينَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے سال گھریلو گدھوں کے گوشت اور عورتوں کے متعہ سے منع فرمایا: اور ہم (مادہ منویہ کو ضائع) زنا کرنے والے نہیں ہیں۔

لغات: مُسَافِحِيْنَ: مادہ منویہ کو ضائع کرنا، بدکاری کرنے والے، زنا کرنے والے۔

گھریلو (پالتو) گدھے کے گوشت کا حکم:

گھریلو (پالتو) گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ خیبر کے موقع پر ان کے گوشت سے منع فرما دیا تھا۔ تمام فقہاء اور علماء سلف وخلف کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔

433- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سُبْرَةَ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ.

ترجمہ: حضرت سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فتح مکہ کے دن عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا۔

زمانہ جاہلیت کے نکاح:

زمانہ جاہلیت میں مختلف قسم کے نکاح ہوا کرتے تھے جو نام کے نکاح تھے، درحقیقت شہوت رانی کا ایک ذریعہ اور زنا ہی کی ایک قسم تھے، دین اسلام نے اس طرح کے مفاسد کی بیخ کنی کی، عورت کو لہو ولعب اور شہوت رانی کا کھلونا بننے سے بچایا، اس کی عفت و عصمت کو قیمتی قرار دیا اور ان پر پابندی عائد کر دی۔ (المختار)

434- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ سُبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عن أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد (رضی اللہ عنہ) سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عورتوں کے متعہ کے بارے میں پہلی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بَابُ مَا يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ مِنَ النِّكَاحِ

مرد کے لئے کن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے!

435- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ أَفْلَحَ بْنَ أَبِي قُعَيْسٍ اسْتَأْذَنَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَاحْتَجَبَتْ مِنْهُ فَقَالَ: أَتَحْتَجِبِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكِ! قَالَتْ: مِنْ أَيْنَ؟ قَالَ: أُرْضِعْتِ بِلَبَنِ ابْنِ أَخِي، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت افلح بن ابی قعیس رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے پردہ کیا انہوں نے کہا: آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں اور میں آپ کا چچا ہوں ام المومنین نے پوچھا: کس طرح؟ فرمایا: آپ کو میرے بھتیجے کے دودھ سے دودھ پلایا گیا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لبن الفحل کا معنی اور اس کا حکم:

لبن الفحل کا معنی: "لبن" کے معنی دودھ اور "فحل" کے معنی مرد یا شوہر کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں، جب کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیتا ہے، تو وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بنتی ہے اور اس کا شوہر رضاعی باپ۔

حکم: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رضاعی ماں کے واسطہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اب وہ بچی یا بچہ دودھ پلانے والی عورت کی رضاعی بیٹی یا رضاعی بیٹا بن جاتا ہے، اور دودھ پلانے والی ان کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور جس شوہر کا یہ دودھ تھا، وہ ان کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، اور پھر اس عورت کے تمام رشتے داران کے رضاعی رشتے دار بن جاتے ہیں، پس اس عورت کی تمام اولادیں دودھ پینے والے کے رضاعی بھائی بہن بن جاتے ہیں خواہ اسی شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے، اس کے دودھ پینے سے پہلے کے ہوں یا بعد کے یا ساتھ کے۔ اور عورت کے بھائی دودھ پینے والے کے رضاعی ماموں اور اس کی بہنیں دودھ پینے والے کی رضاعی خالائیں بن جاتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا رضاعی باپ کے واسطے سے بھی اس طرح کی حرمت آتی ہے؟ اسی کو "لبن الفحل" کہتے ہیں، اس مسئلہ کے بارے ابتداء میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، رافع بن خدیج وغیرہ رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین رحمۃ اللہ علیہم حضرات کا مذہب یہ ہے کہ "لبن الفحل" سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ "لبن الفحل" سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے دلائل: حدیث الباب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے افلح رضی اللہ عنہ کے بھائی کی بیوی کا دودھ پیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت افلح رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا قرار دے دیا اور پردہ نہ کرنے کی اجازت دے دی

اسی طرح ترمذی میں روایت ہے، "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ، عَنْ رَجُلٍ لَهُ جَارِيَتَانِ: أَرْضَعَتْ إِحْدَاهُمَا جَارِيَةً، وَالْأُخْرَى غُلَامًا، أَيَحِلُّ لِلْغُلَامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْجَارِيَةِ؟ فَقَالَ: "لَا اللِّقَاحُ وَاحِدٌ"." حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کی دو باندیاں ہیں، ایک باندی نے ایک لڑکی کو اور دوسری نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا، کیا اس لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "لَا اللِّقَاحُ وَاحِدٌ"، یعنی نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں عورتوں کا دودھ ایک شخص سے ہے۔

نوٹ:

رضاعت کا مطلب یہ ہے کہ: جس بچی یا بچے نے اڑھائی سال کی عمر کے اندر کسی عورت کا دودھ پیا ہو تو اس بچی یا بچے سے اس عورت کا رضاعت (یعنی دودھ) کا رشتہ ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ بچے یا بچی کو دودھ پلانے کی اجازت صرف دو سال تک ہے۔ جب چاند کے لحاظ سے بچے یا بچی کی عمر دو سال

ہوجائے تو اب اسے دودھ پلانا، جائز نہیں لیکن اگر اس کے بعد ڈھائی سال کے عرصے کے اندر اندر دودھ پلایا تو رضاعت کا رشتہ ثابت ہوجائے گا۔

436- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: بِيعُوا جَارِيَتِي هَذِهِ، أَمَا إِنِّي لَمْ أُصِبْ مِنْهَا إِلَّا مَا يُحَرِّمُهَا عَلَى ابْنِي مِنْ لَمْسٍ أَوْ نَظَرٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِلَّا أَنَّا لَا نَرَى النَّظَرَ شَيْئًا، إِلَّا أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الْفَرْجِ بِشَهْوَةٍ، فَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهِ بِشَهْوَةٍ حَرُمَتْ عَلَى أَبِيهِ وَابْنِهِ، وَحَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَابْنَتُهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری اس باندی کو بیچ دو میں نے اس سے صرف اتنا فائدہ اٹھایا ہے جو اسے میرے بیٹے پر حرام کر دے یعنی ہاتھ چھونا اور دیکھنا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں البتہ ہمارے نزدیک محض دیکھنے سے حرام نہیں ہوتی جب تک شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اگر اس کو شہوت کے ساتھ دیکھے گا تو اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہوجائے گی۔ اور اس شخص پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہوجائیں گی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

مَسْرُوقٍ قَالَ: بِيعُوا جَارِيَتِي هَذِهِ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کسی ضرورت کی وجہ سے اپنی باندی بیچ رہے ہوں گے، ساتھ اس کی خوبی بتائی کہ اس سے ہمبستری بھی نہیں ہوئی ہے، صرف اتنا لمس کیا اور اس پر نظر پڑی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ میرے بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے، اس سے ان کے شاگردوں نے حرمت مصاہرت کا مسئلہ مستنبط کیا۔

فائدہ: حدیث میں چھونے سے شہوت کے ساتھ چھونا مراد ہے، بغیر شہوت کے چھونے سے حرمت نہیں آتی، اسی طرح دیکھنے سے مطلق دیکھنا مراد نہیں ہے اس سے فرجِ داخل مراد ہے۔

باندی سے اگر باپ نے صحبت کی ہو یا شہوت سے ہاتھ لگایا ہو یا اس کے فرجِ داخل کو شہوت کے ساتھ دیکھا ہو تو وہ اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہوجائے گی، اسی طرح اس مرد پر اس باندی کی ماں اور بیٹی حرام ہوجائے گی۔

437- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَبَّلَ الرَّجُلُ أُمَّ امْرَأَتِهِ أَوْ لَمَسَهَا مِنْ شَهْوَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کی ماں کو شہوت کے ساتھ بوسہ دے یا اس کو ہاتھ لگائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

إِذَا قَبَّلَ الرَّجُلُ أُمَّ امْرَأَتِهٖ أَوْ لَمَسَهَا مِنْ شَهْوَةٍ: اگر ساس کو شہوت سے چھوا یا اس کا بوسہ لے لیا تو اس کی بیٹی (یعنی اس مرد کی بیوی) اس مرد پر حرام ہو جائے گی، چھونے میں شہوت کی قید اس لئے لگائی گئی کہ وہ بلا شہوت بھی ہوتا ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، برخلاف بوسہ کے کہ وہ درحقیقت شہوت سے ہی ہوتا ہے۔

حرمتِ مصاہرت:

انسانوں کے درمیان تعلقات اور محرم رشتے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک نسب اور خون کے رشتے، اور دوسرے سسرالی رشتے، اس سسرالی رشتے کو "مصاہرت" کہتے ہیں، جیسے: سسر، ساس، اور ان کے اصول یعنی ان کا پدری اور مادری سلسلہ، اور بیوی کی بیٹی، شوہر کا بیٹا وغیرہ، ان رشتہ داروں سے حرمت کو "حرمتِ مصاہرت" کہا جاتا ہے، اسلام نے نسب اور مصاہرت دونوں قسم کے رشتوں کے احترام کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ (الفرقان: 54) ترجمہ: "اللہ وہ ذات ہے جس نے پانی سے انسان کو بنایا اور پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا"۔

اور اللہ پاک نے یہ تذکرہ احسان شمار کرنے کی جگہ پر کیا ہے جو ان رشتوں کی عظمت اور قابلِ احترام ہونے کی دلیل ہے۔

حرمتِ مصاہرت جس طرح نکاح سے ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح زنا اور شرائطِ معتبرہ کے ساتھ دواعی زنا (شہوت کے ساتھ چھونے اور دیکھنے) سے بھی ثابت ہو جاتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کر لے، یا اس سے وطی کر لے خواہ نکاحِ صحیح کے بعد، یا نکاحِ فاسد کے بعد، یا زنا کرے، یا اس عورت کو شہوت کے ساتھ کسی حائل کے بغیر چھو لے یا شہوت کے ساتھ اس کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی طرف دیکھ لے تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، یعنی اس عورت کے اصول و فروع، مرد پر حرام ہو جائیں گے اور اس مرد کے اصول و فروع، عورت پر حرام ہو جائیں گے۔

اس لیے اگر کسی انسان نے ساس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا بوسہ لیا تو اس کی بیٹی یعنی اس مرد کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ (شامی، ج:3، ص:36)

بَابُ تَزْوِيجِ السَّكْرَانِ

نشہ والے کا نکاح کرنا!

438- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي السَّكْرَانِ يَتَزَوَّجُ قَالَ: يَجُوزُ عَلَيْهِ

كُلُّ شَيْءٍ صَنَعَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ, إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا ذَهَبَ عَقْلُهُ مِنَ السُّكْرِ فَارْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ, ثُمَّ صَحَا فَذَكَرَ أَنَّ ذَلِكَ كَانَ مِنْهُ بِغَيْرِ عَقْلٍ, قُبِلَ مِنْهُ, وَلَمْ تَبِنْ مِنْهُ إِمْرَأَتُهُ, وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نشے والے آدمی کے بارے میں جو شادی کرلیتا ہے فرمایا: اس کا ہر عمل جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں سوائے ایک بات کے کہ اگر نشے کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو جائے پھر وہ اسلام سے پھر جائے (مرتد ہو جائے) پھر ٹھیک ہونے پر کہے یہ بات اس سے سمجھے بغیر صادر ہوئی تھی تو اس کی بات قبول کی جائے گی اور اس کی بیوی اس سے جدا نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

نشہ کی حالت میں نکاح کا حکم:

السَّكْرَانِ يَتَزَوَّجُ قَالَ: يَجُوزُ عَلَيْهِ كُلّ شَيْءٍ صَنَعَهُ: نشہ میں مدہوش شخص کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ امام طحاوی اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کا نکاح درست نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ انسان عقل کی بنیاد پر ہی کسی چیز کا قصد کرتا ہے جبکہ نشہ میں مدہوش آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس آدمی کی عقل گناہ کی وجہ سے زائل ہوئی ہے، اس لئے اسے حکمًا ایسا قرار دیا گیا گویا اس کی عقل باقی ہے، تاکہ ایسے شخص کو زجر وتنبیہ ہو۔

نشہ میں مرتد ہو گیا:

ارْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ, ثُمَّ صَحَا: اگر نشہ میں مدہوش کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی اس سے جدا نہیں ہوگی، اس لیے کہ کفر اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے جو نشہ کی حالت میں متحقق نہیں ہوتا، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ظاہر الروایۃ کے مطابق وہ شخص مرتد شمار ہوگا۔

نشہ کی حالت میں طلاق:

اگر کوئی شخص انتہائی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ہمارے اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصح قول اس کے مطابق ہے نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مرجوح روایت یہی ہے، اگر دوا کی وجہ سے نشہ آیا اور اس میں مست ہو کر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن جان بوجھ کر نشہ پیا اور اس کی وجہ سے مست ہو کر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلَمْ يَجِدْهَا عَذْرَاءَ

کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اسے کنواری نہ پائے!

439۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا زَوَّجَتْ مَوْلَاةً لَهَا رَجُلًا فَلَمْ يَجِدْهَا عَذْرَاءَ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ لِذَلِكَ حَزِينًا شَدِيدَ الْحُزْنِ، حَتَّى عُرِفَ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ، فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَقَالَتْ: وَمَا يُحْزِنُهُ؟ إِنَّ الْعُذْرَةَ لَيَدْفَعُهَا الْحَيْضُ، وَالْإِصْبَعُ، وَالْوُضُوءُ، وَالْوَثْبَةُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کی ایک باندی کسی شخص کے نکاح میں آئیں تو اس نے اسے کنواری نہ پایا پردہ بکارت زائل تھا یہ مطلب نہیں کہ شادی شدہ تھیں، وہ شخص اس پر نہایت غمگین ہوا اور باہر آیا حتی کہ یہ غم اس کے چہرے پر ظاہر ہو رہا تھا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتائی گئی تو انہوں نے فرمایا وہ کیوں غمگین ہوتا ہے بکارت حیض، انگلی، عضو اور اچھل کود سے بھی زائل ہو جاتی ہے۔

لغات: عَذْرَاءَ: باکرہ، ج۔ عذاری، عذراوات۔ الوَثْبَةُ: اچھلنا، کودنا۔

پردۂ بکارت زائل ہونے کے اسباب:

فَلَمْ يَجِدْهَا عَذْرَاءَ: پردۂ بکارت زائل ہونے کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً شادی میں تاخیر، کوئی بیماری، کھیل کود، کسی جگہ سے چھلانگ لگانا یا کسی وجہ سے جھٹکا لگنا وغیرہ، اور مرد وزن والے تعلق کے علاوہ ان دیگر اسباب کی وجہ سے پردہ بکارت زائل ہونے کے باوجود عورت شرعاً باکرہ (کنواری) ہی شمار ہوگی؛ لہذا کسی خاتون کے پردہ بکارت زائل ہونے کو بدکاری کے ساتھ مخصوص کرنا قطعاً درست نہیں۔ یہاں مرد کا یہ کہنا تہمت نہیں بلکہ اظہار حقیقت سمجھا جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو واضح کر دیا کہ یہ مختلف وجوہ سے ہوا کرتا ہے۔

440۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَةٍ قَدْ تَزَوَّجَهَا: لَمْ أَجِدْهَا عَذْرَاءَ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کے بارے میں کہے کہ میں نے اسے کنواری نہیں پایا، تو اس پر حد نافذ نہیں ہوگی۔" (مرد کا قول تہمت نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت سمجھا جائے گا)، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بیوی کو "کنواری نہیں پایا" کہنے کا حکم:

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَةٍ قَدْ تَزَوَّجَهَا: لَمْ أَجِدْهَا عَذْرَاءَ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کے بارے میں کہے کہ

میں نے اسے کنواری نہیں پایا، تو اس پر حد نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ پردۂ بکارت زائل ہونے کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں جیسا کہ ماقبل میں تفصیل گزر گئی اور ایسی صورت میں مرد کا قول تہمت نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت سمجھا جائے گا۔

بَابُ تَزْوِيجِ الْأَكْفَاءِ وَحَقِّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهِ

کفو میں نکاح کرنا اور خاوند کا بیوی پر حق!

441۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَأَمْنَعَنَّ فُرُوجَ ذَوَاتِ الْأَحْسَابِ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، إِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ غَيْرَ كُفْءٍ فَرَفَعَهَا وَلِيُّهَا إِلَى الْإِمَامِ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حسب ونسب والی عورتوں کو ان کے کفو (ہم پلہ) کے علاوہ نکاح کرنے سے ضرور منع کروں گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جب کوئی عورت غیر کفو میں نکاح کرے پھر اس کا ولی امام (عدالت) کے پاس مقدمہ لے جائے تو وہ ان میں تفریق کر دی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

نکاح میں کفو کا اعتبار ہے:

لَأَمْنَعَنَّ فُرُوجَ ذَوَاتِ الْأَحْسَابِ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ: نکاح میں کفو ضروری ہے اور کفو یہ ہے کہ شوہر عورت کا مساوی ہو، اس کے خاندان میں، دین میں، عمر میں اور خوبصورتی وغیرہ میں، میاں بیوی کی طبیعت ملنی ضروری ہے اور کفو ہو یہ تب ہی ہو سکتا ہے اس لیے کفو میں شادی کرنا چاہئے۔ یہ تفصیل احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک زوجین کے درمیان کفاءت کا پایا جانا صحت نکاح کے لئے شرط نہیں ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں" روی عنه انها شرط له والرواية الثانية عن احمد انها ليست بشرط وهذا قول اكثر اهل العلم "(کذا فی الاوجز ۴/۴۱۵)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفاءت صرف دین میں معتبر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کفاءت دین، حریت اور عیوب سے سلامتی میں معتبر ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں کفائت صرف اسلام میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مال وعیوب سے سلامتی میں بھی معتبر ہے۔

پس اگر کوئی عورت اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو اس صورت میں اولیاء کو زوجین کے درمیان تفریق کرنے کا حق حاصل ہے۔

442۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ زِيَادٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ امْرَأَةً خُطِبَتْ إِلَى أَبِيهَا فَقَالَتْ: مَا أَنَا بِمُتَزَوِّجَةٍ حَتَّى أَلْقَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ: مَا حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى

زَوْجَتِهٖ ؟ فَأَتَتْهُ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهٖ ؟ قَالَ : إِنْ خَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا بِغَيْرِ إِذْنٍ مِنْهُ لَمْ يَزَلِ اللهُ يَلْعَنُهَا ، وَالْمَلَائِكَةُ ، وَالرُّوحُ الْأَمِينُ ، وَخَزَنَةُ الرَّحْمَةِ ، وَخَزَنَةُ الْعَذَابِ حَتّٰى تَرْجِعَ ، قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ، مَا حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهٖ ؟ قَالَ : إِنْ سَأَلَهَا نَفْسَهَا وَهِيَ عَلٰى ظَهْرِ قَتَبٍ لَمْ يَكُنْ لَهَا أَنْ تَمْنَعَهٗ ، قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ، مَا حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهٖ ؟ قَالَ : إِنْ غَضِبَ فَلْتَرْضَهٗ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : وَإِنْ كَانَ ظَالِمًا ؟ قَالَ : وَإِنْ كَانَ ظَالِمًا ، قَالَتْ مَا أَنَا بِمُتَزَوِّجَةٍ بَعْدَمَا أَسْمَعُ .

ترجمہ: حضرت حکم بن زیاد نبی کریم ﷺ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کے لیے اس کے والد کے پاس پیغام نکاح بھیجا گیا، تو اس عورت نے کہا: میں اس وقت تک شادی نہیں کروں گی جب تک نبی کریم ﷺ سے ملاقات کر کے یہ معلوم نہ کرلوں کہ شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ پھر وہ عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول بیوی پر شوہر کا کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر عورت شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے تو اللہ جل جلالہ اور فرشتے اور روح الامین اور رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک وہ گھر واپس نہ آجائے، اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول بیوی پر شوہر کا (اور) کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ اس سے صحبت کی خواہش کا اظہار کرے اور وہ کجاوہ پر سوار ہو تو اسے یہ حق نہیں کہ اسے منع کرے، اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! شوہر کا بیوی پر (اور) کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ناراض ہو تو یہ اسے راضی کرے، تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: خواہ مرد ظالم ہی کیوں نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مرد چاہے ظالم کیوں نہ ہو، اس عورت نے کہا: یہ سب سننے کے بعد تو میں ہرگز شادی نہیں کروں گی۔

لغات: خَزَنَة: خازن کی جمع، مراد رحمت کے فرشتے ہیں، قتب: کجاوہ، جمع اقتاب۔

تشریح:

وَإِنْ كَانَ ظَالِمًا: سے یہاں مبالغہ مقصود ہے، اس لئے کہ اگر واقعی شوہر ظالم ہو تو اس کو راضی کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ بیوی کو راضی کرے گا، **مَا أَنَا بِمُتَزَوِّجَةٍ:** اگر عورت کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ شوہر کے حقوق ادا نہیں کر سکے گی تو اس کے لئے شادی جائز نہیں ہے، یہی حکم مرد کے لئے بھی ہے۔

443۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ عَائِذٍ الطَّائِيُّ ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ : أَتَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ ﷺ مَعَهَا ابْنٌ رَضِيعٌ ، وَابْنٌ هِيَ أَخَذَتْهُ بِيَدِهٖ ، وَهِيَ حُبْلٰى فَلَمْ تَسْأَلْهُ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهَا إِيَّاهُ رَحْمَةً لَهَا ، فَلَمَّا أَدْبَرَتْ قَالَ : حَامِلَاتٌ ، وَالِدَاتٌ ، مُرْضِعَاتٌ ، رَحِيمَاتٌ بِأَوْلَادِهِنَّ ، لَوْلَا مَا يَأْتِينَ إِلٰى أَزْوَاجِهِنَّ دَخَلَنَ مُصَلِّيَاتُهُنَّ الْجَنَّةَ .

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کے ساتھ ایک دودھ پیتا بچہ تھا ایک بچے کا اس نے ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور وہ حاملہ بھی تھی، تو اس نے حضور ﷺ سے کچھ بھی نہ مانگا مگر یہ کہ آپ ﷺ نے اس پر رحم

کھاتے ہوئے اسے عطا فرمایا: جب وہ چلی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: حاملہ عورتیں دودھ پلانے والی مائیں اپنی اولاد پر رحم کھانے والیاں، اگر یہ اپنے خاوند کی نافرمانی نہ کریں تو ان میں نمازی (مسلمان) عورتیں جنت میں داخل ہوں گی۔

فرمابردار بیوی کی فضلیت:

لَوْلَا مَا يَأْتِينَ إِلَى أَزْوَاجِهِنَّ: اس سے مراد شوہروں کو تکلیف اور ایذاء دینا ہے، اگر عورت میں شوہر کی نافرمانی اور ناشکری نہ ہو تو اس کے بڑے فضائل ہیں۔ جیسا کہ حدیث باب میں ذکر ہوا، ایک دوسری رویت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضا) رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اور اپنے خاوند کی فرماں برداری کی تو (اس عورت کے لیے یہ بشارت ہے کہ) وہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (مظاہر حق، 366/3، ط: دار الاشاعت)

بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً نُعِيَ إِلَيْهَا زَوْجُهَا

جس عورت کے خاوند کے فوت ہونے کی اطلاع آئے اس سے نکاح کرنا!

444- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الرَّجُلِ يُنْعَى إِلَى امْرَأَتِهِ فَتَتَزَوَّجُ، ثُمَّ يَقْدَمُ الْأَوَّلُ قَالَ: يُخَيَّرُ الْأَوَّلُ، فَإِنْ شَاءَ امْرَأَتَهُ، وَإِنْ شَاءَ الصَّدَاقَ. قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: هِيَ امْرَأَةُ الْأَوَّلِ عَلَى كُلِّ حالٍ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: وَبَلَغَنَا نَحْوُ ذَلِكَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ فِيهِ وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی عورت کے پاس اس کے خاوند کے فوت ہونے کی اطلاع آئے اور وہ (دوسری جگہ) نکاح کر لے پھر پہلا خاوند آ جائے، آپ نے فرمایا: پہلے شوہر کو اختیار دیا جائے گا، اگر چاہیے تو یہ اس کی بیوی ہے اسے اپنے پاس رکھے اور اگر چاہے تو مہر وصول کر لے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ عورت ہر حال میں پہلے شوہر کی بیوی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی اس قسم کی بات پہنچی ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

نکاح ثانی کے بعد مفقود شوہر واپس آ جائے:

اگر کسی عورت کو یہ خبر دی گئی کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور کسی ذریعہ سے اس کی تکذیب نہ ہوا اور وہ عدت گزار کر دوسری شادی کر لے، بعد میں پہلا شوہر آ جائے تو یہ نکاح کالعدم ہوگا، اس لئے کہ وہ ابھی تک پہلے شوہر کی بیوی ہے، دوسرے کا نکاح ہی منعقد نہیں ہوا، اگر اطلاع دینے والا جھوٹا تھا تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا، عورت اور اس کا دوسرا شوہر گناہگار نہ ہوں گے اور اگر عورت یا دوسرے شوہر میں سے کسی کو یا دونوں کو اس خبر کا جھوٹا ہونا معلوم تھا تو دونوں گناہگار اور زنا کے مرتکب ہوں گے، پہلا شوہر جب آئے گا تو یہ اس کی بیوی شمار ہوگی ہاں البتہ اگر پہلا شوہر اسے طلاق دے دے تو عدت گزار کر یہ دوسرے شوہر یا جس مرد سے چاہے شادی کر سکتی

ہے۔۔(المختار)

445۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَرْأَةِ يَفْقِدُ زَوْجَهَا قال: بَلَغَنِي الَّذِي ذَكَرَ النَّاسُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ، وَالتَّرَبُّصُ أَحَبُّ إِلَيَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اس عورت کے بارے میں جس کا خاوند گم ہو جائے آپ فرماتے ہیں مجھے جو بات پہنچی ہے اور جس کا لوگ ذکر کرتے ہیں وہ چار سال کا عرصہ ہے اور انتظار مجھے زیادہ پسند ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

446۔ وَكَذَلِكَ بَلَغَنَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَفْقُوْدِ زَوْجُهَا: إِنَّهَا امْرَأَةٌ أُبْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَأْتِيَهَا وَفَاتُهُ، أَوْ طَلَاقُهُ.

ترجمہ: اسی طرح ہمیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے ایسی عورت کے بارے میں جس کا خاوند گم ہو جائے، فرمایا: یہ ایک ایسی عورت ہے جو آزمائش میں ڈالی گئی ہے، پس اسے صبر کرنا چاہیے حتی کہ اس (خاوند) کی موت کی خبر آجائے یا طلاق (کی اطلاع) آئے۔

مفقود کے نکاح کا حکم:

مفقود (گم شدہ/لاپتہ شخص) کی بیوی کے نکاح کے بارے میں علماء مالکیہ کا قول چار سال کا ہے، یعنی چار سال انتظار اور تلاش کے بعد مفقود (گم شدہ/لاپتہ شخص) کی بیوی کے مطالبہ پر عدالت ان کا نکاح فسخ کر سکتی ہے اور ماضی قریب کے ہمارے اکابر اور علمائے احناف نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے اور اس کا ایک طریقہ کار وضع کر دیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

اس لاپتا شخص کی بیوی قاضی کے پاس دعویٰ پیش کرے اور اس کے ساتھ تا حال اپنے نکاح کو ثابت کرے، اس کے بعد اپنے شوہر کے مفقود (لاپتا) ہونے کو ثابت کرے، پھر قاضی اس کے شوہر کی تلاش کا حکم دے، حتی الامکان جہاں جہاں ممکن ہو، وہاں تلاش کروائے۔ جب قاضی اس کے ملنے سے بالکل نا اُمید ہو جائے تو عورت کو چار سال کی مہلت دے، اگر ان چار سالوں میں بھی اس کی کوئی خبر نہ آئے تو عورت دوبارہ درخواست دے کر نکاح فسخ کروالے اور شوہر کو مردہ تصور کر کے عدتِ وفات چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

مزید چار سال کے انتظار کا حکم اس وقت ہے جب عورت کے لیے نفقہ اور گزارہ کا بھی انتظام ہو اور عفت وعصمت کے ساتھ یہ مدت گزارنے پر قدرت بھی ہو۔ اگر اس کے نفقہ وغیرہ کا انتظام نہ ہو تو جب تک انتظار کر سکتی ہے، کرے، جس کی مدت ایک ماہ سے کم نہ ہو۔ اس کے بعد عدالت سے فسخِ نکاح کے لیے رجوع کرے اور اگر نفقہ وغیرہ کا تو انتظام ہے، لیکن بغیر شوہر کے رہنے میں عفت وعصمت کا خطرہ ہے تو پھر سال بھر صبر کرنے کے بعد قاضی کی طرف جائے اور مفقود کے ساتھ اپنے نکاح اور پھر اس کے غائب ہونے کو ثابت

کرے کہ وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس نے اس کے لیے نہ نان نفقہ چھوڑا ہے اور نہ کسی کو نفقہ کا ضامن بنایا۔ اور عفت کی صورت میں قسم کھائے کہ میں شوہر کے بغیر عفت قائم نہیں رکھ سکتی۔

جب اِثبات اور اِشہاد (یعنی شوہر کے لاپتہ ہونے کا ثبوت اور اس پر گواہی) کا یہ عمل مکمل ہو جائے تو قاضی عورت کو کہہ دے کہ میں نے تمہارا نکاح فسخ کیا یا شوہر کی طرف سے طلاق دے دی، یا خود عورت کو اختیار دے دے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق واقع کرے، جب وہ اپنے آپ پر طلاق واقع کر دے تو قاضی اس طلاق کو نافذ کر دے اور عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

اور اگر دوسری شادی کے بعد پہلا شوہر لوٹ آئے تو مذکورہ خاتون کا نکاح اس کے پہلے شوہر سے بدستور قائم رہے گا، دوسرے شوہر کے ساتھ اس کا نکاح خود بخود باطل ہو جائے گا، اس لیے دوسرے شوہر سے فوراً علیحدگی لازم ہوگی اور اگر اس خاتون کی دوسرے نکاح کی رخصتی بھی ہوگئی ہو تو پہلے شوہر کو اس کے ساتھ صحبت کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہوگا، جب تک وہ دوسرے شوہر کی عدت پوری نہ کرلے۔ (فتاویٰ شامی، ج:۴، ص:۲۹۵)

مفقود کی میراث کے بارے میں اَصل شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک اُس کی موت متعین نہ ہو جائے، اُس وقت تک اُس پر اُس کے مال کو نہ تو تقسیم کیا جائے گا، اور نہ وہ کسی دوسرے مورث کا وارث بنے گا، اور اُس کو حکماً میت قرار دینے کی دو شکلیں ہیں:

اَول یہ کہ اُس کو غائب ہوئے اتنا طویل عرصہ گذر جائے کہ اُس کے ہم عصر لوگوں میں کوئی باقی نہ رہے، جس کا اندازہ مفتی بہ قول پر ۹۰/سال کی عمر سے لگایا گیا ہے۔

اور ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کے بارے میں عدالتِ عالیہ یا غیر اسلامی حکومتوں میں دار القضاء یا محکمہ شرعیہ میں مقدمہ درج کیا جائے، اور عدالت کی طرف سے مذہبِ مالکی کے مطابق ۴/سال گذرنے پر اُس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے، تو اب اُس پر میت کے احکام حسبِ ضابطہ جاری ہوں گے۔ اور جب تک اُس پر میت کے احکام جاری نہ ہوں تو اُس مفقود کا متروکہ مال محفوظ رکھا جائے گا۔ (مستفاد: از طرازی شرح سراجی ۲۸۳)

بَابُ الْعَزْلِ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْ إِيْتَانِ النِّسَاءِ

عزل اور عورت کے ساتھ جہاں سے جماع منع ہے اس کا باب!

447- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: لَا تَعْزِلْ عَنِ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا، وَأَمَّا الْأَمَةُ فَاعْزِلْ عَنْهَا وَلَا تَسْتَأْمِرْهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، فَإِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ زَوْجَةً لَكَ فَلَا تَعْزِلْ عَنْهَا إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهَا، وَلَا تَسْتَأْمِرِ الْأَمَةَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرو اور باندی سے عزل کرو اس سے

اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اگر کوئی باندی کسی کے نکاح میں ہو تو اس کے مولی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل مت کرو، اس بارے میں باندی سے اجازت نہیں لی جائے گی، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

448 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْعَزْلِ، فَقَالَ: لَوْ أَخَذَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِيثَاقَ نَسَمَةٍ فِي صُلْبِ رَجُلٍ فَصَبَّهَا عَلَى صَفَاةٍ، أَخْرَجَ اللهُ مِنْهَا النَّسَمَةَ الَّتِي أَخَذَ مِيثَاقَهَا ، فَإِنْ شِئْتَ فَاعْزِلْ، وَإِنْ شِئْتَ فَدَعْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر اللہ جل جلالہ کسی جان کا کسی شخص کی پشت میں عہد لے لیں، اور وہ شخص اس مادہ منویہ کو کسی چٹان پر بہادے تو اللہ جل جلالہ وہاں سے بھی اس جان کو پیدا کر دیں گے، جس کا ارادہ فرمایا تھا، اس لیے تم چاہو عزل کرو، چاہو عزل نہ کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: مِيثَاق: عہد و پیمان، نَسَمَةٍ: جان، روح، نفس، صُلْب: پشت، فَصَبَّهَا: ن، بہانا، ڈالنا، صَفَاةٍ: چکنا پتھر، ٹھوس پتھر۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ عزل کرنا اللہ جل جلالہ کے فیصلہ اور حکم کو ٹال نہیں سکتا، جس قطرہ سے اللہ جل جلالہ کو جس انسان کو وجود دینا ہے وہ ہر حال میں مادرِ رحم میں پہنچ کر رہے گا۔

عزل کی شرعی حیثیت:

عزل کا مطلب یہ ہے کہ بیوی یا باندی سے صحبت کی جائے اور مادہ منویہ کو رحم میں نہ جانے دیا جائے۔

شریعتِ مطہرہ میں نکاح کے من جملہ اغراض و مقاصد میں سے ایک اہم مقصد توالد و تناسل ہے، اور اولاد کی کثرت مطلوب اور محمود ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیثِ مبارک میں زیادہ بچہ جننے والی عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، لہذا بلا عذر عزل کرنا ناپسندیدہ ہے، البتہ اگر عذر ہو تو (آزاد) بیوی کی اجازت سے عزل کرنا بلا کراہت جائز ہوگا، اور بعض حالات میں بیوی کی اجازت کے بغیر بھی اس کی گنجائش ہے۔

چند اعذار ذیل میں لکھے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں "عزل" بلا کراہت جائز ہے:

① - عورت اتنی کمزور ہو کہ حمل کا بوجھ اٹھانے کی استطاعت نہ ہو، حمل اور درد زہ کی تکالیف جھیلنے کی سکت نہ ہو یا بچہ کی ولادت کے بعد شدید کمزوری اور نقاہت لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو "عزل" جائز ہے۔

② - دو بچوں کے درمیان اس غرض سے مناسب وقفہ کے لیے کہ بچے کو ماں کی صحیح نگہداشت مل سکے، اور دوسرے بچے کا حمل

ٹھہرنے کی وجہ سے پہلے بچے کے لیے ماں کا دودھ مضر اور نقصان دہ نہ بنے۔

③- عورت بداخلاق اور سخت مزاج ہو اور خاوند اسے طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اندیشہ ہو کہ بچہ کی ولادت کے بعد اس کی بداخلاقی میں مزید اضافہ ہو جائے گا، ایسی صورت میں بلا کراہت عزل جائز ہے۔

④- اسی طرح طویل سفر میں ہو، یا دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے بچے کے جانی یا ایمانی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی عزل جائز ہے۔

مذکورہ صورتوں میں عزل کرنے کا ایسا طریقہ اور تدبیر اختیار کرنا درست ہے کہ جس سے وقتی طور پر حمل روکا جا سکے، اس طور پر کہ جب چاہیں دوبارہ توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رکھا جا سکتا ہو۔ باقی آپریشن کر کے بچہ دانی نکلوانا یا نس بندی کروانا یا کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے توالد وتناسل (بچہ پیدا کرنے) کی صلاحیت بالکل ختم ہو جائے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاوی شامی (175/3))

449- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ خُثَيْمٍ الْمَكِّيُّ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهِكٍ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنَّ لَهَا زَوْجًا يَأْتِيهَا وَهِيَ مُدْبِرَةٌ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ فِي صِمَامٍ وَاحِدٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَإِنَّمَا يَعْنِي بِقَوْلِهِ: فِي صِمَامٍ وَاحِدٍ، يَقُولُ: إِذَا كَانَ ذَلِكَ فِي الْفَرْجِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: میرا شوہر مجھ سے اگلی راہ میں پیچھے کی طرف سے صحبت کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، جبکہ ایک سوراخ یعنی فرج میں ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو ہی اختیار کرتے ہیں، آپ ﷺ کی ایک سوراخ سے مراد یہ تھی کہ اگر صحبت فرج میں ہو تو آگے یا پیچھے کی رخ سے صحبت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

بیوی کی پچھلی جانب سے آگے کی شرم گاہ میں ہمبستری کرنا:

یہودیوں کا خیال تھا کہ بیوی کی اگلی شرمگاہ میں پیچھے سے جماع کرنے سے لڑکا بھینگا پیدا ہوگا، اللہ جل جلالہ نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ (البقرة:223) ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، لہٰذا تم اپنی کھیتیوں میں جدھر سے چاہو آؤ۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی اگلی شرمگاہ میں جس طرح سے چاہیں جماع کر سکتے ہیں۔ (تفسیر طبری، ج:4، ص:398)

450- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ كَثِيرٍ الْأَصَمِّ الرَّمَّاحِ، عَنْ أَبِي ذِرَاعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ قَالَ: كَيْفَ شِئْتَ إِنْ شِئْتَ عَزْلًا، وَ

إِنْ شِئْتَ غَيْرَ عَزْلٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابوزراع رحمۃ اللہ علیہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: میں نے ان سے اس آیت (ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، سوتم اپنے کھیت میں آؤ، جس طرح چاہو) کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: جس طرح چاہو، اگر چاہو تو عزل کرو اور چاہو تو بغیر عزل کے ہمبستری کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

451۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ الْأَعْرَجُ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَعْجَازِهِنَّ.

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے پچھلے راستے میں صحبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بیوی کی پچھلی شرمگاہ میں جماع کا حکم:

شوہر کا بیوی کی پچھلی راہ سے جنسی شہوت پوری کرنا ناجائز اور حرام ہے، اگر کسی نے غلطی سے یہ فعل کرلیا تو اس پر خوب توبہ و استغفار کرے اور آئندہ کے لیے ایسی حرکت سے مکمل اجتناب کرے، نیز اگر بیوی کی رضامندی سے ایسا کیا تو بیوی پر بھی توبہ و استغفار کرنا لازم ہے، اگر شوہر اس بات پر زبردستی کرے، تو عورت اس سے علیحدگی اختیار کرسکتی ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:9، ص:695)

452۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُبَاشِرُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ وَهِيَ حَائِضٌ وَعَلَيْهَا إِزَارٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى بِهِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض ازواج مطہرات کے ساتھ حالت حیض میں ایسی حالت مباشرت کرتے تھے کہ ان پر چادر پڑی ہوتی تھی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

453۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِنِّي لَأَلْعَبُ عَلَى بَطْنِ الْمَرْأَةِ حَتَّى أَقْضِيَ شَهْوَتِي، وَهِيَ حَائِضٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حالت حیض میں اپنی بیوی کے پیٹ سے کھیلتا ہوں، یہاں تک کہ اپنی شہوت پوری کرلوں۔

حالتِ حیض میں بیوی سے کس قدر استمتاع جائز ہے؟

شوہر کے لیے بیوی سے اس کے ماہواری کے ایام میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ سے بغیر حائل کے نفع اٹھانا شرعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے، البتہ اس حصہ کے علاوہ باقی تمام بدن سے فائدہ اٹھانے کی شرعاً اجازت ہے۔

لہٰذا اگر ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ کپڑے سے ڈھکا ہوا ہو تو شوہر کو بیوی کے ساتھ لیٹنے کی اجازت ہے، البتہ اگر اس صورت میں بھی

جماع کی جانب راغب ہونے کا احتمال ہو تو اس طریقے سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔

یہ یاد رہے کہ حالتِ حیض میں بیوی سے جماع کرنا بنصِ قرآنی قطعاً حرام و ناجائز ہے، اگر زوجین باہمی رضامندی سے اس گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو دونوں گناہ گار ہوں گے، دونوں پر سچے دل سے استغفار لازم ہوگا، اگر اس حالت میں جماع حلال سمجھتے ہوئے کیا تو آیتِ قرآنی کے انکار کی وجہ سے تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح لازم ہوگا، البتہ اگر غلطی سے اس گناہ کا ارتکاب ہو گیا تو توبہ و استغفار کے بعد کچھ صدقہ کردے؛ تاکہ نیکی سے گناہ دھل جائے۔ نیز اگر حیض کے ابتدائی ایام میں (جب کہ خون سرخ ہوتا ہے) یہ گناہ سہواً سرزد ہو گیا ہو تو ایک دینار (4.374 گرام سونے کا سکہ) یا اس کی قیمت صدقہ کرے اور اگر حیض کے آخری ایام میں ایسا ہوا ہو تو آدھا دینار (یا اس کی قیمت) صدقہ کردے۔ (شامی، 298/1)

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ وَطْءِ الْأُخْتَيْنِ الْأَمَتَيْنِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

ایسی دو باندیوں سے وطی کرنا ناجائز ہے جو بہنیں ہوں!

454- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ أُخْتَانِ مَمْلُوكَتَانِ فَوَطِئَ إِحْدَاهُمَا، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَطَأَ الْأُخْرَى حَتَّى يَمْلِكَ فَرْجَ الَّتِي وَطِئَ غَيْرُهُ بِنِكَاحٍ أَوْ غَيْرِهِ، وَإِنْ كَانَتَا أُخْتَيْنِ إِحْدَاهُمَا امْرَأَتُهُ فَوَطِئَ الْأَمَةَ مِنْهُمَا، فَلْيَعْتَزِلِ امْرَأَتَهُ حَتَّى تَعْتَدَّ الْأَمَةُ مِنْ مَائِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَطَأَ امْرَأَتَهُ إِذَا وَطِئَ أُخْتَهَا حَتَّى يَمْلِكَ فَرْجَ أُخْتِهَا عَلَيْهِ غَيْرُهُ بِنِكَاحٍ أَوْ مِلْكٍ بَعْدَ مَا تَسْتَبْرَأُ بِحَيْضَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کسی شخص کے پاس دو ایسی باندیاں ہوں جو آپس میں بہنیں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک سے جماع کرلے تو اسے دوسری سے صحبت کرنے کا اس وقت تک حق نہیں جب تک اس باندی کی شرمگاہ کا نکاح وغیرہ کے ذریعے کسی اور کو مالک نہ بنادے اور اگر (باندیاں) دو بہنیں ہوں جن میں سے ایک اس کی بیوی ہو اور وہ ان میں سے جو باندی ہے اس سے وطی کرلے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے الگ تھلگ رہے جب تک باندی اس کے پانی سے پاک صاف ہونے کی عدت نہ گزار لے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم ان سب کو اختیار کرتے ہیں سوائے ایک بات کے، جب اس نے اپنی بیوی کی بہن سے جماع کرلیا ہو تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرے جب تک وہ اس کی بہن کی شرمگاہ کا ایک حیض کے ذریعے استبراء کر کے نکاح یا ملک یمین کے ذریعے کسی اور کو مالک نہ بنادے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: يَمْلِكَ میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال: باب تفعیل سے ہو، اس صورت میں یہ متعدی ہوگا اور اس کا فاعل ضمیر ہوگی جو رَجُل کی طرف راجع ہوگی اور اس کا مفعول بہ "غَيْرَهُ" ہوگا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ باب ضرب سے ہو، یہ لازمی ہوگا اور اس فاعل "غَيْرُهُ" ہوگا۔ تَسْتَبْرَأُ: استبراء

سے ہےلغوی معنی اِستبراء پیشاب کرنے کے بعد کوئی ایسا کام کرنا کہ اگر کوئی قطرہ رکا ہو تو گر جائے، برأت اور پاکیز گی طلب کرنا۔ اصطلاحا: طلب برائۃ رحم جاریۃ عن حمل بالامتناع عن الوطی الی مدۃ معینۃ، یعنی استبراء مالک کا اپنی (نئی) لونڈی سے شریعت کی مقرر کردہ مدت تک جماع نہ کرنا تا کہ رحم کا نطفہ سے خالی ہونا واضح ہو جائے۔

455 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنِ الْهَيْثَمِ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْأَمَتَيْنِ الْأُخْتَيْنِ تَكُونَانِ عِنْدَ الرَّجُلِ يَطَأُ إِحْدَاهُمَا : إِنَّهُ لَا يَطَأُ الْأُخْرَىٰ حَتَّى يُمَلِّكَ فَرْجَ الَّتِي وَطِئَ غَيْرَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ ،وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دو باندی بہنوں کے بارے میں فرمایا: جو کسی کے پاس ہوا اور وہ ان میں سے ایک سے صحبت کر لے، وہ دوسری سے اس وقت تک جماع نہیں کرے گا جب تک اس کی شرمگاہ کا دوسرے کو مالک نہ بنا دے جس سے یہ صحبت کر چکا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

دو بہنوں کو ایک وطی میں جمع کرنا:

مذکورہ بالا دونوں آثار میں دو باتیں ذکر کی گئی ہیں:

پہلی بات: یہ کہ دو بہن باندیوں کو ملکیت میں جمع تو کیا جا سکتا ہے البتہ دو بہنوں کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں، لہذا اگر کسی کی ملکیت میں ایسی دو باندیاں ہوں جو آپس میں بہنیں ہوں تو درست ہے، لیکن اب اگر اس نے کسی ایک بہن سے وطی کر لی تو جب تک ایک حیض گزرنے کے بعد جس سے وطی کی ہے اس کا کسی کو مالک نہ بنا دے، اس وقت تک دوسری بہن سے وطی جائز نہیں ہے، اب چاہے تو فروخت کر کے یا اس کا نکاح کر کے کسی کو اس کا مالک بنائے۔

دوسری بات: وَإِنْ كَانَتَا أُخْتَيْنِ الخ دو بہنوں میں سے ایک کو بیوی اور دوسری کو باندی بنانا جائز ہے البتہ دونوں کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، لہذا اگر باندی سے وطی کر لی تو جب تک استبراء نہ ہو جائے، پھر اس کو فروخت نہ کر دے یا کسی سے نکاح نہ کرا دے، بیوی سے بھی جماع حرام ہوگا۔

456 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَطَأَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ وَ ابْنَتَهَا ، وَ أَمَتَهُ وَ أُخْتَهَا ، أَوْ عَمَّتَهَا ، أَوْ خَالَتَهَا ، وَكَانَ يَكْرَهُ مِنَ الْإِمَاءِ مَا يَكْرَهُ مِنَ الْحَرَائِرِ ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ، كُلُّ شَيْءٍ كُرِهَ مِنَ النِّكَاحِ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ مِنْ مِلْكِ الْيَمِينِ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، يَجْمَعُ مِنَ الْإِمَاءِ مَا أَحَبَّ، وَلَا يَتَزَوَّجُ فَوْقَ أَرْبَعِ حَرَائِرَ، وَ أَرْبَعٍ مِنَ الْإِمَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ یہ ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنی باندی سے صحبت کرے اور ساتھ ہی اس کی بیٹی سے بھی یا باندی اور اس کی بہن یا چچی یا خالہ سے ایک ساتھ صحبت کرلے اور وہ باندیوں میں بھی وہی چیز ناپسند سمجھتے تھے جو آزاد

عورتوں میں ناپسند ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، جو چیز نکاح میں حرام ہے وہ ملک یمین میں بھی منع ہے سوائے ایک بات کے اور وہ یہ ہے کہ وہ جتنی باندیاں چاہے رکھ سکتا ہے لیکن چار آزاد عورتوں یا چار باندیوں سے زیادہ سے بیک وقت شادی نہیں کرسکتا اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

کن دو عورتوں کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؟

دو سگی بہنوں کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح دو بہنیں باندی تھیں دونوں کو اپنی ملکیت میں لیا تو ایک سے صحبت کرسکتا ہے دونوں سے صحبت نہیں کرسکتا اور اگر دوسری سے وطی کرنا چاہے تو پہلی کو ملکیت سے الگ کردے تب دوسری سے وطی کرسکتا ہے، کیوں کہ آیت میں دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿وان تجمعوا بين الاختين إلا ما قد سلف﴾ اور حرام ہے کہ جمع کرو دو بہنوں کو مگر جو گزر گیا۔

اسی طرح عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا، عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا حرام ہے مثلاً راشدہ اور اس کی پھوپھی میر جہاں کو ایک نکاح میں جمع کرے اور دونوں ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ حرام ہے، اسی طرح ساجدہ اور اس کی خالہ ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ بھی حرام ہے اگر شوہر کے پاس پہلے سے خالہ ہو تو اس پر اس کی بھانجی سے شادی نہیں کرسکتا اسی طرح شوہر کے پاس پہلے سے پھوپھی ہو تو اس پر اس کی بھتیجی سے شادی نہیں کرسکتا، کیوں کہ حدیث میں ممانعت ہے۔

لیکن کسی کافر کے نکاح میں دو بہنیں جمع ہوں اور وہ اسلام لے آئے تو اب کیا حکم ہے، اس میں **دو مذہب** ہیں:

- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ان میں سے جس کو چاہے پسند کرلے اور جسے چاہے چھوڑ دے۔
- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک: اگر ان دونوں سے آگے پیچھے نکاح کیا ہے تو اسے اختیار کرنے کا حق نہیں ہوگا اس کی بیوی پہلی والی ہی شمار ہوگی اور اگر ایک ساتھ نکاح ہوا ہو تو دونوں کا نکاح باطل ہوجائے گا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس سے کیا اور بعد میں کس سے کیا تو دونوں کو جدا کردیا جائے گا، اس لیے کہ ان دونوں میں سے ایک کا نکاح یقینی طور سے باطل ہے اور وہ متعین طور پر معلوم نہیں ہے، کسی ایک کو فوقیت بھی نہیں دے سکتے، اس لیے قاضی ان میں تفریق کردے گا۔

بَابُ الْأَمَةِ تُبَاعُ أَوْ تُوهَبُ وَلَهَا زَوْجٌ

شادی شدہ باندی کو بیچنا یا ہبہ کرنا!

457- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الْمَمْلُوكَةِ تُبَاعُ وَلَهَا زَوْجٌ، قَالَ: بَيْعُهَا طَلَاقُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ اشْتَرَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بَرِيرَةَ، فَأَعْتَقَتْهَا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَنْ تُقِيمَ

عِنْدَ زَوْجِهَا، أَوْ تَخْتَارُ نَفْسَهَا. فَلَوْ كَانَ بَيْعُهَا طَلَاقَهَا مَا خَيَّرَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس باندی کے بارے میں مروی ہے جسے بیچا جائے اور اس کا شوہر موجود ہو، انہوں نے فرمایا: اس کا بیچنا اس کی طلاق ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنے خاوند کے پاس رہیں یا اپنے آپ کو اختیار کریں (علیحدگی اختیار کریں)، اگر اس کو طلاق ہوتی تو آپ اس کو اختیار نہ دیتے۔

458 - وَبَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، وَحُذَيْفَةَ أَنَّهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا بَيْعَهَا طَلَاقَهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! ہمیں حضرت عمر فاروق حضرت علی المرتضیٰ حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے اس (باندی) کی فروخت کو طلاق قرار نہیں دیا اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

459 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ قَالَ: أُهْدِيَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جَارِيَةٌ لَهَا زَوْجٌ عَامِلٌ لَهُ. فَكَتَبَ إِلَى صَاحِبِهَا: بَعَثْتَ إِلَيَّ جَارِيَةً مَشْغُولَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَكُونُ بَيْعُهَا وَلَا هَدِيَّتُهَا طَلَاقًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ہیثم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک باندی تحفہ میں پیش کی گئی اور اس کا خاوند آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کام کرتا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے مالک کی طرف لکھا کہ تم نے میری طرف ایسی باندی بھیجی ہے جو (دوسرے کے نکاح میں) مشغول ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اس کا بیچنا اور اس کا ہدیہ کے طور پر دینا طلاق نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اگر منکوحہ باندی کو ہدیہ یا ہبہ یا بیچ دیا جائے:

اگر کوئی شخص اپنی شادی شدہ باندی کو ہدیہ یا ہبہ یا فروخت کر دے تو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باندی کو شوہر سے طلاق ہو جاتی ہے، احناف و جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں طلاق نہیں ہوتی۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کی بیع کے بارے میں دلیل حضرت عائشہ اور بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کیا تھا، وہ شادی شدہ تھی، ان کے شوہر کا نام مغیث تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا تھا اور انہوں نے جدائی اختیار کر لی تھی، اگر بیچنے سے نکاح ختم ہوتا تو اختیار نہ دیا جاتا، اور ہدیہ کے بارے دلیل مذکورہ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس باندی کو مشغول جاریہ فرمایا: اس لیے کہ وہ شادی شدہ تھی اور ہدیہ کرنے یا بیچنے سے وہ اپنے شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی۔

460- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَطُوفِ عَنِ الزُّهْرِي، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اشْتَرَى جَارِيَةً مِنِ امْرَأَتِهِ زَيْنَبَ الثَّقَفِيَّةِ وَاشْتَرَطَتْ عَلَيْهِ أَنَّهُ إِنِ اسْتَغْنَى عَنْهَا فَهِيَ أَحَقُّ بِثَمَنِهَا، فَلَقِيَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: مَا يُعْجِبُنِي أَنْ تَقْرَبَهَا وَلَهَا شَرْطٌ. فَرَجَعَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَرَدَّهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، كُلُّ شَرْطٍ كَانَ فِي بَيْعٍ لَيْسَ مِنَ الْبَيْعِ، فِيهِ مَنْفَعَةٌ لِلْبَائِعِ، أَوِ الْمُشْتَرِي، أَوِ الْجَارِيَةِ فَهُوَ يُفْسِدُ الْبَيْعَ مِثْلَ هٰذَا وَنَحْوُهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی زینب سے ایک باندی خریدی، اور بیوی نے یہ شرط لگائی کہ اگر انہیں اس کی ضرورت نہ رہی تو اس کی قیمت کی وہ زیادہ حقدار ہوں گی، تو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان سے یہ بات ذکر کی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ تم اس کے قریب جاؤ اس حال میں کہ اس کی بیع کے سلسلے میں کوئی شرط لگائی گئی ہو، چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اس باندی کو واپس کر دیا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو کوئی اختیار کرتے ہیں، ہر وہ شرط جو بیع میں لگائی جائے اور وہ بیع میں سے نہ ہو اس میں بائع یا مشتری یا باندی کا فائدہ ہو تو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے جیسے اس معاملہ اور اس جیسے معاملوں میں ہوتا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

بیع میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا:

حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے اس سے ہر وہ شرط مراد ہے جو عقدِ بیع کے تقاضے کے خلاف ہو اور اس کے مناسب نہ ہو اسی سے فقہاء نے یہ اصول بیان فرمایا کہ: بیع میں ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع، مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو، مفسدِ عقد ہے، یہاں زینب رضی اللہ عنہا نے باندی کی قیمت وصول کر لی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسے فروخت کریں گے تو ثمن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہوگا، یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف تھی، کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیع کے ذریعے مالک تھے، ثمن بھی ان کا تھا، اور اس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا فائدہ بھی تھا، چونکہ یہ بیع فاسد تھی، اس لئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے باندی واپس کر دی۔

بَابُ الطَّلَاقِ وَالْعِدَّةِ

طلاق اور عدت!

461- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ لِلسُّنَّةِ تَرَكَهَا حَتَّى تَحِيضَ وَتَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا تَطْلِيقَةً مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ، ثُمَّ يَتْرُكُهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيقَةً حَتَّى يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اسے حیض آنے تک چھوڑ دے جب حیض سے پاک ہو تو (اس طہر میں) جماع کئے بغیر اسے ایک طلاق دے پھر اسے اس حالت میں چھوڑے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور اگر تین طلاقیں دینا چاہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے حتی کہ تین طلاقیں دے دے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

462- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّه طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَعُيِّبَ ذَلِكَ عَلَيْهِ، فَرَاجَعَهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا فِي طُهْرِهَا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نَرَى أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي طُهْرِهَا مِنَ الْحَيْضَةِ الَّتِي طَلَّقَهَا فِيهَا، وَلٰكِنَّهَا يُطَلِّقُهَا إِذَا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضَةٍ أُخْرَىٰ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی جب ان کا یہ عمل ناپسند کیا گیا تو انہوں نے رجوع کر لیا پھر طہارت کی حالت میں طلاق دی، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور ہم اس بات کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جس حیض میں طلاق دی تھی اس کے بعد والے طہر میں طلاق دے بلکہ جب وہ دوسرے حیض سے پاک ہو تو اب طلاق دے۔

لغات: عُيِّبَ: عیب لگانا۔

طلاق کی اقسام بلحاظ وقوع:

وقوع یا تاثیر کے اعتبار سے طلاق کی **تین اقسام** ہیں، ہر ایک کا حکم درجہ ذیل ہے:

① - **طلاقِ رجعی**: رجعی کا لفظ "رجعت" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں، آگے بڑھانا، رجوع کرنا، پہل کرنا، تیزی کرنا وغیرہ، اس سے مراد وہ طلاق ہے جس کے بعد دورانِ عدت مرد اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، یعنی اس کے پاس طلاق کو واپس لوٹا کر دوبارہ بیوی بنا لینے اور تجدید نکاح کے بغیر رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے، یعنی شوہر اپنی بیوی کو واضح الفاظ میں طلاق دے، جیسا کہ "تجھے طلاق ہے" یا اسی کے ہم معنی الفاظ میں سے کچھ کہے، جیسا: "میں نے تجھے چھوڑ دیا"۔ تو یہ طلاقِ رجعی ہوگی، اور مرد عدت کے دوران اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ طلاقِ رجعی کے دوران زوجین اکٹھے رہ سکتے ہیں۔

② - **طلاقِ بائن**: اس سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں مرد عورت کو ایک یا دو طلاقِ رجعی دے کر اس سے رجوع نہ کرے، طلاق کی عدت گزرنے کے بعد وہ عورت "بائن" ہو جاتی ہے، شوہر کو رجوع کا حق نہیں رہتا، ہاں! اگر وہ دونوں ازدواجی تعلق دوبارہ قائم کرنا چاہیں تو دورانِ عدت یا بعد عدت نئے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

چنانچہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے، اور اس کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال کرے، یعنی یوں کہے کہ میں تجھے ایک

طلاق بائن یا دو طلاق بائن دیتا ہوں، تو طلاق واقع ہو جائے گی، یا اگر مرد طلاق کی نیت سے ایسے کنایہ الفاظ بولے، جن سے رشتہ زوجیت ختم ہونا ثابت ہو، تب بھی نکاح ختم ہو جائے گا، اور مرد عدت کے دوران بیوی سے بغیر تجدید نکاح رجوع نہیں کر سکتا، البتہ عدت میں یا عدت گزارنے کے بعد فریقین باہمی رضامندی سے نکاح کر سکتے ہیں۔

③-طلاقِ مغلّظہ: یہ طلاق بائن ہی کی ایک قسم ہے، اسے طلاقِ بائن کبریٰ یا بینونتِ کبریٰ بھی کہتے ہیں، اس سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں تین طلاقیں تین طہروں میں متواتر دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں تین یا پھر ایک ہی جملے میں تین طلاقیں دے دی جائیں۔

اس طلاق کے بعد مرد اُس عورت سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا، اگر اس کی مطلقہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے جسمانی تعلق قائم کرے، اور صحبت کے بعد اسے طلاق ہو جائے یا وہ مرد فوت ہو جائے، تب یہ ممکن ہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، یاد رہے، ارادتاً حلالہ جائز نہیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ طلاق کے جن الفاظ میں شدت نہیں ہوتی وہ عام طور پر طلاق رجعی ہوتی ہے، اور جس کے معنی میں شدت اور سختی ہوتی ہے وہ طلاق بائن ہوتی ہے، اس کے علاوہ بسا اوقات ایک لفظ طلاقِ رجعی کا ہوتا ہے، مگر مخصوص احوال کی وجہ سے وہ بائن بن جاتا ہے، مثلاً غیر مدخولہ کو اگر طلاقِ رجعی دی جائے، تو وہ بائن ہوتی ہے، اسی طرح اگر بائن کے بعد رجعی دی جائے، تو وہ بھی بائن ہوتی ہے۔

طلاق کی اقسام بلحاظِ کیفیت:

بلحاظ وقوع طلاق کی اقسام کے علاوہ بلحاظ کیفیت طلاق کی اقسام جاننا بھی ضروری ہے، احناف کے مطابق بلحاظِ کیفیت طلاق کی تین قسمیں ہیں: پہلی طلاقِ اَحسن، دوسری طلاقِ حسن اور تیسری طلاقِ بدعی۔

①-طلاقِ احسن: طلاقِ اَحسن سے مراد وہ طلاق ہے جس میں شوہر اپنی منکوحہ کو اس وقت ایک رجعی طلاق دے، جس میں اس سے جسمانی تعلق قائم نہ کیا ہو، اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، اس طلاق میں عدت کے دوران مرد کے لئے رجوع کا حق باقی رہتا ہے، عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے، اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح بھی ہو سکتا ہے۔

②-طلاقِ حسن: اس کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک طہر میں ایک طلاق دے، اس کے بعد اگلا حیض گزرنے کے بعد دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے، پھر تیسرا حیض گزرنے کے بعد تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے، اس طلاق کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

طلاقِ حسن کو طلاق سنت بھی کہا جاتا ہے، لیکن طلاقِ حسن کے طلاقِ سنت ہونے میں اختلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو طلاق بدعت کہا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جان بوجھ کر اور بلا ضرورت تین طلاقیں دلوائی جا رہی ہیں، جبکہ عورت کو جدا کرنے کے لئے

محض ایک طلاق کافی ہے، جسے طلاق احسن کہتے ہیں، جب ایک طلاق سے عورت جدا ہوسکتی ہے، اور عدت گذرنے کے بعد وہ دوسرے مرد سے شادی کرسکتی ہے، تو پھر تین طلاقیں دینے کی کیا ضرورت ہے۔

③- **طلاقِ بدعی:** اسے طلاق البدعت بھی کہا جاتا ہے، یعنی جب شوہر بیوی کو تین طلاقیں بیک لفظ یا ایک ہی ایسے طہر میں دے جس میں مباشرت کرچکا ہو، یا حیض کی حالت میں طلاق دے، یا پھر حالت حمل میں طلاق دے، اسے غیر مسنون طلاق بھی کہتے ہیں جو کہ موجبِ گناہ ہے، اگرچہ طلاق بدعی کسی بھی صورت میں دی ہو واقع ہوجاتی ہے، لیکن اس کا دینے والا گنہگار رہوتا ہے۔

طلاق بدعی کی دو اقسام ہیں: باعتبارِ وقت اور باعتبارِ عدد۔

①- **باعتبارِ وقت:** یعنی ایسے وقت میں رجعی طلاق دی جائے جب عورت حالت حیض میں ہو، ایسی صورت میں مرد کو چاہیے کہ وہ رجوع کرے، یہ طریقہ غیر مسنون ہے، حیض کی حالت میں طلاق نہ دینے کے پیچھے بھی ایک مصلحت ہے، کیونکہ اس وقت مرد کو عورت کی جانب طبعاً رغبت نہیں ہوتی، مزید یہ کہ اس صورت میں عدت کا زمانہ بڑھ جاتا ہے، کیونکہ جس حیض میں طلاق دی جاتی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوتا، اور عورت کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے، یا پھر اگر عورت حاملہ ہو، اس وجہ سے بھی عورت کو زیادہ عرصہ یعنی وضع حمل تک عدت میں رہنا پڑے گا، اگرچہ یہ طلاق خلافِ سنت ہے مگر واقع ہوجاتی ہے۔

②- **باعتبارِ عدد:** یعنی ایک طہر میں ایک طلاق دینے کی بجائے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا، یوں بیک وقت تین طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن دینے والا گناہ گار رہوگا۔

طلاق کی اقسام باعتبارِ الفاظ:

الفاظ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو طلاق کی دو قسمیں ہیں: ایک طلاق صریح اور دوسری طلاق کنایہ۔

①- **طلاق صریح:** اس سے مراد وہ طلاق ہے جس میں ایسے الفاظ کے ذریعے طلاق دی جائے جو بالکل واضح ہوں، اور ان کے ادا کرنے کے بعد یہ جاننے کی ضرورت نہ رہے کہ شوہر نے یہ لفظ بولتے ہوئے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں، پھر خواہ یہ الفاظ سنجیدگی سے بولے جائیں یا مذاق میں، طلاق واقع ہوجائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تین چیزیں ایسی ہیں جن کا قصد کرنا بھی قصد ہے، اور ہنسی مذاق میں منہ سے نکالنا بھی قصد ہے، نکاح، طلاق، رجعت" (ابوداؤد)

لہٰذا صریح سے مراد وہ الفاظ ہیں: جن کا عمومی استعمال طلاق ہی کے لیے ہو، جیسے: لفظ "طلاق" ہے، یا انگریزی میں لفظ "ڈائیورس" کا استعمال کیا جاتا ہے، یہ صریح الفاظ ہیں، اگر کسی نے بیوی کو صریح الفاظ کے ساتھ طلاق دے دی، تو خواہ وہ الفاظ کسی بھی

مقصد جیسے ڈرانے، دھمکانے یا مذاق میں کہے ہوں، ان سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائیگی۔

②-طلاق کنایہ: ایسے الفاظ کے ذریعے دی گئی طلاق جس میں طلاق کا مفہوم واضح نہ ہو، جن میں طلاق کے ساتھ کوئی اور مفہوم بھی پایا جائے، البتہ اگر شوہر ان الفاظ کو بولتے ہوئے طلاق کی نیت کر لے تو طلاق واقع ہو جائے، یعنی ایسے الفاظ بولے جائیں جو جدائی کی علامت ہوں، لیکن ان الفاظ کو شریعت یا عرف میں طلاق کے طور پر استعمال نہ کیا جاتا ہو، جیسے "تم آزار ہو" "میں نے تمہیں فارغ کیا" "جا میں تجھے نہیں رکھتا" "تو اپنے گھر چلی جا" "ہمارا تعلق اب ختم ہو چکا" وغیرہ۔

یاد رہے کہ کنایہ کے الفاظ سے طلاق دو شرطوں کے ساتھ واقع ہوگی، پہلی یہ کہ کنایہ کے الفاظ بولتے ہوئے طلاق دینے کی نیت ہو، دوسری یہ کہ ایسے الفاظ طلاق کے لیے بولے جنہیں واقعی طلاق کے لیے استعمال کیا جاتا ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص ایسا لفظ بولتا ہے جو شرعاً یا عرفاً کسی بھی طرح سے طلاق کے مفہوم میں نہیں لیا جاتا، اور وہ نیت یہ کرتا ہے کہ میں طلاق دے رہا ہوں، تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ الفاظ کو صریح اور کنایہ دو اقسام میں تقسیم تو کیا گیا ہے، اور بنیادی طور پر یہ تقسیم بالکل درست ہے، لیکن افراد، وقت اور علاقے کے اعتبار سے اس میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں، لہذا کسی بھی مخصوص لفظ کے لیے کوئی مخصوص حکم نہیں ہوسکتا، کوئی لفظ ایسا ہوسکتا ہے جو کسی قبیلے کے ہاں صریح طلاق ہو، جبکہ کسی کے ہاں کنایہ ہو، یا کسی وقت یا جگہ میں وہ لفظ صریح ہو، جبکہ کسی اور زمانے اور علاقے میں وہ کنایہ ہو۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ:

طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالتِ طہر میں بیوی سے صحبت کیے بغیر صرف ایک طلاق دی جائے، اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو، طلاق کے بعد اگر رجوع اور صلح کا ارادہ بن جائے تو محدثین اور فقہائے اربعہ کے مطابق تین حیض یا تین مہینے کے اندر رجوع اور عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے، اور اگر طلاق دینے کے بعد رجوع نہ کیا جائے، اور عدت کی مدت گزر جائے، تو ان کے مابین رشتہ زوجیت ختم ہو جائے گا، مطلقہ بیوی اس کے بعد آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، حتیٰ کہ پہلے خاوند سے بھی نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق ثلاثہ یا بیک وقت تین طلاقیں دینا:

طلاق کی اقسام جاننا جتنا ضروری ہے اتنا ہی ضروری اس کے مسائل سے آگاہی بھی ہے، کسی مرد کے لئے بیک وقت تین طلاقیں دینا درست نہیں، فقہ میں اسے طلاقِ فاسد، باطل اور بدعت قرار دیا گیا ہے، اس کے فاسد قرار پانے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

①- پہلی یہ کہ یہ قدیم روایات کی پیروی میں دی جاتی ہے، اسلام نے طلاق کا جو شرعی طریقہ بیان کیا یہ اس کے برعکس ہے۔

۲ - دوسری وجہ یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ فوری مؤثر ہوتی ہے، یوں یہ شرعی طلاق کے مقاصد کے خلاف ہے، کیونکہ دوران عدت زوجین کو اصلاح یا رجوع کرنے کے مواقع میسر نہیں آتے۔

۳ - تیسری وجہ یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسے ناپسند فرمایا ہے، طلاق ثلاثہ بہر صورت حرام ہے، اور ایسی طلاق کو رواج دینا اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دے اور بیوی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو تو چاروں ائمہ کے نزدیک اس سے تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی اور بیوی اپنے شوہر پر حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی، عدت کے دوران رجوع یا بعد از عدت تجدیدِ نکاح کی اجازت نہیں ہوگی، اور اگر اب تک بیوی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ ایک مجلس میں تین طلاق ایک جملے سے دی گئی ہیں (مثلاً، یوں کہا: میں نے تمہیں تین طلاقیں دیں) یا الگ الگ جملوں سے دی گئی ہیں، (مثلاً، یوں کہا: تمہیں طلاق دی، تمہیں طلاق دی، تمہیں طلاق دی)، اگر ایک ہی جملے سے تین طلاقیں دیں تو خلوت سے پہلے بھی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور وہی حکم ہوگا جو ذکر ہوا، اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد الگ الگ جملوں سے تین طلاقیں دی گئیں تو پہلے جملے سے طلاقِ بائن واقع ہو کر نکاح ختم ہو جائے گا، اور اس کے بعد مزید طلاقوں کا محل باقی نہیں رہے گا، اس صورت میں اگر باہمی رضامندی سے رجوع کرنا چاہیں تو گواہوں کی موجودگی میں نئے مہر کے تقرر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہوگی، اور آئندہ کے لیے دو طلاقوں کا اختیار باقی رہے گا۔

شیعہ جعفریہ کے نزدیک اس طرح ایک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (نووی فی شرح صحیح مسلم، ج:1، ص:478)

اہلِ ظواہر، بعض اہلِ نجد اور غیر مقلدین اس بات کے قائل ہیں کہ ایک کلمہ کے ساتھ دی جانے والی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی اور یہ حضرات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوا کرتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملے میں جلد بازی شروع کر دی جس میں ان کے لیے سہولت تھی، اگر ہم ان پر تینوں کو نافذ کر دیں تو اچھا ہو، اس کے بعد انہوں نے اس حکم کو نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم (477/1)

اس سلسلے میں چند باتیں قابلِ غور ہیں:

۱ - نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جب شوہر ایک طلاق دینے کے بعد دوسری اور تیسری مرتبہ بھی طلاق کے الفاظ استعمال کرتا تھا اور اس کی مراد پہلی دی گئی طلاق کی تاکید ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ وحی تھے، کوئی شخص آپ سے غلط بیانی نہیں کر سکتا تھا، اگر کوئی غلط بیانی کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اطلاع مل جاتی، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الفاظِ طلاق کو دیکھتے ہوئے تین طلاقوں کا فیصلہ نافذ کیا، نیتِ تاکید کا اعتبار

نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا ہوگا یا آیا ہوگا تو لوگوں کی دیانت کو دیکھتے ہوئے نیت کا اعتبار کیا جاتا ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے احکام نے قانونی شکل اختیار کی جس میں سے ایک قانون یہ بھی ہے۔ (شرح النووي علی مسلم (478/1)

② - صحیح مسلم کی اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی روایات میں مروی ہے کہ وہ ایک جملہ میں تین طلاقوں کو تین طلاقیں سمجھا کرتے تھے، ان کے جلیل القدر شاگرد علماء، عمرو بن دینار، سعید بن جبیر، مجاہد اور طاووس رحمۃ اللہ علیہم ان سے یہی نقل کرتے ہیں، ذیل میں چند روایات مذکور ہیں:

الف: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ میں یہ سمجھا کہ شاید اس کی بیوی کو اس کی جانب لوٹانے والے ہیں، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی جاتا ہے اور حماقت کر جاتا ہے، پھر کہتا ہے اے ابنِ عباس! اے ابنِ عباس! اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے راہ نکالتے ہیں، اور تم اللہ جل جلالہ سے نہیں ڈرے، اس لیے مجھے تمہارے لیے کوئی راہ نہیں مل رہی، تو نے اللہ جل جلالہ کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی۔ (سنن أبی داود (317/1)

ب: مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، آپ میرے لیے کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ تمہاری بیوی کو تم سے تین طلاقیں ہوگئی ہیں، اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تم نے اللہ جل جلالہ کی آیات کا مذاق بنایا ہے۔ (مؤطا مالک: باب ماجاء فی البتة)

جمہور رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ روایت ہے: حدثتني فاطمة بنت قيس، قالت: اتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: انا بنت آل خالد وان زوجي فلانا ارسل الى بطلاقي، واني سالت اهله النفقة والسكنى، فابوا علي، قالوا: يا رسول الله انه ارسل اليها بثلاث تطليقات، فقالت: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انما النفقة والسكنى للمراة اذا كان لزوجها عليها الرجعة۔ (سنن النسائی، ج:2، ص:100)

اس روایت سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین طلاقوں کی صورت میں شوہر کو رجعت کا حق نہیں دیا۔

طلاق دینے کے ممنوع طریقے:

① - بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دینا، حیض کی حالت میں طلاق تو واقع ہو جاتی ہے، لیکن اگر ایک یا دو طلاقِ رجعی دی ہے تو رجوع کر لینا مستحب ہے۔

② - ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کی جا چکی ہو، اگر چہ یہ طریقہ درست نہیں، لیکن اس میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

③ - ایک ہی طہر میں ایک سے زائد بار طلاق دینا، یا ایک جملہ ہی میں تینوں طلاقیں دے دینا، اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

④ - نابالغ یا بڑی عمر والی بیوی کو جسے حیض نہ آتا ہو، ایک مہینہ میں ایک سے زائد طلاقیں دینا، یہ سب طریقے طلاقِ بدعت کے ہیں، جو ممنوع ہیں۔

⑤ - جبراً طلاق لکھوانے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح جبراً طلاق نامہ پر دستخط کروانے یا انگوٹھا لگوانے سے بھی طلاق نہیں ہوتی۔

463 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ، فَلْيُطَلِّقْهَا عِنْدَ كُلِّ غُرَّةِ هِلَالٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَطَلَاقُ الْحَامِلِ لِلسُّنَّةِ تَطْلِيقَةٌ وَاحِدَةٌ، يُطَلِّقُهَا فِي غُرَّةِ الْهِلَالِ، أَوْ مَتَى شَاءَ، ثُمَّ يَدَعُهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا، وَكَذٰلِكَ بَلَغَنَا عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، وَبَلَغَنَا ذٰلِكَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دینا چاہے تو ہر چاند کے شروع میں ایک طلاق دے، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کو اختیار کرتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک حاملہ عورت کی سنت طلاق ایک ہی ہے چاند کے شروع میں طلاق دے یا جب چاہے، پھر اسے چھوڑ دے حتی کہ بچہ پیدا ہو جائے۔ ہمیں یہ بات حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اسی طرح پہنچی ہے، نیز! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح ہم تک پہنچی ہے۔

لغات: غُرَّةٌ: مہینہ کا پہلا دن، الْهِلَال: پہلی کا چاند۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ

حاملہ عورت کو طلاق دینے والے شخص کا بیان!

464 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمُطَلَّقَةِ، وَالْمُخْتَلِعَةِ، وَالْمُولٰى مِنْهَا: إِنْ كَانَتْ حُبْلٰى، أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ أَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ وَالسُّكْنٰى حَتّٰى تَضَعَ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ زَوْجُ الْمُخْتَلِعَةِ بَعْدَ الْخُلْعِ أَنْ لَا نَفَقَةَ لَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے طلاق والی عورت خلع والی عورت اور جس عورت سے ایلاء کیا گیا کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ اگر وہ حاملہ ہو یا نہ ہو (دونوں صورتوں میں) اسے نان نفقہ اور رہائش بھی ملے گی جب تک کہ وضع حمل نہ

ہو جائے، البتہ یہ کہ خلع کرنے والی عورت کا خاوند خلع کے بعد یہ شرط رکھے کہ اسے نان نفقہ نہیں ملے گا۔ (تو اسے نان نفقہ نہیں ملے گا) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: الْمُولٰی منھا: جس عورت سے ایلاء کیا گیا ہو، حُبْلٰی: حاملہ عورت۔

مبتوتہ غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ وسکنی دیا جائے گا یا نہیں؟

مطلقہ رجعیہ کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنی (رہائش) دونوں بالاتفاق واجب ہیں کیوں کہ نکاح بھی برقرار ہے اور عورت سے نفع اٹھانا بھی جائز ہے اور مطلقہ بائنہ کی دو قسمیں ہیں: حاملہ، وغیر حاملہ حاملہ کیلئے دونوں واجب ہیں بالاتفاق، لقولہ تعالی: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾۔ (سورۃ الطلاق، 6) اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو کھانے پینے کا) خرچ دو، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ وسکنی دیا جائے گا یا نہیں؟

اس بارے میں **تین مذاہب** ہیں:

- ① - امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی دونوں چیزیں شوہر پر واجب ہیں۔
- ۲ - امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ظاہریہ کے نزدیک نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔
- ۳ - امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو وہ حضور کی خدمت میں پہنچیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "لا سُكْنٰى لَكِ وَلَا نَفَقَةَ" کہ تیرے لئے نہ سکنی ہے اور نہ نفقہ ہے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کو نہ نفقہ دیا جائے گا اور نہ سکنی۔

امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: سکنی دینے کے سلسلہ میں یہ حضرات باری تعالیٰ کے قول: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ الخ﴾ سے استدلال کرتے ہیں جس میں سکنی دینے کا حکم کیا گیا ہے اور نفقہ نہ دینے کے سلسلہ میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نفقہ دینے سے انکار فرمایا ہے، چوں کہ یہ آیت سکنی کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے معارض ہے لہذا روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کیا۔

جواب: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

ا - وہ اپنے شوہر اور ان کے گھر والوں کے خلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹا دیا اور سکنی دینے سے انکار کیا، (شرح نووی علی صحیح مسلم: ۱/۴۸۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں تنہا ہونے کی وجہ سے وحشت محسوس کرتی تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزارنے کی اجازت دی اور نفقہ نہ دینے کا جواب یہ ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے گھر ہی نہیں رہیں تو ان کا نفقہ بھی ساقط ہو گیا اسلئے کہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے اور احتباس فوت ہو گیا۔

احناف کی رحمۃ اللہ علیہم دلیل: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾۔

ترجمہ: ”تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لئے ان کو تکلیف مت پہنچاؤ“۔

اس آیت سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے تین طریقوں سے مسلک احناف رحمۃ اللہ علیہم کو ثابت کیا ہے:

① - جس طرح سکنیٰ ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے، اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا۔

② - ولا تضاروھن سے مطلقات کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اور نقصان عدم سکنیٰ سے لاحق ہوتا ہے۔

③ - لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ تنگی جس طرح عدم سکنیٰ میں ہے اسی طرح عدم نفقہ میں بھی ہے۔ (احکام القرآن للجصاص:462/3)

بَابُ طَلَاقِ الْجَارِيَةِ الَّتِي لَمْ تَحِضْ وَعِدَّتِهَا

اس لڑکی کی طلاق اور عدت جسے حیض نہ آتا ہو!

465 - محمدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أبو حنيفةَ عن حمادٍ عَن ابراهيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امرأتَهُ وَهِيَ جَارِيَةٌ لَمْ تَحِضْ فَلْتَعْتَدَّ بِالشُّهورِ، فَإِنْ حَاضَتْ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ الشُّهُوْرُ لَمْ تَعْتَدَّ بِالشُّهُوْرِ وَاعْتَدَّتْ بِالْحَيْضِ. قَالَ محمدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور وہ ایسی لڑکی ہو جسے حیض نہیں آتا تو وہ تین مہینے عدت گزارے اور اگر (تین) مہینے مکمل ہونے سے پہلے حیض آجائے تو اب مہینوں کے حساب سے نہیں بلکہ حیض والی عدت گزارے۔“ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: الجارية: باندی، نابالغ بچی، یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔

جسے حیض نہیں آتا اسے عدت پوری ہونے سے پہلے حیض آجائے؟

اگر کسی کی بیوی آئسہ ہو یا صغیرہ، اس کو حیض نہ آتا ہو، اس کو طلاق دی گئی تو وہ مہینوں کے حساب سے عدت گزارے گی، اگر تین مہینے مکمل ہونے سے پہلے حیض آگیا تو اس کی عدت اب حیض میں تبدیل ہو جائے گی، اب کے بعد تین حیض کے مکمل ہونے کے بعد ہی اس کی عدت پوری ہوگی، چاہے تین مہینے پورے ہونے سے پہلے پہلے آئے یا اس کے بعد۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثُمَّ تَزَوَّجَتِ امْرَأَتُهُ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَيْهِ

اس شخص کا بیان جس نے بیوی کو طلاق دی پھر اس نے کسی اور سے شادی کر لی پھر اس کے پاس لوٹ آئی!

466 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ : كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ يَسْأَلُهُ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ، ثُمَّ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ، فَدَخَلَ بِهَا، ثُمَّ مَاتَ عَنْهَا، أَوْ طَلَّقَهَا، ثُمَّ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، وَأَرَادَ الْأَوَّلُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، عَلَى كَمْ هِيَ عِنْدَهُ؟ قَالَ: فَقَالَ لِيْ أَجِبْهُ ثُمَّ قَالَ: مَا يَقُوْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيهَا؟ قَالَ : فَقُلْتُ لَهُ: يَهْدِمُ الْوَاحِدَةَ ، وَ الثِّنْتَيْنِ وَ الثَّلَاثَ. قَالَ: سَمِعْتَ مِنِ ابْنِ عُمَرَ فِيهَا شَيْئًا؟ قَالَ: فَقُلْتُ: لَا. قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ فَاسْأَلْهُ. قَالَ: فَلَقِيتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَسَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ فِيهَا مِثْلَ قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهٰذَا كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا، فَهِيَ عَلَى مَا بَقِيَ مِنْ طَلَاقِهَا إِذَا بَقِيَ مِنْهُ شَيْءٌ، وَهُوَ قَوْلُ عُمَرَ، وَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ .

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حضرت عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک بدو آیا اور اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں پھر عدت گزار کر اس نے دوسرے شخص سے شادی کر لی ہو اور اس نے اس کے ساتھ دخول کیا پھر مر گیا یا طلاق دے دی پھر جب اس نے عدت گزار لی تو اس سے پہلے شوہر نے نکاح کرنا چاہا، تو اب یہ عورت اس کے پاس کتنی طلاقیں لے کر لوٹے گی؟ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ان کو جواب دو، پھر فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے کہا: ایک دو تین سب طلاق کالعدم جائیں گی، انہوں نے فرمایا: کیا تم نے اس کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کچھ سنا ہے؟ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: نہیں، انہوں نے فرمایا: جب ان سے ملو تو پوچھ لینا فرمایا: پھر میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ملا اور ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سی بات کہی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور ہمارا قول یہ ہے کہ اگر تین میں سے کوئی طلاق باقی بچی تھی تو اس کو وہی طلاق دینے کا حق رہے گا اور یہی حضرت عمر، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔

کیا تجدیدِ نکاح کے بعد شوہر کو دوبارہ تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا؟

اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے خلع لیتی ہے یا شوہر اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دیتا ہے، پھر باہمی رضامندی سے دونوں کی شادی ہو جاتی ہے تو شوہر کو ازسرِ نو تین طلاقوں کا حق نہیں ہوگا، بلکہ تین میں سے جتنی طلاقیں باقی ہیں صرف ان کا ہی حق ہوگا، مثلاً اگر ایک

طلاق دی ہوتو اب دوطلاقوں کا حق ہوگا اور اگر دوطلاقیں دی ہوں تو اب ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح اگر عورت نے خلع لی ہوتو چوں کہ خلع بھی ایک طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے؛ اس لیے خلع کی صورت میں بھی دوبارہ شادی کرنے پر شوہر کو دوطلاقوں کا حق ہوگا۔

اور اگر طلاق یا خلع کے بعد عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی کرکے حقوق زوجیت ادا کر لیے ہوں، لیکن کسی بھی وجہ سے طلاق یا خلع کی صورت میں جدائی ہوگئی ہو یا شوہر کا انتقال ہوگیا ہو پھر پہلے شوہر سے شادی کر لی ہو تو ایسی صورت میں شیخین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک پہلے شوہر کو دوبارہ تین طلاقوں کا حق حاصل ہوگا۔

امام محمد اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ تین میں سے جتنی طلاقیں باقی ہیں صرف ان کا ہی حق ہوگا۔ (شامی، 418/3)

لیکن اگر آزاد عورت کو تین یا باندی کو دوطلاقیں دی گئیں اور یہ عدت گزار کر دوسرے شوہر سے شادی کر لے، ہمبستری ہو جائے اور پھر طلاق وعدت کے بعد پہلے شوہر سے شادی ہو تو سب کے نزدیک بالاتفاق تین اور دوطلاق دینے کا اختیار رہوگا۔

467 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، ثُمَّ رَاجَعَهَا فَقَدِ انْهَدَمَ مَا مَضَى مِنْ عِدَّتِهَا، وَإِنْ طَلَّقَهَا اسْتَأْنَفَ الْعِدَّةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے پھر اس سے رجوع کرے تو جو عدت گزر گئی وہ کالعدم ہوگئی اور اب اگر طلاق دے تو نئے سرے سے عدت گزارے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

مسئلہ یہ ہے کہ رجوع کرنے کی وجہ سے عدت ختم ہوچکی ہے، وہ خاتون دوبارہ اس کی بیوی بن گئی، اب اگر پھر دوبارہ طلاق دے گا تو اس کی وجہ سے عدت ازسرنو شروع ہوگی، اس لئے کہ عدت طلاق یا وفات کے بعد ہوتی ہے، پہلی عدت کالعدم ہوچکی تھی۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثُمَّ رَاجَعَ مِنْ أَيْنَ تَعْتَدُّ

اس شخص کا بیان جو طلاق دے کر پھر رجوع کرلے تو عورت کہاں سے عدت شمار کرے گی!

468 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَلَمْ يُرَاجِعْ، فَطَلَّقَهَا تَطْلِيقَةً أُخْرَى، فَعِدَّتُهَا مِنْ أَوَّلِ التَّطْلِيقَتَيْنِ، وَإِنْ طَلَّقَ ثُمَّ رَاجَعَ ثُمَّ طَلَّقَ، فَعِدَّتُهَا عِدَّةٌ مُؤْتَنِفَةٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور رجوع نہ کرے پھر ایک اور طلاق دے دے تو اس کی عدت پہلی طلاق سے شمار ہوگی اور اگر طلاق دی پھر رجوع کرلیا پھر طلاق دے دی تو اس کی عدت ازسرنو شروع ہوگی،

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: مُؤْتَنِفَةٌ: از افتعال، بمعنی دوبارہ، از سرنو، استیناف۔

تشریح:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے بیوی کو طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا اور پھر دوسری طلاق دی تو اس خاتون کی عدت پہلی طلاق کے بعد ہی سے شمار ہوگی، لیکن اگر پہلی طلاق کے بعد رجوع کر لیا تھا تو وہ طلاق کالعدم قرار دی جائے گی، اگر اس کے بعد پھر سے طلاق دی تو اب اس خاتون کو از سرنو عدت گزارنی ہوگی، سابقہ عدت کا اعتبار نہ ہوگا۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا

جماع سے پہلے تین طلاقیں دینا!

469- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا بَانَتْ بِهِنَّ جَمِيعًا، وَكَانَتْ حَرَامًا عَلَيْهِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، فَإِذَا فَرَّقَ بَانَتْ بِالْأُوْلَى، وَوَقَعَتِ الثَّانِيَةُ عَلَى غَيْرِ امْرَأَتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو جماع سے پہلے تین طلاقیں اکٹھی دے تو وہ ان تمام طلاقوں کے ساتھ بائن (جدا) ہو جاتی ہے اور وہ اس شخص پر حرام رہتی ہے جب تک کسی اور شخص سے نکاح نہ کر لے اور جب یہ طلاقیں الگ الگ دی ہوں تو پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی اور دوسری طلاق کے وقت وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

رخصتی (جماع) سے قبل تین طلاقیں:

عورت کو نکاح کے بعد رخصتی اور خلوتِ صحیحہ (کسی مانع کے بغیر تنہائی میں ملاقات) سے پہلے اس کا شوہر تین طلاقیں اکٹھی ایک ہی جملہ میں دے دے تو اس سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اور وہ عورت اپنے شوہر پر حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے۔

اور اگر الگ الگ تین جملے کہے ہر ایک میں ایک طلاق تھی اور خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی تھی تو صرف ایک طلاقِ بائن ہوگی، اس صورت میں نیا مہر مقرر کر کے گواہوں کی موجودگی میں دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے۔ (شامی، ج:3، ص:119)

بَابُ مَنْ طَلَّقَ فِي مَرَضِهِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا أَوْ بَعْدَ مَا دَخَلَ بِهَا

شوہر اپنے مرض الوفات میں دخول سے قبل یا بعد میں طلاق دے دے!

470- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي مَرِيضٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا: أَنَّهَا تَرِثُهُ، وَ تَعْتَدُّ عِدَّةَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ إِذَا كَانَ طَلَاقًا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ. فَإِنْ كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا فَعَلَيْهَا مِنَ الْعِدَّةِ أَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ: مِنْ ثَلَاثِ حِيَضٍ مِنْ يَوْمِ طَلَّقَ، وَمِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَ عَشْرٍ مِنْ يَوْمِ مَاتَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بیمار شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور وہ (مرد) عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ اس کی وارث ہوگی اور وہ بیوہ عورت والی عدت گزارے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں، جب ایسی طلاق ہو جس میں وہ رجوع کا مالک ہو اور اگر طلاق بائن ہو تو عورت پر وہ عدت واجب ہوگی جس کی مدت زیادہ ہو یعنی طلاق والے دن کے بعد تین حیض یا مرنے والے دن سے چار مہینے دس دن۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

آدمی اپنے مرض الموت میں قبل الدخول یا بعد الدخول طلاق دے اسی صورت میں عدت اور میراث کے احکام:

اگر کسی عورت کے شوہر نے اس کو ایک یا دو طلاقِ رجعی دی، اور عدتِ طلاق کے دوران ہی اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، تو اس مطلقہ عورت کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہو جائے گی، یعنی اب وہ عدتِ طلاق کی بجائے از سرِ نو چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزارے گی، کیوں کہ مطلقہ بہ طلاقِ رجعی کی زوجیت دورانِ عدت باقی رہتی ہے، گو یا یہ ایسا ہی ہوا کہ کسی عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اور ایسی صورت میں اس پر عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔

اور اگر شوہر نے طلاق بائن دی ہو یا تین طلاقیں دے دی ہوں تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ عورت مرحوم شوہر کی وارث بن رہی ہے یا نہیں؟ اگر وارث نہیں بن رہی ہے، یعنی اسے حالتِ صحت میں شوہر نے طلاق دی تھی تو اس صورت میں اس پر عدتِ وفات لازم نہ ہوگی؛ بلکہ صرف عدتِ طلاق گزارے گی۔ اور اگر وہ وارث بن رہی ہے، مثلاً اسے مرض الوفات میں طلاق دی گئی ہے، تو اس صورت میں اس پر عدتِ طلاق اور عدتِ وفات میں جو لمبی ہو وہ عدت گزارنا لازم ہوگا۔

باقی مرحوم شوہر کی میراث میں مطلقہ کا حق و حصہ ہونے میں یہ تفصیل ہے: اس میں **پانچ صورتیں** بنتی ہے

① - اگر شوہر نے حالتِ صحت یا حالتِ مرض میں بیوی کے مطالبہ کے بغیر طلاقِ رجعی دی ہو تو عدت میں شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی شوہر کی میراث میں سے حصہ دار ہوگی۔

② - اور اگر شوہر نے حالتِ صحت میں طلاقِ بائن دی ہو یا تین طلاقیں دے دی ہوں تو بیوی میراث کی حق دار نہیں ہوگی۔

③-اور اگر حالتِ مرض میں طلاقِ بائن یا مغلظہ دی ہو اور عدت میں اسی مرض کی وجہ سے شوہر کا انتقال ہو گیا تو یہ عورت میراث کی حق دار ہوگی۔

④-اور اگر شوہر نے بیوی کے مطالبہ پر طلاقِ بائن دی ہو، خواہ حالتِ مرض ہی میں کیوں نہ ہو، تب بھی بیوی میراث کی حق دار نہیں ہوگی۔

⑤- اور ان سب صورتوں میں اگر عدت گزر جائے اور اس کے بعد شوہر کا انتقال ہو تو بھی بیوی میراث کی حق دار نہیں ہوگی۔(بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع (200/3)

471- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَاحِدَةً، أَوِ اثْنَتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا، وَهُوَ مَرِيضٌ وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الصَّدَاقِ وَلَا مِيرَاثَ لَهَا وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک یا دو یا تین طلاقیں دے اور وہ شخص بیمار ہو (مرض الموت مراد ہے) اور اس نے بیوی سے جماع بھی نہ کیا ہو تو اس کے لئے نصف مہر ہے اور اسے وراثت نہیں ملے گی اور نہ ہی اس پر عدت ہوگی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

رخصتی سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر، عدت اور میراث کا حکم:

قبل الدخول طلاق سے عورت جدا ہو جاتی ہے چوں کہ دخول نہیں ہوا اس لیے استبراء رحم کی بھی ضرورت نہیں لہذا عدت بھی نہیں آئے گی اور نصف مہر نکاح کی وجہ سے ملے گا البتہ اسے میراث اس لیے نہیں ملے گی کہ میراث یا نسب کی وجہ سے ملتی ہے یا سبب یعنی زوجیت کی وجہ سے اور اس کے ازدواجی تعلقات ختم ہونے کی وجہ سے زوجیت ختم ہوگئی۔ (عالمگیری، ج:1، ص:373، شامی، ج:3، ص:104)

472- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ: أَنَّهُمَا يَتَوَارَثَانِ مَا كَانَتْ فِي عِدَّةٍ، وَتَسْتَقْبِلُ عِدَّةَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، فَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِي الصِّحَّةِ ثُمَّ مَاتَ فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثُ حِيَضٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے تو جب تک عورت عدت میں ہو (اور اس دوران خاوند یا بیوی میں سے ایک مر جائے) تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور خاوند مر گیا ہو تو عورت نئے سرے سے چار مہینے دس دن والی عدت گزارے گی، اور اگر اس نے حالتِ صحت میں تین طلاقیں دی ہوں پھر مر جائے تو اس کی عدت مطلقہ عورت والی عدت ہوگی یعنی تین حیض ہوں گے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دوران عدت میراث کا حکم:

اگر کسی عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دی گئی ہو تو عورت جب تک اپنی عدت پوری نہ کرے وہ بیوی رہتی ہے، لہٰذا اب اس عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے میاں بیوی میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو اس صورت میں یہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اگر دوران عدت شوہر کی وفات ہو جائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی، اور اگر حالت صحت میں طلاق دی پھر شوہر کا انتقال ہو جائے تو مطلقہ کی عدت تین حیض ہی رہے گی، عدت، عدت وفات میں تبدیل نہیں ہوگی۔

473- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَرَضٍ، فَإِنْ مَاتَ مِنْ مَرَضِهِ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَرِثَتْ، وَ اعْتَدَّتْ عِدَّةَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، وَإِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ لَمْ تَرِثْهُ وَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا عِدَّةٌ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ، إِذَا وَرِثَتْ اعْتَدَّتْ أَبْعَدَ الْأَجَلَيْنِ كَمَا وَصَفْتُ لَكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص بیماری کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے پس اگر وہ عدت ختم ہونے سے پہلے اس بیماری کے باعث مر جائے تو عورت وارثہ ہوگی اور بیوہ والی عدت گزارے گی اور اگر خاوند کے مرنے سے پہلے عدت ختم ہو جائے تو وارث نہیں ہوگی اور نہ ہی اس پر (مزید) عدت ہوگی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں البتہ ایک بات میں اختلاف یعنی جب وہ وارث ہو جائے گی دونوں میں سے زیادہ مدت والی عدت گزارے گی جیسا کہ میں پہلے آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عدتِ طلاق میں شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت کا حکم:

اگر عورت کی رضامندی کے بغیر مرض الموت میں طلاق دی تھی اور پھر عدت کے مکمل ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس عورت پر ابعد الاجلین (طلاق اور وفات کی عدت میں جو طویل ہو وہ) گزارنا لازم ہے، لہٰذا اس عورت کے اگر ماہواری کا سلسلہ جاری ہے اور ماہوار کی ترتیب سے آجاتی ہے (جس کے نتیجے میں تین ماہواریاں چار ماہ دس دن سے پہلے مکمل ہو جاتی ہوں) تو اب یہ شوہر کی وفات کے بعد سے چار ماہ دس دن کی عدت مکمل کرے گی اور اس دوران نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہیں، یہ اس وقت ہے جب طلاقِ بائن ہو لیکن اگر طلاقِ رجعی دی ہے تو بالاتفاق اس کی عدت، عدتِ وفات ہوگی۔ (فتح القدیر، ج:4، ص:315)

474- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا اخْتَلَعَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا وَ هُوَ مَرِيضٌ فَمَاتَ فِي مَرَضِهِ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، لِأَنَّهَا هِيَ الَّتِي طَلَبَتْ ذَلِكَ مِنْ زَوْجِهَا، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي

حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے خلع لے اور وہ (خاوند) مرض الموت میں ہو (اور اس مرض میں فوت ہو جائے) تو اس عورت کے لئے وراثت نہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس (عورت) نے ہی خاوند سے اس (طلاق) کا مطالبہ کیا تھا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مرض الموت میں خلع لینے کی صورت میں میراث کا حکم:

پہلے والے مسئلے اور اس میں فرق ہے کہ خلع طلاق بائن کے حکم میں ہوتا ہے چنانچہ اگر مرض الموت میں خلع لے پھر دوران عدت شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت میراث سے محروم ہوگی، کیوں کہ عورت نے خلع کا مطالبہ کر کے خود ہی اپنے آپ کو محروم کیا ہے، لہذا عورت وارث نہیں بنے گی اس لئے کہ یہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی تھی، مرد نے فرار اختیار نہیں کیا، جبکہ سابقہ مسئلہ میں شوہر فرار اختیار کرتا ہے۔

بَابُ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ الَّتِي قَدْ يَئِسَتْ مِنَ الْحَيْضِ

حیض سے مایوس مطلقہ عورت کی عدت!

475- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَقَدْ يَئِسَتْ مِنَ الْحَيْضِ اعْتَدَّتْ بِالشُّهُورِ، فَإِنْ هِيَ حَاضَتْ بَعْدَ ذَلِكَ احْتَسَبَتْ بِمَا مَضَى مِنْ حَيْضِهَا الْأَوَّلِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ حیض سے مایوس ہو چکی ہو تو وہ مہینوں کے ذریعے عدت گزارے گی، پھر اگر اس کے بعد اسے حیض آ جائے تو جو عدت گزری ہے وہ پہلے حیض سے شمار کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: قد يَئِسَتْ: ناامید ہونا۔

476- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ فَاعْتَدَّتْ شَهْرًا، أَوْ شَهْرَيْنِ، ثُمَّ حَاضَتْ حَيْضَةً، أَوِ اثْنَتَيْنِ، ثُمَّ يَئِسَتْ، اسْتَقْبَلَتِ الشُّهُورَ، وَإِنْ حَاضَتْ بَعْدَ ذَلِكَ اعْتَدَّتْ بِمَا مَضَى مِنَ الْحَيْضِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے پس وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی ہو ایک یا دو مہینے گزرنے کے بعد پھر اسے ایک یا دو حیض آ جائیں پھر حیض بند ہو جائے تو نئے سرے سے مہینوں کے حساب سے عدت

شروع کرے اور اگر اس کے بعد پھر حیض آجائے تو جو حیض پہلے گزر گیا اس کو عدت میں شمار کرے۔حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عدت میں آئسہ کو حیض آجائے:

جس عورت کو حیض آرہا ہو اس کی عدت تین حیض ہیں، لیکن آئسہ (جسے بچپن یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آرہا ہو) کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

اگر آئسہ مہینوں کے ذریعے عدت گزارنا شروع کرے پھر خون آجائے تو جو عدت گزار چکی ہے وہ کالعدم ہو جائے گی اور اسے ازسرِنو حیض کے ذریعے عدت گزارنا ہوگی، یہ اس صورت میں ہے جب اسے حسبِ عادت خون آنے لگے، اس لیے کہ دوبارہ حیض آنے کا مطلب ہے کہ یہ آئسہ نہیں ہے۔

اگر آئسہ عورت کو عدت کے ایک یا دو حیض آئیں پھر مایوس ہو جائے تو پھر سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گی لیکن اگر اسے پھر حیض آ گیا تو سابقہ حیض عدت میں شمار ہوں گے۔

واضح رہے کہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک آئسہ (یعنی ماہواری آنے سے ناامید) ہونے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

① - اس کی عمر پچپن سال ہو چکی ہو، کیوں کہ اس مدت کے اندر کسی بھی وقت ماہواری آسکتی ہے۔

② - اس کی ماہواری کو بند ہوئے چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہو، البتہ یہ چھ ماہ پچپن سال عمر ہونے کے بعد گزرنا ضروری نہیں، بلکہ اگر پچپن سال عمر ہونے سے پہلے ہی ماہواری کو بند ہوئے چھ ماہ گزر گئے ہوں، تو پچپن سال عمر ہوتے ہی آئسہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔(رد المحتار،ج:3،ص:516،النھر الفائق،ج:2،ص:476،ہندیۃ،ج:1،ص:529)

احسن الفتاوی میں ہے:

”جس عورت کو شروع سے ہی بالکل حیض نہ آیا ہو، اس کی عمر تیس سال ہو جانے پر وہ آئسہ شمار ہوگی اور اگر حیض آنے کے بعد بالکل بند ہو گیا یا بہت مدت کے بعد آتا ہو تو یہ پچپن سال کی عمر ہونے پر آئسہ ہوگی، دونوں قسم کی آئسہ کی عدت تین مہینے ہے، مگر صورتِ ثانیہ میں یہ شرط ہے کہ کم از کم چھ ماہ سے حیض بند ہو، یہ چھ ماہ کی مدت پچپن سال کی عمر پوری ہونے سے قبل گزر چکی ہو تو وہ بھی معتبر ہے، یعنی اس صورت میں پچپن سال پورے ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی، دونوں قسم کے ایاس میں اگر عدت کے تین ماہ پورے ہونے سے قبل حیض جاری ہو گیا، تو ازسرِنو عدت تین حیض پوری کرے، اگر سنِ ایاس سے قبل عدت کی نوبت آجائے تو بذریعہ علاج حیض جاری کر کے تین حیض عدت پوری کرے، اگر کسی علاج سے بھی حیض جاری نہ ہو تو بوقتِ ضرورت کسی مالکی قاضی سے ایک سال کی عدت کا فیصلہ کرایا جائے، اگر مالکی قاضی میسر نہ ہو اور ضرورتِ شدیدہ ہو تو بدونِ قضا بھی ایک سال کی عدت کا

فتوی دیا جاسکتا ہے"۔(ج:4،ص:436،ط:دارالاشاعت)

بَابُ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ الَّتِي قَدِ ارْتَفَعَ حَيْضُهَا

اس مطلقہ عورت کی عدت جس کا حیض رک جائے!

477-مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً، فَحَاضَتْ حَيْضَةً، ثُمَّ ارْتَفَعَتْ حَيْضَتُهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ شَهْرًا، ثُمَّ مَاتَتْ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: هَذِهِ امْرَأَةٌ حَبَسَ اللهُ عَلَيْكَ مِيرَاثَهَا، فَكُلْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، تَعْتَدُّ بِالْحَيْضِ أَبَدًا حَتَّى تَيْأَسَ مِنَ الْحَيْضِ، وَتَعْتَدُّ بِالشُّهُورِ، وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا مَا كَانَتْ فِي عِدَّةٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، پھر اسے ایک حیض آیا، پھر اٹھارہ ماہ تک حیض نہیں آیا، پھر اس عورت کا انتقال ہوگیا، تو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ ذکر کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کی میراث اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے روکے رکھی تھی، لہذا اس کی میراث کھاؤ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، وہ حیض ہی کے ذریعے عدت گزارے گی جب تک حیض سے مایوس نہ ہوجائے، اور (جب مایوس ہوجائے گی) تو مہینوں کے ذریعے عدت گزارے گی، اور وہ جب تک عدت میں رہے گی اس کا شوہر اس کا وارث بنے گا، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

اگر کوئی عورت جب تک حیض سے بالکل مایوس نہ ہو تو وہ حیض سے عدت گزارے گی، اگرچہ اس کی عدت لمبی ہوجائے جس کو ممتدۃ الطہر کہا جاتا ہے، لہذا اگر عدت کے دوران عورت مرجائے تو اس کا شوہر وارث بنے گا، صورت مذکورہ بالا میں اس عورت کا حیض رک گیا تھا، اور وہ ممتدۃ الطہر تھی، اس لئے عدت پوری نہیں ہوئی تھی، لہذا اس کا شوہر وارث بنا۔

بَابُ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ الْحَامِلِ

حاملہ مطلقہ کی عدت!

478-مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: نَسَخَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى كُلَّ عِدَّةٍ فِي الْقُرْآنِ: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا طُلِّقَتْ، أَوْ مَاتَ زَوْجُهَا فَوَلَدَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِيَوْمٍ أَوْ أَقَلَّ أَوْ أَكْثَرَ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، وَحَلَّتْ لِلرِّجَالِ مِنْ سَاعَتِهَا، وَإِنْ كَانَتْ فِي نِفَاسِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چھوٹی سورت نساء نے قرآن کریم کی تمام عدتوں کو منسوخ کردیا، (ترجمہ:

حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اگر عورت کو طلاق دی گئی ہو یا اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہو، اور اس کے بعد ایک دن یا اس سے کم یا زیادہ میں اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو اس کی عدت پوری ہو گئی اور وہ اسی وقت مردوں کے لیے حلال ہو گی، اگر چہ وہ نفاس میں ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: القُصْرى: القصر سے اسم تفضیل مؤنث ہے، بمعنی چھوٹی۔

متوفی عنہا زوجہا اور حاملہ عورت کی عدت کی صوتیں:

متوفی عنہا زوجہا اس عورت کو کہتے ہیں، جس کا شوہر فوت ہو جائے، اس کی عدت کے بارے میں یہ تفصیل ہے:

① - غیر حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت ہو بالاتفاق چار ماہ دس دن ہے، سورۃ البقرۃ میں ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ منكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً﴾۔

② - حاملہ غیر متوفی عنہا زوجہا، مثلاً اسے طلاق ملی ہے اور حاملہ ہے، اس کی عدت بالاتفاق وضع حمل ہے، سورۃ الطلاق میں ہے: ﴿وَأُولاتُ الأَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾۔

③ - حاملہ متوفی عنہا زوجہا (حدیث بالا میں اسی صورت کا ذکر ہے) کی عدت کے بارے میں آیات میں تعارض پایا جاتا ہے، سورہ البقرہ کی مذکورہ آیت کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہو، کیونکہ وہ متوفی عنہا زوجہا ہے، اور سورہ طلاق کی مذکورہ آیت کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہو، کیونکہ وہ حاملہ ہے۔

تعارض کا حل:

اس تعارض کے حل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو طریقے اختیار کئے ہیں: تطبیق اور تنسیخ۔

①...... ○ دونوں آیات میں تطبیق:

حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے، ان کے ہاں حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت ابعد الاجلین ہے، یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو وقت زیادہ ہو وہی اس کی عدت ہے، مثلاً خالد کا انتقال ہوا اور اس کی بیوی عابدہ حاملہ ہے، اگر بچہ ایک ماہ کے اندر پیدا ہو گیا تو وضع حمل کی مدت چار ماہ سے کم ہوئی، لہٰذا اس کی عدت چار ماہ دس دن ہو گی اور اگر پانچ یا چھ ماہ کے بعد بچے پیدا ہوتا ہے تو وضع حمل کی مدت زیادہ ہے، لہٰذا اسے عدت قرار دیا جائے گا، اور چار ماہ دس دن پر عدت ختم نہ ہو گی، اس کے مطابق دونوں آیات میں تطبیق بھی ہو گئی اور احتیاط بھی ہو گئی۔

۲......○ تنسیخ کا حکم:

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہی ہے اور انہوں نے ترجیح اور تنسیخ کا راستہ اختیار کیا ہے، یعنی سورۃ الطلاق کی آیت: ﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ نے حاملہ متوفہ عنہا زوجہا کے حق میں سورۃ البقرہ کی آیت ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً﴾ کا حکم منسوخ کر دیا ہے، اور یہی راجح ہے۔

479- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، ثُمَّ أَسْقَطَتْ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَلَا يَكُونَ السَّقَطَ عِنْدَنَا سَقَطًا حَتَّى يَسْتَبِينَ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ: شِعْرٌ، أَوْ ظَفْرٌ، أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ، فَإِذَا وَضَعَتْ شَيْئًا لَمْ يَسْتَبِنْ خَلْقُهُ لَمْ تَنْقُضْ بِذَلِكَ الْعِدَّةُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے پھر اسے اسقاط حمل ہو جائے تو اس کی عدت گزر گئی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک ناتمام بچہ اس وقت تک سقط نہیں کہلائے گا جب تک اس کی خلقت میں سے کچھ ظاہر نہ ہو بال یا ناخن یا اس کے علاوہ، اگر اس نے ایسا ناتمام بچہ جنا جس کی خلقت (شکل وصورت کی نشانات) ظاہر نہ ہوئے ہوں تو اس کی وجہ سے عدت پوری نہیں ہوگی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: السَّقط: سین پر ضمہ فتحہ اور کسرہ تینوں جائز ہیں، ناتمام بچہ۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے:

۱- اگر کامل الخلقت بچہ کا اسقاط ہو تو یہ وضع حمل ہی شمار ہوگا اور عورت کی عدت مکمل ہو جائے گی۔

۲- بچہ اگر ناتمام ہے، خلقت اور، شکل وصورت وغیرہ کچھ نہیں بنی تو وضع حمل والی عدت نہیں گزرے گی، اس لئے کہ وضع حمل ہوا ہی نہیں۔

حمل ضائع ہو جائے تو عدت کا حکم:

اگر حمل کا اسقاط ہو جائے تو دو صورتیں ہیں

۱- معتدہ کا حمل اگر چار ماہ سے پہلے ضائع ہو جائے تو حمل ضائع (یعنی بچہ اگر ناتمام ہے، خلقت اور، شکل وصورت وغیرہ کچھ نہیں تو اسی صورت) ہونے سے اس کی عدت ختم نہیں ہوگی بلکہ اسے اپنی عدت پوری کرنی ہوگی یعنی عدتِ طلاق ہو تو تین ماہواری اور عدتِ وفات ہو تو چار مہینے اور دس دن۔

۲- اور اگر معتدہ کا حمل چار ماہ کے بعد ضائع ہو (یعنیا گر کامل الخلقت بچہ کا اسقاط ہو) تو ایسی صورت میں اس کی عدت ختم ہو جائے گی چاہے عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات۔ (ھندیہ، کتاب الکراھیۃ، ج:5، ص:411)

بَابُ عِدَّةِ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ عورت کی عدت!

480- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ قَالَ: تَعْتَدُّ بِأَيَّامِ أَقْرَائِهَا، قَالَ: وَكَذَلِكَ إِذَا اسْتُحِيضَتْ بَعْدَ مَا يُطَلِّقُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دے اور وہ مستحاضہ ہو تو وہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے حیضوں کے دنوں کے حساب سے عدت گزارے، اسی طرح جب طلاق کے بعد حیض آئے۔ (تو بھی یہی صورت اختیار کرے) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: أقرائها: قرء کی جمع، حیض، طہر۔

481 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: تَعْتَدُّ الْمُسْتَحَاضَةُ إِذَا طُلِّقَتْ بِأَيَّامِ أَقْرَائِهَا، فَإِذَا فَرَغَتْ حَلَّتْ لِلرِّجَالِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مستحاضہ عورت کو جب طلاق دی جائے تو وہ اپنے حیض کے دنوں کے حساب سے عدت گزارے جب فارغ ہو جائے تو مردوں کے لئے حلال ہو جائے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

حالتِ حیض میں طلاق ہوئی تو عدت کیسے گزارے؟

جس حیض میں طلاق دی گئی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا، اس کے بعد مکمل تین حیض عدت گزارنا لازم ہوں گے۔ (ہندیۃ، کتاب الطلاق، ج:1، ص:527)

اسی طرح استحاضہ والی عورت اپنے ایام حیض کے اعتبار سے عدت گزارے گی، تین حیض گزرنے پر اس کی عدت مکمل ہو جائے گی اور دوسرے مرد سے شادی کرنا اس کے لیے حلال ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثُمَّ رَاجَعَ فِي الْعِدَّةِ

طلاق کے بعد عدت میں رجوع کرنا!

482- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: طَلَّقَنِي زَوْجِي فَحِضْتُ حَيْضَتَيْنِ، وَدَخَلْتُ فِي الثَّالِثَةِ حَتَّى إِذَا انْقَطَعَ دَمِي، وَدَخَلْتُ مُغْتَسَلِي، وَوَضَعْتُ ثَوْبِي

أَتَانِي فَقَالَ: قَدْ رَاجَعْتُكِ، قَبْلَ أَنْ أُفِيضَ عَلَيَّ الْمَاءَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ الله عنه: قُلْ فِيهَا، فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَرَاهُ أَمْلَكَ بِرَجْعَتِهَا؛ لِأَنَّهَا حَائِضٌ بَعْدُ لَمْ تَحِلَّ لَهَا الصَّلَاةُ، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَأَنَا أَرَى ذَلِكَ، فَرَدَّهَا عَلَى زَوْجِهَا وَقَالَ: كُنَيْفٌ مَمْلُوءٌ عِلْمًا، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، الرَّجُلُ أَحَقُّ بِرَجْعَةِ امْرَأَتِهِ حَتَّى تَغْتَسِلَ مِنْ حَيْضَتِهَا الثَّالِثَةِ، فَإِنْ أَخَّرَتِ الْغُسْلَ حَتَّى يَمْضِيَ وَقْتُ صَلَاةٍ قَدْ كَانَتْ تَقْدِرُ فِيهِ عَلَى الْغُسْلِ قَبْلَ أَنْ تَمْضِيَ فَقَدِ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ، وَحَلَّتْ لِلرِّجَالِ، وَوَجَبَتْ عَلَيْهَا الصَّلَاةُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی پھر مجھے دو حیض آئے اور تیسرا حیض شروع ہوا تو میرا خون بند ہو گیا میں نے غسل خانے میں داخل ہو کر کپڑے اتارے تو میرا خاوند میرے پاس آیا اور اس نے کہا میں نے تجھ سے رجوع کیا اور ابھی میں نے اپنے اوپر پانی نہیں ڈالا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اس بارے میں بتایئے، انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میرے خیال میں اسے رجوع کا حق ہے کیونکہ ابھی وہ عورت حائضہ ہے اور اس کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے پس آپ نے اسے اس کے خاوند کی طرف لوٹا دیا اور فرمایا! قد چھوٹا ہے لیکن علم سے بھرپور ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں مرد اس وقت تک اپنی عورت سے رجوع کا حق رکھتا ہے جب تک وہ تیسرے حیض سے غسل نہ کرے اور اگر وہ غسل موخر کرے حتی کہ ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ وقت گزرنے سے پہلے غسل پر قادر ہو، تو رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور وہ مردوں کے لئے حلال ہو جائے گی۔ (یعنی دوسری جگہ نکاح کر سکے گی اور اس پر نماز بھی فرض ہو جائے گی) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: مُغْتَسِلِي: اسم ظرف ہے، غسل کی جگہ، أُفِيْضُ: باب افعال سے، ڈالنا، اور الماء اس کا مفعول بہ ہے، كُنَيْفٌ: پرزہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا لقب جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیا تھا، مَمْلُوْءٌ: بھرا ہوا، اور عِلْمًا اس سے تمیز ہے۔

عدت میں تیسرے حیض کا خون دس دن یا دس دن سے کم میں بند ہو:

چوں کہ حیض کا خون زیادہ سے زیادہ دس دن آسکتا ہے دس دن پورے ہونے کے بعد خون آنے کا امکان نہیں ہے، اس بنا پر اگر پورے دس روز پر تیسرے حیض سے خون منقطع ہو گیا تو عدت ختم اور عدت ختم ہوتے ہی رجعت کا حق ختم اب غسل کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر دس روز سے کم میں خون بند ہوا تو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ابھی خون آنے کا امکان ہے اس لیے ابھی رجعت کا حق ختم نہ ہوگا یہاں تک وہ عورت غسل کرے غسل کے بعد معلوم ہوگا کہ اب حیض کا خون نہیں آئے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس عورت پر نماز کا ایک وقت گزر جائے چوں کہ نماز کا وقت گزرنے سے اللہ کا حکم لازم ہو گیا اس لیے بندہ کا حق بھی اس کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے جب عدت ختم ہوگی کیوں کہ تنہا تیمم غسل کے قائم مقام ضرور ہے لیکن وہ ضرورت کے تحت ہے اس لیے تیمم کے بعد نماز پڑھے گی تو اللہ کی ذمہ داری اس پر آئے گی اس لیے اب عدت ختم ہوگی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں تیمم اصل ہے اس لیے جس طرح غسل کرے تو عدت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح صرف تیمم کرے تو عدت ختم ہو جائے گی، اگرچہ نماز نہ پڑھے۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ وَرَاجَعَ وَلَمْ تَعْلَمْ حَتَّى تَزَوَّجَتْ

رجوع کا علم نہ ہونے کی صورت میں عورت نکاح کرلے تو کیا حکم ہے!

483 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ أَبَا كَنَفٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً ثُمَّ غَابَ، فَأَشْهَدَ عَلَى رَجْعَتِهَا، وَلَمْ يَبْلُغْهَا ذَلِكَ حَتَّى تَزَوَّجَتْ فَجَاءَ وَقَدْ هُيِّئَتْ لِتُزَفَّ إِلَى زَوْجِهَا، فَأَتَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَكَتَبَ إِلَى عَامِلِهِ: إِنْ أَدْرَكْتَهَا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، وَإِنْ وَجَدْتَهُ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا فَهِيَ امْرَأَتُهُ، قَالَ: فَوَجَدَهَا لَيْلَةَ الْبِنَاءِ، فَوَقَعَ عَلَيْهَا، وَغَدَا إِلَى عَامِلِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَأَخْبَرَهُ، فَعَلِمَ أَنَّهُ جَاءَ بِأَمْرٍ بَيِّنٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ابوکنف (عبدالقیس کا ایک شخص) نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر کہیں چلے گئے، اور بیوی سے رجوع کرنے پر گواہ بنا لیے لیکن عورت تک یہ بات نہ پہنچی اور اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا، اسی دوران وہ آ گئے، اس حال میں کہ اس کی بیوی شوہر کے پاس جانے اور رخصتی کی تیاری میں تھی تو وہ شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ واقعہ بتایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر کو خط لکھا: اگر تمہیں وہ عورت شوہر کے دخول سے پہلے مل جائے تو یہ پہلا خاوند اس کا زیادہ حق رکھتا ہے اور اگر اس نے جماع کر لیا ہے تو یہ اس (دوسرے خاوند) کی بیوی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ: اس نے اس عورت کو رخصتی کی رات پا لیا اور اس سے ہمبستری کر لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گورنر کو جا کر پوری بات بتلا دی، تو معلوم ہوا کہ اس نے صحیح اور واضح بات کی ہے۔

لغات: هُيِّئَتْ: از تفعیل، تیار کرنا، تُزَفَّ: باب "ن"، شوہر کے پاس جانا یا بھیجا، یہ دونوں صیغے معروف بھی ہو سکتے ہیں اور مجہول بھی، لَيْلَةَ الْبِنَاءِ: البناء کا معنی تعمیر کرنا، آباد کرنا، لیلۃ البناء کا معنی پہلی رات یا پہلی بار بیوی کے پاس جانا۔

484 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، ثُمَّ أَشْهَدَ عَلَى رَجْعَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَلَمْ يُعْلِمْهَا ذَلِكَ حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ، فَإِنَّهُ يُفَرَّقُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا الْآخَرِ، وَلَهَا الصَّدَاقُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، وَهِيَ امْرَأَةُ الْأَوَّلِ تُرَدُّ إِلَيْهِ، وَلَا يَقْرَبُهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا مِنَ الْآخَرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَأْخُذُ، وَهُوَ أَعْجَبُ إِلَيْنَا مِنَ الْقَوْلِ الْأَوَّلِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے، پھر اس کی عدت مکمل ہونے سے قبل اس سے رجوع کرنے پر گواہ بنائے اور عورت کو یہ نہ بتلائے، یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے اور وہ دوسری شادی کر لے، تو ایسی صورت میں اس عورت اور اس کے دوسرے شوہر کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اسے مہر ملے گا اس وجہ سے کہ اس دوسرے شوہر نے اس عورت کے فرج کو حلال سمجھا حالانکہ وہ عورت پہلے شوہر کی بیوی ہے۔ (اس لئے) اسے اس کے پاس لٹا دیا جائے گا، اور وہ اس کے قریب اس وقت نہیں جائے گا جب تک دوسرے شوہر کی عدت نہ گزر جائے، امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، اور وہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے زیادہ پسند ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

رجعت پر دو گواہ بنانا:

جب مرد نے اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے دیں تو مرد کو اختیار ہے کہ عدت کے زمانہ میں رجعت کر لے عورت اس رجعت پر خوش ہو یا ناخوش، کیوں کہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔ ہمارے نزدیک رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا، اور اگر گواہ نہیں بنایا تب بھی رجعت صحیح ہے۔

رجوع کی صورت میں بیوی کا دوسرے سے نکاح کرنا:

اگر شوہر نے عدت کے دوران رجوع کر لیا اور عورت کو اس کا علم ہو تو اس کے لیے دوسرا نکاح ناجائز اور حرام ہے، اگر دوسرے شوہر کو بھی معلوم ہو تو دونوں گناہ گار ہوں گے، شوہر کو چاہیے کہ اپنے رجوع کرنے کی اطلاع بیوی کو دے دے اگر رجوع کے بعد دوسرا آدمی اس سے شادی کرے گا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے۔

اگر لاعلمی میں ایسا کیا گیا تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی لیکن چوں کہ عورت سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اس لیے اسے دوسرے شوہر سے مہر دلایا جائے گا اور یہ عدت گزار کر اپنے پہلے شوہر کے پاس چلی جائے گی، پہلا شوہر استبراء رحم اور عدت گزرے بغیر اپنی بیوی کے قریب نہیں جا سکتا۔

بَابُ مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا، أَوْ طَلَّقَ وَاحِدَةً وَهُوَ يُرِيدُ ثَلَاثًا

جو شخص تین طلاقیں دے یا ایک طلاق دے کر تین کی نیت کرے!

485 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي ثَلَاثًا، قَالَ: يَذْهَبُ أَحَدُكُمْ فَيَتَلَطَّخُ بِالنَّتْنِ ثُمَّ يَأْتِينَا، إِذْهَبْ فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ، وَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ امْرَأَتُكَ، لَا تَحِلُّ لَكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ. قَالَ

مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَوْلُ الْعَامَّةِ لَا اخْتِلَافَ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، انہوں نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص گندگی میں آلودہ ہوجاتا ہے، پھر ہمارے پاس آتا ہے، جاؤ تم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی ہے، اور بیوی تم پر حرام ہوگئی ہے وہ تمہارے لیے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کا قول ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لغات: یَتَلَطَّخُ: گندا، میلا، ناپاک یا بدحال ہونا۔ دوسرا معنی: بدنام ہونا یا رسوا ہونا، کسی کو برے کام میں ملوث کرنا، گناہ کا ارتکاب کرنا۔ النَّتْن: بدبو، گندگی۔

تین طلاقوں کا حکم:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے اور پھر اس سے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے اس شرط پر کرائے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے گا، ایسا کرنا مکروہ تحریمی (ناجائز) ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے والے اور جو شخص ایسا کروا رہا ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اور وہ کسی دوسری جگہ طلاق دینے کی شرط کے بغیر نکاح کرے، نکاح کے بعد دوسرا شوہر حقوقِ زوجیت ادا کرے اور اس کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہوجائے یا وہ اسے اتفاقی طور پر طلاق دے دے تو وہ بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی۔ (شامی، ج:3، ص:415)

486- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الَّذِي يُطَلِّقُ وَاحِدَةً وَهُوَ يَنْوِي ثَلَاثًا، أَوْ يُطَلِّقُ ثَلَاثًا وَهُوَ يَنْوِي وَاحِدَةً، قَالَ: إِنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَلَيْسَتْ نِيَّتُهُ بِشَيْءٍ وَإِنْ تَكَلَّمَ بِثَلَاثٍ كَانَتْ ثَلَاثًا، وَلَيْسَتْ نِيَّتُهُ بِشَيْءٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو ایک طلاق دے اور نیت تین کی کرے یا تین طلاق دے اور نیت ایک کی کرے، فرمایا: اگر زبان سے ایک طلاق کہا ہے تو ایک ہوگئی، اور نیت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اگر زبان سے تین کہا ہے تو تین طلاقیں ہوں گی، اور نیت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس سب کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

اس کی تفصیل باب الطلاق والعدۃ میں گزر چکی ہے البتہ اجمالا دوبارہ ذکر کیا جارہا ہے۔

طلاق کے الفاظ دو قسم کے ہوتے ہیں: ①-صریح، ②-کنایہ

① -**صریح**: سے مراد وہ لفظ ہے جس کا عمومی استعمال طلاق ہی کے لیے ہو، جیسے لفظ طلاق ہے، یہ طلاق کے وقوع میں صریح ہے، اگر کسی نے بیوی کو صریح الفاظ کے ساتھ طلاق دے دی تو خواہ وہ الفاظ کسی بھی مقصد (ڈرانے، دھمکانے، مذاق وغیرہ) کے لیے کہے ہوں ان سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائیگی۔

طلاق صریح کا حکم: صریح لفظ ایک بار بولے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اگر چہ ایک سے زیادہ کی نیت کرے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو نیت ہوگی اتنی ہی واقع ہوگی، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک الفاظ صریح میں زبان سے کہے کا اعتبار ہوگا، اس میں نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، چونکہ یہ الفاظ صریح ہیں اور ان کا استعمال طلاق ہی کے لئے ہوتے ہیں اس لئے ان الفاظ میں نیت کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں، اثر بالا میں صریح طلاق ہی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

② -**کنایہ**: سے مراد وہ الفاظ ہیں جو اصلاً طلاق کے لیے وضع نہ ہوں، بلکہ ان میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہو، ان الفاظِ کنائی سے طلاق واقع ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ طلاق کا معنی مراد لیا جائے، بعض الفاظ میں یہ معنی نیت ہی کے ذریعے مراد لیا جاتا ہے اور بسا اوقات مذاکرۂ طلاق، دلالتِ حال، عرف اور الفاظِ کنائی کے صریح بن جانے کی وجہ سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، الفاظِ کنائی بہت سارے ہیں، یہاں سب کا احاطہ وشمار ممکن نہیں ہے، اور کنایہ الفاظ سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ طلاق بائن ہوتی ہے۔

بَابُ الرَّجْعَةِ فِي الطَّلَاقِ

طلاق میں رجوع!

487- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فِيهِ فَلَهَا أَنْ تَشَوَّفَ رَجَاءَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، وَإِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُ رَجْعَتَهَا، وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلَيْسَ لَهَا أَنْ تَشَوَّفَ، وَلَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ، وَتَتَّقِي الْكُحْلَ وَالطِّيبَ إِلَّا مِنْ أَذًى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسی طلاق دے جس میں رجوع کا مالک ہو تو اس عورت کو چاہئے کہ رجوع کی امید پر زیب وزینت کو اختیار کرے اور اگر وہ رجوع کا مالک نہ ہو (مثلا تین طلاقیں ہوں یا طلاق بائن ہو) یا اس کا خاوند مر جائے تو زینت اختیار نہیں کر سکتی اور نہ زرد رنگ کے کپڑے پہنے اور نہ سرمہ لگائے نیز خوشبو لگانے سے بھی پرہیز کرے

البتہ کوئی تکلیف ہو تو اجازت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی قول ہے۔

لغات: تَشَوَّف: بناؤ سنگھار کرنا، **الْمُعَصْفَرَ**: زرد رنگ سے رنگا ہوا کپڑا، تَتَّقِي: بچنا، الْكُحْلَ: سرمہ، الطِّيبُ: خوشبو، أَذًى: تکلیف، بیماری۔

معتدہ کا بناؤ سنگھار کرنا:

طلاقِ رجعی میں مطلقہ دوران عدت بناؤ سنگھار کر سکتی ہے، البتہ طلاقِ بائن، طلاقِ مغلظہ اور شوہر کی وفات کی عدت میں زیب و زینت اختیار کرنا ممنوع ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاقِ بائن، طلاقِ مغلظہ میں بھی زیب و زینت اختیار کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ سوگ شوہر کے مرنے پر افسوس کے اظہار کے لیے ہے اور طلاق میں مرد عورت کو پریشان کرتا ہے لہذا اس کی جدائی پر کیا افسوس کرنا۔ البتہ ان کے نزدیک بیوی شوہر کی موت پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی جو کہ واجب ہے خواہ عورت صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

جواب: طلاقِ بائن میں نکاح جیسی عظیم نعمت کے فوت ہونے پر اظہارِ تاسف ہے جس نے عورت کو حرام کاموں سے بچایا ہوا تھا، جدائی موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے اور اس سے موت کی بنسبت زیادہ مرد سے تعلق ختم ہوتا ہے اس لیے عورت اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے اور طلاقِ بائن کی صورت میں غسل نہیں دے سکتی۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدت گزارنے والی عورت کو مہندی لگانے سے منع فرمایا اور فرمایا مہندی بھی خوشبو ہے۔ (بدائع الصنائع، باب العدۃ، ج3، ص:209)

عورتوں کے بناؤ سنگھار اور زیب و زینت سے متعلق تفصیلی احکام فقہی کتابوں میں نہیں ملتے، لیکن قرآن وسنت کے مجموعی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

چند شرائط کے ساتھ ہر قسم کا بناؤ سنگھار اور زیب و زینت عورت کے لیے جائز ہے:

① - نامحرم کے لیے نہ ہو، ② - تغییر خلق اللہ نہ ہو یعنی ایسی زینت اور بناؤ سنگھار نہ ہو جو اصل حلیہ بگاڑ کر رکھ دے، ③ - تشبہ بالکفار نہ ہو، ④ - تشبہ بالرجال نہ ہو، ⑤ - بے جا اسراف نہ ہو، ⑥ - فخر ومباہات کے لیے نہ ہو، ⑦ - حلال مال سے ہو۔ (درس ترمذی، 460/3)

488 - مُحَمَّدٌ قال اخبَرَنَا ابو حنيفة، عن حمّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَمَسَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ مِنْ شَهْوَةٍ فِي عِدَّتِهَا فَتِلْكَ مُرَاجَعَةٌ، وإذا قبّلها في عِدَّتِها فَتِلْكَ مُرَاجَعَةٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران اسے شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے تو یہ رجوع ہے اور جب عدت کے دوران اس کا بوسہ لے تو یہ بھی رجوع ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: لَمَسَ: چھونا۔

رجعت کا طریقہ:

رجعت دو قسم پر ہے:

① - **رجعت بالقول**: رجعت بالقول کی مثال مرد اپنی بیوی سے کہے راجعتك، میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا کہے راجعت امراتی میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا یہ الفاظ صریحی کی مثال ہے۔

② - **رجعت بالفعل**: رجعت بالفعل کی مثال یہ ہے کہ شوہر عدت کے زمانہ میں مطلقہ رجعیہ سے وطی کر لے یا اس کا بوسہ لے لے یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھولے یا شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھ لے۔

رجعت بالقول بلا اختلاف جائز ہے البتہ رجعت بالفعل کے متعلق اختلاف ہے احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جائز ہے شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں تفصیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر رجعت قولی پر قادر ہے تو بلا قول کے رجعت درست نہ ہوگی اور اگر رجعت قولی پر قادر نہیں ہے مثلاً شوہر گونگا ہے یا اس کی زبان کٹی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں اشارہ سے رجعت درست ہو جائے گی۔

بَابُ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ الْأَمَةَ طَلَاقًا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ

لونڈی کو ایسی طلاق دینا جس میں رجوع کا مالک ہو!

489 - مُحَمَّدٌ قال: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طَلَّقَ الْأَمَةَ زَوْجُهَا طَلاقًا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَأُعْتِقَتْ فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْحُرَّةِ، وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ لَا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَعِدَّتُهَا عِدَّةُ الْأَمَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی کو ایسی طلاق دے جس میں رجوع کر سکتا ہو پس وہ آزاد کر دی جائے تو اس کی عدت آزاد عورت والی عدت ہے۔ اور اگر خاوند کو رجوع کا اختیار نہ ہو تو اس کی عدت لونڈی والی عدت ہے۔ (دو حیض ہے) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

منکوحہ باندی کو طلاق دینے کی صورت میں عدت کا حکم:

مذکورہ اثر میں بیان کیا جا رہا ہے کہ منکوحہ باندی کو طلاق دینے کی صورت میں وہ باندیوں والی عدت گزارے گی، البتہ اگر دوران عدت اس باندی کا مالک اس کو آزاد کر دے تو آیا اب اس کی باندی کی عدت آزاد عورت کی عدت میں تبدیل ہوگی یا نہیں؟ تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہے کہ طلاق طلاق بائن ہوگی یا رجعی ہوگی! دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

① - اگر طلاق طلاقِ بائن ہو تو اس کی عدت تبدیل نہیں ہوگی یعنی باندیوں والی ہی عدت گزارے گی، اس لئے کہ اس کا نکاح

ختم ہو چکا ہے۔

② - اگر طلاق رجعی ہو تو اب اس کی عدت تبدیل ہو کر آزاد عورت والی ہوگی، اس لئے کہ ابھی نکاح ہر لحاظ سے قائم اور باقی ہے۔

بَابُ الْخُلْعِ

خلع کا بیان!

490 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلُّ طَلَاقٍ أُخِذَ عَلَيْهِ جُعْلٌ فَهُوَ بَائِنٌ لَا يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب طلاق پر کوئی چیز (مال وغیرہ) لی جائے تو وہ طلاق بائن ہے اس میں رجوع نہیں کر سکتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: جُعْلٌ جمع ہے اجعال کی: بمعنی اجرت، مزدوری، بدل، معاوضہ۔

خلع کا معنی:

"خلع" کے معنی اتارنے کے ہیں، عرب کپڑے اتارنے کے لیے "خلع ثوبه" کا لفظ بولتے ہیں، اور اصطلاح میں "خلع" عورت سے کچھ لے کر اس کو نکاح سے آزاد کر دینے کا نام ہے۔

خلع، طلاق علی مال، فدیہ اور مبارأۃ میں فرق:

خلع کے باب میں چار الفاظ قریب المعنی مستعمل ہیں، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ کُل مہر کو بدل مقرر کر لینا خلع ہے، جزو مہر کو بدل مقرر کرنا فدیہ ہے اور عورت کا شوہر کے ذمہ سے ہر ایسے حق کو ساقط کرنا جو نکاح کے ساتھ تعلق رکھتا ہو مبارأۃ ہے اور طلاق علی المال واضح ہے یعنی مہر سے قطع نظر مال کی کوئی مقدار مقرر کر کے طلاق دینا۔ (الجامع لاحکام القرآن: 145/3)

خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق:

خلع امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسخ نکاح ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک خلع طلاق ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے قرآن کریم میں خلع کا ذکر "الطلاق مرتان" کے بعد کیا گیا ہے اور اس کے بعد اگلی آیت ہے ﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره﴾، جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلع تین طلاقوں میں شمار نہیں اگر خلع خود طلاق ہوتی تو طلاقیں چار ہو جاتیں جس کا کوئی قائل نہیں۔

اس کے جواب میں جمہور رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ سیاق قرآن کا مفہوم یہ ہے کہ طلاقِ غیر مغلظ دو ہیں، پھر ان میں دو صورتیں ہیں یا بلا مال ہوگی یا بمال، "الطلاق مرتان" سے جہاں طلاقِ غیر مغلظ کا دو ہونا معلوم ہو رہا ہے وہاں اس کے اطلاق سے طلاق بلا مال کی صورت بھی سمجھ آرہی ہے اور آیت خلع سے طلاق بالمال کا ذکر ہو رہا ہے، لہذا خلع "مرتان" سے خارج نہیں اور "فان طلقها" سے تیسری طلاق کا ذکر ہوگا اور طلاق کا چار ہونا لازم نہیں آئے گا۔

اس کے علاوہ جمہور رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ بھی ہے کہ جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے خلع کا مطالبہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اقبل الحديقة وطلقها تطليقة" اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلع کو طلاق سے تعبیر فرمایا۔ (درس ترمذی، ج:3، ص:446)

ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دے کر اس سے خلع کیا تو اب یہ شخص امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر حلالہ کے اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اور ہمارے نزدیک بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہ ہوگا، اور اوجز المسالک میں ہے کہ خلع حنفیہ اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک طلاق بائن ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی ہے کہ وہ طلاق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ فسخ ہے۔

دورِ حاضر میں یک طرفہ عدالتی خلع:

ہمارے زمانہ میں خلع کے بارے میں ایک اور مسئلہ عہد حاضر کے متجددین نے پیدا کر دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا مگر ان متجددین نے کہا کہ خلع عورت کا ایک حق ہے جسے وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی عدالت سے وصول کر سکتی ہے متجددین کا یہ قول قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

اگر عدالت کے ذریعے خُلع لیا ہے تو عدت کے احکامات کیا ہوں گے؟ نیز نکاح ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اگر شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوا اور اس نے زبانی یا تحریری طور پر خلع کو قبول نہیں کیا تو ایسے یک طرفہ عدالتی فیصلے کو شرعی خلع قرار نہیں دیا جا سکتا؛ کیوں کہ شرعی طور پر خلع کے معتبر ہونے کے لیے میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے، جب کہ مذکورہ صورت میں خلع کا فیصلہ شوہر کی اجازت ورضامندی سے نہیں ہوتا اور شوہر نے اس خلع نامہ پر دستخط کر کے اس کو قبول ہی نہیں کیا۔ نیز عمومی احوال میں شوہر کی اجازت اور وکالت کے بغیر کسی اور کو طلاق دینے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

نیز ایسے عدالتی فیصلے کو تنسیخِ نکاح قرار دینے کے لیے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ یا تو شوہر نامرد ہو، یا مجنون ہو،

یا مفقود (لاپتا ہو) ہو یا متعنت (ظالم) ہو کہ بیوی کا نان نفقہ نہ دیتا ہو اور ظلم کرتا ہو۔ پھر عورت اپنے اس دعوی کو شرعی گواہوں کے ذریعے عدالت کے سامنے ثابت بھی کرے۔ سو اگر یہ شرائط پائی گئیں تو عدالت کا فیصلہ شرعاً تنسیخِ نکاح ہوگا اور میاں بیوی میں جدائی ہو جائے گی اور اگر یہ شرائط مکمل نہ ہوں تو ایسے یک طرفہ عدالتی فیصلے کو تنسیخِ نکاح بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اور اگر عدالتی خلع میں شوہر کی رضامندی پائی گئی تو وہ خلع معتبر ہوگا، اور اس کی عدت وہی ہوگی جو مطلقہ کی عدت ہوتی ہے، یعنی اگر عورت حاملہ نہ ہو تو تین مرتبہ ایام کا گزرنا، اور اگر اسے ایام نہ آتے ہوں تو تین ماہ، اور اگر وہ حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش تک۔ اور عدت کے دوران اس کے لیے وہی احکام ہوں گے جو طلاقِ بائن کی عدت میں ہوتے ہیں، یعنی عدت شوہر کے گھر میں رہ کر گزارنا لازم ہے، اور اس دوران شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، نیز بناؤ سنگھار سے اجتناب بھی لازم ہے۔ فافهم

بَابُ الْعِنِّيْنِ

عنین کا بیان!

491 - مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعِنِّيْنِ إِذَا فُرِّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ أَنَّهَا تَطْلِيقَةٌ بَائِنٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے عنین کے بارے میں روایت ہے کہ جب اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے تو یہ طلاق بائن ہے۔

لغات: الْعِنِّيْن: نامرد، جس کا آلہ تناسل تو موجود ہو مگر جماع پر قادر نہ ہو۔

492 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْمَكِّيُّ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْهُ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّ زَوْجَهَا لَا يَصِلُ إِلَيْهَا، فَأَجَّلَهُ حَوْلًا، فَلَمَّا انْقَضَى الْحَوْلُ وَلَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا خَيَّرَهَا، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا، فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَجَعَلَهَا تَطْلِيقَةً بَائِنًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت ان کے پاس حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ اس کا خاوند اس سے جماع نہیں کر سکتا تو انہوں نے اسے ایک سال کی مہلت دی جب ایک سال گزرنے پر بھی وہ بیوی سے جماع کے قابل نہ ہوا تو آپ نے عورت کو اختیار دیا چنانچہ اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا (نکاح ختم کرنے کو اختیار کیا) تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دونوں میں تفریق کر دی اور اسے طلاق بائن قرار دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: اَجَّلَهُ: مہلت دینا، حَوْلًا: سال۔

"عنین" (نامرد) کی بیوی اپنے شوہر سے کیسے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے؟

عنین کی بیوی کو عدالت کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے بشرطیکہ نکاح سے پہلے اسے اپنے شوہر کے عنین ہونے کا علم نہ ہو، اور نکاح کے بعد شوہر کے بارے میں معلوم ہونے پر اس نے اس شوہر کے ساتھ رہنے پر رضامندی کا اظہار بھی نہ کیا ہو۔ "عنین" سے آزادی حاصل کرنے کا تفصیلی طریقہ یہ ہے:

"عنین" (نامرد) شخص کی بیوی کو چاہیے کہ وہ کسی مسلمان جج کی عدالت میں دعوی دائر کرے کہ اس کا شوہر ہم بستری کے قابل نہیں ہے اور اب تک ایک مرتبہ بھی حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکا ہے، لڑکی کے دعوے کے بعد جج اس کے شوہر کو طلب کر کے تحقیق کرے گا، اگر ثابت ہوجائے کہ اب تک ایک مرتبہ بھی حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکا ہے تو جج مذکورہ لڑکی کے شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا کہ علاج وغیرہ کر کے بیوی کا حق ادا کرے، ایک سال بعد بھی اگر وہ ہم بستری پر قادر نہ ہو تو جج مذکورہ لڑکی سے ایک مرتبہ پھر پوچھے گا کہ وہ اسی شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے یا جدائی چاہتی ہے؟ اگر لڑکی جدائی کا مطالبہ کرے تو جج دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی اس کے بعد لڑکی عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرنے میں آزاد ہوگی۔ (شامی، ج:3، ص:494)

بَابُ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ ثُمَّ يَجْحَدُ

طلاق دے کر انکار کر دینا!

493- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي امْرَأَةٍ سَمِعَتْ أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، قَالَ: تُخَاصِمُهُ، فَإِنْ هُوَ حَلَفَ مَا فَعَلَ افْتَدَتْ بِمَالِهَا، فَإِنْ أَبَى أَنْ يَقْبَلَ بِمَالِهَا هَرَبَتْ، فَإِنْ قَدَرَ عَلَيْهَا لَمْ تَأْتِهِ إِلَّا مَغْضُوبَةً مَقْهُورَةً، وَتَسْتَذْفِرُ، وَلَا تَشُوفُ، لَا تُطَيِّبُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس عورت کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے سنا کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دی ہیں (پھر وہ آدمی ان سے انکار کر دے) اس عورت کو چاہیے کہ اس سے اختلاف کرے (اور اس سے قسم لے) اگر وہ قسم اٹھائے کہ اس نے طلاق نہیں دی تو یہ مال دے کر اپنی جان چھڑائے اور اگر وہ اس عورت سے مال قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس سے بھاگ جائے پھر اگر وہ اس پر قادر ہو جائے تو اس کے پاس غصے میں اور مجبوری کی حالت میں آئے (خوشی سے ساتھ نہ جائے) اور زیب وزینت اختیار نہ کرے اور نہ خوشبو لگائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: تُخَاصِمُه: خصومت اور جھگڑا کرنا، اِفْتَدَتْ: فدیہ دینا، أَبَى: انکار کرنا، هَرَبَتْ: بھاگنا، مَغْضُوبَة: آپے سے باہر ہونا، بپھرنا، غضبناک ہونا، مَقْهُورَةً: مقہور، قہر کیا گیا، جس پر کسی کا غضب نازل ہو، سزاوار قہر و عذاب، معتوب، مبتلا، قہر میں مبتلا کرنے والی، تَسْتَذْفِرُ: بو، بو کی تیزی، یعنی وہ عورت بدبودار ہے، تَشَوَّف: زیب وزینت اختیار کرنا۔

تین طلاقوں کے بعد شوہر منکر ہوجائے:

اگر کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے اور پھر انکار کرے تو اس صورت میں یا عورت اپنے دعویٰ پر شرعی گواہ (یعنی دو گواہ) پیش کرے اس صورت میں عورت کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ مذکورہ خاتون اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوچکی ہے، اور شوہر کا انکار معتبر نہ ہوگا اور اگر عورت کے پاس گواہ موجود نہ ہوں تو شوہر سے حلف (قسم) لیا جائے گا، اگر شوہر حلف سے انکار کردے تو بھی فیصلہ عورت کے حق میں ہوگا، اور اگر شوہر حلف اٹھاتا ہے تو ظاہری فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا اور مذکورہ خاتون دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، البتہ جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو شوہر کو اپنے اوپر قدرت نہ دے اور چھٹکارے کی کوئی صورت بنائے، مثلاً شوہر سے خلع کی کوئی صورت اختیار کی جائے یا شرعی پنچائیت کے سامنے مذکورہ صورت سامنے رکھ کر فیصلہ کروایا جائے۔ (شامی، ج:3، ص:351)

بَابُ مَنْ طَلَّقَ لَاعِبًا

ہنسی مذاق میں طلاق دینا!

494- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: لَعِبُ النِّكَاحِ وَجِدُّهُ سَوَاءٌ، كَمَا أَنَّ لَعِبَ الطَّلَاقِ وَجِدَّهُ سَوَاءٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى. أَرْبَعٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: الطَّلَاقُ، وَالنِّكَاحُ، وَالرَّجْعَةُ، وَالْعِتَاقُ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہنسی مذاق میں اور سنجیدگی میں دونوں طرح نکاح کا ایک ہی حکم ہے جس طرح ہنسی مذاق میں طلاق دینے اور سنجیدگی سے طلاق دینے کا حکم ایک جیسا ہے۔ (یعنی اسی مذاق میں دی گئی طلاق اور نکاح منعقد ہوجاتا ہے)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے چار کام ایسے ہیں کہ ان میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے۔ طلاق، نکاح، رجوع اور آزاد کرنا۔

لغات: لَعِبٌ: مذاق، کھیل، جِدٌّ: سنجیدگی، هَزْلٌ: بیہودگی، مذاق، ٹھٹھہ کرنا۔

مذاق میں طلاق کا حکم:

طلاق کا معاملہ ایسا ہے کہ مذاق میں دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ"۔ ترجمہ: "تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے (یعنی مذاق میں بھی وہی حکم ہے جو سنجیدگی میں ہے) نکاح، طلاق اور (طلاق کے بعد) رجوع کرنا"۔ (مشکوۃ)

لہٰذا اگر کوئی شخص نکاح کرے یا طلاق دے یا بیوی سے رجوع کرلے اور یہ کہے کہ میں تو مذاق کررہا تھا تو اس کی بات غیر معتبر

ہوگی، اور طلاق واقع ہوجائے گی، نکاح منعقد اور رجوع ثابت ہوجائے گا۔

بَابُ طَلَاقِ الْبَتَّةِ

طلاق بتہ!

495۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْخَلِيَّةِ، وَالْبَرِيَّةِ، وَالْبَائِنِ، وَالْبَتَّةِ: إِنْ نَوَى طَلَاقًا فَهُوَ مَا نَوَى، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ، وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَهُوَ خَاطِبٌ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ طَلَاقًا فَلَيْسَ بِشَيْءٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ خلیۃ، بریۃ، بائن، بتۃ کے بارے میں منقول ہے کہ اگر طلاق کی نیت کرے تو نیت کے مطابق واقع ہوگی اگر تین طلاقوں کی نیت کرے تو تین ہوں گی اور اگر ایک کی نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور وہ اس کو نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر طلاق کی نیت نہ کی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

496۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ أُبْتُلِيَ بِهَا وَهُوَ أَمِيرُ الْكُوفَةِ، فَأَرْسَلَ إِلَى شُرَيْحٍ وَقَالَ: قُلْ فِي رَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ الْبَتَّةَ فَقَالَ: قَالَ فِيهَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَاحِدَةٌ وَهُوَ أَمْلَكُ بِهَا، وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عنه: هِيَ ثَلَاثٌ، قَالَ: قُلْ فِيهَا أَنْتَ. قَالَ: قَدْ قَالَا فِيهَا، قَالَ: أَعْزِمُ عَلَيْكَ إِلَّا قُلْتَ فِيهَا. قَالَ شُرَيْحٌ: أَرَى قَوْلَهُ: أَنْتِ طَالِقٌ، طَلَاقًا قَدْ خَرَجَ، وَأَرَى قَوْلَهُ: الْبَتَّةَ، بِدْعَةٌ، أَقِفُ عِنْدَ بِدْعَتِهِ، فَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ، وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَهُوَ خَاطِبٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عروہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ اس قسم کی طلاق میں مبتلا ہوئے اور وہ امیرِ کوفہ تھے انہوں نے حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا اس آدمی کے بارے میں بتایئے جس نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق البتّۃ تجھے طلاقِ بتہ ہے۔" انہوں نے فرمایا کہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہے اور وہ اس عورت کا زیادہ مالک ہے (رجوع کا حق دار ہے) اور فرمایا: کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تین طلاقیں ہیں، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم خود اس بارے میں کچھ کہو، انہوں نے کہا: ان دونوں حضرات نے یہ فرمایا، حضرت عروہ نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کہو، حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اس کا انت طالق کہنا ایک طلاق ہے اور اس کا قول البتۃ بدعت ہے، اس کی بدعت کو دیکھو کیا ارادہ کرتا ہے؟ اگر تین کی نیت کرے تو تین اور ایک کی نیت کرے تو ایک بائن ہوگی اور دوبارہ نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: بِهَا: ضمیر کا مرجع البتۃ ہے جو سیاق وسباق سے مفہوم ہوتا ہے، خَرَجَ: بمعنی وَقَع، اَعْزِمُ: قسم دینا، عزم کرنا، واجب کرنا، بِدْعَةٌ: نئی بات، جدید مسئلہ۔

اَلْخَلِيَّةِ، وَ الْبَرِيَّةِ، وَالْبَائِنِ، انت طالق البتۃ، کا حکم:

الفاظ طلاق کی دو اقسام ہیں:

① - صریح (واضح الفاظ): وہ الفاظ جن کا مطلب ہی طلاق ہو اور اس میں کوئی اور معنی نہ ہو، جیسے "طلاق ہے" یا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں"، ان الفاظ سے طلاق کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف کہہ دینے سے طلاق ہو جاتی ہے۔

② - کنایہ (اشارے کے الفاظ): وہ الفاظ جن کے ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں یعنی طلاق کے مفہوم میں واضح نہ ہوں، طلاق کا احتمال بھی ہو اور کسی دوسرے معنی کا بھی، جیسے "اپنے گھر چلی جاؤ" اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ طلاق دیدی چلی جاؤ، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ چلی جاؤ، میں طلاق نہیں دیتا، یا "اب تم میری بیوی نہیں"۔ ان سے طلاق واقع ہونے کے لیے شوہر کی نیت (کہ اس کا مقصد طلاق دینا ہے) کا ہونا ضروری ہے۔ کنایات کی تین اقسام ہیں اور حالت کی بھی تین اقسام ہوتی ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، مذکورہ بالا دونوں اثار میں چار الفاظ کنایات کا ذکر آیا ہے،

① - اَلْخَلِيَّة: یہ خالیہ کے معنی میں ہے، اور اس میں دو احتمالات اس طرح ہیں کہ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح سے خالی ہو، یہ طلاق کا معنی ہوا، اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ خیر سے خالی ہو، یہ سب وشتم ہوا۔

② - اَلْبَرِيَّة: اس کے معنی منفصلہ ہیں، یعنی الگ شدہ، نکاح سے الگ یا حسن اخلاق سے،

③ - اَلْبَائِن: اس کے معنی جدا، نکاح سے جدا یا خیر سے،

④ - اَلْبَتَّة: اس کے معنی ہیں القطع، کاٹنا، نکاح سے کٹنا یا خیر ہے، ان الفاظ میں طلاق اور سب وشتم دونوں کا احتمال ہے، لہذا وقوع طلاق کے لیے نیت ضروری ہے، اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو کوئی طلاق نہ ہوگی اور اگر نیت تھی تو دیکھا جائے گا اگر ایک کی نیت تھی تو ایک طلاق بائن ہوگی اور اگر دو کی تھی تو بھی ایک واقع ہوگی، ہمارے ہاں ان میں دو کا احتمال موجود نہیں ہے اور اگر تین کی نیت تھی تو تین واقع ہوں گی۔

اس کو سمجھنے کے لئے ذیل کی میں اختصار کے ساتھ الفاظِ کنائی اور اس کا حکم ذکر کیا جا رہا ہے۔

الفاظِ کنائی اور اس کا حکم:

طلاق کے الفاظِ کنایہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو اصلاً طلاق کے لیے وضع نہ ہوں، بلکہ ان میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال

ہو، ان الفاظِ کنائی سے طلاق واقع ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ طلاق کا معنی مراد لیا جائے، بعض الفاظ میں یہ معنی نیت ہی کے ذریعے مراد لیا جاتا ہے اور بسا اوقات مذاکرۂ طلاق، دلالتِ حال، عرف اور الفاظِ کنائی کے صریح بن جانے کی وجہ سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، الفاظِ کنائی بہت سارے ہیں، یہاں سب کا احاطہ وشمار ممکن نہیں ہے، البتہ کتب فقہ کی روشنی میں چند الفاظ اور حالتوں کے اعتبار سے حکم مندرجہ ذیل ہے:

حضراتِ فقہاء نے لکھا ہے کہ کنایہ کے طور پر جن الفاظ سے طلاق دی جاتی ہے وہ **تین قسموں** پر مشتمل ہیں:

① - وہ الفاظ جن میں طلاق کے معنی کا بھی احتمال ہے، اور طلاق کے مطالبہ کو مسترد کرنے کا بھی احتمال ہے، مثلاً: بیوی سے کہا کہ: "تو گھر سے نکل جا، تو یہاں سے چلی جا، تو اُٹھ کھڑی ہو، تو میرے سامنے سے ہٹ جا، تو پردہ کرلے" وغیرہ، تو اِن الفاظ میں اگر شوہر طلاق کی نیت کرے تو وہ بھی مراد ہوسکتی ہے، اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ شوہر محض دفع الوقتی کے لیے اُس کو اپنے سامنے سے ہٹانے کا حکم دے رہا ہے۔

② - وہ الفاظ جن میں طلاق کے ساتھ ساتھ طعن وتشنیع کے معنی مراد لیے جاسکتے ہیں، مثلاً بیوی سے کہا کہ: "تو خالی ہے، تو الگ تھلگ ہے، تو کسی کام کی نہیں" وغیرہ۔ تو اِن الفاظ میں طلاق بھی مراد ہوسکتی ہے، اور بیوی کی توہین وتحقیر بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

③ - ایسے الفاظ جن میں نہ تو تردید مراد ہو، اور نہ ہی طعن وتشنیع مراد ہو؛ بلکہ زیادہ تر وہ الفاظ طلاق کے مطالبہ کے جواب میں استعمال کیے جاتے ہوں، اگرچہ وہ طلاق کے لیے موضوع نہ ہوں، مثلاً کہا کہ: "میں نے تجھ کو جدا کردیا" وغیرہ۔ (اِس قسم کی مثال میں فقہاء نے "تو آزاد ہے" وغیرہ جیسے الفاظ بھی لکھے ہیں، مگر اَب وہ عرف میں صرف طلاق کے لیے استعمال ہونے لگے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے بہرحال بلانیتِ طلاق کے وقوع کا حکم ہوگا۔)

طلاق دینے والے کی تین حالتیں اور اُن کا حکم:

مذکورہ بالا تین طرح کے الفاظ کا موازنہ طلاق دینے والے شخص کی **تین حالتوں** سے کیا جائے گا:

① -: اعتدال اور بشاشت کی حالت:

یعنی نہ تو آدمی غصہ میں ہو اور نہ ہی بیوی یا کسی اور شخص کی طرف سے اُس سے طلاق کا مطالبہ کیا جارہا ہو، تو ایسی صورت میں مذکورہ بالا تینوں طرح کے الفاظ میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے اِن میں سے کوئی لفظ کہا ہے تو طلاق واقع ہوگی، اور اگر قسم کھا کر یہ کہے کہ میری مراد طلاق دینے کی نہیں تھی، تو اُس کی بات مانی جائے گی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲-: **غیظ وغضب کی حالت:**

اگر مذکورہ الفاظ ادا کرتے وقت شوہر غصہ میں ہو، تو تیسری قسم کے الفاظ (جیسے: میں نے تجھ کو جدا کر دیا، عدت گزار لے وغیرہ) میں بلا نیت طلاق کے وقوع کا حکم ہوگا، اور پہلی اور دوسری قسم کے الفاظ میں شوہر کی نیت پر حکم کا مدار ہوگا، اگر وہ طلاق کی نیت کا اقرار کرے، تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

۳-: **مذاکرۂ طلاق کی حالت:**

اگر شوہر نے طلاق کے مذاکرہ کے دوران (یعنی وہ پہلے سے طلاق کی دھمکی دے رہا ہو، یا بیوی اُس سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو، یا مجلس میں موجود کوئی دوسرا شخص اُس کو طلاق دینے پر اِصرار کر رہا ہو) کنایہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو دوسری اور تیسری قسم کے الفاظ میں بلا نیت طلاق واقع ہوجائے گی؛ البتہ پہلی قسم کے الفاظ میں شوہر کی نیت معلوم کی جائے گی، اگر وہ طلاق کی نیت کا اقرار کرے تو طلاق واقع ہوگی، اور اگر انکار کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق دینے والے کی حالتیں:

۱- وہ الفاظ جو طلاق کے جواب اور تردید کا احتمال رکھیں: جیسے: اخرجی (نکل جا) اذھبی (چلی جا)

۲- وہ الفاظ جو جواب اور طعن و تشنیع کا احتمال رکھیں: جیسے: خلیۃ (تو خالی ہے)، بریۃ (تو الگ تھلگ ہے)

۳- وہ الفاظ جو صرف جواب پر مشتمل ہوں: جیسے: اعتدی (تو عدت کر لے)، استبرئی (اپنے رحم کو صاف کر لے)

حالتِ اعتدال میں:

- طلاق واقع ہونے کے لیے نیت لازم ہے۔
- طلاق واقع ہونے کے لیے نیت لازم ہے۔
- طلاق واقع ہونے کے لیے نیت لازم ہے۔

حالتِ غیظ وغضب میں:

- طلاق واقع ہونے کے لیے نیت لازم ہے۔
- طلاق واقع ہونے کے لیے نیت لازم ہے۔
- بغیر نیت طلاق واقع ہوجائے گی۔

حالتِ مذاکرۂ طلاق میں:

- طلاق واقع ہونے کے لیے نیت لازم ہے۔
- بغیر نیت طلاق واقع ہوجائے گی۔
- بغیر نیت طلاق واقع ہوجائے گی۔(الدرّالمختار وردّ المحتار:ج:3،ص:302/301/300،ط:ایچ ایم سعید)

بَابُ مَنْ كَتَبَ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ

عورت کولکھ کرطلاق دینا!

497- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَتَبَ إِلَيْهَا زَوْجُهَا بِطَلَاقِهَا وَهُوَ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَهِيَ طَالِقٌ حِينَ كَتَبَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: إِنْ كَانَ كَتَبَ إِلَيْهَا: إِذَا جَاءَكِ كِتَابِي هَذَا فَأَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْكِتَابُ، وَإِنْ كَانَ كَتَبَ: أَمَّا بَعْدُ فَأَنْتِ طَالِقٌ، فَهِيَ طَالِقٌ حِينَ كَتَبَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ:حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص بیوی کی طرف طلاق لکھے اور طلاق دینے کی نیت کرتا ہوتو اسے اس وقت سے طلاق ہوجائے گی جب اس نے طلاق لکھی ہے۔حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر وہ اس کی طرف یوں لکھے کہ جب تمہارے پاس میرا یہ خط آئے تو تجھے طلاق ہے پس اس صورت میں اس وقت طلاق ہوگی جب وہ خط اس عورت کے پاس پہنچے گا اور اگر اس طرح لکھے اما بعد تجھے طلاق ہے تو جس وقت لکھا ہے اسی وقت طلاق ہوجائے گی۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لکھ کر بیوی کو طلاق دینے حکم:

طلاق جس طرح سے زبانی وکلامی واقع ہوتی ہے اسی طرح تحریری طور پر بھی واقع ہوجاتی ہے،تحریری طور پر طلاق کا واقع ہونا حدیث وکتبِ فقہ دونوں سے ثابت ہے،جیسا کہ اثرِ باب سے بھی واضح ہے،تحریری طلاق بھیجی تو جتنی اس میں لکھی ہیں اتنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی،اگر طلاق کو تحریر ملنے پر معلق نہیں کیا تھا تو وقت تحریر سے عدت شروع ہوجائے گی،اور اگر تحریر ملنے پر طلاق کو معلق کیا تھا تو، ملتے وقت سے عدت شمار ہوگی۔

تحریر سے طلاق اسی صورت میں ہوگی جبکہ بلا جبر واکراہ ہو اور زبان سے طلاق کا تلفظ بھی نہ کیا گیا ہو،تحریر سے طلاق کا ثبوت دو باتوں پر موقوف ہے،یا تو شوہر اقرار کرے کہ واقعی میں نے یہ تحریر لکھی ہے یا دو مرد یا پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ شوہر نے ہمارے سامنے طلاق کی یہ تحریر لکھی ہے۔

میسج میں طلاق دینے کا حکم:

طلاق دینے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ لکھ کر طلاق دینا بھی ہے،لکھنے کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱-ایسی چیز پر لکھا کہ حروف واضح نہ ہوں اسے غیر مستبین کہتے ہیں

۲-ایسی چیز پر لکھا کہ حروف واضح ہوتے ہوں اسے مستبین کہتے ہیں، پھر اگر ایسی چیز پر لکھا جہاں حروف واضح ہوتے ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱-باقاعدہ خط لکھنے کے انداز پر لکھا یعنی نام اور عنوان (طلاق) سے شروع کیا اسے مرسومہ کہتے ہیں۔

۲- بغیر نام و عنوان (طلاق کے الفاظ کے) لکھا اسے غیر مرسومہ کہتے ہیں۔

حکم:

۱-اگر طلاق کے الفاظ غیر مستبین ہوں تو لکھتے ہوئے چاہے نیت ہو یا نہ ہو کسی صورت طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲-اگر طلاق کے الفاظ مستبین ہوں تو اگر تحریر مرسومہ ہے تو نیت ہو یا نہ ہو طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳-اگر طلاق کے الفاظ مستبین ہوں اور تحریر غیر مرسومہ ہو تو اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے لکھا تو طلاق واقع ہوگی اور اگر نیت نہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی۔

موبائل کا میسج تحریری خط کے حکم میں ہے جیسے اگر کسی نے میسج میں اگر بیوی سے کہا کہ میں مسمی فلاں بن فلاں اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کو طلاق دیتا ہوں تو کیا یہ طلاق ہو جائے گی؟

اب یہ صورت طلاق مستبین مرسومہ کی ہے لہذا شوہر نے نیت کی ہو یا نہ کی ہو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور چونکہ یہاں طلاق کو کسی شرط سے معلق نہیں کیا گیا لہذا میسج لکھتے وقت ہی طلاق واقع ہو جائے گی اور عدت بھی اسی وقت سے شمار ہوگی۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 1، صفحہ 414، دار الکتب العلمیہ)

498-مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَكْتُبُ إِلَى امْرَأَتِهِ: إِذَا جَاءَكِ كِتَابِي هَذَا فَأَنْتِ طَالِقٌ، قَالَ: فَإِنْ أَتَاهَا الْكِتَابُ فَهِيَ طَالِقٌ يَوْمَ يَأْتِيهَا، وَإِنْ ضَاعَ الْكِتَابُ أَوْ مُحِيَ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَإِنْ كَتَبَ: أَمَّا بَعْدُ فَأَنْتِ طَالِقٌ، فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَوْمَ كَتَبَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی طرف لکھے جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو تجھے طلاق ہے تو اگر وہ خط اس عورت کے پاس آئے تو جس دن وہ خط آئے گا اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر خط ضائع ہو جائے یا تحریر مٹ جائے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ (طلاق نہیں ہوگی) اور اگر لکھے اما بعد تجھے طلاق ہے تو جس دن خط لکھا اسی دن طلاق ہو جائے گی، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: مُحِيَ: المحو سے ہے، مٹنا، مٹانا، لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے۔

تحریری طلاق کی شرائط:

تحریری طلاق دینے کی شرط یہ ہے کہ بیوی سامنے موجود نہ ہو، تحریری طلاق شوہر خود لکھے، یا دوسرے سے لکھوائے اور اس پر شوہر اپنا دستخط یا مہر وغیرہ ثبت کر دے، دونوں صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگر شوہر نے تحریری طلاق نامہ بیوی کے پاس بھیجا اور اس میں یہ شرط لگادی کہ میرا خط جب پہنچ جائے تو تم پر طلاق، ایسی صورت میں خط پہنچنے پر طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر طلاق کو خط پہنچنے پر معلق نہیں کیا تھا تو جس وقت طلاق کا لفظ لکھا، اسی وقت طلاق پڑ گئی۔ (شامی، ج:3، ص:246)

بَابُ طَلَاقِ الْمُبَرْسَمِ، وَالنَّشْوَانِ، وَالنَّائِمِ

برسام کے مریض، نشہ والے اور سوئے ہوئے آدمی کی طلاق!

499- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَيْسَ طَلَاقُ الْمُبَرْسَمِ بِشَيْءٍ حَتَّى يُفِيقَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا كَانَ لَا يَعْقِلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: برسام میں مبتلا شخص کی طلاق معتبر نہیں ہے جب تک کہ اسے افاقہ نہ ہوجائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو ہی اختیار کرتے ہیں اگر اسے عقل وسمجھ نہ رہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: الْمُبَرْسَم: وہ شخص جس کو "برسام" کی بیماری ہو ایک طبی بیماری ہے جس کی علامات میں سینے کی سوجن اور پھیپھڑوں میں پانی بھر جانا، ہذیانی کیفیت طاری ہونا جس میں انسان بے سمجھے بکتا رہتا ہے۔ يفيق: صحت یاب ہونا، تندرست ہونا۔

بیماری کی وجہ سے عقل زائل ہونے والے کی طلاق:

برسام کی بیماری میں انسان پر ہذیانی کیفیت طاری رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل ٹھکانے نہیں ہوتی، اب اگر بیماری کی وجہ سے ایسی کیفیت ہوجائے کہ اس کو طلاق کا پتہ نہ چلے تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی جیسے بالاتفاق مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ البتہ اگر یہ بیماری اس حد تک نہ ہو اور اس کے افعال واقوال میں خلل واقع نہ ہوتا ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

یہی حکم ذہنی مریض کا بھی ہے کہ کسی شخص کا ذہنی مرض اگر اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ مرض لاحق ہونے کے وقت اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اس کی عقل میں ایسا خلل واقع ہوجاتا ہے کہ اس سے اس کی عام عادت کے خلاف اقوال وافعال سرزد ہوتے ہیں، تو ایسی حالت میں طلاق دینے کا اعتبار نہیں ہے۔

اگر ذہنی بیماری اس حد تک نہ ہو اور اس کے افعال واقوال میں خلل واقع نہ ہوتا ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

(فتاوی شامی: کتاب الطلاق، 243/3، ط: سعید)

500 - محمدٌ قال: أَخبَرَنا أبو حَنيفةَ عَن حمادٍ عن إبراهيمَ قال: طَلاقُ النَّشوانِ جائزٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نشے والے کی طلاق جائز (واقع ہوتی) ہے۔

لغات: النَّشوان: نشے میں مست ہونا۔

501 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الهَيثَمُ، عَنِ الشَّعبِيِّ، عَن شُرَيحٍ قَالَ طَلَاقُ السَّكرَانِ جَائِزٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأخُذُ، وَهُوَ قَولُ أَبِي حنيفةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نشے والے کی طلاق نافذ ہوتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

نشے میں طلاق کا حکم اور ایک اشکال کا جواب:

ہر اس شوہر کی طلاق واقع ہوتی ہے جو عاقل بالغ ہو، بچے مجنون اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، برسام میں بھی ہذیانی کیفیت ہوتی ہے جس میں انسان کی عقل برقرار نہیں رہتی اس لیے اس کی عقل اگر ماؤف ہوجائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

یہاں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ ان مذکورہ معذورین اور سکران میں کوئی فرق نہیں تو جس طرح ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح سکران کی بھی طلاق واقع نہ ہونی چاہیے حالاں کہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مجنون کے مغلوب العقل ہونے کا سبب غیر اختیاری ہے، اسی طرح نائم کی نوم اگر چہ بظاہر اختیاری معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی غیر اختیاری ہے، جبکہ سکران کا مغلوب العقل ہونا اس کے کسب واختیار سے ہے اس لیے وہ حکم کے اعتبار سے غیر مغلوب العقل میں شمار ہے، اس لیے اس کی طلاق واقع ہوجائے گی۔ (درس ترمذی، ج:3، ص:455)

واضح رہے کہ سکران کی طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سکران کی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصح قول بھی اسی کے مطابق ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مرجوح روایت بھی یہی ہے۔

جبکہ حضرت طاؤس، لیث، امام اسحاق اور امام مزنی رحمۃ اللہ علیہم سکران کی طلاق کے عدم وقوع کے قائل ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی راجح اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مرجوح روایت بھی اسی کے مطابق ہے، حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(فتح الباری، باب الطلاق فی الاغلاق، ج:9، ص:391)

502 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةِ، عَن حَمَّادٍ، قَالَ: قَالَ إِبرَاهِيمَ: لَيسَ طَلَاقُ النَّائِمِ بِشَيءٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأخُذُ، وَهُوَ قَولُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سوئے ہوئے آدمی کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ (نافذ نہیں ہوتی) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

نیند یا خواب میں طلاق دینے کا حکم:

نیند یا خواب میں طلاق دینے سے طلاق نہیں واقع ہوتی، نیند کی وجہ سے انسان احکام شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔

503 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي السَّكْرَانِ: عِتْقُهُ وَطَلَاقُهُ وَبَيْعُهُ جَائِزٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے نشے والے آدمی کے بارے میں فرمایا: کہ اس کا آزاد کرنا طلاق دینا خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

نشئی کی جیسے طلاق درست ہے ایسے ہی اعتاق اور بیع و شراء بھی جائز اور درست ہے۔

بَابُ مَنْ أَجْبَرَهُ السُّلْطَانُ عَلَى طَلَاقٍ أَوْ عِتَاقٍ

جس کو حکمران طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کرے!

504 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُجْبِرُهُ السُّلْطَانُ عَلَى الطَّلَاقِ، أَوِ الْعِتَاقِ فَيُطَلِّقُ أَوْ يُعْتِقُ وَهُوَ كَارِهٌ، قَالَ: هُوَ جَائِزٌ عَلَيْهِ، وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَابْتَلَاهُ بِمَا هُوَ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ، وَقَالَ: يَقَعُ كَيْفَ مَا كَانَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو حکمران طلاق دینے یا آزاد کرنے پر مجبور کرے پس وہ طلاق دے دے یا آزاد کر دے حالانکہ وہ اس کو ناپسند کرنے والا ہو، یہ چیزیں اس پر نافذ ہو جائے گی، اور اگر اللہ جل جلالہ چاہتا تو اسے اس سے بھی زیادہ سخت کام میں مبتلا کر دیتا (مثلاً کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کر دیا جائے) اور فرمایا کہ جیسے بھی ہو یہ چیزیں نافذ ہوں گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اکراہ کی شرائط:

اہل علم نے اکراہ کی درج ذیل شرائط کا تذکرہ کیا ہے:

① - اکراہ اس شخص کی طرف سے ہوگا جو صاحب قدرت ہو جیسے حکمران۔

② - مجبور کو ظن غالب ہو کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو یہ وعید اور اپنی دھمکی کو نافذ کر دے گا اور مجبور اس سے بچنے یا بھاگنے سے عاجز ہو۔

③-اکراہ ایسی چیز سے ہو جس سے مجبور کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔

ان شروط پر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم نے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ لوگوں نے چند دیگر شرائط کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اکراہ کی تحدید حاکم اور مفتی کے ساتھ خاص کی جائے گی اور انہی کے ثابت کردہ اکراہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لوگوں کے احوال کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

مجبور کی طلاق کا حکم:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مجبور اور مکرہ شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
- امام شافعی اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم مکرہ کی طلاق نافذ نہیں کرتے۔

واضح رہے کہ اگر اکراہ (مجبور کرنا) کرنا اس طور پر ہو جس میں صرف اصرار، ترکِ تعلق کی دھمکی، گالم گلوچ وغیرہ یعنی کوئی ایسی صورت ہے جس میں جان سے مارنا، یا اعضاء کے تلف کی کوئی صورت نہ ہو، (جس کو اکراہِ ناقص بھی کہتے ہیں) تو ایسا شخص شرعاً مجبور شمار نہیں ہوتا ایسا شخص قولاً یا تحریراً طلاق دے دے، تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

اور اگر مجبور سے مراد ایسا شخص ہے جسے طلاق نہ دینے کی صورت میں جان سے مارنے کی، یا کسی عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی دی گئی ہو، اور دھمکی دینے والا موقع پر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر قادر بھی ہو، (جس کو اکراہِ تام بھی کہتے ہیں) تو ایسی صورتِ حال میں اگر یہ مجبور (مکرہ) شخص تحریری طلاق دے دے تو اس کی تحریر کا اعتبار نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن اگر اس صورتِ حال میں اس نے زبانی طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ (ہندیہ، ج:5، ص:35، شامی، ج:3، ص:236)

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الطَّلَاقِ

کونسی طلاق مکروہ ہے!

505- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾ قَالَ: يُطَلِّقَ الرَّجُلُ تَطْلِيقَةً، ثُمَّ يَدَعُهَا حَتَّى إِذَا حَاضَتْ ثَلَاثَ حِيَضٍ قَبْلَ أَنْ تَفْرُغَ مِنَ الثَّالِثَةِ ثُمَّ يَقُولُ لَهَا: قَدْ رَاجَعْتُكِ، ثُمَّ يَفْعَلُ مِثْلَ ذَلِكَ بِهَا حَتَّى يَحْبِسَهَا لِتِسْعِ حِيَضٍ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ لِلرِّجَالِ، فَهَذَا الضِّرَارُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَسْنَا نَرَى لَهُ أَنْ يَصْنَعَ هَذَا، وَأَنْ يَطُولَ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اللہ جل جلالہ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں فرماتے ہیں، ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾ اور ان عورتوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے نہ روکو۔" کہ: ایک شخص ایک طلاق دے دیتا پھر اسے اس حال میں چھوڑ دے حتی کہ جب تین حیض آئے، تو تیسرے حیض سے فارغ ہونے سے قبل وہ اس سے کہے میں نے تم سے رجوع کر لیا ہے پھر اس کے ساتھ سلسلہ اس

طرح چلاتا رہے حتی کہ اس کو دوسرے مردوں کے لئے حلال ہونے سے پہلے اسے نو حیضوں تک اپنے پاس روکے رکھے، یہ وہ نقصان ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ ایسا عمل کر کے اس کی عدت کو لمبا کر دے۔

طلاق کی ایک مکروہ صورت:

طلاق دینے کا اثر میں مذکور طریقہ زمانہ جاہلیت میں رائج تھا، قرآن پاک میں اس سے منع کیا گیا، شریعت میں اس بات کی رہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کسی وجہ سے مرد عورت کے ساتھ نہ رہ سکتا ہو اصلاح و موافقت کی کوئی صورت نہ ہو تو بیوی کو طلاق دیدے، طلاق بھی سنت کے مطابق دینا چاہیے، بیوی کو تنگ کرنا، اس کی حق تلفی کرنا، عدت طویل کرنے کے لئے عدت پوری ہونے سے قبل رجوع کر لینا یہ سب گناہ، ضرر اور ایذاء رسانی ہے جس سے منع کیا گیا ہے، لہذا اگر مطلقہ سے رجوع کا ارادہ نہ ہو تو ایسی صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ شوہر بلا اطلاع یا اپنی آمد محسوس کرائے بغیر داخل نہ ہو، تا کہ ایسا نہ ہو کہ بیوی کپڑے وغیرہ تبدیل کر رہی ہو اور اس کے جسم کے کسی ایسے حصہ پر نظر پڑ جائے جس سے رجوع ثابت ہو جاتا ہو، اور اسے پھر طلاق دینا پڑے اور بیوی کی عدت طویل ہو۔

504۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَيْسَ شَيْءٌ مِمَّا أَحَلَّ اللهُ أَبْغَضَ إِلَى اللهِ مِنَ الطَّلَاقِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو چیزیں اللہ جل جلالہ نے حلال قرار دی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کو طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ چیز کوئی نہیں۔

اللہ جل جلالہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے:

طلاق کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ابغض المباحات" فرمایا ہے یعنی وہ کام جنہیں کرنے کی شرعاً اجازت دی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے، جسے کسی انتہائی صورت میں آخری آپشن کے طور پر ہی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مغرب کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی طلاق ایک فیشن کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے اور ایسی چھوٹی چھوٹی وجوہات کی بنا پر بھی طلاقیں ہونے لگی ہیں جنہیں سن کر انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ بات بھی کسی تنازع یا طلاق جیسی انتہائی صورت کی کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے؟

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت و اعتماد کا رشتہ رکھنے اور ایک دوسرے کی کمزوریاں برداشت کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ قرآن کریم نے دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے کہ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ یعنی دونوں کا کام ایک دوسرے کے عیوب کو چھپانا اور ایک دوسرے کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنا ہے۔ ویسے بھی طلاق کا عمل اخلاق اور مروت کے بھی خلاف ہے کہ دو جسم ہمراز و ہم دم ہوں، یک

جان ودو قالب ہوں، عہد و پیان کریں اور پھر اس طرح اس کی دھجیاں بکھیر دیں، البتہ اگر عورت نافرمان ہو احکامات الہیہ پر نہ چلتی ہو یا بدکردار ہو اس وقت ایسا کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَنْ قَالَ: إِنْ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةً فَهِيَ طَالِقٌ

جو کہے جب میں فلاں سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے!

505 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَعَامِرٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ لِامْرَأَةٍ ذُكِرَتْ لَهُ: إِنْ تَزَوَّجْتُهَا فَهِيَ طَالِقٌ، فَلَمْ يَرَ الْأَسْوَدُ ذٰلِكَ شَيْئًا، وَ سُئِلَ أَهْلُ الْحِجَازِ فَلَمْ يَرَوْا ذٰلِكَ شَيْئًا، فَتَزَوَّجَهَا وَ دَخَلَ بِهَا، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُخْبِرَهَا أَنَّهَا أَمْلَكُ بِنَفْسِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِقَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَأْخُذُ، وَ نَرَى لَهَا صَدَاقًا نِصْفُ الصَّدَاقِ الَّذِي تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ، وَ صَدَاقٌ مِثْلُهَا بِدُخُولِهِ بِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت کے بارے میں جن کا ان سے تذکرہ کیا گیا تھا، فرمایا: اگر میں نے اس سے شادی کی تو اسے طلاق ہے، حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلیق کو کچھ نہ سمجھا، اور اہل حجاز سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اس جملے کو غیر مؤثر قرار دیا (یا کچھ نہ سمجھا) چنانچہ انہوں نے اس عورت سے شادی کر لی اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی کر لی، پھر انہوں نے اس بات کا ذکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کیا گیا، پس انہوں نے حکم دیا کہ اس عورت کو خبر دے دو کہ وہ اپنے نفس کی زیادہ مالک ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کو مہر ملے گا یعنی اس مہر کا آدھا جس پر اس سے شادی کی تھی اور اس سے دخول کے عوض مہر مثل ملے گا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قبل النکاح طلاق کو نکاح پر معلق کرنا:

اگر کوئی شخص غیر منکوحہ کو "انت طالق" کہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی خواہ بعد میں وہ عورت اس کی منکوحہ بن جائے، البتہ اگر طلاق کی نسبت ملک کی طرف کی گئی ہو جیسے "ان نکحتک فانت طالق" تو اس کے بارے میں اختلاف ہے:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایسی تعلیق مطلقا درست ہو جاتی ہے۔
- جبکہ شافعیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک علی الاطلاق اس قسم کی تعلیق باطل ہے۔
- مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تعلیق میں عموم ہو یعنی تطلیق ایسی ہو جس کے بعد کسی عورت سے نکاح کا امکان ہی باقی نہ رہے جیسے "کلما نکحت امراۃ فھی طالق" تو ایسی تعلیق باطل ہے، البتہ اگر کسی خاص عورت یا کسی

خاص علاقہ یا کسی خاص قبیلہ اور زمانہ کی نسبت سے تعلیق کی جائے تو ایسی تعلیق درست ہے، جیسے" ان نکحت فلانۃ یا ان نکحت من بلدۃ کذا او من قبیلۃ کذا " کہا۔

عموم کی صورت میں تعلیق درست نہ ہونے کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایک حلال چیز یعنی نکاح کو بالکلیہ حرام کردینے کے مرادف ہے جس کا اختیار کسی انسان کو نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ حدیث ہے: ولا طلاق لہ فیما لا یملك۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی جانب سے جواب یہ ہے کہ طلاق کا وقوع حصولِ ملک کے بعد ہوگا، لہذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں اور اس حدیث کا محل طلاقِ تنجیزی یا وہ طلاق ہے جو معلق بغیر الملک ہو۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمان ان رجلا اتی عمر بن الخطاب فقال: کل امراۃ اتزوجھا فھی طالق ثلاثا، فقال لہ عمر: فھو کما قلت۔ (درس ترمذی، ج:3، ص:441)

بَابُ النَّصْرَانِي، وَالْيَهُودِيِّ، وَالْمَجُوسِي يُطَلِّقُوْنَ نِسَاءَهُمْ

عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں کا اپنی بیوی کو طلاق دینا!

508 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْيَهُودِي وَالنَّصْرَانِي وَالْمَجُوسِيّ يُطَلِّقُوْنَ نِسَاءَهُمْ ثُمَّ يُسْلِمُونَ، قَالَ: هُمْ عَلَى طَلَاقِهِمْ لَمْ يَزِدْهُمُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ تَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے یہودی، نصرانی اور مجوسی کے بارے میں مروی ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیں، پھر اسلام قبول کرلیں، فرمایا: کہ وہ اپنی طلاق پر برقرار رہیں گے، اسلام اس کی سختی کو اور بڑھا دے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

یہودی، عیسائی اور مجوسی کا اپنی بیوی کو طلاق دینا:

اگر غیر مسلم مسلمان ہوجائیں اور اسلام لانے سے پہلے انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق شادی کی ہو مثلاً بغیر گواہوں کے یا کسی کافر کی مطلقہ سے عدت کے دوران اور یہ ان کے مذہب میں جائزہ ہو تو اسلام لانے کے بعد انہیں اس نکاح پر برقرار رکھا جائے گا اس طرح اگر طلاق دی ہو تو وہ اس پر برقرار رکھے جائیں گے اس لئے کہ وہ اس وقت احکامات اسلام کے مخاطب نہیں تھے لہذا نکاح برقرار رہے گا، طلاق واقع رہے گی، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، البتہ اگر انہوں نے کسی محرم سے نکاح کیا ہو تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اس لئے کہ محارم سے نکاح باطل ہے اور محرمیت بقاء نکاح کے منافی ہے۔ (المختار شرح کتاب الاثار)

بَابُ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا

طلاق والی عورت اور بیوہ کی عدت!

509- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَقَلَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ امْرَأَةَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ مِنْ وَفَاةِ زَوْجِهَا عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ؛ لِأَنَّهَا كَانَتْ فِي دَارِ الْإِمَارَةِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی زوجہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جو اپنے شوہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے عدت میں تھیں، ان کے گھر سے منتقل کر دیا، اس لئے کہ وہ دارالامارہ میں تھیں۔

510- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: تَعْتَدُّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مِنْ يَوْمِ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَالْمُطَلَّقَةُ مِنْ يَوْمِ طَلَّقَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیوہ اس دن سے عدت شمار کرے گی جس دن اس کے خاوند کا انتقال ہوا اور مطلقہ اس دن سے (عدت شمار کریگی) جس دن اسے طلاق دی گئی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عدت کب سے شمار کی جائے:

جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، بشرطیکہ حاملہ نہ ہو، اگر حمل سے ہو تو اس کی عدت وضع حمل (یعنی بچے کی ولادت) ہے۔ اور بیوہ کی عدت شوہر کے انتقال ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہو۔

اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق کے فوراً بعد شروع ہوگی، اگر عورت کو وفات یا طلاق کا پتہ نہ ہو اور عدت گزر جائے تو عدت پوری ہوگئی، علم ہونے کے بعد عدت گزارنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ عدت زمانے کے گذرنے کا نام ہے، لہٰذا جب وہ مدت گذر گئی تو عدت پوری ہوگئی، اس لئے کہ عدت طلاق یا موت کے متصل اسی وقت خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔

511- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَخْرُجُ مِنْ مَنْزِلِهَا إِلَّا فِي حَقٍّ لَا بُدَّ مِنْهُ، وَلٰكِنْ لَا تَبِيتُ دُونَ مَنْزِلِهَا، فَإِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَدَّهُنَّ مِنَ النَّجَفِ خَرَجْنَ حُجَّاجًا فِي الْعِدَّةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: بیوہ عورت (عدت کے دوران) اپنے گھر سے بغیر ضرورت شدیدہ کے نہیں نکلے گی، اور وہ اپنے گھر کے سوا کہیں رات نہیں گزارے گی، اس لئے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں کو نجف سے واپس بھیج دیا تھا جو

دوران عدت حج کرنے کے لیے نکلی تھیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

معتدہ کا دوران عدت گھر سے نکلنا:

معتدّہ (عدت میں بیٹھی ہوئی خاتون) کا دورانِ عدت بغیر کسی عذر شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، تاہم عذر شرعی کی بنا پر (مثلاً سخت بیماری کی وجہ سے طبیب کے پاس جانا ہو، یا گھر کے منہدم ہونے کا خطرہ ہو، یا کرایہ نہ ہونے کی صورت میں مکان خالی کرنا ہو، وغیرہ) نکلنے کی گنجائش ہے، لیکن رات بہر حال گھر میں آ کر گزارے، جب کہ عدت طلاق میں بیٹھی ہوئی عورت کو کسبِ معاش کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ مطلقہ کا خرچہ عدت کے دوران شوہر کے ذمے لازم ہے، تاہم اگر مطلقہ کے لیے بھی کوئی بندوبست نہیں ہے تو وہ بھی کسبِ معاش کے لیے ضرورت کے مطابق نکل سکتی ہے۔ چوں کہ بیوہ کو نان نفقہ نہیں ملتا اس لیے وہ روزی کمانے کے لیے دن میں گھر سے نکل سکتی ہے جس میں کبھی کبھی رات بھی ہو سکتی ہے اس لیے اسے نکلنے کی اجازت ہے۔ (البحر الرائق، ج:4، ص:166)

512 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، أَنَّ الْمُطَلَّقَةَ لَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا فِي حَقٍّ وَ لَا بَاطِلٍ حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا ، وَ أَنَّ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ فِي الْحَقِّ الَّذِي لَا بُدَّ مِنْهُ ، وَ لَكِنْ لَا تَبِيتُنَّ دُونَ مَنْزِلِهَا . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ ، لِأَنَّ الْمُطَلَّقَةَ نَفَقَتُهَا وَاجِبَةٌ عَلَى زَوْجِهَا فَلَيْسَتْ تَحْتَاجُ إِلَى الْخُرُوجِ ، وَ أَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا ، فَلَا بُدَّ لَهَا مِنَ الْخُرُوجِ تَطْلُبُ مِنْ فَضْلِ اللهِ ، وَ لَا تَبِيتُ غَيْرَ بَيْتِهَا ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مطلقہ (دوران عدت) اپنے گھر سے باہر کسی ضروری اور غیر ضروری کام کے لئے نہیں نکلے گی، جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے، اور جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، وہ دوران عدت بہت ضروری کام کے لیے گھر سے نکل سکتی ہے، لیکن وہ اپنے گھر کے سوا کہیں رات نہیں گزارے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، اس لئے کہ مطلقہ کا نان نفقہ اس کے خاوند پر لازم ہے لہذا اسے باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں، جبکہ بیوہ عورت کے لیے نان نفقہ کا کوئی انتظام نہیں، اس لیے اسے نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ روزی کمائے، لیکن رات اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور نہیں گزارے گی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

بَابُ الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الطَّلَاقِ

طلاق میں ان شاء اللہ کہنا!

513 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِنْ شَاءَ اللهُ ، قَالَ : لَيْسَ بِشَيْءٍ ، وَ لَا يَقَعُ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے کہے: تمہیں تین طلاقیں ہیں، ان شاء اللہ:

اس جملے سے کچھ نہیں ہوگا، اور اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

ان شاء اللہ کے ساتھ طلاق دینا:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے تمہیں طلاق ہے ان شاء اللہ یعنی طلاق کے ساتھ فوراً ان شاء اللہ کہہ دے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے جس نے طلاق یا آزاد کرنے کی قسم اٹھائی اور اس کے ساتھ فوراً ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہیں ہوگا اور اس لئے بھی کہ اس نے اسے شرط کی صورت میں پیش کیا ہے لہذا اس اعتبار سے تعلیق ہوگی اور اس میں شرط پائے جانے سے قبل اسے معدوم کرنا ہے شرط یہاں معلوم نہیں ہوسکتی کہ اللہ جل جلالہ کی مشیئت کیا ہے لہٰذا یہ اصل کے اعتبار سے معدوم ہے، اس طلاق کے ساتھ ان شاء اللہ متصلاً ہونا چاہیے جیسے دوسری اور شروط ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ (المختار)

بَابُ الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: اعْتَدِّي

بیوی سے کہنا کہ عدت گزارو!

514 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَالَ: اعْتَدِّي فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ إِذَا نَوَى طَلَاقًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا: "تم عدت شمار کرو" تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اگر طلاق کی نیت کی ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

تین الفاظ کنائی سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے:

تین الفاظ کنائی سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں:

①......○۔ اعتدی (عدت گزارو یا اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرو)۔

②......○۔ استبرئی رحمك (اپنے رحم کو صاف کرلو یعنی عدت پوری کرلو یا اپنے آپ کو صاف کرلو تاکہ طلاق دے دوں)

③......○۔ انت واحدۃ (یعنی تو مطلقہ بطلاق واحد، یا اپنی قوم میں منفرد اور یکتا ہو)۔

چوں کہ ان الفاظ میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہے اس لیے ان میں نیت ضروری ہے اور ان سے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ (اثمار الهدایہ، شرح الهداية، ج:4، ص:449)

515 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ يَرْفَعُهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِسَوْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: اِعْتَدِّي. فَجَعَلَهَا تَطْلِيقَةً يَمْلِكُهَا. فَجَلَسَتْ عَلَى طَرِيقِهِ يَوْمًا فَقَالَتْ: يَا

رَسُولَ اللهِ رَاجِعْنِي، فَوَاللهِ مَا أَقُولُ هٰذَا حِرْصًا مِنِّي عَلَى الرِّجَالِ، وَلٰكِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُحْشَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ أَزْوَاجِكَ، وَاجْعَلْ يَوْمِي مِنْكَ لِبَعْضِ أَزْوَاجِكَ، قَالَ: فَرَاجَعَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، إِذَا طَابَتْ نَفْسُ الْمَرْأَةِ أَنْ تُقِيمَ مَعَ زَوْجِهَا عَلَى أَنْ لَا يُقَسِّمَ لَهَا فَذٰلِكَ جَائِزٌ، وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ عَنْ ذٰلِكَ إِذَا بَدَا لَهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: ہیثم بن ابی ہیثم رسول اللہ ﷺ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم عدت شمار کرو! اور اسے ایک طلاق رجعی شمار کیا جس میں آپ رجوع کے مالک تھے، ایک دن وہ حضور ﷺ کے راستے میں بیٹھ گئیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھ سے رجوع فرمالیجئے، خدا کی قسم میں یہ بات اسلئے نہیں کہہ رہی کہ مجھے مردوں کی حرص ہے بلکہ میں یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی ازواج کے ساتھ اٹھائی جاؤں، آپ ﷺ میری باری اپنے کسی دوسری زوجہ کے لیے مقرر فرمالیجئے، پس اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے رجوع فرمالیا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی روایت کو اختیار کرتے ہیں، اگر عورت اس بات پر راضی ہو کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اس شرط پر رہے کہ وہ اس کے حصے کی باری اسکو نہ دے تو ایسا کرنا جائز ہے اور عورت جب چاہے اس بات سے رجوع بھی کرسکتی ہے، اور یہی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

اعتدی سے طلاق کا حکم:

اس سے معلوم ہوا کہ "اعتدی" کہنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے لہٰذا اس میں رجوع کیا جاسکتا ہے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بڑی صالحہ اور سمجھدار تھیں، دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، لیکن چونکہ یہ عورت کا شرعی حق ہے چنانچہ اگر دوبارہ وہ اس کا مطالبہ کرنا چاہے تو کرسکتی ہے اس لئے کہ اس نے اپنے ایسے حق کو ساقط کیا ہے جو ابھی تک واجب ہی نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ ساقط نہیں ہوگا اس لئے اسے رجوع کا حق دیا گیا ہے۔ (المختار)

بَابُ عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ

ام ولد کی عدت!

516 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي أُمِّ الْوَلَدِ يَمُوتُ عَنْهَا سَيِّدُهَا قَالَ: إِنْ كَانَتْ تَحِيضُ فَثَلَاثُ حِيَضٍ، وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ، وَكَذٰلِكَ إِذَا أَعْتَقَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس ام ولد کے بارے میں فرماتے ہیں جس کے آقا کا انتقال ہوجائے: اگر اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے، اور اگر اس کا آقا اسے آزاد کردے تب بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

ام ولد کی عدت اور نان نفقہ کا حکم:

ام ولد کا مولی اگر مر جائے یا اسے آزاد کر دے تو اس کی عدت تین حیض ہیں بشرطیکہ وہ پہلے سے عدت یا کسی دوسرے کے نکاح میں نہ ہو، ام ولد کو عدت میں نان نفقہ نہیں ملے گا اس لیے کہ یہ ایسی عورت کی عدت کی طرح ہے جس سے نکاحِ فاسد کے ذریعہ وطی کی گئی ہو، ام ولد کو اگر حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی۔ (المختار)

517- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي السِّقْطِ مِنَ الْأَمَةِ لِلسَّيِّدِ أَنَّهُ قَالَ: مَا كَانَ لَا يَسْتَبِينُ لَهُ إِصْبَعٌ، أَوْ عَيْنٌ، أَوْ فَمٌ أَنَّهَا لَا تُعْتَقُ، وَلَا تَكُونُ بِهِ أُمَّ وَلَدٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا اسْتَبَانَ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ كَانَتْ بِهِ أُمَّ وَلَدٍ، وَإِذَا لَمْ يَسْتَبِنْ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ لَمْ تَكُنْ بِهِ أُمَّ وَلَدٍ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس نا تمام بچے کے بارے میں مروی ہے جس کو آقا کی باندی نے جنم دیا ہو، فرمایا: اس بچے کی انگلی آنکھ یا منہ نہ بنا ہو تو اس کی وجہ سے باندی آزاد نہ ہوگی اور نہ ہی ام ولد شمار ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں، اگر اس بچے کی خلقت و اعضاء میں سے کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو وہ ام ولد ہوگی اور اگر اس کی اعضاء میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو تو وہ ام ولد نہیں ہوگی، اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

ام ولد اگر نا تمام بچہ جنے:

اگر بچے کے اعضاء وغیرہ نہ بنے ہوں تو وہ گوشت کے ٹکڑے کے مانند ہے اس سے وہ باندی اپنے مولی کی ام ولد نہیں بنے گی لیکن اگر اعضاء بن گئے ہوں تو ام ولد بن جائے گی، مولی اگر نا تمام بچہ کا دعوی بھی کرے تب بھی باندی اس کی وجہ سے ام ولد نہیں بنے گی۔

بَابُ نَفَقَةِ الَّتِي لَمْ يَدْخُلْ بِهَا

غیر مدخول بہا کا نفقہ کا بیان!

518- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَلَا يَبْنِي بِهَا قَالَ: إِنْ كَانَ الْحَبْسُ مِنْ قِبَلِ الرَّجُلِ فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ، وَإِنْ كَانَ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَتْ صَغِيرَةً لَا تُجَامَعُ مِثْلُهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا، وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً وَالزَّوْجُ صَغِيرٌ لَا يُجَامِعُ مِثْلُهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے مروی ہے جو کسی عورت سے شادی کرے اور اس سے ہمبستری نہ کرے، فرمایا: اگر ہم بستری میں رکاوٹ مرد کی طرف سے ہو تو اس پر اس عورت کا نفقہ آئے گا، اور اگر رکاوٹ عورت کی طرف سے ہو تو اسے نان نفقہ نہیں ملے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، اگر لڑکی اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے جماع نہ کیا جا سکتا ہو

تو اسے نان نفقہ نہیں ملے گا، اور اگر وہ بڑی ہو اور خاوند اتنا چھوٹا ہو جس کا مثل جماع نہ کر سکتا ہو تو عورت کو اس کے مال میں سے نان نفقہ ملے گا اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

نفقہ زوجیت کی اقسام:

بیوی مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو جب اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کر دیا تو شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے نفقہ زوجیت تین اقسام پر مشتمل ہے:

۱......○۔ بیوی کو نان ونمک اور اس کے لوازمات آٹا چولہا اور پانی وغیرہ کا مہیا کرنا،

۲......○۔ بیوی کا کپڑا

۳......○۔ سکنی (گھر)

اس مقام پر مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو کام کی نوعیت کے مطابق اتنا ضروری سامان مہیا کرے چناں چہ جب غلہ لائے تو یہ بھی لازم ہے کہ چھلنی چھاج اور کنڈا وغیرہ جس میں آٹا گوندھا جاتا ہے لا کر دے اسی طرح پکانے کا سامان مثلاً انگیٹھی، ڈوئی، اور چمچہ وغیرہ بھی حسب ضرورت مہیا کرے، لباس کے بارے میں خاوند پر فرض ہے کہ ہر چھ ماہ میں ایک بار لباس دے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ لباس کی تیاری میں موسم کو ملحوظ رکھا جائے لہذا موسم سرما میں زیادہ کپڑا دینا لازم ہے تاکہ سردی سے بچاؤ ہو اور موسم گرما میں ایسا لباس ہو جو گرمی کی شدت سے بچائے اور مکان کی بابت خاوند پر لازم ہے کہ اسے ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو اور جہاں خاندان کے دوسرے لوگ نہ ہوں ہاں اگر بیوی خاوند کے کنبہ کے ساتھ رہنا پسند کرے اور ان کے ساتھ رہے تو یہ بھی درست ہے، گھر کی بابت شرط یہ ہے کہ اس میں تمام ضروری اور کار آمد اشیاء موجود ہوں، مزید تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱۰۱۸ / ۴۔

نفقہ اور اس کی مقدار میں کس کا حال معتبر ہے:

نان نفقہ میں شوہر اور بیوی دونوں کی حیثیت کا اعتبار ہوتا ہے، عرف میں ان دونوں کی حیثیت کے حامل لوگ جس طرح کپڑے پہنتے ہوں اور جس قسم کا کھانا کھاتے ہوں، اس طرح کے کپڑے اور کھانا بیوی کو دینا شوہر پر لازم ہوگا، لہذا ان دونوں کی مالی حیثیت ایک جیسی ہو تو اسی حیثیت کے مطابق نان نفقہ دینا ہوگا، اور اگر ان دونوں کی حیثیت مختلف ہو مثلاً ایک مالدار اور دوسرا متوسط الحال یا غریب ہو تو پھر درمیانی حالت کا اعتبار ہوگا یعنی مالداروں سے کم اور متوسط الحال یا غریب سے زیادہ حیثیت کا نان نفقہ دیا جائیگا، کپڑوں کی مقدار اور معیار میں بھی میاں بیوی کی حیثیت اور ان کے عرف کا لحاظ رکھا جائے گا، جبکہ دو یا زائد شادیوں کی صورت میں نان نفقہ کی تقسیم میں برابری کرنا واجب ہے، جس پر کسی بیوی کے والدین کے خوشحال یا تنگدست ہونے سے فرق نہیں پڑتا، لہذا ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں نان نفقہ کی تقسیم میں عورت کے میکہ کے حالات کو معیار قرار دینا شرعاً درست نہیں۔

وجوب نفقہ کی شرائط:

وجوب نفقہ کی جو شرطیں خاوند پر عائد ہوتی ہیں منجملہ ان کے پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی خود سپردگی پر آمادہ ہو بصورت دیگر وہ ناشزہ متصور ہوگی اور نفقہ واجب نہ ہوگا ناشزہ وہ عورت ہے جو خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر اور ناحق یا بلا سبب چلی جائے یا خاوند کے پاس نہ آئے اور اس کے گھر میں داخل نہ ہو لیکن اگر عورت مباشرت سے انکار کرے تو اگر چہ ایسا کرنا حرام ہے لیکن اس سے نفقہ ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ وہ امر جس سے بیوی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے وہ خاوند کے گھر کی پابندی ہے جو موجود ہے

اگر بیوی اپنے ذاتی مکان میں ہو اور خاوند کو وہاں آنے سے منع کرے تو اسے ناشزہ قرار دیا جائے گا، اگر بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر سفر اختیار کرے اور، دوبارہ پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی حق دار ہو جائے گی اور ناحق یا بلا سبب گھر سے باہر جانے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس سے ایسی صورت خارج ہوگئی جب کہ بیوی کو گھر سے نکلنے یا اپنے نفس کو خاوند سے باز رکھنے کا حق رہا ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی نے اپنا پورا حق مہر (جو واجب الوصول ہے) نہ لیا ہو یا اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لئے گئی ہو۔

نفقہ واجب ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی قابل جماع ہو اگر ایسی چھوٹی ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جاسکتا تو اس کے لئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا خواہ یہ شوہر کے مکان میں ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ جماع کے قابل ہو جائے، کیوں کہ حوالہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو جب اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تو گویا احتباس نہیں ہوا اس وجہ سے اس کے لئے نفقہ نہ ہوگا۔

البتہ اگر شوہر نابالغ ہے جماع پر قدرت نہیں رکھتا اور اس کی بیوی بالغہ ہے تو شوہر کے مال میں سے اس کے لئے نفقہ واجب ہوگا کیوں کہ عورت کی جانب سے اپنے آپ کو سپرد کرنا پایا گیا اب عاجزی صرف شوہر کی جانب سے ہے۔

واضح رہے کہ نفقہ نکاح صحیح اور اس کی عدت کی صورت میں لازم ہوتا ہے، نکاح فاسد اور اس کی عدت میں لازم نہیں ہوتا۔

نفقہ ساقط ہونے کی صورتیں:

درج ذیل صورتوں میں نفقہ ساقط ہوجاتا ہے:

① -مرتدہ یعنی دین اسلام سے پھر گئی ہو۔

② -خاوند کے بیٹے یا اس کے باپ سے جنسی میلان رکھنے والی یا نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسی حرکت کی مرتکب ہوئی ہو جس سے حرمتِ مصاہرت عائد ہو جائے۔

③ -شوہر کے وفات پانے کی صورت میں عدت گزارنے والی بیوہ۔

④ -وہ عورت جس کے ساتھ عقد فاسد یا شبہ میں مباشرت ہوگئی ہو۔

⑤- نابالغ لڑکی جو مباشرت کے قابل نہ ہو۔

⑥- مریضہ عورت جو خلوتِ صحیحہ سے پہلے بیمار ہوگئی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور ابھی اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی تھی کہ وہ بیمار ہوگئی اور اسے خاوند کے گھر نہیں لایا جاسکا اور اس حالت میں وہ اپنے آپ کو خاوند کے حوالے نہیں کرسکتی تھی تو اس صورت میں نفقہ ساقط ہوگا؛ لیکن اگر خاوند کے گھر میں آکر شدید مرض میں مبتلا ہوگئی تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

⑦- حاجیہ قصدِ حج کرنے والی یعنی وہ عورت جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے کسی محرم کے ساتھ خاوند کی اجازت کے بغیر حج کو روانہ ہوئی ہو، اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہیں ہے۔

بَابُ الْمُخْتَلِعَةِ

خلع لینے والی عورت!

519- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَوِ اخْتَلَعَتْ بِعِقَاصِ شَعْرِهَا جَازَ ذٰلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، مَا اخْتَلَعَتْ بِهِ مِنْ شَيْءٍ وَلَوِ اخْتَلَعَتْ بِمَالِهَا كُلِّهِ جَازَ. ذٰلِكَ فِي الْقَضَاءِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی عورت اپنے بالوں کی مینڈیوں کے بدلے خلع لے تو یہ جائز ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، وہ جس چیز کے بدلے بھی خلع لینا چاہے لے سکتی ہے اور اگر وہ اپنے سارے مال کے بدلے بھی خلع لے تو قضاءً یہ بھی جائز ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

لغات: عِقَاص: رسی، بالوں کی چوٹی، بالوں کا جوڑا۔

520- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَانَ الظُّلْمُ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ فَقَدْ حَلَّتْ لَكَ الْفِدْيَةُ، وَإِنْ كَانَ يَجِيءُ مِنْ قِبَلِ الرَّجُلِ فَلَا تَحِلُّ لَهُ الْفِدْيَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا نُحِبُّ لَهُ أَنْ يَزْدَادَ عَلٰى مَا أَعْطَاهَا شَيْئًا، وَإِنْ فَعَلَ فَهُوَ جَائِزٌ فِي الْقَضَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو تمہارے لیے فدیہ میں دئے گئے مال کا لینا جائز ہے اور اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اس کے لیے عوض لینا حلال نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، ہم یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ مرد نے عورت کو کچھ دیا ہے اس سے زائد لے، لیکن اگر لے لیا تو قضاء جائز ہے۔

521- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عِمَارَةَ، عَنْ عَمَّارٍ، أَوْ أَبِي عَمَّارٍ - الشَّكُّ مِنْ قِبَلِ مُحَمَّدٍ - عَنْ أَبِيهِ عَنْ

عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا تَخْتَلِعْهَا إِلَّا بِمَا أَعْطَيْتَهَا. فَإِنَّهُ لَا خَيْرَ فِي الْفَضْلِ.

ترجمہ: حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم عورت سے اس پر خلع کرو جو تم نے اسے دیا ہے، اس لئے کہ اس سے زائد لینے میں کوئی خیر نہیں۔

خلع کے عوض مال لینے کی شرعی حیثیت:

اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو اور ایک دوسرے کے حق کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکتے ہوں، اور مرد طلاق دینے کے لئے تیار نہ ہو تو عورت اپنی جان چھڑانے کے لئے مرد کو خلع کے طور پر مال دے سکتی ہے، اس خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے

اگر نشوز (زیادتی) شوہر کی طرف سے ہو تو بدلِ خلع کے طور پر شوہر کے لئے کسی قسم کا مال لینا مکروہ ہے لیکن اگر نشوز بیوی کی طرف سے ہو تو بدلِ خلع کی حد یہ ہے کہ مہر سے زائد نہ ہو، اگر شوہر نے مہر سے زائد مال لیا تو یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ (الدر المختار: ۳/۴۴۵)

بَابُ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ

بیوی سے کہنا تو مجھ پر حرام ہے!

522- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ، إِنْ نَوَى الطَّلَاقَ فَهِيَ وَاحِدَةٌ، وَهُوَ أَمْلَكُ بِرَجْعَتِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ، فَإِنْ نَوَى الطَّلَاقَ فَهُوَ مَا نَوَى، وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَإِنْ نَوَى طَلَاقًا وَلَمْ يَنْوِ عَدَدًا فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَهِيَ ثَلَاثٌ، لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ طَلَاقًا، فَهِيَ يَمِينٌ، وَهُوَ مُولٍ إِنْ تَرَكَهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ لَا يَقْرَبُهَا بَانَتْ بِالْإِيلَاءِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَهُوَ إِيلَاءٌ أَيْضًا، وَإِنْ نَوَى الْكَذِبَ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے کہتا ہے تو مجھ پر حرام ہے وہ فرماتے ہیں اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور شوہر کو رجوع کا حق ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو ایک بائنہ طلاق ہوگی تو جو نیت کی وہی کچھ ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کی لیکن تعداد کی نیت نہیں کی تو ایک طلاق بائن ہوگی اور اگر دو کی نیت کرے تو بھی ایک ہوگی اور ایک طلاق رجعی کی نیت کرے تو ایک طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین طلاقیں ہوں گی اور جب تک وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرے اس (پہلے خاوند) کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو قسم شمار ہوگی اور شوہر ایلا کرنے والا ہوگا۔ اگر چار مہینے اس کے قریب نہ جائے تو وہ ایلاء کی وجہ سے بائن ہو جائے گی (جدا ہو جائے گی) اور اگر کوئی نیت بھی نہ ہو تو بھی ایلاء ہوگا اور اگر جھوٹ موٹ کی نیت کرے تو کچھ

بھی واقع نہیں ہوگا، یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

انت علی حرام کہنے کا حکم:

"انت علی حرام" اُن الفاظ کنائی میں سے ہے، جن میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے اس اعتبار سے اس کی چند صورتیں بنتی ہیں۔

ایک صورت یہ کہ اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائن واقع ہوگی پھر اگر ایک طلاق کی نیت کی یا کسی عدد کی نیت نہیں کی یا دو کی نیت کی تھی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی

دوسری صورت یہ کہ اگر حرمت مراد لی تھی یا کچھ ذہن میں نہیں تھا تو قسم ہوگی اور یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا اگر چار ماہ تک قریب نہ گیا تو اس کو ایلاء سمجھا جائے گا اگر چہ اس کی نیت نہ ہو، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ﴾ (التحریم:۱)، ترجمہ: اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اسے آپ کیوں حرام کر رہے ہیں؟

آگے فرمایا کہ: ﴿قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ (التحریم:۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرّر فرما دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حلال کو حرام کرنا یمین اور قسم ہے۔

ایک صورت یہ ہے اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے عرف میں حرام کا لفظ طلاق کے لئے صریح بن چکا ہے، اگر کوئی نیت نہ ہو تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

بَابُ اللِّعَانِ

لعان کا بیان!

523۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: اللِّعَانُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان طلاق بائن ہے۔

لعان کا لغوی اصطلاحی معنی:

لعان کی لغوی تحقیق: لعان، کسرہ کے ساتھ "لَاعَنَ يُلَاعِنُ" ماخوذ ہے اللعن سے باب مفاعلت لغت میں دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: لعان ان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ موکدہ ہوں۔

عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ تہمت لگانے والا گواہوں کے ذریعہ اپنے دعوی کو ثابت کرے

اور اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر اس پر حد قذف جاری ہوتی ہے۔ لیکن زوجین کا حکم یہ نہیں ہے مرد اگر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر حد قذف کے بجائے شوہر پر لعان واجب ہے اور اگر وہ لعان کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ لعان کرے یا پھر اپنے نفس کی تکذیب کرے اور تکذیب نفس کی صورت میں عورت کے مطالبہ پر اس پر حد قذف جاری ہوگی تو یہاں حد قذف تکذیب کی صورت میں ہے کہ شوہر خود اپنی تکذیب کر دے بہر حال لعان مرد کے حق میں گویا حد قذف کے قائم مقام ہے اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے (الهدایہ)

لعان سے ثابت شدہ حرمت کی کیا حیثیت ہے؟

لعان سے ثابت شدہ حرمت کی حیثیت کیا ہے، اس میں اختلاف ہے:

چنانچہ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ فرقت لعان طلاق بائن کے درجہ میں ہے البتہ جب تک لعان برقرار ہو اس وقت تک دوبارہ نکاح بھی درست نہیں لیکن اگر شوہر نے زنا کا الزام لگانے میں اپنے آپ کو جھٹلا دیا اور اس پر حد قذف جاری ہوگئی یا عورت نے شوہر کے الزام کو درست قرار دے کر اپنی تکذیب کر دی تو اب ان کے لئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگیا یہ صورت بدائع الصنائع سے ماخوذ ہے جب کہ فتح القدیر ۲/ ۱۲۰ باب اللعان میں اس کی مختلف صورتیں آئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے لعان اور تفریق کے بعد اپنے آپ کو جھٹلایا تو اس کے لئے دوبارہ اس عورت سے نکاح جائز ہے حد قذف لگی ہو یا نہ لگی ہو، اور اگر شوہر نے اپنی تکذیب لعان کے بعد تفریق سے پہلے کی تو عورت اس کے لئے بغیر تجدید نکاح کے حلال ہے۔

امام ابو یوسف امام زفر اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ لعان بغیر طلاق کے فرقت ہے اور اس فرقت سے ثابت ہونے والی حرمت دائمی اور ابدی ہے جیسے حرمت رضاعت اور حرمت مصاہرت۔

524۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ: يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؛ لِأَنَّهَا تَطْلِيقَةٌ بَائِنٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے لعان کرنے والوں کے بارے میں مروی ہے: ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اس لئے کہ لعان ایک طلاق بائن ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

525۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثُمَّ لَمْ يُلَاعِنْهَا كَانَا عَلَى نِكَاحِهِمَا. فَإِذَا لَاعَنَهَا بَانَتْ بِتَطْلِيقَةٍ بَائِنٍ. وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْكِحَهَا أَبَدًا إِلَّا أَنْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ، فَإِنْ أَكْذَبَ نَفْسَهُ تَزَوَّجَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا أَكْذَبَ نَفْسَهُ فَضُرِبَ الْحَدَّ وَبَطَلَتْ شَهَادَتُهُ، وَبَطَلَ لِعَانُهُ كَانَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص اپنی بیوی پر تہمت لگائے، پھر اس سے لعان نہ کرے، تو یہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، لیکن اگر لعان کرلیا تو اس عورت کو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور وہ مرد اس وقت تک اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے آپ کو جھوٹا قرار نہ دے، اگر وہ اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے دے تو اس کے ساتھ شادی کر سکے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں، اگر وہ اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے تو اس پر حد جاری ہوگی اور اس کی گواہی نا قابل قبول ہو جائے گی، اور اس کا لعان باطل ہو جائے گا، اور وہ اس عورت کے ساتھ شادی کر سکے گا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لعان واجب ہونے کی شرائط:

اگر چار شرطیں پائی جائیں تو شوہر پر لعان واجب ہے:

① - شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور کہے تو زانیہ ہے یا میں نے تجھے زنا کراتے ہوئے دیکھا یا کہا اے زانیہ یا بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور شوہر کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے لائی ہے۔

② - شوہر میں وہ شرطیں موجود ہوں جو گواہی دینے والے مرد میں ہوتی ہیں، مثلاً عاقل بالغ آزاد ہو اور اس پر کبھی تہمت کی حد نہ لگی ہو

③ - عورت ان میں سے ہو کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد قذف ماری جاتی ہے مثلاً وہ عاقلہ بالغہ اور آزاد ہو اور اس پر کبھی حد قذف نہ لگی ہو یا اس کے پاس بچہ مجہول النسب نہ ہو تب اس پر تہمت لگانے سے لعان ہوگا

④ - بیوی قاضی سے لعان کرانے کا مطالبہ کرے تب لعان ہوگا، کیوں کہ لعان عورت کا حق ہے اس لیے کہ لعان کی وجہ سے عورت سے زنا کی عار اور ندامت دور ہو جاتی ہے تو جب لعان عورت کا حق ہے تو اس کا طلب کرنا بھی ضروری ہوگا۔

شوہر نے تہمت لگائی پھر لعان کرنے کے لئے کہا شوہر نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم وقت اس کو قید کرے گا کہ یا تو لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے اگر اپنے آپ کو جھٹلایا تو بالاتفاق اس پر حد قذف جاری کی جائے گی اور اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے)۔

اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کر دے، کیوں کہ لعان عورت پر بھی واجب ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر بھی قادر ہے اس وجہ سے اس حق میں اس کو قید کیا جائے گا۔

لعان کا طریقہ:

جب عورت نے قاضی کی عدالت میں تہمت کا مقدمہ پیش کیا تو اولاً قاضی اس عورت کو درگزر کرنے کے لئے آمادہ کرے اس کے باوجود اگر یہ عورت مخاصمہ پر مصر رہی اور شوہر نے تہمت کا انکار کر دیا تو عورت پر دو عادل گواہ پیش کرنا لازم ہوگا تاکہ قاضی کے نزدیک اس کا دعویٰ ثابت ہو، اور اگر عورت نے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہی میں پیش کیا تو ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور اگر عورت

نے دو عادل گواہ پیش کر دیئے پھر اس کے شوہر نے ایک مرد اور دو عورتوں کو اس تصدیق کرنے پر گواہ بنایا تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر نے زنا کی تہمت لگانے کا اقرار کیا تو اس سے ثبوت زنا پر چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہے تو لعان واجب ہوگا اور لعان کی صورت یہ ہے کہ قاضی میاں بیوی دونوں کو حاضر کر کے لعان کی ابتداء شوہر سے کرے وہ چار گواہی دے اور ہر بار یہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں، میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اس نے (میں نے) جو اس عورت کو عیب لگایا اس میں اگر وہ (میں) جھوٹا ہوں تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان باتوں کو کہتے وقت عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے۔

مرد کی گواہی کے بعد پھر اسی طرح چار بار عورت گواہی دے اور ہر بار کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کاری کا عیب لگایا اس میں یہ جھوٹا ہے پانچویں بار کہے کہ اس نے جو عیب زنا کاری کا مجھ کو لگایا اگر یہ مرد اس قول میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

لعان کا معاملہ ایلاء کے برعکس ہے کہ ایلاء میں احناف کے نزدیک نفس مدت کے گذرنے سے طلاق ہو جاتی ہے اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی، جب کہ لعان میں احناف کے نزدیک نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد شوہر کا طلاق دینا یا قاضی کا تفریق کرنا ضروری ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم ایلاء میں تو تفریق قاضی کے قائل تھے لیکن لعان میں فرقت کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں سمجھتے اور فرقت کے لئے محض لعان کو کافی قرار دیتے ہیں بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ محض مرد کے لعان سے فرقت واقع ہو جاتی ہے اگرچہ ابھی تک عورت نے لعان نہ کیا ہو۔

شوہر نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے لعان کیا اور دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی بعد میں شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو قاضی اس کو حد قذف اسی کوڑے لگائے اب اس کے لئے حلال ہے کہ اس بیوی سے شادی کرے اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی تو حد لگنے کے بعد اس کے لئے جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرلے اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے قبل لعان کیا پھر لعان کے بعد اس عورت نے زنا کیا اور زنا کی وجہ سے اس کو حد زنا ماری گئی، تو اس شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے۔

526۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ قَذَفَ امْرَأَتَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَالَ: لَيْسَ بَيْنَهُمَا لِعَانٌ، وَلَا حَدَّ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ قَذَفَهَا وَهِيَ تَحْتَهُ، فَوَقَعَ اللِّعَانُ فَلَمْ يُلَاعِنْهَا حَتَّى طَلَّقَهَا، فَبَطَلَ اللِّعَانُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ حَدٌّ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنی بیوی کو قذف کرتا (الزام لگاتا ہے) پھر اسے تین

طلاقیں دے دیتا ہے،تو وہ فرماتے ہیں ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر حد ہوگی کیونکہ الزام اس وقت لگایا جب وہ اس کی بیوی تھی پس لعان ہوا لیکن لعان کیا نہیں ،حتی کہ طلاق دے دی پس (طلاق کی وجہ سے) لعان باطل ہو گیا اور اس پر حد نہیں۔ (کیونکہ اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا نہیں)

527- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَسَكَتَتْ عَنْهُ، ثُمَّ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ اسْتَعَدَّتْ فَلَيْسَ بَيْنَهُمَا لِعَانٌ، قَالَ: مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر الزام لگائے اور عورت خاموش رہے پھر وہ اسے تین طلاقیں دے دے پھر (حلالہ کے بعد) پہلے خاوند سے نکاح کے لئے تیار ہو جائے تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

زوجین میں سے کوئی ایک اگر لعان نہ کرے تو تفریق نہ ہوگی وہ ایک دوسرے کے زن وشوہر رہیں گے،شوہر اگر طلاق دے تو طلاق واقع ہوگی،اگر اس سے ظہار یا ایلاء کرے تو وہ ہو جائے گا،اگر دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو دوسر وارث بنے گا،عویمر عجلانی نے اپنی بیوی پر الزام لگایا تھا پھر عرض کیا:اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اس پر جھوٹا بہتان باندھا تھا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اس (بیوی) کو روکے رکھو،انہوں نے عرض کیا اگر میں اُسے اپنے ساتھ رکھوں تو اسے تین طلاقیں ہیں،یہ انہوں نے لعان کے بعد کہا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر لعان بھی کرلیں تب بھی جب تک شوہر طلاق نہ دے یا قاضی تفریق نہ کرے تفریق نہ ہوگی تو اگر زوجین میں سے کوئی ایک لعان نہ کرے تو تفریق نہ ہوگی،اور اگر طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی،اگر تین طلاقیں دی اور ان کے بعد بیوی نے حلالہ کرلیا عدت بھی گذار لی تو پہلا شوہر اس سے شادی کر سکتا ہے۔(المختار)

528- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَالْتَعَنَ أَحَدُهُمَا تَوَارَثَا مَا لَمْ يَلْتَعِنِ الْآخَرُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، يَتَوَارَثَانِ مَا لَمْ يَلْتَعِنَا جَمِيعًا، وَيُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تہمت لگائے اور ان میں سے ایک لعان کرے تو جب تک دوسرا لعان نہ کرے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں جب تک دونوں لعان نہ کریں وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کردے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔(یعنی ایک مر جائے تو دوسرا وارث ہوگا)

تشریح:

ابھی گزرا ہے کہ عورت لعان کی بناء پر طلاق یا قاضی کی تفریق کی وجہ سے جدا ہوتی ہے اس سے قبل ان دونوں میں میاں بیوی والے احکامات جاری ہوں گے، طلاق، ظہار، ایلاء سب ہوسکتا ہے اسی طرح ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔

بَابُ الْخِيَارِ وَأَمْرُكِ بِيَدِكِ

عورت کو اختیار دینا اور یہ کہنا کہ تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے!

529- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ: أَمْرُكِ بِيَدِكِ، فَلَيْسَ لَهَا أَنْ تَخْتَارَ إِلَّا وَاحِدَةً. فَإِذَا قَالَ: مَا بِيَدِي مِنْ طَلَاقٍ فَهُوَ بِيَدِكِ. فَهُوَ بِيَدِهَا، تَحْكُمُ فِي مَجْلِسِهَا قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ قَالَتْ: تَطْلِيقَةٌ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ، وَإِذْ قَالَتْ: تَطْلِيقَتَانِ، فَهِيَ مَا قَالَتْ مِنْ شَيْءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا، فَإِذَا قَالَ لَهَا أَمْرُكِ بِيَدِكِ، فَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهُوَ مَا نَوَى الزَّوْجُ، فَإِنْ نَوَى وَاحِدَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنٌ، وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَهِيَ ثَلَاثٌ، وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنٌ لَا يَكُونُ أَبَدًا إِلَّا وَاحِدَةً بَائِنًا، أَوْ ثَلَاثًا إِنْ نَوَى ذَلِكَ، وَإِنْ لَمْ يَنْوِ طَلَاقًا، وَكَانَ ذَلِكَ فِي الْغَضَبِ لَمْ يُصَدَّقْ فِي الْقَضَاءِ، وَصُدِّقَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ غَضَبٍ فَهُوَ مُصَدَّقٌ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ مَعَ يَمِينِهِ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے (أَمْرُكِ بِيَدِكِ) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو وہ صرف ایک طلاق اختیار کرسکتی ہے۔ اور اگر کہے (مَا بِيَدِي مِنْ طَلَاقٍ فَهُوَ بِيَدِكِ) طلاق کا جو اختیار میرے پاس ہے وہ تیرے اختیار میں ہے تو وہ اختیار اس عورت کو حاصل ہو جائے گا دونوں کے جدا ہونے سے پہلے مجلس میں وہ فیصلہ کرسکتی ہے۔ اگر وہ کہے ایک طلاق (میں نے اختیار کی) تو ایک طلاق ہوگی اور دو طلاقوں کا قول کرے تو جو کچھ کہا وہی ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہماری رائے میں اگر مرد نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" پس اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو جو کچھ خاوند نے نیت کی وہی نافذ ہوگی، اگر ایک کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کی ہو تو تین ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی ہو تو ایک بائن ہوگی، اگر تین کی نیت کرے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر طلاق کی نیت نہ کرے اور وہ غصے کی حالت میں ہو تو قاضی کے ہاں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس شخص کے درمیان تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر غصے کی حالت نہ ہو تو قسم کے ساتھ دونوں صورتوں میں تصدیق کی جائے گی یہ تمام باتیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

تفصیل تو اسی طرح ہی ہے جیسا کہ اثر میں مذکور ہے، البتہ آسانی کے لئے عرض ہے کہ: اگر کسی نے بیوی کو کہا: امر ک بید ک

یعنی تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اب اس صورت میں اگر عورت اپنا اختیار استعمال نہ کرے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اختیار استعمال کرتے ہوئے کہتی ہے ٹھیک ہے میرا معاملہ میرے ہاتھ میں اور میں اپنے آپ کو اختیار کرتی ہوں، تو اس کو طلاق ہوجائے گی۔

پھر کتنی ہوں گی؟ تو اس بارے میں شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر شوہر نے ایک کی نیت کی ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اور اگر دو کی نیت کی ہو تو بھی ایک ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی ہو تو تین ہوں گی، یہاں ایک اور تین ہوسکتی ہیں دو کا احتمال موجود نہیں ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَنْوِ طَلَاقًا ۔۔ الخ: اگر شوہر نے بیوی کو" امرك بيدك " کہا لیکن کہتا ہے میں نے طلاق کا اختیار نہیں دیا، طلاق کی نیت ہی نہیں تھی تو اب دو صورتیں ہوسکتی ہے۔

- ایک صورت یہ کہ اگر اس نے غصہ میں اختیار دیا ہو تو قضاء اس کی تصدیق نہیں ہوگی اور بیوی اختیار استعمال کرے تو طلاق ہو جائے گی، کیونکہ غصہ اس بات کا قرینہ ہے کہ طلاق کا اختیار دینا مقصود ہے البتہ دیانۃً طلاق نہ ہوگی۔
- دوسری صورت یہ کہ اگر اس نے غصہ میں نہیں کہا ہو، بلکہ عام حالت ہو تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق ہوگی قضاء بھی اور دیانۃً بھی۔

530 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ اخْتَارِي، أَوْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ قَالَ: هُمَا سَوَاءٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ ذَلِكَ سَوَاءٌ، وَإِنَّ ذَلِكَ لَهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا مَا لَمْ تَأْخُذْ فِي عَمَلٍ غَيْرَ ذَلِكَ، فَإِنْ أَخَذَتْ فِي عَمَلٍ غَيْرِ ذَلِكَ، أَوْ قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا بَطَلَ خِيَارُهَا، فَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا افْتَرَقَ الْقَوْلَانِ، أَمَّا قَوْلُهُ إِخْتَارِي إِذَا أَرَادَ طَلَاقًا فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِنْ أَرَادَ ثَلَاثًا، أَوْ غَيْرَهَا، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے کہتا ہے اختاری (تجھے اختیار ہے) یا کہتا ہے امرك بيدك (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) فرماتے ہیں دونوں باتیں برابر ہیں۔ (دونوں کا ایک ہی مطلب اور حکم ہے) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم کہتے ہیں یہ بات ایک جیسی ہے اور یہ اختیار اس وقت تک ہوگا جب تک مجلس میں رہے اور کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو اگر کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجائے یا مجلس میں سے اٹھ جائے تو اس (عورت) کا اختیار باطل ہوجائے گا اور جب اپنے نفس کو اختیار کرلے تو دونوں قولوں میں فرق ہوجائے گا۔ اختاری کہنے کی صورت میں جب طلاق کا ارادہ ہو تو ہر صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی چاہے تین کا ارادہ کرے یا کوئی اور ارادہ ہو، یہ تمام باتیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

مذکورہ اثر میں **دو مسائل** کا ذکر ہے اختیار مجلس کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں البتہ دونوں کے حکم میں فرق ہے:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے اخْتَارِي، یا أَمْرُكِ بِيَدِكِ کہے تو ان دونوں صوتوں میں عورت کو مجلس میں اختیار ہوگا، اور

اگر مجلس بدل گئی تو اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔

اب مجلس بدلنے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت، حکماً مجلس بدلے: مثلاً مجلس میں جس کام میں مصروف ہو اس کو چھوڑ کر دوسرا کام شروع کر دے۔

دوسری صورت حقیقتاً مجلس بدلے: مثلاً مجلس سے اٹھ کر چلی جائے۔

(اخْتَارِي، يا أَمْرُكِ بِيَدِكِ) ان دونوں کے حکم میں فرق ہے، امرک بیدک میں تین طلاقیں بھی ہو سکتی ہیں جیسا کہ پہلے گزرا مگر اختاری میں صرف ایک طلاق بائن ہوتی ہے خواہ دو یا تین کی نیت کرے۔

531 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا خَيَّرَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَقَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَلَا خِيَارَ لَهَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب خاوند اپنی بیوی کو اختیار دے پس وہ اپنی مجلس سے اٹھ جائے تو اب اسے اختیار نہیں ہوگا۔

وضاحت:

ہر وہ اختیار جس میں تملیک ہو وہ مجلس کے ساتھ خاص ہوتا ہے مجلس باقی ہے تو وہ بھی باقی رہے گا مجلس ختم تو اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔

532 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: إِذَا خَيَّرَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَقَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَلَا خِيَارَ لَهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى، قَالَ مُحَمَّدٌ: الَّذِي رُوِيَ عَنْهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ أَبُو الشَّعْثَاءِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ مجلس سے اٹھ جائے تو اسے کوئی اختیار نہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس سے یہ روایت مروی ہے وہ ابوشعثاء جابر بن زید ہیں۔

533 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عنه، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَا يَقُولَانِ فِي الْمَرْأَةِ: إِذَا خَيَّرَهَا زَوْجُهَا فَاخْتَارَتْهُ فَهِيَ امْرَأَتُهُ، وَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ، وَزَوْجُهَا أَمْلَكُ بِهَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں اس عورت کے بارے میں جسے خاوند اختیار دے فرماتے ہیں کہ اگر وہ خاوند کو اختیار کرے تو وہ اس کی بیوی ہے (طلاق نہیں ہوگی) اور اگر اپنے آپ کو اختیار کرے تو ایک طلاق ہوگی اور خاوند دوسروں کے مقابلے میں اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ (یعنی شوہر کو رجوع کا حق ہوگا)۔

534- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَلَا شَيْءَ، وَهِيَ امْرَأَتُهُ، وَإِذَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ ثَلَاثٌ، وَهِيَ عَلَيْهِ حَرَامٌ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِذَا اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ، وَالزَّوْجُ أَمْلَكُ بِهَا، وَإِذَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَهِيَ أَمْلَكُ بِنَفْسِهَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب عورت اپنے خاوند کو اختیار کرے تو کوئی چیز واقع نہیں ہوگی اور وہ اس کی بیوی رہے گی اور جب اپنے آپ کو اختیار کرے تو تین طلاقیں ہوں گی اور وہ اس پر حرام ہوگی حتیٰ کہ کسی اور شخص سے نکاح کرے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب اپنے خاوند کو اختیار کرے تو ایک طلاق ہوگی اور خاوند کو رجوع کا زیادہ حق ہوگا اور جب اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق ہوگی اور وہ (عورت) اپنے نفس کی زیادہ مالک ہوگی۔ (یعنی رجوع کا حق شوہر کو نہیں ہوگا)

535- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاخْتَرْنَاهُ، فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ عَلَيْنَا طَلَاقًا قَالَ مُحَمَّدٌ: فَأَخَذْنَا بِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا الَّتِي رَوَتْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَبِقَوْلِ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: إِنَّهَا إِذَا اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَلَا شَيْءَ، وَأَخَذْنَا بِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِذَا اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَهِيَ وَاحِدَةٌ، وَهِيَ أَمْلَكُ بِنَفْسِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ کو اختیار کیا تو آپ نے اسے ہم پر طلاق شمار نہ کی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو اختیار کیا جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا اور حضرت عمر فاروق اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا کہ جب وہ عورت اپنے خاوند کو اختیار کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا کہ جب وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور وہ اپنے نفس کی زیادہ مالک ہوگی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بَابُ الْإِيلَاءِ

ایلاء کا بیان!

536- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا آلَى الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَقَدْ بَطَلَ الْإِيلَاءُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرے پھر چار مہینے کے اندر اندر اس سے جماع کرے تو اس پر کفارہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور ایلاء باطل ہو جائے گا اور

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ایلاء کی شرعی حیثیت:

"ایلاء" لغت میں قسم (یمین) کو کہتے ہیں، جب کہ شریعت کی اصطلاح میں ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے مطلقاً یا ہمیشہ کے لیے یا چار ماہ اور اس سے زیادہ مدت کے لیے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالے، قسم کھانے کے حکم میں یہ بھی ہے کہ بیوی سے قربت (مباشرت) کی صورت میں کوئی ایسی چیز اپنے اوپر واجب کرلے جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار اور مشکل ہو، مثلاً یہ کہ اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو، وغیرہ۔

تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ ایلاء کی دو قسمیں ہیں:

- اِیلاء مُؤَقّت: ایسا ایلاء جس میں چار مہینے کی قید ہو۔
- اِیلاء مُؤَبّد: ایسا ایلاء جس میں چار مہینے کی قید نہ ہو۔

پہلی صورت میں یعنی اگر چار ماہ کی مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالی، اب اگر شوہر نے ان چار ماہ کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کرلی تو وہ قسم توڑنے والا ہوجائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا، اور کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر چار ماہ گزر گئے اور شوہر نے رجوع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔ اگر شوہر چار ماہ سے پہلے قسم توڑ دے تو شوہر پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور نکاح برقرار رہے گا تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی، اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہیں توڑی یعنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

دوسری صورت میں یعنی اگر اس نے ہمیشہ کے لیے صحبت نہ کرنے کی اس طرح قسم کھائی تھی کہ میں "کبھی بھی اس سے مقاربت نہیں کروں گا" تو اس صورت میں اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر قسم توڑ دی تو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا اور اگر شوہر نے چار ماہ تک قسم نہیں توڑی تو اس کی بیوی پر چار ماہ گزرنے سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور قسم باقی رہے گی، پھر اگر شوہر نے عورت سے دوبارہ نکاح جدید کرلیا اور اس کے بعد چار ماہ کے اندر مقاربت کرلی تو قسم ٹوٹ جائے گی اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا، اور ایلاء ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا لیکن اگر اس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوسری طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری مرتبہ نکاح کرلیا تو پھر اسی طرح ہوگا یعنی اگر اس نے چار ماہ سے پہلے مقاربت کرلی تو ٹھیک، صرف قسم کا کفارہ دینا ہوگا، ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی اور آئندہ کے لئے نکاح کی گنجائش نہیں رہے گی۔ حاصل یہ کہ ایلاء موقت ایک طلاق کے بعد بے اثر ہوجاتا ہے، جب کہ ایلاء موبد تین طلاقوں کے واقع ہونے تک اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل ایلاء کے دنیاوی حکم کے بارے میں تھی، یعنی ایلاء کی وجہ سے میاں بیوی کے رشتہ پر شرعی طور پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ باقی ایلاء کا اخروی حکم یہ ہے کہ ایلاء اگر زوجین کی رضامندی سے ہو، مثلاً مزاج کی عدم موافقت یا کسی اور وجہ سے بیوی کی رضامندی سے شوہر ایلاء کرے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اس سے شوہر گناہ گار نہیں ہوگا، لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو ایلاء کرنا مکروہ ہے، اور شوہر کو چاہیے کہ چار مہینے سے قبل رجوع کر کے کفارہ ادا کر دے، جیسا کہ آیت مبارکہ ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرۃ:226)

ترجمہ: سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کریں تو اللہ معاف کر دیں گے رحمت فرمائیں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، اگر شوہر ایلاء کے بعد چار مہینے سے پہلے پہلے رجوع نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

(فتح القدیر، باب الایلاء، ج:4، ص:189، شامی، ج:3، ص:422)

ایلاء کا وقت گزرتے ہی تفریق ہوجائے گی یا قاضی کی ضرورت؟

اگر کوئی شخص ایلاء کے بعد چار ماہ تک بیوی سے نہیں ملا تو چار ماہ گزرتے ہی خود تفریق ہوجائے گی یا قضائے قاضی کی ضرورت پڑے گی، اس سلسلہ میں **دو مذہب** ہیں:

- **احناف** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چار ماہ گذرتے ہی خودبخود طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور تفریق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہ ہوگی۔
- **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک چار ماہ گذرنے پر خودبخود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مدت پوری ہونے پر قاضی شوہر کو بلا کر رجوع کا حکم دے گا اگر اس نے رجوع کر لیا تو ٹھیک ورنہ اس کو طلاق دینے حکم دے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا **استدلال**: ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ـ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ,وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ سے ہے کہ اس میں چار ماہ گذرنے کے بعد عزم طلاق کا ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ محض مدت گزر جانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ عزم طلاق ضروری ہے۔

جواب: جہاں تک آیت قرآنی سے استدلال کا تعلق ہے اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے "اِنْقِضَاءُ الْأَرْبَعَةِ عَزِيْمَةُ الطَّلَاقِ والفيء الْجِمَاعُ" (مصنف عبد الرزاق ۳۵۴/۶) چار ماہ کا گذر جانا ہی عزم طلاق ہے اور رجوع کرنا صحبت سے ہے۔

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "اذا مضت اربعة أشهر فهي واحدة وهي احق بنفسها تعتد عدة المطلقة" کہ چار ماہ گذرنے سے خودبخود طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

(مصنف عبد الرزاق، باب انقضاء الاربعة، ج:6، ص:453)

537۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: آلَى عَبْدُ اللهِ بْنُ أَنَسٍ النَّخَعِي مِن امْرَأَتِهِ ثُمَّ غَابَ عَنْهَا خَمْسَةَ أَشْهُرٍ، ثُمَّ قَدِمَ فَوقَعَ عَلَيْهَا، فَخَرَجَ عَلَى أَصْحَابِهِ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مِنَ الْجَنَابَةِ. فَقَالُوا لَهُ: أَصَبْتَ مِنْ فُلَانَةٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالُوا: أَوَلَمْ تَكُنْ آلَيْتَ مِنْهَا؟ قَالَ: بَلَى. قَالُوا فَإِنَّا نَتَخَوَّفُ عَلَيْكَ أَن تَكُونَ قَدْ بَانَتْ مِنْكَ، فَانْطَلَقُوا بِهِ إِلَى عَلْقَمَةَ فَلَمْ يَجِدُوا عِنْدَهُ فِيهَا شَيْئًا. فَانْطَلَقَ بِهِمْ عَلْقَمَةُ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَذَكَرَ لَهُ أَمْرَهُ. فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْتِيَهَا فَيُخْبِرُهَا أَنَّهَا قَدْ بَانَتْ مِنْهُ وَيَخْطُبُهَا. فَأَتَاهَا فَأَخْبَرَهَا. ثُمَّ خَطَبَهَا عَلَى مَثَاقِيلَ فِضَّةٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَنَرَى عَلَيْهِ صَدَاقًا بِوُقُوعِهِ عَلَيْهَا قَبْلَ النِّكَاحَ الثَّانِي، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيّ، وَحَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن انس نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا پھر اس سے پانچ مہینے غائب رہے پھر واپس آئے تو جماع کیا، اپنے احباب کے پاس آئے تو غسل جنابت کی وجہ سے سر سے قطرے ٹپک رہے تھے، انہوں نے کہاں تم نے فلاں (خاتون) کا قرب (ہمبستری) حاصل کیا؟ انہوں نے کہا: ہاں، تو ان حضرات نے کہا: کیا تم نے اس سے ایلاء نہیں کیا تھا؟ انہوں کہا ہاں کیا تھا، تو وہ کہنے لگے ہمیں آپ پر اس بات کا ڈر ہے کہ اس خاتون کو طلاق بائن ہو چکی ہے۔ پس وہ سب حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو ان کے ہاں اس مسئلے کا حل نہ پایا، تو حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ ان کو لے کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔، اور ان کے سامنے معاملہ کا ذکر کیا، انہوں نے فرمایا: خاتون کے پاس جا کر ان کو خبر دو کہ ان کو طلاق بائن ہو چکی ہے اور نکاح کا پیغام دو، چنانچہ وہ آئے اور اسے خبر دی پھر ان کو پیغام نکاح دیا اور چند مثقال چاندی (بطور مہر مقرر کیا)۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور ہم ایسے شخص پر مہر لازم کرتے ہیں، کیونکہ وہ دوسرے نکاح سے پہلے جماع کرتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ، ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

ایلاء کرنے والا اگر چار ماہ کے اندر اپنی بیوی سے صحبت کر لے تو اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ آئے گا اور ایلاء ختم ہو جائے گا، لیکن اگر چار ماہ کے اندر اس سے صحبت نہیں کی چار مہینے گزر گئے تو عورت پر ایک طلاق بائن پڑھ جائے گی اس لئے کہ اس شخص نے عورت پر بہت ظلم کیا اور شریعت کی خلاف ورزی کی، لہذا شریعت نے نکاح جیسی عظیم نعمت کو ختم کر دیا یہی حضرت عثمان، علی، عبادلہ ثلاثہ (ابن مسعود، ابن عباس و ابن عمر) اور حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ اگر مدت ایلاء گذرنے سے قبل رجوع نہیں کیا تو بیوی پر طلاق واقع ہو گئی از سر نو نکاح کرنا ہو گا بغیر نکاح صحبت درست نہیں ایسا کرے گا تو گنہگار ہو گا اور عورت سے استمتاع بدون النکاح کی وجہ سے اس پر مہر مثل آئے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نفس مدت گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہو گی بلکہ مدت گزرنے کے بعد توقف کیا جائے گا اگر

رجوع کرلیا تو فبہا ورنہ پھر چھوڑ دے اگر وہ خود نہیں چھوڑتا تو قاضی تفریق کر دے گا اور یہ ایک طلاق بائن ہوگی۔

538 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرَّةَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : إِذَا آلَى الرَّجُلُ مِنَ امْرَأَتِهِ فَمَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ بِتَطْلِيقَةٍ، وَكَانَ خَاطِبًا يَخْطُبُهَا فِي الْعِدَّةِ، وَلَا يَخْطُبُهَا فِي عِدَّتِهَا غَيْرُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، عَزِيمَةُ الطَّلَاقِ انْقِضَاءُ الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ، وَالْفَيْءُ الْجِمَاعُ فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ لَا يُوقَفُ بَعْدَهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرے اور چار ماہ گزر جائیں تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، وہ اسے عدت میں پیغام نکاح دے سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو عدت میں اسے پیغام نکاح نہیں بھیجنا چاہیے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں طلاق کی عزیمت چار مہینوں کا گزرنا ہے اور لوٹنا ورجوع کرنا یہ ہے کہ چار مہینوں کے اندر اندر جماع کرلے، اس کے بعد توقف نہیں کیا جائے گا، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ایلاء کی طلاق کے بعد عدت میں نکاح کا حکم:

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ:226،227) ترجمہ: اور وہ جو اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا بیٹھیں ان کیلئے چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اس مدت میں وہ رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شوہر چار مہینے کے اندر اندر عورت سے جماع کا حق رکھتا ہے چار مہینے گزرنے کے بعد عورت ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اب بغیر نکاح اس سے ہمبستری نہیں کرسکتا، البتہ عدت کے بعد تجدید نکاح کرسکتا ہے۔

دوران عدت صرف شوہر کو حق دیا گیا ہے کہ وہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے کوئی شخص عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح نہیں کرسکتا۔

عَزِيمَةُ الطَّلَاقِ انْقِضَاءُ الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ: آیت بالا میں دو لفظ آئے ہیں عزم، فئی، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے تفسیر بیان کی ہے کہ عزم سے مراد چارہ ماہ کے اندر اندر رجوع اور جماع کرنا ہے۔

539 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ رَجُلًا وَلَدَتْ إِمْرَأَتُهُ فَقَالَتْ لِزَوْجِهَا: لَا تَقْرَبْنِي حَتَّى أَفْطِمَ ابْنِي هَذَا، فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْهِ، فَحَلَفَ أَنْ لَا يَقْرَبَهَا حَتَّى تَفْطِمَهُ، قَالَ: فَسَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِيلَاءً وَأَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ إِيلَاءً. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَسَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: هُوَ إِيلَاءٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کی بیوی نے بچہ جنا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا: میرے قریب نہ آنا

حتیٰ کہ میں اپنے اس بچے کو دودھ چھڑا دوں، کیونکہ مجھے ڈر ہے اس دوران حمل ہو جائے، تو اس نے قسم کھائی کہ بچے کو دودھ چھوڑا نے تک اس کے قریب نہیں جائے گا۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے اس سلسلے میں حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا، تو انہوں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ ایلاء ہوگا اور ایلاء نہ ہونے کی امید بھی ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ ایلاء ہے، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: أَفْطِمَ: از ض، دودھ چھڑانا۔ أن یکون ایلاءً: میں کان تامہ ہے اس لئے مرفوع ہے ناقصہ بھی بن سکتا ہے اس صورت میں منصوب ہوگا۔

تشریح:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مدت رضاع ڈھائی سال اور صاحبین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں دو سال ہے، ابھی گذرا ہے کہ اگر کوئی شخص چار ماہ تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے تو اس سے ایلاء ہو جاتا ہے لہذا مذکورہ صورت میں بھی ایسا کہنے والا اگر چار مہینے کے اندر بیوی سے صحبت کرے گا تو کفارہ یمین دے گا ایلاء ختم ہو جائے گا ورنہ چار مہینے گزرنے کے بعد اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (المختار شرح کتاب الاثار)

540 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَطُوفِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنْ تَعَالَى، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ: إِنَّكَ آلَيْتَ مِنِّي، وَلَمْ أَزَلْ أَعُدُّ الْأَيَّامَ وَاللَّيَالِي، وَإِنَّهُ بَقِيَ مِنَ الشَّهْرِ يَوْمٌ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا أَنْ تَعَالِي، فَإِنَّ الشَّهْرَ ثَلَاثُونَ، وَتِسْعٌ وَعِشْرُونَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَ بِالْأَهِلَّةِ، وَإِذَا كَانَ بِغَيْرِ الْأَهِلَّةِ فَالشَّهْرُ ثَلَاثُونَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینہ اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی، جب انتیس دن ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیج کر بلایا، تو انہوں نے جواب دیا آپ نے مجھ سے ایلاء کیا ہے اور میں مسلسل رات دن گن رہی ہوں، اور مہینہ پورا ہونے میں ایک دن باقی ہے، تو آپ نے پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ، اس لیے کہ مہینہ تیس دن کا بھی ہوتا ہے اور انتیس دن کا بھی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اگر وقت چاند کے حساب سے مقرر کیا گیا ہو اور اگر چاند سے مقرر نہ کیا گیا ہو تو مہینہ تیس دن کا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مدت ایلاء میں فقہاء کا اختلاف:

مدت ایلاء میں اختلاف ہے ہمارے یہاں مدت ایلاء چار ماہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں صاف مذکور ہے۔

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ (البقرہ:226)

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہوتا امام مالک وشافعی اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں مدت متعین نہیں ہے۔

ایلاء بغیر قسم اور تعلیق کے نہیں ہوتا ائمہ اربعہ ور جمہور صحابہ وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے البتہ سعید بن المسیب اور یزید بن الاصم رحمۃ اللہ علیہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیوی سے بغیر قسم اٹھائے جماع چھوڑ دے تب بھی ایلاء ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی اسے قسم کے لحاظ سے ایلاء کہا گیا ہے یعنی یہ ایلاء لغوی ہے، ایلاء حقیقی چار ماہ سے کم کی قسم اٹھانے پر منعقد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس طرح کی قسم اٹھالے تو اسے بہتر چیز کو اختیار کرنا چاہیے ظلم نہ کرے، اصلاح وتنبیہ کے لئے ایسا کر سکتا ہے، ہوسکتا ہے وہ مہینہ انتیس دن کا ہو اور اس کے پورا ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کے پورا ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔

541۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: إِنْ قَرِبْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ، فَتَرَكَهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، قَالَ: بَانَتْ بِالْإِيلَاءِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه الله تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس آدمی کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے کہتا ہے اگر میں تیرے قریب آؤں تو تجھے طلاق، پھر اسے چار ماہ تک چھوڑے رکھا: تو وہ فرماتے ہیں: وہ عورت ایلاء کے طریقے پر بائن (جدا) ہو جائے گی، یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

تشریح:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں اگر تمہارے قریب گیا تو تمہیں طلاق یا کہے بخدا میں تمہارے قریب نہ جاؤں گا ایسی صورت میں اگر چار مہینے کے اندر اندر اس سے جماع کر لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ یمین لازم ہو جائے گا لیکن اگر اس کے قریب نہ گیا اور چار مہینے گزر گئے تو یہ ایلاء بن جائے گا۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں تمہارے قریب نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء مؤبد ہے چار ماہ گزرنے پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی قسم باقی رہے گی اگر دوبارہ شادی کر لی تو پھر ایلاء ہو جائے گا اگر مدت ایلاء میں وطی کر لی تو بفبہا ورنہ چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی پھر اگر تیسری مرتبہ شادی کر لی تو پھر ایلاء لوٹ آئے گا اور اس مدت میں وطی کر لی تو قسم میں حانث ہوگا ورنہ پھر طلاق پڑ جائے گی، اس کے بعد اگر اس عورت نے حلالہ کرالیا اس کی عدت کے بعد اس نے اس سے پھر شادی کر لی تو اب ایلاء نہ ہوگا اس لئے کہ ایلاء کا تعلق گزشتہ ملک سے تھا اور وہ رہی نہیں اب اسے نئی ملک حاصل ہوئی ہے جو اس وقت حاصل نہ تھی جب اس نے قسم اٹھائی تھی اور اس نے

طلاق کو اس سابقہ ملک کے ساتھ مقید کیا تھا، اب اسے نئی طلاق کا حق حاصل ہو گیا جو اسے اس وقت حاصل نہیں تھا جب اس نے قسم اٹھائی تھی، اس نے قسم کو اس ملک کی طرف منسوب بھی نہیں کیا تھا لہٰذا اب ایلاء نہ ہوگا البتہ قسم باقی رہے گی اگر ہم بستری کرے گا تو کفارہ یمین دینا پڑے گا اس لئے کہ وہ اپنی قسم میں حانث ہو گیا ہے جس کا کفارہ اس پر لازم ہو گیا۔ (المختار)

بَابُ مَنْ آلَى ثُمَّ طَلَّقَ

ایلاء کے بعد طلاق دینا!

542 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : إِذَا آلَى الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَالطَّلَاقُ يَهْدِمُ الْإِيلَاءَ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرے، پھر اسے طلاق دے تو طلاق سے ایلاء ختم ہو جائے گا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے۔

543 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ : إِذَا آلَى الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَهُمَا كَفَرَسَيْ رِهَانٍ ، إِنْ جَاوَزَتِ الْأَرْبَعَةُ الْأَشْهُرُ وَهِيَ فِي شَيْءٍ مِنْ عِدَّتِهَا وَقَعَتْ تَطْلِيقَةُ الْإِيلَاءِ مَعَ التَّطْلِيقَةِ الَّتِي طَلَّقَ ، وَإِنِ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ أَنْ يَجِيءَ وَقْتُ الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ سَقَطَ الْإِيلَاءُ . قَالَ مُحَمَّدٌ : فَقُلْتُ لِأَبِي حَنِيفَةَ : بِأَيِّ الْقَوْلَيْنِ تَأْخُذُ؟ قَالَ : بِقَوْلِ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ .

ترجمہ: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرے، پھر اسے طلاق دے تو یہ دونوں رہن رکھے ہوئے دو گھوڑوں کی طرح ہیں، یعنی اگر چار مہینے گزر جائیں اور ابھی اس کی کچھ عدت باقی ہو تو اسے ایلاء والی طلاق ہو جائے گی (بائن طلاق ہوگی) اور اس کے ساتھ وہ طلاق بھی ہوگی جو اس نے دی ہے اور اگر چار ماہ مکمل ہونے سے پہلے عدت ختم ہو جائے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ ان دو میں سے کونسا قول اختیار کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو (اختیار کرتا ہوں) تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

ایلاء کے بعد طلاق دینے کا حکم:

اگر ایلاء کرنے والا چار ماہ کی مدت گزرنے پر بیوی پر طلاق بائن واقع ہونے کے بعد عدت کے دوران طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اگر طلاق رجعی میں عدت کے دوران ایلاء کیا تو ایلاء ہو جائے گا، اور اگر چار ماہ پورے ہونے سے قبل طلاق کی عدت گزر گئی تو یہ اس کی بیوی نہیں رہی لہٰذا ایلاء ختم ہو جائے گا اس لئے کہ ایلاء بیوی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ عدت ختم ہونے کی وجہ سے اس کے نکاح سے نکل گئی ہے ایلاء کے لئے بنص قرآن "من نسائکم" ہونا ضروری ہے اور یہ بیوی نہ رہی اس لئے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء

کرسکتے ہیں مطلقہ بائنہ سے نہیں کرسکتے کیوں اس میں زوجیت ختم ہوگئی ہے لہٰذا ایلاء کالعدم ہوجائے گا۔

بَابُ الظِّهَارِ

ظہار کا بیان!

544۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا ظَاهَرَ الرَّجُلُ مِنْ أَرْبَعَةِ نِسْوَةٍ فَعَلَيْهِ أَرْبَعُ كَفَّارَاتٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی چار بیویوں سے ظہار کرے! تو اس پر چار کفارے ہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ظہار کی لغوی اصطلاحی تعریف:

ظہار مفاعلت کا مصدر ہے لغوی معنی ہیں (پیٹھ) مرد کا قول اپنی بیوی سے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

اصطلاحی تعریف: شوہر کا اپنی بیوی کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ ذات کے ساتھ ہو یا کسی ایسے جزء کے ساتھ ہو جس کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ ظہار کی حقیقت ماں کے ساتھ تشبیہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ وہ حرمت رضاعت کی وجہ سے ہو یا مصاہرت کی وجہ سے ہو۔

زمانہ جاہلیت میں ظہار کرنے سے ہمیشہ کے لئے بیوی حرام ہوجاتی تھی اللہ نے اسلام میں نفس ظہار کو تو باقی رکھا لیکن اس کے حکم میں تبدیلی کردی اس طرح کہ کفارہ ادا کرنے کے بعد وہ عورت حسب سابق حلال ہوجاتی ہے اسلام میں سب سے پہلے جو ظہار واقع ہوا وہ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کا ظہار ہے۔

ظہار کی شرائط:

ظہار کی تین طرح کی شرائط ہیں: بعض کا تعلق ظہار کرنے والے سے ہے اور بعض جس کے ساتھ ظہار کیا جارہا ہے، اس سے متعلق، اور بعض جن الفاظ سے ظہار کیا جارہا ہے، ان سے متعلق۔

ظہار کرنے والے سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

① - صاحبِ عقل ہو۔ ② - کم عقل نہ ہو۔ ③ - بالغ ہو۔ ④ - مسلمان ہو۔ ⑤ - نیت کی ہو۔

جس سے ظہار کیا جارہا ہے اس سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

① - بیوی ہو۔ ② - نکاح تمام وجوہ سے قائم ہو۔ ③ - لفظ ظہار بیوی کے بدن یا جسم کے کسی حصہ کی طرف منسوب ہو۔

مظاہر بہ سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

①-مظاہر بہ (جس کے ساتھ ظہار میں تشبیہ دی) عورت کی جنس سے ہو۔②-مظاہر بہ ایسا عضو ہو جس کی طرف نظر کرنا جائز نہ ہو۔③-ایسی عورت کے اعضاء سے تشبیہ دینا جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

ظہار کا حکم:

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے "انت علی کظھر امی" کہا تو وہ مظاہر ہو گیا اور ظہار کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مرد پر اپنی بیوی کے ساتھ جماع حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے پھر جب ظہار کی وجہ سے وطی کرنا حرام ہوا تو کیا وہ تمام چیزیں بھی حرام ہو جائیں گی جو محبت پر ابھارنے والی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دواعی الی الوطی جیسے عورت کو چھونا اس کا بوسہ لینا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں تاکہ یہ چیزیں اس کو وطی میں مبتلا نہ کریں یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور شافعیہ وحنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کی اس میں دونوں روایتیں ہیں حرمت وعدم حرمت۔

چند بیویوں سے ظہار کرنے والا کتنے کفارے دے؟

ایک شخص کے نکاح میں چار بیویاں تھیں ایک ہی جملہ میں چاروں سے کہا تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو یہ شخص بالاتفاق ان سب عورتوں سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے تمام عورتوں کی جانب ظہار منسوب کیا ہے لہذا تمام سے ظہار ہو گا۔

رہی یہ بات کہ شوہر پر تمام کی وجہ سے ایک کفارہ واجب ہو گا یا متعدد اس بارے میں اختلاف ہے، چناں چہ ہمارے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار کے متعدد ہونے کی وجہ سے کفارے متعدد ہوں گے کیوں کہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہو گئی ہے اور کفارہ اس لیے ہوتا ہے کہ حرمت کو ختم کر دے لہذا جتنی حرمتیں ہوں گی اسی قدر کفارے ہوں گے امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہو جائے گا۔

545-مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي يُرِيدُ التَّغْلِيظَ أَنَّ عَلَيْهِ كَفَّارَتَيْنِ قَالَ: وَ كَذَلِكَ الْيَمِينَانِ فَإِذَا أَرَادَ الْأُولَى فَهِيَ وَاحِدَةٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کے بارے میں (فرمایا) جو اپنی بیوی سے کہتا ہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، دو بار کہتا ہے اور شدت کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر دو کفارے ہوں گے، فرماتے ہیں: یہی حکم دو قسموں کا ہے اگر صرف پہلی قسم کا ارادہ کرے تو وہ ایک ہی ہوں گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو مرتبہ یا اس سے زائد مرتبہ ظہار کے الفاظ کہے ایک مجلس ہو یا کئی مجلسوں میں ایسا ہو تو اس پر ہر ظہار کا الگ الگ کفارہ آئے گا الا یہ کہ اس سے پہلے والا ظہار مراد ہو اور اس کی تاکید کے لیے کہہ رہا ہو تو وہ الگ بات ہے یہی حکم قسم کا بھی ہے۔
(هندیه، ج:1، ص:509)

546۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حنيفةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُظَاهِرُ مِن اِمْرَأَتِه ثُمَّ يُطَلِّقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا بَعْدَ مَا تَنْقَضِي الْعِدَّةُ. قَالَ : اَلظِّهَارُ كَمَا هُوَ. لَايَقْرَبُهَا حَتَّى يُكَفِّرَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا: جو اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اسے طلاق دے دیتا ہے، پھر عدت ختم ہونے کے بعد اس سے نکاح کرتا ہے، فرماتے ہیں: ظہار برقرار رہے گا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس کے قریب نہیں جاسکتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

چوں کہ ظہار میں نکاح برقرار رہتا ہے اس لیے طلاق دے سکتا ہے طلاق کے بعد اگر دوبارہ نکاح کر لے تو اس سے ظہار ختم نہیں ہوگا، کفارہ دئے بغیر بیوی سے ہمبستری جائز نہیں ہوگی اگر کر لی تو توبہ و استغفار کرے اور صرف ایک کفارہ ہی دینا ہوگا البتہ کفارہ سے قبل دوبارہ ہمبستری نہ کرے۔ (هندیه، ج:1، ص:506)

546۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا ظَاهَرَ الرَّجُلُ مِنَ امْرَأَتِهِ لَمْ يَقْرُبْهَا حَتَّى يُعْتِقَ رَقَبَةً فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَينِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلَا يَقْرُبْهَا حَتَّى يُكَفِّرَ بَعْضَ هَذِهِ الْكَفَّارَاتِ. قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهٖ نَأْخُذُ وَلَا يَدْخُلُ فِي ذَلِكَ الإِيْلَاءُ وَإِن طَالَ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ غلام آزاد کرے، پس اگر اسے (غلام) نہ پائے تو پے درپے دو ماہ کے روزے رکھے، پس اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اور اگر یہ بھی نہ پائے تو پھر اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک کفارہ ادا کر دے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور اس میں ایلاء داخل نہیں ہوگا اگرچہ طویل مدت ہو، اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ظہار کا کفارہ:

قرآن حکیم میں ظہار کے کفارہ سے متعلق درج ذیل حکم فرمایا گیا ہے:

﴿وَالَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآءِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ط ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ o فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۔ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ط ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ط وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ط وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ (المجادلة،3-4)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر جو کہا ہے اس سے پلٹنا چاہیں تو ایک گردن (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا لازم ہے قبل اِس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ اُن کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو پھر جسے (غلام یا باندی) میسّر نہ ہو تو دو ماہ متواتر روزے رکھنا (لازم ہے) قبل اِس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، پھر جو شخص اِس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم ہے)، یہ اِس لیے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھو۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

گویا قرآن حکیم نے ترتیب کے ساتھ تین چیزوں کا کفارہ ظہار کے زمرے میں ذکر کیا ہے، ان میں سے جس کی بھی قدرت رکھے وہ ادا کرے۔

① - غلام آزاد کرنا۔ ② -ساٹھ دن کے لگا تار روزے رکھنا۔ ③ -ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

فَإِنۡ لَمۡ یَجِدۡ فَلَا یَقۡرُبۡهَا: اگر روزہ رکھنی کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی اس کے پاس کھانا کھلانے کی گنجائش ہو تو حلال نہیں ہے، انتظار کرتا رہے، جب گنجائش ہو تو کفارہ ادا کرے، کوئی دوسرا اس کی طرف سے دیدے تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا، اگر موت تک کفارہ ادا نہ کر سکا تو کفارہ ادا نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

وَلَا يَدۡخُلُ فِي ذٰلِكَ الۡإِيلَاءُ: ظہار میں کافی عرصہ گزر جائے، اس سے خود بخود طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ نکاح ختم ہوتا ہے، کیونکہ ظہار ایلاء کی طرح نہیں ہے۔ (رد المختار)

548- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخبرنا أبو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُظَاهِرُ مِن امرأتِهِ ثُمَّ يَقْرُبُهَا قَبلَ أَن يُكَفِّرَ. قَالَ: قَدْ أَسَاءَ وَلَا يَعُدْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا يَعُودَنَّ حَتَّى يُكَفِّرَ وَلَا تَجِبُ عَلَيْهِ إِلَّا كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا: جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر اس سے کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہی قربت کی: اس نے برا کیا اور دوبارہ نہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، وہ اس کے پاس ہرگز نہیں لوٹے

گا یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے، اور اس پر صرف ایک کفارہ لازم ہوگا، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قول ہے۔

کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرنا:

قرآن میں صراحۃ موجود ہے کہ کفارہ سے پہلے جماع جائز نہیں، اگر کوئی جماع کرلے تو سخت گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے مزید کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، لہذا اس پر توبہ کرے اور آئندہ جب تک کفارہ نہ ادا کردے، دوبارہ جماع نہ کرے۔

549 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا يَقَعُ الظِّهَارُ إِذَا ظَاهَرَ الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهِ إِلَّا بِذَاتِ مُحَرَّمٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ظہار واقع نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے ذی رحم محرم کے ساتھ (تشبیہ دیتے ہوئے) ظہار نہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

ظہار صرف محرم عوتوں کے ساتھ تشبہ دینے سے ہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ غیر محرمات میں کسی کے ساتھ تشبیہ دی تو یہ ظہار نہیں ہوگا

550 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيمَ فِي الرَّجُلِ يُظَاهِرُ مِن إِمْرَأَتِهِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا بِاللَّيْلِ وَهُوَ يَصُومُ. قَالَ: يَسْتَقْبِلُ الصَّوْمَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ فَإِذَا مَسَّهَا وَهُوَ يَصُومُ فَسَدَ صَوْمُهُ وَاسْتَقْبَلَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا: جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر رات کے وقت اس سے جماع کرلیا اس حال میں کہ وہ (کفارے کے) روزے رکھ رہا تھا: وہ از سر نو روزے رکھے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا: "(اس کے ذمے) دو متواتر مہینوں کے روزے ہیں قبل اس کے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں"، پس جب وہ اسے چھولے جبکہ وہ روزے رکھ رہا ہو، تو اس کے روزے فاسد ہو جائیں گے، اور متواتر دو مہینوں کے روزے پھر سے رکھنے ہونگے۔ اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مظاہر وطی کرلے تو کیا حکم ہے:

روزوں کے ذریعہ کفارہ ظہار ادا کرنے والے نے اگر ان دو ماہ کے اندر اس عورت کے ساتھ وطی کی جس سے ظہار کیا تھا خواہ یہ وطی رات میں جان کر ہو یا دن میں بھول کر تو طرفین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک از سر نو روزے رکھے اس کے قائل امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم ہیں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ از سر نو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے قائل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رات میں جان کر اور دن میں بھول کر صحبت کرنا مفسد صوم نہیں لہذا یہ جماع روزوں کے

مسلسل ہونے سے مانع نہیں ہے ظہار کے کفارہ میں روزوں کا پے در پے ہونا ہی شرط تھا سو وہ پایا گیا اس لیے دوبارہ شروع سے رکھنے کی ضرورت نہیں مابقیہ کو رکھ لے۔

طرفین رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح روزوں کا صحبت سے پہلے ہونا نصا ضروری ہے اس طرح ان کا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے اس لیے دوبارہ روزے رکھے۔

551 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيمَ فِي رَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: إن قربتُكِ فَأَنْتِ عَلَيَّ كَظهر أُمِّيْ. قَالَ: إِن تَرَكَهَا أَرْبَعَةَ أَشْهرٍ بَانَتْ بِالْإِيلَاءِ وَإِن وَقَعَ عَلَيْهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ وَقَعَت عَلَيْهِ كَفَّارَةُ الظِّهَارِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی سے یہ کہا ہو کہ اگر میں تمہارے قریب آیا تو تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو: اگر وہ اسے چار ماہ تک چھوڑے رکھے تو اس پر ظہار کا کفارہ پڑ جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "اگر میں تمہارے قریب آیا تو تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو" تو اس صورت میں ظہار ایلاء دونوں ہو سکتے ہیں لہذا چار مہینے کے اندر اندر صحبت کرے گا تو کفارہ ظہار لازم آئے گا اور اگر چار ماہ تک اس کے قریب نہیں گیا تو اس صورت میں ایلاء ہو جائے گا اور چار مہینے گزرنے پر اسے ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔

بَابُ ظِهَارِ الْأَمَةِ

باندی سے ظہار!

552 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم أَنَّ الظِّهَارَ يَقَعُ عَلَى الْأَمَةِ إِذَا ظَاهَرَ مِنْهَا زَوْجُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: يَقَعُ عَلَيْهَا الظِّهَارُ إِذَا ظَاهَرَ مِنْهَا زَوْجُهَا وَلَا يَقَعُ عَلَيْهَا الظِّهَارُ إِذَا ظَاهَرَ مِنْهَا مَولاهَا، لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ فَلَيْسَتِ الأَمَةُ بِزَوْجَةٍ يَقَعُ عَلَيْهَا الظِّهَارُ - وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَمُجَاهِدٍ وَعَامِرِ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ظہار باندی پر بھی واقع ہو جاتا ہے جبکہ اس کا شوہر اس سے ظہار کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اس کا شوہر اس سے ظہار کرے تو ظہار واقع ہو جائے گا، اور جب اس کا مالک اس سے ظہار کرے تو ظہار واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا: (تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں) پس باندی اس کی بیوی نہیں کہ اس

پر ظہار واقع ہو، اور یہ ابوحنیفہ، سعید بن المسیب، مجاہد، عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے۔

وضاحت:

ماقبل میں تفصیل سے گزر چکا کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے بیوی کے علاوہ کسی سے نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم میں اسے بیویوں کے خاص کیا گیا ہے۔ لہذا اگر آقا باندی کے ساتھ ظہار کرے تو ظہار نہ ہوگا، باندی میں آقا کے لئے حلت تبعًا ثابت ہوتی ہے اصالۃً نہیں اس لئے اس کا حکم بیوی سا نہیں ہوگا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ ظہار طلاق سے لیا گیا ہے اور باندی پر طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی باندی کی شادی کر دی گئی ہے تو اس کا شوہر اس سے ظہار بھی کر سکتا ہے اور طلاق بھی دے سکتا ہے۔

بَابُ الدِّيَاتِ وَمَا يَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْوَرَقِ وَالْمَوَاشِيْ

دیتوں کا بیان/ چاندی اور مویشیوں والوں پر کیا واجب ہوتا ہے؟

553 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِي عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: عَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ مِنَ الدِّيَةِ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ وَ عَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ وَ عَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ وَ عَلَى أَهْلِ الْإِبِلِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ وَ عَلَى أَهْلِ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ وَعَلَى أَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَ كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَأْخُذُ مِنْ ذَلِكَ الْإِبِلَ وَ الدَّرَاهِمَ وَ الدَّنَانِيرَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جن لوگوں کے پاس چاندی ہے ان پر دس ہزار درہم اور جن کے پاس سونا ہے ان کے ذمہ ایک ہزار دینار ہیں گائے والوں پر دو سو گائیں اور اونٹ رکھنے والوں پر ایک سو اونٹ ہیں نیز جو بکریوں کے مالک ہیں ان پر دو ہزار بکریاں ہیں اور قیمتی جوڑوں کے مالک حضرات کے ذمہ دو سو جوڑے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دیت صرف اونٹوں دراہم اور دینار سے لیا کرتے تھے۔

دیت کا لغوی اصطلاحی معنی:

دیت جمع ہے دیات کی، خون بہا دینا۔

اصطلاحی تعریف: شریعت میں اس مال کو کہتے ہیں جو نفس کا بدل قرار دیا گیا ہے اور ارش اس مال کو کہتے ہیں جو نفس سے کم میں واجب ہوتا ہے۔

پھر دیت کبھی نفس کی ہوتی ہے اور کبھی اعضاء کی، پھر دیت دو قسم پر ہے: (۱) - دیت مغلظہ، (۲) - مخففہ۔

دیت مغلظہ: صرف اونٹ میں ہوتی ہے یعنی چار قسم کے اونٹ ملا کر ایک سو اونٹ دیت مغلظہ ہے۔

دیت مخففہ: وہ ہے کہ جو سونے و چاندی سے دی جائے۔

دیت کا ثبوت:﴿ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖۤ ﴾.(سورۃ النساء،92)
جس نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے اہل کو دینا ہے آیت کے اس ٹکڑے سے دیت کا ثبوت ہے۔

قتل شبہ عمد کی دیت کی مقدار:

قتل اگر عمدا ہو تو قاتل کو اس کے بدلے قصاصا قتل کیا جاتا ہے اور اگر شبہ عمد ہو تو قاتل کے خاندان پر دیت لازم ہوگی اور خود قاتل پر کفارہ لازم ہوگا کفارہ یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو مؤمن غلام آزاد کرے اور اگر غلام نہ ملے تو پھر دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖۤ ﴾،اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کرڈالے تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (اس پر واجب ہے) اور خون بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے حوالے کیا جائے گا۔

شبہ عمد کی دیت میں سو اونٹ واجب ہوں گے جس میں حسب ذیل چار قسمیں ہوں گی۔

- شیخین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ پچیس بنت مخاض پچیس بنت لبون پچیس حقے پچیس جذعے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ شبہ عمد کی دیت میں تغلیظ ہے حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہم نے چار قسم پر منقسم کرنے کو تغلیظ سمجھا۔
- امام محمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دیت مغلظہ اس طرح ہے تیس حقے تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں، اگر شافعیہ کے قول کے مطابق چالیس اونٹنیاں ایسی دی جائیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں تو اس صورت میں دیت سو اونٹ نہیں رہے گی بلکہ ایک سو چالیس اونٹ ہوجائے گی حالانکہ دیت سو اونٹ ہیں۔

قتل خطاء کی دیت کی مقدار:

قتل خطاء کی دیت اگر اونٹ سے ادا کرنی ہو تو اس کی مقدار سو اونٹ ہے جس کے اندر یہ پانچ قسم کے اونٹ ہوں گے،بیس بنت مخاض،بیس ابن مخاض،بیس بنت لبون،بیس حقے اور بیس جذعے،اور اگر قتل خطاء کی دیت سونے سے ادا کرنا چاہیں تو ایک ہزار دینار اس کی مقدار ہے اور اگر چاندی سے ادا کریں تو اس کی مقدار دس ہزار درہم ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بارہ ہزار درہم ہیں اور سونے سے ایک ہزار دینار۔

دیت کن چیزوں سے ادا کرے:

جب قاتل دیت ادا کرے تو اس کو تین چیزوں میں اختیار ہے اونٹ سے دیت ادا کرے یا دینار سے یا دراہم سے اور ان تین چیزوں کے علاوہ سے دیت ادا نہ کرے گا اور یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے،صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں سے بھی مقرر مقدار

کے مطابق دیت ادا کرسکتا ہے اور اگر گائے سے ادا کرے تو دو سو ہوں گی اور اگر بکریوں سے ادا کرے تو دو ہزار ہوں گی اور اگر جوڑے دے تو دو سو جوڑے ہوں گے جس میں ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں گے جو ہمارے عرف کے مطابق اس زمانہ میں ایک قمیص اور ایک ازار ہوگی۔

پھر سوال یہ ہے کہ یہ صرف قتل خطاء کی دیت کا ذکر ہے یا شبہ عمد اور خطاء دونوں کی؟ تو اس بارے میں تحقیقی قول یہ ہے کہ دونوں کا ذکر ہے۔ یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبہ عمد اور خطاء دونوں کی دیت انواع ثلاثہ سے ادا کی جاسکتی ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دیگر ان چیزوں سے بھی جو یہاں مذکور ہیں۔

بَابُ دِيَةِ مَا كَانَ فِي الإِنْسَانِ مِنْهُ وَاحِدَةٌ

وہ انسانی عضو جو ایک ہو اس کی دیت!

554۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: فِي اللِّسَانِ إِذَا قُطِعَ مِنْهُ شَيْءٌ فَامْتَنَعَ مِنَ الْكَلَامِ أَوْ قُطِعَ مِنْ أَصْلِهِ فَفِيهِ الدِّيَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کسی کی زبان کاٹی جائے اور وہ گفتگو نہ کرسکے یا زبان جڑ سے کاٹی جائے تو اس میں پوری دیت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عضو انسانی میں دیت کا قاعدہ:

قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی انسان کے عضو کے کٹنے سے اس عضو کی مکمل منفعت ختم ہو جائے یا جو خوبصورتی مقصود تھی وہ ختم ہو جائے تو پوری دیت لازم ہوگی جیسے ناک کاٹ دی تو خوبصورتی ختم ہونے کی وجہ سے گویا کہ انسان نہیں رہا یا زبان کاٹ دی یا ذکر کاٹ دیا تو ان کے کٹنے سے آدمی زندہ تو ہے لیکن بولنے کی منفعت یا صحبت کرنے کی منفعت ختم ہوگئی یا سر پر چوٹ ماری اور عقل ختم ہوگئی تو پوری دیت واجب ہوگی کیوں کہ عقل ہی کی وجہ سے آدمی اپنے نفس کو دنیوی اور اخروی ضروریات میں لگاتا ہے لہذا پوری دیت لازم ہوگی۔

اسی طرح قوتِ سامعہ، باصرہ شامہ وغیرہ کے فوت ہونے پر بھی پوری دیت ہے، دونوں آنکھیں، ہاتھ، پاؤں، ہونٹ، کان اور چھاتیاں وغیرہ کے ضائع کرنے پر پوری دیت آتی ہے ایک کے ضائع کرنے پر آدھی دیت آئے گی۔

555۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم قَالَ: كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ إِلَّا شَيْءٌ وَاحِدٌ فَأُصِيبَ خَطَأً فَفِيهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً: الْأَنْفُ وَالذَّكَرُ وَاللِّسَانُ وَالصُّلْبُ وَذَهَابُ الْعَقْلِ وَأَشْبَاهُهُ وَمَا كَانَ فِي الْإِنْسَانِ اثْنَيْنِ فَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الدِّيَةِ: الثَّدْيَيْنِ وَالْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَالْعَيْنَيْنِ وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان کا ہر وہ عضو جو ایک ہی ہو اور اسے غلطی سے نقصان پہنچایا جائے تو اس میں کامل

دیت واجب ہے (جیسا کہ) ناک، ذکر، زبان، کمر اور عقل جاتی رہے اور اسی جیسے دوسرے اعضاء، اور وہ اعضاء جو انسان میں دو ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر آدھی دیت ہے، (جیسا کہ) پستان، دونوں ہاتھ اور پاؤں، آنکھیں، اور ان جیسے دیگر اعضاء، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

وضاحت:

مسئلہ یہی ہے کہ غلطی سے کسی انسان کو مارنے پر دیت آتی ہے، اگر کسی کی ناک توڑ دی یا زبان کاٹ دی یا عضو تناسل کو ضائع کر دیا تو اس میں دیت آئے گی، اعضاء کے بارے میں قاعدہ کلیہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کی جنس منفعت مکمل طور پر ختم ہو جائے یا وہ جمال جو انسان میں مقصود ہے وہ مکمل طور پر فوت ہو جائے تو پوری دیت آتی ہے اس لئے کہ یہ ایک اعتبار سے اتلاف نفس ہے جسے آدمی کے اکرام کے طور پر ہر جہت سے پورا اتلاف شمار کیا گیا ہے، عقل سے انسان دنیا و آخرت کے فوائد حاصل کرتا ہے اس لئے اس کے فوت ہونے پر بھی پوری دیت آئے گی اسی طرح قوت سامعہ، باصرہ، شامہ وغیرہ کے فوت ہونے پر بھی دونوں آنکھیں ہاتھ، پاؤں، ہونٹ، کان، چھاتیاں وغیرہ کے ضائع کرنے پر پوری دیت آتی ہے ایک کے ضائع کرنے پر آدھی دیت آئے گی۔ (المختار)

556- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَا أُصِيبَ مِنْ ذٰلِكَ مِنْ شَيْءٍ عَمْدًا فَفِيهِ الْقِصَاصُ وَ مَا لَمْ يَسْتَطِعْ فِيهِ الْقِصَاصُ فَفِيهِ الدِّيَةُ فَإِنْ كَانَ خَطأً فَخَمْسَةُ أَسْنَانٍ مِنَ الْإِبِلِ فَإِنْ كَانَ شِبْهُ الْعَمْدِ فَأَرْبَعَةُ أَسْنَانٍ مِنَ الْإِبِلِ وَ شِبْهُ الْعَمْدِ فِي الْجِرَاحَاتِ كُلُّ شَيْءٍ تُعُمِّدَ ضَرْبُهُ بِسِلَاحٍ أَوْ غَيْرِهِ وَ لَمْ يَسْتَطِعْ فِيهِ الْقِصَاصُ فَفِيهِ الدِّيَةُ مُغَلَّظَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهٰذَا كُلِّهِ كَانَ نَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَ بِهِ نَأْخُذُ نَحْنُ أيضاً إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ مَا كَانَ مِنْ شِبْهِ الْعَمْدِ فَثَلَاثَةُ أَسْنَانٍ مِنَ الْإِبِلِ: مِنَ الْحِقَاقِ سِنٌّ وَمِنَ الْجِذَاعِ سِنٌّ وَسِنٌّ ثَالِثٌ مَا بَيْنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى بَازِلٍ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَةٌ وَ كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ: أَرْبَعَةُ أَسْنَانٍ مِنَ الْإِبِلِ: سِنٌّ مِنْ بَنَاتِ الْمَخَاضِ وَ سِنٌّ مِنْ بَنَاتِ اللَّبُونِ وَ سِنٌّ مِنَ الْحِقَاقِ وَ سِنٌّ مِنَ الْجِذَاعِ وَ أَمَّا الْخَطَاءُ فَقَوْلُنَا وَ قولُهُ فِيهِ وَاحِدٌ: خَمْسَةُ أَسْنَانٍ مِنَ الْإِبِلِ: سِنٌّ مِنْ بَنِي الْمَخَاضِ وَسِنٌّ مِنْ بَنَاتِ الْمَخَاضِ وَ سِنٌّ مِنْ بَنَاتِ اللَّبُونِ وَ سِنٌّ مِنَ الْحِقَاقِ وَسِنٌّ مِنَ الْجِذَاعِ وَ هُوَ قَوْلُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَيضاً مَا قُلْنَا فِي شِبْهِ الْعَمْدِ، فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: أَلَا إِنَّ قَتِيلَ خَطَإِ الْعَمْدِ قَتِيلُ السَّوْطِ وَ الْعَصَا. فِيهِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ ثَلَاثُونَ حِقَّةً ثَلَاثُونَ جَذَعَةً أَرْبَعُونَ مَا بَيْنَ ثَنِيَّةٍ إِلَى بَازِلٍ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان (ماقبل اعضاء) میں سے جس کو بھی جان بوجھ کر نقصان پہنچایا جائے تو اس میں قصاص ہے، اور جس میں قصاص ممکن نہ ہو تو اس میں دیت ہے، پس اگر غلطی سے ہو تو اس میں پانچ قسم کے اونٹ ہیں، پس اگر شبہ عمد ہو تو چار قسم کے اونٹ ہیں، اور زخموں میں شبہ عمد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسے اسلحہ یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً مارا جائے، اور جس میں قصاص ممکن نہ ہو تو

اس میں دیت مغلظہ لازم ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان تمام باتوں کو لیتے ہیں، اور ہم بھی اس کو لیتے ہیں سوائے ایک صورت کے جو شبہ عمد سے ہوتو اس میں تین قسم کے اونٹ لازم ہیں، حقہ کی ایک قسم، جذعہ کی ایک قسم، اور تیسری قسم چھ سالہ اونٹیاں جو سامنے کے دانت نکلنے کے سال (نواں سال) میں داخل ہو چکی ہوں، جو سب کی سب حاملہ ہوں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: چار قسم کے اونٹ ہونگے، ایک بنت مخاض، اور ایک بنت لبون، ایک حقہ، اور ایک جذعہ، اور جہاں تک بات ہے خطا کی صورت کی تو اس میں ہمارا اور ان کا ایک ہی قول ہے کہ پانچ قسم کے اونٹ ہونگے، ایک ابن مخاص، اور ایک بنت مخاض، ایک بنت لبون، ایک حقہ، اور ایک جذعہ، اور یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی وہی مروی ہے جو ہم نے کہا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے خطبہ میں فرمایا: سنو! خطاء عمد میں مقتول وہ ہے جسے کوڑے اور لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو، اس میں سے سو اونٹ لازم ہیں، تیس حقہ، تیس جذعہ، چالیس وہ چھ سالہ اونٹیاں جو دانت نکلنے کے سال تک پہنچ چکی ہوں، اور سب اونٹیاں حاملہ ہوں۔

لغات: الحِقَاق: حقۃ کی جمع ہے، عمر کے چوتھے سال میں داخل ہونے والی اونٹیاں، الجِذَاع: جذع کی جمع ہے، اونٹ کا وہ بچہ جس کی عمر کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو، الثَّنِيَّة: چھ سالہ اونٹ، بکری اور چھوٹے جانوروں میں ثنی وہ ہے جس کا ایک سال مکمل ہو کر دوسرا سال شروع ہو چکا ہو، گائے میں دو سال اور اونٹ میں پانچ سال ہو چکے ہوں، عموماً پانچ سے نو سال کے درمیان اونٹ کے دانت نکلتے ہیں، بَازِل: وہ اونٹ جس کے دانت نکلنے کا وقت ہو چکا ہو اور یہ آٹھواں یا نواں سال ہوتا ہے، بنات المخاض: اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو، بنات اللَّبون: اونٹنی کا دوسالہ بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، خَلِفَة: حاملہ اونٹنیاں۔

557- بَلَغَنَا نَحْو ذَلِكَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَرْفَعُ: مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا. وَبَلَغَنَا نَحْو ذَلِكَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُم وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی مرفوع حدیث بھی ہم تک پہنچی ہے کہ چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں جو حاملہ ہوں حضرت عمر فاروق حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی اسی قسم کی بات ہم تک پہنچی ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: بلغنا نحو ذلِكَ: نَحْوُ، بَلَغَ کا فاعل ہے، دوبارہ جو وَبَلَغَنَا نَحْو ذَلِكَ کہا ہے یہ تکرار ہے یا کاتب کا اضافہ، اس کی ضرورت نہ تھی۔

558- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الرَّجُلِ يَحْلِقُ لِحْيَةَ الرَّجُلِ فَلَا تَنْبُتُ. قَالَ: عَلَيْهِ الدِّيَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں مروی ہے جو کسی دوسرے آدمی کی داڑھی مونڈھ دیتا ہے اور اب اس کے بال نہیں اُگے، فرماتے ہیں اس پر کامل دیت ہے۔حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اگر کسی کی داڑھی مونڈھ دی:

چوں کہ داڑھی مردوں کی زینت اور خوبصورتی ہے لہذا اگر وہ مونڈھ دی گئی اور پھر نہ اگی تو اس میں پوری دیت آئے گی، البتہ ایک سال تک انتظار کیا جائے گا اگر اگ آئی فبہا ورنہ دیت ہوگی، لیکن اگر اس دوران وہ شخص وفات پا گیا جس کی داڑھی مونڈھی گئی ہے اور اس کے بال نہ اگے ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کچھ نہیں آئے گا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں حکومت عدل لازم ہوگی یعنی اگر یہ شخص غلام ہوتا تو داڑھی کے ساتھ کیا قیمت ہوتی اور اس کے بغیر کیا قیمت ہے ان دونوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ لے لیا جائے گا۔

بَابُ دِيَةِ الْأَسْنَانِ وَالْأَشْفَارِ وَالْأَصَابِعِ

دانتوں ہونٹوں اور انگلیوں کی دیت!

559 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَصَابِعُ الْيَدَيْنِ وَ الرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ فِي كُلِّ أَصْبُعٍ عُشْرُ الدِّيَةِ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں برابر ہیں ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں اور دو میں دس اور اسی طرح دونوں پیروں میں دس اور دونوں ہاتھوں میں یا ان کی دسوں انگلیوں میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور ہر انگلی تمام انگلیوں کا دسواں ہے لہذا ہر انگلی میں پوری دیت کا عشر یعنی دس اونٹ ہوں گے اور تمام انگلیاں حکماً برابر ہیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔

جن انگلیوں میں تین گرہیں ہیں اگر ان میں سے ایک گرہ کٹ جائے تو ایک انگلی کی دیت جو دس اونٹ ہیں اس کی تہائی دیت یعنی تین اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی لازم ہوں گے اور جس انگلی میں صرف دو جوڑ ہیں جیسے انگوٹھا تو ایک جوڑ کٹنے سے ایک انگلی کی آدھی دیت یعنی پانچ اونٹ یا 50 دینار یا 500 سو درہم لازم ہوں گے۔

یہ دیت خطاء کی صورت میں آئے گی لیکن اگر عمداً ایسا کیا گیا ہو تو اس میں قصاص آئے گا۔

560 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: الْأَسْنَانُ سَوَاءٌ فِي كُلِّ سِنٍّ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں دانت سب برابر ہیں ہر دانت میں دیت کا بیسواں حصہ ہے ہم اس بات کو اختیار

کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دانت توڑنے کی دیت:

اگر کسی نے کسی کا دانت توڑ دیا تو ہر دانت میں پانچ اونٹ یا یا پچاس دینار یا پانچ سو درہم لازم ہوں گے پھر دانت سب برابر ہیں خواہ انیاب (نوک دار) ہوں یا اضراس (ڈاڑھ)، اس لیے کہ کسی کو دوسرے پر ترجیح اور فوقیت نہیں ہے، منفعت کے لحاظ سے سب دانت برابر ہیں۔

561۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إبراهيم قَالَ: فِي السِّمْحَاقِ وَ الْبَاضِعَةِ وَ أَشْبَاهِ ذَلِكَ إِذَا كَانَ خَطأً أَوْ عَمَدًا لَا يُسْتَطَاعُ فِيهِ الْقِصَاصُ فَفِيهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس زخم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو سر کے اندر باریک جھلی تک پہنچ جائے اور وہ جو گوشت کو کاٹ دے اور اس قسم کے دوسرے زخم جب غلطی سے یا جان بوجھ کر لگائے جائیں اور ان میں قصاص ممکن نہ ہو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

562۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم عن شُريح قَالَ: فِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الآمَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ فَإِذَا ذَهَبَ الْعَقْلُ فَالدِّيَةُ كَامِلَةٌ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ وَفِي الْمُوضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ وَ فِي سَائِرِ ذَلِكَ مِنَ الْجِرَاحَاتِ حُكْمُ عَدْلٍ وَ لَا تَكُونُ الْمُوضِحَةُ إِلَّا فِي الْوَجْهِ وَ الرَّأْسِ وَ لَا تَكُونُ الْجَائِفَةُ إِلَّا فِي الْجَوْفِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَ الآمَةُ مِنَ الشِّجَاجِ: كُلُّ شَجَّةٍ بَلَغَتِ الدِّمَاغَ، وَ الْمُنَقِّلَةُ: مَا نُقِلَ مِنْهَا الْعِظَامُ، وَ الْمُوضِحَةُ: مَا أَوْضَحَتْ عَنِ الْعَظْمِ، وَ الْهَاشِمَةُ: مَا هَشَمَتِ الْعَظْمَ وَ حُكُومَتُهَا عُشْرُ الدِّيَةِ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَ السِّمْحَاقُ دُونَ الْمُوضِحَةِ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْمُوضِحَةِ جِلْدَةٌ رَقِيقَةٌ وَ فِيهَا حُكْمُ عَدْلٍ بَلَغَنَا أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَكَمَ فِيهَا أَرْبَعًا مِنَ الإِبِلِ، وَ الْبَاضِعَةُ دُونَ السِّمْحَاقِ و هِيَ الَّتِي تَبْضَعُ اللَّحْمَ وَ فِيهَا حُكْمُ عَدْلٍ، وَ الدَّامِيَةُ دُونَ الْبَاضِعَةِ وَ هِيَ الَّتِي تَشُقُّ الْجِلْدَ وَ فِيهَا حُكْمُ عَدْلٍ وَ الْمُتَلَاحِمَةُ وَ هِيَ الشَّجَّةُ يَسْوَدُّ مَوْضِعُهَا أَوْ يَحْمَرُّ وَ لَا تَدْمِي وَ لَا تَبْضَعُ فَفِيهَا حُكْمُ عَدْلٍ، وَ نَرَى كُلَّ شَيْءٍ كَانَ مِنْ ذَلِكَ دُونَ الْمُوضِحَةِ لَا تَعْقِلُهُ الْعَاقِلَةُ وَ هُوَ فِي مَالِ الرَّجُلِ وَإِنْ كَانَ خَطأً.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: پیٹ کے زخم میں ایک تہائی دیت ہے، اور سر کا جو زخم دماغ تک پہنچ جائے اس میں بھی ایک تہائی دیت ہے، پس جب عقل ضائع ہو جائے تو پوری دیت لازم ہے، اور جس زخم میں ہڈیوں کے ریزے نکل آئیں اس میں عشر اور دیت کے عشر کا نصف (بیسواں حصہ) ہے، اور وہ زخم جس سے ہڈی نظر آنے لگے اس میں دیت کے

دسویں حصے کا آدھا (بیسواں حصہ) ہے، اور ان تمام زخموں میں عادل شخص کا فیصلہ ہے، اور موضحة صرف چہرے یا سر میں ہی ہو سکتا ہے، اور جائفه زخم صرف پیٹ میں ہی ہو سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ہم ان تمام باتوں کو لیتے ہیں، اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور آمة اس زخم کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے اور منقلة وہ زخم ہے جس سے ہڈیاں ہل جائیں، اور موضحة وہ زخم ہے جو ہڈی ظاہر کر دے اور ھاشمة وہ زخم ہے جو ہڈی توڑ دے، اور ان کا فیصلہ دیت کا دسواں حصہ ہے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور سمحاق، موضحة سے کم درجے کا ہے، اس کے اور موضحة کے درمیان ایک باریک جھلی ہوتی ہے، اور اس میں عادل شخص کا فیصلہ ہے، ہمیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے اس میں چار اونٹوں (کی دیت) کا فیصلہ کیا تھا اور باضعة، سمحاق سے کم درجے کا زخم ہے، اور یہ گوشت کو کاٹ دیتا ہے، اور اس میں عادل شخص کا فیصلہ ہے اور دامية، باضعة سے کم درجے کا ہے اور یہ چمڑے کو کاٹ دیتا ہے اور اس میں عادل شخص کا فیصلہ ہے اور متلاحمة وہ زخم ہے جس کی جگہ سرخ یا سیاہ ہو جائے، البتہ خون نہ بہے، اور نہ ہی گوشت کٹے تو اس میں عادل شخص کا فیصلہ ہے اور ہم کہتے ہیں: جو موضحة سے کم درجے کا زخم ہو اس میں عاقلہ دیت نہیں دیگی اور وہ اس شخص کے مال سے دی جائے گی اگرچہ غلطی سے ہو۔

زخموں کی دیت کے احکام:

زخموں کی تشریح اس طرح ہے، جو زخم سر اور چہرہ پر ہو اس کو شجه کہتے ہیں اس کی جمع شجاج ہے اور جو زخم سر اور چہرہ کے علاوہ ہو اس کو جراحت کہتے ہیں۔

حارصة: جس میں کھال چھل جائے۔

دامعة: دمع سے مشتق ہے آنسو، جس زخم میں آنسو کے مانند خون ظاہر ہو جائے مگر بہے نہیں۔

دامیه: دم سے مشتق ہے جس زخم میں خون بہہ جائے۔

باضعة: بضع سے مشتق ہے چیرنا کاٹنا جس میں کھال کٹ جائے۔

متلاحمة: جس میں گوشت کٹ جائے۔

سمحاق: سر کی ہڈی اور گوشت کے درمیان باریک سی جھلی ہوتی ہے اس کو سمحاق کہتے ہیں وہ زخم جو اس جھلی تک پہنچ جائے۔

موضحة: وضح سے مشتق ہے، وہ زخم جس میں ہڈی کھل جائے۔

ھاشمة: ہشم کا ترجمہ ہے چورا چورا کرنا وہ زخم جو ہڈی توڑ دے۔

منقلة: نقل سے مشتق ہے جو ہڈی کو اس کی جگہ سے سرکا دے۔

آمة: دماغ یا ہڈی کے اندر وہ پردہ جس کے اندر دماغ ہوتا ہے وہ زخم جو اس پردہ تک پہنچ جائے جس کے اندر دماغ ہوتا ہے۔

ان میں سے ساتواں موضحة ہے اگر یہ زخم عمداً ہوتو اس میں قصاص واجب ہوگا کیوں کہ موضحة ایسا زخم ہے کہ اس کا قصاص برابر سرابر ہوسکتا ہے موضحة کے علاوہ باقی نو میں قصاص نہیں ہے بلکہ حاکم کا فیصلہ ہے، موضحة کے بعد جو تین زخم مذکور ہیں ان میں تو بالاتفاق قصاص نہیں ہے اور جو زخم موضحة سے پہلے ہیں ان میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ ان میں بھی قصاص نہ ہوگا مگر ظاہر الروایت میں قصاص واجب ہوگا اور اصح یہی ہے، مگر سمحاق میں بالاتفاق قصاص نہ ہوگا جیسے موضحة سے بعد والے تین میں بالاجماع قصاص نہیں ہے۔ (زیلعی ج ٦ ص ١٣٣)

چنانچہ موضحةزخم اگر جان بوجھ کر کرے تو قصاص لازم ہے اور اگر غلطی سے ہوجائے تو پھر پوری دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ لازم ہوں گے۔

اور ہاشمةمیں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ پوری دیت کا دسواں حصہ دس اونٹ ہوتے ہیں اس لئے ہاشمةمیں دس اونٹ لازم ہوں گے۔

اور منقلةمیں دیت کا دسواں حصہ اور دسویں حصہ کا آدھا ہے۔ پوری دیت کا دسواں حصہ دس اونٹ اور دس کا آدھا پانچ تو منقلة میں پندرہ اونٹ دیت ہوگی۔

اور آمةمیں دیت کا تہائی ہے، پوری دیت سو اونٹ ہیں اس کی تہائی تینتیس اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی ہوگی۔

جائفة میں تہائی دیت واجب ہوگی جب کہ زخم پار نہ ہوا ہو ورنہ اگر دوسری جانب پار ہوگیا تو دیت کے دوثلث یعنی 66 اونٹ اور ایک اونٹ کی دو تہائی لازم ہوگی۔

563 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: فِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ كَامِلَةً إِذَا لَمْ تَنْبُتْ، وَفِي كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ رُبعُ الدِّيَةِ وَفِي الْجُفُونِ الدِّيَةُ وَفِي كُلِّ جَفْنٍ مِنْهَا رُبُعُ الدِّيَةِ وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا نِصفُ الدِّيَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آنکھوں کی پلکیں اُگنے کی جگہ میں کامل دیت ہے جب کہ پلکوں میں سے ہر ایک میں دیت کا چوتھا حصہ ہے اور آنکھوں کے پپوٹوں میں کامل دیت ہے اور ہر پپوٹے میں دیت کا چوتھا حصہ ہے دونوں ہونٹوں میں پوری دیت اور ان میں سے ایک میں نصف دیت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اگر کسی نے پوری پلکیں کاٹ دیں اور پھر نہ اُگے تو پوری دیت واجب ہوگی اور اگر ایک کاٹی تو پوری دیت کا چوتھائی واجب ہوگا تمام پلکوں کے کاٹنے سے پوری دیت اس لئے لازم ہوگی کہ جنس منفعت بھی فوت ہوگئی اور خوبصورتی بھی ختم ہوگئی پلکوں کی منفعت یہ ہے

کہ ان کے ذریعہ تکلیف دہ چیز مثلاً گرد و غبار سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے، اور اگر پلکیں اور جڑیں دونوں کاٹ دیں تو اب بھی ایک ہی دیت واجب ہوگی۔ اگر پپوٹے کاٹ دیئے تو اس میں بھی پوری دیت آئے گی اس لئے کہ یہ سب ایک چیز کے حکم میں ہیں، ہونٹوں کے کاٹنے پر بھی پوری دیت آتی ہے۔

بَابُ مَا لَا يُسْتَطَاعُ فِيهِ الْقِصَاصُ

جن اعضاء میں قصاص ممکن نہ ہو!

564 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْأَعْمَى يَفْقَأُ عَيْنَ الصَّحِيحِ قَالَ: عَلَيْهِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَطَاعُ الْقِصَاصُ فِي ذلكَ وَإِنَّمَا يَعْنِي الْعَمَدَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اندھے شخص کے بارے میں فرمایا: جو کسی تندرست شخص کی آنکھ پھوڑ دے: اس کے مال میں سے اس پر دیت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، کیونکہ اس میں قصاص ممکن نہیں ہے، اور ان کی مراد قصداً آنکھ نکالنا ہے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: يَفْقَأُ، فعل مضارع، بمعنی آنکھ پھوڑنا۔

تشریح:

اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ نکال دے تو اس میں قصاص نہیں آئے گا اس لیے کہ مماثل مشکل ہے لیکن اگر آنکھ کا ڈلا نکلا نہ ہو اپنی جگہ موجود ہو اس کی روشنی ختم ہوگئی ہو تو اس میں قصاص آئے گا جس کی شکل یہ ہوگی کہ آئینہ گرم کر کے اس کے چہرے پر گیلی روئی دوسری آنکھ پر باندھ دی جائے اور ایک آنکھ آئینہ کے سامنے اتنی دیر رکھی جائے کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے۔

خطاء کی صورت میں دونوں آنکھیں پھوڑنے کی صورت میں پوری دیت آئے گی اور ایک میں آدھی۔

565 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبراهِيمَ قَالَ: مَنْ ضَرَبَ بِحَدِيدَةٍ أَوْ بِعَصًا فِيمَا لَا يُسْتَطَاعُ فِيهِ الْقِصَاصُ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ مُغَلَّظَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَ ذٰلِكَ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص لوہے کے ہتھیار یا لاٹھی سے ایسی جگہ مارے جہاں قصاص ممکن نہ ہو تو اس پر اس کے مال میں سے دیت مغلظہ دی جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

566 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبراهِيمَ قَالَ: مَا كَانَ مِنْ شِبْهِ الْعَمْدِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ فَفِي

مَالِهِ وَهُوَ كُلُّ شَيْءٍ ضَرَبْتَهُ مُتَعَمِّدًا لَا يُسْتَطَاعُ فِيهِ الْقِصَاصُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس صورت میں شبہ عمد ہو اور نفس سے کم میں ہو (قتل نہ ہو) تو اس کے مال سے دیت ہوگی، اور وہ ہر وہ چیز ہے جس کو تم قصداً مارو اور اس میں قصاص ممکن نہ ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

فقہی قاعدہ ہے کہ ہر وہ عمد جس میں شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوجائے اس میں دیت عاقلہ کے بجائے مارنے والے کے مال میں آتی ہے، عاقلہ پر خطاء کی صورت میں دیت آتی ہے، عمد میں نہیں۔

566۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: اَلْقَتْلُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: قَتْلُ خَطَإٍ وَقَتْلُ عَمْدٍ وَقَتْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ. فَالْخَطَأُ: أَنْ تُرِيدَ الشَّيْءَ فَتُصِيبَ صَاحِبَكَ بِسِلَاحٍ أَوْ غَيْرِهِ فَفِيهِ الدِّيَةُ أَخْمَاسًا. وَالْعَمْدُ: إِذَا تَعَمَّدْتَ صَاحِبَكَ فَضَرَبْتَهُ بِسِلَاحٍ فَفِي هٰذَا قِصَاصٌ إِلَّا أَنْ يَصْطَلِحُوا أَوْ يَعْفُوا وَشِبْهُ الْعَمْدِ: كُلُّ شَيْءٍ تَعَمَّدْتَ ضَرْبَهُ بِغَيْرِ سِلَاحٍ فَفِيهِ الدِّيَةُ مُغَلَّظَةً عَلَى الْعَاقِلَةِ إِذَا أَتَى ذٰلِكَ عَلَى النَّفْسِ، وَشِبْهُ الْعَمْدِ فِي الْجِرَاحَاتِ: كُلُّ شَيْءٍ تَعَمَّدْتَ ضَرْبَهُ بِسِلَاحٍ أَوْ غَيْرِهِ فَلَمْ يُسْتَطَعْ فِيهِ الْقِصَاصُ فَفِيهِ الدِّيَةُ مُغَلَّظَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ مَا ضَرَبْتَهُ بِهِ مِنْ غَيْرِ سِلَاحٍ وَهُوَ يَقَعُ مَوْقِعَ السِّلَاحِ أَوْ أَشَدَّ فَفِيهِ أَيْضًا الْقِصَاصُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ الْأَوَّلُ وَلَا قِصَاصَ فِي قَوْلِهِ الْأَخِيرِ إِلَّا فِيمَا كَانَ بِسِلَاحٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قتل کی تین قسمیں ہیں: قتل خطاء، قتل عمد، قتل شبہ عمد۔ قتل خطاء یہ ہے کہ تم کسی چیز کو نشانہ بنانے کا ارادہ کرو لیکن اسلحہ وغیرہ سے کسی شخص کو ماردو پس اس میں دیت پانچ قسم کے اونٹوں پر مشتمل ہوگی۔ قتل عمد یہ ہے کہ تم جان بوجھ کر کسی شخص کو ہتھیار سے ماردو، اس میں قصاص ہے البتہ یہ کہ صلح کر لیں یا معاف کر دیں اور شبہ عمد یہ ہے کہ تم کسی شخص کو ارادتاً ہتھیار کے بغیر مارو، پس اس میں قاتل کے قبیلے پر دیت مغلظہ ہوگی جب کسی کی جان کو ہلاک کر دے اور زخموں میں شبہ عمد یہ ہے کہ جب کسی کو ہتھیار وغیرہ کے ساتھ جان بوجھ کر مارو، اس میں قصاص ممکن نہ ہو تو اس میں دیت مغلظہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں سوائے ایک صورت کے کہ جب ہتھیار کے علاوہ کسی اور چیز سے مارو اور وہ ہتھیار کے قائم مقام ہو یا اس سے بھی زیادہ سخت واقع ہو تو اس میں بھی قصاص ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے لیکن آپ کے آخری قول کے مطابق قصاص اسی صورت میں ہے جب ہتھیار کے ساتھ ہو۔

قتل کی اقسام:

قتل کے اقسام تو بہت ہیں مگر یہاں وہ قسمیں بیان کی ہیں جن سے یہ احکام متعلق ہوتے ہیں قصاص دیت کفارہ، میراث سے

محروم ہونا اور یہ قتل پانچ ہیں، قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قتل قائم مقام خطاء اور قتل بالسبب۔

❁ **قتل عمد:** جب کسی انسان کو مارنے کا ارادہ ہو اور اس کے لئے ایسا ہتھیار استعمال کیا جائے جو قتل کرنے والا ہے تو یہ قتل عمد ہے جیسے تلوار ریوالور بندوق، توپ، وغیرہ اور جیسے دھار دار لکڑی، دھار دار پتھر اور جیسے آگ لیکن اگر وزنی چیز سے کسی کو قتل کر دیا گیا مثلاً بڑا پتھر یا بڑی لاٹھی تو یہ قتل عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل شبہ عمد ہوگا لہذا اس میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی یہ امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا مشہور مذہب ہے۔

لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس مذہب کو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا تعلق انسان کے اپنے دل کے ارادے سے ہے اور دل کا ارادہ ایسی چیز ہے جو پوشیدہ ہے اس لئے ہم اس آلہ کے ذریعہ استدلال کریں گے جو آلہ اس نے استعمال کیا لہذا اگر اس شخص نے قتل کرنے کے لئے تلوار چھری وغیرہ استعمال کی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ اس نے جان بوجھ کر قتل کیا اس لیے کہ یہ آلات قتل ہی کے لئے استعمال ہوتے ہیں تادیب کے لئے استعمال نہیں ہوتے لہذا ان آلات کے استعمال میں قتل کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ یہ قتل عمد ہوا برخلاف لاٹھی اور پتھر کے کہ یہ اصلاً قتل کرنے کے لئے وضع نہیں ہوئے بلکہ یہ آلات تادیب کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان آلات میں دونوں احتمال موجود ہیں، قتل کرنا مقصود ہو یا صرف چوٹ مارنی مقصود ہو اس لئے شبہ پیدا ہو گیا اس شبہ کی وجہ سے قتل عمد ثابت نہ ہوگا یہ اس وقت ہے جب قاتل خود اس بات کا اقرار نہ کرے کہ میرا قتل کا ارادہ تھا لیکن اگر وہ اقرار کرلے اور پھر اس نے قتل میں لاٹھی یا پتھر استعمال کیا ہو تو اس صورت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی قتل عمد ہوگا۔

قتل عمد کا حکم یہ ہے کہ یہ تین چیزوں کو واجب کرتا ہے: ① - گناہ کبیرہ، ② - قصاص، ③ - میراث سے محروم ہونا۔ اور قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے۔ کیوں کے قتل عمد کے تذکرہ کے وقت قرآن میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوتا ہے ایسے ہی قتل عمد میں بھی کفارہ ہوگا کیوں کہ قتل عمد قتل خطاء سے بڑا ہے۔

قتل عمد سے گناہ ہوگا اس کا ثبوت اس آیت میں ہے ﴿ومن يقتل مومنا متعمداً الخ﴾ جس نے مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کا بدلہ دوزخ ہے اور قتل عمد کا بدلہ قصاص ہے اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ اور قاتل کے وراثت سے محروم ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اگر قتل کے باوجود میراث کا حقدار باقی رہتا تو بہت سے وارثین اپنے مورثین کو قبل الوقت قتل کر کے وراثت حاصل کر لیتے اس لئے ہر اس قتل کی وجہ سے محرومیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہو، اور قتل عمد میں ولی کو قصاص کو معاف کرنے کا بھی حق ہے اور معاف کرنا افضل ہے اور اس پر اجر کا وعدہ ہے۔

شبہ عمد: قتل عمد اور شبہ عمد سے متعلق امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفصیل ماقبل میں آچکی ہے جمہور فقہاء ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جس چیز سے عموماً قتل نہ کیا جاتا ہو اس سے قصداً مارنے سے شبہ عمد ہوگا ورنہ اگر چہ ہتھیار نہ ہو لیکن اس کے استعمال سے موت واقع ہو جاتی ہو تو ایسی چیز سے مارنے سے قتل عمد ہوگا لہذا لاٹھی وغیرہ سے اگر مارا تو بھی قتل عمد ہوگا اور بھاری پتھر سے اگر مارا تب بھی قتل عمد ہوگا البتہ اگر چھڑی سے مارا تو شبہ عمد ہے پھر جس انداز سے بھی قتل شبہ عمد ثابت ہو جائے چار چیزوں کو واجب کرتا ہے۔

① - گناہ کبیرہ، ② - کفارہ، ③ - دیت مغلظہ، ④ - میراث سے محروم ہونا۔

دیت مغلظہ: دیت کی تعداد ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا دو سو گائیں یا ایک سو اونٹ ۲۵ ایک سال کے ہوں ۲۵ دو سال کے ۲۵ تین سال کے ۲۵ چار سال کے۔

موجودہ دور میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے قول پر فتوی مناسب ہے:

اگر چہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مذہب یہی ہے کہ بھاری چیز سے قتل کرنے میں قصاص نہیں ہوتا لیکن جمہور کا مذہب بھی مضبوط اور قوی ہے اور جس طرح ہمارے زمانہ میں قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہے اس میں مجرموں کی حوصلہ شکنی اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اگر جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب اختیار کیا جائے تو مناسب ہے، چناں چہ متاخرین احناف رحمۃ اللہ علیہم نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو زہر پلا کر ہلاک کر دے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصل مذہب میں قصاص نہیں ہے۔

کیوں کہ قاتل نے زہر پلایا ہے دھار دار آلہ استعمال نہیں کیا اس لئے قتل عمد نہیں ہے بلکہ شبہ عمد ہے لیکن متاخرین حنفیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے قول پر فتوی دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ زمانہ میں جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے اور زہر پلانے والے آدمی سے بھی قصاص لیا جائے لہذا جس طرح زہر کے مسئلہ میں متاخرین احناف رحمۃ اللہ علیہم نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتوی دیا ہے اس طرح اگر ہمارے زمانہ میں مطابق انہیں کے قول پر فتوی دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص جب بھی کوئی ایسا آلہ استعمال کرے گا جس سے ہلاکت غالب ہو تو اس کو قتل عمد شمار کیا جائے گا تو ایسا کرنا مناسب ہوگا تا کہ صحیح معنی میں مجرموں کی سرکوبی ہو سکے۔

(درس ترمذی ۵/۴۱)

قتل خطاء: تیری قسم قتل خطاء ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک ارادہ کی خطاء دوسرے فعل کی خطاء اول کی مثال جیسے مار رہا تھا ہرن کو مگر وہ آدمی نکلا یہ ارادہ کی خطاء ہے، ثانی کی مثال جیسے کسی نشانہ پر تیر مارا مگر وہاں نہیں لگا بلکہ کسی آدمی کو لگ گیا یہ فعل کی خطاء ہے۔

بہر حال حکم دونوں کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ قتل خطاء تین چیزوں کو واجب کرتا ہے، ① - کفارہ کو، ② - دیت مغلظہ، ③ - حرمان المیراث اس قتل خطاء میں گناہ نہیں ملے گا کیوں کہ جان کر قتل نہیں کیا بلکہ غلطی سے قتل ہوا۔

❁ **قائم مقام خطاء:** جیسے سونے والا کسی پر گر جائے اور وہ مر جائے اس کا حکم بھی قتل خطاء کی طرح ہے کہ اس میں قصاص نہیں آتا دیت واجب ہوتی ہے، میراث سے محروم ہوتا ہے۔

❁ **قتل سبب:** پانچویں قسم قتل سبب ہے یعنی خود قتل نہیں کیا بلکہ ایسا سبب اختیار کیا جس سے آدمی گر کر مر جائے جیسے کسی نے ایسی زمین میں کنواں کھودا جو اس کی ملک نہیں ہے اس میں آدم گر کر مر گیا ایسے ہی دوسرے کی زمین میں بڑا سا پتھر رکھ دیا جس سے ٹھوکر کھا کر آدمی مر گیا تو یہ قتل سبب ہوا، دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودے تو جرم ہے اور اپنی ملکیت میں مناسب جگہ پر کنواں کھودا اور اس میں آدمی گر کر مر گیا تو یہ جرم نہیں ہے اس کے کھودنے والے پر دیت لازم نہیں ہوگی،

قتل سبب کا حکم یہ ہے کہ قتل سبب صرف دیت مغلظہ کو واجب کرتا ہے۔

568 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي رَجُلٍ رَمَى رَجُلاً بِسَهْمٍ فَأَنْفَذَهُ فَجَعَلَ فِيهِ ثُلُثَيِ الدِّيَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ فِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، فَإِنْ نَفَذَتْ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَفِيهَا ثُلُثَا الدِّيَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس آدمی کے بارے میں فرماتے ہیں جو کسی شخص پر تیر چلائے اور وہ اس کے جسم میں داخل ہو کر پار ہو جائے تو اس میں دو تہائی دیت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان سب باتوں کو اختیار کرتے ہیں جائفہ زخم میں ایک تہائی دیت ہے اگر دوسری جانب نکل جائے تو دو تہائی ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

جائفہ کی دیت:

جائفہ پیٹ کے زخم کو کہتے ہیں اس میں دیت کا ثلث آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی مروی ہے (نسائی، ابوداؤد) لیکن اگر زخم دوسری جانب تک نفوذ کر جائے تو یہ دو جائفہ کی طرح شمار ہوگا اور اس میں دیت کے دو ثلث آئیں گے جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تیر کے سلسلے میں اس طرح کا فیصلہ فرمایا تھا۔

569 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم قَالَ: كُلُّ شَيْءٍ كَانَ دُونَ النَّفْسِ يَتَعَمَّدُ الْإِنْسَانُ ضَرْبَهُ بِحَدِيدَةٍ أَوْ بِعَصًا أَوْ بِيَدٍ أَوْ بِقَصَبَةٍ أَوْ بِغَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ عَمْدٌ وَفِيهِ القصاص وَإِنْ كَانَ لَا يُسْتَطَاعُ فِيهِ الْقِصَاصُ فَهُوَ عَلَى الَّذِي جَنَى فِي مَالِهِ فَإِنْ ذَهَبَتْ مِنْهُ النَّفْسُ فَكَانَ بِحَدِيدَةٍ أَوْ بِسِلَاحٍ فَفِيهِ الْقِصَاصُ وإِن كَانَ بِغَيْرِ ذَلِكَ فَفِيهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ وَبِهِ نَأْخُذُ نَحْنُ أَيضًا إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا ضَرَبَهُ بِغير سِلَاحٍ يَقَعُ مَوْقِعَ السِّلَاحِ فَفِيهِ الْقَوَدُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق نفس کے علاوہ ہر وہ فعل جس میں انسان لوہے، لاٹھی، ہاتھ یا بانس وغیرہ کے ذریعے

مارنے کا ارادہ کرے تو وہ عمد ہے، اور اس میں قصاص ہے، اور اگر اس میں قصاص ممکن نہ ہو تو وہ (دیت) جنایت کرنے والے پر اس کے مال میں ہوگی۔ پس اگر اس سے جان چلی جائے تو لوہے سے ہو یا کسی ہتھیار سے اس میں قصاص ہے، اور اگر اس کے علاوہ ہو تو اس میں عاقلہ پر دیت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سب باتوں کو لیتے ہیں، اور ہم بھی ان کو لیتے ہیں، سوائے ایک صورت کے کہ جب وہ اسے ہتھیار کے علاوہ ایسی چیز سے مارے جو ہتھیار کے قائم مقام ہو، تو اس میں قصاص ہے، اور یہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارا قول ہے۔

جان کے علاوہ میں قصاص کا بیان:

اگر کسی نے دوسرے کا کوئی عضو کاٹا تو بعض صورتوں میں قصاص ہوتا ہے اور بعض میں نہیں اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس صورت میں برابری ممکن ہو وہاں قصاص ہوگا اور جہاں ممکن نہ ہو وہاں قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت واجب ہوگی، مثلاً ہاتھ گٹے سے کاٹا ہو یا کہنی سے یا پیر ٹخنہ سے یا گھٹنے سے تو دوسرے کا بھی اتنا ہی کاٹا جا سکتا ہے اسی طرح کان میں اور ناک کے نرم حصہ میں مماثلت ہو سکتی ہے لہذا ان میں قصاص ہوگا۔

بَابُ دِيَةِ الْخَطَاءِ وَمَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ

دیت خطاء اور عاقلہ جو دیت ادا کرے!

570 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي دِيَةِ الْخَطَاءِ وَ شِبْهِ الْعَمْدِ فِي النَّفْسِ عَلَى الْعَاقِلَةِ: عَلَى أَهْلِ الْوَرِقِ فِي ثَلَاثَةِ أَعْوَامٍ لِكُلِّ عَامٍ الثُّلُثُ وَ مَا كَانَ مِنْ جِرَاحَاتِ الْخِطَاءِ فَعَلَى الْعَاقِلَةِ عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ إِن بَلَغَتِ الْجِرَاحَةُ ثُلُثَيِ الدِّيَةِ فَفِي عَامَيْنِ وَ إِن كَانَ النِّصْفُ فَفِي عَامَيْنِ وَ إِن كَانَ الثُّلُثُ فَفِي عَامٍ وَ ذٰلِكَ كُلُّهُ عَلَى أَهْلِ الدِّيوَانِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ وَ ذٰلِكَ فِي أَعْطِيَةِ الْمُقَاتِلَةِ دُونَ أَعْطِيَةِ الذُّرِّيَّةِ وَالنِّسَاءِ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے، خطا اور شبہ عمد میں جان چلی جانے پر عاقلہ پر دیت کے بارے میں روایت ہے کہ چاندی کے مالکوں پر تین سالوں تک ہر سال میں ثلث لازم ہے، اور خطا زخموں میں اگر زخم دو تہائی دیت تک پہنچ جائے تو عاقلہ پر یعنی اہل دیوان پر، دو سالوں میں لازم ہے اور اگر نصف ہو تو بھی دو سالوں میں، اور اگر ایک تہائی ہو تو ایک سال میں لازم ہے اور یہ سب اہل دیوان پر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہ لڑنے والوں کے عطیہ سے ہوگا نہ کہ بچوں اور عورتوں کے عطیات سے، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

دیت کی لغوی تحقیق: دیۃ جمع دیات، خون بہا دینا، دیۃ میں تا واو کے عوض میں ہے کیوں کہ یہ **ودی** سے مشتق ہے۔
اصطلاحی تعریف: شریعت میں اس مال کو کہتے ہیں جو پورے نفس کا بدل قرار دیا گیا ہے اور ارش اس مال کو کہتے ہیں جو نفس سے کم میں واجب ہوتا ہے۔

دیت کبھی نفس کی ہوتی ہے اور کبھی اعضاء کی، پھر دیت **دو قسم** پر ہے: ① - دیت مغلظہ ② - دیت مخففہ۔

① - **دیت مغلظہ:** صرف اونٹ میں ہوتی ہے یعنی چار قسم کے اونٹ ملا کر ایک سو اونٹ دیت مغلظہ ہے۔

② - **دیت مخففہ:** وہ ہے کہ جو سونے و چاندی سے دی جائے۔ (بیان آگے آرہا ہے)

قتل خطاء کی دیت کی مقدار:

قتل خطاء کی دیت اگر اونٹ سے ادا کرنی ہو تو اس کی مقدار سو اونٹ ہے جس کے اندر یہ پانچ قسم کے اونٹ ہوں گے بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقے، بیس جذعے اور اگر قتل خطاء کی دیت سونے سے ادا کرنا چاہیں تو ایک ہزار دینار اس کی مقدار ہے اور اگر چاندی سے ادا کریں تو اس کی مقدار دس ہزار درہم ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ بارہ ہزار درہم ہیں اور سونے سے ایک ہزار دینار۔

قتل شبہ عمد کی دیت کی مقدار:

شبہ عمد کی دیت میں سو اونٹ واجب ہوں گے جس میں حسب مذکور چار قسمیں ہوں گی۔
شیخین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ پچیس بنت مخاض پچیس بنت لبون پچیس حقے پچیس جذعے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ شبہ عمد کی دیت میں تغلیظ ہے۔
حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہم نے چار قسم پر منقسم کرنے کو تغلیظ سمجھا، امام محمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دیت مغلظہ اس طرح ہے تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں، اگر شافعیہ رحمۃ اللہ علیہم کے قول کے مطابق چالیس اونٹنیاں ایسی دی جائیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں تو اس صورت میں دیت سو اونٹ نہیں رہے گی بلکہ ایک سو چالیس اونٹ ہو جائے گی حالانکہ دیت سو اونٹ ہیں۔

(انوار القدوری: کتاب الدیات ص 25، دار الاشاعت کراچی)

عاقلہ پر دیت کی تفصیل:

وذلك فی أعطية المقاتلة الخ: عاقلہ پر جو دیت ہے وہ تین سال میں دینا ہوگی، **عاقلہ عقل** سے اسم فاعل مؤنث

ہے، عقل دیت کو کہتے ہیں، اور عاقلہ کے معنی ہوئے: دیت برداشت کرنے والی جماعت، عاقلہ کا مدار چونکہ باہمی تعاون وتناصر پر ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جو مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے عاقلہ بنتے ہیں۔

دور حاضر میں عاقلہ کی تفصیل:

اس زمانے میں باہمی تعاون وتناصر کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔مثلا سیاسی جماعتیں، اہل حرمت تاجروں اور مزدوروں کی یونینز یا تنظیمیں وغیرہ۔اس لیے اگر قاتل سرکاری لوگوں میں سے نہیں تو وہ جماعت یا تنظیم اس کی عاقلہ ہوگی جس کے ساتھ اس کا تناصر کا تعلق ہے۔اور اگر قاتل نہ "اہل دیوان" میں سے ہے اور نہ کسی جماعت یا تنظیم کا رکن ہے تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہوں گے، اور ان پر وراثت کی ترتیب کے مطابق دیت واجب ہوگی، یعنی پہلے بیٹے پھر آباء، پھر بھائی، پھر بھتیجے، پھر چچے اور پھر چچازاد بھائی۔

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق عاقلہ کی کوئی بھی صورت موجود ہو تو دیت عاقلہ پر ہوگی، جو تین سال کے عرصہ میں وصول کی جائے گی اس طرح کہ ہر ایک شخص سے سال میں 33.1 درہم یعنی 536.4 گرام چاندی سے زیادہ نہیں لی جائے گی۔ بصورت دیگر دیت بیت المال سے دی جائے گی، اگر بیت المال کا نظام موجود نہ ہو یا بیت المال میں گنجائش نہ ہو تو پھر ساری دیت قاتل پر لازم ہوگی۔

یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ تمام تفصیل اس وقت ہے جب کسی علاقہ کے لوگوں میں باہمی تعاون وتناصر کا رواج ہو، لوگ مشکل وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں، ورنہ اگر کسی جگہ باہمی تعاون وتناصر کا سلسلہ نہیں ہے، اور ہم پیشہ لوگ ایک دوسرے کی طرف سے دیت دینے پر رضامند نہیں ہوتے، جیسا کہ آج کل اکثر علاقوں میں ایسا ہی ہے، اور بیت المال کا نظام بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں دیت صرف قاتل پر لازم ہوگی۔(الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي (5731/7) رد المحتار (434/28)

571- مُحمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ فِي أَدْنَى مِنَ الْمُوْضِحَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تعالیٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں موضع زخم سے کم میں عاقلہ دیت ادا نہیں کریں گے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عاقلہ پر موضحہ سے کم زخم میں دیت کا حکم:

موضحہ سے کم زخم میں دیت کے بیسویں حصے سے کم آتا ہے اور نصف عشر (یعنی دیت کے بیسویں حصہ) سے کم کا ضارب خود ذمہ دار ہوتا ہے عاقلہ پر نہیں آتی عاقلہ دیت کا بیسواں یا اس سے زائد حصہ ادا کرتے ہیں اس کے ادا کرنے میں انسان کو مشکل ہوتی ہے اور پریشانی آتی ہے اس سے کم ادا کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا اسی لئے اسے عاقلہ پر نہیں رکھا گیا بلکہ اسے مارنے والے پر لازم کیا گیا ہے۔

572 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ عَمَدًا وَ لَا صُلْحًا وَ لَا اعْتِرَافًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عاقلہ نہ قتل عمد کی دیت ادا کرے گی، اور نہ صلح کی اور نہ ہی اعتراف کی۔

573 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم قَالَ: مَا كَانَ مِنْ صُلْحٍ أَوْ اعْتِرَافٍ أَوْ عَمْدٍ فَهُوَ فِي مَالِ الرَّجُلِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو (دیت) صلح، اعتراف، یا قتل عمد کی صورت میں ہو تو وہ اس شخص کے مال سے دی جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور ہم اس کو لیتے ہیں اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

صلح، قتل عمد اور اقرار کی صورت میں تاوان کس پر؟

اقرار، صلح، اور قتل عمد کی صورت میں تاوان عاقلہ پر نہیں آتا بلکہ وہ قاتل اور ضارب کے مال پر آتا ہے اور جس قتل عمد میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے اس کی دیت بھی قاتل کے مال میں آئے گی، اس لئے کہ جو چیز صلح کے ذریعے لازم ہوتی ہے وہ گویا عقد کے ذریعے لازم ہوتی ہے اور عاقلہ اس کے متحمل نہیں ہوتے جو چیز عقد کی وجہ سے لازم ہو بلکہ عاقلہ اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں جو قتل کی وجہ سے لازم ہوا البتہ قتل عمد کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ قتلِ عمد کی دیت کے عاقلہ ذمہ دار نہیں ہیں۔

574 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم قَالَ: إِذَا شَهِدُوا أَنَّهُ ضَرَبَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ جَازَتْ شَهَادَتُهُمْ وَ لَمْ يُكَلَّفُوا غَيْرَ ذٰلِكَ . وَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فِي رَجُلٍ يُضْرَبُ فَيَمُوتُ فَيَشْهَدُ الشُّهُودُ أَنَّهُ لَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ، قَالَ: أَقِيدُهُ مِنْهُ وَآخُذُ لَهُ مِنَ الْعَاقِلَةِ الدِّيَةَ إِنْ كَانَ خَطَاءً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب (گواہ) گواہی دیں کہ اسے فلاں نے مارا ہے جبکہ وہ تندرست تھا، پھر وہ مسلسل بستر پر رہا یہاں تک کہ مر گیا، تو ان کی گواہی جائز ہے، اور انہیں مزید کسی بات کا مکلف نہیں بنایا جائے گا۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جسے مارا جائے اور وہ مر جائے، پھر گواہ گواہی دیں کہ وہ مسلسل بستر پر ہی رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو فرماتے ہیں: میں اس کے لئے اس سے قصاص لوں گا، اور اگر خطاء کے طور پر ہو تو عاقلہ سے دیت لوں گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان سب باتوں کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

اس میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قصداً عمداً زخمی کر دے اور وہ صاحب فِراش ہو کر مر جائے تو اس مارنے والے پر قصاص آئے گا اس لئے کہ وہ سببِ قتل بنا ہے اور موت اسی کی وجہ سے آئی ہے موت اور بیماری کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو

قصاص کو ساقط کردے، مثلاً تندرست ہو یا کسی اور کا اس کو جان سے مار ڈالنا۔ (بحر الرائق)

576- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبرَاهِيمَ قَالَ: تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ الْخَطَأَ كُلَّهُ إِلَّا مَا كَانَ دُونَ الْمُوضِحَةِ وَالسِّنِّ مِمَّا لَيْسَ فِيهِ أَرْشٌ مَعْلُومٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عاقلہ خطاء تمام صورتوں میں دیت دے گی، سوائے اس زخم کے جو موضحہ اور دانت سے کم درجے کا ہو، ان زخموں میں سے جن کا تاوان معلوم نہ ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ شبہِ عمد، خطاء اور نفسِ قتل کی وجہ سے جو دیت آتی ہے وہ عاقلہ پر آتی ہے، البتہ نصف عشر سے کم دیت کے ذمہ دار عاقلہ نہیں ہوں گے نصف عشر اور اس زائد کے ذمہ دار ہوں گے، نصفِ عشر سے کم دیت اس زیادتی کرنے والے کے مال میں آئی گی۔

576- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ وَالْقَلِيبُ جُبَارٌ وَالرِّجْلُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى. وَالْجُبَارُ الْهَدَرُ إِذَا سَارَ الرَّجُلُ عَلَى الدَّابَّةِ فَنَفَحَتْ بِرِجلِهَا وَهِيَ تَسِيرُ فَقَتَلَتْ رَجُلًا أَوْ جَرَحَتْهُ فَذٰلِكَ هَدَرٌ وَلَا يَجِبُ عَلَى عَاقِلَتِهٖ وَلَا غَيْرِهَا. وَالْعَجْمَاءُ: الدَّابَّةُ الْمُنفَلِتَةُ لَيْسَ لَهَا سَائِقٌ وَلَا رَاكِبٌ تُوطِئُ رَجُلًا فَتَقْتُلُهُ فَذٰلِكَ هَدَرٌ وَالْمَعْدِنُ وَالْقَلِيبُ: الرَّجُلُ يَسْتَأْجِرُ الرَّجُلَ يَحْفِرُ لَهٗ بِئْرًا أَوْ مَعْدِنًا فَيَسْقُطُ عَنْهُ فَيَمُوتُ فَذٰلِكَ هَدَرٌ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ وَلَا عَلَى عَاقِلَتِهٖ.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جانور (کا نقصان پہنچانا) معاف ہے، اور کنویں میں گر کر مر جانے سے خون معاف ہے، اور پاؤں سے روندنا معاف ہے، اور کان میں گر جانے والے کا خون معاف ہے اور خزانے میں پانچواں حصہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور جبار کا معنی ہے ہدر (رائیگاں) جب کوئی شخص سوار ہو کر جا رہا ہو، پھر وہ سواری چلتے ہوئے کسی کو پاؤں سے ایڑ لگائے، اور کسی کو قتل کر ڈالے، یا زخمی کر دے تو یہ (خون) معاف ہے اور نہ عاقلہ پر اور نہ ہی کسی اور پر یہ دیت واجب ہے۔ عجماء وہ جانور جو بدک جائے اور نہ ہی اسے کوئی ہانکنے والا ہو اور نہ ہی سوار، وہ کسی شخص کو روند کر قتل کر دے تو یہ بھی معاف ہے، اور معدن اور قلیب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کنواں، یا کان کھودنے کے لئے اجرت پر حاصل کرے اور وہ اس میں گر کر مر جائے تو یہ بھی معاف ہے، اور مستاجر پر کچھ بھی لازم نہیں، اور نہ ہی اس کی عاقلہ پر۔

لغات: القلیب: کنواں، الْهَدَرُ: ساقط، رائیگاں، معاف، فنفحت: جانور کا پاؤں سے مارنا، توطأ: پاؤں میں روندنا، المعدن:

قدرتی خزانہ، الرّکاز: وہ چیز جو زمین میں گاڑی گئی ہو۔

تشریح:

اس میں پانچ مسائل ہیں مگر دو میں تداخل ہے، اس طرح تین مسائل بن جاتے ہیں:

①- جانور کی جنایت ہدر ہے؟

الْعُجْمَاء جبارٌ... والرِّجل جُبَارٌ: ①- اگر چلتے چلتے جانور کسی کو ٹانگ یا دم مار دے اور جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو اس کی وجہ سے مالک یا عاقلہ پر ضمان نہیں آئے گا کیونکہ جانور کے ساتھ جب کوئی نہ ہو تو اس سے جان اور مال بچانا اپنی ذمہ داری ہوتی ہے، مذکورہ روایت میں یہی صورت بیان کی ہے۔

②- اگر جانور پر کوئی سوار ہو اور اس سے کوئی روندا جائے، یا اس کے ہاتھوں سے کوئی کسی کو نقصان پہنچے، یا وہ کسی کو کاٹ لے تو اس سوار پر ضمان آئے گا۔

③- اگر جانور راستے میں کھڑا ہو تو ہر صورت میں سوار اور مالک اس کا ضامن ہوگا، چاہے ٹانگ مارے یا دم، اس لئے کہ راستہ میں روکنے اور کھڑا کرنے کی وجہ سے وہ متعدی بن گیا۔

④- جانوروں کو ہنکانے والا اس کا ضامن ہوتا ہے جو اس جانور کے ہاتھ سے نقصان پہنچے اور اس کا بھی جو پاؤں سے پہنچے اور قائد (آگے سے پکڑ کر لے جانے والا) ہاتھ سے پہنچنے والے نقصان کا ضامن ہے، پاؤں سے پہنچنے والے نقصان کا ضامن نہیں۔

⑤- جو شخص اونٹوں کی قطار لے کر جا رہا ہو وہ اس کا ضامن ہوگا جو روندا گیا ہے، اگر اس کے پیچھے سے ہنکانے والا سائق بھی ہو تو قائد اور سائق دونوں پر ضمان آئے گا۔

②- کنویں اور معدن میں گر کر مرنے والا رائیگاں ہے:

والقَلِيبُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ: اگر کوئی شخص اپنی ملکیت میں کنواں کھودے اور کوئی شخص اس میں گر کر مر جائے، تو کنویں والے یا عاقلہ پر کوئی تاوان نہیں آئے گا، کیونکہ مالک نے کوئی تعدی نہیں کی، اسی طرح اگر مالک نے کسی کو معدن اور کنویں میں کام کرنے کے لئے رکھا اور مزدور اس میں گر کر مر گیا تو مالک یا عاقلہ پر ضمان نہیں۔

③- رکاز میں خمس کا حکم:

فی الرکاز الخمس: کنز اس خزانہ کو کہتے ہیں جو کسی انسان نے زمین میں رکھا ہو، اور معدن اس خزانہ اور اس چیز کو کہتے ہیں جو ابتداً اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کی ہو، اس کا خلق کیا ہو، کسی نے رکھا نہ ہو۔

رکاز کی تفسیر میں اختلاف ہے، ہمارے ہاں رکاز عام ہے، کنز اور معدن دونوں کو شامل ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کنز ہی کو رکاز کہتے ہیں، کنز اور رکاز مترادف ہیں، رکاز کا اطلاق معدن پر نہیں ہوتا، ثمرہ اختلاف یوں ظاہر ہوگا کہ جیسا کہ حدیث الباب اور جامع الترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وفی الرکاز الخمس یعنی رکاز میں خمس واجب ہے، اس میں پانچواں حصہ بیت المال کو دینا ہوگا، اور باقی چار حصے پانے والے کو ملیں گے، ہمارے ہاں چونکہ رکاز کا اطلاق کنز اور معدن دونوں پر ہوتا ہے، لہذا دونوں ہی میں خمس واجب ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کا اطلاق صرف کنز پر ہوتا ہے، اس لئے کنز میں خمس واجب ہے، معدن میں نہیں۔

دلائل احناف رحمۃ اللہ علیہم:

①......○کتاب الخراج للامام ابی یوسف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسول اللہ ﷺ: فی الرکاز الخمس قیل: وما الرکاز یارسول اللہ ﷺ قال: الذهب الذی خلقه الله تعالى فی الأرض یوم خلقت. یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ رکاز میں خمس ہے، تو کہا گیا رکاز کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سونا جو اللہ تعالیٰ نے اس دن زمین میں پیدا فرمایا، جس دن زمین وجود میں لائی گئی تھی۔

②......○لغت میں رکاز کا معنی ہے نصب کرنا، زمین میں گاڑنا، ثابت کرنا، اور رکاز مفعول، یعنی مرکوز کے معنی میں ہے، معنی ہو گا: مثبت فی الارض اور یہ معدن اور کنز دونوں کو شامل ہے، کیونکہ دونوں زمین میں ثابت ہوتے ہیں۔

③......○متعدد ائمہ، مثلاً ابن منظور افریقی، ابن اثیر جزری اور ابوعبید رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ لغت میں رکاز کا اطلاق معدن پر بھی ہوتا ہے۔ لہذا احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک روایۃً، درایۃً اور لغۃً راجح ہے۔

بَابُ قَوْمٍ حَفَرُوا حَائِطًا فَوَقَعَ عَلَيْهِمْ

دیوار کھودنے والوں پر دیوار گر جائے!

577 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْقَوْمِ يَحْفِرُونَ جِدَارًا فَوَقَعَ الْجِدَارُ عَلَيْهِمْ قَالَ: عَلَيْهِمُ الدِّيَةُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِلَّا أَنَّهُ يُرْفَعُ مِنْ دِيَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ حِصَّتُهُ فَإِنْ كَانُوا أَرْبَعَةً بَطَلَ رُبُعُ الدِّيَةِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ وَإِنْ كَانُوا ثَلَاثَةً بَطَلَ ثُلُثُ الدِّيَةِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں جو دیوار کھودتے ہیں تو وہ ان پر گر جاتی ہے، وہ فرماتے ہیں ان پر دیت ہے جو بعض نے بعض کو ادا کرنا ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں مگر یہ کہ ہر ایک کی

دیت سے اس کا حصہ نکال لیا جائے گا، اگر وہ چار ہوں تو ہر ایک کی دیت سے چوتھا حصہ باطل ہو جائے گا، اگر تین ہوں تو تیسرا حصہ باطل ہوگا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اس مسئلہ کا تعلق قتل بالسبب سے ہے چوں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حق میں جانی ومتعدی ہے لہذا ہر ایک کے حصہ سے ایک کم کر دیا جائے گا اس میں صرف دیت ہے کفارہ یا گناہ نہیں ہوگا۔

بَابُ دِيَةِ الْمَرْأَةِ وَجِرَاحَاتِهَا

عورتوں کی دیت اور زخم!

578 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَوْلُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَشُرَيْحٍ فِي جِرَاحَاتِ النِّسَاءِ وَالرِّجَالِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وإبراهيمَ نَأْخُذُ. كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: جِرَاحَاتُ النِّسَاءِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ جِرَاحَاتِ الرِّجَالِ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ و شُرَيْحٌ يَقُولَانِ: تَسْتَوِي فِي السِّنِّ وَالْمُوضِحَةِ ثُمَّ عَلَى النِّصْفِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ. وَكَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: يَسْتَوِيَانِ إِلَى ثُلُثِ الدِّيَةِ ثُمَّ عَلَى النِّصْفِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ. فَقَوْلُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: عَلَى النِّصْفِ فِي كُلِّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْنَا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورتوں اور مردوں کے زخموں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مجھے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور شریح رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے زیادہ پسند ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابرہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: عورتوں کے زخم ہر معاملے میں مردوں کے زخم سے نصف ہیں، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: دانت اور موضحہ زخم میں دونوں برابر ہیں، پھر ان کے علاوہ تمام نصف ہے۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: دونوں ایک تہائی دیت تک برابر ہیں پھر ان کے علاوہ نصف میں برابر ہیں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول کہ ہر چیز میں نصف ہے، ہمیں زیادہ پسند ہے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

اگر قتل نفس سے کم کا معاملہ ہو تو اس میں عورت ومرد کے درمیان قصاص نہیں ہے، چونکہ ان کی دیت میں فرق ہے اس لئے کہ ان میں مماثلت نہیں پائی جاتی لہذا قصاص بھی نہ ہوگا، اعضاء میں جو دیت مرد کی ہے عورت کی دیت مرد کی آدھی دیت کے برابر ہے۔

579 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: فِي حَلَمَةِ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَ فِي الْحَلَمَتَيْنِ الدِّيَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَفِي حَلَمَتَي الرَّجُلِ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت کے پستانوں کے ایک سرے میں آدھی دیت اور دونوں سروں میں پوری دیت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، اور مرد کے پستان کے سروں میں حکومت عدل ہے اور یہ سب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

چونکہ دونوں پستانوں کے کاٹنے میں جنس منفعت کا فوت کرنا ہے اس لئے اس میں پوری دیت ہوگی لیکن مرد کی دیت کے مقابلہ میں وہ آدھی ہوگی، ایک کے کاٹنے میں آدھی دیت آئے گی۔ مرد کی پستان میں چونکہ نہ تفویت منفعت ہے نہ تفویت جمال علی الکمال ہے اس لئے اس میں دیت نہیں آئے گی بلکہ حکومت عدل آئے گی اگر ایک کاٹی گئی ہے تو اس پر کم حکومت عدل ہوگی یعنی اس میں دونوں کی بنسبت کم تاوان آئے گا۔

بَابُ جِرَاحَاتِ الْعَبِيدِ

غلاموں کے زخم!

580 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : فِي سِنِّ الْعَبْدِ نِصْفُ عُشْرِ ثَمَنِهِ وَ قَالَ : جِرَاحَاتُ الْعَبْدِ. قَالَ مُحَمَّدٌ : أَظُنُّهُ قَالَ : عَلَى جِرَاحَاتِ الْحُرِّ مِنْ قِيمَتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ : فَبِهٰذَا كُلِّهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ وَ أَمَّا فِي قَوْلِنَا فَذٰلِكَ كُلُّهُ عَلَى مَا نُقِصَ الْعَبْدُ مِنْ قِيمَتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلام کا دانت توڑنے میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے، اور فرماتے ہیں غلام کے زخم، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے انہوں نے فرمایا: غلام کی قیمت سے آزاد کے زخموں کے مطابق ہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کو اختیار کرتے تھے، اور ہمارے قول کے مطابق یہ سب کچھ اس وقت ہے جب غلام کی قیمت کم ہو جائے۔

غلام کی جنایات کے احکام:

اگر کوئی شخص کسی غلام کو خطاءً قتل کر دے تو اس پر اس کی قیمت آئے گی لیکن وہ دس ہزار درہم سے زیادہ نہ ہوگی، اگر اس کی قیمت دس ہزار یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر نو ہزار نو سو نوے درہم لازم کر دیئے جائیں گے، اگر کسی نے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو اس میں اس کی قیمت کا نصف آئے گا جو چار ہزار نو سو نوے درہم سے زائد نہ ہوگی، اور آزاد آدمی کی جن چیزوں میں دیت آتی ہے اس کے مقابلہ پر غلام

میں اس کی قیمت آئے گی اور جن زخموں میں آزاد آدمی کے لیے نصف دیت آتی ہے ان میں غلام کے لیے نصف قیمت آئے گی۔

581- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَبْدِ يُقْتَلُ عَمْدًا. قَالَ: فِيهِ الْقَوَدُ فَإِن قُتِلَ خَطأً فَقِيمَتُهُ مَا بَلَغَ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُجْعَلُ مِثْلَ دِيَةِ الْحُرِّ وَيُنْقَصُ مِنْهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَإِنْ أُصِيبَ مِنَ الْعَبْدِ شَيْءٌ يَبْلُغُ ثَمَنَهُ دُفِعَ الْعَبْدُ إِلَى صَاحِبِهِ وَغَرِمَ ثَمَنَهُ كَامِلًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَبِهِ نَأْخُذُ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا أُصِيبَ مِنَ الْعَبْدِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ مِثْلَ الْعَيْنَيْنِ وَالْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ فَسَيِّدُهُ بِالْخِيَارِ إِن شَاءَ أَسْلَمَهُ بِرُمَّتِهِ وَأَخَذَ قِيمَتَهُ وَإِن شَاءَ أَمْسَكَهُ وَأَخَذَ مَا نَقَصَهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس غلام کے بارے میں فرماتے ہیں جسے جان بوجھ کر قتل کیا جائے، انہوں نے فرمایا: اس میں قصاص ہے اور اگر غلطی سے قتل کیا جائے تو اس کی قیمت ہوگی چاہے وہ جتنی بھی ہو، البتہ وہ آزاد کی دیت کو نہ پہنچے، اور اس کی قیمت سے دس درہم کم کیے جائیں گے، اور اگر غلام کی طرف سے کسی کو کچھ نقصان پہنچے جو اس کی قیمت کو پہنچتا ہو تو وہ غلام اس شخص کے حوالے کر دیا جائے اور اس پر اس کی پوری قیمت کا ضمان ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان تمام باتوں کو اختیار کرتے تھے اور ہم بھی ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں، البتہ ایک بات میں اختلاف ہے کہ جب غلام کی طرف سے اس قدر نقصان پہنچے جو اس کی قیمت کی مقدار کو پہنچے، مثلاً: آنکھوں، ہاتھوں اور پاؤں کے حوالے سے نقصان پہنچائے، تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو پورا غلام اس شخص کے حوالے کر دے اور (غلام سے) قیمت وصول کرے اور چاہے تو اسے روک لے اور جو نقصان ہوا وہ وصول کرے۔ (امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نقصان وصول نہیں کرسکتا)۔

تشریح:

اگر غلام کو عمداً مارا جائے تو اس کے قاتل پر قصاص آئے گا چاہے قاتل غلام ہو یا آزاد، اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا آنکھ، یہ ﴿الحر بالحر﴾ کے لیے ناسخ ہے۔

582- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَتَلَ الْعَبْدُ رَجُلًا حُرًّا عَمْدًا دُفِعَ الْعَبْدُ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَإِن شَاؤُوا عَفَوْا وَإِن شَاؤُوا قَتَلُوا فَإِنْ عَفَوْا رُدَّ الْعَبْدُ إِلَى مَوْلَاهُ لِأَنَّهُ إِنَّمَا كَانَ لَهُمُ الْقِصَاصُ وَلَمْ تَكُنْ لَهُمُ الدِّيَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی غلام کسی آزاد آدمی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو یہ غلام مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے، وہ چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر معاف کر دیں تو غلام اس کے مالکوں کی طرف لوٹایا جائے کیونکہ ان کو قصاص کے لئے دیا گیا تھا اور دیت واجب نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

غلام اگر کسی کو عمداً قتل کردے تو اس پر قصاص آتا ہے، مقتول کے ورثہ قصاص کے بجائے اسے اپنے پاس یونہی غلام بنا کر نہیں رکھ سکتے، قتل خطا کی صورت میں اس کے مولی سے کہا جائے گا یا اس جنایت کے بدلے اس غلام کو حوالے کردو یا اس کی طرف سے تاوان دو۔

بَابُ جِنَايَةِ الْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ

مکاتب مدبر اور ام ولد کی جنایت!

583 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبراهِيمَ أَنَّ جِنَايَةَ الْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ عَلَى الْمَوْلَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِلَّا أَنَّا نَرَى جِنَايَةَ الْمُكَاتَبِ عَلَيْهِ فِي قِيمَتِهِ يَكُونُ عَلَيْهِ أَقَلَّ مِنْ أَرْشِ الْجِنَايَةِ وَمِنْ قِيمَتِهِ وَأَمَّا الْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ فَعَلَى الْمَوْلَى الْأَقَلُّ مِنْ أَرْشِ جِنَايَتِهِمَا وَمِنْ قِيمَتِهِمَا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مکاتب مدبر اور ام ولد کی جنایت (کا تاوان) مولی پر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں البتہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مکاتب کی جنایت اس کی قیمت میں سے ہوگی، اس کی قیمت اور جنایت کے تاوان میں سے جو کم ہے وہ لازم ہوگا، اور جہاں تک مدبر اور ام ولد کی بات ہے تو مالک پر ان کی جنایت کے تاوان اور ان کی قیمت کا اقل ہے۔ تاوان اور ان کی قیمت سے جو کم ہو وہ لازم ہے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ام ولد، مدبر اور مکاتب کی جنایت کا حکم:

ام ولد، مدبر اور مکاتب میں سے کسی نے جنایت کی تو ضابطہ کے مطابق اس جنایت کا ضمان آقا کے ذمہ واجب ہوگا، البتہ آقا کے پاس یہ اختیار ہوگا کہ ارش اور غلام کی قیمت میں سے جو کم ہوگا وہ ادا کریگا، مثلاً غلام کی قیمت ہزار ہے اور ارش بارہ سو، تو آقا غلام کی قیمت ہزار ادا کریگا اور اگر ارش ہزار اور قیمت بارہ سو ہے تو ارش کے ہزار ادا کریگا۔

584 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُعْتَقَةِ عَنْ دُبُرٍ تَجْنِيَانِ قَالَ: يَضْمَنُ سَيِّدُهُمَا جِنَايَتَهُمَا؛ لِأَنَّ الْعِتَاقَةَ قَدْ جَرَتْ فِيهِمَا فَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَدْفَعَهُمَا وَلَا تَعْقِلُهُمَا الْعَاقِلَةُ لِأَنَّهُمَا مَمْلُوكَانِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، ام ولد اور وہ باندی جو مولی کے مرنے کے بعد آزاد ہو، دونوں جنایت کریں، ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ان کے مالک ان کی جنایت کے ضامن ہیں، کیونکہ آزادی ان دونوں میں جاری ہوگئی ہے، پس (مولی) ان کو دینے کی طاقت نہیں رکھتا، اور عاقلہ بھی ان کی دیت نہیں دے گی، کیونکہ یہ مملوک ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

غلام کی طرح مدبر اور ام ولد چاہے مرد ہو یا عورت اگر جنایت کرتے ہیں تو خود ان کو جنایت میں دینا جائز نہیں، اس لئے کہ ان کو آزادی کا استحقاق حاصل ہو چکا ہے اور اب یہ حق ان سے واپس نہیں لیا جا سکتا ہے، لہٰذا جنایت کے بدلے میں ان کی طرف سے آقا ضمان ادا کرنے کا پابند ہوگا، اور اسی طرح عاقلہ پر بھی ان کا ضمان نہیں آئے گا اس لئے کہ یہ مولی کے مملوک ہیں اور عاقلہ پر کسی مملوک کا ضمان نہیں آتا۔

585- مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: الْمُكَاتَبُ فِي الْحُدُودِ وَالشَّهَادَةِ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مکاتب حدود اور گواہی کے معاملے میں غلام ہی ہے جب تک کہ اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

مکاتب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے؟

مکاتب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ غلام ہی رہتا ہے جب تک پورا بدلِ کتابت ادا نہ کرے آزاد نہیں ہوتا لہٰذا پوری آزادی ملنے تک وہ حدود و شہادت کے باب میں غلام کے حکم میں ہی رہے گا۔

بَابُ دِيَةِ الْمُعَاهِدِ

معاہد کی دیت!

586- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. قَالُوا: دِيَةُ الْمُعَاهِدِ دِيَةُ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: حضرت ہیثم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا: معاہد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

لغات: المُعاهِد: معاہدہ کرنے والا، کسی ذمہ داری کو قبول کرنے والا، اس سے مراد ذمی ہے جو اسلامی حکومت میں رہتا ہے اور ٹیکس ادا کرتا ہے، اس کے عوض حکومت اس کی جان اور مال کی حفاظت کرتی ہے۔

587- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: دِيَةُ الْمُعَاهِدِ دِيَةُ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معاہد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

588- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الْعَطُوفِ عَنِ الزُّهْرِي عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. أَنَّهُمْ جَعَلُوا دِيَةَ النَّصْرَانِيِّ وَدِيَةَ الْيَهُودِي مِثْلَ دِيَةِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ وَكَذَلِكَ الْمَجُوسِيُّ

عِنْدَنَا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نصرانی اور یہودی کی دیت کو آزاد مسلمان کی دیت کے برابر رکھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور ہمارے نزدیک مجوسی کا بھی یہی حکم ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ذمی کی دیت کتنی ہوگی:

جو کافر دارالاسلام میں ٹیکس دے کر رہتا ہے اس کو ذمی کہتے ہیں اس کو اگر کوئی غلطی سے قتل کر دے تو اس کی دیت مسلمان ہی کی طرح سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں، یہی جمہور علماء کا مذہب ہے دلیل قرآن کریم کی آیت ہے ﴿ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ ﴾ یعنی اگر ایسی قوم میں مقتول ہو کہ جس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کی دیت اس کے خاندان والوں کے سپرد کر دی جائے گی اس آیت میں دیت کا لفظ مطلق ہے اور مسلمان کی دیت اور ذمی کی دیت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، بعض روایات میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے یا تو نصف قرار دیا گیا ہے یا ثلث اور بعض فقہاء نے ان کو اختیار کیا ہے، لیکن وہ تمام روایات اس آیت قرآنی کے مقابلہ میں مرجوح ہیں۔ (درس ترمذی ۵/۴۷)

589۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْحِيرَةِ فَكَتَبَ فِيهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنْ يُدْفَعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْقَتِيلِ فَإِنْ شَاؤُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاؤُوا عَفَوا، فَدُفِعَ الرَّجُلُ إِلَى وَلِيِّ الْمَقْتُولِ إِلَى رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ حَنِينٌ مِنْ أَهْلِ الْحِيرَةِ. فَقَتَلَهُ فَكَتَبَ فِيهِ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعْدَ ذَلِكَ: إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَمْ يُقْتَلْ فَلَا تَقْتُلُوهُ. فَرَأَوْا أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَرَادَ أَنْ يُرْضِيَهُمْ بِالدِّيَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا قَتَلَ الْمُسْلِمُ الْمُعَاهِدَ عَمْدًا قُتِلَ بِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَكَذَلِكَ بَلَغَنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَتَلَ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ وَقَالَ: أَنَا أَحَقُّ مَنْ وَفَى ذِمَّتَهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بکر بن وائل قبیلہ کے ایک شخص نے حیرہ والوں میں سے ایک شخص کو قتل کیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں لکھا کہ اسے مقتول کے اولیاء کے حوالے کر دیا جائے، پس اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں، اور اگر چاہیں تو معاف کر دیں، چنانچہ اس قاتل کو مقتول کے ولی کے حوالے کر دیا گیا جس کا نام حنین تھا اور وہ حیرہ والوں میں سے تھا، اس نے اسے قتل کر دیا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں لکھا: اگر اس شخص کو قتل نہیں کیا گیا تو اسے قتل نہ کرو، انہوں نے یہ سمجھا کہ عمر رضی اللہ عنہ انہیں دیت لے کر راضی کرنا چاہتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں کہ جب مسلمان، معاہد کو عمداً قتل کرے تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے بھی معاہد کے بدلے مسلمان کو قتل کیا، اور کہا: میں وعدہ پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔

تشریح:

ابھی گزر چکا ہے کہ اگر مسلمان کسی معاہد ذمی کو عمداً قتل کر دے تو اس کے بدلے قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا اسی لیے کہ ان کا دم ہمارے دم کی طرح ہے اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا تھا لیکن مسلمان کو اس کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا جو امان لے کر رہ رہا ہو اس لیے کہ وہ علی سبیل التابید محفوظ الدم نہیں ہے۔

بَابُ ارْتِدَادِ الْمَرْأَةِ عَنِ الْإِسْلَامِ

عورت کا اسلام سے مرتد ہو جانا!

590- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النُّجُودِ عَنْ أَبِي رَزِينٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَا تُقْتَلُ النِّسَاءُ إِذَا ارْتَدَدْنَ عَنِ الْإِسْلَامِ وَيُجْبَرْنَ عَلَيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَكِنَّا نَحْبِسُهَا فِي السِّجْنِ حَتَّى تَمُوتَ أَوْ تَتُوبَ إِلَّا الْأَمَةَ فَإِنْ كَانَ أَهْلُهَا مُحْتَاجِينَ إِلَى خِدْمَتِهَا أَجْبَرْنَاهَا عَلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَتْ دَفَعْنَاهَا إِلَى مَوَالِيهَا فَاسْتَخْدَمُوهَا وَأَجْبَرُوهَا عَلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ قَتَلَ الْمُرْتَدَّةَ قَاتِلٌ وَهِيَ حُرَّةٌ أَوْ أَمَةٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ مِنْ دِيَةٍ وَلَا قِيمَةٍ وَلَكِنَّا نَكْرَهُ ذَلِكَ لَهُ فَإِنْ رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُؤَدِّبَهُ أَدَّبَهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عورتیں اگر اسلام سے مرتد ہو جائیں تو انہیں قتل نہیں کیا جائے گا، اور ان کو اسلام پر مجبور کیا جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور ہم اسے قید میں محبوس کر لیں گے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے یا مر جائے، سوائے باندی کے کہ اگر اس کے مالک اس کی خدمت کے محتاج ہوں تو ہم اسے اسلام پر مجبور کریں گے، پھر اگر وہ انکار کر دے، تو اسے اس کے مالکوں کے حوالے کر دیں گے، وہ اس سے خدمت لیں گے اور اسے اسلام پر مجبور کرتے رہیں گے، اور اگر کوئی قاتل مرتدہ کو قتل کر دے چاہے وہ (مرتدہ) آزاد ہو یا باندی، تو اس پر کوئی دیت اور قیمت لازم نہیں ہے، لیکن ہم اسے ناپسند گردانتے ہیں، اور اگر امام اس کی تادیب میں مصلحت دیکھے تو اسے تادیب کرے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

591- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إبراهيم أَنَّهُ قَالَ: تُقْتَلُ الْمَرْأَةُ إِذَا ارْتَدَّتْ عَنِ الْإِسْلَامِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت جب اسلام سے پھر جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسے نہیں لیتے۔

تشریح:

اگر کوئی شخص مسلمان ہو پھر العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی اگر کوئی شبہ ہو تو

اسے دور کیا جائے گا پھر وہ اگر ایمان لے آیا تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، حدیث میں آتا ہے کہ جو اپنے دین کو تبدیل کر دے اسے قتل کر دو البتہ عورت یا خنثی یا بچہ اگر یہ حرکت کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید میں ڈال دیا جائے گا تاکہ سوچ کر دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائے یا اپنے کیے کی سزا بھگتے اور جیل میں پڑی سڑتی رہے۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ فَعَفَا بَعْضُ الْأَوْلِيَاءِ

قاتل کو مقتول کے بعض اولیاء معاف کر دیں!

592- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ قَتَلَ عَمْدًا فَأَمَرَ بِقَتْلِهِ فَعَفَا بَعْضُ الْأَوْلِيَاءِ فَأَمَرَ بِقَتْلِهِ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَانَتِ النَّفْسُ لَهُمْ جَمِيعًا فَلَمَّا عَفَا هٰذَا أَحْيَا النَّفْسَ فَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَأْخُذَ حَقَّهُ يَعْنِي الَّذِي لَمْ يَعْفُ حَتَّى يَأْخُذَ حَقَّ غَيْرِهِ. قَالَ: فَمَا تَرَى؟ قَالَ: أَرَى أَنْ تَجْعَلَ الدِّيَةَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ وَتَرْفَعَ عَنْهُ حِصَّةَ الَّذِي عَفَا. قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَأَنَا أَرَى ذٰلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَنَا أَرَى ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے عمداً قتل کیا تھا، تو آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا، تو بعض اولیاء نے معاف کر دیا، آپ نے پھر بھی اسے قتل کرنے کا حکم دیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جان لینے کا حق ان سب کو تھا، پس جب اس نے اسے معاف کر دیا تو اس نے نفس کو زندہ کر دیا، لہذا اپنا حق لینے کی طاقت اب اس کے پاس نہیں ہے یعنی جس نے معاف نہیں کیا، یہاں تک کہ کسی غیر کا حق لے، انہوں نے کہا: آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کے مال میں دیت لازم کر دیں، اور اس کا حصہ ختم کر دیں جس نے اسے معاف کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی یہی درست سمجھتا ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں بھی یہی درست سمجھتا ہوں اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

593- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَنْ عَفَا مِنْ ذِي سَهْمٍ فَعَفْوُهُ عَفْوٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ مَنْ عَفَا مِنْ زَوْجَةٍ أَوْ زَوْجٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ مِنْ أُمٍّ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ فَعَفْوُهُ جَائِزٌ وَقَدْ حُقِنَ الدَّمُ وَلِلْبَقِيَّةِ حِصَّتُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس حصہ دار نے معاف کر دیا تو اس کا معاف کرنا معافی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، بیوی، شوہر، والدہ، ماں شریک بھائی یا اس کے علاوہ جو بھی معاف کر دے تو ان کی معافی درست ہے، اور خون محفوظ ہو گیا، اور باقیوں کے لئے دیت سے ان کا حصہ ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: حُقِنَ: جمع کرنا، روک لینا، خون کی حفاظت کرنا، جان بچانا۔

مقتول کے سرپرست اگر قاتل کے سرپرست سے قصاص کے بجائے پیسے وغیرہ پر صلح کرلیں؟

مقتول کے سرپرست اگر قاتل کے سرپرست سے قصاص کے بجائے پیسے وغیرہ پر صلح کرلیں تو قصاص ساقط ہوجاتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة، 178) ہاں جس کسی کو اس کے فریق مقابل کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہوجائے سو مطالبہ معقول (اور نرم) طریق پر کرنا چاہیے اور مطالبہ کو اس (فریق) کے پاس خوبی سے پہنچادینا چاہیے۔

یہ آیت صلح کے بارے میں نازل ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا کوئی آدمی مارا جائے تو اس کے ذمہ داروں کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے قصاص لیں چاہیں اس کے بدلے تاوان لے لیں، اس کی قسم کی صلح میں تاوان میں جو چاہیں طے کریں کم ہو یا زیادہ خواہ مقدار دیت سے زائد پر صلح کریں سب جائز ہے، اگر شرکاء میں سے کوئی شخص قصاص معاف کردے یا اپنے حصے کے بدلے عوض لینے پر رضامند ہوجائے تو باقی ماندہ ورثہ کا حقِ قصاص ختم ہوجاتا ہے، اس لیے کہ قصاص تجزی کو قبول نہیں کرتا، کچھ حصہ ساقط ہوجائے گا تو پورا ساقط ہوجائے گا البتہ باقی ماندہ ورثہ کو دیت میں سے ان کے حصے کے بمقدار مل جائے گا، معاف کرنے والے کا حصہ ساقط ہوجائے گا۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ أَوْ ذَا قَرَابَتِهِ

جو شخص اپنے غلام یا قرابت دار کو قتل کرے!

594 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ لِأُمِّ وَلَدِهِ: انْطَلِقِي فَارْعَى هَذَا الْبَهْمَ فَقَالَ إِبْنُهَا: إِذَا أَذْهَبُ فَأَحْبِسُهَا فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يُطِيفَ بِهَا عَبْدَانُ النَّاسِ. قَالَ: إِنَّكَ لَهُهُنَا؟ ثُمَّ حَذَفَهُ بِسَيْفٍ يَقْتُلُهُ فَقَطَعَ رِجْلَهُ فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَأَمَرَ بِقَتْلِهِ فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ الْأَبِ وَبَيْنَ الإِبن قِصَاصٌ وَلَكِنَّ الدِّيَةَ فِي مَالِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ مَنْ قَتَلَ ابْنَهُ عَمَدًا لَمْ يُقْتَلْ بِهِ وَلَكِنَّ الدِّيَةَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ يُؤَدِّي فِي كُلِّ سَنَةٍ الثُّلُثَ مِنَ الدِّيَةِ وَلَا يَرِثُ مِنَ الدِّيَةِ وَلَا مِنْ مَالِ ابْنِهِ شَيْئًا وَيَرِثُهُ أَقْرَبُ النَّاسِ مِنَ الإِبْنِ بَعْدَ الْأَبِ وَلَا يَحْجُبُ الْأَبُ عَنِ الْمِيرَاثِ أَحَدًا وَهُوَ فِي ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْمَيِّتِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ایک شخص نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے اپنی ام ولد (اپنے بچے کی باندی ماں) سے کہا کہ جاؤ اور یہ جانور چراؤ، تو اس باندی کے بیٹے نے کہا: پھر میں بھی جاؤں گا اور اس کی حفاظت کروں گا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگوں کے غلام اس کے ارد گرد چکر لگائیں گے، تو اس نے کہا: تو یہاں تک پہنچ گیا ہے؟ (کہ مجھ سے مکالمہ کرے) پھر اس نے اس پر قتل کرنے کی

نیت سے تلوار سے حملہ کیا، اور اس کا پاؤں کاٹا پھر یہ معاملہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچایا گیا، تو انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: باپ اور بیٹے کے درمیان قصاص جاری نہیں ہوسکتا، البتہ اس کے مال سے دیت لازم ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں کہ جس نے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو اسے اس کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اس پر اس کے مال سے تین سالوں تک دیت لازم ہوگی، ہر سال میں دیت کا ایک ثلث ادا کرے گا اور وہ نہ دیت کا وارث بنے گا اور نہ ہی اپنے بیٹے کے مال میں سے کسی چیز کا، اور اس کا وارث وہ بیٹا ہوگا جو باپ کے بعد سب سے زیادہ قریب ہوگا، اور باپ کسی کو میراث سے محجوب نہیں کرے گا، اور وہ اس معاملے میں میت کی طرح ہے، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: انطلق: ، چلے جانا، گزر جانا، فارعی: بمعنی چرانا، گھاس چرانا، البھم: بھمۃ کی جمع ہے، بکری یا بھیڑ کا بچہ، یطیف: باب افعال، کسی کے پاس آنا، قریب ہونا گھیرنا۔ حذفۃ: باب ضرب، کاٹنا۔

بیٹے کے قصاص میں باپ کو قتل کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو بیٹے کے لیے باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اور اس کی کئی وجوہ ہیں

① - حدیث شریف: "عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، يَقُولُ: لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ" عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: "باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا"۔

② - عام طور سے والد اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرتا، اس لئے کہ اسے اس سے بڑی محبت اور تعلق ہوتا ہے، یہ اس کا گوشہ جگر ہوتا ہے، لہذا قصاص ساقط کرنے کے لیے یہ شبہ بن جائے گا اور حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔

③ - باپ بیٹے کی وجہ سے مستحق عقوبت نہیں بنتا۔

④ - باپ اولاد کو وجود میں لانے کا سبب ہے، لہذا یہ محال ہے کہ بیٹا اس کے قتل کرنے کا سبب بنے یہی وجہ ہے کہ اگر باپ کو مشرکوں کی صف میں جنگ کرتا ہوا پائے یا اسے زنا کرتے دیکھے تب بھی اسے قتل نہیں کرے گا، لہذا باپ بیٹے کو اگر قصداً قتل کر دے تو باپ پر قصاص نہیں ہے، ہاں باپ کے مال میں دیت آئے گی، جو تین سال میں دینا ہوگی، جیسے دیت خطاء اور شبہ عمد جو قسطوں میں دینا ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی قسطوں میں دی جائے گی، باپ چونکہ قاتل ہے اور قاتل مقتول کے مال کا وارث نہیں بنتا، اس لیے باپ بیٹے کے مال اور اس کی دیت کے حصے میں سے کسی کا وارث نہیں بنے گا، اس مقتول کا وارث اس کا بھائی بنے گا، کیونکہ باپ کے بعد سب سے قریبی بھائی ہوتا ہے، باپ مردہ تصور ہوگا، نہ وہ کسی کے لئے حاجبِ حرمان بنے گا اور نہ حاجبِ نقصان، اپنی لونڈی سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی حقیقی اولاد کی طرح ہوتا ہے، لہذا اس کے قتل پر بھی باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں ہے۔

باپ بیٹے کو اگر قصداً قتل کر دے تو باپ کے مال میں دیت آئے گی جو تین سال میں دینا ہوگی جیسے دیت خطاء اور شبہ عمد قسطوں

میں دینا ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی قسطوں میں دی جائے گی، باپ چوں کہ قاتل ہے اور قاتل مقتول کے مال کا وارث نہیں بنتا اس لیے باپ بیٹے کے مال اور اس دیت کے حصہ میں سے کسی کا وارث نہیں بنے گا۔ (المختار)

595 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهُ عَمْدًا، قَالَ: يُدْفَعُ إِلَى أَوْلِيَائِهِ فَإِنْ شَاؤُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاؤُوا عَفَوا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهٰذَا لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ سَيِّدِهِ قِصَاصٌ وَلٰكِنَّ السَّيِّدَ يُوجَعُ ضَرْبًا وَيُسْتَوْدَعُ السِّجْنَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق روایت ہے جس نے اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل کر دیا وہ فرماتے ہیں: اسے اس کے اولیاء کے سپرد کر دیا جائے گا، پھر اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کریں، اور چاہیں تو معاف کر دیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسے نہیں لیتے، غلام اور اس کے مالک کے درمیان قصاص جاری نہیں ہوسکتا، البتہ مالک کو مار کر سزا دی جائے گی، اور قید کے حوالے کیا جائے گا، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: یوجع: درد پہنچانا، تکلیف دینا، مستودع: از استفعال، کسی کے پاس کوئی امانت اور ودیعت رکھنا۔

آقا اپنے غلام، مدبر اور اولاد کے غلام کے قتل کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا:

جس طرح باپ کو بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا اسی طرح آقا اپنے غلام، مدبر، مکاتب اور اولاد کے غلام کے قتل کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا، غلام چوں کہ انسان کا مال ہے اور اپنے مال کے ضائع کرنے کی وجہ سے کسی پر کچھ نہیں آتا، غلام مدبر مکاتب ہو تب بھی یہی حکم ہے اس لیے کہ مدبر بھی غلام ہوتا ہے اور مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی ہو وہ غلام ہی رہتا ہے، اسی طرح اگر کسی ایسے غلام کو جس کے کسی جزء کا مالک ہے قتل کر دے تب بھی ایسے آقا کو اس کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ قصاص تجزی کو قبول نہیں کرتا بیٹے کا غلام بھی اپنے غلام کے حکم میں ہے حدیث میں آتا ہے تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لیے ہے، اس لیے باپ پر بیٹے کی باندی سے وطی کرنے کی وجہ سے حد نہیں آتی، اسی طرح اس پر قصاص بھی نہیں آئے گا، البتہ مولی پر غلام مدبر مکاتب اور بیٹے کے غلام کے قتل کی وجہ سے کفارہ آئے گا۔

بَابُ مَنْ وُجِدَ فِي دَارِهِ قَتِيلٌ

جس شخص کے گھر میں مقتول پایا گیا!

596 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَطْرُقُ الرَّجُلَ فِي دَارِهِ فَيُصْبِحُ مَيِّتًا فَيَدَّعِي صَاحِبُ الدَّارِ أَنَّهُ قَاتِلُهُ وَأَنَّهُ كَابَرَهُ فَلِذٰلِكَ قَتَلَهُ. قَالَ: يُنْظَرُ فِي الْمَقْتُولِ فَإِنْ كَانَ دَاعِرًا يُتَّهَمُ بِالسَّرِقَةِ بَطَلَ دَمُهُ وَكَانَتْ عَلَيْهِ الدِّيَةُ وَإِنْ كَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يُعْلَمُ مِنْهُ إِلَّا خَيْرٌ قُتِلَ بِهِ وَإِنِ ادَّعَى صَاحِبُ الدَّارِ

أَنَّهُ وَجَدَهُ عَلَى بَطْنِ امْرَأَتِهِ فَلِذٰلِكَ قَتَلَهُ قَالَ: يُنْظَرُ فَإِنْ كَانَ دَاعِرًا يُتَّهَمُ بِالزِّنَا بَطَلَ الْقِصَاصُ وَكَانَتْ عَلَيْهِ الدِّيَةُ وَ إِن كَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يُعْلَمُ مِنْهُ إِلَّا خَيْرٌ قُتِلَ هٰذَا بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي السَّرِقَةِ وَأَمَّا الْفُجُورُ فَلَا أَحْفَظُ ذٰلِكَ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے متعلق روایت ہے جو کسی شخص کے گھر رات گزارے اور صبح کو وہ مردہ پایا گیا تو گھر والے نے دعویٰ کیا کہ وہی اس کا قاتل ہے، اور اس نے اس (گھر والے) سے لڑائی اور مقابلہ کیا تھا، اس وجہ سے اس نے اسے مار دیا، فرمایا: مقتول کو دیکھا جائے گا، اگر تو وہ ایسا فسادی ہو جس پر چوری کی تہمت لگ سکتی ہو تو اس کا خون رائیگاں جائے گا، اور اس پر دیت ہوگی اور اگر اس پر کوئی تہمت نہیں آسکتی تھی، اور اس کے بارے میں صرف بھلائی ہی معلوم ہوئی ہو تو اسے (قاتل کو) قتل کر دیا جائے گا، اور اگر گھر والا یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اسے اپنی بیوی کے پیٹ پر پایا تھا اس وجہ سے اس نے اسے قتل کیا تو فرمایا: دیکھا جائے گا کہ اگر وہ فسادی ہو کہ اس پر زنا کی تہمت لگ سکتی تھی تو قصاص باطل ہو جائیگا اور قاتل پر دیت لازم ہوگی، اور اگر اس پر کسی چیز کی تہمت نہ لگ سکتی ہو اور اس کے بارے میں صرف بھلائی کی باتیں ہی معلوم ہوں تو اسے (قاتل کو) قتل کر دیا جائیگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، اور یہ چوری کے بارے میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے، اور زنا کے بارے میں مجھے آپ سے روایت یاد نہیں۔

لغات: يَطْرُقُ: رات کے وقت آنے والا، كَابَرَ: بڑا، مخالف ومعاند۔ دَاعِرًا: بدکار، مفسد، اس کی جمع دُعار ہے۔

محض کسی قاتل کے دعویٰ کی وجہ سے اس کی بات نہیں مانی جائے گی:

محض کسی قاتل کے دعویٰ کی وجہ سے اس کی بات نہیں مانی جائے گی بلکہ تحقیق کی جائے گی گواہی لی جائے گی، اگر اس سے اس کی بات تصدیق ہو جائے تو قصاص ختم ہو جاتا ہے اگر کسی کے گھر میں کوئی مقتول ملے تو اس سے قسم لی جائے گی اس لیے کہ مکان اس کے قبضہ میں ہے اور جیسے قسم میں محلہ والوں کے ساتھ شہر والے شامل نہیں ہوتے، اسی طرح محلے والے اس گھر والے کے ساتھ قسم میں شامل نہ ہوں گے، صرف اسے قسم اٹھانا پڑے گی، البتہ اس کے عاقلہ پر دیت آئے گی، اگر مقتول بدکرداری اور چوری چکاری میں مشہور ہو تو اس پر قصاص نہیں آئے گا، قسم آئے گی لیکن اگر وہ نیک شخص ہو تو اس گھر والے کو اس کے قتل کی وجہ سے قصاصاً قتل کر دیا جائے گا یہی صورتِ حال اس صورت میں بھی ہے جب گھر والا اس مقتول پر زنا کی تہمت لگائے۔

بَابُ اللِّعَانِ وَالْانْتِفَاءِ مِنَ الْوَلَدِ

لعان اور بچے کی نفی!

597۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ فِي رَجُلٍ انْتَفَى مِنْ وَلَدِهِ وَلَاعَنَ فَفُرِّقَ

بَيْنَهُمَا فَقَذَفَهُ أَبُوهُ الَّذِي انْتَفَى مِنْهُ أَوْ قَذَفَ أُمَّهُ قَالَ: إِنْ قَذَفَهُ أَبُوهُ الَّذِي انْتَفَى مِنْهُ أَوْ غَيْرُهُ مِنَ النَّاسِ كُلُّهُمْ أَوْ قَذَفَ أُمَّهُ فَإِنَّهُ يُجْلَدُ، وَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يُجْلَدُ فِي قَذْفِ الْأُمِّ مَنْ قَذَفَهَا. لِأَنَّ مَعَهَا وَلَدًا لَا نَسَبَ لَهُ وَمَنْ قَذَفَ الْوَلَدَ فِي نَفْسِهِ خَاصَّةً فَقَالَ لَهُ: يَا زَانِ! ضُرِبَ الْحَدُّ وَ كَذٰلِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے متعلق کہتے ہیں جس نے اپنے بچے کی نفی کی ہو، اور لعان کیا ہو، اور ان کے درمیان تفریق کردی گئی ہو پس اس شخص نے اس کی کردہ بچے یا اس کی ماں پر تہمت لگائی ہو، تو فرمایا: اگر اس باپ نے تہمت لگائی جس نے اس کی نفی کی ہو یا اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے تہمت لگائی ہو تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ماں کی تہمت میں اس شخص کو کوڑے نہ لگائے جائیں جس نے تہمت لگائی، کیونکہ اس کے ساتھ ایسا بچہ ہے جس کا کوئی نسب نہیں ہے، اور جس نے خاص طور بچے پر تہمت لگائی اور کہا: اے زانی تو اس شخص پر حد جاری کی جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح فرمایا۔

تشریح:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ دونوں شہادت دینے کے اہل ہوں اور عورت عفیفہ اور زنا سے بری اور غیر متہم ہو یا کوئی اپنی بیوی کے بیٹے کی نفی کرے کہ یہ مجھ سے نہیں ہے اور عورت اس سے لعان کا مطالبہ کرے تو مرد پر لعان لازم ہوگا وہ اگر لعان نہ کرے تو قاضی اسے قید کرلے گا یہاں تک کہ وہ یا لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے اور اسے حد لگا دی جائے، اگر مرد لعان کرلے تو عورت پر لعان واجب ہوجاتا ہے اگر وہ لعان نہ کرے تو حاکم اسے قید کردے گا جب تک وہ لعان نہ کرے یا شوہر کی بات کی تصدیق نہ کرے اور اسے حدِ زنا نہ لگ جائے۔

اگر شوہر شہادت دینے کا اہل ہو لیکن عورت باندی یا کافر ہو یا اسے حد قذف لگی ہو یا ایسی ہو کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگائی جاتی ہو (مثلاً یہ کہ بچی، دیوانی یا زانیہ ہو) تو مرد پر حد قذف نہیں آئے گی اور نہ لعان ہوگا، لعان کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے جب دونوں لعان کرلیں تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے گا اور طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں یہ تفریق طلاق بائن ہوگی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسے ابدی حرام قرار دیتے ہیں۔

تہمت اگر بچے کے بارے میں لگائی ہو تو قاضی اس کا نسب اس سے ختم کر کے اسے ماں کے ساتھ ملحق کردے گا، اگر شوہر بعد میں اپنے آپ کو جھٹلا دے تو قاضی اس کو حد قذف لگائے گا اور اس شخص کے لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہوجائے گا اسی طرح اگر لعان کے بعد کسی اور عورت پر تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے اس پر حد لگ جائے تو اس کے لیے اس سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوجائے گا اس لیے کہ اب یہ لعان کا اہل نہیں رہا اس کی گواہی غیر معتبر ہوگئی یا عورت اگر زنا کرے اور اسے حد لگ جائے تو یہ اس عورت سے شادی کرسکے گا اس لیے کہ یہ لعان کی اہل نہیں رہی۔

مذکورہ بالا اثر میں لعان کی وجہ سے اس لڑکے کا نسب اس باپ سے ختم ہو گیا لہذا اب اگر یہ اس پر تہمت لگائے تو اسے حد قذف لگے گی، باپ اگر بیٹے پر تہمت لگائے تو اسے حد قذف نہیں لگتی یہاں انتفائے نسب کی وجہ سے یہ شخص اس کا باپ نہیں رہا۔

598- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَقَدْ حُدَّ جَلَدْتُهُ حَدًّا أَوْ قَذَفَهَا وَقَدْ جُلِدَتْ حَدًّا فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَقَالَ: مَنْ لَا شَهَادَةَ لَهُ فَلَا لِعَانَ لَهُ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی پر الزام لگائے اور اسے (اس سے پہلے) بطور حد کوڑے لگ چکے ہوں یا اس عورت کو پہلے بطور حد کوڑے لگ چکے ہوں تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا اور نہ ہی حد ہوگی اور فرمایا جس کی شہادت قبول نہیں ہوتی اس کے لئے لعان بھی نہیں ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔

تشریح:

گزر چکا ہے کہ لعان کا اہل وہ ہے جو شہادت کا اہل ہو اور جس کو حد لگ چکی ہو وہ لعان کا اہل نہیں ہوتا یہی حکم عورت کا ہے کہ اگر پہلے اسے حد لگ چکی ہو تو اس پر تہمت لگانے سے لعان نہیں آئے گا۔

599- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إبراهيم قَالَ: إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثُمَّ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ يُلَاعِنَهَا فَإِنَّهُ يَرِثُهَا وَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ وَكَذَلِكَ إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ غَيْرَ امْرَأَتِهِ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الَّذِي قَذَفَهُ يُصَدِّقُهُ وَإِذَا قَذَفَهَا زَوْجُهَا ثُمَّ مَاتَ وَرِثَتْهُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَاعِنًا، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور وہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے پھر لعان سے پہلے وہ عورت مر جائے تو وہ شخص اس کا وارث ہوگا اور اس مرد پر نہ حد ہوگی اور نہ ہی لعان ہوگا اس طرح جب کوئی شخص اپنی بیوی کے علاوہ کسی پر الزام لگائے تو اس پر حد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بات معلوم نہیں شاید اس پر الزم لگانے والے نے سچ کہا اور جب عورت پر اس کا خاوند الزام لگائے پھر وہ مرد مر جائے تو عورت اس کی وارث ہوگی کیونکہ لعان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سب حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

لعان جب تک مکمل نہ ہو اس وقت تک یہ دونوں میاں بیوی کے حکم میں ہیں، لعان کے بعد وطی اور بیوی سے استمتاع حرام ہو جاتا ہے، لیکن طلاق بائن اس وقت واقع ہوگی جب مرد طلاق دے یا قاضی ان میں تفریق کر دے، حاکم کی تفریق سے پہلے تفریق

واقع نہ ہوگی یہ دونوں میاں بیوی کے حکم میں رہیں گے، اگر شوہر طلاق دے تو وہ واقع ہو جائے گی، ظہار یا ایلاء کرے تو ہو جائے گا، دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے چاہے دونوں میں سے کسی کا بھی انتقال ہو۔

600 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا أَقَرَّ الرَّجُلُ بِوَلَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب کوئی شخص پلک جھپکنے کے برابر وقت بھی اپنے بچے کا اقرار کر لے تو اب اس کی نفی نہیں کر سکتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

جو بچہ بیوی سے ہو اس میں چاہے اقرار ہو یا نہ ہو وہ شوہر کا ہی شمار ہوتا ہے الا یہ کہ وہ اس کی نفی کرے اور بیوی سے لعان کرے بصورت دیگر اگر لعان نہیں کیا یا ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا اپنا بچہ ہونا تسلیم کر لیا تو اب اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

601 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: إِذَا انْتَفَى الرَّجُلُ مِنْ وَلَدِهِ ثُمَّ إِدَّعَاهُ فَلَهُ ذَلِكَ وَيَلْحَقُهُ الْوَلَدُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بچے کی نفی کر دے پھر اس کا دعوی کرے تو اسے اس کا حق ہے اور بچہ اسے مل جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اگر بچے کی نفی کرتا ہے تو لعان کرے گا اگر بعد میں اس کا دعوی کرے تو ایسا کر سکتا ہے بیوی پر زنا کا الزام لگانے کی وجہ سے اس پر حد قذف آئے گی، اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ تمہارا یہ حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ وزفر رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں لعان نہیں ہوگا اس لیے کہ حمل موجود ہونا یقینی نہیں لہذا قذف وتہمت نہیں ہوئی، صاحبین کے یہاں حمل کی نفی سے بھی لعان لازم ہو جاتا ہے اگر بچہ چھ ماہ سے کم میں ہو جائے۔

602 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُقِرُّ بِابْنِهِ ثُمَّ يَنْفِيهِ قَالَ: يُلَاعِنُهَا وَيَلْزَمُ الْوَلَدُ أُمَّهُ فَإِنْ كَانَ قَدْ طَلَّقَهَا ضُرِبَ حَدًّا وَإِنْ كَانَتْ قَدْ مَاتَتْ أُمُّهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا أَقَرَّ بِابْنِهِ ثُمَّ نَفَاهُ وَهِيَ امْرَأَتُهُ لَاعَنَهَا وَلَزِمَ الْوَلَدُ أَبَاهُ. إِذَا أَقَرَّ بِهِ مَرَّةً لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ كَمَا قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنے بیٹے کا اقرار کرتا ہے پھر اس کی نفی کر دیتا ہے وہ

فرماتے ہیں وہ اس عورت سے لعان کرے اور بچہ ماں کے پاس چلا جائے اور اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تھی تو اس پر حد قذف نافذ کی جائے اگرچہ اس بچے کی ماں مرچکی ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! یہ تمام باتیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہیں اور ہمارا بھی یہی قول ہے البتہ ایک بات میں اختلاف ہے وہ یہ کہ جب اپنے بچے کا اقرار کرے پھر اس کی نفی کرے اور (عورت) ابھی اس کی بیوی ہو تو اس سے لعان کرے گا اور بچہ باپ کے حوالے ہوگا کیونکہ جب وہ ایک بار اقرار کر چکا ہے تو اب اسے نفی کا حق نہیں ہے جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

تشریح:

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا اقرار کر لے پھر اس کی نفی کر دے تو بیوی سے لعان کرے گا، لڑکا ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا، اگر طلاق دے چکا ہو تو اس کو حد قذف لگائی جائے گی اس لیے کہ اجنبیہ پر تہمت لگانے پر گواہ نہ ہوں تو حد لگتی ہے۔

بَابُ مَنْ قَذَفَ قَوْمًا جَمِيعًا وَحَدِّ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ

جو شخص پوری قوم پر الزام لگائے نیز آزاد اور غلام کی حد کیا ہے؟

603- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا افْتَرَيْتَ عَلَى قَوْمٍ فَقُلْتَ: يَا زُنَاةُ! كَانَ عَلَيْكَ حَدٌّ وَاحِدٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم کسی قوم کے پاس جا کر ان کو کہو اے زنا کرنے والو! تو تم پر ایک ہی حد ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: افْتَرَيْتَ: بات گھڑنا، تہمت لگانا۔

604- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ قَذَفَ رَجُلًا ثُمَّ قَذَفَ آخَرَ قَالَ: لَوْ قَذَفَ أَهْلَ الْجُمُعَةِ فَقَذَفَهُمْ جَمِيعًا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ إِلَّا حَدٌّ وَاحِدٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا حَدٌّ وَاحِدٌ حَتَّى يُكَمَّلَ الْحَدُّ فَإِنْ قَذَفَ إِنْسَانًا بَعْدَ كَمَالِ الْحَدِّ ضُرِبَ حَدًّا مُسْتَقْبَلًا إِلَّا أَنَّهُ يُحْبَسُ حَتَّى يَبْرَأَ عَنِ الْأَوَّلِ ثُمَّ يُضْرَبُ الْآخَرُ. قَالَ: يُفَرَّقُ الْحَدُّ فِي أَعْضَائِهِ إِذَا جُلِدَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا فِي الْحُدُودِ كُلِّهَا إِلَّا أَنَّا لَا نَضْرِبُ الرَّأْسَ وَالْوَجْهَ وَالْفَرْجَ وَأَمَّا فِي التَّعْزِيرِ فَإِنَّهُ لَا يُفَرَّقُ فِي الْأَعْضَاءِ كَمَا يُفَرَّقُ فِي الْحُدُودِ وَلَكِنَّهُ يُضْرَبُ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ وَهُوَ أَشَدُّ الضَّرْبِ وَلَا يُجَرَّدُ فِي حَدٍّ وَلَا تَعْزِيرٍ وَلَا غَيْرِ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق روایت ہے جس نے کسی پر تہمت لگائی پھر کسی اور پر تہمت لگا دی، فرمایا: اگر وہ جمعہ پڑھنے والوں پر تہمت لگائے اور سب پر لگائے تو بھی اس پر ایک ہی حد ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سارا ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ہمارا قول ہے (اس پر صرف ایک ہی حد ہے) یہ اس وقت تک ہے کہ اسے پوری حد نہ لگ جائے، لہذا اگر وہ حد پورا ہونے کے بعد کسی اور پر تہمت لگائے تو اسے مستقل طور پر حد لگائی جائے گی، البتہ اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ پہلی حد سے وہ تندرست ہو جائے پھر دوسری حد لگائی جائے گی، انہوں نے فرمایا: جب حد لگائی جائے تو الگ الگ اعضاء پر حد لگائی جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمام حدود میں یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارا قول ہے، مگر یہ کہ ہم سر، چہرہ اور شرمگاہ پر حد نہیں لگاتے، اور جہاں تک بات ہے تعزیر کی تو اس میں متفرق اعضاء پر حد نہ لگائی جائے جیسا کہ حدود میں لگائی جاتی ہے۔ لیکن ایک ہی جگہ پر ماری جائے گی اور وہ سخت مار ہوگی، اور حد اور تعزیر وغیرہ میں اسے ننگا نہ کیا جائے گا۔

تہمت کی حد کا طریقہ:

اگر کوئی شخص کسی پاکدامن مرد یا پاکدامن عورت پر صراحتاً زنا کی تہمت لگائے اور جس کو تہمت لگائی اس نے حد کا مطالبہ کیا تو اگر تہمت لگانے والا آزاد ہے تو حاکم اس کو اسی کوڑے لگوائے یہ اسی کوڑے بدن پر ایک جگہ نہ مارے بلکہ ہر عضو پر تھوڑے تھوڑے کر کے مارے سوائے سر چہرہ اور شرمگاہ کے اور کوڑے لگاتے وقت مجرم کے بدن سے کپڑے نہ اتارے البتہ موٹا کپڑا اور پوستین اتر والے تا کہ کوڑا الگ سکے اور اگر تہمت لگانے والا غلام ہے تو چوں کہ غلام کی سزا آزاد کی سزا سے آدھی ہے اس لئے غلام باندی کو چالیس کوڑے لگائے اصل اس مسئلہ میں یہ آیت ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر نہ لائیں چار مرد گواہ تو ماروان کو اسی کوڑے اور آیت چوں کہ ایک عورت کے بارے میں نازل ہوئی اس لئے انہیں کا ذکر فرمادیا ورنہ پاکدامن مردوں پر تہمت لگانے کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر کوئی شخص بہت سے آدمیوں پر تہمت لگائے اور ابھی کسی کی حدِ قذف اس پر نہ لگی ہو تو اب جو حد قذف لگے گی وہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گی اس لیے کہ حدود میں تداخل ہو جاتا ہے ہاں اگر حد لگنے کے بعد دوبارہ یہ جرم کرے گا تو دوبارہ حد آجائے گی۔

605- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الزَّانِي يُجْلَدُ وَقَدْ وُضِعَتْ عَنْهُ ثِيَابُهُ ضَرْبًا مُبَرِّحًا وَالْقَاذِفُ يُضْرَبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ وَشَارِبُ الْخَمْرِ يُضْرَبُ مِثْلَ مَا يُضْرَبُ الْقَاذِفُ وَضَرْبُهُمَا دُونَ ضَرْبِ الزَّانِي، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ: كَانَ يُجَرِّدُ الشَّارِبَ كَمَا يُجَرِّدُ الزَّانِي.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: زانی کو اس کے کپڑے اتار کر سخت ضرب کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں، اور تہمت لگانے والے کو اس طرح حد لگائی جائے کہ اس پر کپڑے موجود ہوں اور شراب پینے والے کو ایسی ہی ضرب لگائی جائے جیسا کہ تہمت والے کو لگائی جاتی ہے، اور ان کی مار زانی کی مار سے کم درجے کی ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سوائے ایک صورت کے کہ شراب پینے والے کو زانی کی طرح ننگا کیا جائے گا۔

لغات: مُبَرِّحًا: اذیت رساں، سخت۔

زانی کو حد لگانے کا طریقہ:

زانی اگر محصن ہوتو اسے سنگسار کر دیا جاتا ہے اور اگر محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔ آیت میں ہے ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ اس آیت میں زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے لیکن حدیث کی بنا پر محصن اس سے الگ ہو گیا، اس لئے غیر محصن کو سو کوڑے لگیں گے۔ اور حاکم وقت ایسے کوڑے سے مارنے کا حکم دے جو بہت سخت نہ ہو اور نہ بہت نرم ہو بلکہ درمیانی قسم کا ہو کہ تنبیہ بھی ہو جائے اور آدمی زیادہ زخمی بھی نہ ہو نہ بہت طاقت سے مارے اور نہ بہت آہستہ سے مارے۔

اگر مرد ہے تو ستر پر کپڑا رکھے باقی کپڑوں کو اتروا کر کوڑے مارے ستر نہ کھولے کیوں کہ ستر کا کھولنا حرام ہے کپڑے اس لئے اتارے کہ مناسب مار لگے خاص طور پر موٹے کپڑے اتروا لے۔ اور ایک ہی جگہ پر تمام کوڑے نہ مارے بلکہ الگ الگ عضو پر مارے البتہ چہرہ شرمگاہ اور سر پر نہ مارے کیوں کہ یہ نازک اعضاء ہیں۔

آزاد زنا کرے تو سو کوڑے لگتے ہیں اور غلام یا باندی کرے تو پچاس کوڑے لگیں گے کیوں کہ آیت میں ہے ﴿ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ اٰتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا جاری ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے (اور اسی طرح غلاموں کی بھی) اس آیت سے معلوم ہوا کہ غلام باندی پر آدھی سزا ہے۔

606۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَذَفَ الْعَبْدُ أَوِ الْأَمَةُ الْحُرَّ فَحَدُّ هُمَا نِصْفُ حَدِّ الْحُرِّ أَرْبَعِينَ أَرْبَعِينَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب غلام یا لونڈی کسی آزاد آدمی کو قذف کریں تو ان کی حد آزاد آدمی کی حد کا نصف ہے یعنی چالیس چالیس کوڑے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا یہی قول ہے۔

وضاحت:

غلام کی حد آزاد آدمی کی حد کی آدھی ہوتی ہے، لہذا باندی یا غلام کسی آزاد پر تہمت لگائیں تو ان کی حد چالیس چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔

607۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْأَمَةِ يُعْتَقُ ثُلُثُهَا أَوْ ثُلُثَاهَا ثُمَّ اسْتُسْعِيَتْ فِيمَا بَقِيَ فَقَذَفَهَا رَجُلٌ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مَا كَانَتْ تَسْعَى، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى لَا يَرَى عَلَى مَنْ قَذَفَهَا حَدًّا؛ لِأَنَّهَا عِنْدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْأَمَةِ مَا دَامَتْ تَسْعَى وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَهِيَ حُرَّةٌ إِذَا أُعْتِقَ بَعْضُهَا عَتَقَ كُلُّهَا

وَعَلَى قَاذِفِهَا الْحَدُّ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے، ایسی باندی کے متعلق فرمایا جس کے ایک تہائی یا دو تہائی کو آزاد کر دیا گیا ہو پھر اس سے باقی ماندہ حصہ میں سعی کا مطالبہ کیا گیا، پھر اسے کوئی شخص تہمت لگا دے: جب تک وہ سعی کر رہی ہے اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ تہمت لگانے پر حد کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ جب تک سعی کرے تو وہ باندی کے درجے میں ہے اور ہمارا قول یہ ہے کہ وہ آزاد ہے جب اس کا کچھ حصہ آزاد کر دیا گیا تو وہ مکمل آزاد ہے، اور اس پر تہمت لگانے والے پر حد ہے۔

لغات: اسْتُسْعِيَتْ: غلام کو آزاد کرنے کے لئے بقدر غلامی کام کروانا۔

باندی، غلام یا کافر پر تہمت لگانے والے کا حکم:

باندی، غلام یا کافر پر زنا کی تہمت لگانے والے پر حد نہیں آتی اگر وہ جھوٹا ہو تو اسے تعزیرا سزا دی جائے گی، یہاں چوں کہ امام صاحب کے قول کے مطابق وہ ابھی باندی ہے اس لیے حد قذف کی شرائط پوری نہیں ہوتیں حد قذف نہیں لگے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چوں کہ عتق تجزی قبول نہیں کرتا اس لیے ایک جزء آزاد ہونے کی وجہ سے پوری آزاد ہوگئی لہذا اس پر تہمت لگانے والے پر حد قذف آئے گی۔

بَابُ التَّعْزِيرِ

تعزیر کا بیان!

608۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لَا يُبْلَغُ بِالتَّعْزِيرِ أَرْبَعُونَ جِلْدَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تعزیر چالیس کوڑوں تک نہ پہنچے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا یہی قول ہے۔

تعزیر کے احکام:

تعزیر اس سزا اور تادیبی کارروائی کا نام ہے جو حد شرعی سے کم ہو یہ ماخوذ ہے عزر سے روکنا اور ٹوکنا تعزیر کی حد کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس کوڑے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انیس کوڑے یا انتالیس کوڑے طرفین کے نزدیک انتالیس کوڑے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ تعزیر جرم کے اعتبار سے ہوتی ہے پس اگر اس کا جرم تہمت سے بھی بڑا ہو تو سو اور سو سے بھی زیادہ کوڑے لگائے جا سکتے ہیں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک کم اسی (79) یا پانچ کم اسی (75)۔

اگر حاکم وقت تعزیر میں مار کے ساتھ جیل خانہ میں رکھنا مناسب سمجھے تو ایسا کرسکتا ہے۔

تعزیر میں مار سخت ماری جائے گی اس وجہ سے بدن کے مختلف اعضاء پر مارنے کی ڈھیل نہیں دی گئی ہے، پھر اس سے ہلکی زنا کی مار ہوگی پھر اس سے ہلکی حد شرب کی اور اس سے ہلکی حد قذف کی ہوگی کیوں کہ زنا کی حد کے بارے میں ہے کہ زانی کے تمام کپڑے اتار دیئے جائیں سوائے لنگی کے اور اگر شادی شدہ ہے تو رجم کی سزا ہے اور حد قذف وحد شرب میں ہے کہ صرف موٹا کپڑا اور پوستین اتاری جائے باقی قمیص وغیرہ اس کے بدن پر رہنے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ زنا کی مار سخت ہے اور اس سے ہلکی حد شرب کی ہے کیوں کہ اس کا سبب یقینی ہے اس کے بعد حد قذف ہے کیوں کہ اس کا سبب محتمل ہے ہوسکتا ہے کہ وہ سچا ہو۔

حد لگانے یا تعزیر کرنے کے بعد مر جائے تو اس کا خون معاف ہے حاکم و بیت المال پر لازم نہیں ہے کیوں کہ حاکم نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کا شرعاً مامور ہے اور مامور کا فعل سلامتی کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔

تعزیر اور حد میں فرق:

شرعی سزائیں دو قسم کی ہیں: ① - حد، ② - تعزیر، ان میں کئی اعتبار سے فرق ہے:

الف: حد کی سزا متعین اور طے ہوتی ہے جبکہ تعزیر متعین نہیں ہوتی، قاضی وقت کوئی بھی مناسب سزا دے سکتا ہے۔

ب: حد ثابت ہونے کے بعد معاف نہیں ہوسکتی، جبکہ تعزیر میں معافی ہوسکتی ہے۔

ج: حد میں کوڑے نرمی سے مارے جاتے ہیں جبکہ تعزیر میں سختی سے مارے جاتے ہیں۔

د: حد اور قصاص کو شبہات سے ساقط کیا جاتا ہے جبکہ تعزیر کو ساقط کرنے کا امر نہیں۔

609- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْوَلِيدُ بْنُ عُثْمَانَ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ بَلَغَ حَدًّا فِي غَيْرِ حَدٍّ فَهُوَ مِنَ الْمُعْتَدِينَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَأَدْنَى الْحُدُودِ أَرْبَعُونَ فَلَا يُبْلَغُ بِالتَّعْزِيرِ أَرْبَعُونَ جِلْدَةً.

ترجمہ: حضرت ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حد کے علاوہ حد تک پہنچے تو وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس کم از کم حد چالیس کوڑے ہیں، لہذا تعزیر چالیس کوڑوں تک نہیں پہنچنی چاہئے۔

تشریح:

تعزیر کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ مقدار میں شرعی حدود سے کم ہونا ضروری ہے، تعزیر کو حد تک پہنچانا مذکورہ حدیث کی بناء پر ظلم اور تعدی ہے، تعزیر کی کم سے کم مقدار تین کوڑے ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زیادہ سے زیادہ پچھتر (75) کوڑے اور ایک روایت اناسی تک کی ہے، کیونکہ کم سے کم حد، حد شرب ہے، اور وہ اسی کوڑے ہے، طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں کیونکہ

غلام کو حد قذف میں چالیس کوڑے لگتے ہیں لہذا انہوں نے تعزیر میں ایک کو کم کر دیا، اور مذکورہ دونوں روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ الْحُدُودِ إِذَا اجْتَمَعَتْ، وَفِيهَا قَتْلٌ

اگر کئی حدیں جمع ہو جائیں جن میں قتل بھی شامل ہو!

610 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا اجْتَمَعَتْ عَلَى الرَّجُلِ الْحُدُودُ فِيهَا الْقَتْلُ دُرِئَتِ الْحُدُودُ وَأُخِذَ بِالْقَتْلِ وَإِذَا اجْتَمَعَتِ الْحُدُودُ وَقَدْ قَتَلَ، قُتِلَ، وَدُفِعَ مَا سِوَى ذٰلِكَ؛ لِأَنَّ الْقَتْلَ قَدْ أَحَاطَ بِذٰلِكَ كُلِّهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا إِلَّا حَدَّ الْقَذْفِ فَإِنَّهُ مِنْ حُقُوقِ النَّاسِ فَيُضْرَبُ حَدَّ الْقَذْفِ ثُمَّ يُقْتَلُ وَإِنَّمَا الَّذِي يُدْرَأُ عَنْهُ الْحُدُودُ الَّتِي لِلّٰهِ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ایک شخص میں مختلف حدود جمع ہو جائیں جن میں قتل بھی ہو تو حدود ساقط ہو جائیں گی اور اسے قتل کیا جائے گا، اور جب کئی حدود جمع ہوں اور اس نے قتل بھی کیا ہو تو اسے قتل کیا جائے گا، اور اس کے علاوہ سب ساقط (دفع، دور) ہو جائیں گی، کیونکہ قتل نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارا قول ہے، سوائے حد قذف کے، کیونکہ یہ لوگوں کے حقوق میں سے ہے، چنانچہ اسے حد قذف لگائی جائے گی پھر قتل کیا جائے گا، اور اس سے وہ حدود ساقط ہوں گی جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔

لغات: دُرِئت: رفع کرنا، زائل کرنا، چھوڑنا۔

کئی حدود ایک ساتھ جمع ہو جائے:؟

اگر کئی حدود کے ساتھ قتل جمع ہو جائے مثلاً کسی نے زنا بھی کیا ہے، شراب بھی پی ہے اور قتل بھی کیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

① - قتل ان حدود کے ساتھ جمع ہو جو حق اللہ ہیں، اس صورت میں صرف قتل کی سزا ملے گی اور باقی حدود معاف ہیں، کیونکہ قتل سے جان چلی جاتی ہے، گویا کہ اس میں ساری سزئیں آجاتی ہیں۔

② - قتل ایسی حد کے ساتھ جمع ہو جو حق العبد ہے جیسے حق قذف، اس میں صرف قتل پر اکتفاء نہ ہوگا، پہلے حد لگے گی پھر قتل کیا جائے گا، کیونکہ حق العبد کی معافی نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ غَصَبَ امْرَأَةً نَفْسَهَا

کسی عورت کو اغواء کرنا!

611 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ مَنْ كَانَ مِنَ النَّاسِ حُرًّا أَوْ مَمْلُوكًا غَصَبَ امْرَأَةً نَفْسَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَلَا صَدَاقَ عَلَيْهِ قَالَ: وَإِذَا وَجَبَ الصَّدَاقُ دُرِءَ الْحَدُّ وَإِذَا ضُرِبَ الْحَدُّ بَطَلَ الصَّدَاقُ. قَالَ

مُحَمَّدٌ: وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں میں سے کوئی، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، خود کسی عورت کو غصب (اغواء) کر لے تو اس پر حد ہے، اور اس پر مہر نہیں ہے، انہوں نے فرمایا: جب مہر واجب ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی، اور جب حد لگائی جائے تو مہر باطل ہو جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے۔

لغات: غَصَبَ: یہاں غصب کر کے جبری زنا کرنا مراد ہے، صرف اغواء کرنے میں حد نہیں، تعزیر ہے، وَلَا صَدَاق: مہر، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بیوی کو مہر دینا شوہر کی اس کے ساتھ سچی محبت کی علامت ہے۔

تشریح:

اگر صورت ایسی ہو کہ اگر کسی نے کسی عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا تو عورت نہ گناہگار ہوگی نہ ہی حد لگے گی، زانی پر حد لگے گی، اور مہر واجب نہ ہوگا اس لئے کہ اصول ہے کہ بضع سے انتفاع کے بدلے دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز واجب ہوتی ہے حد یا عقر یعنی مہر، جب حد لگ گئی تو عقر نہیں آئے گا ورنہ اجتماعِ بدلین لازم آئے گا جو کہ درست نہیں۔

بَابُ الشُّهُودِ عَلَى الْمَرْأَةِ بِالزِّنَا أَحَدُهُمْ زَوْجُهَا

عورت کے خلاف زنا پر گواہی میں اس کا خاوند بھی شامل ہو!

612 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا شَهِدَ أَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا أَحَدُهُمْ زَوْجُهَا أُقِيمَ عَلَيْهَا الْحَدُّ وَإِذَا شَهِدُوا وَأَحَدُهُمْ زَوْجُهَا رُجِمَتْ إِن كَانَ زَوْجُهَا دَخَلَ بِهَا وَجَازَتْ شَهَادَتُهُمْ إِذَا كَانُوا عُدُولًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ دَخَلَ بِهَا رُجِمَتْ وَإِن كَانَ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا ضُرِبَتِ الْحَدَّ مِائَةَ جِلْدَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب چار لوگ زنا کی گواہی دیں، ان میں سے ایک اس کا شوہر ہو تو اس پر حد قائم کی جائے گی، اور جب وہ گواہی دیں اور ان میں سے ایک اس کا شوہر ہو تو رجم کیا جائے گا، اگر اس کے شوہر نے اس سے دخول کیا ہو، اور ان کی گواہی جائز ہے جب کہ وہ عادل ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے، پس اگر شوہر نے اس سے دخول کیا ہو تو اسے رجم کیا جائے گا اور اگر دخول نہ کیا ہو تو سو کوڑوں کی حد لگائی جائے گی۔

زنا کی تعریف:

شرمگاہ کا غیر حِل میں داخل کرنا۔ زنا کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ خود چار مرتبہ زنا کا اقرار کرے یا چار آدمی گواہی دیں گے کہ فلاں نے زنا کیا ہے تب جا کر اس پر حد جاری ہوگی۔

زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوگا اللہ کا فرمان ہے ﴿فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾، سو تم لوگ ان عورتوں (کے

اس فعل) پر چار آدمی اپنوں میں سے (مسلمان آزاد عاقل بالغ مذکر) گواہ کرلو (تاکہ ان کی گواہی پر احکام سزا آئندہ جاری کریں) پھر گواہی میں صرف وطی کی شہادت کافی نہیں بلکہ صراحتاً لفظ زنا کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیوں کہ وطی و جماع میں ملک یا شبہ ملک کا احتمال ہے۔

امام گواہوں سے کس طرح تحقیق کرے:

جب گواہ زنا کی گواہی دے دیں تو امام گواہوں سے پوری تحقیق کرے تا کہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ واقعی زنا ہوا ہے یا نہیں اب گواہوں سے زنا کے بارے میں پوچھے کہ زنا کیا ہے یعنی جو کام اپنی بیوی سے حلال طریقہ پر کرتا ہے وہی کام اجنبیہ عورت سے حرام طریقہ پر کرنے کو کہتے ہیں گواہ اس حقیقت کو جانتے ہوں پھر پوچھے کسی طرح ہوا؟ بخوشی یا زبردستی کہاں ہوا؟ دارالاسلام میں یا دار الحرب میں کسی وقت ہوا؟ قریبی زمانہ میں ہوا یا بہت پہلے کس کے ساتھ ہوا؟ یہ بھی احتمال ہے کہ مرد نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہو اور گواہ نہ پہچانتے ہوں اس لئے پوچھے کس کے ساتھ ہوا، ان سوالات کی ضرورت اس لئے ہے کہ ممکن ہے زنا زبردستی ہوا ہو یا وہ عورت مرد کے لئے حلال ہو اور یہ زنا کی گواہی دے رہے ہوں وغیرہ وغیرہ اس لئے حاکم پوری تحقیق کرے۔

جب گواہ ساری بات بالتفصیل بیان کر دیں اور کہیں کہ جیسے سلائی سرمہ دانی میں ڈالی جاتی ہے اس طرح کرتے دیکھا ہے تو گواہی مقبول ہے اور اگر اشارہ کنایہ سے زنا کی گواہی دی تو مقبول نہیں ہے۔ گواہوں کی گواہی کے علاوہ قاضی خفیہ اور علانیہ طور پر گواہوں کی اخلاقی حالت کے بارے میں پوچھ تاچھ کرے جب ہر طریقہ سے ان کے صلاح وتقویٰ کی گواہی ہو جائے تو قاضی ان کی گواہی پر زنا کا فیصلہ کر دے۔

حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، البتہ چار گواہوں میں ایک شوہر ہو تو اس کی گواہی بیوی کے زانیہ ہونے پر قبول کی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شوہر کی گواہی معتبر نہیں اس لیے کہ شوہر پر تہمت آتی ہے، احناف رحمۃ اللہ علیہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ تہمت اس وقت آتی ہے جب اسے اس سے کوئی فائدہ ہوتا ہو اور اس گواہی کی وجہ سے شوہر اپنے لیے باعث عار وننگ مول لے رہا ہے، لیکن یہ صورت اس وقت ہے جب شوہر نے اس پر تہمت زنا نہ لگائی ہو ورنہ اس صورت میں شوہر کے علاوہ چار گواہ درکار ہوں گے اس لیے کہ وہاں شوہر متہم ہے وہ اس کے ذریعے اپنے سے لعان کو دور کرنا چاہتا ہے۔ (البحر الرائق، ج:5، ص:5)

زانی کا اقرار کب معتبر ہوگا؟

اقرار کرنے والا خود اپنی ذات پر زنا کا اقرار کر رہا ہے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرے اور ہر بار اقرار کرنے والے کی مجلس بدل جائے یعنی جب وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے اور وہ پھر آ کر اقرار کرے اسی طرح چار بار اقرار کرے اب اس پر سزا جاری ہوگی اگر ایک یا دو مرتبہ اقرار کرے تو یہ سزا جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے یہ تفصیل احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہے حضرات شافعیہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ بھی اقرار کر لے تو اس پر سزا جاری ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دلیل: حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے ایک مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو اس کو رجم کیا گیا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے: " فان اعترفت فارجمها " (بخاری شریف ص: ۱۰۰۸ باب الاعتراف بالزنا)، اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو رجم کردو اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا اعترفت اربع مرات بلکہ مطلق فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کا اقرار کرلینا بھی کافی ہے۔

جواب: "فان اعترفت" کا مطلب یہ ہے کہ "فان اعترفت بالطریق المعروف" یعنی معروف ومشہور طریقہ کے مطابق اقرار کرلے تو رجم کردو اور معروف طریقہ یہ ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرلے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے چار مرتبہ اقرار کیا اور چار مجلسوں میں کیا۔

(بخاری ص: ۱۰۰۸، باب سوال الامام المقر هل احصنت).

جب اقرار کرنے والا چار مرتبہ اقرار کرلے تو قاضی اقرار کرنے والے سے زنا کی حقیقت پوچھے یہ بھی پوچھے کیسے ہوتا ہے یہ بھی پوچھے کہ وہ کہاں ہوا؟ کیوں کہ اس کے اختلاف سے حد ساقط ہو جائے گی کس کے ساتھ کیا کیوں کہ ممکن ہے کہ اقرار کرنے والا یہ سمجھے کہ فلاں کے ساتھ زنا کرنے سے حد لازم ہوگی حالانکہ بیٹے کی باندی سے زنا کرے تو حد لازم نہیں ہوتی بہرحال جب تمام باتوں کا صحیح صحیح جواب دے دے تو قاضی حد لگانے کا فیصلہ کردے گا۔

بَابُ الْبِكْرِ يَفْجُرُ بِالْبِكْرِ

کنوارے لڑکے کا کنواری لڑکی سے زنا کرنا!

613- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ فِي الْبِكْرِ يَفْجُرُ بِالْبِكْرِ: إِنَّهُمَا يُجْلَدَانِ وَيُنْفَيَانِ سَنَةً. وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: نَفْيُهُمَا مِنَ الْفِتْنَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کنوارے لڑکے کا کنواری لڑکی کے ساتھ زنا کرنے کے بارے میں فرمایا کہ انہیں حد لگائی جائے گی، اور سال بھر کے لئے ملک بدر کردیا جائے گا، اور حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انہیں ملک بدر کرنا فتنہ ہے۔

614- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَفَى بِالنَّفْيِ فِتْنَةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَقُلْتُ لِأَبِي حَنِيفَةَ: مَا يَعْنِي إِبْرَاهِيمُ بِقَوْلِهِ: كَفَى بِالنَّفْيِ فِتْنَةً؟ أَيْ لَا يُنْفَى؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا، نَأْخُذُ بِقَوْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ملک بدر کرنا فتنہ کے لئے کافی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: اس قول سے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقصد تھا کہ ملک بدر کرنا فتنہ کے لئے کافی ہے؟ یعنی اسے ملک بدر نہ کیا جائے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے، ہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول کو لیتے ہیں۔

کنوارے لڑکے کا کنواری لڑکی سے زنا کرنے کا حکم:

غیر شادی شدہ مرد وعورت کی حد زنا کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان کو جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

❁ **پہلا مذہب:** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد وعورت دونوں کی حد سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔

دلیل: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "البکر بالبکر جلد مائة ونفي سنة" کنوارے مرد اور کنواری عورت کی سزا سو کوڑے مارنا اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے۔

جواب: جلاوطنی کو حد کا جز کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ جلاوطنی امام کی صوابدید پر ہے اس کو حق ہے کہ وہ سیاستًا ایسا کر سکتا ہے دوسرے یہ کہ جس حدیث سے جلاوطنی ثابت ہوتی ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

❁ **دوسرا مذہب:** امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد کی حد سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور عورت کی صرف سو کوڑے ہیں عورت کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی وہی ہے جو اوپر گذری لیکن وہ عورت کے بارے میں جلاوطنی کے قائل نہیں ہیں کیوں کہ اگر اس کو تنہا جلاوطن کیا جائے گا تو اس میں اور فتنہ کا اندیشہ ہے اور اگر شوہر کے ساتھ جلاوطن کیا جائے گا تو شوہر مجرم نہیں ہے اس کو بغیر کسی وجہ کے سزا دینا لازم آئے گا۔

❁ **تیسرا مذہب:** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر شادی شدہ مرد وعورت کی حد صرف سو کوڑے ہیں۔

دلیل آیت کریمہ ہے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ اس آیت میں صرف سو کوڑوں کا ذکر ہے جلاوطنی کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے دونوں کی حد صرف سو کوڑے ہوں گی۔

بَابُ حَدِّ اللُّوطِيِّ

بدفعلی کے مرتکب کی سزا!

615- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: اللُّوطِيُّ بِمَنْزِلَةِ الزَّانِي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهٰذَا قَوْلُنَا. إِنْ كَانَ مُحْصِنًا رُجِمَ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُحْصِنٍ ضُرِبَ الْحَدَّ مِائَةً.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لواطت کرنے والا زنا کرنے والے کے برابر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ہمارا قول ہے، اگر وہ محصن ہو تو اسے رجم کیا جائے گا، اور اگر محصن نہ ہو تو سو کوڑے حد لگائی جائے گی۔

لغات: مُحْصِنٌ: شادی شدہ ہونا، پاک دامن ہونا۔

محصن بننے کی شرائط:

محصن بننے کی پانچ شرائط ہیں:

①-مسلمان ہونا۔②-آزاد ہونا،③-عقل ہونا،④-بالغ ہونا،

⑤-نکاح صحیح کے بعد بیوی سے ہمبستر ہونا، یہ شرائط رجم کی ہیں، حد قذف میں جو احصان شرط ہے اس میں دخول بعد النکاح شرط نہیں، اس میں عفت من الزنا ہونا شرط ہے۔

616- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: مَنْ قَذَفَ بِاللُّوطِيَّةِ جُلِدَ الْحَدَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُنَا إِذَا بَيَّنَ فَلَمْ يَكْنِ فَأَمَّا إِذَا قَالَ: "يَا لُوطِيُّ" فَهَذِهِ لَهَا مَصَادِرُ غَيْرُ الْقَذْفِ فَلَا نَحُدُّهُ حَتَّى يُبَيِّنَ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو کسی شخص پر لوطی ہونے کی تہمت لگائے تو اسے کوڑوں کی حد لگائی جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ہمارا قول ہے، جب کہ وہ واضح کرے اور کنایہ کرتے ہوئے نہ کہے، البتہ جب وہ یہ کہے کہ: اے لوطی! تو اس میں قذف کے علاوہ اور بھی احتمالات ہیں، پس ہم اسے حد نہیں لگائیں گے، یہاں تک کہ وہ واضح طور پر نہ کہہ دے۔

لواطت کی حد کتنی ہے؟

اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کی یا کسی مرد کے ساتھ لواطت کی تو لواطت کرنے والے کی حد کے متعلق اختلاف ہے۔

①......○امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہاں امام المسلمین جس قسم اور جس قدر مصلحت سمجھے بطور تعزیر جاری کرسکتا ہے۔

②......○صاحبین رحمہما اللہ علیہما اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لواطت زنا کی طرح ہے اس لئے لوطی کو حد لگے گی یعنی فاعل اگر محصن ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے لگیں گے۔

③......○امام مالک واحمد رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک لواطت کرنے والے کو رجم کیا جائے گا لوطی محسن ہو یا غیر محسن، اصل میں بات یہ ہے کہ لواطت کا معاملہ انسانی بلکہ حیوانی طبیعت کے بھی خلاف قانون معاملہ ہے اس پر قانونی حد کیسے جاری ہوگی فلذالك قال ابو حنيفة لاحد فيها۔ (تنظیم الاشتات ۳/۴۷)

بَابُ حَدِّ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ

باندی کی حد جبکہ وہ زنا کرے!

617- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ مُقَرِّنٍ الْمُزَنِيِّ أَتَى عَبْدَ اللهِ بْنَ

مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِأَمَةٍ لَهُ زَنَتْ. قَالَ: إِجْلِدْهَا خَمْسِينَ جِلْدَةً فَقَالَ: إِنَّهَا لَمْ تُحْصِنْ، قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِسْلَامُهَا إِحْصَانُهَا، قَالَ: فَإِنَّ عَبْدًا لِي سَرَقَ مِنْ عَبْدٍ لِي آخَرَ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ، مَالُكَ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ، قَالَ: إِنِّي حَلَفْتُ أَنْ لَا أَنَامَ عَلَى فِرَاشٍ أَبَدًا، يُرِيدُ الْعِبَادَةَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾. فَقَالَ الرَّجُلُ: لَوْلَا هٰذِهِ الْآيَةُ لَمْ أَسْأَلْكَ فَأَمَرَهُ أَنْ يُكَفِّرَ بِعِتْقِ رَقَبَةٍ وَكَانَ مُوسِرًا وَأَنْ يَنَامَ عَلَى فِرَاشٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ: اَلْحَدُّ لَا يُقِيمُهُ إِلَّا السُّلْطَانُ فَإِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ أَوِ الْعَبْدُ كَانَ السُّلْطَانُ هُوَ الَّذِي يَحُدُّهُ دُونَ الْمَوْلَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معقل بن مقرن، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی ایک باندی کو لائے جس نے زنا کیا تھا، تو انہوں نے کہا: اسے پچاس کوڑے لگاؤ، انہوں (معقل بن مقرن) نے کہا یہ محصن نہیں ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا اسلام اس کا احصان ہے، پھر معقل بن مقرن نے کہا: میرے ایک غلام نے دوسرے غلام سے چوری کی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر قطع نہیں ہے، تمہارا مال ہے جو یہاں سے وہاں ہوا ہے، معقل بن مقرن نے کہا: میں نے قسم کھائی ہے کہ میں بستر پر کبھی نہ سوؤں گا، اس سے ان کی مراد عبادت کرنا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہوئے) کہا: ”اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام قرار نہ دو، یقین جانو کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“ تو معقل بن مقرن نے کہا: اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں آپ سے سوال ہی نہ کرتا، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں غلام آزاد کرنے کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور وہ مالدار تھے، اور یہ کہا کہ بستر پر سو جایا کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سارا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے، سوائے ایک صورت کے کہ حد صرف حاکم ہی جاری کرسکتا ہے، پس اگر باندی یا غلام زنا کرے تو حاکم ہی اس پر حد جاری کرسکتا ہے نہ کہ مالک۔

تشریح:

اس روایت میں **چار مسائل** ہیں:

① - غلام اور باندی زنا کریں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ اور پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔ یہ آیت باندیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، مذکورہ واقعہ میں بھی یہی بات ہے، چونکہ غلامی میں نعمت کم ہوتی ہے اس لیے غلام دو عورتوں سے زیادہ سے شادی نہیں کرسکتا، لہذا عقوبت بھی آدھی ہوگی، کوڑوں میں پچاس کرکے آدھی سزا کردی جائے گی، رجم میں نصف نہیں کرسکتے۔ غلام اور باندی چونکہ محصن نہیں، اس لئے ان پر رجم نہیں ہاں مسلمان ہوں تو حد جاری ہوگی جیسا کہ اس واقعہ میں ہے۔

② - **فَإِنَّ عَبْدًا لِي**: اگر غلام اپنے آقا سے یا آقا کے دوسرے غلام سے مال چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے

کہ غلام کومولی کے گھر آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ لہذا یہ مال اس کے حق میں محرز اور محفوظ نہ ہوا اور چوری محقق نہ ہوئی، دوسرے غلام کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ بھی مولی ہی کا ہوتا ہے۔

③۔ إِنِّي حَلَفْتُ: کسی نے قسم کھائی کہ میں رات کو کبھی نہ سوؤں گا، صرف عبادت کروں گا اس کی یہ قسم خلاف شرع ہے، قرآن کی مذکورہ آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس نے جائز پاکیزہ اور حلال کو حرام کر دیا جو حد سے تجاوز ہے، اس کے لئے حکم یہ ہے کہ قسم کا کفارہ ادا کرے اور جتنی عبادت کرسکتا ہے کرے اور ساتھ سوئے بھی۔

④- غلام و باندی پر مولا اپنی مرضی سے حد نہیں لگا سکتا، حد لگانا امام و حاکم کا کام ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مولی بھی لگا سکتا ہے، اس لیے کہ غلام و باندی پر اسے ولایت مطلقہ حاصل ہے، لہذا جیسے سزا دے سکتا ہے حد بھی لگا سکتا ہے،

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے دلائل:

①- حدیث میں آتا ہے کہ چار چیزیں حکام کے ہاتھ میں ہیں نماز، زکوۃ کا وصول کرنا، قصاص اور حدود، دوسری روایت میں ہے زکوۃ، جمعہ اور حدود کا اختیار بادشاہ کو ہے۔

②- ویسے بھی حد اللہ جل شانہ کا حق ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو فساد سے پاک کیا جائے، اس لئے حد بندے کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی، لہذا امام یا اس کا نائب اسے جاری کرے گا، تعزیر بندے کا حق ہے اس لئے بچے کو سزا دی جاتی ہے، حالانکہ وہ غیر مکلف ہے، لہذا حدود حاکم نافذ کرے گا، مولی خود اپنی مرضی سے حد نافذ نہیں کرسکتا۔

بَابُ مَنْ أَتَى فَرْجًا بِشُبْهَةٍ

کوئی شبہ کی وجہ سے وطی کرے!

618- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَقَالَ: مَا أُبَالِي إِيَّاهَا أَتَيْتُ أَوْ جَارِيَةَ عَوْسَجَةَ. قَالَ: وَعَوْسَجَةُ مَنْكِبُ حَيِّهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا. جَارِيَةُ امْرَأَتِهِ وَغَيْرُهَا سَوَاءٌ إِلَّا أَنَّهُ إِذَا أَتَاهَا عَلَى وَجْهِ الشُّبْهَةِ دَرَأْنَا عَنْهُ الْحَدَّ وَكَذَلِكَ بَلَغَنَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.

ترجمہ: حضرت علقمہ سے بیوی کی باندی (سے ہمبستری کے) متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اس (اپنی بیوی کی باندی) سے ہمبستری کروں یا عوسجہ کی باندی سے، وہ فرماتے ہیں: عوسجہ ان کے قبیلے کا مشہور آدمی تھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے، اپنی بیوی کی باندی اور کسی دوسرے شخص کی باندی کا ایک ہی حکم ہے۔ البتہ اگر کوئی شبہ کی وجہ سے اس کے پاس آئے تو ہم اس کے بعد ساقط کر دیتے ہیں، اور اسی طرح ہمیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابن

مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی خبر پہنچی ہے۔

لغات: مَنْكِبُ جمعہ مناکب: کندھا،قوم کا سردار، چودھری، حَیٌّ: محلہ، اس کی جمع احیاء ہے۔

619 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ الضَّبِّيِّ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ بَدْرٍ عَنْ حُرْقُوصٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَتْ: إِنَّ زَوْجِي وَقَعَ عَلَى أَمَتِي فَقَالَ: صَدَقَتْ، هِيَ وَمَالُهَا لِي، قَالَ: إِذْهَبْ فَلَا تَعُدْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: يُدْرَأُ عَنْهُ الْحَدُّ لِأَنَّهَا شُبْهَةٌ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میرے شوہر نے میری باندی سے ہمبستری کی ہے، اس کے خاوند نے کہا: اس نے سچ کہا، لیکن وہ اور اس کا مال میرا ہی تو ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جا سکتے ہو، پر آئندہ ایسا نہ کرنا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے حد ساقط کی جائیگی کیونکہ اس میں شبہ ہے۔

تشریح:

بیوی کی باندی اس طرح حرام ہے جس طرح اجنبی کی باندی حرام ہوتی ہے، اگر کوئی اس سے وطی کرے گا تو گناہگار ہوگا البتہ اس پر حد نہیں ہے کیونکہ اس میں شبہ ہے، بندہ یہ سمجھتا ہے کہ بیوی حلال ہے تو اس کی باندی بھی حلال ہوگی، اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، البتہ قاضی اس کو تعزیر کر سکتا ہے، البتہ اگر وہ کہے مجھے معلوم تھا کہ یہ میرے لئے حرام ہے، تو اسے حد لگا دی جائے گی، اس لئے کہ اسے اس کی حرمت میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا، یہی حکم اپنے والد، والدہ، بیٹے اور مولی کی باندی سے وطی کرنے کا بھی ہے۔

اسی طرح اگر باندی کہے کہ میں یہ سمجھی تھی کہ وہ میرے لئے حلال ہے، چاہے مرد حلال ہونے کے گمان کو نہ بھی بیان کرے تب بھی ان دونوں سے حد ختم کر دی جائے گی، اس لئے کہ یہ فعل فعل واحد ہے، جب تک دونوں یہ اقرار نہ کریں کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ یہ ان پر حرام ہے، اس وقت تک حد نہیں لگائی جائے گی۔

بَابُ دَرْءِ الْحُدُودِ

حدود کو ساقط کرنا!

620 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: ادْرَؤُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُم فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ فَإِذَا وَجَدْتُم لِلْمُسْلِمِ مَخْرَجًا فَادْرَؤُوا عَنْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: جس قدر ممکن ہو مسلمانوں سے حد کو ساقط کر دو، کیونکہ حاکم کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کر دینے سے بہتر ہے، پس جب تم مسلمانوں کے لئے کوئی گنجائش پاؤ تو اس سے حد کو

ساقط کردو۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے۔

621۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ إِنَّهُ قَدْ تَزَوَّجَهَا: لَمْ أَجِدْهَا عَذْرَاءَ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَهُوَ قَوْلُنَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص اپنی بیوی کے بارے میں کہے جس سے اس نے شادی کی ہے، یہ کہ میں نے اسے کنواری نہیں پایا، تو اس پر حد نہیں ہے۔محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے۔

لغات: عَذْرَاء: کنواری، باکرہ، اس کی جمع عذاری ہے۔

تشریح:

حد اس لئے لازم نہیں کہ اس نے زنا کی تہمت نہیں لگائی، ضروری نہیں کہ زنا سے پردہ بکارت ختم ہو، کیونکہ بکارت مختلف وجوہ سے زائل ہوجاتی ہے، جیسے بیماری، عمر کی زیادتی، کثرت حیض، اچھلنا، کودنا، انگلی کا لگ جانا وغیرہ، اس لئے یہ تہمت میں شامل نہ ہوگا اور ایسا کہنے والے پر حد نہیں آئے گی۔

622۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ: لَسْتَ لِفُلَانَةٍ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَوْلُنَا؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْفِهِ مِنْ أَبِيهِ إِنَّمَا قَالَ: لَمْ تَلِدْهُ أُمُّهُ وَإِنَّمَا النَّفْيُ الَّذِي يُحَدُّ فِيهِ الَّذِي يَقُولُ: لَسْتَ لِأَبِيكَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے تو فلاں عورت کا (بیٹا) نہیں ہے، تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ہمارا قول ہے، کیونکہ اس نے باپ سے نفی نہیں کی بلکہ اس نے تو یہ کہا کہ: اس کی ماں نے اسے نہیں جنا، اور وہ نفی جس میں حد جاری ہوسکے، یہ ہے کہ وہ کہے: تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں ہے۔

تشریح:

اگر یہ کہا کہ تم اپنی ماں کا بیٹا نہیں تو اس پر حد نہیں آئے گی، اس لئے کہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے، باپ کی نفی ماں کے زنا کو مستلزم ہے، ماں کی نفی زنا کو مستلزم نہیں، اس لئے ماں کی نفی سے حد قذف لازم نہیں آئے گی، ہاں باپ کی نفی سے حد قذف لازم آئے گی۔

623۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ. فَدَرَءَ عَنْهُ الْحَدَّ، وَأَمَرَ بِالْبَهِيمَةِ فَأُحْرِقَتْ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا، جس نے جانور سے بدفعلی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے حد کو ساقط کردیا، اور جانور کے بارے حکم دیا، پس اس جانور کو ذبح کرکے جلادیا گیا۔:

624- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النَّجُودِ عَنْ أَبِي رَزِينٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ أَتَى بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَ قَوْلُنَا وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٌ إِذَا كَانَتِ الْبَهِيمَةُ لَهُ ذُبِحَتْ وَأُحْرِقَتْ وَلَمْ تُحْرَقْ بِغَيْرِ ذِبْحٍ فَإِنَّهَا مُثْلَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر حد نہیں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قول ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر جانور اس کا ہو تو اسے ذبح کر کے جلا دیا جائے اور بغیر ذبح کے نہ جلایا جائے، کیونکہ یہ مثلہ ہے۔

تشریح:

کیوں کہ زنا اس کو کہتے ہیں جو عورت کے ساتھ مخصوص مقام میں کیا جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے زنا کی حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی، ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اسحق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر لوطی کو پہلے سے معلوم تھا کہ جانور کے ساتھ وطی کرنا ممنوع ہے پھر بھی کر لی تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

دلیل: "عن ابن عباس من اتی بھیمة فاقتلوه"۔

جواب: حدیث میں جو قتل کا حکم ہے وہ ڈانٹ ڈپٹ اور سختی پر محمول ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم سے حد لگانے کی بھی ایک روایت ہے، پھر اگر وہ جانور اسی شخص کا ہو اور حرام ہو تو اسے ذبح کر کے جلا دیا جائے گا اور اگر حلال ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اسے بھی جلا دیا جائے گا، اور اگر وہ جانور اس بدفعلی کرنے والے کا نہ ہو، کسی اور کا ہو تو وہ شخص اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرے گا پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا، ذبح کرنے کا حکم اس لیے ہے تا کہ اسے دیکھ کر لوگ باتیں نہ بنائیں، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے ایسے چوپائے کو ذبح کر کے جلانے کا حکم دیا تھا، پھر احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں اس کا ذبح کرنا واجب نہیں ہے، صرف اولیٰ ہے۔

وَلَمْ تُحْرَقْ بِغَيْرِ ذِبحٍ۔۔ الخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے لگ رہا تھا کہ جانور کو ذبح کئے بغیر جلایا جائے گا، اس لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کر دی ہے، ذبح کے بعد جلایا جائے گا، زندہ جلانا جائز نہیں ہے، یہ مثلہ کی ایک صورت ہے۔

بَابُ حَدِّ السَّكْرَانِ

نشہ کرنے والے کی حد!

625- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ أَبِي الْمُخَارِقِ يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُتِيَ بِسَكْرَانٍ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَضْرِبُوهُ بِنِعَالِهِمْ وَ هُوَ يَوْمَئِذٍ أَرْبَعُونَ رَجُلًا. فَضَرَبَ كُلُّ وَاحِدٍ

بِنَعْلَيْهِ فَلَمَّا وَلِيَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُتِيَ بِسَكْرَانٍ فَأَمَرَهُمْ فَضَرَبُوهُ بِنِعَالِهِمْ فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَاسْتَخْرَجَ النَّاسَ ضَرَبَ بِالسَّوْطِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، نَرَى الْحَدَّ عَلَى السَّكْرَانِ مِنْ نَبِيذٍ كَانَ أَوْ غَيْرِهِ ثَمَانِينَ جَلْدَةً بِالسَّوْطِ، يُحْبَسُ حَتَّى يَصْحُوَ وَيَذْهَبَ عَنْهُ السُّكْرُ، ثُمَّ يُضْرَبُ الْحَدَّ وَيُفَرَّقُ عَلَى الْأَعْضَاءِ وَيُجَرَّدُ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُضْرَبُ الْفَرْجُ وَلَا الْوَجْهُ وَلَا الرَّأْسُ، وَضَرْبُهُ أَشَدُّ مِنْ ضَرْبِ الْقَاذِفِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: عبدالکریم بن أبی المخارق مرفوعاً حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کو نشے کی حالت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اسے اپنے جوتوں سے ماریں، اوراس دن وہاں چالیس آدمی تھے، ہر شخص نے اپنے دونوں جوتوں سے اسے مارا، پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو ان کے پاس بھی نشے کی حالت میں ایک شخص کو لایا گیا تو انہوں نے بھی انہیں اس کو مارنے کا حکم دیا، پس انہوں نے اسے اپنے جوتوں سے مارا، پھر جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور لوگوں نے خروج اختیار کیا (زیادہ پینے لگے) تو آپ نے کوڑوں سے مارنا شروع کردیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ جو شخص نبیذ یا کسی دوسری چیز سے نشہ کرے، اسے اسّی کوڑوں کی حد لگائی جائے، اسے قید کیا جائے یہاں تک کہ اس کے حواس بحال ہو جائیں اور اس سے نشہ اتر جائے، پھر اسے حد لگائی جائے اور بدن کے الگ الگ اعضاء پر حد لگائی جائے، اور اس کے کپڑے بھی اتار جائیں، مگر یہ کہ اس کی شرمگاہ، چہرے اور سر پر نہ مارا جائے، اور اس کی ضربیں تہمت لگانے والے کی ضربوں سے زیادہ سخت ہونگی، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

شراب پینے کی سزا کیا ہے؟

شراب اور دوسری نشہ اور چیزوں کے پینے کی حد کے سلسلے میں اختلاف ہے اور اس بارے میں **دو مذہب** بیان کئے جاتے ہیں۔

❁ **پہلا مذہب**: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شراب کی حد آزاد میں اسی کوڑے ہیں یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

دلیل: اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا "اتفق اجماع الصحابة فی زمن عمر علی الثمانین فی حد الخمر ولا مخالف لهم" کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسی کوڑے ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا اور کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی نیز بخاری میں حضرت عبیداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "ان علیا جلده ثمانین" معلوم ہوا کہ حد خمر اسی کوڑے ہیں۔

❁ **دوسرا مذہب**: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حد خمر چالیس کوڑے ہیں یہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے اور مصلحۃً اس کی اجازت ہے۔

دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ شراب کی حد میں جوتی اور کھجور کی بغیر پتوں والی ٹہنی سے چالیس مرتبہ مارتے

تھے نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ولید پر حد جاری کی تو چالیس کوڑے لگوائے، معلوم ہوا کہ اصل میں حد خمر چالیس ہی کوڑے ہیں۔

جواب: چوں کہ روایتوں میں دونوں طرح کی باتیں وارد ہوئی ہیں اس لئے تطبیق کی شکل یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں "بجرید تین نحو اربعین" کے الفاظ ہیں کہ ٹہنی سے چالیس لگوائے چناں چہ مارنے کے اعتبار سے تو چالیس ہی رہے مگر آلہ کے اعتبار سے اسّی ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ انہوں نے دو کناروں والے کوڑے سے پٹوایا تھا تو یہ بھی آلہ کے اعتبار سے اسّی ہو گئے اور اصل جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چالیس ہی پر عمل تھا مگر بعد میں جب عیش وعشرت عام ہوئی اور شراب کی کثرت ہونے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ کے اجماع سے تعزیرًا اسّی کر دیئے گئے۔

(از معظم الاشتات، ۳۵۴)

626- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا شَرِبَ حَسْوَةً مِنْ خَمْرٍ ضُرِبَ قَالَ: وَأَخَافُ أَنْ يَكُونَ السَّكَرُ مِثْلَ ذَلِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: يُضْرَبُ الْحَدُّ فِي الْحَسْوَةِ مِنَ الْخَمْرِ، فَأَمَّا مِنَ السَّكَرِ فَلَا يُحَدُّ حَتَّى يَسْكَرَ وَلَكِنَّهُ يُعَزَّرُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص شراب کا ایک گھونٹ پی لے تو اس پر حد لگائی جائے گی، انہوں نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ ہر نشہ آور چیز اس کے مثل ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شراب کے ایک گھونٹ میں بھی حد لگائی جائے گی، اور جہاں تک بات ہے دیگر نشہ آور چیزوں کی تو اسے حد نہ لگائی جائے یہاں تک کہ اسے نشہ ہو جائے لیکن اسے تعزیر کیا جائے، اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: حَسْوَةً: گھونٹ۔

تشریح:

شراب کم پی ہو یا زیادہ، اس کو حد لگے گی، اگر شراب کے علاوہ نشہ آور چیز پیئے تو حد کے لئے نشہ آنا ضروری ہے، اگر اسے نشہ ہو جائے تو حد لگائی جائے گی، ورنہ صرف تعزیری سزا دی جائے گی۔

بَابُ حَدِّ مَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ أَوْ سَرَقَ

اس شخص کی حد کا باب جس نے راہزنی کی ہو یا چوری کی ہو!

627- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم اس کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

628۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الحَجَفَةِ وَكَانَ ثَمَنُهَا عَشَرَةَ دَرَاهِمَ وَقَالَ: قَالَ إِبْرَاهِيمُ أَيْضًا: لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ وَكَانَ ثَمَنُهُ يَوْمَئِذٍ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ. وَلَا تُقْطَعُ فِي أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چور کا ہاتھ چمڑے کی بنی ہوئی ڈھال کی قیمت سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا، اور اس کی قیمت دس درہم تھی، اور وہ (حماد) فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا: چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی، لہذا اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

سرقہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

سرقہ باب ض سے ہے لغۃً دوسرے کی چیز چھپا کر لینے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: عاقل بالغ شخص کا دوسرے کا ایسا مال جو محفوظ ہو چپکے سے لے لینا۔

چوری میں ہاتھ کٹنے میں **تین شرطیں** ہیں:

① ۔ وہ چیز دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو۔

② ۔ محفوظ جگہ سے چوری کرے۔

③ ۔ اس چیز میں چور کا کسی قسم کا حصہ نہ ہو۔

مال کی کتنی مقدار میں قطع ید ہوگا:

چور کے ہاتھ کاٹنے پر تو اتفاق ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مال کی ہر مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا کسی معین مقدار میں معدودے چند علماء کے علاوہ تمام امت کا اجماع ہے کہ قطع ید کے لئے مال کی مقدار متعین ہے کہ جس سے کم مقدار چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چناں چہ اس بارے میں **تین مذاہب** نقل کئے جاتے ہیں:

① - **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

② - **امام مالک و احمد** رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تین درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

③ - **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم یا ایک دینار میں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی **دلیل**: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربع دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا کرتے تھے اور حدیث میں چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹنے کا ثبوت ہے۔

امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہما کی **دلیل**: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی وجہ سے جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(بخاری شریف: ج: ۲، ص: ۱۰۰۴)

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیلوں کا **جواب**: اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مال کی چوری میں ہاتھ کاٹا ہے جو ڈھال کی قیمت کے برابر ہو اب ڈھال کی قیمت کتنی تھی، اس میں روایات مختلف ہیں، بعض میں ربع دینار، بعض میں تین درہم، بعض میں دس درہم اس اختلاف کی وجہ سے احناف رحمۃ اللہ علیہم نے اس روایت کو لے لیا جو حد کو دور کرنے والی اور ساقط کرنے والی تھی، کیوں کہ اگر تین درہم کی روایت کو لیا جائے تو اس کی وجہ سے حد زیادہ اور جلدی نافذ ہوگی، ایسے ہی چوتھائی دینار میں اور دس درہم والی روایت لینے کی صورت میں حد دیر سے نافذ ہوگی اور حدود کے باب میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ احتمال اختیار کیا جائے جس سے حد دور ہوتی ہو۔

چور خود ایک مرتبہ چوری کا اقرار کرے یا دو مرد اس کی گواہی دیں تو چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا، گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے کیوں کہ چوری کے ثبوت میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے آیت میں ہے ﴿وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾۔

629- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِي يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا يُقْطَعُ السَّارِقُ فِي ثَمَرٍ وَلَا فِي كَثَرٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَالثَّمَرُ مَا كَانَ فِي رُؤُوسِ النَّخْلِ وَالشَّجَرُ لَمْ يُحْرَزْ فِي الْبُيُوتِ فَلَا قَطْعَ عَلَى مَنْ سَرَقَهُ وَالْكَثَرُ الْجُمَّارُ جُمَّارُ النَّخْلِ فَلَا قَطْعَ عَلَى مَنْ سَرَقَهُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چور کا ہاتھ نہ تو پھل میں کاٹا جائے گا اور نہ ہی گابھے میں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو لیتے ہیں، اور "ثمر" سے مراد وہ پھل ہے جو درختوں پر لگا ہو، اور درخت چونکہ گھروں میں محفوظ نہیں کئے گئے لہذا ان کو چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور "کثر" گابھے یعنی کھجور کے کھابے کو کہتے ہیں، پس اسے چرانے والے پر بھی قطع نہیں ہے اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: يُحْرَزُ: حفاظت کرنا، محرز، محفوظ ہونا۔ الجُمَّارُ: کھجور کے گھابے کو کہتے ہیں یعنی گھور کے درخت کا گوند جو چربی کے مانند ہوتا ہے۔

تشریح:

جو چیزیں جلدی خراب ہونے والی ہیں اور اتنی عمدہ بھی نہیں ہیں کہ جن کے چوری کرنے پر قابل عظمت ہاتھ کاٹا جائے جیسے تر میوے دودھ گوشت تربوز وغیرہ یا درخت پر لگے ہوئے پھل یا جو کھیتی ابھی کھیت میں ہے ان تمام چیزوں کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے کہ یہ محفوظ مال نہیں ہے اور ان پر سرقہ کی تعریف صادق نہیں آتی، البتہ ان میں ضمان لیا جائے گا اور تعزیر بھی ہوسکتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تمام قسم کے پھل جو محفوظ جگہ میں ہیں ان کے چوری کرنے سے ہاتھ کاٹنا واجب ہے کیوں کہ چوری کہتے ہیں مال محفوظ چپکے سے لینے کو تو جس پر چوری کا اطلاق ہوگا وہاں قطع ید بھی ہوگا، احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مال مسروق کا محفوظ جگہ میں ہونا ضروری ہے چوں کہ پھل محفوظ جگہ نہیں ہے کیوں کہ کوئی شخص بھی آ کر ان کو توڑ سکتا ہے لہذا ان پر قطع نہ ہوگا اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ درخت ایسے باغ میں ہیں جس کی چاردیواری ہے اور اس کا دروازہ ہے اس پر تالا پڑا ہوا ہے تو کیا پھر بھی پھل کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا؟

جواب: حدیث میں درخت پر لٹکے ہوئے پھلوں کو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے اور چاردیواری کے ذریعہ صرف درخت حفاظت میں آ گئے ہیں اس لئے اگر ظاہری طور پر حفاظت کا سامان کر بھی لیا گیا تب بھی قطع ید نہ ہوگا۔

630 ۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا سَرَقَ الرَّجُلُ قُطِعَتْ يَدُهُ الْيُمْنَى فَإِنْ عَادَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى فَإِنْ عَادَ ضُمِّنَ السِّجْنَ حَتَّى يُحْدِثَ خَيْرًا، إِنِّي لَأَسْتَحْيِي مِنَ اللهِ أَنْ أَدَعَهُ لَيْسَتْ لَهُ يَدٌ يَأْكُلُ بِهَا وَيَسْتَنْجِي بِهَا وَرِجْلٌ يَمْشِي عَلَيْهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَا يُقْطَعُ مِنَ السَّارِقِ إِلَّا يَدُهُ الْيُمْنَى وَرِجْلُهُ الْيُسْرَى لَا يُزَادُ عَلَى ذَلِكَ شَيْئًا إِذَا أَكْثَرَ السَّرِقَةَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ، وَلَكِنَّهُ يُعَزَّرُ وَيُحْبَسُ حَتَّى يُحْدِثَ خَيْرًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے، پھر اگر دوبارہ کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے، پھر اگر وہ چوری کرے تو اسے قید کر دیا جائے، یہاں تک کہ وہ بھلائی کا ارتکاب کرنے لگے، مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اسے ایسی حالت میں چھوڑوں کہ اس کا نہ ہاتھ ہو جس سے وہ کھانا کھائے اور استنجا کرے اور نہ پاؤں ہو کہ جس پر وہ چل سکے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، اور چور کا صرف دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا، اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جائے گا، اگر وہ بار بار بھی چوری کرے، البتہ اسے تعزیر کیا جائے گا اور قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ بھلائی کرنے لگے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ہاتھ کاٹنے کی کیفیت:

چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے کاٹا جائے گا ہاتھ کاٹنے کی دلیل تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے ﴿فاقطعوا ایدیھما﴾ اور داہنے ہاتھ کی تعیین حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرآت ﴿فَاقْطَعُوا أَيْمَانَهُمَا﴾ سے ہے جو مشہور ہے اور گٹے سے کاٹنے کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چور کا ہاتھ گٹے سے کاٹا۔ اور کاٹنے کے بعد زخم کو داغ دیا جائے تاکہ زیادہ خون نہ نکل جائے اور چور مر نہ جائے کیونکہ ہاتھ کاٹنے سے شہ رگ بھی کٹ جاتی ہے البتہ داغنے کے علاوہ خون روکنے کا اگر اس ترقی یافتہ دور میں کوئی نیا طریقہ ہو تو وہ کیا جا سکتا ہے۔ داغنے کا طریقہ یہ ہے کہ گرم تیل میں چور کا ہاتھ ڈالا جائے پھر داغنے کی اجرت اور تیل کی قیمت چور کے ذمہ

ہے۔(الجوہرۃ،ج:۲،ص:۲۶۳)

❁ **احناف وحنابلہ** یہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر چور دوسری مرتبہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا بایاں پاؤں کٹنے کے بعد اگر چور نے تیسری دفعہ چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ توبہ کرے یا مر جائے۔

دلیل: دوسری بار چوری کرنے کی وجہ سے بائیں پاؤں کا کاٹنا اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے،اور تیسری مرتبہ چوری کرنے کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا کیوں کہ اثر میں اس کا ثبوت ہے،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تیسری مرتبہ چور لایا گیا تو قید میں ڈالنے کا حکم دیا گیا۔(دار قطنی،ج:3،ص:127)اسی طرح احناف کا استدلال آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں مجھے حیاء آتی ہے اللہ تعالیٰ سے اس بات میں کہ میں چوری کی سزا میں چور کا ہاتھ نہ چھوڑوں جس سے وہ کھائے اور استنجاء کرے اور نہ پاؤں چھوڑوں جس سے وہ چل پھر سکے یہی دلیل انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرمائی جس کیوجہ سے وہ ان پر غالب آ گئے،پس گویا اس پر اجماع منعقد ہو گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سزا(چاروں ہاتھ پیر کاٹ دینا)تو درحقیقت آدمی کو بالکل ہی ہلاک کر دینا ہے جنس منفعت کے فوت ہو جانے کی وجہ سے حالانکہ حد سے مقصود زجر ہے نہ کہ تلف کرنا۔(ہدایہ،ج:2،ص:547)

❁ **دوسرا مذہب شافعیہ و مالکیہ کا** رحمۃ اللہ علیہم ہے ان کے نزدیک تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں دایاں پاؤں کاٹا جائے گا اس کے بعد اگر کرے تو تعزیر اور حبس ہے۔

631۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: يُقْطَعُ السَّارِقُ وَ يُضَمَّنُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ لَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا إِذَا قُطِعَ السَّارِقُ بَطَلَ عَنْهُ ضَمَانُ السَّرِقَةِ إِلَّا أَن تُوجَدَ السَّرِقَةُ بِعَيْنِهَا فَتُرَدُّ عَلَى صَاحِبِهَا وَ هُوَ قَوْلُ عَامِرِ الشَّعْبِيّ وَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس سے چوری کا ضمان بھی لیا جائے گا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو نہیں لیتے،جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو چوری کا ضمان اس سے ساقط ہو جاتا ہے،الا یہ کہ چوری شدہ سامان بعینہ اس کے پاس موجود ہو،تو اسے مالک کو واپس کر دیا جائے گا،اور یہ عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوری کی ہوئی چیز اس کے پاس بعینہ موجود ہو تو اس کے مالک کو واپس لوٹا دی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ اس کی ملک ہے،اس سے معلوم ہوا کہ چور کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے،اور اگر اس نے وہ چیز کسی کے ہاتھ بیچ دی یا کسی کو ہبہ کر دی تو وہ اس خریدار سے یا جسے ہبہ کی گئی ہے اس سے واپس لے لی جائے گی،لیکن اگر وہ چیز ضائع ہو گئی تو چور پر اس کا ضمان نہیں آئے گا،اس لئے کہ ہمارے یہاں ضمان اور قطع یہ جمع نہیں ہوتے،حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر ضائع کیا ہو تو ضمان آئے گا اور اگر خود ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں آئے گا۔(المختار)

632 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي كَبْشَةَ قَالَ : أُتِيَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ قَدْ سَرَقَتْ وَهُوَ عَلَى دِمَشْقَ فَقَالَ : يَا سَلَامَةُ! أَسَرَقْتِ؟ قُولِي : لَا فَقَالَتْ : لَا . فَقَالُوا : أَتُلَقِّنُهَا يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ؟ قَالَ : أَتَيْتُمُونِي بِامْرَأَةٍ لَا تَدْرِي مَا يُرَادُ بِهَا لِتَعْتَرِفَ فَأَقْطَعَهَا.

ترجمہ: یزید بن ابی کبشہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سیاہ فام باندی کو لایا گیا جس نے چوری کی تھی، جب کہ وہ دمشق کے حاکم تھے، انہوں نے کہا: اے سلامہ! کیا تو نے چوری کی؟ تو کہہ: نہیں، اس نے کہا: نہیں، لوگوں نے کہا: اے ابودرداء رضی اللہ عنہ کیا آپ اسے سکھا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: تم میرے پاس ایسی عورت کو لائے ہو جو نہیں جانتی کہ چوری سے کیا مراد ہے، پس وہ اعتراف کرے اور میں اس کا ہاتھ کاٹوں۔

وضاحت:

سلامہ باندی کا نام تھا، ما یراد بھا: بہا کی ضمیر میں دو احتمال ہیں اس کا مرجع سرقہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ترجمہ میں مذکور ہوا، اور اس کا مرجع خود جاریہ بھی ہوسکتی ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس سے کیا غرض ہے۔

633 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : أُتِيَ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بِسَارِقٍ فَقَالَ : أَسَرَقْتَ؟ قُلْ : لَا ، فَقَالَ : لَا ، فَخَلَّى سَبِيلَهُ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَ أَمَّا نَحْنُ فَنَقُولُ : لَا يَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ أَنْ يَقُولَ لَهُ : أَسَرَقْتَ؟ وَ لَكِنْ يَسْكُتُ عَنْهُ حَتَّى يُقِرَّ أَوْ يَدَعَ ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَ إِنَّمَا أَرَاهُمَا قَالَا لِلسَّارِقَيْنِ : قُولَا : لَا ؛ لِقَوْلِهِمَا : أَسَرَقْتُمَا ، مَخَافَةَ أَنْ يُجِيبَا بِنَعَم بِمَسْأَلَتِهِمَا إِيَّاهُمَا وَ لَمْ يَفْعَلَا ، وَ كَذَلِكَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ فِي الشَّاهِدِ يَشْهَدُ عِنْدَ الْحَاكِمِ : لَا يَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ أَنْ يَقُولَ لَهُ : أَتَشْهَدُ بِكَذَا وَ كَذَا ؟ مَخَافَةَ أَنْ يَقُولَ : نَعَمْ وَ لَكِنْ يَدَعُهُ حَتَّى يَأْتِيَ بِمَا عِنْدَهُ مِنَ الشَّهَادَةِ ، فَإِنْ كَانَتْ شَهَادَةً قَاطِعَةً أَنْفَذَهَا ، وَ إِنْ كَانَتْ غَيْرَ قَاطِعَةٍ رَدَّهَا وَ كَذَلِكَ الْحُدُودُ.

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری (نام عقبہ بن عمرو) رضی اللہ عنہما کے پاس ایک چور کو لایا گیا، تو انہوں نے اس سے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ کہو نہیں، اس نے کہا: نہیں، پس انہوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ حاکم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ کہے: کیا تم نے چوری کی؟ البتہ وہ خاموش رہے، یہاں تک کہ وہ اقرار کر لے یا چھوڑ دے (انکار کر دے)، اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں (ابوالدرداء اور ابومسعود رضی اللہ عنہما) نے چوروں سے جو یہ کہا کہ تم کہو نہیں، یہ اس لئے تھا کہ کہیں وہ ان کے سوال کے جواب میں ہاں نہ کہہ دے حالانکہ انہوں نے چوری نہ کی ہو، اسی طرح ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس گواہ کے بارے میں کہتے ہیں جو حاکم کے پاس گواہی دے کہ: حاکم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ان سے کہے کیا تم اس اس بات کی ایسی ایسی شہادت دیتے ہو؟ مبادا کہیں وہ ہاں نہ کہہ دے، ہاں البتہ اسے اسی طرح چھوڑا

جائے یہاں تک کہ خود سے گواہی دے، پس اگر گواہی قطعی ہو تو اسے نافذ کر دے اور اگر قطعی نہ ہو تو رد کر دے اور حدود کا بھی یہی معاملہ ہے۔

تشریح:

حدود شبہات سے ختم کر دی جاتی ہیں اس لئے اگر کوئی شبہ نکلتا ہو تو مسلمان کو بچا لینا چاہیے، صاحبِ بحر الرائق، ص 56 پر لکھتے ہیں (حاکم) امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ چور کو تلقین کرے تا کہ وہ چوری کا اقرار نہ کر لے، اس لئے کہ مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اس نے چوری کی ہے، میرا تو خیال ہے کہ اس نے چوری نہیں کی، اس کے ذریعہ سے حد ساقط کرنے کی ایک تدبیر ہے جو مطلوب ہے۔ (رد المحتار: ۴/ ۸۹ میں ہے امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اس نے خود اعتراف کیا تھا مسروقہ سامان اس کے پاس موجود نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا میں تو نہیں سمجھتا کہ تم نے چوری کی ہے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے چوری کی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات دو تین مرتبہ فرمائی ان صاحب نے پھر اقرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ (المختار)

634 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ فَقَطَعَ الطَّرِيقَ فَأَخَذَ الْمَالَ وَقَتَلَ، فَلِلْوَالِي أَنْ يَقْتُلَهُ أَيَّةَ قِتْلَةٍ شَاءَ، إِنْ شَاءَ قَتَلَهُ صَلْبًا، وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُ بِغَيْرِ قَطْعٍ وَلَا صَلْبٍ، وَإِنْ شَاءَ قَطَعَ يَدَهُ وَرِجْلَهُ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ قَتَلَهُ، وَإِنْ أَخَذَ الْمَالَ وَلَمْ يَقْتُلْ قَطَعَ يَدَهُ وَرِجْلَهُ مِنْ خِلَافٍ، فَإِنْ لَمْ يَأْخُذِ الْمَالَ وَلَمْ يَقْتُلْ أَوْجَعَ عُقُوبَةً وَحَبَسَ حَتَّى يُحْدِثَ خَيْرًا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَبِهِ نَأْخُذُ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا قَتَلَ وَأَخَذَ الْمَالَ قُتِلَ صَلْبًا وَلَمْ تُقْطَعْ يَدُهُ وَلَا رِجْلُهُ، وَإِذَا اجْتَمَعَ حَدَّانِ أَحَدُهُمَا يَأْتِي عَلَى صَاحِبِهِ بُدِئَ بِالَّذِي يَأْتِي عَلَى صَاحِبِهِ وَدُرِئَ الْآخَرُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص نکلے اور راہ زنی کرے پھر وہ مال لے لے اور قتل بھی کر دے، تو قاضی کو اختیار ہے کہ اسے جیسے چاہیے قتل کرے، اگر چاہے تو اسے سولی چڑھا دے، اور اگر چاہے تو ہاتھ پاؤں کاٹے بغیر اور سولی چڑھانے سے پہلے قتل کر دے، اور اگر چاہے تو اس کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دے، پھر قتل کرے، اور اگر اس نے مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو، تو اس کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دے، اور اگر نہ مال لیا اور نہ ہی قتل کیا ہو، تو اسے تکلیف دہ سزا دی جائے، اور قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آ جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سارا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور ہم اسی کو لیتے ہیں، سوائے ایک صورت کے کہ جب وہ قتل کرے، اور مال بھی لے تو اسے سولی چڑھا کر قتل کیا جائے اور اس کے ہاتھ اور پاؤں نہ کاٹے جائیں کیونکہ جب دو حدیں جمع ہو جائیں، جن میں سے ایک سے اس کی جان جاتی ہو تو جس سے جان جائے اس سے ابتداء کی جائے گی اور دوسری کو چھوڑ دیا جائے گا۔

ڈاکہ زنی کے احکام:

ایک طاقتور جماعت یا ایک بہادر شخص جس کو راستہ روکنے پر قدرت حاصل ہے ڈکیتی کے ارادہ سے نکلے ابھی نہ تو کسی سے مال چھین سکے اور نہ کسی کو قتل کر سکے اس سے پہلے ہی پکڑ لئے گئے تو ایسی صورت میں حاکم ان کو اتنی مدت تک قید میں رکھے کہ توبہ کر لیں اور حرکات وسکنات سے محسوس ہو کہ انہوں نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے، اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:﴿اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ یا زمین سے شہر بدر کر دیئے جائیں یعنی قید کر دیئے جائیں۔

اگر ڈاکو نے جنایت بھی کی تو پھر اس کی **چار صورتیں** ہو سکتی ہے۔

①......○:اگر ڈاکو ڈکیتی کے لئے نکلے اور مسلمان یا ذمی کا اتنا مال لے لیا کہ جماعت کے ہر فرد کو دس درہم یا دس درہم سے زیادہ مل سکتا ہے یا لوٹا ہوا مال ہر ایک آدمی کو اتنا اتنا ملے گا کہ اس کی قیمت دس درہم ہوگی تو امام ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے گا۔

②......○:اگر ڈاکوؤں نے مال تو نہیں لیا مگر کسی کو قتل کر دیا تو امام ان کو بطور حد قتل کرے گا نہ کہ قصاصًا حتی کہ اگر اولیائے مقتول ڈاکہ زنوں کو معاف کر دیں تو بھی معافی نہ ہوگی بلکہ امام ان کو قتل ہی کرے کیونکہ یہ حق اللہ ہے اور حقوق اللہ وحدود کو معاف کرنا جائز نہیں ہے، نیز آیت محاربہ میں ﴿او یُقَتَّلُوا﴾ ہے۔

③......○:اور اگر انہوں نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اس صورت میں **چند اختیارات** ہیں: ①- دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے کیونکہ انہوں نے مال لیا ہے اور ان کو قتل کر دے کیونکہ انہوں نے قتل بھی کیا ہے، تو دو جرم ہوئے اس لئے دونوں کی سزا دے سکتا ہے، ②- ابتداء ہی میں ان کو سولی دے دے۔ ③- صرف قتل کر ڈالے، ④- صرف سولی دے دے مذکورہ بالا حکم آیت محاربہ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ میں ہے۔ (سورۃ المائدۃ، آیت:33)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قتل کرے گا یا سولی پر چڑھائے گا، ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے گا، اس لئے کہ یہ ایک جنایت ہے، لہذا اس میں دو حدیں نہیں آئیں گی اور ویسے بھی جب جان سے مارنا ہے تو ہاتھ پاؤں کاٹنا اس میں خود بخود داخل ہو جائے گا جیسے اگر حد سرقہ اور رجم جمع ہوں تو رجم میں وہ داخل ہو جاتی ہے، لیکن شیخین رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ یہ اگرچہ ایک عقوبت ہے، لیکن اس میں سختی اس سبب آئی ہے کہ اس نے لوگوں کے امن وسکون کو غارت کیا، قتل کیا، مال لوٹا، اس لئے ڈاکو کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں گے اور ڈاکہ میں یہ ایک ہی حد شمار ہوں گی، اگرچہ چوری میں یہ دو حد شمار ہوتی ہیں، باقی تداخل مختلف حدوں میں ہوتا ہے ایک حد میں نہیں ہوتا، سولی پر اس لئے چڑھایا جاتا ہے تاکہ تشہیر ہو، لوگوں کو عبرت حاصل ہو، بہر حال اختیار دیا ہے اس لئے کہ قتل سے تشہیر حاصل ہوگئی، سولی پر چڑھانے میں اور مبالغہ ہے۔

④......○: اگر اس نے قتل نہ کیا ہو نہ مال لوٹا ہو البتہ زخمی کر دیا ہو، تو جس زخم میں قصاص لیا جا سکتا ہو اس میں قصاص لیا جائے گا اور جس میں تاوان آتا ہو اس میں تاوان لیا جائے گا، اور اس کا حق اولیاء کو ہوگا۔

سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ زندہ آدمی کو تختہ پر لٹکا دیا جائے پھر نیزہ سے پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔ صاحب اللباب فرماتے ہیں کہ زمین میں ایک لکڑی گاڑ دی جائے اور مجرم کو اس پر کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر ایک دوسری لکڑی لگا کر اس کے دونوں ہاتھ اس پر باندھ دیئے جائیں اور اس کی بائیں چھاتی کے نیچے نیزہ سے اس کے پیٹ پر چونکے لگائے جائیں اور اس کے پیٹ کو ہلایا جائے، تین دن میں لوگوں کو عبرت ہو جائے گی اور زیادہ رکھنے میں لاش سڑے گی اور بدبو پھیلے گی اس لئے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ سولی ہی پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے، تا کہ لوگوں کو زیادہ عبرت ہو۔

635۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي سَارِقٍ سَرَقَ، فَأُخِذَ فَانْفَلَتَ، ثُمَّ سَرَقَ فَأُخِذَ الثَّانِيَةَ قَالَ: يُقْطَعُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَا نَرَى عَلَيْهِ إِلَّا قَطْعًا وَاحِدًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس چور کے بارے میں مروی ہے جس نے چوری کی ہو اسے پکڑ لیا گیا ہو اور وہ بھاگ گیا ہو پھر دوبارہ چوری کی پھر پکڑا گیا، فرمایا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس پر ایک قطع ید کو لازم سمجھتے ہیں یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

لغات: فَانْفَلَتَ: رہا ہو جانا، بھاگ جانا، چھوٹ جانا، از انفعال۔

چور کئی دفعہ چوری کرے؟

صورت مسئلہ: اگر کوئی شخص چوری کر کے پکڑا جائے اور بھاگ نکلے اور پھر چوری کر کے پکڑا جائے تو ایک چوری کی طرف سے ہاتھ کاٹنا سب چوریوں کی طرف سے شمار کیا جائے گا، کیونکہ حدود میں تداخل ہو جاتا ہے، ہاں البتہ اگر ہاتھ کاٹے جانے کے بعد دوبارہ چوری کرے تو اس کی ٹانگ کاٹی جائے گی۔

636۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَجُلٌ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِي عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا يُقْطَعُ مُخْتَلِسٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچکے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

وضاحت:

چوں کہ اُچکے پر سرقہ کی تعریف صادق نہیں آتی وہ چپکے کے سے مال لے کر جاتا ہے بجائے اس کے کہ سب کے سامنے چھین کر

لے جاتا ہے اس لیے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیانت کرنے والے، زبردستی چھیننے والے اور چالاکی سے اچکنے والے پر حد نہیں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ان پر سرقہ کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے حد نہیں ہے البتہ تعزیری سزا دی جائے گی، البتہ یہ سب گناہ کبیرہ اور فسادی کام ہیں۔

بَابُ حَدِّ النَّبَّاشِ

کفن چور کی سزا!

637 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي النَّبَّاشِ : إِذَا نَبَشَ عَنِ الْمَوْتَى فَسَلَبَهُمْ : إِنَّهُ يُقْطَعُ ، وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : لَا يُقْطَعُ ؛ لِأَنَّهُ مَتَاعٌ غَيْرُ مُحْرَزٍ . لَكِنَّهُ يُوجَعُ ضَرْبًا وَ يُحْبَسُ حَتَّى يُحْدِثَ خَيْرًا . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبَلَغَنَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ أَفْتَى مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ أَنْ لَا يَقْطَعَهُ وَهُوَ قَوْلُنَا .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کفن چور کے بارے میں فرمایا: جب وہ مردوں کا کفن اتار کر لے جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے کیونکہ یہ غیر محفوظ سامان ہے البتہ اسے مارنے کے ذریعے سزا دی جائے اور قید کر دیا جائے حتی کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے مروان بن حکم کو فتوی دیا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اور یہی ہمارا قول ہے۔

کفن چور کی سزا:

"نباش" کفن چوری کرنے والا، کفن چور کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف تھا، حضرت عمر، عائشہ، ابن مسعود اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم اس کا ہاتھ کاٹنے کے واجب ہونے کے قائل تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نہ کاٹنے کے یہی امام ابوحنیفہ و محمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے، امام ابو یوسف اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما وجوب قطع کے قائل ہیں استدلال میں بیہقی کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں کہ "جس نے کفن چوری کیا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے"، کفن بھی مالِ متقوّم اور محفوظ ہے لہذا ہاتھ کٹنا چاہیے، طرفین رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ چپکے سے لینے والے پر قطع ید نہیں آتا، مختفی اہل مدینہ کی لغت میں کفن چور کو کہتے تھے، ویسے اس میں شبہ بھی آ گیا اس لئے کہ کفن نہ حقیقت مردے کی ملکیت ہے نہ وارث کی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل تو وہ زجر و تشدید پر محمول ہے۔ (المختار)

بَابُ شَهَادَةِ أَهْلِ الذِّمَّةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

اہل ذمہ کا مسلمانوں کے بارے میں گواہی دینا!

638 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ ﴾ إِلَى آخِرِهَا ، قَالَ : مَنْسُوخَةٌ . قَالَ مُحَمَّدٌ :

وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى، وَإِنَّمَا يَعْنِي بِهٰذِهِ الشَّهَادَةِ فِي السَّفَرِ عِنْدَ حَضْرَةِ الْمَوْتِ عَلَى الْوَصِيَّةِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، جَازَتْ شَهَادَةُ أَهْلِ الذِّمَّةِ عَلَى وَصِيَّةِ الْمُسْلِمِ. نُسِخَ ذٰلِكَ. فَلَا يَجُوزُ عَلَى وَصِيَّةِ الْمُسْلِمِ وَلَا غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَمْرِهِ إِلَّا الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد: "جب تم میں سے کوئی مرنے کے قریب ہو تو وصیت کرتے وقت آپس کے معاملات طے کرنے کے لئے گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے دو دیانت دار آدمی ہوں، (جو تمہاری وصیت کے گواہ بنیں) یا دو گواہ ہوں تمہارے غیر کے ہو۔۔۔الخ)" منسوخ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور اس سے مراد دوران سفر موت آنے پر کی جانے والی وصیت پر گواہی ہے، جبکہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو مسلمان کی وصیت پر اہل ذمہ کی گواہی جائز ہے، یہ بات منسوخ ہے لہذا مسلمان کی وصیت اور اس کے علاوہ، اس کے کسی دوسرے معاملے پر صرف مسلمانوں کی گواہی ہی جائز ہے۔

شہادۃ کا لغوی اصطلاحی معنی:

شہادت کے **لغوی معنی** ہیں، مشاہدہ کے بعد کسی چیز کی صحت کی خبر دینا۔ اور **اصطلاحی تعریف:** کسی کا حق ثابت کرنے کے لئے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی بات کی خبر دینے کے ہیں۔

ارشاد باری ہے ﴿واستشهدوا شهدين من رجالكم﴾ (اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو) آیت کے اس ٹکڑے سے شہادت ثابت ہوئی۔

شہادت کی ادائیگی اور اس کا تحمل مدعی کے مطالبہ کے وقت گواہوں پر ایسا فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اور اس کا چھپانا ناجائز ہے ہاں اتنی بات تو ضرور ہے کہ اگر گواہی دینے والے ایک دو آدمی متعین ہوں تو گواہی دینا فرض عین ہوگا اور اگر بہت سے لوگ ہیں تو فرض کفایہ ہوگا شہادت فرض ہونے پر یہ آیت دلیل ہے ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ یعنی جب گواہ بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں آیت میں چونکہ مطالبہ کے وقت انکار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے مطالبہ کے وقت حاضر ہونے کا امر ہوگا اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے لہذا شہادت دینا واجب اور لازم ہوگا۔

ذمی کی گواہی:

اہل ذمہ کی بعض کی بعض کے لیے گواہی قبول کی جائے گی چاہے ان کے دین ایک دوسرے سے مختلف کیوں نہ ہوں، **امام مالک وشافعی** رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں قبول نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ وہ فاسق ہیں، **احناف** رحمۃ اللہ علیہم یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض عیسائیوں کی گواہی بعض کے لیے قبول کی، باقی رہا فسق تو وہ اعتقادی ہے جو مانع نہیں۔

البتہ ذمی کی شہادت مسلمان پر قبول نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اسے مسلمان پر ولایت حاصل نہیں، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء:141)

اور پھر یہ بھی ڈر ہے کہ وہ اس کے خلاف جھوٹ بولے اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت رہتے ہیں اور ان سے کینہ رکھتے ہیں۔

بَابُ شَهَادَةِ الْمَحْدُودِ

جس کو حد لگائی گئی اس کی گواہی!

639 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي نَصْرَانِي قَذَفَ مُسْلِمَةً فَضُرِبَ الْحَدُّ ثُمَّ أَسْلَمَ، أَنَّهُ جَائِزُ الشَّهَادَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُضْرَبْ حَدًّا فِي الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس عیسائی کے بارے میں فرماتے ہیں جو کسی مسلمان عورت پر زنا کا الزام لگائے (قذف کرے) پس اسے حد لگائی جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی گواہی جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اسے اسلام کی حالت میں حد نہیں لگائی گئی۔

اگر کوئی ذمی حد قذف لگنے کے بعد مسلمان ہو جائے تو اس کی شہادت کا حکم:

اگر کوئی ذمی حد قذف لگنے کے بعد مسلمان ہو جائے تو اس کی شہادت ذمیوں کے بارے میں بھی قبول کی جائے گی اور مسلمانوں کے بارے میں بھی، اس لیے کہ اسے یہ حقِ شہادت اسلام کے بعد حاصل ہوا ہے لہذا یہ مردود فی الشہادۃ نہیں ہوگا لیکن اگر کسی غلام کو غلامی کی حالت میں حد قذف لگ جائے پھر اسے آزاد کر دیا جائے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اس لیے کہ غلامی کی حالت میں اس کی گواہی معتبر ہی نہ تھی لہذا اس کی گواہی کو آزادی کے بعد رد کرنا حد کی تکمیل میں سے ہوگا۔

640 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبراهيم قَالَ: إِذَا جُلِدَ الْقَاذِفُ لَمْ تَجُزْ شَهَادَتُهُ أَبَدًا، وَقَالَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا﴾، قَالَ: يُرْفَعُ عَنْهُ اِسْمُ الْفِسْقِ، فَأَمَّا الشَّهَادَةُ فَلَا تَجُوزُ أَبَدًا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب قذف کرنے والے کو حد لگائی جائے تو اس کی گواہی کبھی بھی جائز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "مگر وہ لوگ جو اس کے بعد (حد کے بعد) توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں" اس کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے فسق کا عنوان اٹھا لیا جائے گا جہاں تک شہادت کا تعلق ہے تو ہمیشہ کے لئے ناجائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

محدود فی القذف کی گواہی:

محدود في القذف: وہ شخص ہے جس نے کسی مسلمان کو زنا کی تہمت لگائی مگر اس کو ثابت نہ کر سکا تو اس تہمت لگانے کی سزا میں اس کو اسی کوڑے مارے گئے ہوں، محدود فی القذف کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ کر لے اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم توبہ کے بعد محدود فی القذف کو شہادت کا اہل قرار دیتے ہیں اس لیے کہ آیت میں ﴿ الا الذین تابوا ﴾ کے ذریعہ توبہ کرنے والے کو مستثنی کیا گیا ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم آیت ﴿ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا ﴾ سے استدلال کرتے ہیں اور اس لیے بھی کہ اس کی شہادت کا رد کرنا حد میں شامل ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی شہادت کا رد کرنا دوسروں پر تہمت لگانے سے مانع بنے گا لہذا یہ حکم توبہ کے بعد بھی باقی رہے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ﴿ الا الذین تابوا ﴾ میں ﴿ فاولئك ھم الفاسقون ﴾ سے استثناء کیا گیا ہے، لہذا توبہ کرنے والے فاسق نہیں رہیں گے البتہ شہادت پھر بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

641- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ قَالَ: أُجِيزُ شَهَادَةَ الْقَاذِفِ إِذَا تَابَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا.

ترجمہ: حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قاذف (قذف کرنے والے) کی شہادت کو جائز قرار دیتا ہوں جب توبہ کر لے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار نہیں کرتے۔

642- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: أَتَاهُ أَقْطَعُ بَنِي أَسَدٍ فَقَالَ: أَتَقْبَلُ شَهَادَتِي؟ وَكَانَ مِنْ خِيَارِهِمْ، فَقَالَ: نَعَمْ، وَأَرَاكَ لِذَلِكَ أَهْلًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، كُلُّ مَحْدُودٍ فِي سَرِقَةٍ، أَوْ زِنًا، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ إِذَا تَابَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ إِلَّا الْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ خَاصَّةً، لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ﴾.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے پاس بنو اسد کا ایک شخص آیا جس کا ہاتھ چوری میں کاٹا گیا تھا اس نے پوچھا کیا میری شہادت قبول ہوگی اور وہ ان کے اچھے لوگوں میں سے تھا تو حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں میں تجھے اس کا اہل سمجھتا ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جس شخص کو چوری یا زنا وغیرہ میں حد لگائی جائے جب توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول ہوگی سوائے جس کو حد قذف لگائی گئی، خاص اس کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے! "اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔

تشریح:

حد قذف کے علاوہ دوسری حدود لگنے والے اگر توبہ کر لیں تو ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی، مثلاً زانی، چور، شرابی توبہ کر لیں تو توبہ کے بعد ان کی گواہی مقبول ہوگی اس لیے کہ ان کی گواہی فسق کی وجہ سے روکی گئی تھی اور توبہ سے فسق ختم ہو گیا۔

بَابُ شَهَادَةِ الزُّورِ

جھوٹی گواہی!

643۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ أَبِي الْهَيْثَمِ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: كَانَ إِذَا أَخَذَ شَاهِدَ زُورٍ، فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السُّوقِ قَالَ لِلرَّسُولِ: قُلْ لَهُمْ: إِنَّ شُرَيْحًا يُقْرِئُكُمُ السَّلَامَ، وَيَقُولُ: إِنَّا أَخَذْنَا هَذَا شَاهِدَ زُورٍ فَاحْذَرُوهُ، وَإِنْ كَانَ مِنَ الْعَرَبِ أَرْسَلَهُ إِلَى مَسْجِدِ قَوْمِهِ أَجْمَعَ مَا كَانُوا، فَقَالَ لِلرَّسُولِ مِثْلَ مَا قَالَ فِي الْمَرَّةِ الْأُولَى، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَلَا يَرَى عَلَيْهِ ضَرْبًا، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِنَّا نَرَى عَلَيْهِ مَعَ ذَلِكَ التَّعْزِيرَ، وَلَا يَبْلُغُ بِهِ أَرْبَعِينَ سَوْطًا.

ترجمہ: ہیثم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں شریح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے شخص نے ان سے شریح رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہا کہ: جب وہ کسی جھوٹے گواہ کو پکڑتے، پس اگر وہ گروہ تجارت (بازار) والا ہوتا تو اپنے قاصد سے کہتے: ان (بازار والوں) سے کہو: شریح تمہیں سلام کہتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اسے جھوٹے گواہ کے طور پر پکڑا ہے، لہذا اس سے محتاط رہو، اور اگر وہ عربی ہوتا تو اسے اس کی قوم کے لوگوں کی مسجد میں بھیج دیتے، جبکہ لوگ زیادہ سے زیادہ جمع ہوں، پس قاصد سے وہی پہلی مرتبہ والی بات کہتے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی کو لیتے ہیں، اور جہاں تک ہمارا قول ہے، تو ہماری رائے میں اس کے ساتھ ساتھ اس کو تعزیر بھی کی جائے گی، البتہ ان کی تعداد چالیس کوڑوں تک نہ پہنچائے۔

644۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، أَنَّهُ كَانَ يَضْرِبُ شَاهِدَ الزُّورِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَرْبَعِينَ سَوْطًا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ جھوٹے گواہ کو ایک سے چالیس کوڑوں کے درمیان مارنے کا حکم دیتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں۔"

جھوٹے گواہ کی سزا:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ میں جھوٹے گواہ کی بازار میں تشہیر کروں گا کہ یہ جھوٹا ہے لہذا اس سے بچو، اس کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا: کہ اس کو مارا بھی جائے گا اور قید خانہ میں بھی رکھا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگائے تھے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ جھوٹے گواہ کی تشہیر کیا کرتے تھے رہی حدیث سو وہ سیاست پر محمول ہے صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے قول کو ترجیح دی ہے۔

بَابُ شَهَادَةِ النِّسَاءِ مَا يَجُوزُ مِنهَا، وَمَا لَا يَجُوزُ

عورتوں کی گواہی کہاں جائز ہے اور کہاں ناجائز؟

645 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبراهيم قَالَ: شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ مَا خَلَا الْحُدُودِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَنَحْنُ نَقُولُ: مَا خَلَا الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی حدود کے علاوہ ہر چیز میں جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور ہم کہتے ہیں حدود وقصاص کے علاوہ ہر چیز میں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

واضح رہے کہ گواہی (شہادت) کے نصاب کو تین قسم کے معاملات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:

① - **حدود وقصاص:** جیسے حدِ زنا، حدِ سرقہ، قتل کی سزا وغیرہ، اس میں عورتوں کی گواہی سرے سے مقبول ہی نہیں ہے، خواہ ان کے ساتھ مرد ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ عورتوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

② - **وہ معاملات جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے:** جیسے بچے کی ولادت، عورت کا باکرہ ہونا وغیرہ، اس قسم کے معاملات میں تنہا ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔

③ - **مذکورہ دونوں قسم کے معاملات کے علاوہ دیگر معاملات:** جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، ہبہ وغیرہ، اس قسم کے معاملات میں عورتوں کی گواہی مقبول تو ہے، مگر تنہا نہیں، بلکہ دو شرائط کے ساتھ: ایک یہ کہ کم از کم ان گواہی دینے والی عورتوں کی تعداد "دو" ہو، اور دوسری یہ کہ ان دو عورتوں کے ساتھ کم از کم ایک مرد بھی گواہی دینے والا ہو۔

لہٰذا دوسری قسم کے معاملات کے علاوہ، کسی بھی جگہ تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی، خواہ اُن کی تعداد کتنی بھی ہو جائے۔

(شامی)

646 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ كَانَ يُجِيزُ شَهَادَةَ الْمَرْأَةِ عَلَى الْإِسْتِهْلَالِ فِي الصَّبِيِّ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَانَتْ عَدْلًا مُسْلِمَةً، وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ: لَا تُقْبَلُ عَلَى الْإِسْتِهْلَالِ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ، أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ، فَأَمَّا الْوِلَادَةُ مِنَ الزَّوْجَةِ فَتُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ عَدْلًا مُسْلِمَةً، فَهٰذَا عِنْدَنَا سَوَاءٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: کہ وہ (پیدائش کے بعد) بچے کے رونے کی آواز (کے آنے اور نہ آنے) پر ایک عورت کی گواہی کو جائز سمجھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں جبکہ وہ عادل اور مسلمان ہو، اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

تھے: بچے کے رونے پر صرف دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی،، البتہ بیوی سے بچے کی ولادت کے متعلق ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی، جبکہ وہ عادل اور مسلمان ہو، پس یہ ہمارے ہاں برابر ہے۔

وضاحت:

دائی اگر یہ گواہی دے کہ بچہ نے پیدا ہوتے وقت آواز نکالی تھی تو یہاں دو حکم ہیں:

① - بچے کی نماز جنازہ، اس بارے میں بالاتفاق یہ گواہی قبول ہے، کیونکہ نماز دین کا معاملہ ہے، یہی حکم ماں کی گواہی کا بھی ہے۔

② - میراث جاری کرنا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہیں ہے، کیونکہ آواز پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں قبول ہے، بشرطیکہ دائی عادلہ ہو، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر عموماً مرد نہیں ہوتے، اس لئے ضرورۃً ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے، البتہ میراث کے حق میں ماں کی گواہی بالاجماع قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس میں تہمت آتی ہے۔

فَأَمَّا الْوِلَادَةُ.. الخ ایک عورت کا یہ گواہی دینا کہ فلاں کی بیوی کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی ہے، یہ بالاتفاق قبول ہے۔

بَابُ مَنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لِلْقَرَابَةِ وَغَيْرِهَا

قرابت وغیرہ کی وجہ سے گواہی قبول نہ ہونا!

647- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ، عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: أَرْبَعَةٌ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ: اَلْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا، وَالزَّوْجِ لِامْرَأَتِهِ، وَالْأَبِ لِابْنِهِ، وَالِابْنِ لِأَبِيهِ، وَالشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ، وَالْمَحْدُودِ حَدًّا فِي قَذْفٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: تَجُوزُ شَهَادَةُ الشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ فِي غَيْرِ شَرِكَتِهِمَا.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چار لوگ ایسے ہیں جن کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں ہے، عورت کی اپنے شوہر کے حق میں، اور شوہر کی اپنی بیوی کے حق میں، اور باپ کی اپنے بیٹے کے حق میں، اور بیٹے کی اپنے باپ کے حق میں، اور شریک کی اپنے شراکت دار کے لئے، اور اس شخص کی جس پر حد قذف جاری ہوئی ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، سوائے اس کے کہ ہم کہتے ہیں شریک کی گواہی، اپنے شراکت دار کے لئے مشترکہ معاملے کے علاوہ میں جائز ہے۔

تشریح:

چار سے مراد صرف قرابت کی گواہی ہے، اور وہ پہلے چار ہیں ورنہ اس میں چھ کا بیان ہے، اور محدود فی القذف کی شہادت کی تفصیل آ چکی ہے۔

648- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ قَالَ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ

الْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا وَلَا الزَّوْجِ لِامْرَأَتِهِ، وَلَا الْأَبِ لِابْنِهِ، وَلَا الْابْنِ لِأَبِيهِ، وَلَا الشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ.

ترجمہ: عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورت کی گواہی اپنے شوہر کے لئے اور شوہر کی اپنی بیوی کے لئے، باپ کی اپنے بیٹے کے لئے، اور بیٹے کی اپنے باپ کے لئے، اور شریک کی اپنے شراکت دار کے لئے، جائز نہیں ہے۔

تشریح:

اصول یہ ہے کہ جن لوگوں کے منافع مشترک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس میں تہمت ہے، اس لئے میاں بیوی کی ایک دوسرے کے لئے اور فروع کی اصول کے لئے اور اصول کی فروغ کے لئے، مولی کی غلام میں اور غلام کی مولی کے لئے گواہی کا اعتبار نہیں ہوگا، ہاں البتہ ان کے خلاف گواہی معتبر ہے کیونکہ اس میں تہمت نہیں ہے، شریک کے بارے میں اختلاف ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اپنے شریک کے لئے گواہی مطلقا قبول نہیں ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں شرکت والے معاملے میں تو قبول نہیں کیونکہ اس میں اس کا حصہ ہے، اور شرکت کے علاوہ امور میں قبول ہے کیونکہ اس میں حصہ نہیں ہے۔ (المختار)

بَابُ شَهَادَةِ الصِّبْيَانِ

بچوں کی گواہی!

649- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: كَتَبَ هِشَامٌ إِلَى ابْنِ هُبَيْرَةَ يَسْأَلُهُ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ شَهَادَاتِ الصِّبْيَانِ، وَعَنْ جِرَاحَاتِ النِّسَاءِ وَالرِّجَالِ، وَعَنْ دِيَةِ الْأَصَابِعِ، وَعَنْ عَيْنِ الدَّابَّةِ، وَالرَّجُلِ يُقِرُّ بِوَلَدِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ؟ فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّ شَهَادَةَ الصِّبْيَانِ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ جَائِزَةٌ إِذَا اتَّفَقُوا، وَجِرَاحَاتِ النِّسَاءِ وَالرِّجَالِ تَسْتَوِيَانِ فِي السِّنِّ وَالْمُوضِحَةِ، وَتَخْتَلِفَانِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ، وَدِيَةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ، وَفِي عَيْنِ الدَّابَّةِ رُبُعُ ثَمَنِهَا، وَالرَّجُلُ يُقِرُّ بِوَلَدِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ أَنَّهُ أَصْدَقُ مَا يَكُونُ عِنْدَ الْمَوْتِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ إِلَّا فِي خَصْلَتَيْنِ: أَحَدُهُمَا: شَهَادَةُ الصِّبْيَانِ عِنْدَنَا بَاطِلٌ اتَّفَقُوا أَوِ اخْتَلَفُوا، لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾، فَالصِّبْيَانُ لَيْسُوا مِمَّنْ يُوصَفُ أَنْ يَكُونُوا عُدُولًا، وَلَا مِمَّنْ يُرْضَى بِهِ مِنَ الشُّهَدَاءِ، وَالْخَصْلَةُ الْأُخْرَى جِرَاحَاتُ النِّسَاءِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ جِرَاحَاتِ الرِّجَالِ فِي السِّنِّ، وَالْمُوضِحَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہشام نے ابن ہبیرہ سے ان سے پانچ باتیں پوچھنے کے لئے خط لکھا: بچوں کی گواہی کے بارے میں، اور عورتوں اور مردوں کے زخموں کے بارے میں، اور انگلیوں کی دیت کے بارے میں، اور جانور کی آنکھ

(چھوڑنے کے تاوان) کے بارے میں اور اس شخص کے بارے میں جو موت کے وقت اپنے بچے کا قرار کرے۔ تو انہوں نے انہیں لکھا کہ بچوں کی گواہی دوسرے بچوں کے بارے میں معتبر ہے، جب کہ ان کا اتفاق ہو جائے، اور عورتوں اور مردوں کے زخم دانت اور موضحہ میں برابر ہیں، اور اس کے علاوہ میں مختلف ہیں، اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے، اور جانور کی آنکھ میں اس کی قیمت کا چوتھائی حصہ ہے، اور وہ شخص جو موت کے وقت اپنے بچے کا اقرار کرے تو (یہ اقرار معتبر ہے) کیونکہ وہ سب سے سچا اپنی موت کے وقت ہی ہو سکتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان سب باتوں کو لیتے ہیں سوائے دو صورتوں کے، ان میں ایک یہ کہ بچوں کی گواہی ہمارے نزدیک باطل ہے، ان کا تفاق ہو یا اختلاف، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں" اور اپنے میں سے دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو عدل والے ہوں"۔ "اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو ہاں اگر دو مرد موجود نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہو جائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو"، پس بچے اس صفت کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتے کہ وہ عادل قرار دیے جائیں، اور وہ ایسے گواہ نہیں کہ جن کو لوگ پسند کرتے ہوں اور دوسری صورت یہ کہ دانتوں اور موضحہ اور دوسرے زخموں میں عورتوں کے زخم کی دیت مردوں کے زخم کی دیت مرد سے آدھی ہے، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

عبارت کی تصحیح: وفی الاصل: کتب هشام الی ابن هبیره۔

ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ہبیرہ سے پانچ مسائل پوچھے:

①......○ بچوں کی گواہی کے بارے میں: حضرت ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: کہ اگر بچوں کے بیان میں اختلاف نہ ہو ایک ہی بیان ہو تو ان کی گواہی قبول ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک قبول نہیں ہے اختلاف ہو یا ایک ہی بیان ہو دونوں صورتوں میں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے **دلیل** میں قرآن کی دو آیات پیش کی ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے تین الفاظ سے بچوں کی گواہی کا غیر معتبر ہونا ثابت کیا ہے،

پہلا: اللہ جل جلالہ نے گواہوں کے عادل ہونے کا حکم دیا ہے جبکہ بچے موصوف بالعدل نہیں ہوتے، اس لئے کہ عادل مکلف ہوتا ہے۔

دوسرا: اللہ جل جلالہ نے رجال کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

تیسرا: اللہ جل جلالہ نے پسندیدہ فرمایا ہے، اور کوئی اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے کہ عاقل بالغ کی جگہ کوئی بچہ اس کی طرف سے گواہ بنے۔

حاصلِ کلام یہ کہ بچہ چونکہ کامل العقل و الضبط نہیں ہوتا اس میں پوری اہلیت نہیں ہوتی اس لئے وہ شہادت نہیں دے سکتا شہادت کے لئے شرط یہ ہے کہ عقلِ کامل، ضبط اور اہلیت ہو۔

②......○ عورتوں کے زخموں کے بارے میں سوال کے جواب میں حضرت ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ دانت اور موضحہ میں

مردوں کے زخموں کے برابرتاوان ہےاور باقی میں فرق ہے۔

جبکہ ہمارے نزدیک سب میں فرق ہےاورعورتوں کے زخم کا تاوان مردوں کے زخم کے مقابلہ آدھا ہے،جس طرح عورت کی دیت،

③......○ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا ارش برابر ہے، ہر انگلی کے بدلہ دیت کا دسواں حصہ آئے گا،اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے

④......○ چوپایے کی آنکھ پھوڑنے کی صورت میں جانی پر جانور کی ربع قیمت تاوان آئے گی۔

⑤......○موت کے وقت کسی بچے کے نسب کا اقرار کرنا درست ہے اس سے وہ اس کا بیٹا شمار ہوگا۔

650 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَرْبَعَةٌ لَا تَجُوزُ فِيهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ، الزِّنَا، وَالْقَذْفُ وَشُرْبُ الْخَمْرِ وَالسُّكْرُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چار امور میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے، زنا اور تہمت اور شراب پینے اور نشہ کے بارے میں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت: یہ سب حدود ہیں اور پہلے آچکا ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْوَصِيَّةِ

جس حد تک وصیت جائز ہے اس کا بیان!

651 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ يَعُودُنِي قَالَ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أُوصِي بِمَا لِي كُلِّهِ؟ قَالَ: لَا، فَقُلْتُ: بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: لَا، فَقُلْتُ: بِالثُّلُثِ؟ قَالَ: الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، لَا تَدَعْ أَهْلَكَ يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا تَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِأَحَدٍ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ، فَإِنْ أَوْصَى بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ فَأَجَازَ ذَلِكَ الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ فَهُوَ جَائِزٌ، وَلَيْسَ لِلْوَارِثِ أَنْ يَرْجِعَ فِيمَا أَجَازَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول کیا میں اپنے سارے مال کے بارے میں وصیت کرسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، پس عرض کیا: آدھے مال کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، پس عرض کیا: ایک تہائی کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک تہائی کی کرسکتے ہو اور ایک تہائی بھی زیادہ ہے، اپنے گھر والوں کو اس حالت میں نہ چھوڑو کہ انہیں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، کسی کے لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، پس اگر وہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرلے، پس ورثاء اس کی موت کے بعد اس کی اجازت دے دیں، تو یہ جائز ہے، اور

وارث کے لئے اجازت دی ہوئی چیز میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وصیت کے مندرجہ ذیل احکام ہیں:

① ...... ○ ہر شخص کو اپنے مال کے ایک ثلث میں وارثوں کے علاوہ کے لیے جائز وصیت کرنے کا اختیار ہے، اور ورثاء پر اس وصیت کے مطابق عمل واجب ہے۔

② ...... ○ البتہ اگر میت پر قرض ہو تو پہلے اس کی ادائیگی کی جائے گی، خواہ اس میں پورا ترکہ صرف ہو جائے، اس کی ادائیگی کے بعد اس وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

③ ...... ○ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت میں تہائی میں عمل کرنا ضروری ہے اور باقی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا، البتہ اگر ورثاء تہائی سے زیادہ میں بھی مرحوم کی وصیت کے مطابق عمل کرنا چاہیں تو بالغ ورثاء کو اختیار ہے۔

④ ...... ○ ورثاء کے لیے وصیت کرنے کی صورت میں وہ وصیت غیر معتبر ہوگی اور مال ورثاء میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا، البتہ اگر بالغ ورثاء راضی ہوں کہ مرحوم کی وصیت پر مذکورہ وارث کے حق میں عمل کریں تو ان کو اختیار ہے۔

⑤ ...... ○ ورثاء میں اگر نابالغ بھی ہوں اور وصیت ایک تہائی سے زائد ہو یا کسی وارث کے حق میں ہو، اور بالغ ورثاء اسے نافذ کرنے پر راضی ہوں تو ایک تہائی سے زائد وصیت صرف بالغ ورثاء کے حصے میں سے نافذ ہوگی۔

البتہ مذکورہ روایت میں چند مسائل کا ذکر ہے:

① - عیادت کرنا سنت ہے

② - اللہ جل جلالہ کے نام پر صدقہ کرنے کی وصیت مستحب عمل ہے۔

③ - مال کی ایک تہائی میں وصیت مالک کا حق ہے، اس میں ورثہ کی ناراضگی درست نہیں۔

④ - ایک تہائی سے زیادہ وصیت درست نہیں ہے، اس میں ورثہ کی حق تلفی ہے۔

⑤ - جب ورثاء ایک بار اجازت دیدیں تو پھر اس سے رجوع نہیں کرسکتے، وصیت نافذ ہوجائے گی۔

652 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الرَّجُلِ يُوصِي بِالْوَصِيَّةِ فَتُجِيزُهَا الْوَرَثَةُ فِي حَيَاتِهِ، ثُمَّ يَرُدُّونَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ؟ قَالَ: ذَلِكَ النَّكِرَةُ، وَلَا يَجُوزُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِجَازَةُ الْوَرَثَةِ لِلْوَصِيَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَيْسَ بِشَيْءٍ، فَإِنْ أَجَازُوهَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَهِيَ لِوَارِثٍ أَوْ أَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ فَذَلِكَ جَائِزٌ، وَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا فِيهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے وصیت کی پس ورثاء نے اس کی زندگی میں اس کی

اجازت دیدی، پھر وہ اس کو اس کی موت کے بعد واپس لے لیں فرمایا: یہ مکروہ ہے، اور جائز نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، موت سے پہلے ورثاء کا وصیت کی اجازت دیدینا کوئی معنی نہیں رکھتا، پس اگر انہوں نے موت کے بعد اجازت دیدی اور وہ (وصیت) کسی خاص وارث کے حق میں ہو یا ایک تہائی سے زیادہ ہو تو وہ جائز ہے، اور ان کے لئے اس میں رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وصیت کا قبول کرنا اور نفوذ مرنے کے بعد ہوتا ہے:

وصیت کا قبول کرنا اور نفوذ مرنے کے بعد ہوتا ہے اس لئے کہ وصیت میں مرنے کے بعد مالک بنایا جاتا ہے اس لئے اس کا قبول یا رد کرنا موت کے بعد مقبول ہوگا اس سے قبل اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

جس کے لئے وصیت کی گئی ہے اگر اس نے حالت حیات میں قبول کرلیا یا رد کردیا تو یہ باطل ہے اس لئے کہ اس کا ثبوت موت کے بعد ہوتا ہے، ورثہ چاہے مالدار ہوں یا غریب مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی سے کم کی وصیت کی جائے اس لئے کہ اس میں قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہے کہ ان کے لیے مال چھوڑ کر گیا البتہ تہائی مال میں اپنے حق کا وصول کرنا ہے جس میں نہ صلہ رحمی ہوتی ہے نہ کسی پر احسان، ثلث سے زائد کی وصیت ممنوع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کردو اور ایک تہائی تو بہت بڑی چیز ہے، اس سے زائد کی میت کو وصیت میں ظلم و زیادتی قرار دیا گیا ہے، میت کے کرنے کے بعد اگر ورثہ تہائی سے زائد کو مان لیں تو ایسا کر سکتے ہیں اس لئے کہ شریعت نے ان کے حق کی وجہ سے منع کیا تھا وہ اپنا حق چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ وارث کے لئے وصیت معتبر نہیں الا یہ کہ ورثہ چاہیں۔ (المختار)

بَابُ الرَّجُلِ يُوصِي بِالْوَصَايَا أَوْ بِالْعِتْقِ

ایک شخص کئی وصیتیں کرے یا غلام آزاد کرنے کی وصیت کرے!

653 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الرَّجُلُ فِي الْوَصِيَّةِ: فُلَانٌ حُرٌّ، وَأَعْطُوا فُلَانًا أَلْفَ دِرْهَمٍ، بُدِئَ بِالْعِتْقِ، وَإِذَا قَالَ: أَعْتِقُوا فُلَانًا، وَأَعْطُوا فُلَانًا كَذَا وَكَذَا فَبِالْحِصَصِ، وَإِذَا قَالَ: أَعْطُوا فُلَانًا هَذَا الْعَبْدَ بِعَيْنِهِ، وَأَعْطُوا فُلَانًا كَذَا وَكَذَا بُدِئَ بِهَذَا الَّذِي بِعَيْنِهِ مِنَ الثُّلُثِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ فِيمَا وُصِفَ مِنَ الْعِتْقِ فَأَمَّا إِذَا قَالَ: أَعْطُوا فُلَانًا هَذَا الْعَبْدَ بِعَيْنِهِ، وَأَعْطُوا فُلَانًا كَذَا وَكَذَا، تَحَاصَّا فِي الثُّلُثِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی وصیت میں یہ کہے: فلاں شخص آزاد ہے، اور فلاں کو ایک ہزار درہم دو، تو وصیت کی ابتداء آزادی سے کی جائے گی، اور جب یہ کہے کہ: فلاں کو آزاد کردو اور فلاں کو اتنا اتنا دیدو، تو وصیت کا نفاذ حصوں کے اعتبار سے ہوگا، اور

جب یہ کہا: فلاں کو یہ متعین غلام دیدو، اور فلاں کو اتنے اتنے درہم دیدو تو وصیت کی ابتداء اس معین غلام کے ذریعے ایک تہائی سے ہوگی۔
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اس صورت میں لیتے ہیں جس میں آزادی کو بیان کیا گیا ہے، لیکن اگر اس نے یہ کہا: فلاں کو یہ معین غلام دیدو، اور فلاں کو اتنے اتنے درہم دیدو، تو وہ دونوں ایک ثلث میں حصہ دار ہونگے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

اصول یہ ہے کہ اگر کوئی غلام کو آزاد کرتا ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا، اور اگر اس کو آزاد کرنے کی وصیت کرے تو وہ ثلث (تہائی) مال میں سے آزاد ہو جائے گا، اس لئے کہ عتق رقبہ (غلام آزاد کرنا) ختم نہیں کیا جا سکتا، اور اعتاق کے علاوہ دوسری چیز میں ختم کی جا سکتی ہیں، اسلئے وصیت میں اعتاق کو مقدم رکھا جائے گا، اس اعتبار سے مسئلہ کی **تین صورتیں** بنتی سکتی ہے:

① - اگر کوئی وصیت کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ: میرا فلاں غلام آزاد ہے اور فلاں شخص کو ہزار روپے بھی دینے ہیں، اس میں پہلے غلام کو آزاد کیا جائے گا پھر اگر ایک تہائی میں سے کچھ بچتا ہو تو فلاں کو کچھ دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

② - دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے خود غلام آزاد نہیں کیا بلکہ آزاد کرنے کا حکم دیا اور کہتا ہے کہ فلاں غلام آزاد کردو اور فلاں کو ہزار روپے دیدو تو ثلث دونوں پر تقسیم ہوگا، اور حصص کے مطابق عمل ہوگا، مثلاً وہ بارہ ہزار کا مالک ہے، اور غلام کی قیمت دو ہزار روپے ہے، تو غلام بھی آزاد ہو جائے گا اور موصی لہ کو بھی دو ہزار مل جائے گا، کیونکہ ثلث (چار ہزار) میں دونوں کام پورے ہو رہے ہیں، اور اگر چھ ہزار کا مالک ہے اور غلام دو ہزار کا ہے تو کل کا ثلث دو ہزار ہے، اسلئے غلام ہزار میں آزاد کیا جائے گا اور ہزار میں وہ سعی کرے گا اور ایک ہزار موصی لہ کو مل جائیں گے۔

③ - تیسری صورت: اگر موصی نے کہا کہ: فلاں کو یہ متعین غلام دیدو اور فلاں کو ہزار درہم دیدو تو ابراہیم نخعی کے ہاں اس کا حکم پہلی صورت والا ہے، غلام پہلے آزاد کیا جائے گا، ہمارے ہاں اس کا حکم دوسری صورت والا ہے، ثلث دونوں پر تقسیم ہوگا۔

654 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُوصِي لِلرَّجُلِ بِعَبْدِهِ بِعَيْنِهِ، وَ يُوصِي لِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ، قَالَ: يُعْطَى هَذَا الْعَبْدَ، وَيُعْطَى هَذَا مَا بَقِيَ إِنْ بَقِيَ شَيْءٌ، وَإِنْ أَوْصَى لِهَذَا بِمِائَةِ دِرْهَمٍ، وَلِهَذَا بِثُلُثِ مَالِهِ أُعْطِيَ هَذَا مِائَةً، وَالْآخَرُ مَا بَقِيَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنْ صَاحِبَيِ الْوَصِيَّةِ يَتَحَاصَّانِ فِي الثُّلُثِ بِوَصِيَّتِهِمَا، وَلَا يَكُونُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا بِأَحَقَّ بِالثُّلُثِ مِنْ صَاحِبِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے کسی شخص کے لئے اپنے متعین غلام کی وصیت کی، اور دوسرے کے لئے اپنے مال میں سے ایک تہائی کی، اس (پہلے) کو غلام دیا جائے گا، اور اس (دوسرے) کو باقی دیا جائے گا، بشرطیکہ کچھ بچ جائے، اور اگر ایک کے لئے سو درہم کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی مال کی، تو اسے (پہلے کو) سو درہم دیدیا

جائے گا، اور دوسرے کو باقی ماندہ دیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو نہیں لیتے، بلکہ دونوں وصیت والے، اپنی وصیتوں میں ثلث کے حقدار ہونگے، اور ان میں سے کوئی بھی ایک تہائی میں دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں ہوگا، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

چونکہ دونوں کے لئے وصیت کی گئی ہے اور دونوں کا حق برابر ہے اس لئے تہائی میں سے دونوں کو اپنے اپنے حصے کے مطابق دیا جائے گا دونوں میں سے کوئی بھی ایک تہائی میں دوسرے سے زیادہ کا حقدار نہ ہوگا۔

655۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إبراهيمَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ ثُلُثَ عَبْدِهِ عِنْدَ الْمَوْتِ وَقَدْ أَوْصَى بِوَصَايَا قَالَ: إِبْدَأْ بِعِتْقِ ثُلُثِ غُلَامِهِ، وَلَا يُعْتَقُ مِنْهُ إِلَّا مَا أَعْتَقَ، وَيَسْتَسْعِي فِيمَا لَا يَعْتِقُ مِنْهُ، فَإِذَا أَوْصَى مَعَ عِتْقِ ثُلُثِهِ بِوَصَايَا وَلَهُ مَالٌ جُعِلَ ثُلُثَا سِعَايَتِهِ فِيمَا أَوْصَى بِهِ وَلَا أَجْعَلُ ذَلِكَ لِلْوَرَثَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تعالى، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِذَا عَتَقَ ثُلُثُهُ عَتَقَ كُلُّهُ، وَبُدِءَ بِهِ مِنْ ثُلُثِ مَالِ الْمَيِّتِ قَبْلَ الْوَصَايَا، فَإِنْ بَقِيَ شَيْءٌ كَانَ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا بِالْحِصَصِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے موت کے وقت اپنے غلام کے ایک تہائی حصے کو آزاد کر دیا، اور دیگر وصیتیں بھی کی ہوں: اس کے غلام کے ایک تہائی کی آزادی سے ابتدا کرو، اور اس کا وہی حصہ آزاد ہوگا جو اس نے آزاد کیا، اور وہ اپنے غیر آزاد حصے میں سعی کرے گا، اور اگر اس نے، اس (غلام) کا ایک تہائی آزاد کرنے کے ساتھ، مزید وصیتیں بھی کی ہوں اور اس کے پاس مال بھی ہو، تو غلام کی سعی کی دو تہائی اس کی وصیت میں خرچ ہونگی، اور میں اسے ورثاء کو نہیں دونگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور جہاں تک ہمارے قول کا تعلق ہے تو جب اس کی ایک تہائی آزاد ہے تو وہ پورا ہی آزاد ہے، لہذا وصیتوں سے پہلے میت کے مال کی ایک تہائی سے وصیت کی ابتداء کی جائے گی، پھر اگر کچھ باقی ہو تو وہ دوسرے اصحابِ وصیت کے لئے حصوں کے اعتبار سے ہوگا۔

تشریح:

یہاں تین اصول کا ذکر ہے:

پہلا اصول: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عتق تجزی قبول کرتا ہے، یعنی جتنا آزاد کرے اتنا ہی آزاد ہوگا، سعی کا مطلب یہ ہے کہ کما کر باقی کی قیمت دے گا پھر مکمل آزاد ہوگا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں عتق تجزی قبول نہیں کرتا، لہذا جب کچھ حصہ آزاد کرے تو سارا آزاد ہو جائے گا

دوسرا اصول: مرض الموت میں جو تبرع کیا جائے وہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے اور وہ صرف ایک تہائی میں نافذ ہوسکتا ہے

تیسرا اصول: اعتاق اور دوسری وصیتیں جمع ہوجائیں تو اعتاق کو مقدم کیا جائے گا۔

ان اصولوں کی روشنی میں صورت مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص کے غلام کی قیمت ایک سو بیس روپے ہے، اس نے مرض الموت میں اس کی ایک تہائی آزاد کردی، تو یہ بھی وصیت کے حکم میں ہے، اس کے علاوہ اس نے کئی وصیتیں بھی کیں مثلاً زید کو چالیس روپے دینا ہے اور مدرسے میں چالیس روپے دینا ہے وغیرہ، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ غلام اسّی روپے کما کردے گا، کیونکہ اس کا ایک تہائی آزاد ہے، باقی آزاد نہیں، اور غلام جو اسّی روپے کما کردے گا اس میں سے چالیس روپے زید کو اور چالیس روپے مدرسے کو دیں گے، ورثہ کو غلام کی قیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا، جب کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں پورا غلام آزاد ہوگا صرف ایک تہائی آزاد نہیں ہوگا، پھر اگر ایک تہائی مال میں سے کچھ بچتا ہو تو باقی وصیتیں بقدر حصص پوری کی جائیں گی، مثلاً اس کا کل مال نو سو روپے ہے تو تہائی تین سو بنتا ہے جس میں سے تین سو غلام کی آزادی کی صورت میں ادا ہوگئے، اور چھ سو روپے بچتے ہیں تو تین سو زید اور تین سو مسجد میں دیدیں گے، کیونکہ دونوں وصیتیں برابر تھیں، اور اگر وصیتوں میں فرق ہو مثلاً مدرسے کے لئے چار سو اور زید کے لئے دو سو کی وصیت کی ہے تو چار سو مدرسے کو اور دو سو زید کو دیئے جائیں گے۔

656- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إبراهيمَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ عَبْدَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، قَالَ: يَسْتَسْعِي فِي قِيمَتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا كَانَ الدَّيْنُ مِثْلَ الْقِيمَةِ أَوْ أَكْثَرَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ أَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ سَعَى فِي مِقْدَارِ الدَّيْنِ مِنْ قِيمَتِهِ لِلْغُرَمَاءِ، وَفِي ثُلُثَيْ مَا بَقِيَ لِلْوَرَثَةِ، وَكَانَ لَهُ الثُّلُثُ وَصِيَّةً، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے مرتے وقت اپنے غلام کو آزاد کیا، اور اس پر قرض بھی ہو: غلام اپنی قیمت میں سعی کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، جب کہ قرض قیمت کے برابر یا زیادہ ہو اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی مال نہ ہو، پس اگر قرض قیمت سے کم ہو تو غلام اپنی قیمت میں سے قرض کی مقدار میں قرض خواہوں کے لئے سعی کرے گا، اور باقی ماندہ دو تہائی میں ورثاء کے لئے سعی کرے گا، اور اس کے لئے ایک تہائی وصیت ہوگی، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

اصول یہ ہے کہ مرض الموت میں اعتاق وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت قرض کے بعد نافذ کی جاتی ہے، لہٰذا اگر دین غیر مستغرق (یعنی غلام کی قیمت سے کم) ہو تو غلام اس کے لئے سعی کرے گا اور اگر دین مستغرق ہو (یعنی غلام کی قیمت سے زیادہ) ہو تو غلام اپنی قیمت کے برابر سعی کرے گا۔

657- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الْكَفَنُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، يُبْدَأُ بِهِ قَبْلَ الدَّيْنِ وَالْوَصِيَّةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کفن سارے مال سے ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور قرض اور وصیت سے پہلے کفن سے ابتداء کی جائے گی، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی کا انتقال ہوتو اس کے ترکہ میں سب سے پہلے تجہیز وتکفین کے اخراجات نکالے جائیں گے، اس لئے کہ کفن اس کے حاجات میں سے تو اسے اور تمام چیزوں پر مقدم کیا جائے گا اور اسے اس کے تمام مال سے نکالا جائے گا، اگر سارا ترکہ اس میں خرچ ہوگیا تو قرض اور دین کی ادائیگی نہیں ہو سکے گی، اگر کچھ بچ گیا تو قرض ادا ہوگا، اس کے بعد وصیت کی باری آئے گی۔

658- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَا أَوْصَى بِهِ الْمَيِّتُ مِنْ وَصِيَّةٍ كَانَتْ عَلَيْهِ، أَوْ صَوْمًا، أَوْ نَذْرًا، أَوْ كَفَّارَةَ يَمِينٍ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَكَذَلِكَ مَا أَوْصَى بِهِ مِنْ حَجَّةٍ فَرِيضَةٍ، أَوْ زَكَاةٍ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ إِلَّا أَنْ تُجِيزَ الْوَرَثَةُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ فَيَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میت نے جو بھی وصیت کی ہو جو اس پر ہو، چاہے وہ روزے کی ہو، نذر ہو یا قسم کا کفارہ ہو، تو ان کا نفاذ ثلث مال سے ہوگا، الا یہ کہ ورثاء چاہیں (تو زیادہ میں بھی وصیت نافذ کر سکتے ہیں)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور اسی طرح اگر وہ حجِ فرض یا زکاۃ وغیرہ کی وصیت کرے، تو وہ بھی ثلث مال سے نافذ ہوگی، الا یہ کہ ورثاء سارے مال سے نافذ کرنے کی اجازت دیدیں، تو جائز ہے، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

وصیت ایک تہائی میں ہوسکتی ہے البتہ اگر وہ ورثاء جن کا اس مال پر حق آگیا ہے وہ تمام مال میں سے ان کو ادا کرنا چاہیں تو انہیں اس کا اختیار ہے اس لئے کہ اپنے حق کو چھوڑنا یا اس میں کمی کرنے کا مالک کو اختیار ہوتا ہے۔

659- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: يُبْدَأُ بِالْعِتْقِ مِنَ الْوَصِيَّةِ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ مِنَ الثُّلُثِ قُسِمَ بَيْنَ أَهْلِ الْوَصِيَّةِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ فِي الْعِتْقِ الْبَاتِّ فِي الْمَرَضِ وَالتَّدْبِيرِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وصیت کے نفاذ میں آزادی سے ابتداء کی جائے گی، پھر اگر ایک تہائی مال میں سے کچھ باقی بچ جائے تو اہل وصیت کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم حالتِ مرض میں قطعی آزاد کرنے اور

مدبر بنانے کے بارے میں اسی قول کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

دیگر وصیتوں کے ساتھ اعتاق کی بھی وصیت ہو تو اعتاق مقدم ہوگا اس لئے کی یہ نہایت قوی تصرف ہے، حتی کہ شرعاً جس نے آزاد کیا ہے وہ بھی اس کو فسخ نہیں کرسکتا، پھر جو بچے گا اس سے باقی وصیتیں پوری کی جائینگی، نیز مرض الموت میں قطعی اور غیر معلق اعتاق اور مدبر بنانا بھی وصیت کے حکم میں ہے اس وجہ سے یہ باقی وصایا پر مقدم ہوں گے۔

660 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إبراهيمَ قَالَ: مَا أَوصَى بِهِ الْمَيِّتُ مِنْ نَذْرٍ، أَوْ رَقَبَةٍ فَمِنْ ثُلُثِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میت نے کسی بھی نذر یا گردن (کی آزادی) کی وصیت کی ہو تو اس کا نفاذ اس کے ایک تہائی سے ہی ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

مرض الموت میں کی گئی وصیت ثلث میں نافذ ہوتی ہے اس سے زائد ورثاء کا حق ہوتا ہے لہذا میت کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں ہوگا۔

661 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الْحُبْلَى إِذَا أَوْصَتْ وَهِيَ تُطْلَقُ ثُمَّ مَاتَتْ فَوَصِيَّتُهَا مِنَ الثُّلُثِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَإِنَّمَا يَعْنِي بِقَوْلِهِ: وَصِيَّتُهَا مِنَ الثُّلُثِ، يَقُولُ: مَا وَهَبَتْ، أَوْ تَصَدَّقَتْ بِهِ فِي تِلْكَ الْحَالِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حاملہ دروزہ کی حالت میں کوئی وصیت کرے اور پھر مرجائے تو اس کی وصیت ایک تہائی مال میں نافذ ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور اس کی وصیت سے مراد یہ ہے کہ اس حالت میں اس نے جو بھی ہبہ یا صدقہ کیا وہ ایک تہائی مال میں سے ہی ہوگا۔ اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

یہ صورت بھی مرض الموت کہلاتی ہے اور مرض الموت میں جو بھی ہبہ صدقہ اور تبرع کیا جائے وہ وصیت ہے لہذا یہ تصرفات صرف ثلث میں نافذ ہوں گے۔

662 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي ابْنَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ: أَنَّهُ إِن بَلَغَ الَّذِي أَعْطَى فِيهِ الثُّلُثَ وَرِثَ، وَإِن كَانَ ثَمَنُهُ دُونَ الثُّلُثِ وَرِثَ، وَإِن كَانَ أَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ وَاسْتَسْعَى فِي شَيْءٍ لَمْ يَرِثْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِنَّهُ يَرِثُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ

وَقِيمَتُهُ دَيْنٌ عَلَيْهِ يُحَاسَبُ بِهَا بِمِيرَاثِهِ ، وَ يُؤَدِّي فَضْلًا إِن كَانَ عَلَيْهِ ، وَ يَأْخُذُ فَضْلًا إِن كَانَ لَهُ ، لِأَنَّهُ وَارِثٌ وَرَقَبَتُهُ وَصِيَّةٌ لَهُ ، وَلَا يَكُونُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق کہ جس نے موت کے وقت اپنا بیٹا ایک ہزار درہم میں خرید لیا ہو روایت ہے کہ اگر اس میں جو مال دیا ہے، ایک تہائی تک پہنچتا ہے تو وہ وارث ہوگا، اور اگر اس کی قیمت ایک تہائی سے کم ہو تب بھی وارث ہو گا، اور اگر تہائی سے زیادہ ہو اور وہ کسی چیز میں سعی کرے تو وارث نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سارا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور جہاں تک ہمارے قول کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ ہر حال میں وارث ہوگا، اور اس کی قیمت اس پر قرض ہوگی، جس کا اس کی میراث میں حساب کیا جائے گا، اور وہ اضافہ ادا کرے گا اگر اس پر دین ہو، اور وہ اضافہ وصول کرے گا اگر اس کا حق بنتا ہو، کیونکہ وہ وارث ہے، اور اس کی آزادی اس کے لئے وصیت ہے، اور وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی۔

تشریح:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص چھ ہزار کا مالک ہے، اس نے مرض الموت میں دو ہزار پر اپنا بیٹا خرید لیا تو بیٹا خریدتے ہی بیٹا آزاد ہو جائے گا اور بیٹا وارث بھی بنے گا،

دوسری صورت: ایک شخص چھ ہزار کا مالک ہے اور اس نے غلام بیٹا ایک ہزار میں خریدا تو خریدتے ہی بیٹا آزاد بھی ہوگا اور وارث بھی بنے گا، پہلی صورت میں غلام کی قیمت موصی کے کل مال کا ایک تہائی ہے اور دوسری صورت میں ایک تہائی سے کم ہے۔

تیسری صورت: یہ ہے کہ موصی کا کل مال بارہ سو ہے جس کا ثلث چار سو بنتا ہے اور اس نے غلام بیٹے کو چھ سو میں خریدا جب کہ ثلث چار بنتا تھا لہذا بیٹا دو سو میں سعی کرے گا اور باپ کا وراث بھی نہیں بنے گا، یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ان سب صورتوں میں بیٹا وارث ہوگا اس غلام بیٹے کی جتنی قیمت ہے وہ اس پر اس کے باپ کا قرض ہے باپ کی میراث سے اس کا حساب پورا کیا جائے گا۔ اس طرح اس مسئلہ کی تین صورتیں ہو سکتی ہے۔

پہلی صورت: دین اور میراث برابر ہو، مثلا دین چانچ سو اور میراث بھی چانچ سو ہے، تو اس کو میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا اس لئے کہ میراث سے دین ادا ہو گیا۔

دوسری صورت: دین کم ہو اور میراث زیادہ ہو مثلا میراث ایک ہزار ہو اور دین پانچ سو، اس صورت میں اس کو میراث میں سے چانچ سو ملے گا۔

تیسری صورت: میراث کم ہو اور دین زیادہ ہو مثلاً میراث ہزار روپے اور دین پندرہ سو ہے تو وہ پانچ سو باقی ورثاء کو ادا کرے گا حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا کہنا ہے کہ باپ نے اس کا رقبہ خرید کر گویا اس کے لئے وصیت کی ہے اور وارث کے لئے وصیت درست

نہیں لہذا بیٹا رقبہ کی قیمت ادا کرے گا۔

بَابُ فَضْلِ الْعِتْقِ

غلام آزاد کرنے کی فضیلت کا باب!

663 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَعْتَقَ مَمْلُوكًا لَهُ فَقَالَ لَهُ: أَمَا إِنَّ مَالَكَ لِي، وَلَكِنِّي سَأَدَعُهُ لَكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، مَنْ أَعْتَقَ مَمْلُوكًا، أَوْ كَاتَبَهُ فَمَالُهُ لِمَوْلَاهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنا ایک غلام آزاد کیا تو اسے کہا: جو مال تمہارے پاس ہے وہ میرا ہے، لیکن میں اسے تیرے لئے چھوڑتا ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو لیتے ہیں، جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے، یا اسے مکاتب بنائے تو اس کا مال اس کے مالک کے لئے ہے، اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

غلام کے پاس جو مال ہوتا ہے، وہ مالک کا ہے، لہذا اگر غلام کو آزاد کیا تو مال مولی کا ہے ہاں مولی خود رکھے یا غلام کو دیدے یا کسی اور کو، اس کی مرضی ہے۔

664 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَنْ أَعْتَقَ نَسَمَةً أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ، حَتَّى إِن كَانَ الرَّجُلُ لَيَسْتَحِبُّ أَنْ يُعْتِقَ الرَّجُلَ لِكَمَالِ أَعْضَائِهِ، وَالْمَرْأَةُ تُعْتِقُ الْمَرْأَةَ لِكَمَالِ أَعْضَائِهَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص نے کسی انسانی جان کو آزاد کیا، اللہ اس کے ہر عضو کے بدلے اس (آزاد کرنے والے) کے حصہ عضو کو جہنم سے آزاد فرمائیں گے، مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کی تکمیل کے لئے مرد کو آزاد کرے اور عورت اپنے مکمل اعضاء کی آزادی کے لئے، عورت کو آزاد کرے۔

تشریح:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے عوض آگ سے چھٹکارہ دیتے ہیں (متفق علیہ)۔ ایک دوسری روایت میں غلام آزاد کرنے کو دخولِ جنت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے (بیہقی)۔ اسلام نے کافروں کو کفر کی سزا اگرچہ غلامی کی شکل میں دی ہے لیکن اس کا مقصد ان کو غلام بنا کر رکھنا نہیں بلکہ مختلف طریقے سے ترغیب دے کر انہیں آزاد کرنے پر زور دیا اور اس کے اجر و ثواب کو بیان کیا ہے۔

بَابُ عِتْقِ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ

مدبر اور ام ولد کے آزادی کا بیان!

665- مُحَمَّدٌ قال: أخبرنا أبو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ فِي وَلَدِ الْمُدَبَّرَةِ الْمَوْلُودِ فِي حَالِ تَدْبِيْرِهَا: بِمَنْزِلَتِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَاخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَة.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی مدبرہ کے بارے میں جو مدبرہ (وہ باندی جس کی آزادی کو، مالک نے اپنی موت کے ساتھ معلق کیا ہو) ہونے کی حالت سے بچہ جنے فرمایا: کہ وہ بچہ بھی اسی کی طرح مدبر بنے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

666- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِ سَيِّدِهَا إِذَا وَلَدَتْهُ وَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ بِمَنْزِلَتِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ام ولد کا وہ بچہ جو اس کے مالک کے علاوہ کسی اور کا ہو، اور وہ اسے ام ولد ہونے کی حالت میں جنے، تو وہ اسی کے حکم میں ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

آقا کے مرنے کے بھی مدبر آقا کے تہائی مال میں سے آزاد ہوتا ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ مدبر کو نہ بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگا، وہ تہائی مال میں آزاد ہوتا ہے، مدبر بنانا بھی ایک قسم کی وصیت ہے، لہذا تہائی مال میں نافذ ہوگی اگر آقا کے پاس اس مدبر کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو تو مدبر اپنے دو تہائی کے لئے سعی کرے گا، اور اگر آقا پر دین ہو تو مدبر اپنی قیمت کی ادائیگی کے لئے سعی کرے گا اس لئے کہ دین وصیت پر مقدم ہوتا ہے۔ اس غلام کی آزادی کالعدم نہیں کر سکتے لہذا وہ اپنی قیمت کما کر دے گا۔

مدبرہ باندی کی اولاد بھی مدبرہ ہوتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے، عبدالرزاق اپنی مصنف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مدبر کی اولاد بھی اس کی طرح (مدبر) ہے، اسی طرح اگر کسی باندی کا اپنے آقا سے بچہ ہو جائے تو وہ اس کی ام ولدہ (بچے کی ماں) بن جاتی ہے اب نہ اس کا بیچنا جائز ہے نہ کسی کو ہبہ کرنا اور مالک بنانا اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا، ہوا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ سے جب حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں آزاد نہیں کریں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہیں ان کے بیٹے نے آزاد کر دیا ہے (ابن ماجہ) آقا امِ ولدہ سے خدمت لے سکتا ہے، کام کاج لے سکتا اور ہم بستری کر سکتا ہے۔ اگر مولی نے ام ولد کا کسی اور سے نکاح کر دیا اور اس سے اس کا بچہ ہو تو وہ بچہ بھی امِ ولدہ کے حکم میں ہوگا، جب مولی کا انتقال ہوگا تو یہ دونوں تمام مال سے آزاد ہوں گے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ

حکم دیا تھا کہ امہاتِ اولاد کو آزاد کر دیا جائے اور دَین کی ادائیگی کے لئے انہیں بیچا نہ جائے، نہ انہیں مولی کے تہائی مال سے آزاد کیا جائے، ام ولد پر مولی کے دین کی ادائیگی کے لئے سعایہ نہیں آئے گا۔(المختار)

667 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُنَادِي عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ أَنَّهُ حَرَامٌ ، إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ لِسَيِّدِهَا عَتَقَتْ ، وَلَيْسَ عَلَيْهَا بَعْدَ ذَلِكَ رِقٌّ ، قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ إِلَّا أَنَّهَا مُتْعَةٌ لَهُ يَطَؤُهَا مَا دَامَ حَيًّا .

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر ام ولد باندیوں کی بیع کے بارے میں یہ اعلان کرتے تھے کہ یہ حرام ہے، جب باندی اپنے مالک کا بچہ جن لے تو وہ آزاد ہے، اور اس پر غلامی کا اثر باقی نہیں رہے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں۔ البتہ وہ اپنے مالک کے لئے منفعت کا ذریعہ ہے وہ جب تک زندہ رہے اس سے ہمبستری کر سکتا ہے۔

تشریح:

جب تک مولی زندہ ہے ام ولد سے خدمت لے سکتا ہے، جماع کر سکتا ہے، کسی سے اس کا نکاح بھی کرا سکتا ہے۔ البتہ ام ولد چونکہ آزادی کی مستحق ہو جاتی ہے اس لئے اس کی خرید وفروخت، اور ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

668 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي السِّقْطِ مِنَ الْأَمَةِ أَنَّهُ مَا كَانَ لَا يَسْتَبِينُ لَهُ إِصْبَعٌ ، أَوْ عَيْنٌ ، أَوْ فَمٌ أَنَّهَا لَا تَعْتِقُ ، وَلَا تَكُونُ بِهِ أُمَّ وَلَدٍ ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ ، إِذَا لَمْ يَسْتَبِنْ مِنَ السِّقْطِ شَيْءٌ يُعْرَفُ أَنَّهُ وَلَدٌ لَمْ تَكُنْ بِهِ أُمُّهُ أُمَّ وَلَدٍ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ باندی کے ناقص الخلقت بچے کے بارے میں فرماتے ہیں: جب تک اس کی انگلی، آنکھ، یا منہ ظاہر نہ ہو تو وہ باندی آزاد نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو لیتے ہیں، جب ناقص الخلقت بچے میں ایسی کوئی چیز ظاہر نہ ہو جس سے پتہ چلے کہ یہ بچہ ہے، تو اس کے ذریعے ماں ام ولد نہیں بنے گی، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

ناتمام کی ماں ام ولد نہیں کہلائے گی اس لئے کہ ناتمام پر بچوں کے احکام تب جاری ہوتے ہیں جب اس کے اعضاء چہرہ، منہ انگلی وغیرہ ظاہر ہوں، اگر ظاہر نہ ہوں تو وہ بچہ کے حکم میں نہیں ہوگا جب وہ بچہ نہیں تو اس کی ماں ام ولد نہیں۔

669 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي أُمِّ وَلَدٍ تَفْجُرُ قَالَ : لَا تُبَاعُ عَلَى حَالٍ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس ام ولد کے بارے فرماتے ہیں جو زنا کا ارتکاب کرے: اس کو کسی حال میں نہیں بیچا جا سکتا۔ محمد

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو لیتے ہیں، اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

ام ولد ولد کی وجہ سے آزادی کی مستحق بن چکی ہے۔ لہذا اس کے کسی گناہ کی وجہ سے اس کو بیچنا جائز نہ ہوگا۔ اگر چہ وہ گناہ زنا ہو یا کوئی اور گناہ ہو۔

670 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ عَبْدًا، فَتَلِدُ أَوْلَادًا، ثُمَّ يَمُوتُ قَالَ: فَهِيَ حُرَّةٌ، وَأَوْلَادُهَا أَحْرَارٌ وَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ كَانَتْ مَعَ الْعَبْدِ، وَإِنْ شَاءَتْ لَمْ تَكُنْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے اپنی ام ولد کی غلام سے شادی کروائی، پھر اس کے بچے پیدا ہوئے پھر وہ (مالک) مر گیا: تو وہ آزاد ہے، اور اس کی اولاد بھی آزاد ہے، اور اس کو اختیار ہے، اگر چاہے تو غلام کے ساتھ ہی رہے، اور اگر چاہے تو نہ رہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو لیتے ہیں، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

ام ولد کی نکاح کر سکتے ہیں اس نکاح سے اس کی جو اولاد ہوگی وہ آزاد ہوگی، مولی کے مرنے پر ام ولد کو اختیار ہوگا کہ اگر اپنے اس غلام شوہر کو پسند کرے تو اسی کے نکاح میں رہے چاہے اسے چھوڑ دے۔ آزادی کی صورت میں اس کا شوہر چاہے غلام ہو یا آزاد دونوں صورتوں میں اسے خیار عتق حاصل ہوتا ہے۔

بَابُ الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ

دو آدمیوں کے درمیان ایک غلام مشترک ہو اور ایک اپنا حصہ آزاد کرے!

671 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّهُ أَعْتَقَ مَمْلُوكًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ إِخْوَةٍ لَهُ صِغَارٍ، فَذُكِرَ ذَلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُقَوِّمَهُ وَيُرْجِئَهُ حَتَّى يُدْرِكَ الصِّبْيَةُ، فَإِنْ شَاؤُوا أَعْتَقُوا، وَإِنْ شَاؤُوا ضَمَّنُوا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى إِذَا كَانَ الْمُعْتِقُ مُوسِرًا، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِذَا أَعْتَقَ أَحَدُهُمْ فَقَدْ صَارَ الْعَبْدُ حُرًّا كُلُّهُ، وَلَا سَبِيلَ لِلْبَاقِينَ إِلَى عِتْقِهِ بَعْدَ ذَلِكَ، فَإِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُوسِرًا ضَمِنَ حِصَصَ أَصْحَابِهِ، وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ لِأَصْحَابِهِ فِي حِصَصِهِمْ مِنْ قِيمَتِهِ.

ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک غلام آزاد کیا جو ان کے اور ان کے چھوٹے بھائیوں کے درمیان مشترک تھا، یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ اس (غلام) کی قیمت لگائیں اور

اسے محفوظ رکھیں، حتی کہ وہ بچے بالغ ہو جائیں اور پھر وہ چاہیں تو آزاد کریں (آزادی کو برقرار رکھیں) اور اگر چاہیں تو اس سے اپنے حصے کی قیمت وصول کریں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اگر آزاد کرنے والا کشادہ حال ہو اور ہمارے قول کے مطابق کہ جب ان میں سے ایک آزاد کر دے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کے بعد باقی حضرات کے لئے کوئی راستہ نہیں رہے گا اور پس اگر آزاد کرنے والا کشادہ دست ہو تو اپنے ساتھیوں کے حصوں کا ضامن ہوگا اور اگر وہ تنگ دست ہو تو غلام اپنی قیمت میں سے باقی حضرات کے حصّول کے لئے کوشش کرے۔

672 - محمدٌ قال : أخبرنا أبو حنيفة عن حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَبْدِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَيُعْتِقَ اَحَدُهُمَا قَالَ : الآخَرُ إن شاءَ اَعْتَقَ وَ كَانَ الْوَلَاءُ بَيْنَهُما ، أو يُضَمِّنُهُ، وَ يَكُونُ الْوَلَاءُ لِلضَّامِنِ، وَ اِنْ كَانَ مُعْسِرًا اسْتَسْعَاهُ وَكَانَ الوَلَاءُ بَيْنَهُمَا قَالَ مُحَمَّدٌ : وَهَذَا قَوْلُ أبي حنيفة رحمه الله تعالى ، وَ أَمَّا فِي قَوْلِنَا فَلَا سَبِيْلَ لَهُ إِلَى عِتْقِهِ بَعْدَ عِتْقِ صَاحِبِهِ وَ قَدْ صَارَ حُرًّا حِينَ اَعْتَقَهُ صَاحِبُهُ ، وَ إِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُوسِرًا ضَمِنَ حِصَّةَ صَاحِبِهِ ، فَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ فِي حِصَّةِ صَاحِبِهِ لَيْسَ لَهُ غَيْرُ ذَلِكَ ، وَالْوَلَاءُ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا لِلْمَوْلَى الْمُعْتِقِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے غلام کے متعلق فرماتے ہیں جو دو لوگوں کے درمیان مشترک ہو پس ان میں سے ایک اسے آزاد کر دے دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے تو آزاد کر دے اور ولاء ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی یا پھر اسے ضامن بنا دے اور ولاء ضامن کے لیے ہوگی، اور اگر وہ تنگ دست ہو تو غلام سے سعی کروائے اور ولاء دونوں میں مشترک ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جہاں تک ہمارے قول کا تعلق ہے تو ایک مالک کے آزاد کر دینے کے بعد دوسرے کے پاس آزادی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے اور جب اس کے مالک نے اسے آزاد کیا تو وہ آزاد ہو چکا ہے اور اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو وہ اپنے ساتھی کے حصے کا ضامن ہے اور اگر تنگدست ہو تو غلام اس کے ساتھی کے حصے میں سعی کرے گا اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں ولاء پہلے آزاد کرنے والے مالک کے لیے ہوگی۔

تشریح:

اگر غلام کئی یا دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنے حصے کو آزاد کر دے تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پھر اگر یہ مال دار ہے تو اس کے شریک کو اختیار ہے چاہے اپنے حصے کو آزاد کر دے چاہے اپنے شریک کو اپنے حصے کی قیمت کا ذمہ دار بنائے اور چاہے غلام سے سعایہ کرائے اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس کے شریک کو اختیار ہے چاہے اپنے حصے کو آزاد کر دے چاہے غلام سے سعایہ کرائے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ دوسرا ساتھی پہلے ساتھی کی مالداری کی حالت میں صرف اپنے ساتھی کو ذمہ دار قرار دے کر اس سے اپنے حصے کے پیسے وصول کر سکتا ہے اور اگر وہ تنگدست ہے تو غلام سے سعایہ کرائے۔

اس مسئلہ کی بنیاد اس قاعدہ پر ہے کہ آزاد کرنا تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تجزی قبول کرتا ہے، صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں نہیں کرتا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے آزاد کرنے والا اگر مالدار ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس صورت میں بھی غلام سے سعایہ کرا سکتے ہیں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں آزاد کرنے والے کی مالداری سعایہ سے مانع بنتی ہے۔

بَابُ مَنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ

جس نے اپنے غلام کو نصف آزاد کیا!

673- مُحَمَّدٌ قال: أخبرنا أبو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أَعْتَقَ الرَّجُلُ نِصْفَ عَبْدِهٖ فِي صِحَّتِهِ لم يُعْتَقْ مِنْهُ إِلَّا مَا أَعْتَقَ مِنْهُ، وَيَسْعَى فِيمَا لَمْ يُعْتَقْ مِنْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تعالى، وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا فَإِذَا أَعْتَقَ مِنْهُ جُزْءًا قَلَّ أَوْ كَثُرَ عَتَقَ كُلُّهُ، وَلَمْ يَسْعَ لَهُ فِي شَيْءٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص حالت صحت میں اپنے غلام کا نصف آزاد کرے تو اس کی طرف سے وہی آزاد ہوگا جو اس نے آزاد کیا اور جو آزاد نہیں ہوا اس کے لئے وہ محنت کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن ہمارے نزدیک جب اس کی ایک جزء بھی آزاد ہوگئی تو پورا غلام آزاد ہوگیا وہ جزء کم ہو یا زیادہ اب وہ اس کے لئے کوئی کوشش (محنت مزدوری) نہیں کرے گا۔

تشریح:

ابھی گزرا تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آزاد کرنا تجزی قبول کرتا ہے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں قبول نہیں کرتا، لہذا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صرف اتنا حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے باقی ماندہ کے لیے وہ سعایہ کرے گا، صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں بعض حصہ آزاد کرنے سے پورا آزاد ہوگیا لہذا اب اسے مولی کے لیے سعایہ کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ بعض کا آزاد کرنا پورے کے آزاد کرنے کی طرح ہے، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

بَابُ مَمْلُوكٍ بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَاتَبَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ

دو آدمیوں کے درمیان غلام مشترک ہو اور ان میں ایک اپنے حصے کو مکاتب بنائے!

674- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَة، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي مَمْلُوكٍ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ قَالَ: لَا تَجُوزُ مُكَاتَبَةُ أَحَدِهِمَا إِلَّا بِإِذْنِ شَرِيكِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلام کے بارے میں فرمایا: جو دو شریکوں کے درمیان ہو، فرماتے ہیں کہ: جب تک دوسرا

شریک اجازت نہ دے کوئی ایک اسے مکاتب نہیں بنا سکتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

675 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَيُكَاتِبُ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ قَالَ : لِشَرِيكِهِ أَنْ يَرُدَّ الْمُكَاتَبَةَ إِذَا عَلِمَ ، وَإِذَا كَانَ الْمَمْلُوكُ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَأَرَادَ أَحَدُهُمَا أَنْ يُكَاتِبَهُ عَلَى نَصِيبِهِ قَالَ : لَا تَجُوزُ مُكَاتَبَتُهُ عَلَى نَصِيبِهِ إِلَّا بِإِذْنِ صَاحِبِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهِ نَأْخُذُ. وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس غلام کے بارے میں روایت ہے جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، پس ان میں سے ایک اپنے حصہ کو مکاتب بنائے، وہ فرماتے ہیں اس کے شریک کو حق ہے کہ جب اسے علم ہو تو اس مکاتبت کو رد کر دے اور جب غلام دو آدمیوں کے درمیان ہو، پس ان میں سے ایک ارادہ کرے کہ وہ اپنے حصے کو مکاتب بنائے تو وہ اپنے حصے کے غلام کو بھی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر مکاتب نہیں بنا سکتا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

مولی اگر اپنے غلام یا باندی کو یہ کہے کہ اتنے پیسے کما کر لا دو تو تم آزاد ہو اور غلام یا باندی اسے قبول کر لے تو وہ مکاتب بن جاتا ہے، مکاتب بننے کے بعد وہ غلام مولی کے ید (ہاتھ) سے نکل جاتا ہے، لیکن ملکیت سے نہیں نکلتا، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم باقی ہو وہ غلام رہتا ہے، ایسا غلام خرید و فروخت اور سفر کر سکتا ہے، اس صورت میں چوں کہ دوسرے ساتھی کو نقصان ہوگا، اس لیے اس عقدِ کتابت میں دوسرے شریک کی اجازت کو ضروری قرار دیا۔

بَابُ مُكَاتَبَةِ الْمُكَاتَبِ

مکاتب کی کتابت کا باب!

676 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضى الله عنه فِي الْمُكَاتَبِ قَالَ: يُعْتَقُ مِنْهُ بِقَدْرِ مَا أَدَّى، وَيَرِقُّ مِنْه بِقَدْرِ مَا عَجَزَ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مکاتب کے بارے میں روایت ہے وہ فرماتے ہیں وہ جس قدر رقم ادا کرے اس کے مطابق آزاد ہو جائے گا اور جس سے عاجز ہو جائے اس کے مطابق ہی غلام رہے گا۔

677 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي

الْمُكَاتَبِ قَالَ: إِذَا أَدَّى قِيمَةَ رَقَبَتِهِ فَهُوَ غَرِيمٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مکاتب کے بارے میں روایت ہے فرماتے ہیں جب وہ اپنی قیمت ادا کردے تو اب وہ قرض خواہ ہے۔

678- مُحَمَّدٌ قال: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ الله عنه فِي الْمُكَاتَبِ قَالَ: هُوَ مَمْلُوكٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَقَوْلُ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا وَإِلَى أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْمُكَاتَبِ مِنْ قَوْلِ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: وَهُوَ قَوْلُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فِيمَا بَلَغَنَا، وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مکاتب کے بارے میں روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں جب تک اس کی مکاتبت سے کچھ رقم بھی باقی رہے وہ غلام ہی رہے گا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس طرح ہم تک بات پہنچی ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بھی یہی ہے۔ اور اسی کو ہم لیتے ہیں۔

اگر مکاتب بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز آجائے:

اگر مکاتب بدلِ کتابت ادا کرنے سے عاجز آجائے تو وہ دوبارہ غلام بن جاتا ہے یعنی غلام تو پہلے ہی تھا البتہ کتابت کی وجہ سے جن بعض احکام سے مولی کو روک دیا گیا تھا وہ حقوق اب اس کو دوبارہ حاصل ہوجائیں گے اور اس کے پاس جو روپیہ پیسہ ہوگا وہ اس کے مولی کا ہوجائے گا اس لیے کہ اس کے عاجز ہونے سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ مال اس کے غلام کی کمائی ہے اور غلام کی کمائی مولی کی ہوتی ہے بہرحال مکاتب پر جب تک ایک روپیہ بھی باقی ہو وہ مکاتب ہی رہتا ہے۔ (المختار)

679- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، وَشُرَيْحٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ: إِذَا مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَتَرَكَ وَفَاءً أُخِذَ مِمَّا تَرَكَ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ فَدُفِعَ إِلَى مَوْلَاهُ، وَصَارَ مَا بَقِيَ بَعْدَهُ لِوَرَثَةِ الْمُكَاتَبِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں یہ سب حضرات فرماتے ہیں جب مکاتب مرجائے اور ادائیگی چھوڑ جائے تو اس کے ترکہ میں سے اتنی رقم لی جائے جو اس کی مکاتبت سے باقی ہے اور وہ اس کے مولی کو دی جائے اور جو باقی بچ جائے وہ مکاتب کے وارثوں کا ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

مکاتب بدلِ کتابت ادا کر کے آزاد ہو جاتا ہے لہذا مکاتب اگر مال چھوڑتا ہے تو اس سے بدلِ کتابت ادا کر کے باقی ماندہ مال اس کے ورثاء کا ہو جائے گا جیسے اگر مکاتب زندہ ہوتا تو بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد باقی مال مکاتب کا ہوتا۔

680- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾، قَالَ: إِنْ عَلِمْتُمْ أَنَّ فِيهِمْ أَدَاءً.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾ پس ان کو مکاتب بناؤ اگر ان میں بھلائی معلوم کرو۔ کے بارے میں فرماتے ہیں اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ (بدل کتابت) ادا کریں گے۔

تشریح:

یعنی اگر انسان یہ سمجھے کہ یہ غلام آزاد ہونا چاہتا ہے اور بدلِ کتابت ادا کر سکتا ہے تو اسے مکاتب بنا دینا چاہیے۔

681- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَاتَبَ الرَّجُلُ عَبْدَيْنِ لَهُ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ مُكَاتَبَةً وَاحِدَةً، وَجَعَلَ نُجُومَهُمَا وَاحِدَةً، وَقَالَ: إِنْ أَدَّيَا فَهُمَا حُرَّانِ، وَإِنْ عَجَزَا فَهُمَا رُدَّا فِي الرِّقِّ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا يُعْتَقَانِ حَتَّى يُؤَدِّيَا جَمِيعَ الْأَلْفِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنے دو غلاموں کو ایک ہزار درہم میں ایک ہی مکاتبت میں مکاتب بنائے اور دونوں کی ادائیگی کو اکٹھا رکھے تو اگر وہ دونوں ادا کر دیں تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہو جائیں تو دونوں غلامی میں لوٹ جائیں گے، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تک دونوں ایک ہزار درہم ادا نہ کریں تو دونوں آزاد نہیں ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دو غلاموں کو ایک بدلِ کتابت پر مکاتب بنایا جائے؟

اگر کوئی شخص دو غلاموں کو ایک بدلِ کتابت پر مکاتب بنائے اور وہ دونوں اسے قبول کر لیں اور ادا کر دیں تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر عاجز ہو جائیں تو غلام رہیں گے اگر ایک قبول کرے دوسرا قبول نہ کرے تو یہ مکاتبت باطل ہو جائے گی اس لیے کہ یہ بیع کی طرح صفقہ واحدہ ہے دونوں ایک ساتھ قبول کریں گے تب درست ہو گی لیکن اگر ایک عاجز ہو جائے اور دوسرا پورا بدلِ کتابت ادا کر دے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور وہ اپنے ساتھی سے آدھا بدلِ کتابت وصول کر لے گا اور دونوں میں سے جو بھی بدلِ کتابت ادا کرے گا، اپنے ساتھی سے اس کے آدھے کا مطالبہ کرے گا۔

682- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي رَجُلٍ كَاتَبَ غُلَامَيْنِ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ

مَاتَ أَحَدُهُمَا : إِنَّهُ إِن كَانَ قَالَ : إِذَا أَدَّيْتُمَا الْأَلْفَ فَأَنْتُمَا حُرَّانِ وَإِلَّا فَأَنْتُمَا مَمْلُوكَانِ، ثُمَّ مَاتَ أَحَدُهُمَا فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْحَيَّ بِالْأَلْفِ كُلِّهَا، فَإِن كَاتَبَهُمَا عَلَى الْأَلْفِ وَلَمْ يَشْتَرِط فَإِنَّه لا يَأْخُذُهُ إِلَّا بِالْحِصَّةِ، بِنِصْفِ الْأَوَّلِ وَبِقِيمَةِ الْبَاقِي. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ فِي جَمِيعِ الْحَدِيثِ إِذَا لَمْ يَشْتَرِط شَيْئًا فَمَاتَ أَحَدُهُمَا قُسِّمَتِ الْمُكَاتَبَةُ عَلَى قِيمَتِهِمَا، فَبَطَلَ مِنَ الْمُكَاتَبَةِ حِصَّةُ قِيمَةِ الْمَيِّتِ، وَوَجَبَت عَلَى الْحَيِّ الْآخَرِ قِيمَتُهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو دو غلاموں کو ایک ہزار درہم میں مکاتب بنائے پھر ان میں سے ایک مرجائے تو اگر اس نے یوں کہا تھا کہ اگر تم دونوں ایک ہزار ادا کردو تو دونوں آزاد ہو ورنہ دونوں غلام رہو گے۔ پھر ان میں سے ایک مرجائے تو وہ زندہ غلام سے پورے ہزار درہم وصول کرے اور اگر ایک ہزار پر دونوں کو مکاتب بنائے اور کوئی شرط نہ رکھے تو اب اس میں (زندہ) سے اس کے حصے کے مطابق وصول کرے پہلے کا نصف اور باقی کی قیمت۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم تمام حدیث میں اس بات کو اختیار کرتے ہیں جب کوئی شرط نہ رکھے پس ان میں سے ایک مرجائے تو مکاتبت (کی رقم) دونوں کی قیمت پر تقسیم کی جائے، اب میت کی قیمت کا حصہ مکاتبت سے باطل ہو جائے گا اور زندہ پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اگر دو غلاموں سے ایک کتابت کرتا ہے کہ تم دونوں ایک ہزار روپیہ دے دو تو دونوں آزاد ہو، ایسی صورت میں مولی دونوں میں ہر ایک سے پورا بدلِ کتابت ایک ہزار روپیہ لے سکتا ہے اور جب تک پورا بدلِ کتابت نہ ملے کسی کو آزاد نہ کرے اور اگر وہ عاجز ہو جائیں تو دونوں کو غلام بنا لے گا۔ (ہندیۃ، ج:6، ص:269)

بَابُ الْمُكَاتَبِ يُؤْخَذُ مِنْهُ الْكَفِيلُ

مکاتب سے کفیل لینا!

683- مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْكَفَالَةِ فِي الْمُكَاتَبَةِ : لَيْسَتْ بِشَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَالُكَ كَفَلَ لَكَ بِهِ، وَكَذٰلِكَ إِنَّهُ لَوْ عَجَزَ وَقَدْ أَخَذْتَ مِنَ الْكَفَالَةِ بَعْضَ مُكَاتَبَتِهِ رُدَّ الْمُكَاتَبُ فِي الرِّقِّ، وَلَمْ يَكُنْ لَكَ مَا أَخَذْتَ؛ لِأَنَّ مَا أَخَذْتَ مِنْهُمْ فَهُوَ مِلْكٌ لَهُمْ، فِي رَقَبَةِ عَبْدِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا كَفَلَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ بِالْمُكَاتَبَةِ عَنْ مُكَاتَبِهِ فَالْكَفَالَةُ بَاطِلَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ مکاتبت میں کفالت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں وہ تمہارا مال ہے جس کا اس نے تمہارے لئے کفالہ کیا ہے، اسی طرح اگر وہ عاجز ہو جائے اور تم نے کفیل سے کچھ مالِ کتابت لیا ہو تو مکاتب دوبارہ غلامی میں چلا

جائے گا اور جو کچھ تم نے لیا وہ تمہارے لئے نہیں ہوگا، کیونکہ تم نے ان سے جو کچھ لیا وہ ان کی ملک ہے اور تمہارے غلام کی گردن چھڑانے کے لئے استعمال ہوا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں جب کوئی شخص کسی دوسرے کی مالِ کتابت کا کفیل بنے تو کفالہ باطل ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مال کتابت کا کفیل بننا جائز نہیں:

مال کتابت کا کفیل بننا جائز نہیں، چاہے کفیل بننے والا شخص آزاد ہو یا غلام، اس لیے کہ بدلِ کتابت دینِ صحیح نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مکاتب چاہے تو ادا کیے بغیر عاجز بن کر اسے اپنے ذمہ سے ساقط کردے، حالاں کہ کفیل بغیر ادا کیے بری نہیں ہوتا اور کفالت کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ اصل اور کفیل دونوں کے ذمہ مال کے ثابت ہونے میں اتحاد ہو۔

بَابُ مِيرَاثِ الْقَاتِلِ

قاتل کی وراثت!

684- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا يَرِثُ قَاتِلٌ مَنْ قَتَلَ خَطَأً، أَوْ عَمْدًا، وَلَكِنَّهُ يَرِثُهُ أَوْلَى النَّاسِ بِهِ بَعْدَهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا يَرِثُ مَنْ قَتَلَ خَطَأً أَوْ عَمْدًا مِنَ الدِّيَةِ، وَلَا مِنْ غَيْرِهَا شَيْئًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کو غلطی سے یا جان بوجھ کر قتل کرے تو قاتل اس کا وارث نہیں ہوگا، لیکن اس کے بعد جو اس کا سب سے زیادہ قریبی ہے وہ وارث ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کہ جو شخص غلطی سے یا جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے تو یہ اس کی دیت کا اور دوسری کسی بھی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔

قاتل میراث سے کیوں محروم ہوتا ہے؟

قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا قتل کی پانچ قسمیں ہیں: ①- عمد، ②- شبہ عمد، ③- خطا، ④- شبہ خطا اور ⑤- قتل بالسبب پہلی چار قسموں میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم ہوتا ہے البتہ قتل بالسبب سے قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا مگر یاد رہے کہ قتل کی یہ چاروں صورتیں اس وقت مانع ارث ہوتی ہیں جب کہ قاتل نے اپنے مورث کو بلا وجہ شرعی قتل کیا ہو، لہذا اگر قتل شرعی وجہ سے ہو مثلاً مورث کو قصاصاً قتل کرے یا حد زنا میں رجم کرے یا اپنی جان بچانے کے لئے مجبور ہو کر قتل کرے تو ان صورتوں میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

باقی قاتل کا میراث سے محروم ہونا اس وجہ سے ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "الْقَاتِلُ لَا يَرِث" (ترمذی ج ۲ ص ۳۱) یعنی قاتل وارث نہیں ہوتا۔ اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ "من استعجل بالشئ قبل أوانه عوقب بحرمانه" جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے لینا چاہے تو وہ بطور سزا اس چیز سے محروم کردیا جاتا ہے، اگر قاتل کو وراثت سے محروم نہیں کیا جائے گا تو لوگ میراث کی

خاطر مورث کو قتل کریں گے اور نظام عالم تہ وبالا ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا مُسْلِمًا

جو شخص مرجائے اور کسی مسلمان وارث کو نہ چھوڑے!

685 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: الْمُشْرِكُونَ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ لَا نَرِثُهُمْ وَلَا يَرِثُونَنَا. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ. وَالْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُونَ عَلَيْهَا، وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَدْيَانُهُمْ يَرِثُ النَّصْرَانِيُّ الْيَهُودِيَّ، وَ الْيَهُودِيُّ الْمَجُوسِيَّ، وَ لَا يَرِثُهُمُ الْمُسْلِمُونَ، وَلَا يَرِثُونَهُمْ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: مشرکین ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں نہ ہم ان کے وارث ہیں اور نہ وہ ہمارے وارث ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور کفر ایک ملت ہے، وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر چہ ان کے دین مختلف ہوں، عیسائی یہودی کا وارث ہوگا اور یہودی مجوسی کا وارث ہوگا؟ اور مسلمان ان کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ وہ مسلمانوں کے وارث ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے:

دو مختلف دین والے یعنی مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ: ”لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم“ (بخاری ۱۰۰۱/۲) یعنی نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا، کفر سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار ہے، خواہ اس کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کا بھی انکار ہو یا نہ ہو، لہذا یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، ہندو دھرم وغیرہ سب کفر ہیں، نیز قادیانی بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور نہ مسلمان قادیانی کا وارث ہوگا، اس لئے کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں، اس طرح کہ ملعون مرزا کو نبی مانتے ہیں۔

جس طرح مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اگر چہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے اعتبار سے مختلف ہوں، لہذا یہودی اپنے نصرانی رشتہ دار اور نصرانی اپنے یہودی رشتہ دار کے وارث ہوں گے۔ وقس علی ہذا۔

686 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي النَّصْرَانِيِّ يَمُوتُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ قَالَ: مِيرَاثُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس عیسائی کے بارے میں فرماتے ہیں جو مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو، فرماتے ہیں اس کی وراثت

بیت المال میں جمع کی جائے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اگر کوئی ذمی مرجائے اور مال چھوڑے تو اسے اس کے ورثہ کو دے دینا چاہیے لیکن اس کا کوئی وارث ہی نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں داخل کردیا جائے گا۔(ہندیۃ،ج:6،ص:454)

687 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْوَلَدِ الصَّغِيرِ يَمُوتُ وَأَحَدُ أَبَوَيْهِ كَافِرٌ، وَالْآخَرُ مُسْلِمٌ إِنَّهُ يَرِثُهُ الْمُسْلِمُ أَيُّهُمَا كَانَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی چھوٹا بچہ فوت ہوجائے اور اس کے ماں باپ میں سے ایک کافر اور دوسرا مسلمان ہو، تو مسلمان اس کا وارث ہوگا وہ جو بھی ہو (ماں یا باپ)۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

688 - مُحَمَّدٌ قال : أخبرنا أبو حنيفة ، عَنْ حَمَّادٍ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْوَلَدِ يَكُونُ أَحَدُ وَالِدَيهِ مُسْلِمًا وَالْآخَرُ مُشْرِكًا قَالَ : هُوَ لِلْمُسْلِمِ مِنْهُمَا ، قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ هُوَ عَلَى دِينِ الْمُسْلِمِ مِنْهُمَا أَيُّهُمَا كَانَ. فَإِن كَانَا كَافِرَيْنِ جَمِيعًا أَحَدُهُمَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَالْوَلَدُ عَلَى دِيْنِ الَّذِى من أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْهُمَا تَحِلُّ لَهُ مَنَاكَحَتُهُ، وَأَكْلُ ذَبِيحَتِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس بچے کے بارے میں فرماتے ہیں جس کے والدین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا مشرک ہو وہ فرماتے ہیں وہ بچہ ان میں سے مسلمان کا ہوگا۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں وہ ان میں سے مسلمان کے دین پر ہوگا وہ ان میں سے کوئی بھی ہو (ماں یا باپ) اگر دونوں کافر ہوں لیکن ان میں سے ایک اہل کتاب سے ہو تو بچہ ان میں سے اہل کتاب کے دین پر ہوگا اس سے نکاح بھی درست ہوگا اور اس کا ذبیحہ بھی حلال ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے:

بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے اللہ جل جلالہ کے ہاں دینِ مقبول دینِ اسلام ہے، بچے کا وارث کافر کے بجائے مسلمان بنے گا خواہ وہ اس کی ماں ہو یا باپ، لیکن اگر دونوں کافر ہوں ایک اہلِ کتاب میں سے ہو تو کفار میں یہ اقرب الی الاسلام تھے، اس لیے بچہ اہلِ کتاب کے مذہب پر قرار دیا جائے گا اور ان کے ساتھ شادی اور ان کا مذبوحہ اس کے لیے جائز ہوگا۔

689 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أخبرنا أبو حنيفة قَالَ : حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : يَا مَعْشَرَ هَمْدَانٍ ! إِنَّهُ يَمُوتُ الرَّجُلُ مِنْكُمْ وَلَا يَتْرُكُ وَارِثًا فَلْيَضَعْ مَالَهُ حَيْثُ أَحَبَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا لَمْ يَدَع وَارِثًا فَأَوصَى بِمَالِهِ كُلِّهِ جَازَ . ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اے ہمدان کے گروہ! تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے اور وارث نہیں چھوڑتا تو وہ جہاں پسند کرے اپنا مال صرف کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں، جب وارث نہ چھوڑے اور تمام مال کی وصیت کرے تو یہ جائز ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

تہائی مال میں وصیت کا اختیار ورثہ کے حق کی وجہ سے دیا گیا ہے لیکن اگر کسی کے ورثہ ہی نہ ہوں تو وہ تمام مال کی وصیت کرسکتا ہے، بلکہ بہتر ہے کہ وہ جن جہاتِ خیر میں مناسب سمجھے اس کی وصیت کر جائے تا کہ اس کے لیے صدقہ جاریہ بنے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَمُوتُ وَيَتْرُكُ امْرَأَتَهُ فَيَخْتَلِفَانِ فِي الْمَتَاعِ

میت بیوی کو چھوڑے اس میں اور ورثاء میں اختلاف ہو!

690- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَتَرَكَ امْرَأَتَهُ فَمَا كَانَ فِي الْبَيْتِ مِنْ مَتَاعِ النِّسَاءِ فَهُوَ لِلنِّسَاءِ، وَمَا كَانَ فِي الْبَيْتِ مِنْ مَتَاعِ الرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ، وَمَا كَانَ مِنْ مَتَاعٍ يَكُونُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لَهَا؛ لِأَنَّهَا هِيَ الْبَاقِيَةُ، وَإِذَا مَاتَتِ الْمَرْأَةُ فَمَا كَانَ فِي الْبَيْتِ مِنْ مَتَاعِ الرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ، وَمَا كَانَ مِنْ مَتَاعِ النِّسَاءِ فَهُوَ لَهَا، وَمَا لَهُمَا جَمِيعًا فَهُوَ لِلرَّجُلِ، لِأَنَّهُ الْبَاقِي وَإِذَا طَلَّقَهَا فَمَا كَانَ مِنْ مَتَاعِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ؛ لِأَنَّهُ الْبَاقِي وَهِيَ الْخَارِجَةُ إِلَّا أَنْ تُقِيمَ عَلَى شَيْءٍ بَيِّنَةً فَتَأْخُذُهُ....

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص مرجائے اور اپنی بیوی کو چھوڑے تو گھر میں جو سامان عورتوں کے استعمال کا ہو وہ عورتوں کے لیے ہوگا، اور جو مردوں کے استعمال کا ہو تو وہ مرد کے لئے ہوگا، اور جو سامان مردوں اور عورتوں دونوں کے استعمال کے لئے ہو تو وہ عورت کا ہوگا کیونکہ وہی باقی ہے اور جب عورت کا انتقال ہو جائے تو گھر میں جو سامان مردوں کے استعمال کا ہو تو وہ تو مرد کے لئے ہوگا، اور جو سامان عورتوں کے استعمال کا ہو وہ عورت کا ہوگا اور جو سامان دونوں کے استعمال کا ہوگا وہ مرد کا ہوگا کیونکہ وہی باقی رہا ہے، اگر آدمی نے عورت کو طلاق دی تھی تو جو مردوں اور عورتوں کا سامان ہوگا تو وہ مرد کا ہوگا کیونکہ وہی باقی ہے اور وہ (طلاق یافتہ) میراث سے خارج (غیر قابض) ہے، البتہ وہ اگر کسی چیز کی ملکیت پر گواہی پیش کر دے تو وہ اسے لے سکتی ہے۔

...قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ كَانَ يَأْخُذُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنْ مَا كَانَ مِنْ مَتَاعِ الرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ، وَمَا كَانَ مِنْ مَتَاعِ النِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ، وَمَا كَانَ يَكُونُ لَهُمَا جَمِيعًا فَهُوَ لِلرَّجُلِ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِنْ مَاتَ، أَوْ طَلَّقَ، أَوْ لَمْ يُطَلِّقْ، وَقَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى: الْمَتَاعُ كُلُّهُ مَتَاعُ الرَّجُلِ مَا كَانَ يَكُونُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَغَيْرُ ذَلِكَ إِلَّا لِبَاسَهَا. وَقَالَ غَيْرُهُ مِنَ الْفُقَهَاءِ: مَا كَانَ يَكُونُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ، وَمَا يَكُونُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ، وَمَا كَانَ يَكُونُ لَهُمَا جَمِيعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ. وَقَدْ قَالَ ذَلِكَ زُفَرُ. وَقَدْ يُرْوَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ. وَقَالَ بَعْضُ

الْفُقَهَاءِ أَيْضًا: جَمِيعُ مَا فِي الْبَيْتِ مِنْ مَتَاعٍ لِلرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ. وَقَالَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ أَيْضًا: الْبَيْتُ بَيْتُ الْمَرْأَةِ، فَمَا كَانَ مِنْ مَتَاعِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ.

وَقَالَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ أَيضًا: تُعْطَى الْمَرْأَةُ مِنْ مَتَاعِ النِّسَاءِ مَا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا وَ جَمِيعُ مَا بَقِيَ فِي الْبَيْتِ فَهُوَ كُلُّهُ لِلرَّجُلِ إِنْ مَاتَ، أَوْ مَاتَتْ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی تفصیل کو لیتے ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم اس کو نہیں لیتے، البتہ جو سامان مرد کے استعمال کا ہے تو وہ مرد کے لئے ہوگا، اور جو عورت کے استعمال کا ہے وہ عورت کا ہوگا اور جو دونوں کے استعمال کا ہے تو وہ ہر حال میں مرد کا ہوگا خواہ وہ مرجائے یا اس نے طلاق دی ہو یا نہ دی ہو، اور بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سارا سامان مرد کے لئے ہوگا چاہے وہ مردوں کے استعمال کا ہو یا عورتوں کے استعمال کا ہو یا اس کے علاوہ (یعنی دونوں کا)، سوائے عورت کے لباس کے اور دوسرے فقہاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: جو مرد کے استعمال کا ہو وہ مردوں کا جو عورت کے استعمال کا ہو وہ عورتوں کا ہوگا، اور جو دونوں کے مشترکہ استعمال کا ہو تو وہ آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے اور یہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی روایت ہے۔ اور بعض فقہاء رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں: گھر میں موجود سارا سامان چاہے وہ عورتوں کے استعمال کا یا مردوں کے استعمال کا، وہ دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ اور بعض فقہاء رحمۃ اللہ علیہم یہ بھی کہتے ہیں: گھر عورت کا ہوتا ہے، گھر میں موجود عورتوں اور مردوں کا سارا سامان عورت کا ہوگا۔ اور بعض فقہاء رحمۃ اللہ علیہم یہ بھی کہتے ہیں: عورتوں کا وہ سامان جو انہیں جہیز میں دیا جاتا ہے وہ عورت کو دیدیا جائے گا، اور باقی سارا سامان مرد کے لئے ہوگا، چاہے مرد کا انتقال ہوا ہو یا عورت کا۔

تشریح:

اگر میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہوجائے اور اس کے وارث کا مالِ متروک کے بارے میں نزاع ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے **نو اقوال** ہیں:

① ۔حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مذکور ہے۔

② ۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سب سامان ان کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا جائے گا۔

③ ۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عورت کو وہ سامان ملے گا جو اس جیسی عورتوں کا ہوتا ہے اور باقی مختلف فیہ مال زندگی اور حیات دونوں صورتوں میں مرد کا ہوگا۔

④ ۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جن چیزوں میں اختلاف ہے وہ طلاق اور موت کی شکل میں شوہر کا ہوگا اور جس میں اختلاف نہیں اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والا مذہب اختیار کیا جائے گا۔

⑤ ۔حضرت ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سامان سب مرد کا ہوگا عورت کا وہ ہوگا جو اس کے جسم پر موجود ہے۔

⑥۔حضرت ابن معین وشریک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

⑦۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سب عورت کا ہوگا، مرد کا وہ ہوگا جو اس کے جسم پر ہے۔

⑧۔حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سب عورت کا ہوگا۔

⑨۔امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مختلف فیہ کو برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔(شامی، ج:7، ص:481)

طلاق والی صورت میں میاں بیوی میں اختلاف ہوجانے کی صورت میں مفتی بہ قول:

جہیز میں جو کچھ بیوی لے کر آتی ہے وہ بیوی کی ہی ملکیت ہوتا ہے اور جو سامان شوہر لاتا ہے، وہ شوہر کی ملکیت ہوتا ہے، البتہ جو چیزیں بطورِ تحفہ میاں بیوی یا ان دونوں کے رشتہ دار دیتے ہیں ان پر اسی کی ملکیت ہوتی ہے جس کو تحفہ دیا گیا ہو، پس گھریلوں سامان کی تقسیم اسی بنیاد پر ہوگی۔ اور جو زیور وغیرہ لڑکے والوں کی طرف سے ملتا ہے، اگر اس کے دیتے وقت سسرال والوں نے اس بات کی صراحت کی تھی کہ یہ بطورِ عاریت یعنی صرف استعمال کرنے کے لیے ہیں تو پھر یہ زیورات اور سامان لڑکے والوں کی ملکیت ہوں گے، اور اگر سسرال والوں نے ہبہ، گفٹ اور مالک بنا کر دینے کی صراحت کر دی تھی تو پھر ان زیورات اور سامان کی مالک لڑکی ہوگی، اگر اس کے دیتے وقت کوئی صراحت نہ کی ہو تو اس میں شوہر کے خاندان کے عرف کا اعتبار ہوگا، اگر ان کے ہاں بطورِ ملکیت دینے کا رواج ہو تو وہ بیوی کی ملکیت شمار ہوگا، اگر عاریتاً دینے کا رواج ہو تو بیوی کی ملکیت نہیں ہوگا اور اگر لڑکے والوں کے ہاں کوئی عرف نہ ہو تو عرفِ عام کا اعتبار کرتے ہوئے یہ زیور اور سامان وغیرہ گفٹ سمجھا جائے گا اور لڑکی کی ملکیت ہوگا۔

مذکورہ قاعدہ کی رو سے جو سامان اور زیورات وغیرہ لڑکی کی ملکیت ہوں تو طلاق کے بعد لڑکی سامان اور زیورات وغیرہ کو لے جاسکتی ہے، لیکن جو سامان اور زیورات وغیرہ لڑکی کی ملکیت نہ ہوں وہ لڑکی اپنے ساتھ لے کر نہیں جاسکتی ہے۔

بَابُ مِيرَاثِ الْمَوَالِي

مولیٰ کی میراث کا بیان!

691۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اخْتَصَمَا إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي مَوْلًى لِصَفِيَّةَ بِنْتِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مَاتَ. فَقَالَ الزُّبَيْرُ: أُمِّي، وَأَنَا أَرِثُهَا وَأَرِثُ مَوَالِيَهَا. وَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: عَمَّتِي، وَأَنَا أَعْقِلُ عَنْهَا. فَجَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْمِيرَاثَ لِلزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَجَعَلَ الْعَقْلَ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ بن عبد

المطلب رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام کے بارے میں جو فوت ہو گیا تھا اپنا مقدمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میری ماں ہیں میں ان کا بھی وارث ہوں اور ان کے غلاموں کا بھی وارث ہو۔حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میری پھوپھی تھیں اور میں ان کی طرف سے دیت دیتا ہوں پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس غلام کی میراث حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے مقرر فرمائی اور دیت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر ڈالی۔(کیونکہ دیت عاقلہ (خاندان) پر ہوتی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

692- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الْوَلَاءُ لِلْبَنِينَ الذُّكُورِ دُونَ الْإِنَاثِ، فَإِذَا دَرَجُوا، وَذَهَبُوا رَجَعَ الْوَلَاءُ إِلَى الْعَصَبَةِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولاء مردوں کے لئے ہوگی عورتوں کے لئے نہیں اگر وہ مر جائیں اور تو ولاء عصبہ کی طرف لوٹ آئے گی۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

لغوی وضاحت: لفظِ ولاء کا معنیٰ ”نصرت، قرابت، محبت اور ملکیت“ ہے۔

اصطلاحی تعریف: ولاء ایسا تعلق ہے جس کی وجہ سے مالک اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث بنتا ہے بشرطیکہ اس کے اقرباء موجود نہ ہوں۔(الفرائض:ص/20)

اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کر دے تو اس کا ولاء اس آزاد کرنے والے کو ملے گا اس لیے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بریرہ کو خریدنے (اور آزاد کرنے) کا ارادہ کیا تو بریرہ کے گھر والوں نے ولاء (میراث) کی شرط رکھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:”ولاء (میراث) کا حق اسی کو حاصل ہے جو قیمت ادا کرے یا آزاد کرنے کی نعمت کا مالک ہو۔(ترمذی)

معلوم ہوا کہ ولاء اسے ملتا ہے جس نے آزاد کیا ہو، اسی طرح اگر عورت آزاد کرے تو وہ ولاء کی وارث بنے گی، عورتیں ولاء کی وارث نہیں بنتیں، الا یہ کہ انہوں نے خود اس غلام کو آزاد کیا ہو تو ان کو اس غلام کا ولاء ملے گا۔

ولاء عتاقہ میں عصبات ذوالارحام پر مقدم ہوتے ہیں، ولاء کے ذکور وارث بنتے ہیں، اناث وارث نہیں بنتیں۔

ولاء العتاقہ میں معتق (آزاد کرنے والا) اگر نہ ہو تو اُس کا عصبہ بنفسہ وارث بنتا ہے، اور اگر قرب و بعد کا فرق ہو تو دور والا محروم ہوتا ہے، یہاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا وارث تھیں مگر وہ فوت ہو چکی تھیں اور ان کے عصبہ میں قریب ترین ان کے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ دور کے عصبہ تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو وارث بنایا، اور دیت میں سب عاقلہ برابر ہوتے ہیں، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی دیت لازم قرار دی۔

ماقبل میں معلوم ہوا کہ اصول یہ ہے کہ ولاء ذکور کو ملتا ہے اناث کو نہیں، البتہ عورتوں کو صرف ان کے آزاد کردہ غلام کا ولاء ملے گا، نیز ولاء عصبات کو ملتا ہے ذووالارحام کو نہیں ملتا۔

فاذا دَرَجُوا: میں ضمیر کا مرجع متعین ہے یعنی کہ آزاد کرنے والے مرجائے تو اس کا عصبہ بنفسہ وارث ہوگا، اور عورتیں عصبہ مع غیرہ اور عصبہ بغیرہ بنتی ہیں لیکن ولاء ان کو نہیں ملتی۔

693 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ الْهَمَدَانِيِّ قَالَ : أَقْبَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَأَسْلَمَ عَلَى يَدَى ابْنِ عَمِّ مَسْرُوقٍ وَ تَوَلَّاهُ. فَمَاتَ وَ تَرَكَ مَالًا. فَانْطَلَقَ مَسْرُوقٌ فَسَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ مِيرَاثِهِ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهِ.

ترجمہ: حضرت محمد بن قیس ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمی لوگوں میں سے ایک شخص آیا اور اس نے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ان سے موالات قائم کیا، پھر وہ مرگیا اور اس نے مال چھوڑا تو حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی وراثت کے متعلق پوچھا تو آپ نے اسے کھانے (استعمال کرنے) کی اجازت دی۔

ولاء کی اقسام:

ولاء کی دو قسمیں ہیں: ① - ولاء عتاقہ ② - ولاء موالاۃ۔

ولاء عتاقہ کی تعریف: ولاء عتاقہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ شخص اس غلام کا عصبہ بن جاتا ہے، جب غلام کا انتقال ہوگا اور اس غلام کے دوسرے ورثا اور عصبات موجود نہ ہوں گے تو اس صورت میں اس غلام کی میراث اس آزاد کرنے والے شخص کو ملے گی اور اس آزاد کرنے والے کو مولی العتاقہ کہا جاتا ہے اور یہ آخر العصبات ہوتا ہے لہذا میراث لینے کا جو حق اس کو حاصل ہو رہا ہے اس کو حق ولاء العتاقہ کہتے ہیں۔

ولاء موالاۃ کی تعریف: ایک شخص مسلمان ہوا اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں تو وہ مسلمان ہونے کے بعد دوسرے کسی مسلمان کے ساتھ ایک معاملہ طے کر لیتا ہے اور یہ دونوں آپس میں یہ معاہدہ کر لیتے ہیں کہ اگر پہلے میں مرگیا تو تم وارث ہو گے اور اگر تم پہلے مرگئے تو میں وارث ہوں گا، اسی طرح اگر مجھ سے کوئی جنایت سرزد ہوئی مثلاً میں نے کسی کو قتل کر دیا کسی کا کوئی عضو تلف کر دیا تو تم میری طرف سے دیت ادا کرو گے اور اگر تم سے کوئی کو قتل اور جنایت سرزد ہوئی مثلاً تم نے کسی کو قتل کر دیا یا کوئی عضو تلف کر دیا تو میں تمہاری طرف سے دیت ادا کر دوں گا اس عقد کو عقد موالاۃ کہتے ہیں اور جس شخص کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے اس کو مولی المولاۃ کہا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کے مرنے پر دوسرے کو ملنے والی میراث کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں۔

اثر کی وضاحت: اس میں عقد مولاۃ کی ایک صورت ہے، مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے چچا زاد بھائی نے عقد موالات کی تھی پھر وہ

فوت ہوا اور ان کے عصبہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ تھے لہذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو وارث قرار دیا۔

694 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا تَوَلَّاكَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَعَلَيْكَ عَقْلُهُ، وَلَكَ مِيرَاثُهُ، وَلَهُ أَنْ يَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهِ مَا لَمْ تَعْقِلْ عَنْهُ، وَإِذَا عَقَلْتَ عَنْهُ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ذمی لوگوں میں سے کوئی تم سے موالات قائم کرے تو تم پر اس کی دیت ہے اور تمہارے لئے اس کی وراثت ہے۔ اور جب تک اس کی طرف سے دیت نہ دی جائے وہ موالات سے دستبردار ہوسکتا ہے جب اس کی طرف سے دیت ادا کردو پھر وہ موالات سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

عقد موالات کرنے والا نومسلم اگر چاہے تو جس سے یہ عقد کیا ہے اس سے ختم کر کے کسی اور سے کرے لیکن یہ اس وقت کرسکتا ہے جب تک اس کی طرف سے اس شخص نے دیت و تاوان نہ بھرا ہو اگر اس نے اس کی طرف سے دیت بھر دی ہو یا تاوان دے دیا ہو تو اس ولاء پر اس کا حق آ گیا، اب یہ نومسلم کسی دوسرے سے عقدِ موالات نہیں کرسکتا، آزاد کردہ غلام اپنے مولی کے علاوہ کسی اور سے عقد موالات نہیں کرسکتا، وہ اس کے آزاد کرنے والے ہی کا حق ہے۔

بَابُ مِيرَاثِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَابْنِ الْمُلَاعِنَةِ

دو لعان کرنے والوں اور لعان کرنے والی کے بیٹے کی وراثت!

695 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَالْتَعَنَ أَحَدُهُمَا تَوَارَثَا مَا لَمْ يَلْتَعِنِ الْآخَرُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، يَتَوَارَثَانِ مَا لَمْ يَتَلَاعَنَا جَمِيعًا، وَيُفَرِّقُ السُّلْطَانُ بَيْنَهُمَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے پس ان میں سے ایک لعان کا مطالبہ کرے تو جب تک دوسرا لعان نہ کرے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جب تک دونوں لعان نہ کریں وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور حکمران (قاضی) ان دونوں کے درمیان تفریق کردے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

جب تک لعان دونوں جانب سے نہ ہوا اور اس کے بعد قاضی ان میں تفریق نہ کر دے، اس وقت تک ان میں تفریق نہیں ہوتی ،شوہر اگر طلاق دے کر تفریق کر دے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی ان میں تفریق کر دے گا، حاکم و قاضی کی تفریق سے قبل ان میں جدائی واقع نہیں ہوگی، شوہر اسے طلاق بھی دے سکتا ہے، اس سے ظہار یا ایلاء بھی کر سکتا ہے، اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو میراث بھی جاری ہوگی۔

696- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي مِيرَاثِ ابْنِ الْمُلَاعِنَةِ: إِذَا كَانَتِ الْأُمُّ وَ وَلَدُهَا وَرِثَتْهُ فَعَلَى ثُلُثَيِ (بشری کے نسخے میں ثلثی کا لفظ نہیں) الْمِيرَاثِ، وَإِنْ كَانَتِ الْأُمُّ وَحْدَهَا فَلَهَا الْمِيرَاثُ كُلُّهُ، وَإِنْ مَاتَتْ أُمُّهُ ، ثُمَّ مَاتَ بَعْدَ ذَلِكَ فَاجْعَلْ ذَوِي قَرَابَتِهِ مِنْ أُمِّهِ كَأَنَّهُمْ وَارِثُوا أُمَّهُ كَأَنَّهَا هِيَ الَّتِي مَاتَتْ، وَإِنْ كَانَ أَخًا فَلَهُ الْمَالُ كُلُّهُ، وَإِنْ كَانَتْ أُخْتًا فَلَهَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَ أَخًا وَأُخْتًا فَالثُّلُثَانِ لِلْأَخِ وَلِلْأُخْتِ الثُّلُثُ، وَإِنْ كَانَتَا أُخْتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ...

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کی وراثت کے بارے میں فرمایا: اگر ماں اور اس کا بیٹا دونوں ہوں تو وہ میراث میں سے دو تہائی کی وارث ہونگے اور اگر ماں اکیلی ہو تو تمام وراثت اس کے لئے ہوگی۔ اور اگر اس کی ماں مر جائے تو پھر وہ بیٹا اس کے بعد فوت ہو تو اس کی ماں کی طرف سے قرابت داروں کو دو، گویا وہ اس کی ماں کے وارث ہیں اور گویا وہ عورت ہی فوت ہوتی، اگر اس کا بھائی ہو تو تمام مال اس کے لئے ہوگا اور اگر بہن ہو تو اس کے لئے نصف ہوگا، اگر بہن اور بھائی ہوں تو دو تہائی بھائی کے لئے اور ایک تہائی بہن کے لئے ہوگا اور اگر دو بہنیں ہوں (بھائی نہ ہو) تو ان کے لئے دو تہائی ہوگا۔

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ فِي قَوْلِهِ: إِذَا وَرِثَتْهُ أُمُّهُ وَوَلَدُهَا، وَفِي قَوْلِهِ: إِذَا وَرِثَتْهُ الْأُمُّ خَاصَّةً، وَأَمَّا مَا سِوَى ذَلِكَ فَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهِ، وَلَكِنَّا نَقُولُ: إِذَا مَاتَتِ الْأُمُّ نُظِرَ إِلَى أَقْرَبِهِمْ مِنَ ابْنِ الْمُلَاعِنَةِ، فَجَعَلْنَا لَهُ الْمَالَ، فَإِنْ كَانَتِ الْقَرَابَةُ وَاحِدَةً فَعَلَى الْقَرَابَةِ، وَإِنْ تَرَكَ أَخًا وَأُخْتًا فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ رَجُلٍ غَيْرِ ابْنِ الْمُلَاعِنَةِ تَرَكَ أَخَاهُ لِأُمِّهِ، وَأُخْتَهُ لِأُمِّهِ وَلَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا غَيْرَهُمَا وَلَا عَصَبَةً فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان کے اس قول کہ جب اس کی وارث ماں اور اس کا بیٹا ہو میں اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور یہ قول کہ صرف ماں وارث ہو اس میں یہی مذکورہ بالا قول اختیار کرتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ میں ہم اس کو اختیار نہیں کرتے، بلکہ ہم کہتے ہیں: جب ماں مر جائے تو لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کے زیادہ قریبی رشتہ دار کو دیکھا جائے، پس ہم تمام مال اس کے لئے کر دیں گے اور اگر قرابت ایک ہی ہو تو قرابت کے اعتبار سے ہوگا، اور اگر وہ بھائی بہن چھوڑے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو لعان والی کا بیٹا نہیں ہے، اور اگر اس نے ماں کی طرف سے بھائی اور بہن چھوڑے، اور ان دونوں کے علاوہ کوئی وارث نہیں چھوڑا نہ کوئی عصبہ رشتہ دار چھوڑا، تو وہ مال دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ یہ تمام باتیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہیں۔

ابن الملاعنہ کی میراث:

ابن الملاعنۃ: لعان کرنے والی عورت کا بیٹا، لعان کے بعد بچے کا نسب باپ سے منقطع ہوجاتا ہے اور ماں کی طرف نسبت ہوتی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ابن الملاعنہ فوت ہوجائے تو اس کی وراثت میں یہ تفصیل ہے:

① - اس کی ماں اور ماں شریک بھائی موجود ہوں تو ثلثان ماں کو اور ثلث بھائی کو ملے گا۔

② - اگر صرف ماں موجود ہو تو سارا ترکہ اس کو مل جائے گا۔

③ - اگر ماں پہلے فوت ہوئی پھر ابن الملاعنہ فوت ہوا تو اس میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ماں کی قرابت کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ابن الملاعنہ کی اپنی قرابت کو دیکھا جائے گا اور اس کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماں کے جو ورثہ بنتے ہیں وہی اس لڑکے کے وارث بنیں گے۔

697 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي ابْنِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ يَمُوتُ وَيَتْرُكُ أُمَّهُ، وَأَخَاهُ، وَأُخْتَهُ لِأُمِّهِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَهُمَا الثُّلُثُ، وَمَا بَقِيَ لِأُمِّهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنْ لَهُمَا الثُّلُثُ، وَلِلْأُمِّ السُّدُسُ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ رَدٌّ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ عَلَى قَدْرِ مَوَارِيثِهِمْ، وَهَذَا قِيَاسُ قَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ كَانَ لَا يَرُدُّ عَلَى الْإِخْوَةِ مِنَ الْأُمِّ مَعَ الْأُمِّ. وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ عَلَى مَوَارِيثِهِمْ فَبِقَوْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اگر لعان کرنے والوں کا بیٹا فوت ہوجائے اور وہ اپنی ماں بھائی اور بہنیں چھوڑ جائے جو ماں کی طرف سے ہوں تو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان دونوں کو ایک تہائی ملے گا اور باقی اس کی ماں کے لئے ہوگا۔" حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ ان دونوں کے لئے ایک تہائی اور ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور جو کچھ باقی بچے گا وہ ان کی وراثت کے مطابق تین حصوں میں ان کی طرف لوٹے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا قیاس بھی یہی ہے، کیونکہ وہ ماں کے ساتھ ان بہن بھائیوں کی طرف نہیں لوٹاتے جو ماں کی طرف سے ہوں، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی وراثت کے مطابق ان پر لوٹاتے تھے، پس ہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول اختیار کرتے ہیں۔

ایک اختلافی مسئلہ کی وضاحت:

اگر ماں اور ماں شریک بہن بھائی موجود ہوں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں باقی ماندہ ترکہ کا رد صرف ماں پر ہوتا ہے، ماں شریک بہن بھائی پر نہیں ہوتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں ان پر بھی رد ہوتا ہے،

مسئلہ یہ ہے کہ المتلاعن کا انتقال ہوا، اور اس کے ورثہ میں ماں، ایک ماں شریک بھائی اور ایک ماں شریک بہن موجود ہوں تو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ثلث بہن بھائی کو اور ثلثان ماں کو ملیں گے، وہ اس طرح کہ ماں کو ابتداء میں سدس ملتا ہے، اور بہن بھائی کو ثلث، اگر مسئلہ چھ سے ہو تو تین بچ گئے، یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مطابق امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ماں پر رد کیا اور فرمایا: کہ باقی تین بھی ماں کو دیا جائے، اس طرح ماں کو ثلثان مل گیا، ہمارے ہاں اس کے برعکس ماں کو ثلث اور بہن بھائی کو ثلثان ملیں گے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مطابق یہاں بہن بھائی پر رد ہے، اور رد بقدر حصص سابقہ ہوتا ہے، لہذا بہن بھائی کو مزید ثلث اور ماں کو سدس ملے گا۔ اس طرح بہن بھائی کا حصہ ثلثان اور ماں کا ثلث ہو گیا۔

698 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الْأُمُّ عَصَبَةُ مَنْ لَا عَصَبَةَ لَهُ، إِذَا تَرَكَ ابْنُ الْمُلَاعِنَةِ أُمَّهُ كَانَ الْمَالُ لَهَا. فَإِذَا لَمْ يَتْرُكْ أُمَّهُ نُظِرَ إِلَى مَنْ يَرِثُ أُمَّهُ فَهُوَ يَرِثُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَمَّا فِي قَوْلِنَا، فَإِذَا تَرَكَ أُمَّهُ وَلَمْ يَتْرُكْ غَيْرَهَا مِمَّنْ يَرِثُ مِمَّنْ لَهُ سَهْمٌ فَالْمَالُ لَهَا، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ أُمٌّ حَيَّةٌ، وَلَا ذُو سَهْمٍ فَالْمَالُ لِأَقْرَبِ النَّاسِ مِنِ ابْنِ الْمُلَاعِنَةِ، وَلَا يُنْظَرُ فِي هَذَا إِلَى مَنْ كَانَ يَرِثُ أُمَّهُ، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا عصبہ نہ ہو ماں اس کا عصبہ ہے، جب لعان کرنے والی عورت کا بیٹا اپنی ماں چھوڑ جائے تو تمام مال اس ماں کا ہوگا، اور اگر ماں نہ چھوڑی تو دیکھا جائے گا جو اس کی ماں کا وارث ہوگا وہی اس (بیٹے) کا بھی وارث ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے قول کے مطابق جب وہ صرف ماں کو چھوڑے کسی اور کو نہ چھوڑے جو اس کا وارث بن کر کچھ حصہ لیتا ہو تو تمام مال (ماں) کے لئے ہوگا، اور اگر اس کی ماں زندہ نہ ہو نہ کوئی اور حصہ دار ہو تو یہ مال اس کو ملے گا جو ابن ملاعنہ کا سب سے زیادہ قریبی ہو اور اس وقت یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کی ماں کا وارث کون بنتا ہے، اور یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

ابن الملاعنہ کے ورثاء میں اگر صرف ماں ہو تو احناف کے نزدیک بھی اس کو کل مال ملے گا مگر بطور عصبہ نہیں بلکہ رد کے طور پر۔

699 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: ابْنُ الْمَلَاعِنَةِ عَصَبَتُهُ عَصَبَةُ أُمِّهِ، إِذَا تَرَكَ أُمَّهُ كَانَ لَهَا الْمَالُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: يَكُونُ لَهَا الْمَالُ إِذَا لَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا غَيْرَهَا، وَإِنَّمَا تَفْسِيرُ قَوْلِهِ: عَصَبَتُهُ عَصَبَةُ أُمِّهِ فِي الْعَقْلِ، هُمُ الَّذِينَ يَعْقِلُونَ عَنْهُ. فَأَمَّا فِي الْمِيرَاثِ فَيَرِثُهُ أَقْرَبُ النَّاسِ مِنْهُ عَلَى قَدْرِ الْقَرَابَةِ مِنَ ابْنِ الْمَلَاعِنَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لعان والی عورت کے بیٹے کا عصبہ وہی ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے جب انہی کو چھوڑے تو تمام مال اس کا ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس عورت کے لئے مال تب ہوگا جب وہ لڑکا اس کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے، اور ان کا یہ فرمانا کہ اس کا عصبہ وہی ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے تو یہ دیت کے بارے میں ہے، اس کی دیت وہی ادا

کریں گے جو اس کی ماں کی دیت کے ذمہ دار ہیں، جہاں تک میراث کا تعلق ہے تو ابن ملاعنہ کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے وہی اس قرابت کے مطابق وارث ہوں گے۔

تشریح:

چوں کہ اس لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہوتا ہے اس لیے اس کی وجہ سے وارث نہیں بن سکتا، لیکن اس کا نسب ماں سے ثابت ہے لہذا اس کی وجہ سے وہ اپنی ماں اور ماں کی طرف سے بہن کا وارث بنے گا، صرف ذوی الفروض کے اعتبار سے، اسی طرح اس کی ماں اور بہن اس کی وارث ذوی الفروض کے حساب سے بنیں گی، عصبات کے لحاظ سے نہ وہ وارث ہوگا نہ اور کوئی اس کا وارث بنے گا۔

(البحر الرائق، ج:8، ص:503)

بَابُ الْعُمْرَى

عمری کا بیان!

700- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَنْ أَعْمَرَ شَيْئًا فَهُوَ لَهُ فِي حَيَاتِهِ وَلِعَقِبِهِ مِنْ بَعْدِهِ وَلَا يَكُونُ مِنْ ثُلُثِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: يَعْنِي وَلَا يَكُونُ مِنْ ثُلُثِ الْمُعْمِرِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص کوئی چیز بطور عمری کے دیدے تو وہ اسی (موہوب لہ) کے لئے ہوگی اس کی زندگی میں، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کے لئے ہوگی، اور اس کے ثلث مال سے نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی معمر اول کے ثلث مال سے نہیں ہوگی۔

701- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا بِلَالٌ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فَشَتِ الْعُمْرَى فِي الْمَدِينَةِ فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِحْبِسُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ وَلَا تُهْلِكُوهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ شَيْئًا فِي حَيَاتِهِ فَهُوَ لِلَّذِي أُعْمِرَ بَعْدَ مَوْتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مدینہ میں عمری کا رواج عام ہونے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا: اے لوگو! اپنے مالوں کو اپنے پاس روک کر رکھو، اور اسے ضائع نہ کرو، کیونکہ جو کوئی اپنی زندگی میں کسی کو بطور عمری کوئی چیز دیدے تو وہ مرنے کے بعد بھی اسی (موہوب لہ) کی ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

702- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ عِنْدَهُ قَاعِدًا إِذْ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ يَسْأَلُهُ عَنِ الْعُمْرَى فَأَخْبَرَهُ أَنَّهَا مِيرَاثٌ لِلَّذِي هِيَ فِي يَدَيْهِ.

ترجمہ: حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی اثناء میں ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا، پس آپ سے عمری کے متعلق پوچھنے لگا، تو انہوں نے اسے بتایا کہ وہ اسی کی میراث ہے جس کے قبضے میں ہے۔

عمری کی تعریف اور صورتیں

عمری کی تعریف: عمری ایک مخصوص قسم کا عطیہ ہوتا ہے جو جائیداد، زمین، گھر وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ "اعمر تك هذه الدار"، یہ گھر میں نے آپ کو عمری (ساری عمر کے لئے) کے طور پر دے دیا۔ دینے والے کو **معمِر**، اور جس کو دیا جائے اس کو **معمَر له**، اور اس عمل کو **عمری** کہا جاتا ہے۔

عمری کی **تین صورتیں** بن سکتی ہے

پہلی صورت: **معمِر معمَر له** سے یہ کہے کہ "**داری لك عمری ما عشت فان مت فهی راجعة الی**" یعنی میں اپنا گھر تمہیں عمری کے طور پر دے رہا ہوں، جب تک تم زندہ ہو، اور جب تو فوت ہو جائے تو میرے پاس واپس آجائے گا۔ اس صورت میں **معمِر** عاریت کی صراحت کر رہا ہے۔

دوسری صورت: **معمِر معمَر له** سے یہ کہے کہ "**اعمر تك هذه الدار هی لك و لعقبك**"، یعنی میں اپنا گھر تمہیں عمری کے طور پر دے دیا، یہ اب تمہارے اور تمہارے وارثوں کا ہے۔ مطلب یہ کہ اس صورت میں **معمِر** ہبہ کی وضاحت کرتا ہے۔

تیسری صورت: یہ ہے کہ **معمِر** اس کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد عمری کس کو ملے گا، صرف اتنا کہتا ہے کہ "**اعمر تك هذه الدار لك عمری**" یعنی میں اپنا یہ گھر تمہیں عمری کے طور پر دے رہا ہوں۔

عمری کی شرعی حیثیت:

عمری کے بارے میں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں اختلاف ہے چناں چہ اس سلسلے میں **دو مذہب** ہیں

❁ **پہلا مذہب**: حضرات احناف، شوافع اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں عمری ہبہ کے حکم میں ہے، پہلی صورت میں **معمِر** نے صراحتاً کہا کہ تیرے مرنے کے بعد یہ گھر میرا ہوگا یہ تو ہبہ میں واپسی کی شرط ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ہبہ میں شرط فاسد لگانے سے ہبہ درست رہتا ہے اور شرط خود فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ وہ گھر ہمیشہ کے لئے **معمَر له** کا ہو جائے گا اور شرط لغو ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں **معمِر** کی طرف سے صراحت ہے، "**هی لك و لعقبك**"۔

تیسری صورت میں معمِر کی طرف سے کسی بات کی صراحت نہیں ہے، لہذا اس میں بطریق اولی ہبہ منعقد ہو جائے گا اور اب یہ

گھر کسی صورت معمِر کی طرف نہیں لوٹے گا۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے دلائل:

پہلی دلیل تو حدیث الباب عن جابر رضی اللہ عنہ ہے۔

دوسری دلیل: مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے: "لا تفسدوا علیکم اموالکم، من اعمر عمری فھی لہ ولورثتہ" یعنی اپنے اموال کو خراب مت کرو، اور جو شخص عمری کرے گا وہ معمرلہ اور اس کے ورثاء کو ملے گا۔

تیسری دلیل ترمذی میں حضرت جابر رضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ" یعنی دینے والے کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا اس لیے اس نے ایسی چیز دی جس میں میراث جاری ہوتی ہے، اس روایت میں صراحت ہے کہ وہ عمری معمِر کی طرف نہیں لوٹے گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ طریقہ میں تبدیلی فرمائی اور اس کو عاریت کے بجائے ہبہ قرار دیا۔

❁ دوسرا مذہب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ تینوں صورتوں میں عمری کو عاریت ہی سمجھا جائے گا، ہبہ نہیں کہا جائے گا۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے جس میں معمر نے یہ صراحت کر دی تھی کہ ھی لك ولعقبك۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء اس گھر سے صرف انتفاع کے حق دار ہوں گے، ملکیت ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی، لہذا جب معمرلہ کے تمام ورثاء انتقال کر جائیں اور کوئی وارث باقی نہ رہے تو اس وقت یہ گھر معمر کی طرف واپس آجائے گا۔ اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے ورثاء کو مل جائے گا۔

اور دوسری صورت جس میں اس نے یہ صراحت کر دی تھی کہ معمرلہ کے انتقال کے بعد میرے پاس واپس آجائے گا، اس میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ اسی طرح تیسری صورت جس میں اس نے صراحت نہیں کی تھی بلکہ مطلق رکھا تھا، اس صورت میں بھی معمر کے پاس وو واپس آجائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "العمری جائزۃ لِأَهْلِهَا" (ترمذی) ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمری جائز قرار دیا، اور زمانہ جاہلیت میں عمری کا جو مفہوم تھا وہ یہ تھا کہ عمری ایک عاریت ہے ہبہ نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تقریر فرما دی لہذا عمری کو عاریت ہی سمجھا جائے گا۔

بَابُ مِيرَاثِ الْحَمِيلِ وَالْوَلَدِ الَّذِي يَدَّعِيهِ رَجُلَانِ

حمیل اور اس بچے کی میراث کا باب جس کا دو آدمی دعوی کریں!

703- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْمُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنْ لَا يُوَرَّثَ الْحَمِيلُ إِلَّا أَنْ تُقِيمَ بَيِّنَةً، وَبِهِ نَأْخُذُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَالْحَمِيلُ امْرَأَةٌ تُسْبَى وَمَعَهَا صَبِيٌّ تَحْمِلُهُ فَتَقُولُ: هُوَ ابْنِي فَلَا يَكُونُ ابْنَهَا بِقَوْلِهَا إِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَتُقْبَلُ عَلَى وِلَادَتِهَا شَهَادَةُ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ مُسْلِمَةٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ لکھا کہ حمیل کو اس وقت تک وارث نہیں بنایا جائے گا جب تک کہ عورت گواہی قائم نہ کر دے، اور ہم اسی کو لیتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حمیل (کی صورت یہ ہے کہ) عورت کو قیدی بنا کر لایا جائے اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہو جو اس نے اٹھا رکھا ہو اور وہ کہے: یہ میرا بیٹا ہے، تو یہ بیٹا اس کا نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ وہ گواہی قائم نہ کرے، اور اس کی ولادت کے معاملے میں ایک آزاد مسلمان عورت کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

حمیل اپنی والدہ کا وارث بنے گا یا نہیں؟

حمیل وہ بچہ ہے جو اپنی والدہ کے ساتھ دار الحرب سے گرفتار ہو کر آئے، حمیل اپنی والدہ کا وارث بنے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، **شوافع** رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک وارث بنے گا اور **احناف** رحمہم اللہ علیہم کے ہاں اگر اس بچے کی ماں دار الاسلام پہنچنے کے بعد بچے کا نسب اس کے باپ سے گواہوں کے ذریعے ثابت کر دے تو وہ بچہ اپنی ماں کا وارث بنے گا لیکن اگر وہ گواہوں سے ثابت نہ کر سکے تو اگر اس کی والدہ کے ذوی الفروض یا عصبات میں سے کوئی رشتہ دار ہو تو وہ وارث نہ ہو گا، بلا گواہ بچہ اپنی ماں کا وارث نہیں بنے گا، البتہ اگر والدہ کے عصبات اور ذوی الفروض موجود نہ ہو تو حمیل والدہ کا وارث بن جائے گا۔

شوافع رحمہم اللہ علیہم کی **دلیل**: ترمذی میں حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی ہے کہ انہوں نے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے والد مہران کو جو حمیل تھے، ان کی والدہ (ام مہران) کے مال کا وارث بنایا تھا۔

جواب: ہو سکتا ہے ام مہران نے اثباتِ نسب کے لیے بینہ پیش کیا ہو یا ان کا کوئی اور وارث نہ ہو۔

احناف رحمہم اللہ علیہم کی **دلیل** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مندرجہ بالا فتوی ہے۔ (اعلاء السنن، ج:15، ص:462)

704 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي رَجُلَيْنِ يَدَّعِيَانِ الْوَلَدَ: إِنَّهُ ابْنُهُمَا يَرِثُهُمَا وَيَرِثَانِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو آدمیوں کے بارے میں فرمایا: جو ایک بچے کا دعویٰ کریں کہ اسے ان دونوں کا بچہ قرار دیا جائے گا وہ ان دونوں کا وارث ہو گا اور وہ دونوں اس کے وارث ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر ایک ہی بچے کے بارے میں دو آدمی اپنا بیٹا ہونے کا دعوی کریں اور گواہ پیش کردیں یہ بچہ اس کی بیوی سے پیدا ہوا ہے تو وہ بچہ دونوں کا بیٹا کہلائے گا اور اسی طرح دو عورتیں دعوی کریں تب بھی یہی حکم ہے، حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم اسے مردوں کے دعوی میں معتبر مانتے ہیں البتہ عورتوں کے دعوی میں معتبر نہیں مانتے۔ (المختار)

بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ وَمَنْ يُجْبَرُ عَلَى النَّفَقَةِ؟

بچے کا زیادہ حق دار کون ہے اور کسے نفقہ پر مجبور کیا جائے؟

705۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الْوَلَدُ لِأُمِّهِ حَتّٰى يَسْتَغْنِيَ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: إِذَا اسْتَغْنَى الصَّبِيُّ عَنْ أُمِّهِ فِي الْأَكْلِ، وَالشُّرْبِ فَالْأَبُ أَحَقُّ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. أَمَّا الذَّكَرُ فَهِيَ أَحَقُّ بِهِ حَتّٰى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ ثُمَّ أَبُوهُ أَحَقُّ بِهِ وَأَمَّا الْجَارِيَةُ فَأُمُّهَا أَحَقُّ بِهَا حَتَّى تَحِيضَ ثُمَّ أَبُوهَا أَحَقُّ بِهَا وَلَا خِيَارَ فِي ذٰلِكَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا فَإِنْ تَزَوَّجَتِ الْأُمُّ فَلَا حَقَّ لَهَا فِي الْوَلَدِ وَالْجَدَّةُ أُمُّ الْأُمِّ تَقُومُ مَقَامَهَا فَإِنْ كَانَ لِلْجَدَّةِ زَوْجٌ فَكَانَ هُوَ الْجَدُّ لَمْ تُحْرَمِ الْوَلَدَ. لِمَكَانِ زَوْجِهَا فَإِنْ كَانَ لَهَا زَوْجٌ غَيْرُ الْجَدِّ فَلَا حَقَّ لَهَا فِي الْوَلَدِ وَالْجَدَّةُ أُمُّ الْأَبِ أَحَقُّ مِنْهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا زَوْجٌ فَإِنْ كَانَ لَهَا زَوْجٌ وَهُوَ الْجَدُّ لَمْ تُحْرَمْ أَيْضًا الْوَلَدَ؛ لِمَكَانِ زَوْجِهَا إِنْ كَانَ زَوْجُهَا غَيْرَ الْجَدِّ فَلَا حَقَّ لَهَا فِي الْوَلَدِ، وَهٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بچہ ماں کے پاس رہے گا جب تک اس سے بے نیاز نہیں ہوجاتا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بچہ کھانے اور پینے کے اعتبار سے ماں کا محتاج نہ رہے تو باپ کو اس کا زیادہ حق ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو ماں اس کا زیادہ حق رکھتی ہے یہاں تک کہ وہ اکیلا کھانے پینے لگے اور خود بخود لباس پہن سکے پھر اس کے باپ کو اس کا زیادہ حق ہے۔ لیکن بچی کا حق ماں کے پاس اس وقت تک رہتا ہے جب اسے حیض آجائے پھر باپ کو اس کا زیادہ حق حاصل ہوتا ہے، اس سلسلے میں ان میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں ہے، پس اگر ماں نکاح کرے تو اب بچے کے لئے اس کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور نانی ماں کے قائم مقام ہے، جب نانی کا خاوند ہو اور وہ اس بچے کا نانا بھی ہو تو اب وہ خاوند کی وجہ سے بچے سے محروم نہیں ہوگی (کیونکہ یہ شخص بچے کے لئے نقصان کا باعث نہیں) اور اگر اس کا خاوند بچے کے نانا کے علاوہ ہو تو اب نانی کو بچے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور دادی نانی کے مقابلے میں زیادہ حقدار ہوتی ہے اگر اس کا کوئی خاوند نہ ہو، پس اگر اس کا خاوند ہو اور وہ اس بچے کا دادا ہو تو بھی وہ خاوند کی وجہ سے بچے سے محروم نہیں رہے گی اور اگر اس کا خاوند دادا کے علاوہ کوئی ہو تو اب دادی کو بچے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یہ تمام باتیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہیں۔

مستحقینِ پرورش کی تفصیل:

بچہ کی پرورش کرنے یا پالنے کا کام قرابت داروں کے لئے ثابت ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تمام اشخاص میں سب سے زیادہ پرورش کا حق ماں کو ہے خواہ ماں، باپ کی زوجیت میں ہو یا طلاق یافتہ ہو، یعنی اگر میاں بیوی میں جو کہ اس بچہ کے والدین میں کسی وجہ سے فرقت ہو جائے تو اب وہ بچہ کس کی پرورش میں رہے گا؟ اس پر ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ چھوٹے بچہ کی پرورش کا استحقاق باپ کو نہیں بلکہ ماں کو ہے جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ یا بچے کے محرم سے نکاح کرے، مثلاً ماں اپنے دیور سے نکاح کرلے جو بچوں کا چچا ہے۔

بچوں سے محبت کا تعلق ماں کی طرف ہے اور ماں کے رشتہ داروں کی طرف ہے اور باپ کے رشتہ داروں کی طرف کم ہے اس لیے پرورش کا حق بھی ماں کے رشتہ داروں کو پہلے ہے اور باپ کے رشتہ داروں کو بعد میں ہے اس لیے ماں کے رشتہ دار نہ ہوں یا ہوں لیکن نہ لینا چاہتے ہوں تب باپ کے رشتہ داروں کو ملے گا اس کے بعد آپ سمجھیں کہ اگر بچہ کی ماں نہ ہو بایں طور کہ وہ مرگئی یا کسی اجنبی شخص سے نکاح کرلیا تو نانی بچہ کی زیادہ حق دار ہوگی بہ نسبت دادی کے، نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہو یعنی پر نانی یا اس کے بعد اور اگر بچہ کی نانی پر نانی بھی نہیں ہے تو بہنوں کے مقابلہ میں بچہ کی زیادہ حق دار دادی ہوگی، کیوں کہ دادی بھی ماں ہی ہے نیز دادی کی شفقت پیدائشی قرابت کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے اگر بچہ کی دادی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت بہنیں زیادہ حق دار ہیں کیوں کہ وہ اس کے ماں باپ کی لڑکیاں ہیں اور بہنیں زیادہ محبت رکھتی ہیں اس لیے خالہ اور پھوپھی سے وہ زیادہ حقدار ہوں گی۔

حق پرورش کب تک ہے؟

لڑکے کی عمر جب سات سال ہو جائے تو وہ باپ کے حوالے کیا جائے گا البتہ جب تک لڑکی کو حیض نہ آجائے اور بالغ نہ ہو جائے، تو ماں اور نانی اس کی پرورش کرنے کی حقدار ہیں کیوں کہ سات آٹھ سال میں وہ بے نیاز ہوگی اس کے بعد عورتوں کے کچھ کام کاج سیکھنے کے لئے وقت درکار ہے جو ماں اور نانی کے پاس سیکھے گی اس لیے بالغ ہونے تک ان کے پاس رہے گی اور بالغ ہونے کے بعد اس کی نگرانی کی ضرورت ہے اور شادی کرانے کی ضرورت ہے جو باپ اچھی طرح کرسکتا ہے اس لیے بالغ ہونے کے بعد باپ لڑکی کا زیادہ حقدار ہے، بالغ ہونے کے بعد بچوں کو اختیار ہے ماں باپ میں سے جس کے پاس رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں۔

لڑکا اور لڑکی سے متعلق مذکورہ تفصیل احناف رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کے مطابق ہے، اس کے علاوہ یہاں **تین مذہب** اور ہیں:

① - **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو عقل وشعور آنے تک پرورش کا حق ماں کے لئے ہے اور پھر اس کے بعد دونوں کو اختیار ہوگا والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہیے۔

② - **امام احمد** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکے میں تو اسی طرح ہے کما قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ، اور لڑکی عقل سمجھ آنے تک ماں کے پاس رہے

گی اس کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔

③-امام مالک کا مذہب رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ لڑکی میں پرورش کا حق ماں کے لئے ہے اگر چہ بالغ ہو جائے جب تک نکاح نہ کرے، اور لڑکے میں ماں کے لئے پرورش کا حق اس کے بلوغ تک ہے۔

706- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أُجْبِرَ عَلَى النَّفَقَةِ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر ذی رحم کو نفقہ پر مجبور کیا جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

ذی رحم: رشتہ دار کو کہا جاتا ہے، پھر ان میں بعض محرم ہوتے ہیں اور بعض غیر محرم، مسلمان پر ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہوتا ہے، اس کے لیے بنیادی طور پر دو شرائط ہیں: ①-غربت، ②-ان اعذار میں سے کوئی ایک موجود ہو، صغیر ہونا، عورت ہونا، معذور ہونا، جیسے اپاہج نابینا وغیرہ، لہذا نابالغ غریب خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، بالغ غریب عورت اور اپاہج یا نابینا غریب کا نفقہ واجب ہوگا، یہ نفقہ میراث کی مقدار کے مطابق آتا ہے، ارشاد جل جلالہ ہے: ﴿وعلى الوارث مثل ذلك﴾، اور وارث پر اسی (میراث) کی طرح ذمہ داری بھی ہے، مثلا ایک شخص اپاہج اور غریب ہے اور اس کے دو بہن بھائی غنی ہیں تو ایک تہائی خرچہ بہن پر اور دو تہائی بھائی پر واجب ہوگا۔

بَابُ هِبَةِ الْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا وَالزَّوْجِ لِامْرَأَتِهِ

عورت کا خاوند کے لئے اور خاوند کا عورت کے لئے ہبہ کرنا!

707- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الْقَرَابَةِ أَيُّهُمَا وَهَبَ لِصَاحِبِهِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خاوند اور عورت قرابت داروں کی طرح ہوتے ہیں ان میں سے جو دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اسے واپس لینے کا کوئی حق نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

شی موہوب کو واپس لینے کا حکم:

موہوب شی واپس لینے کے بارے میں اختلاف ہے، شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہبہ واپس لینا نہ قضاءً جائز ہے نہ دیانۃً، البتہ والد اپنے بیٹے کو دیے ہوئے سے رجوع کرسکتا ہے، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک موہوب لہ کے قبضہ کر لینے کے بعد دیانۃً تو رجوع

نہیں ہوسکتا البتہ چند موانع موجود نہ ہوں تو قضاءً رجوع کرسکتا ہے وہ موانع سات ہیں جو درجہ ذیل ہیں:

① - موہوب لہ نے موہوب پر ایسی زیادتی کردی جس کو علیحدہ نہ کیا جاسکتا ہو، مثلاً زمین ہبہ کی گئی تھی اس پر تعمیر کرلی پھر رجوع نہیں ہوسکے گا۔

② - احد العاقدین میں سے کوئی مرجائے تو رجوع نہیں ہوسکتا،

③ - اگر موہوب لہ نے واہب کو ہبہ کا عوض دے دیا تو رجوع نہیں کرسکتا۔

④ - اگر موہوب، موہوب لہ کی ملک سے نکل چکا ہو تو رجوع نہیں ہوسکتا۔

⑤ - زوجین ایک دوسرے سے رجوع فی الہبہ نہیں کرسکتے۔

⑥ - موہوب لہ اور واہب ایک دوسرے کے ذی رحم محرم ہوں تو رجوع نہیں کرسکتے۔

⑦ - موہوب چیز ہلاک ہوجائے تو رجوع نہیں کرسکتے۔

شوافع رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسے ہے جیسے کتا قئی کرکے اس کو چاٹ لے۔

جواب: یہ حدیث دیانت پر محمول ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ رجوع فی الہبہ غیر مستحسن فعل ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں، قضاءً رجوع درست ہے یا نہیں؟ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی **دلیل**: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے: "من وهب هبة فهو احق بها مالم يثب منها" یعنی جس نے کوئی ہبہ دیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ لے لے۔

بَابُ الْأَيْمَانِ وَالْكَفَّارَاتِ فِيهَا

قسموں اور ان کے کفاروں کا بیان!

708 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أُقْسِمُ وَأُقْسِمُ بِاللهِ وَأَشْهَدُ وَأَشْهَدُ بِاللهِ وَأَحْلِفُ وَأَحْلِفُ بِاللهِ وَعَلَى عَهْدِ اللهِ وَعَلَى ذِمَّةِ اللهِ وَعَلَيَّ نَذْرٌ وَعَلَيَّ نَذْرُ اللهِ وَهُوَ يَهُودِيٌّ وَهُوَ نَصْرَانِيٌّ وَهُوَ مَجُوسِيٌّ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنَ الْإِسْلَامِ، كُلُّ هٰذَا يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا إِذَا حَنِثَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں قسم کھاتا ہوں، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں، میں اللہ کے نام کے ساتھ گواہی دیتا ہوں، میں حلف اٹھاتا ہوں، میں اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھاتا ہوں میں اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھاتا ہوں، میں اللہ کے عہد پر ہوں، اللہ کے ذمے پر ہوں مجھ پر نذر ہے، مجھ پر اللہ کی نذر ہے (اگر یہ کام نہ کیا تو) وہ یہودی ہے، وہ نصرانی ہے، وہ مجوسی

ہے، وہ اسلام سے بری ہے، یہ تمام الفاظ قسم کے ہیں، اگر قسم کھانے والے نے قسم توڑ دی تو وہ کفارہ ادا کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان سب باتوں کو لیتے ہیں، اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

مذکورہ بالا الفاظ قسم کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں لہذا ان الفاظ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے شہادت کے الفاظ بھی قسم ہی ہے ،عہد بھی قسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ ﴾ (النحل 91) ترجمہ: اور اللہ جل جلالہ کا عہد پورا کرو جب قول باندھو اور قسمیں مت توڑو۔

نذر کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے (مسلم) دوسری ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایسی نذر مانی جس کی تعیین نہیں کی، اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کے الفاظ سے قسم ہو جاتی ہے اور اس میں حانث ہونے کی صورت میں کفارہ یمین بھی ہے۔

مجوسی ،نصرانی ، یہودی وغیرہ کلمات بھی یمین بنتے ہیں اگر یہ کلمات مستقبل کے بارے میں ہوں اس میں حانث ہونے کی صورت میں کفارہ ہوگا، اگر ماضی کے بارے میں ہیں اور وہ کام کر چکا ہو تو یہ یمین غموس ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہوگا۔

709 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ : إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ. أَوْ الْكِسْوَةُ وَهِيَ ثَوْبٌ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَالْأَيَّامُ الثَّلَاثَةُ مُتَتَابِعَاتٌ لَا يُجْزِئُهُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُنَّ ؛ لِأَنَّهَا فِي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ :(فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ)، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ قسم کے کفارہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ہر مسکین کے لئے نصف صاع (دو کلو گندم یا لباس ہے یا غلام آزاد کرنا ہے پس جو شخص ان میں سے کوئی چیز) نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور تین دن مسلسل ہوں ان کے درمیان تفریق کرنا جائز نہیں، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یوں ہے ﴿ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ ﴾ (پس تین دن مسلسل روزہ رکھنا)۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

710 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تُطْعِمَ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ فَغَدَاءٌ وَعَشَاءٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب تم قسم کے کفارہ میں کھانا کھلانا چاہو تو صبح اور شام کا کھانا کھلانا ہے۔ حضرت

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

قسم کا کفارہ چار چیزوں سے دیا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ کہ

① - غلام آزاد کرنا، ② - دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلا دے یا دس مسکینوں میں سے ہر ایک کو صدقۃ الفطر کی مقدار کے بقدر گندم یا اس کی قیمت دے دے (یعنی پونے دو کلو گندم یا اس کی رقم) اور اگر جو دے تو اس کا دوگنا (تقریباً ساڑھے تین کلو) دے، ③ - یا دس فقیروں کو ایک ایک جوڑا کپڑا پہنا دے۔ ④ - اور اگر کوئی ایسا غریب ہے کہ نہ تو کھانا کھلا سکتا ہے اور نہ کپڑا دے سکتا ہے تو مسلسل تین روزے رکھے، اگر الگ الگ کر کے تین روزے پورے کر لیے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اگر دو روزے رکھنے کے بعد درمیان میں کسی عذر کی وجہ سے ایک روزہ چھوٹ گیا تو اب دوبارہ تین روزے رکھے۔

ارشاد ربانی ہے کہ: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (المائدۃ:89)

بَابُ مَا يُجْزِئُ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ مِنَ التَّحْرِيرِ

قسم کے کفارہ میں کسی قسم کا غلام آزاد کرنا کفایت کرتا ہے!

711 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا يُجْزِئُ الْمُكَاتَبُ وَلَا أُمُّ الْوَلَدِ وَلَا الْمُدَبَّرُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْكَفَّارَاتِ، وَيُجْزِئُ الصَّبِيُّ وَالْكَافِرُ فِي الظِّهَارِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ: الْمُكَاتَبُ إِذَا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا مِنْ مُكَاتَبَتِهِ حَتَّى يُعْتِقَهُ مَوْلَاهُ عَنْ كَفَّارَتِهِ أَجْزَأَهُ ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه الله تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کفاروں میں مکاتب، ام ولد اور مدبر غلام جائز نہیں اور ظہار کے کفارے میں بچہ اور کافر (غلام آزاد کرنا) بھی کافی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں سوائے ایک بات کے وہ یہ کہ مکاتب جب اپنی مکاتبت (کے بدل) میں سے کچھ بھی ادا نہ کرے، حتیٰ کہ اس کا مولیٰ اسے اپنے کفارے سے آزاد کر دے تو اس کے لئے یہ کفایت کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

قسم کے کفارہ کے بارے میں قرآن پاک میں (أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ) مطلقِ رقبہ (غلام) آزاد کرنے کا حکم ہے، اور مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے، مدبر اور ام ولد کی رقبہ کامل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہو چکے ہیں چنانچہ یہ ناقص غلام ہیں اس طرح

مکاتب بھی ناقص غلام ہے اس لئے کہ آقا اس کے بدلے عوض لے چکا ہے البتہ اگر مکاتب اب نے ابھی تک کچھ ادا نہ کیا ہو تو اسے ازاد کر سکتے ہیں۔

کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں مسلمان، کافر، بچہ ہو یا بڑا غلام ہو آزاد کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں مطلق رقبہ آزاد کرنے کا حکم ہے جس میں یہ سب شامل ہیں۔

بَابُ الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ

قسم میں استثناء (ان شاء اللہ کہنا)!

712 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَدِ اسْتَثْنَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قسم اٹھاتے ہوئے ان شاء اللہ کے الفاظ کہے تو اس نے استثناء کیا۔ (کفارہ واجب نہ ہوگا)

713 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَدْ خَرَجَ مِنْ يَمِينِهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قسم کھاتے ہوئے انشاء اللہ کے الفاظ کہے وہ اپنی قسم سے نکل گیا۔

714 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَمِيلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْأَيْمَانِ كُلِّهَا إِذَا كَانَ قَوْلُهُ: إِنْ شَاءَ اللهُ مَوْصُولًا بِكَلَامِهِ قَبْلَ كَلَامِهِ، أَوْ بَعْدَ كَلَامِهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ کہے تو اس پر قسم کے توڑنے کا کفارہ نہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تمام قسموں میں یہی قول ہے جب اس کا قول "انشاء اللہ" اس کے کلام سے پہلے یا بعد میں ملا ہوا ہو۔

715 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَلِاسْتِثْنَاءُ إِذَا كَانَ مُتَّصِلًا وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَذَلِكَ يُجْزِئُهُ وَإِنْ لَمْ يَرْفَعْ بِهِ صَوْتَهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب استثناء متصل ہو (تو اس کا فائدہ ہے) ورنہ وہ کوئی چیز نہیں۔ (غیر معتبر ہے) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور یہ اس کے لئے کافی ہے اگر چہ اس کے ساتھ اپنی آواز بلند نہ کرے۔

716 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: إِذَا حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِالْإِسْتِثْنَاءِ فَقَدِ اسْتَثْنَى.

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ استثناء (کے کلمات) کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے تو اس نے استثناء کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

اگر آواز سنائی نہ دے پھر بھی استثناء صحیح ہے، اس لئے کہ قسم دیانت کا معاملہ ہے، ہاں البتہ اگر معاملہ حقوق العباد سے متعلق ہو مثلا: طلاق، اعتاق وغیرہ تو دل میں استثناء قضاءً معتبر نہ ہوگا۔

717- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللهُ، قَالَ: لَيْسَ بِشَيْءٍ وَلَا يَقَعُ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِذَا كَانَ اسْتِثْنَاؤُهُ مَوْصُولًا بِيَمِينِهِ قَدَّمَهُ أَوْ أَخَّرَهُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جس نے اپنی بیوی سے کہا "انت طالق ان شاء اللہ" تجھے طلاق ہے انشاء اللہ، فرماتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں اور اسے طلاق نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جب استثناء اس کی قسم سے موصول ہو چاہے اس سے پہلے ہو یا بعد میں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

قسم کے ساتھ اگر انشاء اللہ متصلا کہا ہو تو قسم منعقد نہیں ہوتی، متصلا کہنا ضروری ہے اس لیے کہ قسم سے فارغ ہونے کے بعد وقفہ سے انشاء اللہ کہنا یہ گویا اس سے رجوع کرنا ہے اور قسم میں رجوع درست نہیں، اسی طرح اگر بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ فورا انشاء اللہ کہہ دیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بَابُ النَّذْرِ فِي الْمَعْصِيَةِ

گناہ کی نذر کا بیان!

718- محمدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أبو حنيفة قَالَ: حَدَّثَنَا محمدُ بنُ الزُّبَيْرِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بنِ الْحُصَيْنِ رضى الله عنه عن النبي ﷺ أَنَّهُ قَالَ: لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ، وَ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ. قَال محمدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ، و هُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گناہ (کے کاموں) میں کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی

یہی قول ہے۔

719 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : سَمِعْتُ عَامِرَ الشَّعْبِيَّ يَقُوْلُ: لَانَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ، مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ مَعْصِيَةٍ فَلْيَرْجِعْ، وَ لَا كَفَارَّةَ عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ : وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهٰذَا وَ لٰكِنَّا نَأْخُذُ بِالْحَدِيْثِ الْأَوَّلِ وَ مِنْ ذٰلِكَ أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يُكَلِّمَ أَبَاهُ أَوْ أُمَّهُ أَوْ أَنْ لَا يَحُجَّ وَلَا يَتَصَدَّقَ وَ نَحْوُ ذٰلِكَ مِنْ أَنْوَاعِ الْبِرِّ. فَلْيَفْعَلِ الَّذِي حَلَفَ أَنْ لَا يَفْعَلَهُ وَ لْيُكَفِّرْ يَمِيْنَهُ. أَلَا تَرَى أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى جَعَلَ الظِّهَارَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا، وَ جَعَلَ فِيْهِ الْكَفَّارَةَ فَكَذٰلِكَ هٰهُنَا، وَ هٰذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گناہ کے کام میں کوئی نذر نہیں ہے، جو شخص کوئی گناہ کرنے پر قسم کھائے، تو اسے چاہئے کہ وہ رجوع کر لے، اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو نہیں لیتے، البتہ ہم پہلی حدیث کو لیتے ہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ اپنے باپ یا اپنی ماں سے بات نہیں کرے گا، یا حج نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں دیگا، اور اس جیسی کسی دوسری نیکی پر قسم کھائے تو قسم کھانے والے کو چاہئے کہ اسے پورا نہ کرے، اور اپنی قسم کا کفارہ دیدے، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظہار کو بُری بات اور جھوٹ بتایا ہے، اور اس میں کفارہ مقرر کیا ہے، پس اسی طرح یہاں بھی ہوگا، اور یہ سب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

گناہ پر قسم کھانا:

معصیت کی دو قسمیں ہیں:

① - معصیت لعینہا: یعنی جو اپنی ذات میں گناہ ہے جیسے شراب پینا، چوری کرنا قتل کرنا جھوٹ بولنا،

② - معصیت لغیر ہا: یعنی جو اپنی ذات میں تو گناہ نہیں ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے وہ معصیت بن گئی جیسے بقر عید کے دن روزہ رکھنا احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو افعال اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ ہیں اگر کوئی شخص ان کی نذر کرے تو وہ نذر منعقد ہی نہیں ہوگی اور جب منعقد ہی نہ ہوگی تو اس شخص کے لئے وہ کام کرنا جائز بھی نہیں اور نہ کرنے کے نتیجہ میں اس پر کفارہ بھی نہیں آئے گا اور اگر معصیت لغیر ہا کی نذر کی ہے تو اس صورت میں نذر منعقد ہو جاتی ہے مثلاً کسی شخص نے 9 ذی الحجہ کو یوں کہا کہ میں کل روزہ رکھوں گا تو یہ نذر صحیح ہے لیکن 10 ذی الحجہ میں روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بعد میں اس کی قضا کرے، اور اگر کوئی شخص معصیت لعینہا کی قسم کھائے کہ میں فلاں کو قتل کروں گا تو اس صورت میں اس کو وہ گناہ کرنا تو جائز نہیں ہوگا لیکن قسم پوری نہ کرنے کی وجہ سے اس کے ذمہ کفارہ یمین لازم ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی نے یوں کہا خدا کی قسم اپنے والدین سے نہ بولوں گا، یا نماز نہ پڑھوں گا، یا فلاں کو ضرور قتل کروں گا، تو اس کو چاہئے کہ والدین سے بات کرے اور نماز پڑھے، اور فلاں کو قتل نہ کرے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ

جوشخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف میں بہتر ہو تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نذرِ معصیت میں مطلقا کفارہ نہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس پر مطلقا کفارہ ہے۔

بَابُ الْخِيَارِ فِي الْكَفَّارَةِ، وَالَّذِي يَجْعَلُ مَالَهُ فِي الْمَسَاكِينَ

کفارہ میں اختیار اور اپنا مال مساکین کے لئے کردینا!

720 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ مِنْ قَوْلِهِ : أَوْ فَصَاحِبُهُ فِيهِ بِالْخِيَارِ أَيُّ ذَلِكَ شَاءَ فَعَلَ يَعْنِي : فِي الْكَفَّارَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ: ﴿إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾. فَأَيُّ هَذِهِ الْكَفَّارَاتِ كَفَّرَ بِهَا يَمِينَهُ أَجْزَاهُ ذَلِكَ، وَلَا يُجْزِئُهُ الصَّوْمُ مَادَامَ يَجِدُ بَعْضَ هَذِهِ الْكَفَّارَاتِ؛ لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾، وَلَمْ يُخَيِّرْهُ فِي الصَّوْمِ كَمَا خَيَّرَهُ فِي غَيْرِهِ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن میں جو اَو لفظ آیا ہے تو اس شخص کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے کام کرے یعنی کفارے میں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو لیتے ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے قسم کے کفارے میں: "(اس کا کفارہ) یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو"، پس ان میں سے اپنی قسم کا جو بھی کفارہ وہ دیدے تو جائز ہے، اور روزے کے ذریعے کفارہ جائز نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ان میں سے کسی کفارہ پر قادر ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ہاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو تین دن روزے رکھے"، اور اللہ تعالیٰ نے روزے میں اختیار نہیں دیا جیسا کہ اس کے علاوہ میں اختیار دیا ہے، اور یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

کفارہ یمین میں لفظ او کا مطلب:

لفظ "او" "اختیار احدھما" کے لیے آتا ہے، لہذا کفارہ یمین میں چاہے غلام آزاد کرے یا دس مساکین کو کپڑا دے یا کھانا کھلائے، اگر ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو تو پھر پے درپے تین روزے رکھے، روزے صرف اس وقت رکھ سکتا ہے جب شروع کے تین کفاروں میں سے کسی پر قادر نہ ہو۔

721 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : إِذَا جَعَلَ الرَّجُلُ مَالَهُ فِي الْمَسَاكِينِ صَدَقَةً فَلْيَنْظُرْ مَا يَسَعُهُ وَيَسَعُ عِيَالَهُ. فَلْيُمْسِكْهُ وَلْيَتَصَدَّقْ بِالْفَضْلِ. فَإِذَا أَيْسَرَ تَصَدَّقَ بِمِثْلِ مَا أَمْسَكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنا تمام مال مساکین کے لئے کردے تو دیکھے اسے اور اس کے اہل و

عیال کو کسی قدر کافی ہے پھر اتنی مقدار روک کر باقی صدقہ کر دے پھر جب حالات اچھے ہوں تو جس قدر روکا ہے وہ صدقہ کر دے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اس لیے کہ اگر سب مال صدقہ کر دے گا تو خود فقیر ہو جائے گا اور اہل وعیال کا نفقہ اس پر واجب ہے اس لیے دونوں کام اس طرح ہو سکتے ہیں کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ضرورت کی مقدار روک لے باقی صدقہ کر دے پھر جب اور کمالے تو جتنا مال روکا تھا اتنا صدقہ کر دے، اس طرح دونوں فوائد حاصل ہو جائیں گے۔

بَابُ مَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ الْمَشْيَ

جو شخص پیدل چلنے کی نذر مانے!

722 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِيمَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ الْمَشْيَ فَمَشَى بَعْضًا، وَرَكِبَ بَعْضًا قَالَ: يَعُودُ فَيَمْشِي مَا رَكِبَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِقَوْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِذَا رَكِبَ أَهْدَى هَدِيًّا أَوْ شَاةً تُجْزِئُهُ يَذْبَحُهَا، وَيَتَصَدَّقُ بِهَا، وَلَا يَأْكُلُ مِنْهَا شَيْئًا، وَيَعْتَمِرُ عُمْرَةً أَوْ حَجَّةً، وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرَ ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں جو پیدل چلنے کی نذر مانتا ہے کچھ سفر پیدل چل کر اور کچھ سواری پر کرتا ہے فرماتے ہیں وہ واپس آئے اور جس قدر سوار ہوا اتنی مقدار پیدل چلے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ ہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں (وہ فرماتے ہیں) جب سوار ہو تو ہدی یا ایک بکری لے کر جائے جو اسے کفایت کرے گی جسے وہ ذبح کر کے صدقہ کرے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے اور عمرہ کرے یا حج اور اس پر اس کے علاوہ کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔ یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے

پیدل حج اور عمرہ کرنے کی نذر ماننے کا حکم؟

جو شخص بیت اللہ تک پیدل چل کر جانے کی نذر مانے تو اس پر حج یا عمرے کے لیے پیدل چل کر جانا لازم ہوگا، اگر سوار ہونا چاہے تو سوار ہو جائے البتہ اس کو دم دینا پڑے گا، قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس پر کچھ نہ آئے اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر ایسی چیز کو لازم کیا ہے جو نہ قربت وعبادتِ واجبہ ہے نہ اصلاً مقصود ہے، اس لیے کہ پیدل چلنا مباح ہے، اس وجہ سے یہ نذر باطل ہونی چاہیے تھی، لیکن ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر اور عرف کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانے پھر نہ جا سکے اور سوار ہو جائے تو وہ اونٹ ذبح کرے گا۔ (مصنف عبدالرزاق)

بَابُ مَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ نَحْرَ ابْنِهِ، أَوْ نَحْرَ نَفْسِهِ
جو شخص اپنے بیٹے کو یا اپنے آپ کو ذبح کرنے کی نذر مانے!

723- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَجْعَلُ عَلَيْهِ أَنْ يَنْحَرَ ابْنَهُ أَنَّ عَلَيْهِ مِائَةَ نَاقَةٍ يَنْحَرُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَأْخُذُ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَسْرُوقِ بْنِ الْأَجْدَعِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانتا ہے کہ اس پر سو اونٹوں کو ذبح کرنا لازم ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ ہم حضرت ابن عباس اور حضرت مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔

724- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: إِنِّي جَعَلْتُ ابْنِي نَحِيرًا وَ مَسْرُوقُ بْنُ الْأَجْدَعِ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: اِذْهَبْ إِلَى ذَلِكَ الشَّيْخِ فَاسْأَلْهُ، ثُمَّ تَعَالَ فَأَخْبِرْنِي بِمَا يَقُولُ، فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ مَسْرُوقٌ: إِنْ كَانَتْ نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ تَعَجَّلَتْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَتْ كَافِرَةٌ عَجَّلْتَهَا إِلَى النَّارِ، إِذْبَحْ كَبْشًا فَإِنَّهُ يُجْزِئُكَ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَحَدَّثَهُ بِمَا قَالَ مَسْرُوقٌ، قَالَ: وَأَنَا آمُرُكَ بِمَا أَمَرَكَ بِهِ مَسْرُوقٌ. قَالَ مُحَمَّدٌ: فَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت محمد بن المنتشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے اور حضرت مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا اس شخص کے پاس جاؤ اور (مسئلہ) پوچھو پھر آ کر مجھے بتانا کہ انہوں نے کیا جواب دیا ہے پس وہ شخص ان کے پاس گیا اور ان سے پوچھا تو حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ مومن نفس ہے تو اس نے جنت کی طرف جلدی کی اور اگر وہ کافر ہے تو تم نے اس کو جہنم میں لے جانے کی جلدی کی ایک مینڈھا ذبح کر دو تمہیں کافی ہے۔ وہ شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور جو کچھ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ان کو بتا دیا انہوں نے فرمایا: میں بھی تمہیں اسی بات کا حکم دیتا ہوں جس کا حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے تمہیں حکم دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

کسی نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو طرفین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس کو ایک بکرا ذبح کرنا پڑے گا اور امام ابو یوسف اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں اس طرح کی نذر درست نہیں، اس لیے کہ یہ معصیت اور گناہ ہے، طرفین حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کے

مذہب کو لیتے ہیں۔ (شامی، ج:3، ص:739)

725- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي الرَّجُلِ يَجْعَلُ عَلَيْهِ أَنْ يَذْبَحَ نَفْسَهُ قَالَ: يَذْبَحُ كَبْشًا أَوْ شَاةً. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے یوں نذر مانی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذبح کرے گا تو وہ فرماتے ہیں ایک مینڈھا یا بکری ذبح کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں۔

بَابُ مَنْ حَلَفَ وَهُوَ مَظْلُومٌ

جو مظلوم ہونے کی صورت میں قسم کھائے!

726- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا اسْتُحْلِفَ الرَّجُلُ وَ هُوَ مَظْلُومٌ فَالْيَمِينُ عَلَى مَا نَوَى وَ عَلَى مَا وَرَّى، وَإِذَا كَانَ ظَالِمًا فَالْيَمِينُ عَلَى نِيَّةِ مَنِ اسْتَحْلَفَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، الْيَمِينُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ عَلَى ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص سے قسم لی جائے اس حال میں کہ وہ مظلوم ہو تو قسم اس کے مطابق ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے اور جس کا اس نے توریہ کیا ہو، اور جب وہ ظالم ہو تو قسم اس شخص کے مطابق ہوگی جو اس سے قسم لیتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں قسم اس کے اور اس کے رب کا باہمی معاملہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قسم اٹھاتے وقت ذومعنی الفاظ استعمال کرنے کا حکم:

بعض اوقات مدعی علیہ قسم اٹھاتے وقت توریہ کرتا ہے، ذومعنی لفظ بولتا ہے، قضاءً تو اس کی قسم کا اعتبار ہوگا، لیکن کیا دیانتًا اس کے لئے توریہ سے کام لینا جائز ہے؟ اس کی دو صورتیں ہیں

① - اگر وہ مظلوم ہے، تو توریہ کرکے اپنا حق لے سکتا ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

② - اگر ظالم ہو تو اس کے لئے توریہ جائز نہیں ہے، جو معنی مدعی مراد لے رہا ہے، اس کا اعتبار ہوگا۔

727- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: الْيَمِينُ يَمِينَانِ: يَمِينٌ تُكَفَّرُ وَيَمِينٌ فِيهَا الْاسْتِغْفَارُ فَالْيَمِينُ الَّتِي تُكَفِّرُ فَالرَّجُلُ يَقُولُ: وَ اللهِ لَأَفْعَلَنَّ، وَالَّتِي فِيهَا الْاسْتِغْفَارُ فَالَّذِي يَقُولُ: وَاللهِ لَقَدْ فَعَلْتُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس میں کفارہ دینا ہوتا ہے اور دوسری وہ جس میں طلبِ

مغفرت ہے جس قسم میں کفارہ ہے اس میں کوئی شخص کہے کہ اللہ کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا اور جس قسم میں استغفار ہے اس میں وہ کہے اللہ کی قسم میں نے ایسا کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

یمین کی اقسام اور ان کا حکم:

قسمیں تین طرح کی ہیں: ① - یمین غموس، ② - یمین منعقدہ، ③ - یمین لغو۔

① - **یمین غموس** یہ ہے کہ فعل ماضی پر ارادۃً جھوٹی قسم کھائے مثلاً ایک شخص کو معلوم ہے کہ خالد نہیں آیا، مگر اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ کی قسم خالد آ گیا ہے، اس قسم میں ہمارے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گناہ تو ہے مگر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ جھوٹی قسم کھانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی تلافی کفارہ سے ہو ہی نہیں سکتی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: یہ ہے کہ چونکہ اس قسم میں جھوٹ بولا جاتا ہے، اور دل بھی اس کو جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، تو گویا دل ہی اس کا کسب کرتا ہے اور جس گناہ کا دل کسب کرتا ہے اور اس میں دل کے ارادے کو دخل ہوتا ہے اس پر مواخذہ کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ﴿ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں سے مواخذہ کرے گا جن کا تمہارے دلوں نے کسب کیا ہے معلوم ہوا کہ یمین غموس میں بھی مواخذہ ہوگا اور مواخذہ سے یہاں کفارہ مراد ہے پس ثابت ہو گیا کہ اس قسم میں کفارہ واجب ہوگا۔

جواب: یہ ہے کہ یہ کہنا یہاں مواخذہ سے کفارہ مراد ہے صحیح نہیں بلکہ مواخدہ سے یہاں اخروی مواخذہ مراد ہے اور اس سے نجات کے لئے توبہ و استغفار کی ضرورت ہے، اس لئے اس قسم میں بھی توبہ و استغفار کیا جائے گا۔

احناف کی رحمۃ اللہ علیہم دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے حال یہ کہ وہ اس میں جھوٹا ہو اور کھائے اس لئے تا کہ اس قسم کے ذریعہ سے کسی مسلمان کے مال کو خود قبض کر لے تو اس شخص کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے روز اللہ جل جلالہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوں گے۔ (ابوداؤد) اس حدیث میں یمین غموس کھانے والے پر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ اگر کفارہ واجب ہوتا تو ضرور اس کو ذکر کرتے۔

② - **یمین منعقدہ** یہ ہے کہ کسی آئندہ کے فعل پر کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے مثلاً یہ کہے کہ اللہ کی قسم میں سبق میں شریک ہوں گا یا اللہ کی قسم میں غیر حاضری نہیں کروں گا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے اپنی قسم کو پورا کیا تو صحیح ہے اور اگر حانث ہو گیا تو بالاتفاق یہ شخص گناہ گار بھی ہوگا اور اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔

③ - **یمین لغو** کی تفسیر میں ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یمین لغو وہ یمین کہلاتی ہے جو بلا ارادہ لوگوں کی زبان پر کلام کے دوران ماضی حال یا مستقبل سے

متعلق آ جاتی ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔

دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ یمین لغو کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ یمین لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے کلام میں یہ کہے نہیں خدا کی قسم ہاں خدا کی قسم وغیرہ وغیرہ۔

امام اعظم واحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ کسی فعل ماضی یا حال کو اپنے گمان میں سچا سمجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھائے، مثلا متکلم یہ سمجھ کر کہ شاہد آ گیا ہے یہ قسم کھائے کہ بخدا شاہد آ گیا ہے حالانکہ واقعہ میں شاہد نہیں آیا۔

دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں" هو الحلف علی یمین کاذبة وهو یری انه صادق "یعنی کسی جھوٹی بات پر قسم کھائی اور اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے سچی بات پر قسم کھائی ہے یمین لغو کہلاتی ہے۔

حکم: یمین لغو کا حکم یہ ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا وہ معاف ہے قرآن کریم میں ہے: ﴿لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم﴾ کہ اللہ جل جلالہ یمین لغو کے بارے میں تم سے مواخذہ نہیں کریگا۔

728 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فِي اللَّغْوِ قَالَتْ: هُوَ كُلُّ شَيْءٍ يَصِلُ بِهِ الرَّجُلُ كَلَامَهُ لَا يُرِيدُ يَمِينًا: لَا وَاللهِ وَبَلَى وَاللهِ وَمَا لَا يَعْقِدُ عَلَيْهِ قَلْبُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَمِنَ اللَّغْوِ أَيْضًا أَلرَّجُلُ يَحْلِفُ عَلَى الشَّيْءِ يَرَى أَنَّهُ عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، فَيَكُونُ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ، فَهَذَا أَيْضًا مِنَ اللَّغْوِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لغو قسم کے بارے میں فرماتی ہیں یہ ہر وہ چیز ہے جسے آدمی اپنے کلام سے ملاتا ہے اور قسم کا ارادہ نہیں کرتا جیسے لا واللہ، بلی واللہ (وغیرہ) اور اسی طرح جس پر دل کا ارادہ نہیں ہوتا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی لغو قسم ہے کہ کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور وہ یہ سمجھے کہ بات اسی طرح ہے، جس طرح اس نے قسم کھائی پس وہ اس کے علاوہ ہو تو یہ بھی لغو ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

یمین لغو میں یہ بھی داخل ہے جو عام طور سے باتوں باتوں میں لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم یوں نہیں یوں ہے، بخدا میں نے ایسا کیا، یہاں قسم مراد نہیں ہوتی بلکہ یونہی یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اسی طرح یمین لغو میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی کسی کو دور سے دیکھ کر کہے بخدا وہ زید ہے لیکن وہ عمرو نکلے، اسے لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قسم مقصود نہیں ہوتی۔

بَابُ التِّجَارَةِ وَالشَّرْطِ فِي الْبَيْعِ

تجارت اور بیع میں شرط!

729- مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَامِرٍ ، عَنْ رَجُلٍ ، عَنْ عَتَّابِ بْنِ أُسَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ لَهُ: اِنْطَلِقْ إِلَى أَهْلِ اللهِ يَعْنِي أَهْلَ مَكَّةَ - فَانْهَهُمْ عَنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَقْبِضُوا ، وَعَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يَضْمَنُوا ، وَعَنْ شَرْطَيْنِ فِي بَيْعٍ ، وَعَنْ سَلَفٍ وَبَيْعٍ......

ترجمہ: حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل اللہ یعنی اہل مکہ کی طرف جاؤ اوران کو چار باتوں سے منع کرو۔ ۱۔ جب تک کسی (خریدی ہوئی) چیز پر قبضہ نہ کریں اسے آگے نہ بیچیں۔ ۲۔ جب تک ضامن نہ ہوں نفع حاصل نہ کریں۔ ۳۔ ایک بیع میں دو شرطیں نہ رکھیں۔ ۴۔ قرض اور بیع جمع نہ کریں۔

قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ ، فَأَمَّا قَوْلُهُ : سَلَفٍ وَبَيْعٍ فَالرَّجُلُ يَقُولُ لِلرَّجُلِ : أَبِيعُكَ عَبْدِي هَذَا بِكَذَا وَكَذَا عَلَى أَنْ تُقْرِضَنِي كَذَا وَكَذَا ، أَوْ يَقُولُ : تُقْرِضُنِي عَلَى أَنْ أَبِيعُكَ ، فَلَا يَنْبَغِي هَذَا ، وَقَوْلُهُ : شَرْطَيْنِ فِي بَيْعٍ فَالرَّجُلُ يَبِيعُ الشَّيْءَ بِالْحَالِ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ ، وَإِلَى شَهْرٍ بِأَلْفَيْنِ ، فَيَقَعُ عَقْدُهُ الْبَيْعُ عَلَى هَذَا فَهَذَا لَا يَجُوزُ ، وَأَمَّا قَوْلُهُ : رِبْحُ مَا لَمْ يَضْمَنُوا فَالرَّجُلُ يَشْتَرِي الشَّيْءَ فَيَبِيعُهُ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ بِرِبْحٍ فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَهُ ذَلِكَ ، وَكَذَلِكَ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَبِيعَ شَيْئًا اِشْتَرَاهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا فِي خَصْلَةٍ وَاحِدَةٍ : اَلْعَقَارُ مِنَ الدُّوْرِ وَالْأَرْضِينَ قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَبِيعَهُمَا الَّذِي اشْتَرَاهَا قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهَا ؛ لِأَنَّهَا لَا تُحَوَّلُ عَنْ مَوْضِعِهَا . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَهَذَا عِنْدَنَا لَا يَجُوزُ ، وَهُوَ كَغَيْرِهِ مِنَ الْأَشْيَاءِ.

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں۔ قرض اور بیع جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے آدمی سے کہے میں تجھ پر اپنا غلام اتنی رقم پر بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تو مجھے اتنا قرض دے یا کہے تو مجھے قرض دے اس شرط پر کہ میں تجھ پر بیچوں تو یہ مناسب نہیں۔ اور ایک بیع میں دو شرطوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی چیز نقد ایک ہزار پر بیچے اور ادھار دو ہزار میں بیچے اور یوں سودا ہو جائے تو یہ ناجائز ہے۔ اور جب تک ضامن نہ ہو نفع جائز نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز خریدتا ہے اور قبضہ کرنے سے پہلے نفع کے ساتھ بیچتا ہے تو یہ بات بھی جائز نہیں اسی طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ کسی چیز کو خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سب باتوں کے قائل ہیں البتہ ایک بات میں اختلاف ہے یعنی وہ گھروں یا زمین کے ٹکڑوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کو خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز ہے کیونکہ یہ اپنی جگہ سے منتقل نہیں ہوتیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں اور ان کا حکم بھی دوسری اشیا کی طرح ہے۔

وضاحت:

اس حدیث میں بیوع فاسدہ میں سے چند اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

بیع فاسد کی تعریف:

بیع فاسد: فاسد فساد سے مشتق ہے خراب ہونا بگڑ جانا، بیع فاسد وہ ہے جو ذات کے اعتبار مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو جیسے گھر فروخت کرے اور کہے کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے کی وجہ سے فاسد ہو گی۔

بیع فاسد کا حکم:

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر تین شرطیں پائی جائیں تو بیع فاسد میں مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے،

① - مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا۔

② - بائع کی اجازت سے قبضہ کیا خواہ صراحۃ یا دلالۃ۔

③ - مبیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے اور اس پر مبیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی بہر حال ہمارے نزدیک بیع فاسد میں مبیع پر مشتری کا قبضہ مفید ملک ہے۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک: بیع فاسد میں قبضہ مفید ملک نہیں ہے یعنی اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے بھی قبضہ کیا ہو تب بھی مشتری مبیع کا مالک نہ ہوگا۔

مبیع قبل القبض فروخت کرنا:

مبیع اگر مال تو ہے مگر اپنے قبضہ میں نہیں ہے کہ فوراً مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے مثلاً: مچھلی پانی میں ہے ابھی اس کا شکار نہیں کیا ہے اسی طرح پرندہ ہوا میں ہے اس کا شکار نہیں کیا ہے یا وہ قبضہ میں نہیں ہے تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے مگر چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی لیکن اگر ان پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور خریدار نے قبول کر لیا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

شرائط بیع:

بیع میں کون سی شرائط جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟ اس بحث کو کچھ تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

بیع میں لگائی جانے والی شرائط کی **پانچ قسمیں** ہیں۔

پہلی قسم: ایسی شرائط جن کے ذریعے سے عقد تام ہوتا ہے اور عقد ان کا تقاضہ کرتا ہے۔ یعنی عقد کے ساتھ یہ شرائط خود بخود ثابت ہو جاتی ہیں۔

دوسری قسم: ایسی شرائط جن کے ذریعے عاقدین کی رضا تام ہوتی ہے۔

تیسری قسم: ایسی شرائط جو دوران عقد عرف و عام میں لگائی جاتی ہوں۔

چوتھی قسم: ایسی شرائط جو عقد کے ساتھ ہی ثابت ہوتی ہیں ان کا ذکر صرف بطور تاکید کیا جاتا ہو۔

پانچویں قسم: ایسی شرائط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں۔

پہلی قسم کی شرائط کے درجات:

پہلی قسم کی شرائط، جو مقتضائے عقد کے مطابق ہوں، جیسے مشتری کی ملکیت کی شرط لگانا۔ ایسی شرائط کے **چار درجات** ہیں:۔

① -شروط الانعقاد، ② -شروط الصحۃ، ③ -شروط النفاذ، ④ -شروط اللزوم۔

① -شروط الانعقاد:

بیع منعقد ہونے کے لیے **دس شرطیں** ہیں۔

① - عقد کرنے والے متعدد ہوں۔ ② - دونوں عقل مند ہوں۔ ③ -ایجاب وقبول میں سنجیدہ ہوں۔ ④ -ایجاب قبول کے موافق ہو۔ ⑤ - ہر عاقد کو دوسرے کا قول معلوم ہو کہ اس نے کس کا ایجاب کیا ہے؟ ⑥ -ثمن مال ہو۔ ⑦ -مبیع مال متقوم ہو۔ ⑧ -مبیع قابل ملک ہو۔ ⑨ -مبیع کی بیع شرعا ممنوع نہ ہو۔ ⑩ -مبیع معدوم نہ ہو۔

② -شروط الصحۃ:

عقد کے صحیح ہونے کے لیے **11 شرطیں** ہیں۔

① - ثمن ومبیع مال متقوم ہوں۔ ② - دونوں متعین ہوں۔ ③ - یا ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ ④ -ثمن ادھار ہونے کی صورت میں مدت معلوم ہو۔ ⑤ - بیع سلم کے علاوہ بیع میں مبیع معجّل ہو۔ ⑥ -مبیع مقدور التسلیم ہو۔ ⑦ -مبیع میں کسی معصیت کی شرط نہ ہو۔ ⑧ -عقد میں ایسی شرط نہ ہو جس کو بائع فوراً پورا نہ کر سکے۔ ⑨ -ایسی شرط نہ لگائی گئی ہو جس میں بائع یا مشتری کا نفع ہو۔ ⑩ -ربا کا شائبہ نہ ہو۔ 11 -مبیع مؤقت نہ ہو۔

③ -شروط النفاذ:

عقد کے نافذ ہونے کے لیے **تین شرطیں** ہیں۔ ① - ہر عاقد عاقل سمجھ دار، آزاد یا ماذون فی التجارت غلام ہو اور فضولی نہ ہو۔ ② -مبیع دوسرے کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ ③ -عقد میں کسی خیار کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔

۴-شروط اللزوم:

عقد لازم ہونے کے لیے **چھ شرطیں** ہیں۔ ۱-مبیع پر قبضہ کرنا۔ ۲-خیار رؤیت کا ساقط ہونا۔ ۳-صفقہ کا تام ہونا۔ ۴-مبیع میں مستحق کا نہ نکلنا۔ ۵-خیار عیب کا ختم ہو جانا۔ ۶-ثمن پورا ادا کرنا۔

دوسری قسم کی شرائط کے اقسام:

دوسری قسم کی وہ شرائط، جن کے ذریعے عاقدین کی رضا تام ہوتی ہے، جیسے خیار شرط، خیار وصف وغیرہ لینا، اس کے تحت **16 شرطیں** ہیں۔

۱-خیار شرط، ۲-خیار تعیین، ۳-خیار وصف، ۴-خیار نقد، ۵-خیار رؤیت، ۶-خیار کمیت، ۷-خیار عیب، ۸-کفیل بنانا، ۹-ضمان الدرک، ۱۰-رہن رکھوانا، 11-گواہ بنانا، 12-ثمن ادھار کرنا، 13-ثمن نقد دینے کی شرط لگانا، 14-عیوب سے برأت کی شرط، 15-مبیع کو تمام اوصاف کے ساتھ سپرد کرنے کی شرط، 16-مبیع کو ثمن کی ادائیگی تک روکنے کی شرط۔

تیسری قسم کی شرائط:

وہ شرائط جو عرف عام میں لگائی جاتی ہیں، جیسے بائع کپڑا کاٹ کر دے گا، یا جبہ بنا کر دے گا، یا جوتا خریدتے وقت دونوں جوتوں کے برابر ہونے کی شرط لگانا، یا یہ شرط لگانا کہ بائع اس میں تسمہ ڈال کے دے گا۔

چوتھی قسم کی شرائط کی اقسام:

وہ شرائط، جو عقد کے دوران ہی ثابت ہوتی ہیں اور ان کا ذکر بطور تاکید کے ہوتا ہے۔ جیسے: مشتری کے لیے ملک کی شرط لگانا اور بائع پر مبیع کے سپرد کرنے کی شرط لگانا، وغیرہ۔

پانچویں قسم کی شرائط:

جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، یعنی جو شرائط پہلی اور دوسری قسم کی شراط کے برعکس ہوں اور وہ ملکیت پر زیادتی کریں یا اس میں کمی کریں اور ایسی شرائط کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے جس میں بائع، مشتری یا مبیع کا فائدہ ہو۔ ایسی شرائط کی **پانچ قسمیں** ہیں:

۱-ایسی شرط جس میں مشتری کا نفع ہو، جیسے شرط لگائی کہ بائع عقد کے بعد قرض بھی دے گا۔

۲-ایسی شرط جس میں بائع کا نفع ہو، جیسے گھر بیچا اس شرط پر کہ ایک دو ماہ تک بائع اس میں رہے گا۔

۳-ایسی شرط جس میں مبیع کا نفع ہو اور وہ مبیع انسان ہو، جیسے غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری اس سے خدمت نہیں لے گا۔

۴-ایسی شرط جس میں مبیع کا نفع ہو اور وہ مبیع انسان نہ ہو، جیسے گھر بیچا اس شرط پر کہ مشتری اس کو نہیں گرائے گا۔

⑤-ایسی شرط جس میں کسی اجنبی انسان کا نفع ہو، جیسے گھر بیچا اس شرط پر کہ مشتری یہ گھر فلاں کو بیچے گا۔

مقتضائے عقد کے خلاف شرائط کی پہلی تین طرح کی شرائط (جس میں بائع مشتری یا ایسی مبیع کا نفع ہو جو انسان ہو) لگانے سے عقد بالاتفاق فاسد ہو جاتا ہے۔ جب کہ چوتھی قسم کی شرط خود لغو ہو جاتی ہے۔ اور پانچویں قسم کی شرط جس میں اجنبی کا نفع ہو ظاہر قول کے مطابق اس صورت میں بھی بیع فاسد ہو جاتی ہے:

شرائط کی اقسام:

خلاصہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عقد میں لگائی جانے والی شرائط تین طرح کی ہوتی ہیں۔

①-مقتضائے عقد کے مطابق شرط:

وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو، مثلاً یہ کہ کوئی شخص بیع کے اندر یہ کہے کہ میں تم سے اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ تم مبیع فورا میرے حوالہ کرو گے۔ تو یہ شرط مقتضائے عقد کے مطابق ہے۔

②-ملائم عقد کے مطابق شرط:

دوسری قسم میں اگر کوئی شرط ملائم عقد ہو، یعنی اگر چہ مقتضائے عقد کے اندر داخل نہیں، لیکن عقد کے مناسب ہے اس کے خلاف نہیں مثال کے طور پر کوئی شخص ادھار بیع کرتا ہے، اس شرط پر کہ تم مجھے کوئی ضامن لا کر دو کہ تم پیسے ادا کرو گے تو یہ شرط ملائم عقد ہے۔ یہ درست ہے۔

③-متعارف شرط:

تیسری قسم وہ جو اگر چہ مقتضائے عقد کے اندر نہیں اور بظاہر ملائم عقد بھی نہیں لیکن متعارف ہو گئی ہے۔ یعنی تاجروں کے اندر یہ بات معروف و مشہور ہو گئی ہے تو ایسی شرط لگائی جاسکتی ہے۔ مثلاً فقہائے کرام نے اس کی یہ مثال لکھی ہے کہ کوئی شخص کسی سے اس شرط کے ساتھ جوتا خرید لے کہ بائع اس کے اندر تلوا لگا دے گا۔

④-مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی صورتیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ عقد کا تو یہ تقاضا ہے کہ مشتری کو مبیع میں تصرف کا حق حاصل ہو جائے، لیکن اگر کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم مجھ سے اس کا قبضہ کبھی نہیں لو گے، تو یہ شرط عقد کے تقاضے کے خلاف ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی شرط لگائی جائے جس سے ثمن مجہول ہو جائے، جیسے ایک مکان فروخت کرتا ہے اس شرط پر کہ جب میں تجھے اس کی قیمت لا کر دوں تم اس کو واپس مجھے فروخت کرو گے، اس صورت میں ثمن مجہول ہو جائے گا۔ اس لیے کہ بیع تو ابھی کر لی لیکن ثمن معلوم نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس مکان کی قیمت بڑھ جائے، تو ایسی شرط بھی مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیع کے اندر ایسی شرط لگائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں متعاقدین میں سے کسی کا یا مبیع کا نفع ہو تو ایسی شرط لگانے سے شرط بھی فاسد ہو جاتی ہے اور بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

730- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْجَارِيَةَ وَيُشْتَرَطُ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَبِيعَ، فَكَرِهَهُ وَقَالَ: لَيْسَتْ بِامْرَأَةٍ تَزَوَّجْتَهَا وَلَا بِمِلْكِ يَمِينٍ، تَصْنَعُ بِهَا مَا تَصْنَعُ بِمِلْكِ يَمِينِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، كُلُّ شَرْطٍ اشْتُرِطَ فِي الْبَيْعِ لَيْسَ مِنَ الْبَيْعِ، فِيهِ مَنْفَعَةٌ لِلْبَائِعِ، أَوْ لِلْمُشْتَرِي، أَوْ لِلْمُشْتَرَى لَهُ فَالْبَيْعُ فِيهِ فَاسِدٌ وَمَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَا مَنْفَعَةَ فِيهِ لِوَاحِدٍ مِنْهُمْ فَالْبَيْعُ فِيهِ جَائِزٌ، وَالشَّرْطُ فِيهِ بَاطِلٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو لونڈی خرید تا ہے اور اس پر یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ وہ اس کو نہ بیچے تو یہ مکروہ ہے وہ فرماتے ہیں (اے بیچنے والے) وہ ایسی عورت نہیں جس کے ساتھ تم نے نکاح کیا ہو اور نہ تمہاری ملک یمین میں ہے کہ اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو تم اپنی لونڈی سے کرتے ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں، بیع میں رکھی گئی ہر وہ شرط جس کا بیع سے کوئی تعلق نہیں اور اس میں بیچنے والے یا خریدنے والے کو یا جس کے لئے وہ چیز خریدی گئی کا نفع ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی اور جس شرط میں ان میں سے کسی کا نفع نہ ہو تو اس صورت میں بیع جائز ہے اور شرط باطل ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

یہاں جو شرط لگائی جا رہی ہے یہ عقدِ بیع کے خلاف ہے اور اس میں معقود علیہ (باندی) کا فائدہ ہے، اس لیے ایسی شرط لگانا درست نہیں اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

731- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ وَسُئِلَ عَنْ ثَمَنِ الْهِرِّ، فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، لَا بَأْسَ بِبَيْعِ السِّبَاعِ كُلِّهَا إِذَا كَانَ لَهَا قِيمَةٌ.

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی انہوں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ان سے بلی کی قیمت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ درندوں کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ ان کی کوئی قیمت ہو۔

بلی اور دیگر درندوں کے بیع کا حکم:

بلی کا بیچنا درست ہے کیونکہ اس کے ذریعے حشرات الارض اور چوہوں وغیرہ کے دور کرنے کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اس کی کھال کام میں آتی ہے، اسی طرح چیتے بھیڑیے اور درندوں کی بیع جائز ہے اس لیے کہ یہ مالِ متقوم ہیں، ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، البتہ

خنزیر چوں کہ نجس العین ہے، اس سے انتفاع درست نہیں اس لیے اس کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا حَامِلًا، أَوْ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ

پھل دار درخت یا مالدار غلام بیچنا!

732 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا، أَوْ عَبْدًا لَهُ مَالٌ فَثَمَرَتُهُ وَ الْمَالُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُشْتَرِي، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، إِذَا طَلَعَ الثَّمَرُ فِي النَّخْلِ، أَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ زَرْعٌ نَابِتٌ فَبَاعَهَا صَاحِبُهَا فَالثَّمَرَةُ وَالزَّرْعُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ ذَلِكَ الْمُشْتَرِي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ، وَ كَذَلِكَ الْعَبْدُ إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے پیوند کیا ہوا درخت (یعنی پھل دار درخت) فروخت کیا یا غلام بیچا جس کے پاس مال ہو تو اس (درخت) کا پھل اور (غلام کا) مال بیچنے والے کا ہوگا البتہ خریدار شرط رکھے تو اس کا ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جب کھجور کے درخت میں پھل ظاہر ہو جائے یا زمین میں کھیتی اگ گئی ہو اور اب اس کا مالک فروخت کرے تو پھل اور کھیتی بیچنے والے کے لئے ہوگی البتہ یہ کہ مشتری شرط رکھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں، اسی طرح جب غلام کے پاس مال ہو (تو اس کا بھی یہی حکم ہے)، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: حَامِلًا: سے مراد یہاں درخت کا پھل آور ہونا ہے، مُؤَبَّرًا: پیوند شدہ اور تابیر قید اتفاقی ہے۔

پھلدار درخت کی خرید وفروخت کرنا:

اگر کوئی شخص کھجور کا یا کسی اور پھل کا درخت بیچتا ہے اور اس میں کھجوریں یا پھل لگے ہوں تو اس کا پھل بائع کا ہوگا، الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگا لے کہ یہ درخت میں پھل کے ساتھ خریدتا ہوں، اس لیے کہ پھل اور کھیتی کا اتصال قرار کے لیے نہیں ہے وقتی ہے، لہٰذا ان کی مثال اس سامان کی سی ہے جو گھر میں رکھا ہو وہ بائع کا ہوتا ہے، اسی طرح غلام کے پاس جو مال ہے وہ مولی کا ہوتا ہے بیچنے میں وہ مال داخل نہ ہوگا۔

بَابُ مَنِ اشْتَرَى سِلْعَةً فَوَجَدَ بِهَا عَيْبًا، أَوْ حَبَلًا

جو شخص سامان خریدے اس میں عیب پائے یا لونڈی کو حاملہ پائے!

733 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْجَارِيَةَ، فَيَطَؤُهَا ثُمَّ يَجِدُ بِهَا عَيْبًا، قَالَ: لَا يَسْتَطِيعُ رَدَّهَا، وَلَكِنَّهُ يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَ كَذَلِكَ إِنْ لَمْ يَطَأْهَا وَحَدَثَ بِهَا عَيْبٌ عِنْدَهُ، ثُمَّ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا دَلَّسَهُ لَهُ الْبَائِعُ، فَإِنَّهُ لَا يَسْتَطِيعُ رَدَّهَا، وَلَكِنَّهُ يَرْجِعُ بِحِصَّةِ الْعَيْبِ الْأَوَّلِ مِنَ الثَّمَنِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْبَائِعُ أَنْ يَأْخُذَهَا بِالْعَيْبِ الَّذِي حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِي، وَلَا يَأْخُذُ لِلْعَيْبِ أَرْشًا، وَلَا لِلْوَطْءِ عُقْرًا، فَإِنْ شَاءَ ذَلِكَ أَخَذَهَا وَأَعْطَى الثَّمَنَ كُلَّهُ، وَ هَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو لونڈی خرید کر اس سے وطی کرے اور اس کے بعد اس میں عیب پائے تو وہ فرماتے ہیں: وہ اسے واپس نہیں کر سکتا، البتہ عیب کے نقصان کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح اگر اس سے وطی نہ کرے اور اس کے ہاں اس میں عیب پیدا ہو جائے پھر اس میں پہلے موجود کوئی عیب پائے جو بائع نے اس سے چھپایا تھا تو اس صورت میں بھی واپس نہیں کر سکتا، بلکہ وہ پہلے عیب کے حصے کے مطابق قیمت واپس لے، ہاں بائع اس عیب کے ساتھ قبول کر لے جو مشتری کے ہاں پیدا ہوا تو ٹھیک ہے، لیکن وہ عیب کا تاوان نہیں لے گا اور نہ ہی وطی کی وجہ سے مال لے گا۔ اگر چاہے تو اسے واپس لے کر تمام قیمت واپس کر دے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مبیع میں عیب کا حکم:

مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا یہ سمجھ کر کہ اس میں عیب نہیں ہے بعد میں عیب کا پتہ چلا تو مشتری کو اختیار ہے، جی چاہے تو اس کو پورے ثمن کے بدلے لے اور جی چاہے تو پوری مبیع واپس کر دے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ مبیع رکھ لے اور بائع سے ثمن کی وہ مقدار واپس لے لے جو عیب کی وجہ سے کم ہو گئی ہے مثلاً مبیع غیر معیب کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور معیب کی قیمت آٹھ سو روپیہ ہے تو مقدار نقصان دو سو روپیہ کہلائیں گے مشتری پوری مبیع اس وقت واپس کر سکتا ہے جب خریدتے وقت اس عیب کو نہ دیکھا ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا عیب ہو جس کو تجار عیب کہتے ہیں تب عیب کے ماتحت واپس کر سکتا ہے مبیع واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا حق ضائع ہوا اس لئے مبیع واپس کر کے اپنا پورا حق وصول کرے گا نقصان وصول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عیب ایک صفت ہے اور صفت کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے عیب کے لئے الگ سے قیمت نہیں دی جائے گی۔

مشتری نے مبیع خریدی پھر اس کے یہاں نیا عیب پیدا ہو گیا بعد میں پتہ چلا کہ بائع کے یہاں بھی ایک عیب تھا تو اب دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ صحیح سالم مبیع اور عیب دار مبیع کے درمیان جو فرق ہے وہ فرق بائع سے وصول کرے اور مبیع اپنے پاس رکھ لے مثلاً عیب قدیم سے سلامتی کی صورت میں مبیع کی قیمت دس روپیہ ہیں اور عیب قدیم کے ساتھ آٹھ روپیہ تو دو روپیہ نقصان عیب کہلائے گا اور مشتری کو بائع سے دو روپیہ لینے کا اختیار ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بائع راضی ہو تو نئے عیب کے باوجود مبیع کو واپس کر دے لیکن اس صورت میں اس عیب دار مبیع کو لینے کے لئے بائع کا راضی ہونا ضروری ہے کیونکہ مشتری کے یہاں بھی ایک عیب پیدا ہو چکا ہے۔

734- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ بَاعَ جَارِيَةً حُبْلَى، ثُمَّ ادَّعَى الْوَلَدَ الْمُشْتَرِي وَالْبَائِعُ جَمِيعًا فَهُوَ لِلْمُشْتَرِي، فَإِنِ ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَنَفَاهُ الْمُشْتَرِي فَهُوَ وَلَدُهُ، وَإِن نَفَيَاهُ جَمِيعًا فَهُوَ عَبْدٌ لِلْمُشْتَرِي، وَإِن شَكَّا فِيهِ فَهُوَ بَيْنَهُمَا، يَرِثُهُمَا وَيَرِثَانِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّا نَقُولُ: إِن جَاءَتْ بِهِ عِندَ الْمُشْتَرِي لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، فَادَّعَيَاهُ جَمِيعًا مَعًا فَهُوَ ابْنُ الْبَائِعِ، وَيَنْتَقِضُ الْبَيْعُ فِيهِ وَفِي أُمِّهِ، وَإِن جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ وَقَعَ الشِّرَاءُ فَهُوَ ابْنُ الْمُشْتَرِي، وَلَا دَعْوَةَ لِلْبَائِعِ فِيهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَإِن شَكَّا فِيهِ، أَوْ جَحَدَاهُ فَهُوَ عَبْدٌ لِلْمُشْتَرِي، وَهَذَا كُلُّهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے حاملہ لونڈی بیچی پھر مشتری اور بائع دونوں نے بچے کا دعوی کیا تو وہ بچہ مشتری کا ہوگا اور اگر بائع دعوی اور مشتری نفی کرے تو وہ اس (بائع) کا بچہ ہوگا اور اگر دونوں نفی کریں تو وہ مشتری کا ہوگا اور اگر دونوں کو شک ہو تو دونوں کے درمیان مشترک ہوگا وہ ان دونوں کا وارث ہوگا اور وہ اس کے وارث ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں: اگر مشتری کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور خریدنے سے اب تک چھ مہینے سے کم وقت گزرا ہے پھر دونوں نے دعوی کیا تو وہ بائع کا بیٹا ہے اور اس کی اور اس کی ماں دونوں کی بیع ٹوٹ جائے گی اور اگر سودا ہونے کے بعد چھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزرا پھر وہ بچہ پیدا ہوتو یہ مشتری کا بیٹا ہوگا اور بائع کسی حال میں بھی اس کا دعوی نہیں کرسکتا اور اگر دونوں اس میں شک کا اظہار کریں یا اس کا انکار کریں تو وہ مشتری کا غلام ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان تمام باتوں کے قائل ہیں۔

خریدی ہوئی باندی کا حکم:

اگر کوئی شخص باندی بیچ دے اس کا بچہ ہو اور بائع اس پر دعوی کردے، اگر یہ بچہ فروخت کے بعد چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو تو یہ بائع کا بیٹا بنے گا اور اس کی ماں اس کی ام ولد بن جائے گی اور یہ بیع ختم کردی جائے گی اس لیے کہ ام ولد کی بیع درست نہیں، اگر مشتری بھی بائع کے دعوی کے ساتھ یا اس کے بعد دعوی کرے تو بائع کا دعوی اولی ہوگا۔

البتہ اگر بیع کے دو سال سے زائد عرصہ کے بعد بچہ ہو تو بائع کا دعوی درست نہیں سمجھا جائے گا الا یہ کہ مشتری اس کی تائید کردے تو اسے بائع کا بیٹا بنا دیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اس سے شادی کرلی ہوگی، بیع ختم نہیں کی جائے گی۔

بچہ اگر فروخت کے چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم مدت میں پیدا ہوا تو بائع کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کردے۔

735- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا وَطِئَ الْمَمْلُوكَةَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ فَادَّعَوْهُ جَمِيعًا فَهُوَ لِلْآخِرِ، وَإِن نَفَوْهُ جَمِيعًا فَهُوَ عَبْدٌ لِلْآخِرِ وَإِن قَالُوا: لَا نَدْرِي، وَرِثُوهُ وَوَرِثَهُمْ جَمِيعًا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَكِنَّهُمْ إِنِ ادَّعَوْهُ جَمِيعًا مَعًا نَظَرْنَا بِكَمْ جَاءَتْ بِهِ مُنْذُ مَلَكَهُ الْآخِرُ؟ فَإِن كَانَتْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ

فَهُوَ ابْنُ الْمُشْتَرِي الْآخِرِ، وَإِن كَانَتْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُذْ بَاعَهَا الْأَوَّلُ فَهُوَ ابْنُ الْأَوَّلِ، وَإِن نَفَوْهُ جَمِيعًا، أَوْ شَكُّوا فِيهِ فَهُوَ عَبْدٌ لِلْآخِرِ، وَلَا يَلْزَمُ النَّسَبُ بِالشَّكِّ حَتَّى يَأْتِيَ الْيَقِينُ، وَهَذَا كُلُّه قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کسی لونڈی سے تین آدمی ایک ہی طہر میں جماع کریں پھر وہ سب اس بچے کا دعوی کریں تو یہ سب سے آخر میں وطی کرنے والے کا ہوگا اور اگر وہ سب اس کی نفی کریں تو وہ آخری کا غلام ہوگا اور اگر وہ کہیں کہ ہم نہیں جانتے تو وہ سب اس کے وارث ہوں گے اور وہ ان سب کا وارث ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ جب سب مل کر اس کا دعوی کریں تو ہم دیکھیں گے کہ دوسرا آدمی جب اس کا مالک ہوا ہے اس کی کتنی مدت بعد وہ بچہ پیدا ہوا؟ گروہ چھ ماہ سے زیادہ مدت کے بعد پیدا ہو تو یہ دوسرے کا بیٹا ہوگا۔ اگر وہ پہلے شخص کے فروخت کرنے کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو تو وہ پہلے کا بیٹا ہے اور اگر سب اس کی نفی کریں یا اس میں شک کریں تو وہ دوسرے کا غلام ہوگا، اور شک سے نسب ثابت نہیں ہوگا جب تک یقین نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سب باتوں کے قائل ہیں۔

بَابُ الْفُرْقَةِ بَيْنَ الْأَمَةِ وَزَوْجِهَا وَوَلَدِهَا

لونڈی اس کے خاوند اور اس کی اولاد میں جدائی!

736 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ: أَقْبَلَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِرَقِيقٍ مِنَ الْيَمَنِ، فَاحْتَاجَ إِلَى نَفَقَةٍ يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ، فَبَاعَ غُلَامًا مِنَ الرَّقِيقِ كَانَ مَعَهُ أُمُّهُ. فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَصَفَّحَ الرَّقِيقَ فَبَصَرَ بِالْأُمِّ، فَقَالَ: مَا لِي أَرَى هَذِهِ وَالِهَةً؟ قَالَ: اِحْتَجْنَا إِلَى نَفَقَةٍ فَبِعْنَا إِبْنًا لَهَا. فَأَمَرَهُ أَنْ يَرْجِعَ فَيَرُدَّهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ. نَكْرَهُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ، أَوِ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ إِذَا كَانَ صَغِيرًا، وَكَذَلِكَ الْأَخَوَانِ وَكُلُّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَا صَغِيرَيْنِ، أَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا صَغِيرًا، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْبَيْعِ. فَأَمَّا إِذَا كَانُوا كِبَارًا كُلُّهُمْ فَلَا بَأْسَ بِالْفُرْقَةِ بَيْنَهُمْ، وَهَذَا كُلُّه قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یمن سے کچھ غلام لے کر آئے پس وہ ان کے اخراجات کیلئے ضرورت مند ہوئے تو ان میں ایک غلام کو بیچ دیا جس کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے کہ غلاموں کی حالت کو دیکھیں تو آپ نے (اس غلام کی) ماں کو دیکھا تو فرمایا: یہ سخت غمگین کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمیں اخراجات کی ضرورت تھی پس ہم نے اس کے بیٹے کو بیچ دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس بیع سے رجوع کر کے اسے واپس کریں، پس انہوں نے واپس کر دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں، ہم اس بات کو مکروہ سمجھتے ہیں کہ ماں یا باپ اور اس کی اولاد کے درمیان تفریق کی جائے جب بچہ چھوٹا ہو۔ اسی طرح بھائیوں اور ہر ذی رحم محرم کا مسئلہ ہے جب دونوں چھوٹے ہوں یا ان میں سے ایک چھوٹا ہو، سودے میں ان دونوں کے درمیان تفریق کرنا مناسب نہیں، لیکن جب

سب بڑے ہوں تو اب ان میں تفریق کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان تمام باتوں کے قائل ہیں۔

ذو رحم محرم غلاموں کو جدا کرنے کا حکم:

اگر کسی شخص کے پاس دو ذو رحم محرم غلام ہوں جیسے باپ بیٹا، ماں بیٹا، دو بھائی وغیرہ دونوں چھوٹے ہوں یا ایک چھوٹا ہو تو ان میں جدائی نہیں کرنی چاہیے، چھوٹا بڑے سے مانوس ہوتا ہے، بڑا اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، جدائی کرنے میں بچوں پر شفقت کے بجائے سختی لازم آئے گی اس لیے شریعت نے اس سے منع کیا ہے، یہ ممانعت ایسی قرابت میں ہے جس میں آپس میں نکاح حرام ہو۔

اگر کسی نے ایسا کر دیا تو بیع کراہت کے ساتھ درست ہو جائے گی، بندہ گناہ گار ہوگا، لیکن اگر دونوں بڑے ہوں تو جدائی کر سکتے ہیں، اسی طرح زوجین چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے ان میں بھی تفریق کر سکتے ہیں اس لیے کہ ممانعت چھوٹے ذی رحم محرم کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

737۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي الْمَمْلُوكَةِ تُبَاعُ وَلَهَا زَوْجٌ قَالَ: بَيْعُهَا طَلَاقُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا هِيَ امْرَأَتُهُ وَإِنْ بِيعَتْ، قَالَ: بَلَغَنَا ذَلِكَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَعَنِ الْحُذَيْفَةِ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. وَلَكِنْ لَا بَأْسَ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْبَيْعِ، وَهِيَ امْرَأَتُهُ عَلَى حَالِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو لونڈی فروخت کی جائے اور اس کا خاوند ہو تو اس کا سودا طلاق ہے۔ (طلاق ہو جائے گی) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے وہ اس کی بیوی ہے اگرچہ اسے بیچا گیا۔ وہ (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے لیکن بیع کے ذریعے ان میں تفریق کرنے میں کوئی حرج نہیں اور وہ اسی حالت میں اس کی بیوی ہوگی۔ اور یہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

بَابُ السَّلَمِ فِيمَا يُكَالُ وَيُوزَنُ

کیلی اور وزنی چیز میں سلم!

738۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبراهيم قَالَ: أَسْلِمْ مَا يُكَالُ فِيمَا يُوزَنُ، وَمَا يُوزَنُ فِيمَا يُكَالُ، وَلَا تُسْلِمْ مَا يُكَالُ فِيمَا يُكَالُ، وَلَا مَا يُوزَنُ فِيمَا يُوزَنُ، وَإِذَا اخْتَلَفَ النَّوْعَانِ فِيمَا لَا يُكَالُ وَلَا يُوزَنُ، فَلَا بَأْسَ بِاثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ يَدًا بِيَدٍ، وَلَا بَأْسَ بِهِ نَسَاءً، وَإِذَا كَانَ مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ مِمَّا لَا يُكَالُ وَلَا يُوزَنُ فَلَا بَأْسَ بِهِ اِثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ يَدًا بِيَدٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس چیز کا کیل ہوتا ہے اس کا وزن کی جانے والی چیز میں بیع سلم کی جاسکتی ہے اور وزنی چیز کا کیلی (کی جانے والی) چیز کے ساتھ بیع سلم کی جاسکتی ہے لیکن کیلی چیز کا کیلی چیز سے بیع سلم صحیح نہیں، اسی طرح وزنی چیز کا وزنی چیز سے بیع سلم جائز نہیں ہے۔ اور جب دو نوع مختلف ہوں اور وہ نہ کیلی ہوں اور نہ ہی وزنی تو ایک کے بدلے میں دو دینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ نقد ہوں اور ادھار میں بھی کوئی حرج نہیں اور جب کیلی اور وزنی نہ ہوں اور ایک نوع سے ہوں تو ایک بدلے دو نقد میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام باتوں کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

سلم کی لغوی اصطلاحی تعریف:

سلم کی لغوی تعریف: دو معنی ہیں، قرض، اعطاء۔

اصطلاحی تعریف: بیع آجل بعاجل یعنی ادھار چیز کا نقد کے بدلے بیچنا۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو مبیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو، لیکن غریب لوگوں کے لئے سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید وفروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں پھر جب مبیع دینے کا وقت آئے مبیع خرید کر مشتری کے حوالے کردیں۔

بیع سلم کا ثبوت: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾. (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اے ایمان والو تم جب متعین مدت تک دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

بیع سلم بھی دین کا ایک معاملہ ہے اس لئے اس کا جواز بھی اس آیت میں شامل ہے۔

بیع سلم کا ثبوت حدیث سے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ پھل میں دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔ (بخاری شریف ۱/۲۹۸)

نوٹ: باب السلم میں بائع کو مسلم الیہ، مشتری کو رب السلم، مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو رأس المال کہتے ہیں۔ بیع سلم میں چند شروط کے ساتھ مبیع بائع کے ذمہ واجب ہوتا ہے، اس میں مبیع کے آنے سے پہلے ثمن پر قبضہ کرلیا جاتا ہے۔

بیع سلم کی شرائط:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درجہ ذیل سات شرطیں جب پائی جائیں تو بیع سلم درست ورنہ نہیں، ہر ایک کی تفصیل اس طرح ہے۔

① - **مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو:** یعنی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے گیہوں کی، جو کی، کشمش کی، کھجور کی۔

② - **نوع معلوم ہو:** کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً ۴۳، ڈبلو پچھتر وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے یہ طے کرنا ضروری ہے

کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔

③ - صفت معلوم ہو: یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا گھٹیا قسم کے ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔

④ - مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو: یعنی مبیع کتنے کلو ہوگی تاکہ جھگڑا نہ ہو۔

⑤ - مدت معلوم ہو: یعنی مسلم فیہ کب دوگے تاکہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے۔

⑥ - رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو: کہ وہ کتنے کلو ہے یا کتنے عدد ہے کیونکہ اگر مبیع نہ دے سکا اور ثمن کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا۔ اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی، ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع سلم طے کی ہو لیکن اگر ثمن ذراعی ہو جیسے کپڑا تو چونکہ ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے کپڑا کتنا گز ہے اس کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

⑦ - سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو: یعنی اگر مسلم فیہ کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو مبیع کو کس مقام پر مشتری کو حوالہ کرے گا اس جگہ کا تعین بھی ضروری ہے کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع کی خواہش ہوگی کہ اپنے قریب مسلم فیہ سپرد کرے اور مشتری کی چاہت ہوگی کہ اپنے قریب کرے، لڑائی جھگڑے تک نوبت آئے گی ہاں اگر مبیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ لگتا ہو تو اس صورت میں جگہ کی تعین ضروری نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اثر میں دو مسائل کا ذکر ہے

① - بیع سلم مکیلات اور موزونات میں ہو (یہ اموال ربویہ میں سے ہیں)

اس کا حکم یہ ہے کہ عوضین کی جنس مختلف ہو تو بیع سلم اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے یعنی عوضین میں سے ایک کیلی ہو دوسرا موزونی تو سلم درست ہے دونوں کو راس المال بھی بنا سکتے ہیں اور مسلم فیہ بھی۔

اگر دونوں کی جنس ایک ہو یعنی دونوں کیلی ہو یا دونوں موزونی ہوں تو ان میں بیع سلم درست نہیں ہوگی۔

② - بیع سلم معدودات اور مذروعات میں ہو، تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں،

پہلی صورت: ان کی جنس الگ الگ ہو، اس میں مطلقاً بیع سلم جائز ہے برابری کے ساتھ بھی اور کمی بیشی کے ساتھ بھی، نقد اور ادھار بھی۔

دوسری صورت: سلم ایک جنس میں ہو تو اس صورت میں کمی بیشی تو جائز ہے مثلاً ایک کے بدلے دو لینا، ادھار جائز نہیں ہے اس سے ربا لازم آتا ہے۔

739 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ عَلَى الرَّجُلِ الدَّيْنُ فَيُجْعَلُهُ فِي السَّلَمِ

قَالَ: لَا خَيْرَ فِيهِ حَتَّى يَقْبِضَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لِأَنَّ ذَلِكَ بَيْعُ الدَّيْنِ بِالدَّيْنِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ: جس کا دوسرے کسی شخص کے ذمہ قرض ہو اور وہ اس کو بیع سلم میں کر دے، وہ فرماتے ہیں جب تک وہ اس پر قبضہ نہ کرے اس میں بھلائی نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ یہ قرض کے بدلے قرض کی بیع ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بیع سلم میں راس المال پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے:

بیع سلم کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ راس المال پر مجلس سے جدا ہونے سے قبل قبضہ ہو اس لئے کہ راس المال اگر نقود ہیں تو اس صورت میں قبضہ سے پہلے جدا ہونا دین کی دین سے بیع ہے اور یہ شرعًا جائز نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادھار کو ادھار کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اگر راس المال عین ہے تو بھی درست نہیں اس لئے کہ بیع سلم میں عاجل (نقد) کو آجل (ادھار) کے بدلے لیا جاتا ہے بیع سلم وسلف میں راس المال پر فوری قبضہ ضروری ہے لہذا احد العوضین پر اگر قبضہ نہ ہوا تو یہ سلم نہ بنے گی۔

بَابُ السَّلَمِ فِي الْفَاكِهَةِ إِلَى الْقِطَاعِ وَغَيْرِهِ

پھلوں میں کاٹنے وغیرہ کی مدت تک بیع سلم!

740 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: يُكْرَهُ السَّلَمُ إِلَى الْحَصَادِ، وَإِلَى الْقِطَاعِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لِأَنَّهُ أَجَلٌ مَجْهُولٌ يَتَقَدَّمُ وَيَتَأَخَّرُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کھیت کاٹنے (کی مدت) تک اور پھل کاٹنے کی مدت بیعِ سلم کرنا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہ مدت مجہول ہے آگے پیچھے ہوسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ وقت کا معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ جھگڑے کا خطرہ ہوتا ہے۔

کھیتی میں بیع سلم کرنا:

کھیتی میں چوں کہ کٹنے کی مدت متعین نہیں ہوتی، آگے پیچھے ہوسکتی ہے، اس لیے اس میں بیع سلم درست نہیں۔

اسی طرح عطاء وخیرات ملنے کے وقت یا بیت المال سے وظیفہ ملنے کے وقت کو بھی اجل نہیں بنا سکتے، اس میں بھی مدت مجہول ہوتی ہے۔

741 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ فِي الْفَاكِهَةِ إِلَى الْقِطَاعِ يَأْخُذُ قَفِيزًا قَفِيزًا قَالَ: لَا خَيْرَ فِيهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے پھلوں میں کاٹنے (کی مدت) تک بیع سلم کی پھر وہ اسے ایک ایک قفیز کر کے لے تو فرمایا: کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں، اور یہ

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

یہاں بھی مدت مجہول ہے، اس لیے بیع سلم درست نہیں۔

742 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ فِي الثَّمَرِ قَالَ: لَا، حَتَّى يُطْعَمَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، لَا يَنْبَغِي أَنْ يُسْلِمَ فِي ثَمَرَةٍ لَيْسَتْ فِي أَيْدِي النَّاسِ إِلَّا فِي زَمَانِهَا بَعْدَ بُلُوغِهَا، وَ يَجْعَلُ أَجَلَ السَّلَمِ قَبْلَ انْقِطَاعِهَا، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ، وَإِلَّا فَلَا خَيْرَ فِيهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو پھلوں میں بیع سلم کرتا ہے وہ فرماتے ہیں اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک وہ کھانے کے قابل نہ ہوجائیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں ان پھلوں میں جو لوگوں کے قبضے میں نہیں ہیں بیع سلم جائز نہیں مگر جب ان (پھلوں) کا وقت ہو ان کے وقت کو پہنچنے کے بعد اور سلم کی مدت کو کاٹنے سے پہلے ہی مقرر کیا جائے جب اس طرح کرے تو جائز ہے ورنہ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

درختوں پر پھل کی بیع کی صورتیں:

اگر پھل ابھی درخت پر ظاہر ہی نہیں ہوا تو اس کی بیع بالاتفاق حرام ہے، جیسا کہ آج کل پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئے گا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں، یہ صورت ناجائز ہے، اس لیے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی، اس لیے اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اس کی ایک اور بدتر صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ باغ کئی سال کے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں مثلاً تین سال، پانچ سال یا دس سال کے لیے وہ باغ ٹھیکے پر دے دیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کرلی، یہ صورت بالکل ناجائز نصِ صریح کے خلاف ہے، حدیث شریف میں ہے کہ" نهى رسول الله ﷺ عن بيع السنين "یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی سال تک کی بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اگر پھل درخت پر ظاہر ہوچکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی **تین صورتیں** ہیں:

① - **بیع بشرط القطع**: یعنی پھل کی بیع ہوجانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل ابھی توڑ کر لے جاؤ اور پھل فی الحال توڑ کر لے جانا بیع کے اندر مشروط ہو، بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ امام ابن ابی لیلی اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم اس صورت کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔

② - **بیع بشرط الترك**: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری بیع تو ابھی کرلیں لیکن عقدِ بیع کے اندر ہی یہ شرط لگادیں

کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا، پکنے کے بعد مشتری یہ پھل کاٹ کر لے جائے گا، ایسی بیع کو بیع بشرط الترك کہتے ہیں، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

③- مطلق عن الشرط: تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کرلیں اور ترک یا قطع کی کوئی شرط عقدِ بیع کے اندر نہ لگائیں، ایسی بیع کو مطلق عن شرط القطع والترك کہتے ہیں، اس صورت کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

اور اگر پھل پک گیا ہو تو اس کی بھی تین صورتیں ہیں:

①- بشرط القطع: یہ بالاتفاق جائز ہے۔

②- بشرط الترك: اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور احناف کے نزدیک ناجائز ہے

③- مطلق عن الشرط: یہ بالاتفاق جائز ہے۔

بَابُ السَّلَمِ فِي الْحَيَوَانِ

جانوروں میں بیع سلم!

743- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: دَفَعَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ إِلَى زَيْدِ بْنِ خُوَيْلَدَةَ الْبَكْرِي مَالًا مُضَارَبَةً. فَأَسْلَمَ زَيْدٌ إِلَى عِتْرِيسِ بْنِ عُرْقُوبَ الشَّيْبَانِيِّ فِي قَلَائِصَ. فَلَمَّا حَلَّتْ أَخَذَ بَعْضًا وَبَقِيَ بَعْضٌ، فَأَعْسَرَ عِتْرِيسُ، وَبَلَغَهُ أَنَّ الْمَالَ لِعَبْدِ اللهِ رضى الله عنه. فَأَتَاهُ يَسْتَرْفِقُهُ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ رضی اللہ عنہ: أَفَعَلَ زَيْدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ رضی اللہ عنہ: أَرْدُدْ مَا أَخَذْتَ، وَخُذْ رَأْسَ مَالِكَ، وَلَا تُسْلِمَنَّ مَالَنَا فِي شَيْءٍ مِنَ الْحَيَوَانِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ. لَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِي شَيْءٍ مِنَ الحيوانِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن خویلدة البکری رضی اللہ عنہ کو کچھ مال مضاربت کے طور پر دیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عقد عتریس بن عرقوب الشیبانی سے جوان اونٹنیوں میں بیع سلم کرلی جب مدت پوری ہوگئی تو اس نے کچھ لے لیا اور بعض باقی رہ گئیں اب عتریس تنگ دست ہوگئے اور ان کو یہ خبر ملی کہ یہ مال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے تو ان کے پاس حاضر ہوئے تاکہ نرمی کا سوال کریں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا یہ عمل زید رضی اللہ عنہ نے کیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور اس سلسلے میں پوچھا پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: جو کچھ تم نے لیا ہے واپس کرو اور اپنا رأس المال واپس لو اور ہمارا مال کسی حیوان کے سلسلے میں بطور بیع سلم نہ دو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم ان تمام

باتوں کواختیار کرتے ہیں کہ جانوروں میں بیع سلم جائز نہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

حیوان میں بیع سلم کے بارے میں ائمہ کا اختلاف:

قیمت ابھی دیدے اور جانور کی ساری صفات متعین کر کے چار ماہ بعد لے اسی طرح حیوان کے سر، پاؤں وغیرہ کی بیع سلم کرے یا اس کی کھال میں بیع سلم کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔حیوان میں بیع سلم کا حکم کیا ہے اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

- شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کر دی جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے اس لئے جانور اس کے اعضاء اور کھال کی بیع سلم جائز ہے۔اسی کے قائل امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم بھی ہیں۔(عینی،:182/3)
- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز نہیں کیونکہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیع سلم کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ چیز کیلی ہو۔یا وزنی ہو یا عددیات متقاربہ میں سے ہو لہذا اگر کوئی چیز عددی ہے لیکن اس کے افراد میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے تو اس میں بیع سلم جائز نہ ہوگی چونکہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو بھینسیں ایک جیسی ہوں گی لیکن ایک بھینس زیادہ دودھ دینے والی ہوگی اور دوسری کم ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم اس لئے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے ایسے ہی ان کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق ہوتا ہے اور ان کی کھال کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہوتا ہے اس لئے ان میں جھگڑے کا امکان ہے جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو بائع کہے گا کہ میں نے گھٹیا چیز میں بیع سلم کی تھی اور مشتری کہے گا کہ نہیں اعلی اور عمدہ چیز میں بیع سلم کی تھی۔اس لئے جانور اس کے اعضاء اور اس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔(عینی شرح ہدایہ،ج:3،ص:183)

بَابُ الْكَفِيلِ وَالرَّهْنِ فِي السَّلَمِ

بیع سلم میں کفیل اور رہن!

744- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالرَّهْنِ، وَالْكَفِيلِ فِي السَّلَمِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بیع سلم میں کفیل بنانے اور رہن رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

745- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي السَّلَمِ فِي الْفُلُوسِ فَيَأْخُذُ الْكَفِيلَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیع سلم میں پیسوں کے سلسلے میں کفیل بنانے میں کوئی حرج نہیں۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دین صحیح کے بدلے کفالت درست ہے:

دین صحیح کے بدلے کفالت درست ہے اس لیے کہ اس میں مبیع کے سپرد کرنے کی ذمہ داری لی جاتی ہے، اسی طرح راس مال السلم اور ثمنِ صرف اور مسلم فیہ کے بدلے رہن درست ہے، اس لیے کہ مالیت میں مجانست ہوتی ہے لہذا مال ہونے کے لحاظ سے اس سے استیفاء ممکن ہے اور وہی مقصود بھی ہوتا ہے، رہن بھی دینِ مضمون کے بدلہ ہوتا ہے یعنی ایسا دین جو معاف کرائے بغیر ساقط نہ ہوتا ہو۔

بَابُ السَّلَمِ بِأَخْذِ بَعْضِهٖ وَبَعْضِ رَأْسِ مَالِهٖ

بیع سلم میں بعض چیز اور بعض رقم لینا!

746 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ، عَنْ سَعِيد بن جبير، عن ابن عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي السَّلَمِ يَحُلُّ فَيَأْخُذُ بَعْضَهُ، وَيَأْخُذُ بَعْضَ رَأْسِ مَالِهِ فِيمَا بَقِيَ، قَالَ: هَذَا الْمَعْرُوفُ الْحَسَنُ الْجَمِيلُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیع سلم میں مدت پوری ہوجائے تو وہ اس چیز کا (جس میں بیع سلم ہوتی) بعض اور اصل رقم کا کچھ لے تو یہ معروف ہے اور اچھی بات ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بیع سلم میں اقالہ کرنا:

رب السلم اگر مسلم فیہ پر قبضہ کرلے پھر اقالہ کرے اور مقبوض اس کے پاس بعینہ موجود ہو تو اقالہ جائز ہوگا، رب السلم کو یہی چیز واپس دینا ہوگی جو لی ہے، لیکن اگر بعض مسلم فیہ میں اقالہ کرے اور یہ مدتِ معینہ گزرنے کے بعد ہو تو اقالہ اس کی مقدار میں جائز ہوگا جب کہ باقی ماندہ ایک جزء معلوم ہو، جیسے نصف، ثلث وغیرہ، باقی ماندہ میں سلم مدتِ معینہ کے آنے پر ہوگی۔

لیکن اگر مدت آنے سے قبل ہو اور اقالہ میں باقی ماندہ کی تعجیل کی شرط نہ لگائے تو بھی اقالہ جائز ہوگا اور باقی ماندہ میں سلم اس وقت کے آنے پر ہوگی اگر باقی کو وقت سے پہلے جلدی دینے کی شرط لگائی تو یہ شرط درست نہ ہوگی، اقالہ صحیح ہوجائے گا۔ (ہندیۃ، ج:3، ص:196)

بائع کو مبیع بیچنے کے بعد شرمندگی ہو کہ میں نے یہ سامان غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ میرا سامان مجھے واپس کردے اور ثمن واپس لے لے اور مشتری ایسا کردے یا مشتری خریدنے کے بعد نادم ہوجائے اور بائع سے کہے کہ مبیع واپس لے لے اور ثمن دے دے اور بائع ایسا کردے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

بَابُ السَّلَمِ فِي الثِّيَابِ

کپڑوں میں بیع سلم!

747 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا أَسْلَمَ فِي الثِّيَابِ، ثُمَّ كَانَ مَعْرُوفًا عَرْضُهُ وَ رُقْعَتُهُ فَهُوَ جَائِزٌ. وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، إِذَا سَمَّى الطُّولَ وَ الْعَرْضَ وَ الرُّقْعَةَ وَ الْجِنْسَ وَ الْأَجَلَ، وَ نَقَدَ الثَّمَنَ قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا فَهُوَ جَائِزٌ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کپڑوں میں بیع سلم کی جائے اور کپڑے کی چوڑائی اور اس کی موٹائی معروف ہو تو جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جب وہ اس کی لمبائی چوڑائی موٹائی، جنس اور مدت معلوم ہو اور جدا ہونے سے پہلے ثمن ادا کرے تو جائز ہے۔

748 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ الثِّيَابَ فِي الثِّيَابِ قَالَ: إِذَا اخْتَلَفَتْ أَنْوَاعُهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس آدمی کے بارے میں نقل کرتے ہیں جو کپڑوں میں کپڑوں کی بیع سلم کرتا ہے تو وہ فرماتے ہیں جب ان کی انواع مختلف ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

کپڑے کی لمبائی، کہ کتنے گز ہے اور چوڑائی، کہ کتنے انچ چوڑا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ ہلکا ہے، بھاری ہے، سب چیزیں بیان کردی جائیں اور اگر کپڑا ریشمی ہے تو اس کا وزن بھی بیان کردیا جائے تو کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے اس زمانہ میں مشین ایک ہی قسم کے ہزاروں گز بنا دیتی ہے اس لئے بیع سلم کے جواز میں کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔ گذشتہ زمانہ میں چونکہ کپڑے ہاتھ سے بنے جاتے تھے اس لئے ان کی صفات کو متعین کرنا مشکل تھا اور بیع سلم کے جواز میں شبہ تھا لیکن آج اس مشینی دور میں یہ بات نہیں ہے۔

بَابُ السَّوْمِ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ

(مسلمان بھائی کے) بھاؤ پر بھاؤ لگانا!

749 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَسْتَامُ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ، وَ لَا يَخْطِبُ عَلَى خِطْبَتِهِ، وَ لَا تَنَاجَشُوا، وَ لَا تُبَايِعُوا بِإِلْقَاءِ الْحَجَرِ، وَ مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُعْلِمْهُ أَجْرَهُ، وَ لَا تُزَوَّجُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَ لَا عَلَى خَالَتِهَا، وَ لَا تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتُكْفِأَ مَا فِي صَحِيفَتِهَا، فَإِنَّ اللهَ هُوَ رَازِقُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى. وَ أَمَّا قَوْلُهُ: وَ

لَاتَنَاجَشُوا فَالرَّجُلُ يَبِيعُ الشَّيْءَ، فَيَزِيدُ الرَّجُلُ الْآخِرُ فِي الثَّمَنِ وَ هُوَ لَايُرِيدُ أَنْ يَشْتَرِيَ ؛ لِيُسْمِعَ بِذٰلِكَ غَيْرَهٗ وَ يَشْتَرِيَ عَلَى سَوْمِهٖ. فَهٰذَا هُوَ النَّجْشُ، فَلَايَنْبَغِي. وَ أَمَّا فِي قَوْلِهٖ: لَاتُبَايِعُوا بِإِلْقَاءِ الْحَجَرِ فَهٰذَا كَانَ بَيْعًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، يَقُولُ أَحَدُهُمْ: إِذَا أَلْقَيْتُ الْحَجَرَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ فَهٰذَا مَكْرُوهٌ فَلَايَنْبَغِي، وَ الْبَيْعُ فِيهِ فَاسِدٌ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے اور نہ اس کے پیغام نکاح پر نکاح کا پیغام دے نہ خریدنے کے بغیر بولی دو اور نہ پتھر پھینک کر بیع کرو اور جو شخص کسی کو مزدوری پر لے اسے اس کی مزدوری (اجرت) بتا دے، اور کسی عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں نکاح نہ کیا جائے اور نہ اس کی خالہ کی موجودگی میں نکاح کیا جائے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ اس کے پیالے کو (اپنے پیالے میں) انڈیل دے بے شک اللہ عزوجل ہی اس کا رازق ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی! **ولا تناجشوا** تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی چیز بیچتا ہے اور دوسرا آدمی قیمت میں اضافہ کرتا ہے حالانکہ اس کا خریدنے کا ارادہ نہیں ہوتا کہ یہ قیمت دوسروں کو سنائے اور وہ (دوسرا) اس کے لگائے ہوئے بھاؤ کے مطابق خریدے، اس کو نجش کہا جاتا ہے جو کہ درست نہیں اور آپ کا قول **لا تبایعوا بالقاء الجھر** یہ دور جاہلیت میں بیع کی ایک قسم تھی ان میں سے ایک کہتا جب میں پتھر پھینک دوں گا تو بیع واجب ہو جائے گی، یہ مکروہ ہے اور یہ درست نہیں اور اس میں بیع فاسد ہو جائے گی۔

لغات: يَسْتَامُ: بھاؤ تاؤ کرنا، قیمت دریافت کرنا، از افعال۔ يَخْطِبُ: نکاح کا پیغام دینا۔ لاتَنَاجَشُوا: تَنَاجَشَ الْقَوْمُ فی الْبَيع و نَحْوِ، بیع وغیرہ میں لوگوں کا بڑھ چڑھ کر بولی بولنا اور اشیاء کی قدر و قیمت بتانے میں مبالغہ وفریب سے کام لینا۔ لِتُكْفِأَ: انڈیلنا، برتن کا الٹ کر خالی کر دینا۔ صَحِيفَتِهَا: چھوٹا پیالہ۔

وضاحت:

یہاں **سات مسائل** کو ذکر کیا گیا ہے۔

①......○: لَايَسْتَامُ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ:

سوم علی سوم اخیہ کا معنی: ایک شخص دوسرے سے بیع کرنے کے لئے بھاؤ تاؤ کر رہا ہے اور بائع اس کو بیچنے پر تقریباً آمادہ ہو گیا ہے لیکن دوسرا شخص بیچ میں آ کر یہ کہے کہ میں اس سے زیادہ پیسے لگاتا ہوں یہ چیز مجھے فروخت کر دو تو یہ سوم علی سوم اخیہ ہے، یہ عمل ناجائز اور شرعاً ممنوع ہے، کیونکہ یہ فساد فی الارض اور دھوکے کا مصداق ہے، یہ عمل دوسرے کے حق کو تلف کرتا ہے اور اسلامی معیشت کے اصولوں کے خلاف ہے جس میں امانت داری، دیانتداری اور خریدار کے ساتھ مہربانی شامل ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے" وَلَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ " (بخاری ۱/ ۲۸۷) اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے، اور حدیث باب۔

البتہ بولی لگانا شرعاً درست ہے، بشرطیکہ بولی دینے والا چیز خریدنے کی نیت رکھتا ہو اور اس کا مقصد صرف دوسرے خریداروں کو زیادہ قیمت لگانے پر مجبور کرنا نہ ہو۔ اگر بولی لگانے کا مقصد دوسرے خریداروں کو دھوکہ دینا ہو تو یہ ناجائز ہے۔

درست صورت: بولی لگانا جائز ہے اگر آپ کی نیت اس چیز کو خریدنے کی ہو، جیسے مچھلی کی آڑھت میں بولی لگانا۔

ناجائز صورت: بولی لگانا ناجائز ہے اگر آپ کا مقصد صرف زیادہ قیمت لگا کر دوسرے خریداروں کو خریدنے سے روکنا ہو، بغیر اس کے کہ آپ خود اس چیز کو خریدنا چاہتے ہوں۔

۲......○: وَلَا يَخْطِبُ عَلَى خِطْبَتِهِ:

اگر کسی دو گھرانوں میں رشتہ کی بات چل رہی ہو اور رشتہ ہونے کے آثار بھی ہوں تو اس کے باوجود جانتے بوجھتے کسی اور کے لیے اسی جگہ رشتے کا پیغام بھیجنا شرعاً ممنوع ہے، اس ممانعت پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع نقل کیا ہے، اس بنیادی حکم میں فقہاء کرام میں اختلاف نہیں، البتہ بعض ذیلی صورتوں میں اختلاف ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۵/ ۲۰۶۷، رقم: ۳۱۴۴، ط: دار الفکر)

۳......○: وَلَا تَنَاجَشُوا:

بیع نجش کا معنی: نجش کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے اب تیسرا شخص آ کر اس سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کر دو حالانکہ اس کا مقصد سامان کو خریدنا نہیں ہے بلکہ قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے تاہم بیع ہو جائے گی کیونکہ اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔

۴......○: وَلَا تُبَايِعُوا:

القاء حجر کا معنی؟ بیع الحصاۃ کی صورت یہ ہے کہ بائع نے سامان کی قیمت طے کر دی اور مشتری سے یہ کہا کہ تو اس سامان پر پتھر پھینک، جس چیز پر پتھر جا کر گرا وہ میں تجھے بیچوں گا اور اس کی بیع لازم ہو جائے گی، اس کا ایک معنی بالقاء الحجر بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ جب میں کنکری پھینکوں تو بیع لازم ہو جائے گی، یہ بیع بھی فاسد ہے، کیوں کہ اس صورت میں کسی دوسرے کے ذمے ایسی چیز کو لازم کرنا پایا جاتا ہے کہ جس پر وہ راضی نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں جہالت ہونے کی بنا پر غرر پایا جاتا ہے۔

۵......○: وَمَنِ اسْتَأْجَرَ:

جب بھی عقدِ اجارہ کرنا ہو تو اجیر کو اس کی اجرت شروع سے بتانا شرط ہے، ورنہ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ مستاجر جیسے اجرت بتانے کا پابند ہے، اجیر پر بھی لازم کہ پہلے اجرت طے کرلے، تاکہ کسی کی حق تلفی یا لڑائی جھگڑا نہ ہو۔

۶......○: وَلَا تزوّج:

کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ اس کی بھتیجی یا بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا ناجائز اور ممنوع ہے۔

۷......○: وَلَا تَسْأَلُ طلاق أُخْتِهَا:

شرعاً کسی بھی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرنے کے لئے یہ شرط لگائے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے۔ یہاں لا تسأل نہی بھی ہوسکتا ہے اور فعل مضارع بھی، اور أختها سے حقیقی بہن بھی مراد ہوسکتی ہے اور عام دوسری مسلمان خاتون بھی۔

بَابُ حَمْلِ التِّجَارَةِ إِلَى أَرْضِ الْحَرْبِ

سامانِ تجارت حربی زمین کی طرف لے جانا!

750 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ فِي التَّاجِرِ يَخْتَلِفُ إِلَى أَرْضِ الْحَرْبِ: إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ مَا لَمْ يَحْمِلْ إِلَيْهِمْ سِلَاحًا، أَوْ كُرَاعًا، أَوْ سَلْبًا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہوں نے اس تاجر کے بارے میں فرمایا جو حربی زمین کی طرف آتا جاتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب تک ان کی طرف اسلحہ یا گھوڑے یا سامان لے کر نہ جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

سامانِ تجارت دارالحرب لے جاسکتے ہیں لیکن ایسی چیزیں نہیں لے جانا چاہئے جن سے دشمن فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچاسکے، مثلاً: آلات جنگ، اسلحہ گولہ بارود وغیرہ۔

بَابُ التِّجَارَةِ فِي الْعَصِيرِ وَالْخَمْرِ

شیرہ اور شراب کی تجارت!

751 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَصِيرِ قَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ تَبِيعَهُ مِمَّنْ

يَصْنَعُهُ خَمْرًا . وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس شخص پر (انگور وغیرہ کا رس (جوس) بیچنے میں کوئی حرج نہیں جو اس سے شراب بنائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

انگور کے رس کی خرید وفروخت کرنا:

شراب کا پینا، پلانا، بیچنا خریدنا سب حرام ہے، لیکن انگور کا رس بیچ سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ صرف شراب بنانے کے کام نہیں آتا اور معصیت نفسِ رس کے ساتھ متحقق نہیں ہوتی بلکہ اس کو متغیر بنانے کے بعد متحقق ہوتی ہے، بعض حضرات نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس میں معصیت میں اعانت لازم آتی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے شراب بنانے والا کافر ہو تب یہ حکم ہے اگر مسلمان ہو تو مکروہ ہے۔ (شامی، ج:3، ص:391)

752- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَهُ رَفِيقٌ لَهُ عَنْ بَيْعِ الْخَمْرِ، وَعَنْ أَكْلِ ثَمَنِهَا. قَالَ: قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ أَنْ يَأْكُلُوهَا. فَاسْتَحَلُّوا بَيْعَهَا وَأَكْلَ ثَمَنِهَا، إِنَّ اللهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ، فَحَرَامٌ بَيْعُهَا، وَأَكْلُ ثَمَنِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ ان کے ایک ساتھی نے شراب بیچنے اور اس کا ثمن کھانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر چربی کھانا حرام قرار دیا گیا تو انہوں نے اس کا بیچنا اور اس کا ثمن کھانا استعمال میں لانا حلال قرار دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا پس اس کا بیچنا اور اس کا ثمن کھانا حرام ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

753- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ ثَقِيفٍ يُكَنَّى أَبَا عَامِرٍ كَانَ يُهْدِي لِرَسُولِ اللهِ ﷺ كُلَّ عَامٍ رَاوِيَةً مِنْ خَمْرٍ، فَأَهْدَى إِلَيْهِ فِي الْعَامِ الَّذِي حُرِّمَتْ رَاوِيَةٌ كَمَا كَانَ يُهْدِي، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: يَا أَبَا عَامِرٍ، إِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ الْخَمْرَ، فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِي خَمْرِكَ. قَالَ: فَخُذْهَا يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَبِعْهَا وَاسْتَعِنْ بِثَمَنِهَا عَلَى حَاجَتِكَ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: يَا أَبَا عَامِرٍ، إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا، وَأَكْلَ ثَمَنِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ثقیف قبیلہ کا ایک شخص جس کی کنیت ابو عامر تھی وہ ہر سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شراب کا ایک مشکیزہ بطور تحفہ لایا کرتا تھا تو جس سال شراب حرام ہوئی وہ پہلے کی طرح (شراب کا مشکیزہ لے کر حاضر ہوا) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اے ابو عامر بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا پس ہمیں تمہارے شراب کی حاجت نہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کو لے لیجئے پس اس کو فروخت کر کے اس ثمن سے اپنی حاجت میں مدد لیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

اے ابو عامر اللہ جل جلالہ نے شراب کا پینا اس کا بیچنا اور اس کا ثمن کھانا حرام قرار دیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْآجَامِ وَالسَّمَكِ وَالْقَصَبِ

جنگل کے شکار مچھلیوں اور بانسوں کی بیع کرنا!

754 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ بَيْعَ صَيْدِ الْآجَامِ، وَقَصَبِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جنگل کے شکار اور ان کے بانسوں کو فروخت کرنا مکروہ جانتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: الآجَام: الاجمۃ کی جمع ہے جھاڑی، درخت، یہاں جنگل کا شکار مراد ہے۔

755- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ: طَلَبْتُ مِنْ أَبِي عَبْدِ الْمَجِيدِ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَنْ يَسْأَلَهُ عَنْ صَيْدِ الْآجَامِ، وَقَصَبِهَا، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ رحمه الله أَنَّهُ الْخَيْسُ، لَا بَأْسَ بِهِ. وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، نُجِيزُ بَيْعَ الْقَصَبِ إِذَا بَاعَهُ خَاصَّةً، فَأَمَّا الصَّيْدُ فَلَا نُجِيزُ بَيْعَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ يُؤْخَذُ بِغَيْرِ صَيْدٍ، فَيَجُوزُ الْبَيْعُ فِيهِ، وَيَكُونُ صَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ إِذَا رَآهُ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ابو عبد الحمید رحمۃ اللہ علیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک خط لکھ کر ان سے جھاڑیوں کے شکار اور ان کے بانسوں کے بیع کے بارے میں پوچھیں تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف لکھا کہ یہ جنگل کا (مال) ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار نہیں کرتے ہم بانسوں کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ وہ صرف ان ہی کو فروخت کرے لیکن وہاں کے شکار کی فروخت کو جائز قرار نہیں دیتے ہاں یہ کہ اسے شکار کئے بغیر پکڑے تو اس کی بیع جائز ہے اور اس کے مالک کو اختیار ہے جب اسے دیکھے، اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: الخَيْسُ: جمع اخیاس ہے، گنجان درخت۔ بعض نسخوں میں الخیس کی جگہ الجنس آیا ہے

جو چیزیں ملکیت میں نہ ہو اس کی خرید و فروخت کرنا:

انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کا بیچنا درست نہیں، اور یہ بھی اصول بیع کا ہے کہ جس چیز کو فروخت کر رہا ہوں اس کے حوالہ کرنے پر قادر ہو ورنہ بیع درست نہیں ہوگی، جیسے مچھلی پانی میں ہوا سے شکار نہ کیا گیا ہو یا پرندہ ہوا میں ہو، اگر بائع اسے حوالے کر سکتا ہو تو

اس کی بیع درست ہوجائے گی جیسے بانس وغیرہ، انسان انہیں کاٹ کر مشتری کے حوالے کرسکتا ہے، شکار اگر انسان کے قبضہ میں ہو یا اس کے سپرد کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کی بیع درست ہوگی، عدم جواز والی صورت یہ ہے کہ مباح جنگل کا شکار کرنے سے پہلے اس کی بیع کرنا اور لکڑی کاٹنے سے پہلے ان کی بیع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کا مالک بھی نہیں اور حوالگی پر بھی قادر نہیں۔

بَابُ شِرَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ تَكُونُ فِي السَّيْفِ وَالْجَوْهَرِ

سونا اور چاندی کے خریدنے کا بیان جب کہ وہ تلوار یا جواہرات میں ہو

756۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَانَ الْخَاتَمُ فِضَّةً، وَفِيهِ فَصٌّ فَاشْتَرِهِ بِمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ قَلِيلًا، وَإِنْ شِئْتَ كَثِيرًا، وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، وَلَا نُجِيزُ الْبَيْعَ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّ الثَّمَنَ أَكْثَرُ مِنَ الْفِضَّةِ الَّتِي فِي الْخَاتَمِ، فَيَكُونُ فَضْلُ الثَّمَنِ بِالْفَصِّ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب انگوٹھی چاندی کی ہو اور اس میں نگینہ ہو تو تم جیسے چاہو خرید سکتے ہو تھوڑی قیمت کے بدلے میں ہو یا زیادہ کے بدلے میں ہو۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے اور ہم اس سودے کو جائز نہیں سمجھتے حتی کہ معلوم ہوجائے کہ قیمت (والی چاندی) اس چاندی سے زیادہ ہے جو انگوٹھی میں ہے پس زائد قیمت نگینہ کے مقابلے میں ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اس کی بیع اس وقت درست ہوگی جب وہ چاندی جو اس میں لگی ہے ان پیسوں سے کم کی ہو، تاکہ چاندی پیسوں کے مقابلے میں ہوجائے اور نگینہ فالتو پیسوں کے مقابلہ میں۔

757۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ سَرِيعٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِإِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ خُسْرَوَانِيٍّ قَدْ أُحْكِمَتْ صَنْعَتُهُ، فَأَمَرَ الرَّسُولَ أَنْ يَبِيعَهُ، فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنِّي أُزَادُ عَلَى وَزْنِهِ، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَا، فَإِنَّ الْفَضْلَ رِبًا، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔

ترجمہ: ضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس خسروانی پیالہ بھیجا گیا جس کی بناوٹ مضبوط تھی آپ نے قاصد کو اس کے بیچنے کا حکم دیا وہ واپس آیا اور اس نے کہا میں اس کے وزن سے زیادہ لایا ہوں آپ نے فرمایا: نہیں یہ زیادتی سود ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

یہ اصول ہے کہ اموال ربویہ میں اوصاف کا کوئی اعتبار نہیں چوں کہ دراہم چاندی کے ہوتے تھے تو گویا چاندی کا مقابلہ چاندی

سے ہوا اس لیے جو وزن اس برتن کا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتے ورنہ وہ زیادتی سود بن جائے گی۔

بَابُ شِرَاءِ الدَّرَاهِمِ الثِّقَالِ بِالْخِفَافِ وَالرِّبَا

بھاری درہم ہلکے درہموں کے بدلے میں بیچنا اور سود!

758- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْزُوقٌ، عَنْ أَبِي جَبَلَةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُلْتُ لَهُ: إِنَّا نَقْدَمُ الْأَرْضَ بِهَا الْوَرِقُ الثِّقَالُ الْكَاسِدَةُ، وَمَعَنَا وَرِقٌ خِفَافٌ نَافِقَةٌ، أَنَبِيعُ وَرِقَنَا بِوَرِقِهِمْ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ بِعْ وَرِقَكَ بِالدَّنَانِيرِ، وَاشْتَرِ وَرِقَهُمْ بِالدَّنَانِيرِ، وَلَا تُفَارِقْ أَنَّكَ صَاحِبَكَ شِبْرًا حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ مِنْهُ، فَإِنْ صَعِدَ فَوْقَ الْبَيْتِ فَاصْعَدْ مَعَهُ، وَإِنْ وَثَبَ فَثِبْ مَعَهُ، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: ابوجبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ہم ایسے علاقے میں جاتے ہیں جہاں بھاری وزن کے کھوٹے درہم ہوتے ہیں اور ہمارے پاس ہلکے ہلکے چاندی کے سکے ہوتے ہیں جو مروج ہیں کیا ہم اپنے سکے ان کے سکوں (چاندی) کے بدلے میں بیچ سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تم اپنی چاندی کے سکے دیناروں کے بدلے بیچو اور ان کے چاندی کے سکّے دیناروں کے بدلے خریدو اور تم اپنے مقابل (جس سے سودا ہوا) سے ایک بالشت بھی دور نہ ہو جب تک اس سے وصول نہ کرلو اگر وہ گھر کی چھت پر چلا جائے تو تم بھی اس کے ساتھ اس پر چڑھ جاؤ اور وہ کود جائے تو تم بھی اس کے ساتھ کود جاؤ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

759- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطِيَّةُ الْعَوْفِيُّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلٌ بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبًا، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے میں برابر برابر ہو اور زیادتی سود ہے چاندی چاندی کے بدلے میں برابر برابر ہو اور زائد سود ہے گندم گندم کے بدلے میں برابر برابر ہو اور اضافہ سود ہے جو جو کے بدلے میں برابر برابر ہوں جو زیادہ ہوگا وہ سود ہوگا کھجور کھجور کے بدلے میں برابر برابر ہوں زیادتی سود ہے اور نمک نمک کے بدلے میں برابر برابر ہو، اگر زیادہ ہو تو سود ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ربا کا لغوی اصطلاحی معنیٰ:

ربا لغۃ زیادتی کے معنیٰ میں ہے۔ اصطلاحی تعریف: اس مالی زیادتی کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو۔ یہاں مخصوص زیادتی کو ربا کہا ہے جو حرام ہے۔

حرمتِ ربا پر دلائل:

حرمت کی دلیل قرآن سے: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ، آیت: 275) اس آیت میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔

حرمت کی دلیل حدیث سے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے سودی معاملے میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی) تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ربا کی حرمت کا منکر کافر ہے۔

فائدہ: قرآن حکیم میں جس چیز کو بلفظ ربا حرام قرار دیا ہے اس کا ترجمہ اردو زبان کی تنگ دامانی کے باعث عام طور پر لفظ سود سے کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ربا اور سود دونوں عربی اور اُردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ ربا ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے مروجہ سود بھی اس کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے مروجہ سود روپیہ کی ایک متعین مقدار متعین مدت کے لئے ادھار دے کر متعین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینے کا نام ہے اور بلا شبہ یہ بھی ربا کی تعریف میں داخل ہے مگر ربا اس میں منحصر نہیں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اس میں بہت سے معاملات بیع و شراء کے بھی داخل ہیں۔ (از مسئلہ سود، ص: 14)

ربا کی اقسام:

ربا کی سات اقسام ہیں:

① ...... ○ ربو القرض: قرض دے کر لوٹانے میں زیادتی کی شرط لگانا۔ اس کو ربوا القرآن بھی کہتے ہیں۔

② ...... ○ ربو الرھن: قرض کے عوض گروی رکھی ہوئی چیز سے حاصل ہونے والا نفع۔

③ ...... ○ ربو الشركة: عقد شرکت میں سارا نفع ایک شریک کے لیے مقرر کر دینا۔

④ ...... ○ ربو الفساد: بیع فاسد میں مبیع سے حاصل ہونے والا نفع۔

⑤ ...... ○ ربو النساء: اموال ربویہ کی آپس میں ادھار بیع کرنا۔

⑥ ...... ○ ربو الفضل: اموال ربویہ کی آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ بیع کرنا۔ اس کو ربوا الحدیث بھی کہتے ہیں۔

⑦ ...... ○ ربو الحبس: حکومت کا عوام سے پیسے لینا اور اس کا سود مقرر کر دینا، جو نسل در نسل چلتا رہتا ہے، جس کا نام وثیقہ ہے۔

علت ربو کی تحقیق:

نفس ربا کی حرمت تو آیت وَحَرَّمَ الربوا سے ثابت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن آیت ربا میں انتہائی اجمال ہے اس کی تفصیل کے لئے زبان نبوت پر یہ کلمات جاری ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

①-سونا سونے کے بدلے میں۔②-چاندی چاندی کے بدلے میں۔③-گیہوں گیہوں کے بدلے میں۔④-جو جو کے بدلے میں۔⑤-کھجور کھجور کے بدلے میں۔⑥-نمک نمک کے بدلے میں۔

برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ چنانچہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں۔(مسلم شریف ۲/۲۵)

اب سوال یہ ہے کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا حرمت کا یہ حکم عام ہے؟ اگر عام ہے تو پھر کن چیزوں میں یہ حکم جاری ہوگا۔ اور کن میں جاری نہیں ہوگا اس بارے میں فقہاء کے درمیان آپس میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ حکم معلول بعلت ہے یعنی ایک علت ہے جو ان چھ چیزوں کے درمیان مشترک ہے اب وہ علت جہاں کہیں پائی جائے گی حرمت کا حکم وہاں منطبق ہو جائے گا اور کمی بیشی اور ادھار حرام ہوگا پھر اس علت کی تعیین میں جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان آپس میں اختلاف ہو گیا اور اس بارے میں **تین مذاہب** ہیں:

❁ **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے سود کی دو علتیں نکالی ہیں: ایک "جنس" اور دوسری "قدر"، مثلاً دو ایسی چیزیں جن کی اصل الگ الگ ہو (جیسے گائے کا گوشت اور بکرے کا گوشت)، یا ان کا مقصود الگ الگ ہو (جیسے گندم کا دانا اور اس کا آٹا) وہ الگ جنس شمار ہوں گی، اور "قدر" سے مراد مخصوص شرعی پیمانہ (کیل یا وزن) ہے جس سے اشیاء کو ناپا یا تولا جاتا ہو، اور شرعاً کم از کم جو پیمانہ معتبر ہے وہ نصف صاع (تقریباً پونے دو کلو) ہے، اب جنس اور قدر کا حاصل یہ ہوا کہ ربا کی علت "کیل مع الجنس" ہے، یعنی وہ دونوں چیزیں کیلی بھی ہوں (یعنی ناپ کر بیچی جاتی ہوں) اور ان کی جنس بھی ایک ہو۔ اور "وزن مع الجنس" ہے، یعنی وہ دونوں چیزیں وزن کر کے بیچی جاتی ہوں اور ان کی جنس بھی ایک ہو۔

اب ایک جنس یا ایک قدر والی اشیاء کی باہم خرید وفروخت کی **مختلف صورتیں** ہوسکتی ہیں:

①- دو ایسی چیزیں جن کی جنس ایک ہو اور وہ قدر (کیلی ہونے یا وزنی ہونے) میں بھی متحد ہوں تو خرید وفروخت میں ان کا برابر ہونا اور دونوں جانب سے نقد ہونا ضروری ہے، یعنی جس مجلس میں خرید وفروخت ہو اسی میں جانبین سے قبضہ بھی پایا جائے، (یداً بیدٍ کا یہی مطلب ہے)۔

مذکورہ صورت میں (یعنی جنس اور قدر ایک ہونے کی صورت میں) اگر کوئی چیز ایک جانب سے زیادہ ہو اور دوسری جانب سے کم ہو تو یہ سود ہے، اسے اصطلاح میں "ربو الفضل" یا "ربو التفاضل" کہا جاتا ہے، یعنی کمی زیادتی کی وجہ سے سود ہے۔

اسی طرح جنس اور قدر ایک ہونے کی صورت میں اگر ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو یہ بھی سود ہے، اسے اصطلاح میں "ربو النسیئة" کہتے ہیں، یعنی ادھار ہونے کی وجہ سے سود ہے۔

۲- اگر دونوں کی جنس ایک ہو لیکن قدر (کیلی ہونے یا وزنی ہونے میں) الگ الگ ہو، یا جنس الگ الگ ہو لیکن قدر ایک ہو تو انہیں کمی بیشی کے ساتھ خرید فروخت کیا جا سکتا ہے، لیکن ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار جائز نہیں ہے، یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہے، اور اُدھار حرام ہے۔

۳- اگر جنس اور قدر دونوں مختلف ہوں تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ: کے نزدیک حرمت کی علت طعم یا ثمنیت کا پایا جانا ہے جب کہ جنس کا تبادلہ جنس سے ہو کیونکہ ان چھ چیزوں میں آخری چار چیزوں میں طعم پایا جاتا ہے لہذا جو چیز کھانے کے لائق ہو اس کے اندر بھی حرمت کی علت موجود ہے۔ لہٰذا ایک انڈے کو دو انڈوں کے عوض بیچنا ناجائز ہے کیونکہ ربا کی علت طعم موجود ہے۔ اور سونے چاندی میں ثمنیت پائی جا رہی ہے لہذا جو چیز ثمن بن رہی ہو اس میں بھی حرمت کی علت موجود ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ: کے نزدیک حرمت کی علت اقتیات اور ادخار ہے یعنی جن چیزوں کو کھایا جاتا ہو اور ان کو ذخیرہ بنا کر رکھا جا سکتا ہو اور وہ چیز خراب ہونے والی نہ ہو لہذا جن چیزوں میں یہ علت پائی جائے گی وہاں حرمت کا حکم آ جائے گا۔ اگر وہ چیزیں خراب والی ہو تو وہ حرمت کا حکم نہیں ہوگا چنانچہ تربوز وغیرہ جن کو خشک کر کے ذخیرہ نہیں کیا جاتا ہے ان میں اگر اتحاد جنس بھی ہو تب بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نزدیک ایک تربوز کو دو تربوزوں کے عوض بیچنا جائز ہے۔

بَابُ الْقَرْضِ

قرض کا بیان!

760- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي رَجُلٍ أَقْرَضَ رَجُلًا وَرِقًا، فَجَاءَهُ بِأَفْضَلَ مِنْهَا قَالَ: الْوَرِقُ بِالْوَرِقِ أَكْرَهُ الْفَضْلَ فِيهَا حَتَّى يَأْتِيَ بِمِثْلِهَا، وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، لَا بَأْسَ بِهَذَا مَا لَمْ يَكُنْ شَرْطًا اشْتَرَطَهُ عَلَيْهِ، فَإِذَا كَانَ شَرْطًا اشْتَرَطَهُ فَلَا خَيْرَ فِيهِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے کسی شخص کو چاندی بطور قرض دی تو وہ اس سے افضل لایا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چاند کے بدلے چاندی میں زیادتی مکروہ ہے حتی کہ اس کی مثل لائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار نہیں کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں جب تک (اسکی) شرط نہ رکھے اور اس نے کوئی شرط رکھی ہو تو اس میں

بھلائی نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

261 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُقْرِضُ الرَّجُلَ الدَّرَاهِمَ عَلَى أَنْ يُوَفِّيَهُ بِالرَّيِّ قَالَ : أَكْرَهُهُ، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط پر قرض کے طور پر درہم دیتا ہے کہ وہ اسے مقام ری میں ادا کرے تو فرماتے ہیں میں اس بات کو مکروہ جانتا ہوں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اس زمانے میں سفتجہ اور ہنڈی کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ بالا اثر میں سفتجہ کا ذکر ہے سفتجہ یہ ہے کہ کسی تاجر وغیرہ کو کچھ رقم بطور قرض اس طور پر دینا کہ وہ اسے دوسرے ملک یا شہر میں دینے والے کے دوست کو ادا کرے، تاکہ راستے کے خطرات سے فائدہ اٹھایا جا سکے، پہلے زمانے میں راستے محفوظ نہیں ہوا کرتے تھے، اور اس طرح شرط لگا کر قرض دیا کرتے تھے، یہ درست نہیں ہے، یہ بھی قرض سے نفع اٹھانے کی ایک صورت ہے، موجودہ زمانے میں بھی راستے کے خطرات سے بچنے کی غرض سے کسی کو قرض دینا مکروہ ہے، البتہ سفتجہ کا وجود آج کل نہیں، اور آج کل ہنڈی کے نام سے جو رقم کا انتقال ایک ملک یا شہر سے دوسرے ملک یا شہر کی جاتی ہے، وہ سفتجہ میں نہیں آتا، علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ شرح الوقایہ کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ: سفتجہ ہنڈی نہیں، کیوں کہ سفتجہ میں راستے کے خطرات سے حفاظت پیش نظر ہوتی ہے، اور ہنڈی تو ترسیل کا کام ہے۔

(هامش شرح الوقاية: كتاب الحوالة (119/3)، ط. مير محمد كتب خانه كراتشي)

ہنڈی کا حکم درج ذیل ہے:

ہنڈی کا کاروبار ملکی وبین الاقوامی قوانین کی رو سے ممنوع ہے؛ اس لیے رقم کی ترسیل کے لیے جائز قانونی راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے، البتہ اگر کسی نے ہنڈی کے ذریعے رقم بھجوائی تو اسے مندرجہ ذیل شرعی حکم کی تفصیل ملحوظ رکھنا لازمی ہے:

الف۔ چوں کہ مروجہ ہنڈی (حوالہ) کی حیثیت قرض کی ہے؛ اس لیے جتنی رقم دی جائے اتنی ہی رقم آگے پہنچانا ضروری ہے، اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے، البتہ بطورِ فیس/ اجرت الگ سے طے شدہ اضافی رقم لی جا سکتی ہے۔

ب۔ کرنسیوں کے مختلف ہونے کی صورت میں (جیسے ایک طرف کرنسی درہم ہے اور دوسری طرف پاکستانی روپیہ ہے) لازم ہے کہ دوسرے ملک جہاں قرض کی ادائیگی کرنی ہے (مثلاً پاکستان میں) ادائیگی کے وقت یا تو قرض لی ہوئی کرنسی (مثلاً درہم) ہی پوری پوری واپس کرے یا پھر جتنے درہم قرض دیے گئے تھے ادائیگی یا وصولیابی کے دن پاکستان میں درہم کے جو ریٹ چل رہے ہوں ان میں سے ہی کسی ایک ریٹ کے مطابق، قرض دیے گئے درہم کے جتنے پاکستانی روپے بنتے ہوں، پاکستان میں ادا کیے جائیں، درھم کے

مارکیٹ ریٹ سے کم یا زیادہ طے کر کے لین دین کرنا جائز نہیں ہے۔ اجرت جداگانہ طے کی جائے۔

(لسان الحكام:ص:261،ط. البابي الحلبي،سنة النشر 1393-1973)

762 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَلَا خَيْرَ فِيهِ، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر وہ قرض نفع کھینچ کر لائے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قرض پر نفع حاصل کرنا:

قرض کی دو صورتیں ہوتی ہیں: **ایک صورت** تو یہ کہ کسی کو قرض دیا جائے، اور یہ طے ہو کہ مقترض نے جتنا قرض لیا ہے اتنا ہی واپس کرے گا دیئے گئے قرض پر کوئی اضافی رقم یا اس کے ذریعہ کوئی اور فائدہ حاصل نہ کرے، یہ قرض محمود بھی ہے اور اس کے فضائل بھی ہے، اس پہلی صورت میں اگر مقروض اپنی خوشی سے کچھ اضاف دے تو یہ جائز بالکل بہتر ہے۔

دوسری صورت ابتداءً ہی اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اضافہ کے ساتھ واپس کرے گا، یہ ناجائز اور سود ہے دونوں فریق گناہگار ہوں گے نیز مقرض جو اضافہ لے گا وہ حرام ہوگا، اضافہ خواہ رقم کی صورت میں ہو یا کسی اور جنس میں، مذکورہ بالا اثر میں اس کا ذکر ہے۔

(شامی،ج:7،ص:395)

بَابُ الْعِقَارِ وَالشُّفْعَةِ

زمین اور شفعہ!

763 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ: الشُّفْعَةُ مِنْ قِبَلِ الْأَبْوَابِ، وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا الشُّفْعَةُ لِلْجِيرَانِ الْمُتَلَازِقِينَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شفعہ دروازوں کی جانب سے ہوتا ہے۔ ہم اس قول کو نہیں لیتے۔ شفعہ ان پڑوسیوں کے لئے ہوتا ہے جو ملے ہوئے ہوں، اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق شفعہ ان پڑوسیوں کو حاصل ہے جن کے دروازے آمنے سامنے ہوتے ہیں، احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دائیں بائیں جن پڑوسیوں کے گھر ملے ہوئے ہوتے ہیں ان کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔

764 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا شُفْعَةَ إِلَّا فِي أَرْضٍ، أَوْ دَارٍ، وَ

بِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شفعہ گھر میں ہوتا ہے یا زمین میں۔ ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

اس میں ایک اصول بیان ہوا ہے کہ شرعًا شفعہ صرف اشیاء غیر منقولہ (یعنی جائیداد) میں ہوسکتا ہے مثلا، زمین، گھر، دوکان وغیرہ میں شفعہ جائز ہوگا۔ اشیاء منقولہ میں شفعہ ثابت نہیں۔

765 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: عَرَضَ عَلَيَّ سَعْدٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَيْتًا لَهُ فَقَالَ: خُذْهُ فَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ بِهٖ أَكْثَرَ مِمَّا تُعْطِينِي بِهٖ، وَلَكِنَّكَ أَحَقُّ بِهٖ؛ لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهٖ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان مجھ پر پیش کیا اور فرمایا: اس کو لے لو مجھے اس کی قیمت اس سے زیادہ دی گئی جو تم مجھے دیتے ہو لیکن تمہارا حق زیادہ ہے کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: سَقَبٌ: منزل، گھر، گھروں کا قریب ہونا۔

شفعہ کا لغوی اصطلاحی معنی:

شفعہ کے لغوی معنی ہیں: "ملانا" اور شرع میں اس کے معنی ہیں: "تملك البقعة بما قام على المشتري"۔

کن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے:

شفیع کی تین اقسام ہیں:

① ...... شفیع فی نفس المبیع: مشترکہ زمین میں سے ایک شریک اپنا حصہ بیچتا ہے تو دوسرا شریک شفیع فی نفس المبیع ہے۔ سب سے پہلے شفعہ کرنے کا حق اس کو ملتا ہے۔

② ...... شفیع فی حق المبیع: بیچی جانے والی چیز کے جو حقوق ہیں وہ چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہیں، تو ایسی چیز کے بیچنے پر اس کے شرکاء کو شفعہ کا حق ملتا ہے، بشرطیکہ پہلی قسم کا شفیع شفعہ نہ کرے۔

③ ...... جار ملاصق: وہ پڑوسی جس کی دیواریں ملی ہوئی ہوں، یا چھت کی کڑیاں دوسرے کی دیوار پر ہوں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ایسے پڑوسی کو بھی شفعہ کا حق ملتا ہے، بشرطیکہ پہلے دو شفیع شفعہ نہ کریں۔ جب کہ **ائمہ ثلاثہ** رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں شفعہ کا حق صرف شریک فی نفس المبیع کو ہے، اس کے علاوہ کسی کو شفعہ حق نہیں ملتا۔

دلائل احناف رحمۃ اللہ علیہم: ① - حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الجار أحق بشفعته ينتظر به، وان كان غائبًا إذا كان طريقهما واحدا" (ترمذی) یہاں شریک فی حق المبیع مراد ہے۔

② - حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے: "الجار أحق بالدار"۔

③ - حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی روایت مروی ہے: "الجار أحق بشفعته"۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل**: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "إذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة"۔

جواب: بالفرض آپ کی بات تسلیم کی جائے اور جار سے حق شفعہ ساقط کیا جائے تو پھر شفعہ جار کی احادیث کثیرہ عمل سے رہ جاتی ہیں تو لہذا احناف رحمۃ اللہ علیہم کی بات مان لی جائے، تا کہ تمام احادیث پر عمل ہو سکے۔

حق شفعہ کب ہوگا؟

حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین یا مکان کو فروخت کر رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے البتہ اس شفعہ میں پختگی اس وقت آئے گی جب کہ شفیع فروختگی کی اطلاع ملنے پر فوراً اس مجلس میں شفعہ کے طلب پر گواہ قائم کرے کیوں کہ آگے اس کو قاضی کے یہاں اپنے لئے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی، اگر اس نے اس بات پر گواہ نہیں بنایا (کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے) تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

شفیع اس دار مشفوعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکمل مالک ہو جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مشتری مبیع کو شفیع کے حوالہ کر دے یا قاضی فیصلہ کر دے کہ یہ مبیع شفیع کی ہے تب ہی شفیع اس مبیع کا مالک ہوگا کیوں کہ مشتری اس مکان کا مالک ہو چکا ہے اور اسکی ملکیت تام ہے اب اس مکان کو اس کی ملکیت سے نکالنے کے لئے رضامندی سے سپردگی پائی جائے یا حاکم کا فیصلہ پایا جائے۔

کن چیزوں میں شفعہ ہے اور کن چیزوں میں نہیں:

زمین میں شفعہ ثابت ہوتا ہے یہ بات متفق علیہ ہے پھر زمین کی **دو قسمیں** ہیں:

① - وہ زمین جو تقسیم کے قابل ہو جیسے دو ہزار گز زمین کا پلاٹ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اس کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا

اس میں سب کے نزدیک حق شفعہ ہوگا۔

② - وہ زمین جو قابل تقسیم نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہے جیسے ایک تنگ غسل خانہ ہے اگر اس کا بٹوارہ کر دیا جائے تو وہ کسی کام کا بھی نہ رہے گا یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہ رہے گی ایسے ہی تنگ چھوٹا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے اس دوسری صورت میں حنفیہ وشافعیہ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب: جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعہ ہوتا ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے جیسا کہ اس کی چند مثالیں قسم دوم میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

شوافع رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب: جو چیزیں تقسیم ہونے سے استعمال کے قابل نہ رہیں ان میں حق شفعہ نہیں ہے۔

دلیل: شفعہ کی علت بٹوارہ کی مشقت سے بچانا ہے اور یہ چیز جب بٹوارہ کے قابل ہی نہ رہی یعنی بٹوارہ کے بعد قابل انتفاع نہ رہی تو بٹوارہ کی مشقت سے بچانے کا کیا مطلب؟

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: شفعہ کی علت اتصال ملک ہے اور وہ یہاں بھی موجود ہے کیوں کہ شفعہ کی حکمت برے پڑوسی کے نقصان کو دور کرنا ہے اور یہ حکمت دونوں صورتوں میں موجود ہے نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قضى النبی بالشفعة فی کل مالم یقسم" (بخاری، 300) آپ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ چیز جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس میں بھی حق شفعہ ہے۔

اگر صرف عمارت فروخت ہو رہی ہو اس کی زمین نہ بک رہی ہو ایسے ہی باغ بک رہا ہے لیکن اس کی زمین نہیں بک رہی ہے تو حق شفعہ نہیں ہوگا کیوں کہ عمارت اور باغ بغیر زمین کے منقولی اشیاء کی طرح ہو گئے اس لیے ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

بَابُ الْمُضَارَبَةِ بِالثُّلُثِ، وَالْمُضَارَبَةِ بِمَالِ الْيَتِيمِ وَمُخَالَطَتِهِ

تہائی حصے کے ساتھ مضاربت اور یتیم کے مال سے مضاربت اور اس کو اپنے مال سے ملانا؟

766 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُعْطِي الْمَالَ مُضَارَبَةً بِالثُّلُثِ، أَوِ النِّصْفِ وَزِيَادَةِ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ، قَالَ: لَا خَيْرَ فِي هَذَا، أَرَأَيْتَ لَوْ لَمْ يَرْبَحْ دِرْهَمًا مَا كَانَ لَهُ؟ وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مال مضاربت کے طور پر تہائی یا نصف اور دس درہم زائد پر دے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں (جائز نہیں) تمہارا کیا خیال ہے اگر اسے ایک درہم نفع بھی نہ ہو تو اس کے لئے کیا ہوگا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مضاربت کا لغوی اصطلاحی معنی:

مضاربت لغت کے اعتبار سے باب مفاعلت سے ہے اور ضرب فی الارض سے مشتق ہے زمین پر چلنا اور سفر کرنا۔ مضارب زمین میں سفر کرتا ہے اور تجارت کر کے نفع کماتا ہے اس لیے اس عقد کو مضاربت کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو راس المال کہتے ہیں اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں اس کو مضاربت کہتے ہیں۔

مضاربت کا ثبوت: ابن جعد بارقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا دی پھر ایسا ہوتا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا۔

(ابوداؤد ۲/۳۸۰باب فی المضارب)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے نیز لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے کیوں کہ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مالدار ہے مگر کاروبار کا بالکل تجربہ نہیں ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مالدار تو نہیں ہیں مگر تجارت میں اچھا خاصا تجربہ رکھتے ہیں تو عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ہے تاکہ سبھی لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔

مضاربت کے بنیادی اصول وشرائط درج ذیل ہیں:

① -مضاربت میں سرمایہ کا نقدی ہونا ضروری ہے، اگر سرمایہ سامان، قرض یا جامداثاثوں کی شکل میں ہوگا تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔

② -عقدِ مضاربت کے وقت سرمایہ کا اس طور پر معلوم ہونا ضروری ہے کہ بعد میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو، یعنی رب المال مضارب کو سرمایہ پر قبضہ کرادے یا اس کی طرف اشارہ کر دے۔

③ -عقدِ مضاربت میں سرمایہ مکمل طور پر مضارب کے حوالہ کرنا ضروری ہے، اس طور پر کہ پھر اس سرمایہ میں رب المال کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہ رہے، اسی طرح رب المال کوئی کام بھی نہیں کرے گا، بلکہ کام صرف مضارب ہی کرے گا، اگر رب المال پر بھی کام کی شرط لگائی گئی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

④ -عقدِ مضاربت میں منافع کی تقسیم حقیقی نفع کے تناسب سے طے کی جانی ضروری ہے، اگر کسی ایک کے لیے معین رقم یا سرمایہ کے تناسب سے پہلے سے نفع طے کر لیا (یعنی کل سرمایہ کا اتنا فیصد ملے گا) تو مضاربت جائز نہیں ہوگی۔

⑤ -مضارب کو صرف حاصل شدہ نفع میں سے ہی حصہ ملے گا، اصل سرمایہ میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا۔

⑥ -اگر مضارب کے لیے اصل سرمایہ میں سے کچھ مشروط کیا گیا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

ے - اگر نقصان ہو گیا تو اس کو پہلے حاصل شدہ نفع سے پورا کیا جائے گا، اگر اس سے بڑھ گیا تو وہ رب المال کے ذمہ ہو گا اور اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا، مضارب کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا جائز نہیں، بلکہ نقصان کی صورت میں سرمایہ کار نقصان برداشت کرے گا اور مضارب کی محنت رائیگاں جائے گی، مضارب امین کی حیثیت سے کام کرے گا۔

767 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: لَوْ وُلِّيتُ مَالَ يَتِيمٍ لَخَلَطْتُ طَعَامَهُ بِطَعَامِي، وَشَرَابَهُ بِشَرَابِي، وَلَمْ أَجْعَلْهُ بِمَنْزِلَةِ الرِّجْسِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: اگر مجھے کسی یتیم بچے کی ولایت حاصل ہو جائے تو میں اس کے کھانے کو اپنے کھانے کے ساتھ اور اس کے مشروب کو اپنے مشروب سے ملاؤں گی اور اسے ناپاک چیز کی طرح قرار نہیں دوں گی۔ (ملا کر حساب مشترکہ طور پر خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ولی اپنے مال سے یتیم کا مال الگ کر کے رکھے، جیسا کہ نجس اور حرام مال رکھا جاتا ہے، الگ رکھنے میں حرج اور تنگی ہے، لہذا یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے، ہاں البتہ حساب و کتاب رکھنا ضروری ہے۔

768 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي مَالِ الْيَتِيمِ قَالَ: مَا شَاءَ الْوَصِيُّ صَنَعَ بِهِ، إِنْ رَأَى أَنْ يُودِعَهُ أَوْدَعَهُ، وَإِنْ رَأَى أَنْ يَتَّجِرَ بِهِ اتَّجَرَ بِهِ، وَإِنْ رَأَى أَنْ يَدْفَعَهُ مُضَارَبَةً دَفَعَهُ، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یتیم کے مال کے بارے میں فرمایا وصی جو چاہے اس میں کرے اگر اسے امانت کے طور پر دینا چاہے تو امانت رکھے اور اس میں تجارت کرنا بہتر سمجھے تو تجارت میں لگائے اور اگر اسے بطور مضاربت دینا چاہے تو دے دے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

جس کے زیر کفالت یتیم بچے ہوں اسے یتیم کے مال کو اڑانا نہیں چاہیے بلکہ اسے ان پر خرچ کرے اگر یہ سمجھے کہ اس کو تجارت میں لگانے سے فائدہ ہو گا تو تجارت میں لگا دے، اگر غریب ہے تو بقدر ضرورت اس میں سے کھا سکتا ہے، اپنے کھانے کے ساتھ اس کا

کھانا ملا کر پکا سکتا ہے، بہر حال یتیم کے لیے جس میں بہتری ہو اپنی صواب دید کے مطابق اس پر عمل کرے۔

769- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ}، قَالَ: قَرْضًا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے آیت کریمہ! ﴿مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ جو شخص مالدار ہو وہ بچتا رہے اور جو آدمی فقیر ہو وہ معروف طریقے پر کھا سکتا ہے۔ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے قرض مراد ہے۔

وضاحت:

سورۃ النساء میں یتیم کے مال کے احکامات بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک حکم آیت کے مذکورہ حصے میں ہے، اس کے بارے میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ولی غنی ہو تو وہ بچے کے مال سے قرض بھی نہیں لے سکتا البتہ اگر محتاج ہو تو قرض لے سکتا ہے، یہاں (مناسب طریقہ سے کھانے) سے مراد قرض لینا ہے، مگر جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں خرچہ لینا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی خود فقیر و محتاج ہے، اور تیم کی کفالت میں مصروف ہے جس کی وجہ سے کما نہیں سکتا تو وہ بطور اجرت یتیم کے مال سے خرچہ لے سکتا ہے۔

770- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنِ الْهَيْثَمِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا يَأْكُلُ الْوَصِيُّ مَالَ الْيَتِيمِ شَيْئًا قَرْضًا وَلَا غَيْرَهُ، وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وصی یتیم کے مال میں سے کچھ بھی نہ کھائے نہ قرض کے طریقے پر اور نہ ہی اور کسی طریقے سے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

وصی کو یتیم کے مال میں سے خود کچھ لینے کی اجازت نہیں، نہ قرض اور نہ بطورِ خرچ کے، وصی کا کام موصی کی وصیت کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس کو کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں ہوتا۔

771- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَيْسَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكَاةٌ. وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں۔ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

زکوۃ آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ پر واجب ہوتی ہے بشرطیکہ وہ کامل نصاب کا مالک ہو اور اس پر حولانِ حول ہو گیا ہو، بچے، مجنون اور مکاتب پر زکوۃ واجب نہیں، بچے پر اس لیے کہ وہ عبادت کی ادائیگی کا مخاطب نہیں۔

بَابُ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ مَالُ مُضَارَبَةٍ أَوْ وَدِيعَةٍ

جس کے پاس مضاربت یا امانت کا مال ہو!

772- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْمُضَارَبَةِ، وَالْوَدِيعَةِ إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ فَمَاتَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالَ: يَكُونُونَ جَمِيعًا أُسْوَةَ الْغُرَمَاءِ إِذَا لَمْ تُعْرَفَا بِأَعْيَانِهِمَا الْوَدِيعَةِ وَالْمُضَارَبَةِ. وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ مضاربت اور ودیعت (امانت) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس ہو اور وہ شخص مرجائے اور اس پر قرض ہو تو وہ سب برابر کے قرض خواہ ہوں گے جب تک مضاربت اور ودیعت کی متعین طور پہچان نہ ہو۔ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اگر مضارب کا انتقال ہو جائے؟

اگر مضارب فوت ہو جائے اور اس کے پاس مال مضاربت بھی ہو اور اس کے علاوہ لوگوں کا قرض بھی ہو تو اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت: فوت شدہ کے پاس مال مضاربت الگ سے متعین طور پر موجود ہو تو اس صورت میں رب المال اس کا حقدار ہوگا دوسرے قرضداروں کا اس میں کوئی حق نہیں۔

دوسری صورت: یہ کہ مال مضاربت دیگر اموال کے ساتھ مخلوط ہو تو ایسی صورت میں تمام قرض خواہ اور رب المال برابر ہوں گے اب یہ سارا مال بقدرِ قرض تقسیم ہوگا۔ اور یہی حکم بعینہ مودع اور امین کا بھی ہوگا۔

بَابُ الْمُزَارَعَةِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ

تہائی اور چوتھائی کے ساتھ مزارعت!

773- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، أَنَّهُ سَأَلَ طَاوُوسًا وَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنِ الْمُزَارَعَةِ بِالثُّلُثِ وَ الرُّبُعِ، فَقَالَا: لَا بَأْسَ بِهِ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِإِبْرَاهِيمَ فَكَرِهَهُ، وَقَالَ: إِنَّ طَاوُوسًا لَهُ أَرْضٌ يُزَارِعُهَا، فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ قَالَ ذٰلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: كَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَأْخُذُ بِقَوْلِ إِبْرَاهِيمَ، وَنَحْنُ نَأْخُذُ بِقَوْلِ سَالِمٍ، وَطَاوُوسٍ، لَا نَرَى بِذٰلِكَ بَأْسًا.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت طاؤس اور حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے تہائی یا چوتھائی کے ساتھ مزارعت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا اور فرمایا طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زمین تھی جسے وہ مزارعت پر دیتے تھے انہوں نے اسی بنیاد پہ یہ بات کہی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو اختیار کرتے تھے اور ہم حضرت سالم حضرت طاوس رضی اللہ عنہما کے قول کو اختیار کرتے ہیں، ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

وضاحت:

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول "إِنَّ طَاوُوْسًا لَه أَرْضٌ ..الخ" حکایت حال بھی ہوسکتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ ان کی زمین ہے، تو وہ یہ مسئلہ خوب اچھی طرح جانتے ہوں گے، اوران کی رائے اپنی جگہ درست ہے۔ اور حضرت طاوس پر طعن بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

مزارعت کا لغوی اصطلاحی معنیٰ:

مزارعت باب مفاعلہ کا مصدر ہے مادہ زرع بونا، بیج ڈالنا۔ اصطلاحی تعریف: اس عقد کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے غلہ کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔

مزارعت کا ثبوت: مزارعت کا دوسرا نام مخابرہ ہے اس کا ثبوت حدیث کے اس ٹکڑے سے ہے "ان النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ أَوْ ثَمَرٍ". (بخاری ۱/۳۱۳ باب المزارعة) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو بٹائی پر دیا کچھ حصہ کے بدلہ میں یعنی جو پھل اور غلہ پیدا ہو۔

مزارعت کی اقسام:

کسی کو زمین کاشت پر دینے کی چند صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین کاشت کار کو کرایہ پر دیدے اور اس سے متعین کرایہ وصول کرے یہ کرایہ نقد کی شکل میں ہو پیداوار کی شکل میں نہ ہو اور مالک زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین دار پیداوار کا ایک مناسب حصہ اپنے لئے مقرر کرے مثلا یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے یا آدھی پیداوار تمہاری اور آدھی پیداوار میری ہوگی اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔

- **امام صاحب اور امام مالک** رحمۃ اللہ علیہم: یہ صورت مطلقا نا جائز ہے
- **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ: کما قال النووی مستقلاً تو نا جائز ہے، لیکن مساقات کے تابع ہو کر جائز ہے،
- **صاحبین اور امام احمد** رحمۃ اللہ علیہم: مزارعت کی یہ صورت جائز ہے ہمارے یہاں فتوی صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔

امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مَنۡ لَمۡ یَذَرِ الۡمُخَابَرَةَ فَلۡیُؤۡذِنۡ بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رسولِه" (ابوداؤد ۲/۳۸۳) جو شخص مخابرہ یعنی مزارعت نہ چھوڑے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلان جنگ سن لے۔

جواب: ممانعت زمانہ جاہلیت والی مزارعت کی ہے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ زمین کا ایک خاص حصہ متعین کر دیتے تھے کہ فلاں حصہ کا غلہ ہم لیں گے باقی تمہارا، بعض مرتبہ اس حصہ کے اندر غلہ نہ ہوتا اور دوسرے مقامات میں ہوتا تھا اور بعض مرتبہ صرف اس کے اندر ہوتا تھا اس کے علاوہ میں نہیں ہوتا تھا اس لیے آپ نے منع فرمایا۔

صاحبین کی رحمۃ اللہ علیہما دلیل:

"عَنِ ابۡنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ عَامَلَ أَهۡلَ خَيۡبَرَ بِشَطۡرِ مَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرٍ أَوۡ زَرۡعٍ" (ترمذی، ج:1، ص:166) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل خیبر سے آدھی پیداوار پر معاملہ فرمایا چاہے وہ پھل کی ہو یا کھیتی کی ہو، مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کیا تھا وہ مزارعت کا معاہدہ تھا وہ معاہدہ یہ تھا کہ اہل خیبر ان زمینوں کی کاشت کریں گے اور باغات کو پانی دیں گے اور جو پھل اور پیداوار ہوگی اس کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا ہوگا، لہذا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزارعت فرمائی تو اس کے عدم جواز کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

جب فتوی اور عمل صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے تو صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مزارعت کی چار قسمیں ہیں یعنی بالعموم جو صورتیں انسانوں کے مابین عمل میں ہیں وہ چار ہیں نہ کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک **چار شکلیں** جائز والی ہیں:

پہلی قسم:- قسم یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کا ہو کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو یہ صورت جائز ہے اس مثال میں جس کی زمین اور بیج ہے پورا غلہ اس کا ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل کو اجرت پر لیا اور اس طرح پر لینا جائز ہے۔

دوسری قسم:- زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کا ہو تو مزارعت کی یہ صورت بھی جائز ہے اس صورت میں کام، بیل اور بیج والے نے گویا کہ زمین کو غلہ کے لئے اجرت پر لیا ہے اس لیے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔

تیسری قسم:- اور اگر زمین بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ زمین بیج اور بیل والے نے کام والے کو اجرت پر لیا ہے اس لیے یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی۔

چوتھی قسم:-اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کا ہو تو یہ باطل ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے، ورنہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ بیل زمین کے تابع نہیں ہوگا، کیوں کہ دونوں کی منفعت مختلف ہے زمین غلہ اگانے کے لئے ہے اور بیل پھاڑنے کے لئے ہے لہذا جب بیل تابع نہیں ہوسکتا تو بیج والا صرف زمین کو اجرت پر لے سکے گا اور بیل کو پیدا شدہ غلہ کے بدلہ اجرت پر لیتے ہیں جو غلہ بعد میں زمین ہی سے پیدا ہوگا اس کے بدلہ بیل کو اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے اس لیے بیل نہ زمین کے تابع ہوا اور نہ پیدا ہونے والے غلہ کے بدلہ اجرت پر لیا جا سکا اس لیے بیل استعمال کرنے کی شرط مفت رہی اس لیے مزارعت کی یہ صورت فاسد ہوگی یہاں فتوی ظاہر الروایت پر ہی ہے۔

مزارعت کے صحیح ہونے کی شرائط:

مزارعت کے جواز کی **آٹھ شرائط** ہیں:

① - زمین زراعت کے لائق ہو۔

② - زمین کا مالک اور مزارع اہلِ عقد میں سے ہوں، بچہ یا مجنون نہ ہوں۔

③ - مدت مذکور ہو۔

④ - بیج جس کے ذمہ ہوں وہ متعین ہو۔

⑤ -جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں، اس کا حصہ متعین ہو۔

⑥ - رب الارض زمین عامل کے حوالے کر دے۔

⑦ - پیداوار نکلنے کے بعد دونوں کی مشترک ہو۔

⑧ - بیج کی جنس معلوم ہو۔

774 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ وَاصِلِ بْنِ أَبِي جَمِيلٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: اشْتَرَكَ أَرْبَعَةُ نَفَرٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ وَاحِدٌ: مِنْ عِنْدِي الْبَذْرُ، وَ قَالَ الْآخَرُ: مِنْ عِنْدِي الْعَمَلُ، وَ قَالَ الْآخَرُ: مِنْ عِنْدِي الْفَدَّانُ، وَ قَالَ الْآخَرُ: مِنْ عِنْدِي الْأَرْضُ. قَالَ: فَأَلْغَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبَ الْأَرْضِ، وَ جَعَلَ لِصَاحِبِ الْفَدَّانِ أَجْرًا مُسَمًّى، وَ جَعَلَ لِصَاحِبِ الْعَمَلِ دِرْهَمًا لِكُلِّ يَوْمٍ، وَ أَلْحَقَ الزَّرْعَ كُلَّهُ بِصَاحِبِ الْبَذْرِ.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چار افراد نے شرکت کی تو ان میں سے ایک نے کہا بیج میری طرف سے ہوگا دوسرے نے کہا کام میں کروں گا تیسرے نے کہا آلات میری طرف سے ہوں گے (بیل اور ہل وغیرہ) اور چوتھے نے کہا زمین میری ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین والے کی بات کو لغو قرار دیا (کوئی حصہ نہ دیا) آلات

والے کے لئے حصہ مقرر فرمایا کام کرنے والے کو یومیہ ایک درہم دیا اور تمام کھیتی بیج والے کے لئے مقرر فرمادی ہے۔

لغات: اَلْفَدَّان: دال پر تشدید اور تخفیف دونوں درست ہے، بیلوں کی جوڑی جس سے ہل چلایا جاتا ہے۔

وضاحت:

"اِشْتَرَكَ أَرْبَعَةٌ" یہ مزارعت فاسدہ تھی، کیونکہ مزارعت میں صرف بیج اور صرف گائے کی وجہ سے مزارعت میں حصہ نہیں مل سکتا، اس لئے پیداوار، بیج والے کو دیدی کیونکہ پیداوار بیج کا اضافہ ہوتی ہے، اور اس حکم دیا کہ گائے والے کو گائے کی اجرتِ مثل اور عمل والے کو اس کے عمل کی اجرتِ مثل دیدے، اور زمین کے مالک کو کچھ نہ دیا، اور یہ ایک روایت ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زمین کا مالک بھی اجرتِ مثل کا مستحق ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَى مَنْ آجَرَ شَيْئًا بِأَكْثَرَ مِمَّا اسْتَأْجَرَهُ

مقررہ اجرت سے زائد مکروہ ہے!

775 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَسْتَأْجِرُ الْأَرْضَ ثُمَّ يُؤَاجِرُهَا بِأَكْثَرَ مِمَّا اسْتَأْجَرَهَا. قَالَ: لَا خَيْرَ فِي الْفَضْلِ إِلَّا أَنْ يُحْدِثَ فِيهَا شَيْئًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں جس نے زمین اجارہ پر لی پھر اس سے زیادہ اجرت پر کسی کو دیدی: اس زیادتی میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس میں کوئی نئی چیز پیدا کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو لیتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح:

کرایہ پر لینے والا اگر اس قیمت سے زیادہ اجرت پر دے جس پر اس نے اسے لیا ہے تو اس صورت میں اگر اجرت اسی جنس سے ہو جس پر اس نے اسے کرایہ پر لیا تھا اور اس نے اس میں کوئی اضافہ وغیرہ نہیں کیا تو اجرت میں زیادتی اس کے لیے مناسب نہیں، اسے زائد پیسوں کو صدقہ کر دینا چاہیے، لیکن اگر اس میں کچھ اضافہ کر لیا ہو تو زائد اجرت لے سکتا ہے یا اگر اس چیز کے بدلے میں دے جس کے بدلے اس نے اسے اجرت پر نہیں لیا ہے، تب بھی زیادتی جائز ہو جائے گی۔

776 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ أَبِي الْحَصِينِ عُثْمَانَ بْنِ عَاصِمٍ الثَّقَفِيِّ، عَنِ ابْنِ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ مَرَّ بِحَائِطٍ فَأَعْجَبَهُ، فَقَالَ: لِمَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: لِي يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَأْجَرْتُهُ، قَالَ: لَا تَسْتَأْجِرْهُ بِشَيْءٍ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابن رافع رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ

ﷺ ایک باغ سے گزرے تو آپ کو باغ پسند آیا فرمایا یہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ میرا ہے میں نے اسے اجرت پر حاصل کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سے کچھ بھی اجرت پر حاصل نہ کرو۔

وضاحت:

اس روایت کا تعلق گزشتہ باب سے ہے اور اس میں مزارعت کی دوسری صورت کا ذکر ہے۔

777 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ أَبِي نَجِيحٍ، عَنِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، فَحَرَامٌ بَيْعُ رِبَاعِهَا، وَأَكْلُ ثَمَنِهَا، وَقَالَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ أُجُورِ بُيُوتِ مَكَّةَ شَيْئًا فَإِنَّمَا يَأْكُلُ نَارًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، يُكْرَهُ أَنْ تُبَاعَ الْأَرْضُ، وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْبِنَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل جلالہ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا پس اس کے مکانات بیچنا اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے اور جو شخص مکہ مکرمہ کے مکانات کی اجرت سے کھائے گا وہ آگ کھائے گا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ زمین بیچنا مکروہ ہے عمارت بیچنا مکروہ نہیں۔

تشریح:

یہ مسئلہ کتاب المناسک کے آخری باب میں گزر چکا ہے۔

بَابُ الْعَبْدِ يَأْذَنُ لَهُ سَيِّدُهُ فِي التِّجَارَةِ أَنَّهُ ضَامِنٌ

غلام کو آقا نے تجارت کی اجازت دی تو وہ ضامن ہے!

778 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَبْدِ يَأْذَنُ لَهُ سَيِّدُهُ فِي التِّجَارَةِ فَصَارَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَأَعْتَقَهُ صَاحِبُهُ، أَنَّ عَلَيْهِ قِيمَتَهُ، فَإِنْ فَضَلَ عَلَيْهِ بَعْدَ قِيمَتِهِ مِنَ الدَّيْنِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ فَضْلٌ طَلَبَ الْغُرَمَاءُ الْعَبْدَ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ مِنْ فَضْلٍ، وَإِنْ بَاعَهُ السَّيِّدُ غَرِمَ لِلْغُرَمَاءِ ثَمَنَهُ، فَإِنْ أَعْتَقَ الْعَبْدَ يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ أَخَذَهُ الْغُرَمَاءُ بِمَا كَانَ فَضَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ بَعْدَ ثَمَنِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا أَجَازَ الْغُرَمَاءُ الْبَيْعَ، فَإِنْ لَمْ يُجِيزُوهُ كَانَ لَهُمْ أَنْ يَنْقُضُوهُ حَتَّى يُبَاعَ الْعَبْدُ لَهُمْ فِي دَيْنِهِمْ، إِلَّا أَنْ يَقْضِيَهُمُ الْبَائِعُ، أَوِ الْمُشْتَرِي دَيْنَهُمْ، فَيَجُوزُ الْبَيْعُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس غلام کو اس کا آقا تجارت کی اجازت دے پس وہ مقروض ہو جائے اور اس کا

مالک اسے آزاد کردے تو اس (مالک) پر اس کی قیمت ہوگی اگر اس کی قیمت سے قرض سے کچھ بچ جائے تو قرض خواہ غلام سے اس زائد قرض کا مطالبہ کریں اور اگر آقا نے اسے بیچ دیا تو وہ قرض خواہوں کے لئے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا پھر اگر کسی دن وہ غلام آزاد ہو جائے تو قیمت سے زائد قرض میں قرض خواہ اسے پکڑیں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے جب قرض خواہ اس کو بیچنے کی اجازت دیں اور اگر وہ اسے جائز قرار نہ دیں تو ان کو اس بیع کے توڑنے کا حق ہے حتی کہ اس غلام کو ان کے قرض کے سلسلے میں بیچا جائے ہاں بیچنے والا یا خریدنے والا ان کا قرض ادا کرے تو سودا جائز ہو جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ماذون فی التجارت غلام اگر، قروض بن جائے؟

آقا اگر اپنے غلام کو اذن عام دے دے تو وہ ہر قسم کی تجارت وغیرہ کر سکتا ہے، اس کے لیے خرید و فروخت اور رہن رکھنا رکھانا سب جائز ہے، اس پر جو دیون آئیں گے وہ اس کی رقبہ سے متعلق ہوں گے، قرض خواہوں کے دیون کی ادائیگی کے لیے اسے بیچا جائے گا الا یہ کہ مولی اس کے دیون ادا کردے، اس کے بیچنے سے جو پیسے حاصل ہوں گے، وہ قرض خواہوں میں ان کے حصص کے حساب سے تقسیم کیے جائیں گے، اس کے بعد بھی اگر اس پر کچھ دین باقی بچے تو اس کی آزادی کے بعد اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

مولی اگر عبد ماذون کو آزاد کردے اور اس پر لوگوں کے قرضے ہوں تو غلام آزاد ہو جائے گا اور مولی قرضخواہوں کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس لیے کہ مولی نے اسے آزاد کر کے ان کے حقوق کو تلف کر دیا ہے، لہذا وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اگر اس کے بعد بھی اس پر کچھ دین باقی بچے تو اس کا مطالبہ اس غلام سے کیا جائے گا جو آزاد ہو گیا ہے، اس لیے کہ دین اس کے ذمہ میں ہے۔

بَابُ ضَمَانِ الْأَجِيرِ الْمُشْتَرِكِ

اجیر مشترک کی ضمانت!

779- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّ شُرَيْحًا لَمْ يَضْمَنْ أَجِيرًا قَطُّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، لَا يَضْمَنُ الْأَجِيرُ الْمُشْتَرِكُ إِلَّا مَا جَنَتْ يَدُهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ اجیر (مزدور) کو بالکل ضامن قرار نہیں دیتے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے ان کے نزدیک اجیر مشترک صرف اس چیز کے نقصان کا ضامن ہوگا جو اس کے ہاتھوں ہوا۔

780- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ، عَنْ بِشْرٍ أَوْ بَشِيرٍ، شَكَّ مُحَمَّدٌ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ كَانَ لَا يُضَمِّنُ الْقَصَّارَ، وَلَا الصَّائِغَ، وَلَا الْحَائِكَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دھوبی، رنگساز، اور جولاہے پر ضمان نہیں ڈالتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: القصّار: دھوبی، الصّائغ: رنگ ساز، الحائك: جولاہا۔

اجارہ کا لغوی اصطلاحی معنیٰ:

اجارہ لغت کے اعتبار سے اجرۃ کا اسم ہے۔ اس مزدوری کو کہتے ہیں کہ جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو لیکن اکثر اس کا استعمال ایجار مصدر کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا بعض اہل لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے الغرض اختلاف اس بات میں ہے کہ لفظ اجارہ باب افعال سے ہے یا باب مفاعلہ سے صاحب کشاف علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں بابوں سے تسلیم کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: اجارہ وہ عقد ہے جو معلوم معاوضہ پر منافع معلومہ پر ہوتا ہے خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی مثلاً گھر کی رہائش کے منافع چوپایہ کی سواری کے عوض دینا۔ صاحب جوہرۃ النیرۃ نے یہ تعریف کی ہے۔ اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر مال کے عوض ہوتا ہے اور منافع جس قدر پائے جائیں اس حساب سے اجارہ منعقد ہوتا رہتا ہے۔

الحاصل: ایک جانب سے منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلاً روپے، پیسے، دراہم، دینار، کیلی، وزنی چیز ہو تو اس کو اجارہ کہتے ہیں۔

اجیر کی اقسام:

اجیر کی دو قسمیں ہیں: ①۔ اجیر مشترک، ②۔ اجیر خاص۔

①۔ اجیر مشترک جو کسی متعین شخص کا اجیر نہ ہو مثلاً درزی، دھوبی جو اپنی جگہ رہ کر کام کرتا ہے ان کو اجرت کام کر دینے پر ملے گی چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں کا کام لیتا ہے اس لیے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔

اجیر مشترک کے پاس اگر کوئی چیز جسے اس نے کام کرنے کیلئے لے رکھا تھا بغیر کسی تعدی کے عام آفت سے ہلاک ہو جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امانت ہونے کی وجہ سے اجیر پر اس کے ضیاع کا کچھ ضمان نہ ہوگا۔ لیکن حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں مشترک اجیر لوگوں کے اموال کی حفاظت میں سستی کرنے لگے ہیں اور یہی ان کا معمول بن گیا ہے اس لیے عام تباہی کے علاوہ صورت میں ایسے اجیروں پر حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر تاوان واجب کیا جائے گا تاکہ مفاسد کا سد باب ہو سکے۔ (شامی، ج:5، ص:55)

بعض حضرات نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، بعض نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے قول کو، متاخرین نے یہ فتوی دیا ہے کہ دونوں قولوں پر عمل کرنے کے لیے نصف پر صلح کر لی جائے۔

② - اجیر خاص جس کا دوسرا نام اجیر واحد بھی ہے اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے اور کسی دوسرے کا نہیں جیسے صبح سے شام تک مزدور اجرت پر لیتے ہیں یا مثلا ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا تو یہ اجیر خاص ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کام کم کرے یا نہ کرے صرف صبح سے شام تک خود کو مستاجر کے سپرد کر دے اس سے وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اجیر خاص کے ہاتھ میں جا کر کوئی چیز ضائع ہو جائے یا جو منافع وجود میں آئے تھے ان میں سے کچھ نفع ضائع ہو گیا تو ان دونوں کے ضائع ہونے پر اجیر خاص پر تاوان نہیں ہے مثلا بکری اس کے پاس سے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو گئی یا اس کے پاس سے غصب کر لی گئی تو اجیر پر بکری کا تاوان نہیں ہے یا بکری کے بچہ پیدا ہوا اور اجیر کے پاس مر گیا تو اس بچہ کا تاوان اجیر پر نہیں ہے کیوں کہ یہ مال امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہے اور بغیر تعدی کے امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان لازم نہیں آتا۔ (اللباب، ج:2، ص:33)

بَابُ الرَّهْنِ وَالْعَارِيَةِ وَالْوَدِيعَةِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَغَيْرِهِ

حیوان وغیرہ رہن رکھنا اور عاریت وامانت کے طور پر دینا!

781 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، أَنَّهُ قَالَ: فِي الْعَارِيَةِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالْمَتَاعِ مَا لَمْ يُخَالِفِ الْمُسْتَعِيرُ إِلَى غَيْرِ الَّذِي قَالَ فَسُرِقَ الْمَتَاعُ ، أَوْ أَضَلَّهُ ، أَوْ نَفَقَتِ الدَّابَّةُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ ضَمَانٌ . قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حیوان اور سامان کے بارے میں فرمایا: جو عاریت پر دیا گیا جب تک مستعیر معاہدے میں تبدیلی نہ کرے اگر وہ سامان چوری ہو جائے یا گم ہو جائے یا جانور مر جائے تو اس پر ضمان نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

عاریت کی لغوی تحقیق: عاریت تعاور سے مشتق ہے تداول کے معنی میں ہے کسی چیز کو باری باری لینا، عاریہ یاء کی تشدید اور یاء کی تخفیف دونوں طرح ہے مگر تشدید اصل ہے۔

اصطلاحی تعریف: کسی کو منافع کا بلا عوض مالک بنانا یعنی کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔ (عینی شرح کنز، ج:2، ص:182)

اصطلاحی الفاظ: ①-معیر عاریت پر دینے والا۔ ②-مستعیر عاریت پر لینے والا۔ ③-عاریت وہ چیز کی منفعت کا مالک بنایا جائے اس کو مستعار بھی کہتے ہیں۔

رکن: معیر کی طرف سے ایجاب عاریت کا رکن ہے اور مستعیر کی جانب سے قبول کرنا شرط نہیں ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کذا فی الفتاوی الہندیہ۔

عاریت کا حکم: عاریت امانت کے درجہ میں ہے اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو کوئی تاوان نہیں اور تعدی کے ذریعہ ہلاک ہونے پر تاوان لازم آئے گا۔

عاریت کا ثبوت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر حضرت صفوان بن امیہ سے کچھ زرہیں (لوہے کے جالی کے کرتے جولڑائی میں پہنتے ہیں) عاریہ لی تھیں۔ (ابوداؤد، ج:2، ص:501)

عاریت امانت ہے یا شیء مضمون:

جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے اور امانت اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو تاوان لازم نہیں ہوتا ہے شی مستعار کی ہلاکت کے بعد مستعیر پر وجوب ضمان کے متعلق اختلاف ہے۔

❁ احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ عاریت، پر مستعیر کا قبضہ، قبضہ امانت ہے لہٰذا اگر مستعیر کی زیادتی کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے تو اس کے ذمہ اس کا ضمان آئیگا لیکن اگر بغیر زیادتی کے آفت سماوی کی وجہ سے وہ عاریت ہلاک ہوگئی یا کوئی چوری کر کے لے گیا حالانکہ اس نے اس کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا تو اس صورت میں مستعیر پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔

دلیل: "عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَيْسَتِ الْعَارِيَةُ مَضْمُونَةً إِنَّمَا هُوَ مَعْرُوفٌ إِلَّا أَنْ يُخَالِفَ فَيَضْمَنُ".

(مصنف عبد الرزاق، ج:8، ص:179)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ عاریت کا ضمان نہیں ہے یہ تو ایک احسان ہے مگر یہ کہ مخالفت کرے تو ضامن ہو جائے گا اس اثر سے معلوم ہوا کہ عاریت امانت ہے بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو مستعیر پر تاوان نہیں ہے۔

❁ **شوافع** رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ عاریت مستعیر پر مضمون ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے کوئی چیز عاریت پر لی اور وہ چیز مستعیر کی زیادتی کے بغیر بھی ہلاک ہو جائے تو بھی اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس چیز کا تاوان معیر کو ادا کرے یعنی شی مستعار خود ہلاک ہو جائے یا اس کو ہلاک کر دے دونوں صورتوں میں عاریت کے اندر ضمان ہے امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ **دوسرا قول:** یہ ہے کہ اگر معیر نے ضمان کی شرط لگا دی تو تاوان لازم ہوگا ورنہ نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شی مستعار کی ہلاکت پوشیدہ ہے جیسے کپڑے تو ضمان ہوگا اور جس شی مستعار کی ہلاکت ظاہر ہے یعنی قرین قیاس ہو جیسے حیوان اس میں ضمان نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز، ج:2، ص:182)

شوافع رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے دن زرہیں عاریت پر لیں تو حضرت صفوان نے پوچھا اے محمد کیا غصب کے طور پر لے رہے ہو؟ "فَقَالَ لَا بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَة" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت پر لے رہا ہوں ضمان کے طور پر اس حدیث میں ہلاک اور استہلاک کی کوئی قید نہیں بلکہ بہرصورت عاریت کے متعلق کہا گیا کہ ضمان دیا جائے گا۔

جواب: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں بل عارية مضمونة کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد قاعدہ کلیہ اور حکم شرعی کے بیان کے طور پر نہیں ہے بلکہ صفوان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور ادھر مسلمانوں کو ہتھیاروں کی ضرورت تھی اس لیے خاص اس موقع کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ غصب کے طور پر نہیں بلکہ یہ عاریت ضمان والی ہوگی تاکہ صفوان عاریہ دینے پر مطمئن ہو جائیں اور وہ وقتی ضرورت مسلمانوں کی پوری ہو جائے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام عواری کا حکم یہی ہے۔ (بذل المجهود، ج:4، ص:302)

782 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَضْمَنُ الْعَارِيَةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ عاریت میں ضمان قرار نہیں دیتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

783 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا كَانَ الرَّهْنُ يُسَوِّي أَكْثَرَ مِمَّا فِيهِ فَهُوَ فِي الْفَضْلِ مُؤْتَمَنٌ، فَإِذَا كَانَ الرَّهْنُ أَقَلَّ مِمَّا رُهِنَ فِيهِ ذَهَبَ مِنْ حَقِّهِ بِقَدْرِ الرَّهْنِ، وَكَانَ مَا بَقِيَ عَلَى صَاحِبِ الرَّهْنِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جب رہن رکھی ہوئی چیز اس چیز سے قیمت میں زیادہ ہو جس کے بدلے میں رہن ہے تو زائد میں وہ امانتدار ہے اور اگر رہن اس قرض سے کم ہو تو رہن کے مقدار قرض ادا ہو جائے گا اور باقی رہن رکھنے والے راہن کے ذمہ ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

مرتہن رہن کو جب اپنے قبضہ میں لے لے گا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہو جائے گا لہذا اگر وہ چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت دین کے برابر ہو تو مرتہن حکما اپنا حق (یعنی دین) وصول کرنے والا شمار ہوگا، لیکن اگر رہن کی قیمت دین سے

زیادہ ہوتو وہ زیادتی مرتہن کے پاس امانت شمار ہوگی، اگر اس نے تعدی کی تو اس کا ضمان ہوگا اور اگر اس کی تعدی کے بغیر وہ ضائع ہوئی ہو تو اس پر کوئی ضمان نہیں آئے گا اور اگر رہن کی قیمت دین سے کم ہو تو دین کا اتنا حصہ ساقط ہو جائے گا اور مرتہن باقی ماندہ کے لیے راہن سے رجوع کرے گا۔

784 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ : أَتَى شُرَيْحًا رَجُلٌ وَ أَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ: دَفَعَ إِلَيَّ هَذَا ثَوْبًا لِأَصْبِغَهُ ، فَاحْتَرَقَ بَيْتِي، وَاحْتَرَقَ ثَوْبُهُ فِي بَيْتِي، قَالَ : اِدْفَعْ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ، قَالَ: أَدْفَعُ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ، وَ قَدِ احْتَرَقَ بَيْتِي؟ قَالَ : أَرَأَيْتَ لَوِ احْتَرَقَ بَيْتُهُ، أَكُنْتَ تَدَعُ أَجْرَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : لَا يَضْمَنُ مَا احْتَرَقَ فِي بَيْتِهِ، لِأَنَّ هَذَا لَيْسَ مِنْ جِنَايَةِ يَدِهِ.

ترجمہ: حضرت علی بن اقمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور میں بھی ان کے پاس تھا اس نے کہا اس شخص نے مجھے اپنا کپڑا رنگنے کے لئے دیا پس میرا گھر جل گیا اور گھر میں اس کا کپڑا بھی جل گیا انہوں نے فرمایا اسے اس کا کپڑا دو اس نے کہا میں اسے اس کا کپڑا دوں حالانکہ میرا گھر جل گیا ہے؟ فرمایا بتاؤ اگر اس کا گھر جل جاتا تو تو اپنی مزدوری چھوڑ دیتا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کے گھر میں جو کچھ جلا وہ اس کا ضامن نہیں کیونکہ یہ اس کا جرم نہیں ہے۔

تشریح:

ابھی گزر چکا ہے کہ اجیر مشترک کے پاس جو چیز ہوتی ہے وہ امانت ہوتی ہے اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا کوئی تاوان نہیں آتا، آگ لگنا بھی ایک آفت ہے لہذا اس کی وجہ سے اس پر ضمان نہیں آئے گا۔

بَابُ مَنِ ادَّعَى دَعْوَى حَقٍّ عَلَى رَجُلٍ

کسی شخص پر حق کا دعویٰ کرنا!

785 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ : اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي ، وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، وَ كَانَ لَا يَرُدُّ الْيَمِينَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور قسم مدعی علیہ پر ہے اور وہ قسم کو نہیں لوٹاتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دعوی کا لغوی اصطلاحی معنی:

دَعوی لغت میں اس قول کا نام ہے جس سے انسان دوسرے آدمی پر حق واجب کرنے کا ارادہ کرے۔

اصطلاحی تعریف: جھگڑے کے وقت کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے۔

اصطلاحی الفاظ: دعوی کرنے والے کو مدعی، جس پر دعوی کیا جائے اس کو مدعی علیہ اور جس چیز کا دعوی کیا جائے اس کو مدعی کہتے ہیں۔

مُدَّعِیْ اور مُدَّعیٰ عَلَیْہ کی تعریف:

مُدَّعِی وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور نہ کیا جائے یعنی دعوی کرنے کے بعد اگر وہ دعوی کو ترک کرنا چاہے تو اس کو ترک کر دے اس پر کسی طرح کا جبر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس کا اپنا حق ہے صاحب حق نے جب اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کو کون مجبور کر سکتا ہے گویا کہ اس نے معاف کر دیا۔

اور مُدَّعیٰ عَلَیْہ وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور کیا جائے یعنی مدعی کے دعوی کرنے کے بعد اس پر جواب دینا لازم ہے خصومت سے پہلو تہی کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ دوسرے کا حق ضائع ہونا لازم آتا ہے اس وجہ سے اس پر جبر ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی پر کسی چیز کا دعوی کرے تو قاضی مدعی علیہ سے پوچھے گا اگر وہ اعتراف کرلے تو قاضی اس مدعی کے حق میں اس کا فیصلہ کر دے گا اور اگر انکار کرے تو مدعی سے گواہ مانگے گا، اگر اس کے پاس گواہ ہوں تو ان کے ذریعہ فیصلہ کر دے گا، اگر گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ پر قسم آئے گی، مدعی پر قسم نہیں آئے گی، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو اس کے انکار کی وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ کر دے گا اور مدعی نے جو دعوی کیا ہے وہ اس پر لازم کر دے گا۔

بَابُ مَنْ أَحْدَثَ فِي غَيْرِ فِنَائِهِ فَهُوَ ضَامِنٌ

جو شخص اپنے صحن کے علاوہ میں کوئی چیز بنائے تو ضامن ہوگا

786 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَجْعَلُ فِي حَائِطِهِ الصَّخْرَةَ فَيَسْتُرُ بِهَا الْحَمُولَةَ، أَوْ يُخْرِجُ الْكَنِيفَ إِلَى الطَّرِيقِ قَالَ: يَضْمَنُ كُلَّ شَيْءٍ إِذَا أَصَابَ هَذَا الَّذِي ذَكَرْتُ: لِأَنَّهُ أَحْدَثَ شَيْئًا فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا يَمْلِكُ سَمَاءَهُ فَقَدْ ضَمِنَ مَا أَصَابَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو اپنی دیوار میں چٹان رکھے جس کے ذریعے اپنی سواری چھپائے یا راستے کی طرف بیت الخلاء بنائے: وہ ہر چیز کا ضامن ہوگا جب ان مذکورہ کاموں سے کسی کو تکلیف پہنچے کیونکہ اس نے ایسی جگہ میں کوئی چیز بنائی جس کا وہ مالک نہیں ہے اور نہ ہی وہ اوپر (آسمان) کا مالک ہے لہٰذا وہ نقصان کا ضامن ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: فِنَاء: گھر کے سامنے کا میدان، الحَمُولَة: بار برداری کا جانور، جمع حمولات، الکنیف: بیت الخلاء۔

شرح:

اگر کوئی شخص اپنی حدود چار دیواری یا ملکیت سے باہر کوئی چھجہ نکالتا ہے یا پتھر رکھتا ہے یا سیڑھی بناتا ہے اور اس سے کسی کو نقصان پہنچے تو یہ شخص تعدی کرنے والا کہلائے گا اور اس پر اس کا ضمان آئے گا۔ اسی طرح جانور کی حفاظت یا دھوپ سے بچاؤ کے لئے دیوار پر بڑا پتھر نصب کرنا درست نہیں ہے یہ مقصد چھوٹے پتھروں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لہذا یہ تعدی ہے۔

بَابُ الْأُضْحِيَّةِ وَإِخْصَاءِ الْفَحْلِ

قربانی کا جانور اور نر جانور کو خصی کرنا!

أُضْحِيَّة کی اصل اضحویۃ ہے واؤ اور یا جمع ہوئے اور واؤ ساکن ہے اس لئے واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا اور یاء کی مناسبت سے حاء کو کسرہ دے دیا اس کی جمع اضاحی ہے بتشدید الیاء۔

اصطلاحی تعریف: جس جانور کو قربت کی نیت سے دس گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو ذبح کرے۔ (اللباب، ج:3، ص:98)

مشروعیت: قربانی کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے ہے آیت میں ہے ﴿فصل لربك و انحر﴾ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور نحر کیجئے۔

قال بعض اهل التفسير المراد به الاضحية، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی نیز تمام مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔

787 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: اَلْأُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ مَا خَلَا الْحَاجَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی حاجیوں کے علاوہ شہر میں رہنے والے سب لوگوں پر واجب ہے۔ (اگر تمتع یا قران کریں تو اس کی قربانی ہوگی) حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی ہر اس مسلمان پر واجب ہوتی ہے، جو عاقل بالغ مقیم ہو، اور ایام قربانی میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا پیسہ یا دیگر اثاثہ اس کی حاجات اصلیہ سے زائد اس کی ملک میں موجود ہو اور یہ اثاثہ خواہ سونا چاندی کے زیورات ہوں یا مال تجارت ہو یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان ہو یا رہائشی مکان کے علاوہ زائد مکان ہو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

قربانی کے **واجب** اور **سنت** ہونے میں اختلاف ہے۔

- امام ربیعہ، ابوحنیفہ اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جس پر زکوٰۃ واجب ہے، اس پر قربانی بھی واجب ہے، تاہم میدان منیٰ میں حاجی پر یہ ائمہ قربانی واجب نہیں سمجھتے۔
- امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقیم شہری پر قربانی واجب ہے، مسافر پر نہیں۔ (شرح مھذب: ص ۲۹۹ ج ۸)
- ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صاحب استطاعت پر قربانی سنت واجبہ ہے۔
- امام شافعی، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم اور مشہور و مختار قول کے مطابق قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

ان اقوال کا تجزیہ کرنے میں صرف دو مسلک واضح ہوتے ہیں۔ ①- **وجوب** ②- **سنت**۔

- **ائمہ ثلاثہ، اکثر علماء رحمۃ اللہ علیہم:** قربانی سنت مؤکدہ ہے
- **احناف رحمۃ اللہ علیہم:** قربانی واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلائل:

① - عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا۔ (بخاری: کتاب الاضاحی ص ۸۳۲ ج ۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم بقر عید کے دن سب سے پہلے نماز عید ادا کرتے ہیں، پھر واپس آ کر قربانی ذبح کرتے ہیں۔ جس نے ہماری طرح کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا۔

② - عن انس بن مالك قال النبی ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔ (بخاری: ص ۸۳۲ ج ۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کی تو اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کی اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی پوری ہوگئی اور مسلمانوں کی سنت پر عمل کیا۔

③ - عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ۔ (مسلم مع نووی ص ۱۶۰ ج ۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ لے۔

اس حدیث میں قربانی کو قربانی کرنے والے کے ارادہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو پھر قربانی کرنا، قربانی کرنے والے کے ارادہ پر نہ چھوڑا جاتا، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”هذا دليل ان التصحية ليست بواجبة لقوله ﷺ وأراد فجعله مفوضا إلى أرادته ولو كانت واجبة لقال فلا يمس عن شعره حتى يضحى“۔ (شرح مہذب: ص ۳۰۰ ج ۸)

کہ یہ حدیث قربانی کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کو قربانی کرنے والے کے سپرد نہ کرتے بلکہ فرماتے کہ قربانی کرنے والا، قربانی ذبح کرنے سے پہلے بال اور ناخن نہ لے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وَلأَنَّ التضحية لو كَانَت واجبة لم تسقط بفوات عليل هذا كالجمعة وسائر الواجبات ووافقنا الحنفية على أنها إذا فاتت لا يجب القضاء عنها“۔ (شرح مہذب ج ۸ ص ۳۰۱)

یعنی اگر قربانی واجب ہوتی تو فوت ہوجانے کی صورت میں اس کی قضا واجب ہوتی، حالانکہ قضا لازم نہ ہونے میں خود حنفیہ، جو کہ وجوب کے قائل ہیں، بھی ہمارے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔

④ - محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ تو جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں نے کی ہے: جرت به السنة اور یہ سنت جاری ہے۔ (سنن ابن ماجه/كِتَابُ الْأَضَاحِي/حدیث: 3124) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

جواب: بعض اوقات سنت کا لفظ واجب کے لئے بول دیا جاتا ہے جیسے ختنہ کو سنت کہا گیا ہے حالانکہ ختنہ کرنا واجب ہے اس لئے قربانی کو واجب کہا جائے گا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اطلاق اسم السنة على الواجب جائز لان السنة عبارة عن الطريقة المرضية او السيرة الحسنة و كل واجب هذا صفته كذا“۔

ترجمہ: سنت کا اطلاق واجب پر ہوسکتا ہے، کیونکہ سنت پسندیدہ طریقے یا اچھی سیرت کو کہتے ہیں اور ہر واجب میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔ (البحر الرائق، باب العیدین، جلد 2، صفحہ 177، مطبوعہ بیروت)

نیز احادیث میں قربانی کو سنت کہا گیا ہے، یہ اس کے وجوب کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہاں سنت سے مراد پسندیدہ طریقہ اور اچھی خوبی ہے اور یہ صفت واجب میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا اسے عدمِ وجوب پر دلیل بنانا درست نہیں۔

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلائل:

قربانی کے لئے امر کا صیغہ:

قرآنِ کریم واحادیثِ طیبہ میں قربانی کے لیے امر (حکم) کا صیغہ وارد ہوا ہے اور مطلق امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ اس

کے خلاف پر قرینہ موجود نہ ہو۔ اللہ جلّ جلالہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ﴾، ترجمہ: ”تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو“۔ (سورۃ الکوثر، آیت 3)

حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یا ایھا الناس ضحوا“۔ ترجمہ: اے لوگو! قربانی کرو۔ (المعجم الاوسط، جلد 08، صفحہ 176، مطبوعہ قاھرۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ضحوا و طیبوا بھا انفسکم“۔ ترجمہ: قربانی کرو اور خوش دلی سے کرو۔ (مصنف عبد الرزاق، جلد 04، صفحہ 388، مطبوعہ کراچی)

مبسوط سرخسی میں ہے: ”وحجتنا فی ذلك قوله تعالی ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ﴾ ای انحر الاضحیة، الامر یقضی الوجوب“۔ ترجمہ: ہماری دلیل قربانی کے وجوب میں اللہ جلّ جلالہ کا یہ فرمان ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ﴾ یعنی قربانی کرو (اور) امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ (مبسوط سرخسی، کتاب الذبائح، جلد 12، صفحہ 11، مطبوعہ کوئٹہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مواظبت (ہمیشگی) فرمانا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عمل پر مواظبت (ہمیشگی) فرمائیں، تو یہ بھی دلیلِ وجوب شمار ہوتی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی پر بھی مواظبت فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”اقام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة عشر سنین یضحی کل سنة“۔ ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سال قربانی فرمائی۔ (جامع ترمذی، مطبوعہ بیروت)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے: ”مما یدل علی الوجوب مواظبته علیه الصلاۃ و السلام عشر سنین مدۃ اقامته بالمدینة“۔ ترجمہ: وجوب کے دلائل میں سے ایک دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام کے دوران قربانی پر مواظبت اختیار فرمانا بھی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب فی الاضحیة، جلد 3، صفحہ 1077، مطبوعہ بیروت)

قربانی نہ کرنے پر وعید:

استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر حدیث پاک میں وعید (زجر و توبیخ) وارد ہوئی ہے اور شریعتِ مطہرہ میں ایسا اسلوب واجب و لازم چیز چھوڑنے پر اختیار کیا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”من کان له سعة، ولم یضح، فلا یقربن مصلانا“۔ ترجمہ: جسے استطاعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اسے چاہیے کہ ہمارے مصلے (عیدگاہ) کے قریب بھی نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 02، صفحہ 1044، بیروت)

بدائع الصنائع اور مبسوط سرخسی میں مذکورہ حدیث پاک نقل کرنے کے بعد فرمایا: ”والنظم للثانی: ”والحاق الوعید لا

يكون الا بترك الواجب "۔ترجمہ: وعید کا الحاق ترکِ واجب پر ہی ہوتا ہے۔(مبسوط، کتاب الذبائح، جلد 12، صفحہ 11، کوئٹہ)

788۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: اَلْأُضْحٰى ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ: يَوْمُ النَّحْرِ، وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قربانی تین دن (تک) ہے یوم نحر اور اس کے بعد دو دن۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قربانی کتنے دن کرنا جائز ہے؟

قربانی کا وقت شہر میں نماز عید کے بعد اور گاؤں میں جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہویں کے غروب تک ہے۔ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے، مستحب یہ ہے کہ دن میں ذبح کرے لیکن رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ: تیرہ تاریخ کو بھی قربانی جائز قرار دیتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آتا ہے ایامِ تشریق سب ایام ذبح ہیں۔

جواب: روایات میں تعارض ہے، اس لیے جو ایام یقینی ہیں ان کو لے لیا یعنی تین دن اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

احناف اور امام مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم: حضرت عمر، علی، ابن عباس، انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں آتا ہے کہ ان حضرات نے فرمایا ایامِ نحر تین ہیں، ان میں پہلا دن افضل ہے۔

فوائد: اگر شہر یا قصبہ یا ایسے بڑے گاؤں میں جہاں نماز عید اور نماز جمعہ جائز ہو جاتی ہے اگر اس میں کسی جگہ نماز عید ادا ہو جائے تو پورے شہر یا پورے قصبہ یا پورے گاؤں والوں کے لئے قربانی کرنا جائز ہے اگر کوئی دیہاتی نماز عید کے لئے شہر آتا ہے تو اس کی قربانی دیہات میں صبح صادق کے بعد شہر کی نماز سے قبل جائز ہے۔

789۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَابِطٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ، ذَبَحَ أَحَدَهُمَا عَنْ نَفْسِهِ، وَالْآخَرَ عَمَّنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن سابط رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو کالے سفید مینڈھے ذبح کئے (سیاہ و سفید رنگ والے) ایک اپنی طرف سے اور دوسرا ان لوگوں کی طرف سے جو لا الہ الا اللہ کہے۔ (یعنی مسلمانوں کی طرف سے)۔

تشریح:

قربانی میں موٹا تازہ صحت مند جانور ذبح کرنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عمدہ قسم کے دو خوبصورت صحت مند مینڈھے ذبح کیے تھے، ایک اپنی طرف سے قربانی کا تھا، دوسرا اپنی امت کی طرف سے نفلی تھا۔

790۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ كِدَامِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي كِبَاشٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: نِعْمَ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ السَّمِينُ مِنَ الضَّأْنِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابو کباش رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے۔قربانی کے لئے بہترین جانور مینڈھوں میں سے موٹا جذعہ (چھ مہینے کا بچہ) ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

ذبح کے وقت جانور کی عمر کتنی ہونی چاہیے؟

قربانی کے جانور کی قربانی درست ہونے کے لیے ان کے لیے ایک خاص عمر کی تعیین ہے، یعنی بکرا، بکری وغیرہ کی ایک سال، گائے ، بھینس وغیرہ کی دو سال، اور اونٹ ، اونٹنی کی عمر پانچ سال پورا ہونا ضروری ہے، دنبہ اور بھیڑ وغیرہ اگر چھ ماہ کا ہو جائے، لیکن وہ صحت منداور فربہ ہونے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی درست ہوگی (جیسا کہ حدیث بالا میں آیا ہے)۔

اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ ان جانوروں کی اتنی عمریں ہوگئیں ہیں (مثلاً: جانور کو اپنے سامنے پلتا بڑھتا دیکھا ہو اور ان کی عمر بھی معلوم ہو) تو ان کی قربانی درست ہے، پکے دانت نکلنا ضروری نہیں، بلکہ مدت پوری ہونا شرط ہے۔تاہم آج کل چوں کہ فساد کا غلبہ ہے؛ اس لیے صرف بیوپاروں کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لیے احتیاطاً دانت کو عمر معلوم کرنے کے لیے علامت کے طور پر مقرر کیا گیا ہے، دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آ سکتا، ہاں زیادہ عمر کا آنا ممکن ہے، یعنی تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ مطلوبہ عمر سے پہلے جانور کے دو دانت نہیں نکلتے ۔(الفتاوی الهندية (297/5)

791۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ الْأَعْوَرُ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَلِيِّ بن أبي طالب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: الْبَقَرَةُ تُجْزِءُ عَنْ سَبْعَةٍ يُضَحُّونَ بِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

قربانی کے جانور میں شرکت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

❁ **امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم:** کا مذہب یہ ہے کہ ایک بکری پورے ایک گھر والوں کی طرف سے کرنا جائز ہے حتی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک گھر میں کئی افراد صاحب نصاب ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی طرف سے قربانی کی ضرورت نہیں بلکہ اگر ایک بکری کی قربانی کر دی جائے تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گی بشرطیکہ وہ سب آپس میں رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم**:** کا مذہب یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے ایک بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی۔

امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا۔

جواب: اس حدیث کو ثواب میں شرکت پر محمول کیا جائے گا یعنی ایک شخص اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے سارے اہل بیت کو شریک کرلے تو یہ جائز ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے قربان کیا اور دوسرا قربان کر کے فرمایا یہ میری امت میں سے جو لوگ قربانی نہ کرسکیں ان کی طرف سے قربانی کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب امت کی طرف سے قربانی ساقط ہوگئی اسی طرح حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** ہر صاحبِ نصاب عاقل بالغ مسلمان کے ذمہ قربانی کرنا واجب ہے، اگر ایک گھر میں متعدد صاحبِ نصاب افراد ہوں تو ایک قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوگی، بلکہ گھر میں رہنے والے ہر صاحبِ نصاب شخص پر الگ الگ قربانی کرنا لازم ہوگی، کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر صاحبِ نصاب پر مستقل علیحدہ قربانی کرنا واجب ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قربانی ایک عبادت ہے، لہٰذا دیگر عبادات (نماز، روزہ، حج، زکاۃ) کی طرح قربانی بھی ہر مکلف کے ذمہ الگ الگ واجب ہوگی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک بھی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قربانی الگ فرمایا کرتے تھے اور ازواجِ مطہرات کی طرف سے الگ قربانی فرمایا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قربانی مستقل طور پر ہوتی تھی، چنانچہ اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ ایک قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہے۔

باقی ترمذی شریف میں ایک روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا تھا اور اسی بکری سے خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا، چنانچہ اس حدیث کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک بکری ایک آدمی کے پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے، حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک گھر میں کئی صاحب نصاب افراد ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی طرف سے قربانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر ایک بکری کی قربانی کردی جائے تو سب کی طرف سے کافی ہوجائے گی، بشرطیکہ وہ سب آپس میں رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث ثواب میں شرکت پر محمول ہے، یعنی اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے ساتھ سارے گھر والوں کو شریک کر لے تو یہ جائز ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے قربان فرمایا اور دوسرا مینڈھا قربان کر کے فرمایا: " هذا عن من لم يضح من أمتي " یعنی میں یہ قربانی اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے کر رہا ہوں جو قربانی نہ کر سکیں، لہٰذا جس طرح اس حدیث سے یہ مطلب لینا قطعاً درست نہیں ہوگا کہ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے ایک مینڈھا قربان فرمادیا؛ اس لیے اب امت کے ذمہ سے قربانی ساقط ہوگئی، بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثواب میں ساری امت کو اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

اسی طرح ترمذی شریف میں مذکور حدیث سے بھی یہ مطلب لینا درست نہیں کہ ایک صاحب نصاب آدمی ایک بکری کی قربانی اپنی طرف سے اور گھر کے دیگر صاحب نصاب افراد کی طرف سے کرتا تھا اور سب کے ذمہ سے واجب قربانی ساقط ہوجاتی تھی، بلکہ حدیث شریف کا صحیح کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں غربت عام ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک گھر کے اندر ایک ہی شخص صاحب نصاب ہوتا تھا، اس وجہ سے پورے گھر میں ایک ہی شخص کے ذمہ قربانی واجب ہوتی تھی، باقی لوگوں کے ذمہ صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہی نہ ہوتی تھی؛ اس لیے پورے گھر میں سے صرف ایک ہی آدمی قربانی کیا کرتا تھا، لیکن قربانی کرنے والا اپنے گھر کے تمام افراد کو اس قربانی کے ثواب میں شریک کر لیتا تھا۔

اس کے علاوہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر ایک بکری پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوتی تو جن حدیثوں میں بڑے جانور (گائے، اونٹ، وغیرہ) کو سات کی طرف سے متعین کیا گیا ہے، اس کے کیا معنی ہوں گے؟ کیوں کہ نصوص کی روشنی میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایک بکری گائے کے ساتویں حصے کے برابر ہے، لہٰذا اگر ایک گائے میں آٹھ آدمی شریک ہوجائیں تو بمقتضائے تحدید" البقرة عن سبعة " کسی کی بھی قربانی جائز نہیں ہوگی، ورنہ تحدید بے کار ہوجائے گی، جب کہ اگر ایک گھر میں مثلاً دس افراد صاحبِ نصاب ہوں تب بھی ایک بکری گھر کے تمام دس افراد کی طرف سے کافی ہوجائے اور سب کی قربانی ادا ہوجائے تو یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک بکری تو دس افراد کی طرف سے کافی ہوجائے اور ایک گائے آٹھ افراد کی طرف سے کافی نہ ہو، اور اگر یہ کہا جائے کہ گائے کا ساتواں حصہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوجائے گا تو پھر تو ایک گائے کے اندر صرف سات افراد نہیں بلکہ ساٹھ، ستر افراد کی قربانی ہوسکے گی جو کہ واضح طور پر نصوص کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گھر میں متعدد صاحبِ نصاب افراد ہونے کی صورت میں تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ گھر کے ہر صاحبِ نصاب فرد پر اپنی اپنی قربانی کرنا واجب اور لازم ہے، گھر کے کسی ایک فرد کے قربانی کرنے سے باقی

افراد کے ذمہ سے واجب قربانی ساقط نہیں ہوگی۔

792۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يُطْعِمُ أُضْحِيَّتَهُ، وَلَا يَأْكُلُ مِنْهَا شَيْئًا، قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں جو قربانی کا گوشت (دوسروں کو) کھلا دیتا ہے اور خود اس سے نہیں کھاتا وہ فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

قربانی کے جانور کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے، قربانی چوں کہ عبادت ہے، اس لیے اس کا گوشت کھانا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر جانور کے گوشت کی ایک ایک بوٹی ہانڈی میں ڈال کر پکوائی اور اس کا شوربہ پیا۔

293۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْأُضْحِيَّةِ يَشْتَرِيهَا الرَّجُلُ وَهِيَ صَحِيحَةٌ، ثُمَّ يَعْرِضُ لَهَا عَوَرٌ، أَوْ عَجَفٌ، أَوْ عَرَجٌ قَالَ: تُجْزِئُهُ إِنْ شَاءَ اللهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، لَا تُجْزِءُ إِذَا عَوِرَتْ، أَوْ عَجِفَتْ عَجَفًا لَا تُنْقِي، أَوْ عَرِجَتْ حَتَّى لَا تَسْتَطِيعَ أَنْ تَمْشِيَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے: جس شخص نے قربانی کا جانور صحیح سالم حالت میں خریدا پھر وہ بھینگا (کانا)، کمزور یا لنگڑا ہو جائے تو وہ اس کی طرف سے ان شاء اللہ کافی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہم اس قول کو نہیں لیتے، جب وہ بھینگا ہو جائے یا ایسا کمزور ہو جائے کہ اس کا گودا نہ رہے یا اس قدر لنگڑا ہو جائے کہ چل نہ پائے تو کافی نہیں ہے، اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: عَوَرٌ: کانا ہونا، عجف، کمزور ہونا، دبلا ہونا، خرج لنگڑا ہونا، لَا تُنْقِي: باب افعال، گودے دار ہونا یہ النقی سے ہے، ہڈی کا مغز اور گودا۔

عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں!

اگر قربانی کا جانور اندھا ہو، کانا ہو یا ایسا لنگڑا ہو کہ مذبح تک خود نہیں جا سکتا ہے یا بہت وبلا لاغر بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر اتنا دبلا نہ ہو تو دبلا ہونے سے کچھ حرج نہیں یعنی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرتی ساخت ایسی ہی ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

اگر جانور کا پورا کان یا پوری دم کٹی ہوئی ہو تو قربانی کرنا جائز نہیں، ایسے ہی اگر جانور کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جس کی دم تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو اور اگر آدھے سے کم کان کٹا ہوا ہو یا آدھی سے کم دم کٹی ہوئی ہو تو جائز ہے۔

جس جانور کے پیدائش سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے یا اوپر کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی درست ہے البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں، خصی کی قربانی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقرعید کے دن دو سینگ والے چتکبرے خصی کی قربانی کی اسی طرح اگر کوئی جانور کھجلی والا ہے لیکن موٹا تازہ ہے تو قربانی جائز ہے، کیونکہ تھوڑی بہت کھجلی ہونا عیب نہیں، اسی طرح جانور دیوانہ ہو لیکن گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

794- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ تَشْتَرِي بِجِلْدِ أُضْحِيَّتِكَ مَتَاعًا، وَلَا تَبِيعُهُ بِدَرَاهِمَ - قَالَ إِبْرَاهِيمُ: أَمَّا أَنَا فَأَتَصَدَّقُ بِجِلْدِ أُضْحِيَّتِي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر تم قربانی کے جانور کی کھال کے بدلے کوئی سامان خرید و تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے درہم کے بدلے نہ بیچو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اپنی قربانی کی کھال صدقہ کر دیتا ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قربانی کے جانور کی کھال کا حکم:

قربانی کی کھال کا وہی حکم ہے جو اس کے گوشت کا حکم ہے، کھال جب تک موجود ہو تو قربانی کرنے والے کو اس میں تین قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں:

① - خود استعمال کرنا۔

② - کسی کو ہدیہ کے طور پر دینا۔

③ - فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا۔

البتہ اگر کوئی خود استعمال کرنا چاہتا ہے تو استعمال کر سکتا ہے کہ دباغت کے ذریعے پاک کر کے اسے جائے نماز وغیرہ بنا لی جائے اور نماز پڑھنے کے لیے استعمال کی جائے، یا کنویں سے پانی نکالنے کے لیے ڈول وغیرہ بنا لیا جائے۔ (فتاوی ہندیہ)

195- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ يُضَحَّى بِهِ قَالَ: يُجْزِءُ، وَالمثنى أَفْضَلُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، مینڈھوں میں سے اس جذع کے بارے میں جس کی قربانی کی جاتی ہے، فرماتے ہیں: وہ کافی ہے اور ثنیّہ بہتر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو لیتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وضاحت:

ثنیہ سے مراد بھیڑ، بکری میں ایک سال کا جانور ہے، گائے، بیل وغیرہ میں دو سال کا اور اونٹ میں پانچ سال والے کو ثنی کہا جاتا ہے۔

796 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ: سُئِلَ إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْخَصِيِّ وَ الْفَحْلِ أَيُّهُمَا أَكْمَلُ لِلْأُضْحِيَّةِ؟ فَقَالَ: الْخَصِيُّ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا طُلِبَ بِذَلِكَ صَلَاحُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَسْمَنُهُمَا وَ أَقْصَدُهُمَا خَيْرُهُمَا، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے خصی اور غیر خصی نر جانور کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان میں سے کس جانور کی قربانی زیادہ کامل ہے تو فرمایا خصی جانور کی قربانی (افضل ہے) کیونکہ یہ اس کی بھلائی کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان میں سے جو زیادہ موٹا تازہ اور درمیانہ جانور ہو وہ زیادہ بہتر ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

خصی جانور کی قربانی:

خصی جانور زیادہ موٹا تازہ اور اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اس لیے اسے اولیٰ وافضل قرار دیا گیا ہے، لیکن اگر غیر خصی جانور اس سے زیادہ صحت منداور تگڑا ہو تو اس کی قربانی افضل ہوگی۔

797 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِإِخْصَاءِ الْبَهَائِمِ إِذَا كَانَ يُرَادُ بِهِ صَلَاحُهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جانوروں کے خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اس سے ان کی بہتری مقصود ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس قول کو لیتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

جانوروں کو خصی کرنے کا حکم:

جانور کو خصی کرنا جائز ہے، اس میں شرعاً کچھ حرج نہیں، بس یہ خیال رہے کہ اس عمل کے دوران جانور کو کم از کم تکلیف ہو، اگر کوئی یہ کام کرتا ہو اور یہ اس کا پیشہ ہو تو وہ اس کے عوض پیسے بھی لے سکتا ہے، اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔

(الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (388/6)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جانور کا خصی ہونا عیب نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے، مشکوۃ شریف میں ہے: "عن جابر رضی اللہ عنہ قال: ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أملحین موجوئین" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن دو چتکبرے (سیاہ وسفید رنگ والے) سینگ والے خصی مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸ باب الاضحیہ)

798 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ. أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَذْكُرَ اسْمُ إِنْسَانٍ مَعَ اسْمِ اللهِ عَلَى ذَبِيحَتِهِ. أَنْ يَقُولَ: بِسْمِ اللهِ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ اپنا جانور ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ کسی انسان کا نام ذکر کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے، (یعنی) یوں کہے اللہ کے نام کے ساتھ فلاں کی طرف سے قبول فرما۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو لیتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا:

غیر اللہ کے نام پر جانور کو ذبح کرنا حرام ہے اور اگر جانور کے ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب بھی مقصود ہو تو ایسے فعل سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اثر میں مراد یہ ہے کہ ذبح اللہ جل جلالہ کے نام پر اس طرح کرنا چاہیے کہ کسی کے نام کے ذکر کرنے سے یہ اشتباہ نہ ہو کہ یہ اس کے نام پر ذبح کیا جارہا ہے، اللہ جل جلالہ کے نام سے ذبح کر کے جس کی طرف سے ذبح کر رہے ہیں، اس کا نام لے لے، لیکن متصلا اس طرح ذکر نہ کرے کہ اس میں شرک یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کا شبہ پایا جائے۔

بَابُ الذَّبَائِحِ

ذبیح کا بیان!

الذبائح یہ ذبیحة کی جمع ہے ذبیح اور ذبح اصل میں مذبوح جانور کو کہتے ہیں لیکن مجازا اس جانور کو کہتے ہیں جو عنقریب ذبح کیا جائے گا۔

799 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: فِي كُلِّ مُسْلِمٍ اسْمُ التَّسْمِيَةِ سَمَّى أَوْ لَمْ يُسَمِّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قول أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا تَرَكَ التَّسْمِيَةَ نَاسِيًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان میں اللہ کا نام موجود ہے وہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے جب کہ ذبح کرنے والے نے بھول کر بسم اللہ چھوڑی ہو۔

800 - مُحَمَّدٌ قال: أخبرنا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ رَجُلٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ذَكَاةُ كُلِّ مُسْلِمٍ حِلَّتُهُ. يَعْنِي بِذَلِكَ: أَنَّ الرَّجُلَ يَذْبَحُ وَيَنْسَى أَن يُسَمِّيَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَكلِ ذَبِحَتِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمان کے ذبح کر دینے سے ہی جانور حلال ہوتا ہے۔ ان کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان جانور ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اس کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔

ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا:

اگر کسی نے ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو وہ ذبیحہ مردار کہلائے گا اور اس کا کھانا حرام ہے اور اگر بھول سے چھوٹ گیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے ❁ **یہ مذہب احناف** رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

❁ **شوافع** رحمۃ اللہ علیہ **کا مذہب** یہ ہے کہ بسم اللہ کو جان بوجھ کر چھوڑا ہو یا بھول سے چھوٹ گئی بہر صورت اس ذبیحہ کا کھانا حلال ہے۔

❁ **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خواہ ذبح کرنے والا بسم اللہ جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول سے چھوٹ جائے دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** -﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ جب تک جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو مت کھاؤ۔
(الانعام: 121)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت متروک التسمیہ سہوا کو شامل نہیں ہے اور اس کے شامل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ناسی حکما ذاکر ہوتا ہے کیونکہ نسیان ایک شرعی عذر ہے جس کو معاف کر دیا گیا ہے اور جب ناسی حکما ذاکر ہے تو ناسی آیت کے افراد میں شامل نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ **کی دلیل:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر مسلمان نے ذبح کیا اور بسم اللہ نہیں پڑھی تو کھائے اس لئے کہ مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ **کی دلیل:** ان کا استدلال آیت کے عموم سے ہے یعنی آیت کے الفاظ اس بات کے مقتضی ہیں کہ ترک تسمیہ قصدا ہو یا سہوا ہو بہر دو صورت اس جانور کا کھانا جائز نہیں ہے۔

ذبح کے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹانا بالاتفاق سنت ہے، واجب نہیں، اسی طرح ذبح کے وقت بسم اللہ و اللہ اکبر پڑھا جائے گا۔

801 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: أَصَابَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ أَرْنَبًا بِأُحُدٍ فَلَمْ يَجِدْ سِكِّينًا فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں بنوسلمہ کے ایک آدمی نے احد (پہاڑ) میں ایک خرگوش کا شکار کیا تو چھری نہ پائی پس تیز (دھاروالے) پتھر سے ذبح کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھانے کا حکم دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

802 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: إِذْبَحْ بِكُلِّ شَيْءٍ أَفْرَى الْأَوْدَاجَ وَأَنْهَرَ

الدَّمَ مَا خَلَا السِّنَّ وَ الظُّفُرَ وَ الْعَظْمَ، فَإِنَّهَا مُدَى الْحَبْشَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر اس چیز سے ذبح کرو جو رگوں کو کھول دے اور خون کو جاری کر دے۔ البتہ دانت و ناخن اور ہڈی کے ذریعے ذبح کرنے سے بچو، کیونکہ یہ (کفار) حبشہ کی چھریاں ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: أفري: باب افعال کاٹنا، پھاڑنا، الأَوْدَاج: وہ رگ جسے ذبح کے وقت کاٹا جاتا ہے، جمع ودج ہے۔

أَنْهَرَ: از افعال، خون نکالنا، بہانا، مُدَى: مدية کی جمع، بڑی چھری۔

803۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَى كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ رَاعِيَةٍ لَهُ كَانَتْ فِي غَنَمِهِ فَتَخَوَّفَتْ عَلَى شَاةٍ الْمَوْتَ فَذَبَحَتْهَا بِمَرْوَةٍ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْلِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بکریوں پر اپنی مامور ایک خادمہ کے بارے میں سوال کیا کہ اسے ایک بکری کے بارے میں موت کا اندیشہ تھا تو بکری کو نوکیلے پتھر سے ذبح کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بکری کھانے کی اجازت دے دی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

لغات: راعية: بکریاں چرانے والی تَخَوَّفَتْ: از تفعل، خوف کھانا۔

دانت یا ناخن سے ذبح کرنا:

اگر جانور کو چھری یا تیز پتھر یا ہر وہ چیز جو دھار دار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے ذبح کیا جائے تو جائز ہے لیکن اگر منہ میں لگے ہوئے دانت اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کیا تو ناجائز ہے کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے گلا دبا کر مارنے کی شکل ہو جائے گی کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے دانت اور ناخن سے دبائے گا، اور اس جانور کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہو گی اس لئے وہ جانور حرام ہو گا۔

لیکن اگر اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن سے ذبح کیا اور وہ بہت تیز ہیں تو ان سے حلال ہو جائے گا مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے۔

804۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ عَنْ عِبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ بَعِيرًا مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَطَلَبُوهُ فَلَمَّا أَعْيَاهُمْ أَنْ يَأْخُذُوهُ رَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَأَصَابَ مَقْتَلَهُ فَقَتَلَهُ. فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِهِ فَقَالَ: إِنَّ لَهَا أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَإِذَا أَحْسَسْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا

مِنْ هٰذَا فَاصْنَعُوا بِهٖ كَمَا صَنَعْتُم بِهٰذَا ثُمَّ كُلُوهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عبایہ بن رفاعۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صدقے کا ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا، لوگ اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے گئے، لیکن وہ کسی طرح قابو میں نہ آرہا تھا، یہاں تک کہ اس نے لوگوں کو تھکا دیا، اس پر ایک آدمی نے اسے تیر مارا اور وہ اونٹ مر گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے کھانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وحشی جانوروں کی طرح ان میں بھی کچھ گھبراہٹ ہوتی ہے، اگر ان میں سے کوئی بے قابو ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا کرو، پھر اسے کھا لو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

لغات: نَدَّ: اونٹ کا بدک کر بھاگنا، أَعْيَاهم: از افعال، کسی کو تھکا دینا، مَقْتَلَة: وہ عضو جس پر چوٹ لگنے سے ہلاکت کی نوبت آجائے، جیسے کنپٹی، قتل کا مقام، أَوَابِدَ: الابدۃ کی جمع، گھبرانا، الوحش: وحشی کی جمع ہے، جنگلی جانور۔

805- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ بَعِيرًا تَرَدَّى فِي بِئْرٍ بِالْمَدِينَةِ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَى مَنْحَرِهٖ فَوُجِئَ بِسِكِّينٍ مِنْ قِبَلِ خَاصِرَتِهٖ حَتّٰى مَاتَ فَأَخَذَ مِنْهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَشِيرًا بِدِرْهَمَيْنِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اونٹ مدینہ منورہ کے ایک کنویں میں گر گیا، اسے نحر کرنا ممکن نہ تھا، لہذا اسے اس کے کولہوں کے پاس سے چھری ماری گئی یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے گوشت کا دسواں حصہ دو درہم میں خریدا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔

لغات: تَرَدّٰى: کنویں میں گرنا، فَوُجِئَ: باب (س)، چھری مارنا، خَاصِرَتِه: پہلو، عَشِيرًا: دسواں حصہ۔

806- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْبَعِيرِ يَتَرَدّٰى فِي بِئْرٍ قَالَ: إِذَا لَمْ يُقْدَرْ عَلَى مَنْحَرِهٖ فَحَيْثُ مَا وَجِئْتَ فَهُوَ مَنْحَرُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کوئی اونٹ کنویں میں گر جائے اور اسے نحر کرنا ممکن نہ ہو تو اسے جہاں سے بھی چھری مارو گے، وہی اس کے نحر کی جگہ ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔

ذبح کی اقسام و شرائط:

ذبح کی دو قسمیں ہیں: ①-: ذبح اختیاری۔ ②-: ذبح اضطراری۔

①-: ذبح اختیاری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانور کو آسانی کے ساتھ لٹا کر اس کے گلے پر بسم اللہ پڑھ کر چھری چلا دی جائے، اور اس کے حلقوم اور ودجان یعنی دونوں شہ رگ کٹ جائیں، یا اونٹ وغیرہ کو کھڑے کھڑے نحر کر دیا جائے، اور نحر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ

اونٹوں کی تمام رگوں کا تعلق گردن کی ایک جگہ پر ہوتا ہے، اور کھڑے کھڑے اس جگہ پر چھری پھیر دی جائے یہ ذبح اختیاری کے دائرے میں داخل ہے۔(البحر الرائق، ج:8، ص:308)

اختیاری ذبح کے شرائط یہ ہیں:

① - بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا۔

② - ایسے آلۂ جارحہ کا ہونا کہ جس کے ذریعہ سے محل ذبح سے خون جاری ہو جائے۔

③ - ذابح کا اعتقادی یا ادعائی طور پر صاحب ملت ہونا۔

④ - ذبح کرنے والے کا عاقل ہونا، بالغ ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا نابالغ سمجھدار بچے کا ذبیحہ صحیح اور حلال ہوگا، اور وہ بچہ جو سمجھدار نہیں ہے اس کا ذبیحہ اور مجنون کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

⑤ - محل ذبح یعنی ایسا جانور ہونا جو کلی طور پر یا جزئی طور پر ذبح کے ذریعہ سے قابل انتفاع ہو، اور کلی طور پر قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حلال ماکول اللحم جانور ہو تو اس کا گوشت بھی حلال اور چمڑا بھی پاک ہے، اور جزئی طور پر قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذبح شرعی کے بعد اس کا گوشت حلال نہیں ہے، مگر اس کا چمڑا قابل انتفاع ہے، جیسا کہ جب غیر ماکول اللحم جانور کو شرعی طور پر ذبح کرلیا جائے۔(البحر الرائق، ج:8، ص:308)

② - **ذبح اضطراری** غیر مقبوض اور غیر مانوس جانور میں ہوتی ہے جیسے شکار، ذبح اضطراری جن آلات سے ہوتی ہے وہ تین ہیں۔

① - زخمی کرنے والا حیوان جیسے تربیت یافتہ کتا

② - ہر دھاردار چیز جیسے تیر، نیزہ۔

③ - بھاری چیز جیسے پتھر لکڑی ان میں سے پہلی دو چیزوں سے شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور تیسری چیز کے ذریعہ شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔(البحر الرائق، ج:8، ص:308)

جو جانور شکار کا تھا مثلاً ہرن وغیرہ تو اس میں ذبح اضطراری (نیزہ مارنا زخمی کرنا خون بہانا) ہے لیکن اگر وہ گھر میں پالتو جانور کی طرح رہنے لگا ہے تو اب اس میں ذبح اختیاری (حلقوم پر چھری پھیر کر چاروں رگوں کو کاٹنا) ہے اور اگر پالتو جانور مثلاً گائے بکری وغیرہ اگر بدک جائے اور قابو میں نہ آئے اور پکڑ کر ذبح اختیاری کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس میں ذبح اضطراری کافی ہے اس سے وہ حلال ہو جائے گا۔

ذبح کا طریقہ:

ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ حلق اور سینہ کی ہڈی جو ہوتی ہے اسکے درمیان میں چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ اور وہ رگیں جو کاٹی جاتی

ہیں وہ چار ہیں: حلقوم، مرئی اور دو شہ رگیں اگر ان کو کاٹ دے تو کھانا حلال ہوگا۔ اصل تو یہ ہے کہ جسم سے پورا خون نکل جائے شہ رگوں کے کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے، حلقوم اور مری کٹ جانے سے جان جلدی نکل جاتی ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چار میں سے تین رگیں کاٹ دے تو ذبیحہ حلال ہے اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ حلقوم مرئی اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے، جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے کہ یہ تنہا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ چار رگوں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے۔

بَابُ ذَكَاةِ الْجَنِينِ وَالْعَقِيقَةِ

پیٹ میں پائے جانے والے بچے کو ذبح کرنا اور عقیقہ!

807 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا تَكُونُ ذَكَاةُ نَفْسٍ ذَكَاةَ نَفْسَيْنِ يَعْنِي أَنَّ الْجَنِينَ إِذَا ذُبِحَتْ أُمُّهُ لَمْ يُؤْكَلْ حَتَّى يُدْرَكَ ذَكَاتُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ إِذَا تَمَّ خَلْقُهُ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ بِقَوْلِ إِبْرَاهِيمَ هَذَا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک نفس کے ذبح کرنے سے دو نفس ذبح نہ ہوں گے، یعنی اگر ماں کو ذبح کیا جائے تو اس کے پیٹ میں موجود بچے کو نہیں کھایا جائے گا جب تک اسے بھی ذبح نہ کر لیا جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار نہیں کرتے، جب بچے کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو تو ماں کے ذبح ہونے سے بچہ بھی مذبوحہ شمار ہوگا، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: الجنین: وہ بچہ جو ابھی تک ماں کے پیٹ میں ہو۔

مذبوحہ جانور کے پیٹ میں سے بچہ نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اگر کسی جانور کو ذبح کیا گیا اور اس کے پیٹ سے ایسا بچہ نکلا جس میں تھوڑی سی جان باقی تھی لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ اس بچہ کو مستقل ذبح کیا جاتا اور پھر وہ بچہ مر گیا تو۔۔

- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وہ بچہ حلال ہوگا اور ماں کو ذبح کرنا اس بچہ کے ذبح کرنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔
- احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ بچہ مرا ہوا نکلا یا زندہ نکلا تھا لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کو مستقل ذبح کیا جاتا تو ان دونوں صورتوں میں وہ بچہ حرام ہوگا اس کو کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ بچہ میتۃ کے عموم میں داخل ہے اسی طرح قرآن میں "منخنقه" کو حرام قرار دیا گیا ہے اور "منخنقة" اس جانور کو کہا جاتا ہے جو دم گھٹنے سے ہلاک ہو جائے اور جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے ماں کو ذبح کرنے سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اس لئے یہ بچہ میتۃ میں بھی داخل ہے اور "منخنقه"

میں بھی داخل ہے لہٰذا اس بچہ کا کھانا جائز نہیں مندرجہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے کہ جس میں بچہ کو ذبح کرنے کا وقت نہ ملا ہو لیکن جس صورت میں بچہ کو ذبح کرنے کا وقت ملا ہو اور اس کے باوجود اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو تو وہ صورت مختلف فیہ نہیں بلکہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقت ملنے کے باجود اگر ذبح نہیں کیا گیا تو سب کے نزدیک وہ بچہ حرام ہوگا اور اگر اس وقت ذبح کرلیا تو سب کے نزدیک وہ بچہ حلال ہوجائے گا۔

808 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : كَانَتِ الْعَقِيقَةُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ رُفِضَتْ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عقیقہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا، جب اسلام آیا تو اس کو چھوڑ دیا گیا۔

لغات: رُفِضَتْ: پھینکنا، چھوڑنا۔

809- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا رَجُلٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ أَنَّ الْعَقِيقَةَ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ رُفِضَتْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عقیقہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا، جب اسلام آیا تو اس کو ختم کردیا گیا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

عقیقہ کی شرعی حیثیت:

عقیقہ سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن اس کی شرعی حیثیت پر فقہی مکاتب فکر میں تھوڑی مختلف آرا ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ

- عقیقہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔
- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے۔
- امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ شرعاً مستحب ہے، واجب یا سنتِ موکدہ نہیں، جن کتابوں میں سنت لکھا ہے اس سے مراد سنتِ غیر مؤکدہ ہے جو مستحب ہی کے قائم مقام ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار (6/336)

عقیقہ کا مسنون طریقہ:

عقیقہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچے کے سر کے بال منڈوا کر اس کے وزن کے بقدر چاندی (یا اس کی قیمت) صدقہ کردی جائے، اور اسی دن بچے کا کوئی مناسب اسلامی نام رکھ دیا جائے، عقیقہ کے جانور کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اور اس سے مہمانوں کی دعوت بھی کرسکتے ہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کی طرح اس کے بھی

تین حصے کیے جائیں، اگر کسی وجہ سے ساتویں روز عقیقہ نہ کر سکے تو پھر چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے، لہذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام طے کیا جائے، نیز اس کا سر منڈوایا جائے۔ (نسائي، ترمذی)

مذکورہ آثار کی وضاحت:

دونوں آثار میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب نقل کیا گیا ہے کہ عقیقہ منسوخ ہے۔ صحیح اور راجح مذہب یہ ہے کہ اصل عقیقہ باقی ہے، صرف وجوب اور لزوم منسوخ ہوا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عقیقہ زمانہ جاہلیت میں رائج تھا اور اس بارے میں اہل جاہلیت کے مختلف عقائد وخیالات اور عجیب وغریب قسم کے رسوم تھے مثلاً ایک بات یہ تھی کہ اہل جاہلیت عقیقہ کو ضروری، لازمی تصور کرتے تھے

دوسری بات یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو اس کی طرف سے بکری ذبح کر کے اس کا سر بکری کے خون کے ساتھ لتھیڑ دیا کرتے تھے۔

تیسری بات یہ تھی کہ اہل جاہلیت روئی کو عقیقہ کے جانور کے خون میں لتھیڑتے، پھر اسے بچے کے سر پر لگاتے تھے، نور اسلام کے روشن ہونے کے بعد رسوماتِ جاہلیت دم توڑ گئے آپ ﷺ نے دیگر رسومات کی طرح ان جاہلانہ رسومات سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس کے بجائے بچے کے سر پر خلوق (ایک قسم کی خوشبو) لگائی جائے۔ خلاصہ یہ کہ اصل عقیقہ کی مشروعیت باقی ہے، زمانہ جاہلیت کی رسوم باطلہ کو ختم کیا گیا، یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عقیقہ کی اباحت یا استحباب باقی ہے، اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الشَّاةِ وَالدَّمِ وَغَيْرِهِ

بکری کا کون سا حصہ مکروہ ہے اور خون وغیرہ کا بیان؟

810- مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ وَاصِلِ بْنِ أَبِي جَمِيلٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ : كَرِهَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّاةِ سَبْعًا : الْمَرَارَةَ وَالْمَثَانَةَ وَالْغُدَّةَ وَالْحَيَاءَ وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَيَيْنِ وَالدَّمَ. وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مِنَ الشَّاةِ مُقَدَّمَهَا.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بکری کی سات چیزوں کے کھانے کو ناپسند قرار دیا ہے: پتہ، مثانہ، غدود (رسولی)، مادہ جانور کی شرمگاہ، نر جانور کی شرمگاہ، خصیتین اور خون، اور نبی کریم ﷺ بکری کے شانے کا گوشت پسند کرتے تھے۔

لغات: الْمَرَارَةَ: ج مرائر پتہ، الْمَثَانَةَ: پیشاب کی تھیلی، الْغُدَّةَ: گلٹی، سخت گوشت کا ٹکڑا، جو کھال اور نرم گوشت کے درمیان آتا ہے، مُقَدَّمَهَا: شانہ، اگلا حصہ۔

حلال جانور کے حرام اجزاء:

حلال جانور میں سات چیزیں حرام ہیں جن کا کھانا جائز نہیں ہے، وہ سات چیزیں یہ ہیں:

① - دمِ مسفوح، یعنی بہنے والا خون، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہنے والا خون نص صریح کی وجہ سے حرام ہے۔

② - پیشاب کی جگہ (نر و مادہ کی)۔ ③ - خصیے (فوطے)۔

④ - پاخانے کی جگہ۔ ⑤ - غدود (سخت گوشت)۔

⑥ - مثانہ (پیشاب کی تھیلی)۔ ⑦ - پتہ۔

صاحبِ کنز اور علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہما نے حرام مغز کو بھی حرام اجزاء میں شمار کیا ہے، حرام مغز سے مراد دودھ کی طرح ایک سفید ڈوری ہے جو جانور کی پیٹھ کی ہڈی کے اندر کمر سے لے کر گردن تک ہوتی ہے، لیکن راجح قول کے مطابق "حرام مغز" کا کھانا حرام نہیں ہے۔

(رد المحتار 6/311 ط: سعید)

بَابُ مَا أُكِلَ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

خشکی اور دریا کی کون سی چیز کھائی جائے:

811 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا خَيْرَ فِي شَيْءٍ مِمَّا يَكُونُ فِي الْمَاءِ إِلَّا السَّمَكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آبی جانوروں میں مچھلی کے سوا کسی کے کھانے میں خیر نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

812 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلْ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ وَمَا قَذَفَ بِهِ وَلَا تَأْكُلْ مَا طَفَا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ تم اس مچھلی کو کھاؤ جس سے پانی پیچھے ہٹ گیا ہو اور اسے بھی کھالو جسے پانی نے باہر پھینکا ہو، البتہ پانی کے اوپر تیرتی مچھلی کو مت کھاؤ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

لغات: جزر: پانی کا خشک یا کم ہونا، قَذَفَ: پھینکنا، طفا: پانی کے اوپر تیرنا اور پانی میں نہ ڈوبنا۔

813 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: كُلِ السَّمَكَ كُلَّهُ إِلَّا الطَّافِيَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانی کے اوپر تیرتی ہوئی مچھلی کے سوا ہر مچھلی کھاؤ۔

کیا تمام سمندری جانور حلال ہیں؟

سمندری جانوروں میں سے کونسے جانور حلال ہیں اور کون سے حرام اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

❁ **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: سمندر کے جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا حلال ہے باقی سب حرام ہیں، اور مچھلی بھی غیر طافی ہونی چاہئے اگر طافی ہو (اپنی طبعی موت سے مر کے اوپر آ گئی ہو) تو وہ بھی حرام ہے۔

❁ **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: خنزیر کے علاوہ سمندر کے سب جانور حلال ہیں۔

دلیل: خنزیر کے حرام ہونے پر آیت کریمہ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ..الخ﴾ کو پیش کرتے ہیں اور باقی جانوروں کی حلت پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيدُ البَحرِ﴾. اور صید یہاں مطلق ہے، جس میں سے کسی کا استثناء نہیں کیا گیا ہے اس لئے خنزیر کے علاوہ سارے سمندری جانور حلال ہوں گے۔

جواب: یہ ہے کہ یہاں صید کے معنی جانور کے نہیں ہیں بلکہ صید مصدری معنی میں ہے یعنی شکار کرنا اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر میں شکار کرنا جائز ہے رہا مسئلہ جانوروں کا کہ کن کا شکار کرنا جائز ہے اور کن کا نہیں تو آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ شکار کرنا جائز ہے، اس لئے اس آیت کریمہ سے سمندری جانوروں کی حلت ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

❁ **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں کہ مینڈک کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

دلیل: مینڈک کی حرمت اس حدیث سے مستنبط کی ہے جس میں مینڈک کے مارنے پر نہی وارد ہوئی ہے اور بقیہ جانوروں کی حلت پر ایک دلیل تو وہی دیتے ہیں جو مع جواب کے اوپر گذری۔ دوسری دلیل حدیث شریف "الحل میته" پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمندر کے مردار جانوروں کو حلال فرمایا ہے۔

جواب: "الحل" سے مراد حلال نہیں ہے بلکہ یہاں الحل، الطاھر کے معنی میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ سمندر کا میتۃ پاک ہوتا ہے یعنی نجس نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے پانی کے پاک یا ناپاک ہونے میں شبہ کیا جائے۔

❁ **امام احمد** رحمۃ اللہ علیہ: مگرمچھ مینڈک اور کونج (ایک قسم کی بڑی سمندری مچھلی یہ پھاڑ کھانے والی ہوتی ہے اور گرم علاقوں میں زیادہ ہوتی ہے) کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم **کی دلیل:** آیت کریمہ ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيهِمُ الخَبَائِث﴾ ہے یعنی ان پر خبیث چیزیں حرام کر دی گئیں ہیں اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے سارے جانور خبیث ہیں اس لئے کہ خبیث کہتے ہیں جس سے طبیعت انسانی گھن محسوس کرتی ہو اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے باقی جانوروں سے طبیعت گھن محسوس کرتی ہے، اس لئے سب خبائث میں داخل ہیں۔ نیز حدیث میں ہے: " احلت لنا

میتتان الحُوتُ وَالجَرَادُ"۔ (ابن ماجہ)میرے لئے حلال کئے گئے دو مردے مچھلی اور ٹڈی۔

طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی میں بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت مر کر الٹی ہوگئی ہو ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم ایسی مچھلی کو حلال کہتے ہیں جب کہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں مکروہ ہے کیونکہ عموماً مادہ مچھلی تیرنے لگتی ہے جو پھول جاتی ہے اور سڑنے لگتی ہے اس لئے ایسی مچھلی کا کھانا مکروہ قرار دیا۔

814۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَدِدْتُ أَنَّ عِنْدِي قَفِعَةً أَوْ قَفِعَتَيْنِ مِنْ جَرَادٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ٹڈیوں کا ایک یا دو ٹوکرے ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

لغات: قَفِعَة: ٹوکری جس کا نچلا حصہ فراخ اور اوپر کا حصہ تنگ ہو، جراد: جرادۃ کی جمع، ٹڈی۔

ٹڈی کھانے کا حکم:

ٹڈی کے حکم کے بارے میں دو مذہب ہیں:

- **جمہور علماء کرام** رحمۃ اللہ علیہم: ٹڈی مطلقا حلال ہے، خواہ اس کی موت ذبح کرنے سے ہوئی ہو یا شکار کرنے سے یا وہ طبعی موت مرے امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہے۔
- **امام مالک واحمد** رحمۃ اللہ علیہما: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر کسی عارض اور سبب کی وجہ سے مری ہے تب تو حلال ہے مثلاً اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے یا اس کو زندہ پکڑ کر قتل کیا جائے تو حلال ہے اور اگر طبعی موت مری ہو تو حلال نہیں ہے۔ (بذل عن النووی)

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ أَكْلِ لُحُومِ السِّبَاعِ وَأَلْبَانِ الْحُمُرِ

درندوں کا گوشت کھانا اور گدھیوں کا دودھ مکروہ ہے!

815۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهُ أُهْدِيَ لَهَا ضَبٌّ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِهِ فَنَهَاهَا عَنْهُ فَجَاءَ سَائِلٌ فَأَرَادَتْ أَنْ تُطْعِمَهُ إِيَّاهُ فَقَالَ: أَتُطْعِمِينَهُ مَا لَا تَأْكُلِينَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کو ایک گوہ ہدیہ کی گئی، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ اتنے میں ایک مانگنے والا آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ گوہ اس کو دینا چاہا، اس پر حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چیز تم خود نہیں کھانا چاہتیں وہ کسی اور کو کھلانا چاہتی ہو؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

لغات: ضَبٌّ: گوہ، سوسمار۔

گوہ کھانے کا کیا حکم ہے؟

گوہ سے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے

❁ **ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم**: گوہ کا گوشت کھانا جائز ہے۔

دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اگر حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی۔ (بخاری و مسلم)

جواب: گوہ کے بارے میں احادیث متعارض ہیں اس لئے حرمت والی احادیث کو ترجیح حاصل ہوگی لان الترجیح عند اجتماع المحرم والمبیح للمحرم۔ (عون الترمذی ۱/۳۸)

❁ **امام ابو حنیفہ وصاحبین رحمۃ اللہ علیہم**: گوہ کھانا مکروہ ہے۔ کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، یہی متون کی روایت ہے۔ (از عون الترمذی جلد اول)

دلیل: آیت کریمہ ہے ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَٰٓئِثَ﴾ اور گوہ بھی خبائث میں سے ہے اس لئے حلال نہ ہوگی نیز ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گوہ لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی انگلیاں شمار کیں اور فرمایا: کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم کو مسخ کیا گیا تھا شاید کہ وہ یہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کھانے سے انکار فرما دیا۔

816 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَكْحُولُ الشَّامِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِّنَ السَّبُعِ وَ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ وَ أَنْ تُوطَأَ الْحُبَالَى مِنَ الْفَيْءِ وَ أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت مکحول شامی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نوکیلے دانتوں والے درندوں اور ہر پنجوں والے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا، اور اس بات سے بھی منع فرمایا: کہ مال غنیمت میں ملنے والی حاملہ باندیوں سے ہمبستری کی جائے، اور گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: ذی ناب: نوکیلے دانتوں والا (جانور)، اس کی جمع انیاب، نیوب، السَّبُع: درندہ، چیر پھاڑ کر کھانے والا جانور (دانت والا

جانور جو انسان اور چوپاوں کو پھاڑ کھاتا ہو۔ جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ) (2) ہر پنجے والا جانور جو پنجہ سے حملہ کرتا ہو۔ ج: سباع و اسبع و سبوع ، **ذی مِخْلَب**: پنجوں والا جانور، ج **مخالب و مخالیب**، **اَلْفَیْءِ**: لغوی معنی بازگشت اور پلٹنے کے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں فیٔ اس مال کو کہتے ہیں جو مال کفار جنگ وقتال کے بغیر مسلمانوں کے سپرد کردیں، مثلاً جزیہ، خراج اور اس کی مانند دیگر اموال۔

تشریح: اس روایت میں تین مسائل کا ذکر ہے۔

پہلا مسئلہ:

کن جانوروں کا گوشت حرام ہے؟

خشکی میں رہنے والے جانوروں اور پرندوں میں سے جو جانور یا پرندے دانت یا پنجوں سے شکار کرتے ہیں اور جن کی غذا صرف گندگی اور مردار وغیرہ ہوتی ہے اور جن میں خون بالکل نہیں ہوتا ہے اور جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا، اسی طرح تمام زمین کے اندر رہنے والے جانور اور کیڑے مکوڑے وغیرہ سب حرام ہیں۔

دانتوں یا پنجوں سے شکار کرنے والے جانوروں کی مثال جیسے: شیر، چیتا، بھیڑیا، لومڑی، ریچھ، گیدڑ، بجّو، بندر، ہاتھی، بلی وغیرہ۔

جبڑوں یا پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کی مثال، جیسے: شکرہ، باز اور گدھ وغیرہ۔

گندگی اور مردار کھانے والے جانوروں کی مثال، جیسے: سور اور کتا وغیرہ۔

جن جانوروں میں خون نہیں ہوتا ان کی مثال: بھڑ، مکھی، مکڑی اور بچھو وغیرہ۔

جن جانوروں میں بہنے والے خون نہیں ہوتا ان کی مثال: سانپ، چھپکلی، گرگٹ، نیولا وغیرہ۔

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (35/5)

دوسرا مسئلہ: مال غنیمت میں ملنے والی باندیاں اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان سے جماع کرنا ناجائز ہے۔

تیسرا مسئلہ: اسی طرح شہری (گھریلو) گدھوں کا گوشت کھانا بھی بالاتفاق ناجائز ہے، یہی حکم خچر کا ہے اس لیے کہ وہ گدھے سے پیدا ہوتا ہے جو خچر گدھی سے پیدا ہو وہ حرام ہے، لیکن جو گائے سے پیدا ہو وہ حلال ہے، حلت وحرمت میں جانور کی ماں کا اعتبار ہوتا ہے، ماں حلال ہو تو وہ بھی حلال ہوگا، ماں کا کھانا حرام ہو تو وہ بھی حرام ہوگا۔

817- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَرِهَ لَحْمَ الْفَرَسِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى وَ لَسْنَا نَأْخُذُ بِهِ وَ لَا نَرَى بِلَحْمِ الْفَرَسِ بَأْسًا وَ قَدْ جَاءَ فِي إِحْلَالِهِ آثَارٌ كَثِيرَةٌ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے گھوڑے (کے گوشت) کو مکروہ قرار دیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور ہم اسے اختیار نہیں کرتے اور ہم گھوڑے کے گوشت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اس کے حلال ہونے میں متعدد آثار مروی ہے۔

گھوڑے کے گوشت کا حکم:

گھوڑے کے بارے میں علماء کرام کے درمیان تھوڑا اختلاف ہے۔ گھوڑے کا گوشت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ یہ آلہ جہاد ہے اور کھانے کی وجہ سے اس کی تعداد میں کمی واقع ہوگی۔ صاحب قدوری، صاحب ہدایہ اور امام شامی رحمۃ اللہ علیہم یوں بیان کرتے ہیں: "ویکرہ أکل لحم الفرس عند أبي حنیفة اھ. والمکروہ تحریما یطلق علیہ عدم الحل شرنبلالیة"، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے اور یہ حلال نہیں ہے۔

"فأفاد أن التحریم لیس لنجاسة لحمها ولهذا أجاب في غایة البیان عما هو ظاهر الروایة من طهارة سؤر الفرس بأن حرمة الأکل للاحترام من حیث إنه یقع به إرهاب العدو لا للنجاسة فلا یوجب نجاسة السؤر کما في الآدمي" گھوڑے کا گوشت اس لیے حرام نہیں کہ یہ نجس ہے بلکہ اسے اس کے احترام کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے (دوران جہاد) دشمن پر رعب طاری کیا جاتا ہے۔ (گھوڑے کی حرمت) نجاست کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہی وجہ سے ہے کہ انسان کی طرح گھوڑے کا جوٹھا (پانی) بھی نجس نہیں ہوتا۔ (امام عابدین شامی، 305/6)

امام بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"عن جابر بن عبد اللہ قال نهی النبي ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص في لحوم الخیل"، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن گدھے کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کا گوشت کھانے میں رخصت دی۔

امام شافعی، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث پاک سے گھوڑے کے گوشت کھانے پر استدلال کیا ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی اس آیت سے نفی پر استدلال کیا ہے، اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ترجمہ: اور (اُسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ تم ان پر سواری کرسکو اور وہ (تمہارے لئے) باعثِ زینت بھی ہوں، اور وہ (مزید ایسی باز ینت سواریوں کو بھی) پیدا فرمائے گا جنہیں تم (آج) نہیں جانتے۔

اس آیت مبارکہ میں ان تینوں چیزوں پر سوار ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور گوشت کھانے کا ذکر نہیں کیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے آیت میں گوشت کھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

امام نسائی، امام ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

"ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن اكل لحوم الخيل والبغال والحمير" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کا گوشت خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔ جب حلال اور حرام میں تعارض ہو تو ترجیح حرام کو ہوتی ہے۔ اس لیے امام اعظم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کراہت کے قائل ہیں۔

فائدہ: فتوی امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔

818 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا خَيْرَ فِي لُحُومِ الْحُمُرِ وَأَلْبَانِهَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گدھوں کے گوشت اور دودھ میں کوئی خیر نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

گدھیوں کے دودھ کا بھی وہی حکم ہے جو حکم گدھوں کے گوشت کا ہے کہ حرام ہے۔

بَابُ أَكْلِ الْجُبْنِ

پنیر کھانا!

819 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطِيَّةُ الْعَوْفِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَهُ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ عَنِ الْجُبْنِ فَقَالَ: وَمَا الْجُبْنُ؟ قَالَ: شَيْءٌ يُصْنَعُ مِنْ إِنْفِحَةِ الْبَهْمِ وَأَلْبَانِ الْمَعْزِ وَعَامَّةُ مَنْ يَصْنَعُهُ الْمَجُوسُ. قَالَ: أُذْكُرِ اسْمَ اللهِ وَكُلْ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضرت عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے ان سے پنیر (کھانے) کے بارے میں سوال کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ پنیر کیا چیز ہے؟ اس نے بتایا کہ ایک چیز ہے جو بکری کے بچے کے پیٹ سے نکلنے والے مادہ اور بکری کے دودھ سے بنائی جاتی ہے اور اسے زیادہ تر مجوسی لوگ بناتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ اس پر اللہ کا نام لو اور اسے کھاؤ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: اِنْفِحَة: بکری کے دودھ پیتے بچے کے پیٹ سے نکالا جانے والا ایک مادہ جسے کپڑے میں لت پت کرتے ہیں، پھر وہ پنیر کی

مانند گاڑھا ہو جاتا ہے، البَهْمِ: البَهْمَةُ کی جمع، جیسے تَمْرَةٌ و تَمْرٌ، بکری کا بچہ، خواہ مذکر ہو یا مونث ہو المَعْز: بکری، یہ اسم جنس ہے۔

تشریح:

اس روایت میں دو باتوں کا ذکر ہے

① - پنیر کھانے کا حکم:

پنیر کا کھانا جائز ہے، کیونکہ وہ حلال اجزاء سے بنتا ہے

② - غیر مسلموں کے ہاتھ سے بنی چیز کا حکم:

غیر مسلموں کے ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے، ان کا پسینہ بھی پاک ہے جب تک کہ ان کے ہاتھ یا جسم پر نجاست نہ لگی ہو، اس لئے ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز کھانے کی اجازت ہے۔

بَابُ الصَّيْدِ تَرْمِيهِ

جس شکار کو تم تیر مارتے ہو اس (کے کھانے) کا باب!

820 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الرَّجُلِ يَرْمِي الصَّيْدَ أَوْ يَضْرِبُهُ قَالَ: إِذَا قَطَعَهُ بِنِصْفَيْنِ فَكُلْهُمَا جَمِيعًا وَإِنْ كَانَ مِمَّا يَلِي الرَّأْسَ أَقَلَّ فَكُلْهُمَا جَمِيعًا وَإِنْ كَانَ مِمَّا يَلِي الرَّأْسَ أَكْثَرُ فَكُلْ مِمَّا يَلِي الرَّأْسَ وَأَلْقِ مَا بَقِيَ مِنْهُ مِمَّا يَلِي الْعَجُزَ فَإِنْ قُطِعَتْ مِنْهُ قِطْعَةٌ أَوْ عُضْوٌ فَبَانَتْ فَلَا تَأْكُلْهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُعَلَّقًا فَإِنْ كَانَ مُعَلَّقًا فَكُلْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو شکار کو تیر مارے یا اس پر تلوار سے وار کرے: اگر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دے تو دونوں حصے کھاؤ، اور اگر سر کی طرف والا حصہ کم ہو تو بھی دونوں حصوں کو کھاؤ، اور اگر سر کی طرف والا حصہ زیادہ ہو تو سر کی طرف والا حصہ کھا لو اور دھڑ کی طرف والا حصہ پھینک دو، پس اگر اس شکار سے ایک ٹکڑا یا ایک عضو کاٹا گیا پس وہ الگ ہو گیا تو اسے مت کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی اور ٹکڑا یا حصہ ساتھ لگا ہوا ہو تو اسے کھاؤ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

تشریح:

اگر کوئی شخص اللہ جل جلالہ کا نام لے کر شکار کی جانب تیر پھینکے اور وہ جانور اس سے زخمی ہو کر مر جائے تو اسے کھانا جائز ہے، لیکن اگر زندہ مل جائے تو اسے ذبح کرنا ضروری ہے، اگر ذبح نہ کیا اور وہ مر گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

اگر کسی شکار کو مارا اور اس سے اس کا کوئی عضو الگ ہو گیا تو وہ نہیں کھایا جائے گا، البتہ شکار کو کھا سکتے ہیں، اگر اس جانور کے تین چار ٹکڑے ہو جائیں اور زیادہ حصہ نچلے حصے کے ساتھ ہو تو سب کھایا جائے گا، اس لیے کہ ایسے زخم کے بعد زندہ رہنا ممکن ہے، اس لیے کہ رگیں دل سے مل جاتی ہیں، وہاں سے ان کا دماغ سے تعلق ہوتا ہے، لہذا اگر سر کی جانب کا ایک تہائی کاٹ دیا جائے تو اس سے سب رگیں کٹ جاتی ہیں اور یہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ذبح کرنا، اس کے برخلاف اگر دو تہائی سر کی جانب ہوں اور ایک تہائی نچلے حصے کے ساتھ، تو ایسی صورت میں نچلا حصہ نہیں کھایا جائے گا، اس لیے کہ دو تہائی میں جان رہنا اور حیات کا امکان ہے، اس لیے کہ رگیں باقی ہیں، لہذا نچلا حصہ اس عضو کی طرح شمار ہوگا جسے جاندار سے جدا کر لیا گیا ہو۔

821 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: أَتَاهُ عَبْدٌ أَسْوَدُ فَقَالَ: إِنِّي فِي مَاشِيَةِ أَهْلِي وَإِنِّي بِسَبِيلٍ مِّنَ الطَّرِيقِ أَفَأَسْقِي مِنْ أَلْبَانِهَا؟ قَالَ: لَا. قَالَ: وَإِنِّي أَرْمِي الصَّيْدَ فَأُصْمِي وَأُنْمِي قَالَ: كُلْ مَا أَصْمَيْتَ وَدَعْ مَا أَنْمَيْتَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى. وَإِنَّمَا يَعْنِي بِقَوْلِهِ: أَصْمَيْتَ مَا لَمْ يَتَوَارَ عَنْ بَصَرِكَ وَمَا أَنْمَيْتَ مَا تَوَارَى عَنْ بَصَرِكَ فَإِذَا تَوَارَى عَنْ بَصَرِكَ وَأَنْتَ فِي طَلَبِهِ حَتَّى تُصِيبَهُ لَيْسَ بِهِ جُرْحٌ غَيْرُ سَهْمِكَ فَلَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ.

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک سیاہ فام غلام آیا اور اس نے پوچھا کہ میں اپنے مالکوں کے مویشی چرانے نکلتا ہوں اور اس دوران میں کئی مختلف راستوں میں ہوتا ہوں، تو کیا میں ان مویشیوں کا دودھ (مسافروں کو) پلا سکتا ہوں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں، پھر اس نے پوچھا کہ میں شکار پر تیر چلاتا ہوں تو بھی شکار موقع پر مار دیتا ہوں اور کبھی موقع سے اوجھل کر دیتا ہوں (پھر وہ مر جاتا ہے)، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو موقع پر مار دو، اسے کھالو اور جو موقع سے اوٹ میں بھیج دو، اسے مت کھاؤ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس روایت کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ان کے قول" اصمیت " کا معنی ہے وہ جانور جو تمہاری نظر سے غائب نہ ہو اور ان کے قول"انمیت " کا معنی ہے وہ جانور جو تمہاری نگاہ سے غائب ہو جائے، پس اگر جانور تمہاری نظر سے غائب ہو جائے اور اس کی تلاش میں تھے جب وہ تمہیں ملے اور اس پر تمہارے تیر کے زخم کے علاوہ کوئی اور زخم نہ ہو تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

لغات: أَصْمِي: باب افعال، شکار کو تیر مارنا اور اس کا وہیں ٹھنڈا ہو جانا، أَنْمِي باب افعال، شکار کا زخمی ہو کر کہیں اوٹ میں مر جانا۔

تیر لگنے کے بعد شکاری شکار کی تلاش میں رہے:

تیر جب شکار کو لگ جائے اور وہ بھاگ کر اس سے غائب ہو جائے تو اگر یہ اس کی تلاش میں لگا رہے اور اسے مرا ہوا پالے تو اسے کھالے، اس لیے کہ جب وہ اس کی تلاش میں لگا رہا اور کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا تو ایسا سمجھا جائے گا گویا اس شکاری کے سامنے

مرا ہوتا کہ حرج کو دور کیا جائے اس لیے کہ شکار جنگلوں اور صحراؤں میں عام طور سے چھپ جاتا ہے، لہٰذا اگر تلاش سے رکا نہیں، مسلسل تلاش میں لگا رہا تو اس کا کھانا حلال ہے، لیکن اگر کسی اور کام میں مشغول ہو گیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، اسی طرح اگر تلاش روک دی پھر مردہ حالت میں ملا تب بھی نہیں کھایا جائے گا۔

822 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : إِذَا رَمَيْتَ الصَّيْدَ وَسَمَّيْتَ فَإِنْ قَطَعْتَهُ بِنِصْفَيْنِ فَكُلْهُ وَإِنْ كَانَ مِمَّا يَلِي الرَّأْسَ أَكْثَرَ أَكَلْتَ مِمَّا يَلِي الرَّأْسَ وَلَمْ تَأْكُلْ مِمَّا سِوَاهُ وَإِنْ قَطَعْتَ مِنْهُ يَدًا أَوْ رِجْلًا أَوْ قِطْعَةً مِنْهَا فَكُلْ مِنْهُ غَيْرَ مَا قَطَعْتَ مِنْهُ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اگر تم نے تیر مارتے ہوئے بسم اللہ پڑھی اور شکار کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تو اسے کھا لو اور اگر سر کی طرف زیادہ تو سر کی طرف والا حصہ کھا لو اور باقی مت کھاؤ، اور اگر تم نے اس کا ہاتھ، پیر یا کوئی حصہ کاٹ دیا تو اس کٹے ہوئے حصے کے علاوہ باقی کھا لو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح:

اس روایت میں ایک شرط کا اضافہ ہے اور وہ ہے تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔

بَابُ صَيْدِ الْكَلْبِ

کتے کا کیا ہوا شکار!

823 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّيْدِ إِذَا قَتَلَهُ الْكَلْبُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ ذَكَاتَهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْلِهِ إِذَا كَانَ عَالِمًا . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کتا شکار کے جانور کو ذبح کئے جانے سے پہلے مار ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر کتا سدھایا ہوا ہو تو اسے کھا لو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت:

مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

824 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : إِذَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ كَلْبُكَ الْمُعَلَّمُ فَكُلْ وَإِذَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ غَيْرُ الْمُعَلَّمِ فَلَا تَأْكُلْ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تمہارے سدھائے ہوئے کتے نے شکار کیا ہو تو کھالو اور اگر کتا سدھایا ہوا نہ ہو اور شکار کرے تو اسے مت کھاؤ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی قول ہے۔

825 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ كَلْبُكَ إِنْ كَانَ عَالِمًا فَكُلْ فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ مِنْهُ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ وَ أَمَّا الصَّقْرُ وَالْبَازِي فَكُلْ وَإِنْ أَكَلَ، فَإِنَّ تَعْلِيمَهُ إِذَا دَعَوْتَهُ أَنْ يُجِيبَكَ وَلَا تَسْتَطِيعُ ضَرْبَهُ حَتَّى يَدَعَ الْأَكْلَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر تربیت یافتہ کتے نے تمہارے لئے شکار کیا ہو تو تم اسے کھالو، اور اگر کتے نے شکار میں سے کھایا تو تم اسے مت کھاؤ، کیوں کہ یہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے، اور شکرہ اور باز اگر شکار میں سے کھالے تو بھی تم اس شکار کو کھالو کیوں، کہ پرندے کی تربیت یہ ہے کہ جب تم اسے بلاؤ تو وہ تمہارے پاس آئے اور تم ان پرندوں کو کھانا چھوڑنے کی تربیت دینے کے لئے مار نہیں سکتے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

کتے اور باز کا تعلیم یافتہ ہونا کب سمجھا جائے گا؟

شکار حلال ہونے کے لئے شکاری جانور کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے، اب کتے کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ وہ شکار کرے اور اس کو نہ کھائے، بلکہ مالک کے لئے روک لے، اور یہ فعل اس سے تین مرتبہ صادر ہو چکا ہو، تمام پھاڑ کھانے والے جانوروں کے سکھانے کا طریقہ یہی ہے، اگر شکار کر کے خود ہی کھالیا تو ان کو معلم نہیں سمجھا جائے گا اور ان کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا اور باز کی تربیت یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دے تو شکار کے لئے جائے اور روکے تو رک جائے تین بار ایسا کرنے سے شریعت کی نگاہ میں یہ پرندہ سکھایا ہوا ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کتے کو سدھانا آسان ہے اور سدھانے کیلئے اس کو مارا بھی جاسکتا ہے بخلاف باز کے کہ اس کو سدھانا مشکل بھی ہے اور اسکو مارا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

جب شکاری نے اپنا معلم کتا یا باز یا شکرہ وغیرہ کو بسم اللہ پڑھ کر شکار کے لئے چھوڑ دیا اور ان جانوروں نے شکار پکڑ لیا اور اس کو زخمی کر دیا اور شکار مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

بندوق کی گولی کا شکار:

بندوق کی گولی سے کیا ہوا شکار اگر ذبح سے پہلے مر جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا، اور اگر گولی سے شکار کرنے کے بعد جانور کو زندہ زخمی حالت میں پالیا اور پھر اس کو اللہ جل جلالہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اس کو کھانا جائز ہوگا لہٰذا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑی ہوئی گولی سے کیا ہوا شکار ذبح سے قبل مر جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

یہ حکم عام گولیوں کا ہے، البتہ اگر بندوق کی گولی محدد، نوک دار اور دھاری دار ہو یا نوک دار چھرہ والا کارتوس ہو تو ایسی نوک دار گولی کا شکار حلال ہوگا، لہذا اس پر اگر اللہ جل جلالہ کا نام لے کر جانور پر فائر کیا جائے اور گولی لگنے کے بعد اس جانور پر قابو پانے سے پہلے ہی وہ مر جائے تو اس شکار کا کھانا درست ہوگا۔ (کشف الباری 263/4، الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (471/6)

غلیل سے شکار کا حکم:

اگر غلیل سے کیا گیا شکار با قاعدہ طور پر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے، تو وہ حلال نہیں ہے، لیکن اگر وہ زندہ مل جائے، اور اس کو اللہ کا نام لیکر ذبح کر لیا جائے، تو اس کا کھانا حلال ہے۔ غلیل کے ذریعے جو پتھر پھینکا جاتا ہے وہ تیز دار نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس کا شکار ذبح سے پہلے مر جائے تو حلال نہیں ہوگا۔

826- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الَّذِي يُرْسِلُ كَلْبَهُ وَيَنْسَى أَنْ يُسَمِّيَ فَأَخَذَهُ فَقَتَلَ قَالَ: أَكْرَهُ أَكْلَهُ وَإِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا فَمِثْلُ ذَلِكَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا، لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ إِذَا تَرَكَ التَّسْمِيَةَ نَاسِيًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو اپنا کتا چھوڑتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول جائے اور کتا شکار کو مار ڈالے۔ فرمایا: کہ میں اس شکار کو کھانا مکروہ سمجھتا ہوں، اور اگر کتا چھوڑنے والے یہودی یا عیسائی ہو تو یہی حکم ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار نہیں کرتے، اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا ہو تو اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

وضاحت:

اگر باز یا شکاری کتے کو چھوڑتے وقت یا شکار پر تیر پھینکتے وقت کسی نے تسمیہ ترک کر دیا تو اس کی دو حالتیں ہیں۔

① - عمداً تسمیہ فوت ہوا ہے:

② - یا ناسیاً فوت ہوا ہے:

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

- **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کا کھانا درست نہیں ہے۔
- **شوافع** رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں مطلقا حلال ہے یعنی عمدا اور ناسیا دونوں صورتوں میں۔
- **احناف** رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر قصدا شکاری نے تسمیہ ترک کر دیا تو اس صورت میں شکار مردار ہوگا اور اس کا کھانا حرام۔ اور اگر بھول کر تسمیہ چھوڑ دیا ہو تو شکار درست اور اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ اور شکار کا حکم:

اہلِ کتاب کا ذبیحہ بنصِ قرآنی حلال ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے، ورنہ ان کا ذبیحہ اور شکار حرام ہوگا۔

لہذا اگر یہود و نصاری اپنے مذہب کے اصول، پیغمبر اور کتبِ سماویہ کو مانتے ہیں، دہریہ، سائنس اور نجوم پرست نہیں ہیں، اور جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں، ذبح کے وقت اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیتے تو ایسے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے یہی حکم ان کے شکار کا بھی ہے۔

لیکن موجودہ دور کے اکثر یہود و نصاریٰ ملحد، دہریہ، سائنس پرست اور نجوم پرست ہیں، صرف نام کے اہلِ کتاب ہیں، ان کو مذہب سے بالکل لگاؤ نہیں، بلکہ ان کے اقوال و افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب سے بے زار ہیں تو ایسے یہود و نصاریٰ کو "اہلِ کتاب" کہنا صحیح نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں؛ اس لیے حلال اور غیر مشتبہ چیز کو چھوڑ کر مشتبہ چیز اختیار نہ کی جائے اور ان کے ذبیحہ سے مکمل احتراز کیا جائے۔(از: قربانی کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا)

827۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : قُلْنَا : إِنَّا نَأْتِي أَرْضَ الْمُشْرِكِينَ أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ ؟ قَالَ : إِنْ لَمْ تَجِدُوا مِنْهَا بُدًّا فَاغْسِلُوهَا ثُمَّ كُلُوا فِيهَا . قُلْنَا : فَإِنَّا بِأَرْضِ صَيْدٍ ؟ قَالَ : كُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ سَهْمُكَ أَوْ قَوْسُكَ أَوْ كَلْبُكَ إِذَا كَانَ عَالِمًا ، وَنَهَانَا عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَأَنْ نَأْكُلَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ . قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِهِ نَأْخُذُ ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ .

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم مشرکوں کے علاقوں میں جاتے ہیں ،کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس کوئی چارہ نہ ہو تو تم انہیں دھو کر ان میں کھا سکتے ہو، ہم نے عرض کیا کہ ہم شکار والی جگہوں میں رہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے تیر یا کمان سے جو شکار کرو اور تمہارا تربیت یافتہ کتا جو شکار کرے، وہ کھالو، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہر نوکیلے دانتوں والے درندے کے کھانے سے اور ہر پنجے والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

غیر مسلم کے برتن استعمال کرنا:

غیر مسلم چوں کہ خنزیر کا گوشت اور شراب بھی استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کے برتن دھو کر استعمال کرنا چاہیے الا یہ کہ ان کا پاک صاف ہونا ظاہر ہو تو بغیر دھوئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

نوٹ: شکار کا مسئلہ ماقبل میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

بَابُ الْأَشْرِبَةِ وَالْأَنْبِذَةِ وَالشُّرْبِ قَائِمًا وَمَا يُكْرَهُ فِي الشَّرَابِ

پینے کی چیزوں، نبیذوں، کھڑے ہو کر پینے اور مکروہ چیزوں کا بیان!

اشربة: شراب کی جمع ہے، شراب اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو پی جائے جیسے پانی، شربت، شہد وغیرہ۔

اصطلاحی تعریف: شراب وہ ہے جو نشہ لائے، اور سست و بیہوش کر دے اور اس کا پینا حرام ہے۔

828۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِي عَنِ ابْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ أَفْطَرَ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَسَقَاهُ شَرَابًا لَهُ فَكَأَنَّهُ أَخَذَ فِيهِ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: مَا هَذَا الشَّرَابُ؟ مَا كِدْتُ أَهْتَدِي إِلَى مَنْزِلِي فَقَالَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: مَا زِدْنَاكَ عَلَى عَجْوَةٍ وَزَبِيبٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں روزہ افطار کیا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں ایک مشروب پلائی، اس مشروب نے تو گویا انہیں پکڑ لیا، جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے پوچھا کہ یہ مشروع کیسا تھا؟ وہ پی کر تو میرے لئے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا تھا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے آپ کو کھجور اور کشمش سے زیادہ کچھ نہیں دی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

829۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نافع عن ابن عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ كَانَ يُنْبَذُ لَهُ نَبِيذُ الزَّبِيبِ فَلَمْ يَكُنْ يَسْتَمْرِئُهُ فَقَالَ لِلْجَارِيَةِ: اِطْرَحِي فِيهِ تَمَرَاتٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے لئے کشمش کا نبیذ بنایا جاتا تھا، وہ انہیں پسند نہ آیا، تو انہوں نے اپنی خادمہ سے کہا: اس میں کچھ کھجوریں بھی ڈال دیا کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

لغات: يَسْتَمْرِئُهُ: از استفعال، کھانے کو مزیدار سمجھنا یا پانا۔

830۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِشُرْبِ نَبِيذِ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ إِذَا خُلِطَا فَإِنَّهُمَا إِنَّمَا كُرِهَا لِشِدَّةِ الْعَيْشِ فِي الزَّمَنِ الْأَوَّلِ كَمَا كُرِهَ السَّمَنُ وَاللَّحْمُ فَأَمَّا إِذَا وَسَّعَ اللهُ تَعَالَى عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِمَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنایا جائے تو اسے پینے میں کوئی حرج نہیں، یہ دونوں شروع کے زمانے میں تنگ دستی کی وجہ سے مکروہ قرار دیئے گئے تھے، جس طرح گھی اور گوشت کو مکروہ قرار دیا گیا تھا، پس جب اللہ جل جلالہ نے مسلمانوں پر وسعت فرما دی تو اب دونوں چیزوں میں کوئی حرج نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

لغات: الزبیب: خشک انگور، العیش: زندگی۔

مشروبات کا بیان:

کھجور کی یا کشمش کی نبیذ بنائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کھجور اور کشمش کے پانی کو تھوڑا سا پکائے تو وہ حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ آیا ہو البتہ مزے میں تھوڑی تیزی آ گئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی اتنی مقدار جو نشہ نہ لائے نیک نیتی یعنی تقویت کی نیت سے پینا جائز ہے اور نشہ کے لئے یا مستی کے لئے پینا حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب پینے والے پر نشہ چڑھ جائے۔

کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے کو "خلیط" کہتے ہیں، اگر چھوارے اور منقی کو الگ الگ کر کے دونوں کا پانی قدرے پکا لیا جائے اور اس میں نشہ نہ آئے تو جائز ہے ورنہ حرام، یہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ہے جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک خلیطین کا پینا ناجائز ہے خواہ نشہ آئے یا نہ آئے۔

شہد، انجیر گیہوں جو جوار کی نبیذ حلال ہے، اگر چہ پکائی نہ گئی ہو۔ یہ سب مذکورہ نبیذیں شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حلال ہیں خواہ ان کو پکایا گیا ہو یا نہ پکایا گیا ہو لیکن شرط یہ ہے کہ بغیر کھیل کود و مستی کے قوت بدن کے لئے استعمال کرے ورنہ حرام ہے۔

انگور کا نچوڑا ہوا رس جب اس کو اتنا پکا دیا جائے کہ دو تہائی جل کر ختم ہو گیا اور صرف ایک تہائی باقی رہ گیا اور اس میں جوش و تیزی پیدا ہو گئی تو یہ حلال ہے اس کو "مثلث عنبی" کہتے ہیں۔

بَابُ النَّبِيْذِ الشَّدِيْدِ

جوش مارنے والی نبیذ!

831 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: كُنْتُ أَتَّقِي النَّبِيْذَ فَدَخَلْتُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ هُوَ يَطْعَمُ فَطَعِمْتُ مَعَهُ فَأُوتِيَ قَدَحًا مِنْ نَبِيْذٍ فَلَمَّا رَأَى إِبْطَائِي عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَلْقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ رُبَّمَا طَعِمَ عِنْدَهُ ثُمَّ دَعَا بِنَبِيْذٍ لَهُ تَنْبِذُهُ سِيرِينُ أُمُّ وَلَدِ عَبْدِ اللهِ فَشَرِبَ وَ سَقَانِي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نبیذ پینے سے احتراز کرتا تھا، ایک دن میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں گیا، وہ کھانا کھا رہے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے کے بعد ان کے پاس ایک نبیذ کا پیالہ لایا گیا، جب انہوں نے دیکھا کہ میں اس سے پیچھے ہٹ رہا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ کبھی کبھار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا کھاتے تھے، پھر وہ نبیذ منگواتے جو ان کی ام ولد سیرین بناتی تھی، پس اس نے خود بھی پیا اور مجھے بھی پلائی۔ امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: إِبْطَائِي: از ابطاء بمعنی تاخیر کرنا، کام کو مؤخر کرنا۔

832 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُزَاحِمُ بْنُ زُفَرَ عَنِ الضَّحَاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ قَالَ: اِنْطَلَقَ أَبُو عُبَيْدَةَ فَأَرَاهُ جَرًّا أَخْضَرَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يُنْتَبَذُ لَهُ فِيهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابوعبیدہ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے) گئے اور انہوں نے ان کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ سبز مٹکا دکھایا جس میں ان کے لئے نبیذ بنائی جاتی تھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: جَرًّا: مٹکا۔

831 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ السَّبِيعِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ لِلْمُسْلِمِينَ جَزُورًا لِطَعَامِهِمْ وَإِنَّ الْعَتِيقَ مِنْهَا لِآلِ عُمَرَ وَإِنَّهُ لَا يَقْطَعُ لُحُومَ هَذِهِ الْإِبِلِ فِي بُطُونِنَا إِلَّا النَّبِيذُ الشَّدِيدُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمان اپنی خوراک کے لئے اونٹ پالتے ہیں اور ان میں سے پرانے عمر کی آل کے لئے ہیں، اور ان انٹوں کے گوشت کو ہمارے پیٹوں میں گلانے کا کام گاڑھی شراب ہی کرتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

لغات: جزورا: ذبح کے لئے پالی اونٹنی یا بکری، اونٹ کو ذبح کرنا، مجازاً کسی بھی جانور کو ذبح کرنا، ھو جزار وجزیر۔ العتیق: پرانا، اونچی ذات کا، شریف قابل تکریم۔

وضاحت:

اونٹ کا گوشت سخت ہوتا ہے، جلد ہضم نہیں ہوتا، اس کو ہضم کرنے کے لئے گاڑھی نبیذ استعمال کی جاتی تھی، اس سے نبیذ کا جواز معلوم ہوا۔

834 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُتِيَ بِأَعْرَابِيٍّ قَدْ سَكِرَ فَطَلَبَ لَهُ عُذْرًا فَلَمَّا أَعْيَاهُ ذَهَابُ عَقْلٍ قَالَ: إِحْبِسُوهُ فَإِذَا صَحَا فَاجْلِدُوهُ وَدَعَا بِفَضْلَةٍ فَضَلَتْ فِي إِدَاوَتِهِ فَذَاقَهَا فَإِذَا نَبِيذٌ شَدِيدٌ مُمْتَنِعٌ فَدَعَا بِمَاءٍ فَكَسَرَهُ وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُحِبُّ الشَّرَابَ الشَّدِيدَ فَشَرِبَ وَسَقَى جُلَسَاءَهُ ثُمَّ قَالَ: هَكَذَا اِكْسِرُوهُ بِالْمَاءِ إِذَا غَلَبَكُمْ شَيْطَانُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اعرابی لایا گیا جو نشے کی حالت میں تھا، ہیں اس

سے غذر طلب کیا پس جب اس کے عقل جانے کی وجہ سے کوئی عذر پیش نہ کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو قید کرلو، جب یہ صحیح ہوجائے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اس کے برتن میں اس کا بچا ہوا مشروب منگوایا پھر اس کو چکھا تو وہ جھاگ مارتی ہوئی ممنوع نبیذ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر اس کے گاڑھے پن کو ختم کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوش مارتا ہو مشروب پسند تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے خود بھی پیا اور ساتھیوں کو بھی پلایا، پھر فرمایا: اس کو اسی طرح نرم کرو جب تم پر شیطان غالب آجائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

لغات: أعياه: باب افعال، تھکانا، صحا: باب ن، نشہ کا زائل ہونا، تندرست ہونا۔ بفضلة: باقی ماندہ، بچا ہوا۔ نَبِيذٌ شَدِيدٌ مُمْتَنِعٌ: جھاک مارتی ممنوع شراب۔ جلساءہ: جلیس کی جمع ہے، ہمنشین، ساتھی۔

کھجور اور منقی کی نبیذ کا حکم:

کھجور اور منقی کی نبیذ کو گاڑھا کرنے کے لیے اگر تھوڑا پکا لیا جائے تو وہ حلال رہتی ہے، چاہے گاڑھی کیوں نہ ہوجائے بشرطیکہ اس کے پینے سے نشہ نہ ہونے کا غالب گمان ہو اور اسے عبادت پر قوت حاصل کرنے یا کھانے کو مزیدار بنانے کے لیے یا دوا کے طور پر پیا جائے، مستی اور لہو ولعب کے لیے نہیں، یہ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حرام ہے۔

بَابُ نَبِيذِ الطَّبِيخِ وَالْعَصِيرِ

پکائے گئے اور کچے شیرے کی نبیذ!

835 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا طُبِخَ الْعَصِيرُ فَذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ قَبْلَ أَنْ يَغْلِيَ فَلَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر شیرے کو پکایا جائے اور اس کے جوش مارنے سے پہلے اس کا دو تہائی حصہ ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

836 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَشْرَبُ الطِّلَاءَ قَدْ ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ وَيَجْعَلُ لَهُ مِنْهُ نَبِيذًا فَيَتْرُكُهُ حَتَّى إِذَا اشْتَدَّ شَرِبَهُ وَلَمْ يَرَ بِذَلِكَ بَأْسًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ طلاء (انگور کے اس شیرے) کو پی لیا کرتے تھے کہ جس کا دو تہائی ختم ہو چکا ہو اور ایک تہائی باقی رہ چکا ہو اور وہ اس کو نبیذ بنانے کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ گاڑھا ہو جاتا تو اس کو پی لیتے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

837۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ سَرِيعٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَشْرَبُ الطَّلَاءَ عَلَى النِّصْفِ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ لَسْنَا نَأْخُذُ بِهٰذَا، لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْرَبَ مِنَ الطَّلَاءِ إِلَّا مَا ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ انگور کا ایسا شیرہ پی لیا کرتے تھے کہ جس کا نصف حصہ ختم ہو چکا ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار نہیں کرتے، انگور کا صرف وہی شیرہ پینا جائز ہے جس کا دو تہائی حصہ ختم ہو چکا ہو اور ایک تہائی حصہ باقی ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

انگور کے پکے ہوئے رس کی تفصیل:

انگور کا رس اگر پکا لیا جائے اور اس کے دو تہائی سے کم خشک ہو تو یہ اگر جوش مارے اور گاڑھا ہو اور جھاگ آئے تو حرام ہے، اسے بادہ کہتے ہیں، منصف اسے کہتے ہیں جس کو پکا کر آدھا حصہ خشک کر لیا گیا ہو، اس میں اگر جوش آئے اور گاڑھا ہو تو یہ بھی حرام ہے، لیکن اگر انگور کے رس کو پکا کر اس کے دو تہائی حصہ کو خشک کر لیا جائے تو وہ حلال ہے چاہے گاڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ (از المختار)

بَابُ السَّكَرِ وَالْخَمْرِ

نشہ آور چیز اور شراب کا بیان!

838۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَتَاهُ رَجُلٌ بِهِ صُفَارٌ فَسَأَلَهُ عَنِ السَّكَرِ فَنَهَاهُ عَنْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا جس کا رنگ بیماری کی وجہ سے زرد تھا، اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نشہ آور چیز کو استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے اس سے منع فرمایا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: صُفَارٌ: [اسم] سیٹی، سیٹی کی سی آواز، پیٹ کے کیڑے، پیٹ میں اکھٹا ہو جانے والا زرد پانی، بیماری یا دبلے پن کی وجہ سے نمایاں ہونے والے رنگ کی زردی، مرجھایا ہوا پودا وغیرہ۔

839۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : إِنَّ أَوْلَادَكُمْ وُلِدُوا عَلَى الْفِطْرَةِ فَلَا تُدَاوُوهُمْ بِالْخَمْرِ وَ لَا تُغْذُوهُمْ بِهَا، إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلِ الرِّجْسَ شِفَاءً إِنَّمَا إِثْمُهُمْ عَلَى مَنْ سَقَاهُمْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: تمہاری اولاد فطرت (دین اسلام) پر پیدا کی گئی ہے،

لہذا انہیں شراب کے ذریعے نہ تو دوا دو اور نہ غذاء دو، اللہ جل جلالہ نے ناپاک چیز کو شفاء نہیں بنایا، اس کا گناہ اسی پر ہوگا جو انہیں شراب پلائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

شراب کو بطور دوا استعمال کرنے کا حکم:

کسی بھی حرام چیز کو بطورِ دوا استعمال کرنا حرام ہے، البتہ اگر بیماری مہلک یا ناقابلِ برداشت ہو اور مسلمان، ماہر دین دار طبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے اور یہ یقین ہو جائے کہ شفا حرام چیز میں ہی منحصر ہے، اور دوسرا کوئی حلال متبادل موجود نہیں ہے تو مجبوراً بطورِ دوا و علاج بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت حرام اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے، ورنہ نہیں۔ لہذا بیماری مہلک یا ناقابل برداشت ہے، اور کسی حلال چیز سے علاج ممکن نہیں اور مسلمان، ماہر دین دار طبیب کو یقین ہو جائے کہ شفا شراب میں ہی منحصر ہے اور مریض کے لیے شراب بطور دوا تجویز کرلے تو اس صورت میں شراب کو حرام سمجھتے ہوئے مجبوراً بطورِ دوا بوقتِ ضرورت، بقدر ضرورت علاج کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔ (فتاوی شامی: ج:1، ص:210، ط: سعید)

شراب کی اقسام اور ان کا حکم:

شرابوں کی **چار اقسام** جو حرام ہیں وہ یہ ہیں:

① - **خمر**: انگور کی کچی شراب جب کہ وہ جوش مارنے لگے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے، اس کو اصلی خمر کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی پینا مطلقاً حرام ہے، اور اگر پیا تو حد بھی جاری ہوگی خواہ کم پینے کی وجہ سے نشہ پیدا نہ ہوا ہو، پھر خمر کی تعریف میں اختلاف ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

❁ **شیخین** رحمۃ اللہ علیہم: انگور کا کچا پانی جب کہ وہ نشہ آور ہو جائے اس کو خمر کہتے ہیں اس کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو شراب بنائی جائے اس کو خمر نہیں کہا جائے گا۔

❁ **ائمہ ثلاثہ اور امام محمد** رحمۃ اللہ علیہم: شراب چاہے انگور سے بنائی جائے خواہ کھجور سے خواہ شہد سے خواہ غلوں سے نشہ آور ہونے کے بعد سب پر خمر کا ہی اطلاق ہوتا ہے، اور سب کا حکم یکساں ہے، کہ ان قسموں میں سے کسی میں سے ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ خواہ نشہ ہو یا نہ ہو یہی مذہب راجح ہے۔

② - **طلاء**: انگور کا رس کچا نہ رہے بلکہ اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور تہائی سے کچھ زیادہ باقی رہ جائے اور تیز ہو کر نشہ آ جائے اس کو طلاء بھی کہتے ہیں اگر پکانے سے آدھا جل جائے تو اس کو منصف کہتے ہیں اور اگر ادنی درجہ پکایا ہے تو اس کو باذق کہتے ہیں ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ ان کا پینا مطلقاً حرام ہے لیکن حد اس وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

③- **نقیع تمر:** کھجور کو پانی میں ڈال کر کچھ دن چھوڑ دیا جائے جس کی وجہ سے پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش مار کر جھاگ پھینکنے لگے اس کو نقیع تمر کہتے ہیں۔

④- **نقیع الزبیب:** کشمش کو پانی میں ڈال کر کچھ دن چھوڑ دے جس سے پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش مار کر جھاگ پھینکنے لگے، اس کو نقیع الزبیب کہتے ہیں۔

حکم: عصیر نقیع تمر نقیع زبیب ان تینوں کی حرمت خمر کے مقابلہ میں کم ہے ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہ کہا جائے گا اوران کا پینا مطلقا حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

بَابُ الشُّرْبِ فِي الْأَوْعِيَةِ وَالظُّرُوفِ وَالْجَرِّ وَغَيْرِهِ

مختلف برتنوں اور مٹکوں وغیرہ میں پینا!

840- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا هَجْرًا فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ وَعَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِي أَنْ تُمْسِكُوهَا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَأَمْسِكُوهَا مَا بَدَا لَكُمْ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ لِيَتَّسِعَ مُوسِعُكُمْ عَلَى فَقِيرِكُمْ وَعَنِ النَّبِيذِ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ ظَرْفٍ فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَلَا تَشْرَبُوا الْمُسْكِرَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله.

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ اپنے والد اور وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا اب تم ان کی زیارت کر سکتے ہو اور وہاں پر بری بات مت کہو، محمد (ﷺ) کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے اور میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا اب جب تک چاہو تم اسے رکھ سکتے ہو اور اس کو زاد راہ بنا سکتے ہو، میں نے تمہیں اس لئے منع کیا تھا تاکہ مالدار لوگ ناداروں پر وسعت کریں اور میں نے کدو کے اندر بڑے مٹکوں میں اور تارکول لگے ہوئے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا اب تم کسی بھی برتن میں پی سکتے ہو کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور نہ حرام اور تم نشہ آور چیزیں نہ پیو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: الدباء: کھوکھلا کدو، الحنتم: بڑا مٹکا، المزفت: تارکول لگا ہوا مٹکا۔

دباء، حنتم اور مزفت میں نبیذ پینے کا حکم:

زمانہ جاہلیت میں لوگ ان برتنوں میں شراب بناتے تھے ان برتنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ شراب میں جلدی نشہ آتا ہے جب

شراب کی حرمت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی مخالفت فرمادی تاکہ شراب کی نفرت دلوں میں جم جائے پھر کچھ عرصہ کے بعد جب مقصد حاصل ہوگیا تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت مل گئی اور پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔

841- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ غَزَا غَزْوَةَ تَبُوكٍ فَمَرَّ بِقَوْمٍ يَزْفِنُونَ فَقَالَ لَهُمْ: مَا لِهَؤُلَاءِ؟ قَالُوا: أَصَابُوا مِنْ شَرَابٍ لَهُمْ قَالَ: مَا ظُرُوفُهُمْ؟ قَالُوا: الدُّبَّاءُ وَالْحَنْتَمُ وَالْمُزَفَّتُ فَنَهَاهُمْ أَنْ يَّشْرَبُوا فِيهَا فَلَمَّا مَرَّ بِهِمْ رَاجِعًا مِّنْ غَزَاتِهِ شَكَوْا إِلَيْهِ مَا لَقُوا مِنَ التَّخَمَةِ فَأَذِنَ لَهُمْ أَنْ يَّشْرَبُوا فِيهَا وَنَهَاهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا الْمُسْكِرَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالیٰ.

ترجمہ: حضرت علی (زین العابدین) بن حسین رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے جاتے ہوئے کچھ لوگوں کو دیکھا جو بہکی بہکی باتیں کررہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ ایسی باتیں کیوں کررہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ انہوں نے اپنا کوئی مشروب پی لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ ان کے برتن کیسے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ ان کے برتن کدو سے تیار شدہ، بڑے مٹکے اور تارکول سے رنگے ہوئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان برتنوں میں پینے سے منع فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوے سے واپس آئے تو ان لوگوں نے بدہضمی میں مبتلا ہوجانے کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان برتنوں میں پینے کی اجازت دے دی اور نشہ آور چیز پینے سے منع فرمایا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: يَزْفِنُونَ: باب ض، ناچنا، دھکہ دینا، لات مارنا، بہکی باتیں کرنا، التَّخَمَةِ: بدہضمی۔

842- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ خَطَأٌ مِنَ النَّاسِ إِنَّمَا أَرَادُوا: السُّكْرُ حَرَامٌ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: یہ کہنا کہ (جس چیز کا کثیر نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے) لوگوں کی غلطی ہے، اس سے فقہاء کی مراد یہ ہے کہ کسی بھی مشروب سے نشہ کرنا حرام ہے، محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اشربہ اربعہ محرمہ کے علاوہ باقی مشروبات کا حکم:

اشربہ اربعہ محرمہ کے علاوہ باقی مشروبات کے بارے میں شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ ان کا قلیل مقدار میں پینا جائز ہے جس سے نشہ پیدا نہ ہو، اتنا زیادہ پینا کہ جس سے نشہ پیدا ہوجائے جائز نہیں ہے۔

843- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمٌ الْأَفْطَسُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ

اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ شَرِبَ مِنْ قِرْبَةٍ وَهُوَ قَائِمٌ. وَبِهِ نَأْخُذُ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مشکیزے سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: قِرْبَةٍ: مشک/مَشکیزہ، پانی رکھنے والی مشک، یا پانی کی مشک، جمع: قرب۔

گلاس، بوتل، کٹورے، مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا:

کسی بھی برتن میں پانی پینے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر تین سانس میں پانی پیا جائے، پھر پانی پینے کے آداب میں سے یہ ہے کہ جو برتن منہ لگا کر اجتماعی طور پر پانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی گلاس، کٹورہ وغیرہ، اس برتن میں منہ لگا کر پانی پیا جائے، تاہم جو برتن منہ لگا کر پانی پینے کے لیے استعمال نہیں ہوتے، جیسے کہ مشکیزہ یا بوتل وغیرہ، ان سے منہ لگا کر پانی پینے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، جس کی مختلف وجوہات فقہاء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے: "منہ لگانے سے مشکیزہ وغیرہ کا منہ بودار ہو جائے گا" اور نتیجۃً دوسروں کے لیے اسی بوتل سے پانی پینا کراہیت کا باعث بنے گا، اسی وجہ سے فقہاء و محدثین نے اجتماعی برتن سے منہ لگا کر پانی پینے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

نیز جہاں ممانعت کے اسباب نہ ہوں تو کراہت بھی باقی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور تابعین میں سے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کراہت کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پی لیا کرتے تھے، نیز خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا ہے، لہٰذا اگر اجتماعی بوتل ہو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے منہ لگا کر پانی پینا مکروہ ہوگا، بصورتِ دیگر کراہت نہیں ہوگی۔

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري: باب الشرب من فم السقاء، ج:21، ص:199، ط: دار احياء التراث العربی)

بَابُ الشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینا!

844- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو فَرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ: نَزَلْتُ مَعَ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى دِهْقَانٍ بِالْمَدَائِنِ فَأَتَانَا بِطَعَامٍ فَطَعِمْنَا فَدَعَا حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِشَرَابٍ فَأَتَاهُ بِشَرَابٍ فِي إِنَاءٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَأَخَذَ الْإِنَاءَ فَضَرَبَ بِهِ وَجْهَهُ فَسَاءَنَا الَّذِي صَنَعَ بِهِ قَالَ: فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ لِمَ صَنَعْتُ هٰذَا؟ قُلْنَا: لَا. قَالَ: نَزَلْتُ بِهِ مَرَّةً فِي الْعَامِ الْمَاضِي فَأَتَانِي بِشَرَابٍ فِيهِ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ تَأْكُلَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَشْرَبَ فِيهِمَا وَلَا نَلْبَسَ الْحَرِيرَ وَالدِّيبَاجَ فَإِنَّهُمَا لِلْمُشْرِكِينَ فِي

الدُّنْيَا وَهُمَا لَنَا فِي الْآخِرَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدین میں ایک کسان کا مہمان بنا، وہ ہمارے لئے کھانا لایا تو ہم نے کھانا کھا لیا پھر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا تو وہ ہمارے لئے چاندی کے برتن میں پانی لے آیا، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ برتن اس کے منہ پر دے مارا، ہمیں ان کا یہ عمل برا لگا انہوں نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں انہوں نے فرمایا: میں پچھلے سال بھی اس کے پاس آیا تھا یہ میرے پاس چاندی کے برتن میں پانی لایا تھا میں نے اس کو بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے اور باریک اور موٹے ریشم کا کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکوں کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وضاحت: اس روایت میں کئی چیزوں کا ذکر ہے جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جا رہی ہے

غیر مسلم کے ہاں کھانا کھانے کا حکم:

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کافر (غیر مسلم) کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا جائز ہے بشرطیکہ یہ یقین واطمینان ہو کہ پکوان دیوی، دیوتاؤں کے نام چڑھایا ہوا نہیں ہے اور اس میں حرام و ناپاک چیز شامل نہیں ہے اور ناپاک برتن میں بنا ہوا نہیں ہے۔

سونے چاندی کے استعمال کا حکم:

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینے میں استعمال کرنا حرام ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، اسی طرح سونے چاندی کا چمچہ اور سلائی، سرمہ دانی، شیشہ، قلم، دوات، دسترخوان وضو کا طشت سب کا یہی حکم ہے۔

مردوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور جائز نہیں ہے۔ البتہ چاندی کی انگوٹھی اور چاندی کا کمر بند (پٹکا) اور چاندی کا وہ زیور جو تلوار پر چڑھا دیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ بقصد تکبر نہ ہو۔

مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی چار گرام کے بقدر پہننا جائز ہے بعض حضرات نے بغیر ضرورت کے انگوٹھی پہننے کو مکروہ قرار دیا ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ مکروہ تو نہیں البتہ بغیر ضرورت اس کا ترک افضل ہے۔

چاندی کے علاوہ باقی کسی اور دھات کی انگوٹھی مردوں کے لئے جائز نہیں ہے اور سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

ریشم پہننے کا جواز و عدم جواز:

مردوں کے لئے ریشمی کپڑا پہننا جائز نہیں ہے اور عورتوں کے لئے حلال ہے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

باہر تشریف لائے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ان کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔

ریشم پہننا حرام ہے مگر قلیل مقدار معاف ہے اور قلیل کی مقدار تین چار انگل ہے جیسے نقش و نگار یا ریشم کا جھالر۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ریشم کا تکیہ لگانے میں اور ایسے تکیہ پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے اس کو مکروہ کہا ہے، مذکورہ مسئلہ میں اکثر مشائخ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

بَابُ اللِّبَاسِ مِنَ الْحَرِيرِ وَالشُّهْرَةِ وَالْخَزِّ

ریشمی اور شہرت کا لباس پہننا!

845 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ بَعَثَ جَيْشًا فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَ أَصَابُوا غَنَائِمَ كَثِيرَةً فَلَمَّا اَقْبَلُوا فَبَلَغَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُمْ قَدْ دَنَوا خَرَجَ بِالنَّاسِ لِيَسْتَقْبِلَهُمْ فَلَمَّا بَلَغَهُمْ خُرُوجُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ بِالنَّاسِ إِلَيْهِم لَبِسُوا مَا مَعَهُمْ مِنَ الْحَرِيرِ وَ الدِّيبَاجِ فَلَمَّا رَاهُم عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ غَضِبَ وَأَعْرَضَ عَنْهُمْ ثُمَّ قَالَ: أَلْقُوا ثِيَابَ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا رَأَوا غَضَبَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَلْقَوْهَا ثُمَّ أَقْبَلُوا يَعْتَذِرُونَ فَقَالُوا: إِنَّا لَبِسْنَاهَا لِنُرِيكَ فَيْءَ اللهِ الَّذِي أَفَاءَ عَلَيْنَا قَالَ فَسُرِّيَ ذٰلِكَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْاِصْبَعِ مِنْهُ وَالْاِصْبَعَيْنِ وَالثَّلَاثِ وَالْأَرْبَعِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا تو اللہ جل جلالہ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور ان کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جب وہ لوگ واپس آئے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ وہ قریب آ گئے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہمراہ لے کر ان کے استقبال کے لئے باہر تشریف لے گئے جب ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے (استقبال کیلئے) تشریف لانے کی خبر ہوئی تو انہوں نے ریشمی لباس پہن لئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے منہ پھیر لیا پھر فرمایا جہنمیوں کا لباس اتار دو انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حالت غضب میں دیکھا تو لباس اتار دیا اور پھر عذر پیش کرتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ ہم نے یہ لباس اس لئے پہنا تھا کہ آپ کو دکھائیں کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں کس قدر مال غنیمت عطا فرمایا ہے۔ راوی فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا غصہ دور ہو گیا پھر آپ نے ان کو اس (ریشم) سے ایک دو تین اور چار انگلیوں کے برابر استعمال کرنے کی اجازت دی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

846 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اتَّقُوا الشُّهْرَتَيْنِ فِي اللِّبَاسِ: أَنْ يَتَوَاضَعَ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَلْبَسَ الصُّوفَ أَوْ يَتَبَخْتَرَ حَتَّى يَلْبَسَ الْحَرِيرَ. قَالَ

مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لباس میں دوشہرتوں والے لباس سے بچو(1) تم میں سے کوئی شخص خود کو اتنا عاجز دکھائے کہ اونی لباس پہننے لگے(2) تم میں سے کوئی اتنا اترائے کہ ریشمی لباس پہننے لگے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: يَتَبَخْتَرَ: اتراہٹ، ناز و انداز، اور غرور یا تکبر۔ یہ لفظ فخر کی چال یا غرور اور تکبر کی چال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

کیا اسلام میں قیمتی اور خوبصورت لباس پہننا جائز ہے؟

کچھ صوفی اور نام نہاد دیندار لوگ عمدہ لباس پہننے کو تقوی کے خلاف سمجھتے ہیں، معمولی لباس کو اختیار کرتے ہیں اس کو تواضع سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس متکبر مزاج لوگ ریشم کا اعلی لباس پہنتے ہیں یہ افراط و تفریط ہے، دونوں خلاف شرع ہیں۔

لباس میں شریعت کے مزاج کی تفصیل یہ کہ:

انسان کا زیب و زینت اختیار کرنا ایک فطری چیز ہے اور اس فطری تقاضے کے پیشِ نظر شریعت نے جہاں بننے سنورنے کی اجازت دی ہے، وہیں اس بابت جائز اور ناجائز کاموں کے بارے میں قرآن وحدیث میں خوب واضح احکام بیان فرما کر ان کی حد بندی بھی کی ہے، جس کی وجہ سے زیب و زینت کی بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز، لہذا اپنی حیثیت کے مطابق شریعت کی حدود میں رہ کر، تکبر، اسراف، ریاکاری، فساق و فجار اور غیر اقوام کی مشابہت سے بچتے ہوئے ہر ایسا عمدہ لباس پہننے کی اجازت ہے جس سے آسائش و آرام کے ساتھ ساتھ مکمل ستر پوشی ہو سکے اور ہر ایسے جوتوں کا استعمال جائز ہے کہ جن کے ذریعے قدم کی مکمل حفاظت ہو سکے، اور کوئی ایسی صورت تزیین و تحسین کے لیے بالکل اختیار نہیں کی جاسکتی جو شریعت میں ممنوع ہو۔

قرآنِ مجید میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: ﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ (الأعراف:26)، ترجمہ: اے اولادِ آدم کی! ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہاری پردہ داریوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس، یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ (از بیان القرآن)

دوسری جگہ اسراف سے بچتے ہوئے زیب و زینت کے حصول کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الأعراف:31)

ترجمہ: ”اے اولادِ آدم کی! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ جل جلالہ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو“۔ (از بیان القرآن)

اسی طرح بعض صورتوں میں زیب وزینت ترک کرنے پر ملامت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (اعراف) ترجمہ: فرمائیے کہ یہ بتلاؤ کہ اللہ جل جلالہ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے استعمال کے واسطے بنایا ہے۔۔۔ کس شخص نے حرام کیا ہے۔ (بیان القرآن)

847- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي الْمُغِيرَةِ قَالَ: سَأَلَ يَحْيَى سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ وَأَنَا جَالِسٌ عِنْدَهُ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ فَقَالَ سَعِيدٌ: غَابَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ غَيْبَةً فَاكْتَسٰى بَنُوهُ وَبَنَاتُهُ قُمُصَ الْحَرِيرِ فَلَمَّا قَدِمَ أَمَرَ بِهِ فَنُزِعَ عَنِ الذُّكُورِ وَتُرِكَ عَلَى الْإِنَاثِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابی مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ حضرت یحی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ریشم کے بارے میں سوال کیا اور میں بھی ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ غائب رہے تو ان کے بیٹوں اور بیٹیوں نے ریشمی لباس پہن لیا جب واپس تشریف لائے تو آپ کے حکم سے بیٹوں سے یہ لباس اتارا گیا اور بچیوں پر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

848- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ الْبَصْرِيِّ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ وَأَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَعِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَشُرَيْحًا كَانُوا يَلْبَسُونَ الْخَزَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ہیثم بن ابی ہیثم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ خز (ریشم اور اون میں بنا ہوا) کپڑا پہنا کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

لغات: الْخَزّ: ریشم اور اون کا بنا ہوا کپڑا۔

849- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَلْبَسُ الْخَزَّ.

ترجمہ: سعید بن مرزبان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ریشم اور اون کا بنا ہوا لباس پہنتے تھے۔

850- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَخَذَ الْحَرِيرَ وَالذَّهَبَ بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا مُحَرَّمٌ لِلذُّكُورِ مِنْ أُمَّتِي. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَلَا نَرٰى بِهِ لِلْإِنَاثِ

بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت زید بن ابی انیسہ مصری شخص (حضرت عائذ بن سعید بن عبد اللہ مصری) سے روایت کرتے ہیں، اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم اور سونا اپنے دست مبارک میں پکڑا پھر فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عورتوں کے لئے اس میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

851- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ لِلنِّسَاءِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عورتوں کے لئے ریشم اور سونے کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

852- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا أَنَّهَا حَلَّتْ أَخَوَاتِهَا بِالذَّهَبِ وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حَلَّى بَنَاتَهُ بِالذَّهَبِ. قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہنوں کو اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیٹیوں کو سونے کے زیورات پہنائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

مردوں، عورتوں اور بچوں کا ریشم پہنانا:

خالص ریشم کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے، لیکن عورتوں اور بچیوں کے لیے ریشم کا استعمال جائز ہے؛ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دست مبارک میں ریشم اور دوسرے میں سونا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ اور والدین کے لیے چھوٹے بچوں (لڑکوں) کو ریشمی کپڑے پہنانے سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

واضح رہے کہ ہر ایسا کپڑا جس کا تانا بانا دونوں ریشم کے ہوں یا بانا ریشم کا ہو یا تانا بانا دونوں میں ریشم شامل ہو اور مجموعی طور پر ریشم غالب ہو وہ مردوں کے لیے پہننا حرام ہے، اس کے علاوہ کپڑا یا مصنوعی ریشم کا استعمال جائز ہے۔

بچوں کو سونے اور چاندی کے زیور پہنانا:

لڑکیوں کو تو سونے کے زیورات پہنانا جائز ہے، البتہ یہ یاد رہے کہ مرد کو سونے کے زیورات پہننا جائز نہیں ہے اور اگر چھوٹے بچے یعنی لڑکے کو پہنائیں گے تو جو پہنائے گا اس پر گناہ ہوگا لہذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

البتہ بچے (لڑکے) کے لیے صرف ساڑھے چار ماشہ چاندی کی ایک انگوٹھی بنوانا اور اسے بچے کو پہنانا جائز ہے، اس سے زائد

مقدار میں چاندی کے استعمال کی اجازت نہیں، بصورتِ دیگر پہنانے والا گناہ گار ہوگا۔

ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ یعنی ۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام (gm374.4) کا ہوتا ہے۔

بَابُ لِبَاسِ جُلُودِ الثَّعَالِبِ وَدِبَاغِ الْجِلْدِ

لومڑی کی کھال کا لباس اور چمڑے کی دباغت!

853 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ أَنَّهُ رَأَى عَلَى إِبْرَاهِيمَ قَلَنْسُوَةَ ثَعَالِبَ وَ كَانَ لَا يَرَى بَأْسًا بِجُلُودِ النَّمِرِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو لومڑیوں کی کھال کی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا اور وہ چیتے کی کھال (استعمال کرنے) میں کوحرج نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: ثَعَالِبِ: ثعلب اس کا مفرد ہے لومڑی کو کہتے ہیں، معنی صرف لومڑی ہی نہیں بلکہ اور بھی ہیں، جن میں نیزے کی نوک، ایک قسم کی جڑ جو بیماریوں میں استعمال ہوتی ہے، یا بہت لومڑیوں والی جگہ شامل ہیں۔ النَّمِرِ: تیندوا، چیتا۔

درندوں کی کھال استعمال کرنے حکم:

چیتے اور بھیڑیے کی کھال کو پاک کرنے کے بعد روزمرہ استعمال ہونے والے کپڑے، مثلاً: جیکٹ وغیرہ بنانا اور دیگر چیزوں میں استعمال کرنا، جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، کیونکہ جانوروں کی کھال کو پاک کرنے کے بعد استعمال کرنا، جائز ہے، کھال خواہ حلال جانور کی ہو یا حرام جانور کی، البتہ خنزیر کی کھال کسی صورت پاک نہیں ہوسکتی اور نہ ہی خنزیر کے کسی جزء سے فائدہ اٹھانا، جائز ہے، کیونکہ خنزیر نجس العین ہے، جو کسی صورت پاک نہیں ہوسکتا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”ان الجلود کلها تطهر بالذکاة أو بالدباغ إلا جلد الإنسان والخنزير وإذا طهرت بالذکاة جاز الانتفاع بها“ یعنی تمام جانوروں کی کھالیں ذبح شرعی اور دباغت سے پاک ہوجاتی ہیں، سوائے خنزیر اور انسان کی کھال کے اور جب یہ ذبح شرعی سے پاک ہوجائے، تو اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد03، صفحہ115، مطبوعہ پشاور)

854 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ذَكَاةُ كُلِّ مَسْكٍ دِبَاغُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر چیز دباغت سے پاک ہوجاتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: مَسْك: کھال ج: مسک ومسوک۔المسكة: کھال ٹکڑا۔هو يكاد يخرج من مسكه: وہ تیز ہے۔

855۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كُلُّ شَيْءٍ مَنَعَ الْجِلْدَ مِنَ الْفَسَادِ فَهُوَ دِبَاغٌ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ہر وہ چیز جو کھال کو خراب ہونے سے بچالے وہ اس کی دباغت ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

دباغت کی تعریف اور اقسام:

دباغت کہتے ہیں کسی چیز کے استعمال سے چمڑے کی رطوبت اور تری کو ختم کرنا۔

دباغت دینے کی **دو قسمیں** ہیں: ①۔دباغت حقیقی، ②۔دباغت حکمی:

دباغت حقیقی: چمڑے کو دھوپ میں ڈال کر اس کی رطوبت کو ختم کر دیا جائے، یا مٹی اور نمک مَل کر اس کی رطوبت ختم کر دی جائے، اس صورت میں اگر چمڑے کو پانی لگ جانے سے رطوبت لوٹ آئی تو وہ چمڑا ناپاک نہیں ہوگا۔

دباغت حکمی: قَرَظ (کیکر کی طرح کا درخت) وغیرہ جڑی بوٹی کے استعمال سے رطوبت ختم کی جائے۔اگر پانی لگنے سے رطوبت لوٹ آئی تو چمڑا ناپاک ہو جاتا ہے۔

دباغت سے چمڑے کا حکم:

- احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں انسان اور خنزیر کے علاوہ تمام چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں۔امام شافعی کتے کے چمڑے کا استثنا فرماتے ہیں۔
- امام مالک اور احمد رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں مردار کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حدیث مبارکہ ہے "ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: ايما اهاب دبغ فقد طهر" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس چمڑے کو دباغت دے دی گئی وہ پاک ہو گیا۔

مذکورہ بالا روایت میں مطلق چمڑے کا ذکر ہے، خواہ وہ مذبوحہ کا ہو یا مردار کا، اس لیے مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا۔باقی انسان کا استثناء احترام کی وجہ سے اور خنزیر کا استثناء اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔باقی رہا کتا تو وہ خنزیر کی طرح نجس العین نہیں، اگر وہ نجس العین ہوتا تو اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہ ہوتا۔

امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: "أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كتب إلى جهينة قبل موته بشهر: أن لا تنتفعوا من الميتة باهاب ولا عصب" (نصب الراية)

جواب: "اھاب" کے معنی ہیں: غیر مدبوغ چمڑا، خواہ وہ مردار کا ہو یا زندہ کا۔ اور دباغت سے پہلے ہم بھی مردار کے چمڑے کو ناپاک کہتے ہیں، لہذا یہ روایت ہمارے خلاف حجت نہیں ہے۔

جانوروں کی کھال کو پاک کرنے کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ جانور کو شرعی طریقہ کار کے مطابق ذبح کیا جائے، ذبح شرعی سے اس کی چربی، گوشت اور کھال وغیرہ پاک ہوجاتے ہیں، پھر اگر جانور حلال ہے، تو اس کا گوشت وغیرہ کھانا بھی جائز ہے۔ اگر حرام جانور ہے، تو اس کی چربی اور دیگر اجزاء کو بیرونی استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ اس کی کھال کو دباغت دی جائے، یعنی اس کی کھال کے ساتھ ایسا عمل کیا جائے، جس سے اس کی رطوبت، چکناہٹ اور بدبو ختم ہوجائے۔ دھوپ میں رکھ کر یا نمک لگا کر یا کوئی اور طریقہ اختیار کرتے ہوئے اس کی رطوبت اور بدبو دور کرنے سے دباغت حاصل ہوجائے گی۔

ان دو طریقوں میں سے کوئی سا بھی طریقہ اختیار کرنے سے تمام حلال وحرام جانوروں کی کھال پاک ہوجاتی ہے، لیکن خنزیر اس حکم سے مستثنیٰ (جُدا) ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ وہ نجس العین ہے، لہذا اس کی کھال اور دیگر اجزاء دباغت اور ذبح شرعی سے بھی پاک نہیں ہوں گے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سانپ کی کھال دباغت کو قبول نہیں کرتی اس لیے وہ بھی دباغت سے قابل استعمال نہیں ہوگی۔

بَابُ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ وَالْحَدِيْدِ وَغَيْرِهٖ وَنَقْشِ الْخَاتَمِ

سونے اور لوہے وغیرہ کی انگوٹھی اور انگوٹھی پر نقش کروانا!

856۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِي اللهُ وَلِيُّ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: وَكَانَ خَاتَمُ إِبْرَاهِيمَ مِنْ حَدِيدٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُعْجِبُنَا أَنْ يَتَخَتَّمَ بِالذَّهَبِ وَالْحَدِيدِ وَلَا بِشَيْءٍ مِنَ الْحِلْيَةِ غَيْرَ الْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ فَأَمَّا النِّسَاءُ فَلَا بَأْسَ لَهُنَّ بِالذَّهَبِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش یوں تھا "اللہ ولی ابراہیم" اللہ ابراہیم کا کارساز ہے۔ راوی فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی لوہے کی تھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ مرد چاندی کے علاوہ کسی بھی چیز سونے یا لوہے کی انگوٹھی پہنے، لیکن عورتوں کے لئے سونے کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

856۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ مَسْرُوقٍ "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ" قَالَ: وَكَانَ نَقْشُ خَاتَمِ حَمَّادٍ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا نَرَى بَأْسًا أَنْ

يُنْقَشَ فِي الْخَاتَمِ ذِكْرُ اللهِ مَا لَمْ يَكُنْ آيَةً تَامَّةً، فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي يَدِهِ فِي الْجَنَابَةِ وَ الَّذِي عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: حضرت مسروق کی انگوٹھی پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے الفاظ نقش تھے اور حضرت حماد کی انگوٹھی پر "لا الہ الا اللہ" کے الفاظ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہماری رائے میں انگوٹھی پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے کلمات نقش کرانے میں کوئی حرج نہیں البتہ پوری آیت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ حالت جنابت میں یا بے وضوء ہونے کی حالت میں پوری آیت کا اس کے ہاتھ پر ہونا مناسب نہیں ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

انگوٹھی یا لاکٹ وغیرہ پر اللہ کا نام یا دعائیہ کلمات وغیرہ نقش کروا کر پہننے کا حکم:

انگوٹھی یا لاکٹ وغیرہ میں اللہ جل جلالہ کا نام مبارک یا دعائیہ کلمات نقش کروا کر پہننا جائز ہے، نقش والی انگوٹھی کا پہننا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے اور جیسا کہ روایت بالا میں فقہاء کے عمل سے بھی معلوم ہو رہا ہے البتہ جس انگوٹھی یا لاکٹ وغیرہ پر ایسے نقش ہو جود ہوں اسے پہن کر بیت الخلاء میں جانا مکروہ ہے، حدیثِ مبارک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے، اس لئے کہ اس کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا، لہٰذا مذکورہ انگوٹھی اتار کر بیت الخلاء سے باہر رکھ کر یا (باہر رکھنے کی کوئی صورت نہ ہو) جیب میں یا کپڑے وغیرہ میں چھپا کر بیت الخلا میں جانا چاہئے۔

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ایک انگوٹھی پہننا ثابت ہے، اس سے زیادہ ثابت نہیں، لہٰذا مرد کے لیے ساڑھے چار ماشہ چاندی کی مقدار کے اندر اندر انگوٹھی پہننا جائز ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے، اور ایک سے زائد انگوٹھیاں پہننا مردانہ وقار کے بھی خلاف ہے، بلکہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے عام شخص کے لیے انگوٹھی نہ پہننے کو اولیٰ لکھا ہے۔ جہاں تک لاکٹ وغیرہ کی بات ہے تو یہ مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ خواتین کے لیے ایک سے زائد انگوٹھیاں اور لاکٹ وغیرہ زیور استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

بَابُ الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَنْ يَدْعُو مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ

راہ خداوندی میں جہاد اور جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دینا!

لغت میں جہاد کے معنی ہیں: کوشش کرنا۔ اور اصطلاح شریعت میں دین کی طرف دعوت دینا اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان، مال سے جنگ کرنا۔

جہاد کی مشروعیت: جہاد بالتدریج مشروع ہوا، شروع اسلام میں مسلمانوں کو کفار کے مصائب برداشت کرنے کا حکم تھا، جب مصائب و مشقتیں بڑھ گئیں تو ہجرت کا حکم ہوا، پھر جب مدینہ میں کچھ طاقت حاصل ہوگئی تو مسلمانوں کو دفاعی جہاد کا حکم دیا گیا۔ پھر آخر میں فرمایا: ﴿فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم﴾۔

858۔ مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : كَانَ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا قَالَ : أُغْزُوا بِاسْمِ اللهِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ فَقَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، لَا تَغُلُّوا وَ لَا تَغْدِرُوا وَ لَا تُمَثِّلُوا وَ لَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَ إِذَا حَاصَرْتُم حِصْنًا أَوْ مَدِينَةً فَادْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلامِ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَأَخْبِرُوهُمْ أَنَّهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَهُمْ مَا لَهُمْ وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَيْهِمْ وَ ادْعُوهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ إِلَى دَارِ الْإِسْلامِ فَإِنْ أَبَوْا فَأَخْبِرُوهُمْ أَنَّهُمْ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ أَبَوْا فَادْعُوهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ فَإِنْ فَعَلُوا فَأَخْبِرُوهُمْ أَنَّهُمْ ذِمَّةٌ وَإِنْ أَبَوْا أَن يُعْطُوا الْجِزْيَةَ فَانْبِذُوا إِلَيْهِمْ ثُمَّ قَاتِلُوهُمْ وَإِنْ أَرَادُوكُمْ أَنْ تُنْزِلُوهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ فَلَا تُنْزِلُوهُمْ ؛ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ مَا حُكْمُ اللهِ فِيهِمْ وَلَكِنْ أَنْزِلُوهُمْ عَلَى حُكْمِكُمْ ثُمَّ احْكُمُوا فِيهِمْ وَإِذَا أَرَادُوا مِنكُمْ أَنْ تُعْطُوهُمْ ذِمَّةَ اللهِ فَلَا تُعْطُوهُمْ وَلَكِنْ أَعْطُوهُمْ ذِمَمَكُمْ وَ ذِمَمَ آبَائِكُمْ فَإِنَّكُمْ أَنْ تَخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو اسے یہ نصیحت کرتے اللہ کے نام سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو، ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ جل جلالہ کا انکار کرتے ہیں، خیانت نہ کرو، دھوکا نہ دو اور لاشوں کی بے حرمتی نہ کرو، کسی بچے کو قتل نہ کرو، جب تم کسی قلعے یا کسی شہر کا محاصرہ کرو تو انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ وہ مسلمانوں میں سے ہیں، ان کے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہیں جو مسلمانوں کی ہیں، انہیں دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے کی ترغیب دو، اگر وہ دارالاسلام منتقل ہونے پر رضامند نہ ہوں تو انہیں بتاؤ کہ وہ مسلمانوں کے دیہاتیوں والے حقوق رکھتے ہیں، اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کا کہو، اگر وہ جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں تو وہ ذمی ہیں اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو ان کے ساتھ اعلان جنگ کرو اور ان سے قتال کرو، اگر وہ تمہیں پیش کش کریں کہ تم ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرو جو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو تم ان کی پیش کش کو قبول نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے، تم ان کے ساتھ اپنے فیصلے کے مطابق سلوک کرو، اگر وہ تمہیں یہ پیش کش کریں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کا عہد دو تو تم انہیں اللہ جل جلالہ کا عہد نہ دو، بلکہ تم انہیں اپنا اور اپنے آباء کا عہد دو کیونکہ اگر تمہیں ان سے اپنے عہد میں عہد شکنی کرنی پڑی تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد میں عہد شکنی کرو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

لغات: تَغُلُّوْا: مال غنیمت میں خیانت کرنا، چپکے سے کوئی چیز اپنے سامان میں ملا لینا، دھوکا دینا، مصدر، تغدِرُوا: کسی کے ساتھ بے وفائی کرنا، عہد شکنی کرنا، غداری کرنا، دھوکہ دینا، لَا تُمَثِّلُوا: کسی کی آنکھ یا ناک کان وغیرہ کاٹ کر صورت بگاڑنا مثلہ بنانا ،وَلِيدًا: نوزائیدہ بچہ، اس کا دوسرا معنی پیدائش کا مقام یا جائے پیدائش،، تَخْفِرُوا: از ”ض“ بے وفائی کرنا، دھوکہ دینا۔

859- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قَاتَلْتَ قَوْمًا فَادْعُهُمْ إِذَا لَمْ تَبْلُغْهُمُ الدَّعْوَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ فَإِنْ كَانَتْ بَلَغَتْهُمُ الدَّعْوَةُ فَإِنْ شِئْتَ فَادْعُهُمْ، وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَدْعُهُمْ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تم کسی قوم کے ساتھ قتال کرنے لگو تو پہلے انہیں دین کی دعوت دو، اگر ان تک دعوت نہ پہنچی ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس روایت کو اختیار کرتے ہیں، اگر ان تک دعوت پہنچی ہو پھر اگر تم چاہو تو انہیں دعوت دو اور اگر چاہو تو دعوت نہ دو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

جہاد کی اقسام:

حدیث کی تشریح سے قبل یہ جان لیجئے کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔

جہاد اقدامی: اقدامی جہاد سے مراد یہ ہے کہ کفار کی عہد شکنی، دعوت کے راستہ میں رکاوٹ یا شعائر اسلام کی توہین کی وجہ سے ان پر آگے بڑھ کر حملہ کیا جائے۔

اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ ترجمہ: اور ان کے خلاف قتال کرو، حتی کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لیے ہو جائے۔ تو اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔ (البقرۃ:193)

جہاد دفاعی: دفاعی جہاد سے مراد یہ ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقہ پر حملہ آور یا قابض ہو جائیں تو انہیں پچھاڑنے کے لیے جہاد کیا جائے۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ ترجمہ: اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں قتال کیوں نہیں کرتے جبکہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے کہہ رہے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی ساتھی اور مددگار بنا دے۔ (النساء:75)

حدیثِ باب کی وضاحت:

حدیث بالا میں جہاد اقدامی کا ذکر ہے اور اس میں مجاہدین اسلام کے لئے چند ہدایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ کہ

①......○ جہاد اقدامی کی مشروعیت:

②......○ جہاد فی سبیل اللہ کا اصل مقصد اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین اسلام کی سربلندی ہے۔

③......○ جہاد فی سبیل اللہ میں حاصل شدہ مال غنیمت میں خیانت اور چوری سے بچنا ضروری ہے۔

④......○ جہاد فی سبیل اللہ میں عہد شکنی سے بچنا انفراداً بھی اور من حیث الجماعت بھی۔

⑤......○ جہاد فی سبیل اللہ کے دوران کافروں کے قتل کرنے کا موقعہ ملا تو مقتولین کا مثلہ (اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے) بچنا ، کفار کی شکلیں مسخ کرنے سے اجتناب کرنا۔

⑥......○ جہاد فی سبیل اللہ کے دوران کافروں کے بچوں ، عورتوں ، کو قتل کرنے سے اجتناب کرنا ، اسی طرح معذوروں ، بوڑھوں کو قتل نہ کرنا ہاں اگر ان میں سے کوئی لڑائی کرے تو پھر قتل کیا جا سکتا ہے۔

⑦......○: قتال (لڑائی) شروع کرنے سے پہلے تین کام کرنا۔

پہلا کام:

ایمان کی دعوت دینا: یہ اس وقت شرط ہے جب کہ کفار کو کسی بھی طرح سے اسلام کا علم نہ ہو ، مگر اس دور میں اسلام اتنا عام ہے کہ کفار کو اسلام کے بارے میں خوب علم ہے ، بلکہ معلومات کی حد تک تو بعض کفار کو مسلمانوں سے بھی زیادہ علم ہے البتہ جسے دعوت پہنچ چکی ہوا سے دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے۔ بہرحال اس ضمن میں فقہاء کا قول فیصل یہ ہے کہ: "لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَاتِلَ مَنْ لَّمْ تَبْلُغِ الدَّعْوَةُ فِيْ اِبْتِدَاءِ الْاِسْلَامِ اَمَّا فِيْ زَمَانِنَا فَلَا حَاجَةَ اِلَى الدَّعْوَةِ لِاَنَّ الْاِسْلَامَ قَدْ فَاضَ وَاشْتَهَرَ فَمَا مِنْ زَمَانٍ اَوْ مَكَانٍ اِلَّا وَقَدْ بَلَغَهُ بَعْثُ النَّبِيِّ ﷺ وَدُعَائُهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَيَكُوْنُ الْاِمَامُ مُخَيَّرًا بَيْنَ الْبَعْثِ اِلَيْهِمْ وَتَرْكِهِ وَلَاَنْ يُّقَاتِلَهُمْ جَهْرًا اَوْ خُفْيَةً "۔

(الجوہرۃ النیرۃ)

ابتداءِ اسلام میں بغیر دعوت دیئے کفار کے ساتھ قتال جائز نہیں تھا ، مگر ہمارے زمانہ میں کفار کو اسلام کی دعوت کی کوئی ضرورت نہیں ؛ کیوں کہ اب ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں پر اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔

مختلف روایات (جن کی تفصیل کا موقع نہیں ، کتب سیر میں ملاحظہ فرمالیں) سے ثابت ہوتا ہے کہ قتال سے قبل کفار کو دعوت بھی صرف اجمالی دی جاتی تھی نہ کہ تفصیلی۔ اور وہ بھی منت سماجت کے ساتھ نہیں ، بلکہ سینہ تان کر اور مجاہدانہ لب ولہجہ میں تلوار لٹکا کر ، مسلح ہو کر اور یہی دعوت اتمامِ حجت ہے جس کا انکار موجبِ عذابِ الٰہی ہے۔

دوسرا کام: اگر کفار قبولِ دعوت سے انکاری ہو جائے تو ان کو جزیہ دینے کا کہا جائے گا اگر یہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو ان کو مسلمانوں کے سے حقوق حاصل ہونگے۔

تیسرا کام: اگر جزیہ دینے سے انکاری ہو تو اب ان سے قتال شروع کی جائے گی

۸......اگر کفار سے کسی قسم کی معاہدے کی ضرورت پڑے تو یہ معاہد اللہ اور سول اللہ کا نہ کیا جائے بلکہ امیر اپنے اور اپنے آباء واجداد کا نام لکھے۔ حدیث بالا میں اس کی ایک وجہ تو یہ ذکر ہوئی کہ اللہ جل جلالہ ان کے بارے میں کیا فیصلہ فرمائیں گے اس کا علم نہیں۔ دوسری وجہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اس فیصلے کی خلاف ورزی ہوجائے تو یہ اللہ جل جلالہ کے فیصلے کی خلاف ورزی ہوگی، اسی لئے فرمایا کہ مسلمان اپنے اور اپنے آباء واجداد کے نام کا عہد لکھے۔

بَابُ الْغَنِيمَةِ وَالنَّفْلِ

مال غنیمت اور نفل کے بارے میں!

860۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي حُمَصَةَ قَالَ: بَعَثَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي جَيْشٍ إِلَى مِصْرَ فَأَصَابُوا غَنَائِمَ فَقَسَّمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا فَرَضِيَ بِذَلِكَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى. وَلَسْنَا نَأْخُذُ بِهَذَا وَلَكِنَّا نَرَى لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ سَهْمًا لَهُ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهِ.

ترجمہ: حضرت منذر بن ابی حمصہ رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی طرف ایک لشکر میں بھیجا، پس ان کو مالِ غنیمت حاصل ہوا، پس انہوں نے گھڑسوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید فرمائی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے البتہ ہم اس کو اختیار نہیں کرتے ہماری رائے میں گھڑسوار کے تین حصے ہیں، ایک حصہ اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

گھڑسوار کو کتنے حصے ملیں گے؟

مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہوگا اس کی صورت کیا ہوگی اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمۃ اللہ علیہم میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

- **امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:** جو گھوڑسوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے ایک اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا اور جو پیدل جہاد کررہا ہے، اس کو صرف ایک حصہ ملے گا۔
- **ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم:** فارس کے تین حصے ہیں، فرس کے دو اور ایک حصہ فارس کا، ملا کر تین حصے ہوئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: حدیثِ باب، اور ابوداؤد کی ایک روایت ہے جس میں ہے: "فاعطی الفارس سهمين والراجل سهما"۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے "جعل للفارس سهمين والراجل سهما"۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فارس کے لیے تین حصے مقرر

کیے، ایک فارس کے لیے اور دو گھوڑے کے لیے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے **جواب**: وہ احادیث جن میں تین حصوں کا ذکر ان میں فارس کو بطور نفل تیسرا حصہ دیا گیا ہوگا۔

861 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَحِبُّ النَّفْلَ لِيَغْرِيَ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى عَدُوِّهِمْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نفل کو مستحب قرار دیتے تھے تاکہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف جنگ پر ابھارا جا سکے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

لغات: لِيَغْرِيَ: ابھارنا، از تفعیل، س، مصدر: غراو غراء، النفل کا معنی ہے، زائد، یہ بھی مال غنیمت پر زیادتی ہوتی ہے۔

862 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: النَّفْلُ أَنْ يَّقُولَ: مَنْ جَاءَ بِسَلَبٍ فَهُوَ لَهُ وَمَنْ جَاءَ بِرَأْسٍ فَلَهُ كَذَا وَ كَذَا فَهٰذَا النَّفْلُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نفل یہ ہے کہ یوں کہا جائے جو شخص کسی کا سامان چھین کر لائے گا وہ اسی کا ہوگا، جو کسی کا سر لائے گا اسے فلاں فلاں چیز ملے گی، یہ نفل (زائد حصہ) ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

قتال پر ابھارنے کیئے لئے مجاہدین کو انعام دینا:

مال غنیمت میں حصہ کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے اور لوگوں کو قتال پر اکسانے کے لئے امام یہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اس کا سب ساز و سامان اسی کو دیا جائے گا یا کسی دستہ کے متعلق کہہ دے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے، اس کے بعد اس کو مال غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے یہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ مقتول کا سلب جو قاتل کو دیا جاتا ہے یہ من حیث الاستحقاق ہے یا من حیث التنفیل؟

- **امام شافعی و احمد** رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک من حیث الاستحقاق ہے یعنی امام کی رائے اور اس کی عطاء پر موقوف نہیں وہ اس کا اپنا حق ہے۔
- **امام ابوحنیفہ و مالک** رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک سلب از قبیل تنفیل ہے یعنی امام کی طرف سے کسی مجاہد کو اس کے کارنامہ پر بطور حصہ زائدہ اور انعام کے دیا جاتا ہے، لہٰذا اگر امام کی جانب سے اعلان ہوا ہے تب اس کے لئے ہوگا ورنہ نہیں۔

863 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : مَا أَحْرَزَ أَهْلُ الْحَرْبِ مِنْ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ أَصَابَهُ الْمُسْلِمُونَ فَهُوَ رَدٌّ عَلَى صَاحِبِهِ إِنْ أَصَابَهُ قَبْلَ أَنْ يُقَسَّمَ الْفَيْءُ وَإِنْ أَصَابَهُ بَعْدَ مَا قُسِّمَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ بِثَمَنِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَالثَّمَنُ الْقِيمَةُ، وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کافر فوج نے مسلمانوں کے مالوں پر قبضہ کرلیا اور پھر مسلمان وہ چیزیں دوبارہ حاصل کرلیں تو اگر مسلمان مالک نے غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے اس کو حاصل کیا تو وہ مسلمان مالک کو واپس دی جائیں گی اور اگر تقسیم کے بعد مالک نے حاصل کی تو مسلمان مالک ثمن اداء کر کے واپس لینے کا حقدار ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ثمن سے مراد قیمت ہے اور ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

864 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ أَصَابَهُ الْعَدُوُّ ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَإِنْ وَجَدَهُ صَاحِبُهُ قَبْلَ أَنْ يَّقْسِمَهُ الْمُسْلِمُونَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهٖ وَإِنْ وَجَدَهُ بَعْدَمَا قُسِمَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهٖ بِالثَّمَنِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٖ نَأْخُذُ، وَإِنَّمَا يَعْنِي بِالثَّمَنِ الْقِيمَةَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: ہر وہ چیز جس پر دشمن نے قبضہ کرلیا پھر اس کے بعد مسلمان مجاہدین نے وہ چیز دوبارہ حاصل کی تو اگر مسلمانوں کی تقسیم سے پہلے مسلمان مالک ان تک پہنچ گیا تو وہی اس کا حقدار ہوگا اور اگر تقسیم کے بعد وہ ان تک پہنچا تو وہ اس کا ثمن ادا کر کے لینے کا حقدار ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور ثمن سے مراد قیمت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

کفار کے غلبہ کا بیان:

کافر اگر مسلمان کے مال پر تسلط اور غلبہ پا کر اس کو اپنے قبضہ میں کرلے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر اس مال کا مالک نہ ہوگا کیونکہ کافر کا مسلمان کے مال پر غلبہ حاصل کر کے اس کو دارالحرب میں محفوظ کرلینا فعل حرام ہے، اور مال کا مالک ہونا امر مشروع اور نعمت ہے اور فعل حرام کسی امر مشروع کا سبب نہیں ہوتا ہے اس لئے مسلمان کے مال پر غلبہ پانے کی وجہ سے کافر اس مال کا مالک نہ ہوگا۔

احناف رحمۃ اللہ علیہم نزدیک اس قبضہ کی وجہ سے کافر مسلمان کے مال کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ مہاجرین جو مکۃ المکرمہ میں مالدار تھے اپنا مال مکہ میں چھوڑ کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے اور مدینہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے ان کو فقراء کہا گیا ہے، اس لئے کہ ان کا جو مال مکہ میں رہ گیا تھا اس پر کفار مکہ نے قبضہ کرلیا تھا اور قبضہ پانے کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہو گئے تھے، پس اگر کفارِ مکہ مسلمانوں کے مال پر تسلط پانے کے باوجود اس کے مالک نہ ہوتے بلکہ مسلمان ہی اس کے مالک رہتے تو محض ہجرت کرنے سے ان کو فقراء نہ کہا جاتا مہاجرین کو فقراء کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ کفارِ مکہ مسلمانوں کے مال پر تسلط پا کر اس کے مالک ہو گئے ہیں۔

کافروں نے مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرلیا تھا اب مسلمانوں نے دوبارہ حملہ کر کے مال واپس لے لیا تو اس بات پر تو سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر تقسیم غنیمت سے پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں فلاں چیز فلاں مسلمان کی ہے، تو اس صورت میں اس مال کو اس مسلم کی جانب واپس کردیا جائے گا اور اس کے بدلہ اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اگر اس بات کا علم تقسیم غنیمت کے بعد ہو تو اس صورت

میں حنفیہ و مالکیہ کہتے ہیں کہ تقسیم ہو کر جس کے قبضہ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے، اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے، اور شوافع کے نزدیک بعد القسمہ بھی اس مسلم کی جانب واپس کر دیا جائے گا ان کے نزدیک اس مال کو مال غنیمت قرار دینا ہی صحیح نہیں۔

حربی کافر مسلمانوں کا مال دار الحرب لے گئے اگر کوئی تاجر اس مال کو حربیوں سے خرید کر دار الاسلام لے آیا تو مالک اول کو دو اختیار ہیں:

① ...... ○ جتنی قیمت دے کر تاجر لایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے۔

② ...... ○ اگر قیمت دے کر لینا نہیں چاہتا ہے تو چھوڑ دے، کیونکہ تاجر سے مفت لینے میں اس کا نقصان ہے۔

بَابُ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ وَمِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ كَانَ يَتَذَاكَرُ الْفِقْهَ

صحابہ کے فضائل اور نبی ﷺ کے صحابہ میں سے فقہ کا مذاکرہ کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم!

865 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: كَانَ سِتَّةٌ مِّنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَتَذَاكَرُونَ الْفِقْهَ مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأُبَيٌّ وَأَبُو مُوسَى عَلَى حِدَةٍ وَعُمَرُ وَزَيْدٌ وَابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ.

ترجمہ: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقہ کے مذاکرے میں نمایاں تھے ان میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی ابن کعب، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم الگ گفتگو کرتے اور حضرت عمر فاروق حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی مذاکرہ فرماتے۔

فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم:

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں شرعی احکام کا دارومدار کتاب اللہ یعنی قرآن اور سنتِ رسول اللہ یعنی حدیث کی صورت میں وحی الٰہی کے تازہ ارشادات و ہدایات پر تھا اور غیر منصوص مسائل میں رسول اللہ ﷺ کے آراء و اقوال اور مرضیات کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آراء و اقوال سے بھی کام لیا جاتا تھا، خصوصاً عہد رسالت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دینی امور میں مشورہ اور فتویٰ دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال اور وحی الٰہی کے انقطاع کے بعد شرعی مسائل و حوادث میں کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرجع تھے اور نئے مسائل میں اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء و اقوال معتبر مانے جاتے تھے جو دینی علم میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور ان کے مشورہ سے اہم مسائل طے ہوتے تھے۔ بالفاظِ دیگر خلافتِ راشدہ میں اجماع امت کی تشکیل شروع ہو گئی تھی اور اس دور کے اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء معتبر مانی جانے لگیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وہی حضرات دینی مسائل میں معتبر مانے جاتے تھے جو قرآن کے عالم تھے، جنھوں نے قرآن کو لکھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو پڑھا اور اس کے معنی و مفہوم اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کو سمجھا، اس زمانے میں ایسے اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم "قُرّاء" کے لقب سے مشہور ہوئے، یہ لقب عالم کو غیر عالم سے ممتاز کرتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اصحابِ فتویٰ تقریباً ایک سوتیس (130) حضرات تھے جن میں مرد اور عورتیں دونوں صنف شامل تھیں، ان میں فتویٰ کے اعتبار سے سات (7) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "مکثّرین" ہیں یعنی ان کے فتاویٰ کثرت سے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ۲- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۴- ام المومنین حضرت عائشہ

۵- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۶- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

ان حضرات کے فتاوے اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہر صحابی کے مسائل و فتاویٰ کئی کئی ضخیم جلدوں میں تیار ہو جائیں، چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاوے بیس (20) جلدوں میں جمع کیے تھے۔

(سیرت آئمہ اربعہ، ص ۱۱)

866 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَسَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَحْمُومٌ فَقَالَ عُمَرُ: أَتَأْخُذُكَ هٰكَذَا وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ؟ فَقَالَ: إِنَّهَا إِذَا أَخَذَتْنِي شَقَّتْ عَلَيَّ، إِنَّ أَشَدَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَلَاءً نَبِيُّهَا، ثُمَّ الْخَيِّرُ فَالْخَيِّرُ وَكَذٰلِكَ الْأَنْبِيَاءُ قَبْلَكُمْ وَالْأُمَمُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کو ہاتھ لگایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں بخار ہوتا ہے اور آپ اللہ جل جلالہ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے بخار ہوتا ہے تو سخت بخار ہوتا ہے اس امت میں سب سے زیادہ سخت آزمائش ان کے نبی کی ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ نیک لوگوں کی اسی طرح تم سے پہلے انبیاء کرام اور امتوں کا معاملہ بھی تھا۔

867 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ قَالَ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُطْعِمُ النَّاسَ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ بِيَدِهِ عَصًا فَمَرَّ بِرَجُلٍ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ كُلْ بِيَمِينِكَ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ إِنَّهَا مَشْغُولَةٌ، قَالَ: فَمَضَى ثُمَّ مَرَّ بِهِ وَهُوَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ كُلْ بِيَمِينِكَ، قَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ إِنَّهَا لَمَشْغُولَةٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. قَالَ: وَمَا شُغْلُهَا؟ قَالَ: أُصِيبَتْ يَوْمَ مُؤْتَةَ، قَالَ: فَجَلَسَ عِنْدَهُ عُمَرُ يَبْكِي فَجَعَلَ يَقُولُ لَهُ: مَنْ يُوَضِّئُكَ؟ مَنْ يَغْسِلُ رَأْسَكَ وَثِيَابَكَ؟ مَنْ يَصْنَعُ كَذَا وَكَذَا؟ فَدَعَا لَهُ بِخَادِمٍ وَأَمَرَ لَهُ بِرَاحِلَةٍ وَطَعَامٍ وَمَا يَصْلُحُهُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ حَتَّى رَفَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْوَاتَهُمْ يَدْعُونَ اللهَ لِعُمَرَ مِمَّا رَأَوْا مِنْ رِقَّتِهِ

بِالرَّجُلِ وَاهْتِمَامِهِ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ.

ترجمہ: حضرت علی بن اقمر رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور وہ چکر لگا رہے تھے اور ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی آپ رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بندہ خدا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا اے اللہ کے بندے وہ مشغول ہے۔ راوی فرماتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ چلے گئے پھر اس کے پاس سے گزرے تو وہ بائیں ہاتھ سے ہی کھا رہا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے بندے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے پھر وہی جواب دیا تین مرتبہ ایسا ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے سے پوچھا: وہ کیسے مشغول ہے؟ اس نے کہا غزوہ موتہ کے دن وہ کٹ گیا تھا فرماتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگے اور اس سے پوچھا تجھے وضو کون کراتا ہے تیرا سر اور تیرے کپڑے کون دھوتا ہے فلاں کام کون کرتا ہے، فلاں کام کون کرتا ہے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایک خادم بلایا اور اس سے کہا کہ: اس کی سواری اور اس کے کھانے اور جو بھی ضروری امور ہیں ان کے لئے مناسب اشیاء کا مہیاء کرنا تمہاری ذمہ داری ہے حتی کہ اس آدمی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمدردی اور مسلمانوں کے معاملات میں آپ کے احساسِ ذمہ داری کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلند آواز سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعائیں دی۔

تشریح:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کے حالات پر مطلع ہونے کے لیے راتوں کو چکر لگایا کرتے تھے، ان کی ضرورت کا سامان اپنی کمر پر لاد کر ان کو پہنچایا کرتے تھے، رعایا کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کے بے شمار واقعات میں سے ایک واقعہ اس روایت میں بھی موجود ہے۔ واقعی امیر المومنین کے کاندھوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہ حضرات اس کے واقعۃً اہل تھے اور انہوں نے بعد والوں کے لیے ہر باب میں مثالیں قائم کیں۔ (المختار)

868 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حِينَ طُعِنَ فَقَالَ: رَحِمَكَ اللهُ فَوَ اللهِ مَا فِي الْأَرْضِ أَحَدٌ كُنْتُ أَلْقَى اللهَ بِصَحِيفَتِهِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْكَ.

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن علی بیان رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاتلانہ حملہ میں شدید زخمی ہوئے تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا اللہ جل جلالہ آپ پر رحم فرمائے، خدا کی قسم روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے بارے میں میری یہ خواہش ہو کہ میں اللہ جل جلالہ سے جب ملاقات کروں تو میرے پاس اس کا نامہ اعمال ہو۔

تشریح:

واقعۃً حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدل و انصاف، رعایا کے حقوق کی ادائیگی، اللہ جل جلالہ کے فرائض کی ادائیگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان

چھڑ کنے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے میں بڑے ممتاز تھے۔ (المختار)

بَابُ الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ وَالْغِيبَةِ وَالْبُهْتَانِ

سچ، جھوٹ، غیبت اور بہتان!

صدق کا معنی ہے واقع کے مطابق خبر دینا ہے۔

کسی کے بارے میں خلافِ حقیقت خبر دینا جھوٹ کہلاتا ہے۔

سچ ایک اچھی خصلت ہے:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب الصدق والکذب میں آداب زندگی سے متعلق احادیث بیان کی ہیں، جن میں سچائی کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت کا ذکر ہے، اس میں ایک حدیث کے الفاظ ہیں: "حتی یکتب صدیقا ... کذابا" یہاں کتابت سے مراد یہ ہے کہ اس کیلئے صدیق یا کذاب ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جس کا اظہار فرشتوں کے سامنے بھی کر دیا جاتا ہے، اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ یہ صدیق ہے یا کذاب جیسا کہ لوگوں کے دلوں میں کسی کیلئے ہر دلعزیزی یا نفرت ڈالی جاتی ہے، اس کتابت سے تقدیر میں لکھنا مراد نہیں، کیونکہ وہ تو پہلے لکھی جا چکی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں آئی ہے: آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اسکا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے، اور اللہ جل جلالہ کے ہاں وہ جھوٹ بولنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ا

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: کہ احادیث میں سچائی کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت ذکر کر کے اس بات کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ ہر موقع پر سچ بولنے کا اہتمام اور غلط بیانی اور جھوٹ سے گریز کیا جائے۔ (فتح الباری)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق کا لفظ چھ معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے:

① ۔صدق فی القول: بات چیت میں سچائی۔

② ۔صدق فی النیۃ والإرادۃ: نیت اور ارادہ میں صداقت۔

③ ۔صدق فی العزم: ارادے اور عزم میں سچائی۔

④ ۔صدق فی الوفاء بالعزم: عزم کو پورا کرنے میں سچائی۔

⑤ ۔صدق فی العمل: عمل میں سچائی۔

⑥ ۔صدق فی تحقیق مقامات الدین کلھا: دین کے تمام مقامات اور امور میں سچائی۔ جس شخص میں صدق کے یہ

تمام درجات پائے جائیں وہ "صدیق" کہلاتا ہے، پھر جس میں جتنا صدق ہوگا، اسی اعتبار سے اسے صادق اور سچا کہا جائیگا۔
(تکملہ فتح الملہم، کتاب البر والصلۃ، باب قبح الکذب، ج:5، ص:421)

جھوٹ کی مذمت:

جھوٹ ایک ایسی بیماری ہے جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کے درمیان لڑائی، جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان عداوت و دشمنی کو پروان چڑھاتی ہے۔ اس سے آپس میں ناچاقی بڑھتی ہے۔ اگر ہم ایک صالح معاشرہ کا فرد بننا چاہتے ہیں، تو یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم لوگوں کو جھوٹ کے مفاسد سے آگاہ اور باخبر کریں، جھوٹے لوگوں کی خبر پر اعتماد نہ کریں، کسی بھی بات کی تحقیق کے بغیر اس پر ردِّ عمل نہ دیں۔ اگر ایک آدمی کوئی بات آپ سے نقل کرتا ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ ثبوت پیش نہیں کر پاتا تو اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دیں اور اسے دھتکاریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت ناپسند نہیں تھی"، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر کسی کے حوالے سے یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ دروغ گو ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کدورت بیٹھ جاتی اور اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل صاف نہیں ہوتا، جب تک یہ معلوم نہ ہوجاتا کہ اس نے اللہ سے اپنے گناہ کی نئے سرے سے توبہ نہیں کرلی ہے۔ (مسند احمد، بحوالہ احیاء العلوم، ج:۳، ص:۲۰۹)

چند مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت:

شیخ الاسلام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب: "ریاض الصالحین" میں "باب بیان ما یجوز من الکذب" کے تحت رقم طراز ہیں:

"آپ جان لیں کہ جھوٹ اگرچہ اس کی اصل حرام ہے، مگر بعض حالات میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بات چیت مقاصد (تک حصول) کا وسیلہ ہے، لہٰذا ہر وہ اچھا مقصد جس کا حصول بغیر جھوٹ کے ممکن ہو، وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اگر اس کا حصول بغیر جھوٹ کے ممکن ہی نہ ہو، وہاں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ پھر اگر اس مقصد کا حاصل کرنا "مباح" ہے، تو جھوٹ بولنا بھی مباح کے درجے میں ہے۔ اگر اس کا حصول واجب ہے تو جھوٹ بولنا بھی واجب کے درجے میں ہے۔ چنانچہ جب ایک مسلمان کسی ایسے ظالم سے چھپ جائے، جو اس کا قتل کرنا چاہتا ہے، یا پھر اس کا مال چھیننا چاہتا ہے اور اس نے اس مال کو چھپا کر کہیں رکھ دیا ہو، پھر ایک شخص اس حوالے سے سوال کیا جائے (کہ وہ شخص یا مال کہاں ہے؟) تو یہاں اس (شخص یا مال) کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اسی طرح کسی کے پاس امانت رکھی ہوئی ہو، ایک ظالم شخص اس کو غصب کرنا چاہتا ہے، تو یہاں بھی اس کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

زیادہ محتاط طریقہ یہ ہے کہ ان صورتوں میں "توریہ" اختیار کیا جائے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ (بولنے والا شخص) اپنے الفاظ

سے ایسے درست مقصود کا ارادہ کرے، جو اس کے لحاظ سے جھوٹ نہ ہو، اگر چہ ظاہری الفاظ اور مخاطب کی سمجھ کے اعتبار سے وہ جھوٹ ہو۔ اگر وہ شخص "توریہ" سے کام لینے کے بجائے صراحتاً جھوٹ بھی بولتا ہے، تو یہ ان صورتوں میں حرام نہیں ہے"۔

(باب بیان ما یجوز من الکذب، ریاض الصالحین)

غیبت کی تعریف اور اس کا حکم:

غیبت یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں ایسی کوئی بات کہنا یا کوئی عیب ذکر کرنا جس کو وہ سنتا تو ناپسند کرتا، اگر چہ وہ سچی بات ہی ہو، کیونکہ اگر وہ بات سچی نہ ہو محض غلط الزام لگائے تو یہ بہتان ہے، غیبت اور بہتان دونوں کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے۔

اور اس میں عموم ہے کہ اس بات اور عیب کا تعلق خواہ اس کے بدن سے ہو یا عقل سے، اسکے دین کے بارے میں ہو یا دنیا کے بارے میں، اسکے اخلاق و افعال سے متعلق ہو یا نفس سے، مال و اسباب کے بارے میں ہو یا اولاد سے متعلق ہو، والدین کے بارے میں ہو یا اہل وعیال اور ملازمین کے بارے میں، اسکے لباس وغیرہ سے متعلق ہو یا کلام وگفتگو سے، اسکی شکل وصورت سے متعلق ہو یا رہن سہن اور اٹھنے بیٹھنے سے، اسکی حرکات وسکنات سے ہو یا عادات سے، خواہ یہ بات اسکی نرمی سخت گوئی یا نرم خوئی سے متعلق ہو یا خاموشی سے اور یا ان چیزوں کے علاوہ کسی بھی ایسی چیز سے ہو جو اسکی ذات سے متعلق ہوسکتی ہے، یہ تمام چیزیں غیبت میں داخل ہیں۔

غیبت جس طرح زبان اور کلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارے سے بھی ہوتی ہے، مثلاً کسی کے لنگڑے پن کی نقل اتارنا یا ہاتھ، آنکھ اور سر کے اشارے سے کسی کی توہین وتحقیر کرنا، اس انداز سے بھی غیبت ہوتی ہے۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب الغیبة، ج::10، ص:575)

غیبت کا حکم یہ ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور حرام ہے، اور غیبت جس طرح مسلمان کی حرام ہے، اسی طرح بچے، پاگل اور مسلمان ملک میں رہنے والے کافر ذمّی کی بھی حرام ہے، کیونکہ انہیں بھی تکلیف پہنچانا شرعاً حرام ہے، اور جو کافر حربی ہیں یعنی اپنے کافر ملک میں ہی رہتے ہیں، ان کی غیبت حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے مکروہ ضرور ہے، اسلئے ان کی غیبت کرکے اپنے وقت کو ضائع کرنے سے بچانا چاہئیے۔

بعض موقعوں پر غیبت کی اجازت ہے

بعض صورتوں میں غیبت کا جواز احادیث سے ثابت ہے، مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا وجہ مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں، بشرطیکہ وہ ضرورت اور مصلحت شرعاً معتبر ہو، عموماً چھ وجہ سے غیبت کرنا جائز ہوتا ہے:

① ۔کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو اس کے ظلم کو دفع کرسکے۔

② ۔کسی کی اولاد اور بیوی کی شکایت اسکے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کرسکے۔

③ ۔حدیث کے راویوں اور گواہوں کا حال بتانا۔

④۔کسی واقعہ کے متعلق فتوی حاصل کرنے کیلئے اصل صورتحال بتانا۔

⑤۔مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کیلئے کسی کا حال بتلانا، یا کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کیلئے اسکا حال بتانا۔

⑥۔جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے گناہ کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے، اسکے برے اعمال کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں، مگر بلاضرورت اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے مکروہ ہے، حاصل یہ کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اسکی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت اور مجبوری سے غیبت کی گئی ہو تو یہ جائز ہے۔(شرح مسلم للنووی، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة، ج:2، ص:322)

اسی طرح اگر انسان کسی کو متعین کیے بغیر عمومی الفاظ سے کسی عیب وغیرہ کا ذکر کرے مثلاً بعض لوگوں نے کہا، یا فلاں علاقے کے لوگوں کا یہ طرز عمل ہے، یہ انداز بھی غیبت میں داخل نہیں ہے۔

869 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا كَذَبْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا كَذِبَةً وَاحِدَةً قِيلَ: وَمَا هِيَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالَ: كُنتُ أُرَحِّلُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِرَجُلٍ مِنَ الطَّائِفِ يُرَحِّلُ لَهُ فَقَالَ الرَّجُلُ : مَنْ كَانَ يُرَحِّلُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقِيلَ لَهُ: ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ فَأَتَانِي فَقَالَ لِي: أَيُّ الرَّاحِلَةِ كَانَتْ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقُلْتُ: الطَّائِفِيَّةُ الْمُنَكَّبَةُ (أَوِ الْمُنَكَّبَةُ) فَرَحَّلَ بِهَا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَكِبَ وَكَانَتْ مِنْ أَبْغَضِ الرَّاحِلَةِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَنْ رَحَّلَ هَذِهِ؟ فَقَالُوا: الرَّجُلُ الطَّائِفِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مُرُوا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ فَلْيُرَحِّلْ لَنَا قَالَ: فَرُدَّتْ إِلَيَّ الرَّاحِلَةُ.

ترجمہ: حضرت معن بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اسلام لانے کے بعد صرف ایک جھوٹ بولا ہے، ان سے پوچھا گیا، اے ابوعبدالرحمن وہ کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اونٹ کی سواری تیار کیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری تیار کرنے کے لئے طائف سے ایک آدمی لایا گیا، اس آدمی نے پوچھا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سواری کون تیار کرتا تھا، اسے بتایا گیا کہ ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)، وہ آدمی میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کے لئے کس قسم کا کجاوا پسند فرماتے ہیں؟ میں نے کہا: منکبی طائفی (ایک مخصوص طرز کا کجاوہ) کو، چنانچہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے منکبی طائفی کجاوا تیار کر دیا، حالانکہ یہ کجاوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ ناپسند تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کہ کجاوا کس نے تیار کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ طائف والے آدمی نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ابن ام عبد کو کہو کہ وہ ہمارے لئے سواری پر کجاوا تیار کرے، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری تیار کرنے کی خدمت واپس میرے پاس آ گئی۔

تشریح:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے محرومی ان کے لیے بڑی شاق تھی اس لیے اس تدبیر سے اسے اپنے پاس رکھنا چاہا اور غلبہ محبت اور عالمِ شوق میں اس کے حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا، بھلا محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے بڑھ کر اور کوئی خدمت ہو سکتی تھی اور سرکار دو عالم کی خدمت سے محرومی سے بڑھ کر کوئی محرومی ہو سکتی تھی؟ اس کے لیے ان حضرات کو سر دھڑ کی بازی لگانا بھی منظور تھا۔(المختار)

870۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا حَدَّثَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَ: حَدَّثَتْنِي الصِّدِّيقَةُ بِنْتُ الصِّدِّيقِ حَبِيبَةُ حَبِيبِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت بیان کرتے تو فرماتے ہم سے صدیقہ بنت صدیق نے بیان کیا جو اللہ کے محبوب کی محبوبہ ہیں۔

تشریح:

حدیث میں ابھی گزرا کہ انسان سچ بولتا رہتا ہے اور اس کے درپے رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ جل جلالہ کے ہاں بھی صدیق (سچا) لکھ دیا جاتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام ہی صدیق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدیقہ پڑ گیا تھا، اسی طرح انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ کے ہاں بھی اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

871۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا قُلْتَ فِي الرَّجُلِ مَا فِيهِ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَ إِنْ قُلْتَ مَا لَيْسَ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم نے کسی شخص کے بارے میں ایسی بات کی جو اس میں موجود تھی تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر تم نے اس کے بارے میں ایسی بات کی جو اس میں نہیں تھی تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی رائے ہے۔

تشریح:

عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیبت اسے کہتے ہیں جسے انسان اس شخص کے سامنے نہ کہہ سکے یا جو عجیب واقعۃً اس میں موجود ہو، کہتے ہیں صاحب یہ بات ہم اس کے منہ پر بھی کہہ سکتے ہیں، حالاں کہ بات یہ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ بات اس شخص میں موجود ہے اور اس کے پیٹھ پیچھے کی جائے تو وہ غیبت کہلائے گی جو گناہ کبیرہ ہے اور اگر وہ بات اس میں موجود ہی نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔(المختار)

بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ وَبِرِّ الْوَالِدَيْنِ

صلہ رحمی اور ماں باپ سے نیکی کرنا!

بِرٌّ: (باء کی زیر کے ساتھ نیکی، اطاعت، حسن سلوک، اس لفظ سے عموماً وہ نیکی اور بھلائی مراد ہوتی ہے جو والدین کے ساتھ کی جائے۔صلۃ: کسی کے ساتھ بھلائی کرنا، تعلقات کو جوڑنا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

قرآن وحدیث میں بیسیوں مقام پر والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اور جائز امور میں انکی اطاعت اور فرمانبرداری کو اسلام نے ضروری قرار دیا ہے، ہاں اگر والدین خلاف شرع کسی چیز کا حکم دیں تو پھر ان کی بات ماننا جائز نہیں ہے۔

یوں تو حسن سلوک اور نیکی والد اور والدہ دونوں کے ساتھ کرنی چاہیے لیکن جمہور علماء کے نزدیک ماں کا حق والد کے مقابلے میں زیادہ ہے، کیونکہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین بار ماں کے ساتھ نیکی کرنیکا حکم دیا ہے اور پھر والد اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

ماں کا حق اسلئے مقدم ہے کہ وہ حمل کی تھکاوٹ، وضع حمل کی تکلیف اور ایک طویل عرصہ بچے کو دودھ پلانے کی مشقت برداشت کرتی ہے، اس مفہوم کو اللہ جل جلالہ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا-وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾۔(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الاداب، باب البر والصلۃ، ج:8،ص:648)

ان تمام احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ اور خاص طور پر اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان کی خدمت کی سعادت سے سرشار ہو کر دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہو، اور ان سے دعائیں لیکر اپنی آخرت کو سنوارے۔

موجودہ دور میں چونکہ مسلم معاشرہ دینی تعلیمات سے بہت دور ہو چکا ہے، ہر طرف مفاد پرستی اور خود غرضی کا راج ہے، اسلئے اولاد کا بھی والدین کے ساتھ برائے نام سا تعلق رہ گیا ہے، ان کی خدمت کے بجائے اپنے دنیوی کاروبار کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ رویہ اسلامی رو سے جائز نہیں ہے، ہر ممکن کوشش کی جائے کہ والدین کے ساتھ نرم رویہ رکھا جائے، اگر وہ ظلم بھی کردیں تو بھی ان کے ساتھ بد اخلاقی اور بدتمیزی سے پرہیز کیا جائے، اگر والدین کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب کرتے ہوں تو ادب واحترام سے ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، اسکے باوجود اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو پھر ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کرنا مناسب نہیں ہے، خاموشی اختیار کی جائے اور اللہ جل جلالہ سے ان کیلئے تہ دل سے مانگا جائے تاکہ انہیں ہدایت حاصل ہو جائے۔

872۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ نَاصِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ الْيَمَانِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ

اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ عَمَلٍ أُطِيعَ اللهُ فِيهِ أَعْجَلُ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ عُصِيَ اللهُ فِيهِ أَعْجَلُ عُقُوبَةً مِنَ الْبَغْيِ وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ.

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسا عمل نہیں کہ جس میں اللہ کی اطاعت کی جائے، (اور) اس کا بہت جلد ثواب ملے، اور بغاوت وظلم سے بڑھ کر کوئی ایسا عمل نہیں کہ جس میں اللہ کی نافرمانی کی جائے (اور) بہت جلد سزا کا سامنا کیا جائے، اور جھوٹی قسم زمینوں کو ویران چھوڑ دیتی ہے۔

873- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: أَتَيْتُكَ لِأُجَاهِدَ مَعَكَ وَتَرَكْتُ وَالِدَيَّ يَبْكِيَانِ قَالَ: فَانْطَلِقْ فَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ لَا يَنْبَغِي إِلَّا بِإِذْنِ وَالِدَيْهِ مَا لَمْ يَضْطَرَّ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِ فَإِذَا اضْطَرُّوا إِلَيْهِ فَلَا بَأْسَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: محمد بن سوقہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں اور میں اپنے والدین کو روتے ہوئے چھوڑ کر آیا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ ان کو ہنساؤ جیسا کہ تم نے انہیں رُلایا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، اگر مسلمان حالت اضطرار میں نہ ہوں تو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے جانا درست نہیں لیکن اگر مسلمان حالت اضطرار میں ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانا:

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا بھی درست ہے۔ اور اگر فرض کفایہ ہو تو والدین کی اطاعت مقدم ہے اور اس صورت میں ان کی خدمت واطاعت کرنے ہی میں حدیث شریف کے مطابق جہاد کا ثواب ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا يَحِلُّ لَكَ مِنْ مَالِ وَلَدِكَ

اولاد کے مال سے تمہارے لئے کیا حلال ہے!

874- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَفْضَلُ مَا أَكَلْتُمْ كَسْبُكُمْ وَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ. قَالَ مُحَمَّدٌ: لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ مُحْتَاجًا أَنْ يَأْكُلَ مِنْ مَالِ ابْنِهِ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَانَ غَنِيًّا فَأَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا فَهُوَ دَيْنٌ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بہترین مال جو کہ تم کھاؤ وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر انسان محتاج ہو اور وہ اپنے بیٹے کے مال میں سے مناسب طریقے سے کھائے، اور اگر آدمی

مالدار ہو اور اس نے بیٹے کے مال میں سے کچھ لیا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

875 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : لَيْسَ لِلْأَبِ مِنْ مَّالِ ابْنِهِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَّحْتَاجَ إِلَيْهِ مِنْ طَعَامٍ أَوْ شَرَابٍ أَوْ كِسْوَةٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: باپ کے لئے اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ نہیں مگر یہ کہ باپ اس کے کھانے یا پینے کا محتاج ہو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

باپ کا اپنے اولاد کے مال میں تصرف کرنے کے شرعی حق کی حد:

فقہاء نے لکھا ہے کہ ضرورت مند والد کا نفقہ اس کے بیٹے پر لازم ہے، اگر والد محتاج اور غریب ہو اور اپنی اولاد کے مال کا محتاج ہو تو ایسی صورت میں والد اپنے بیٹے کے مال میں سے بقدرِ ضرورت لے کر استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے، اور اس میں اولاد سے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں، اور حدیث میں وارد "أنت و مالك لأبيك" (تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے) کی تشریح بھی محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہی فرمائی ہے،

لہذا والد مطلقاً اپنی اولاد کے مال کا مالک نہیں ہے، بلکہ یہ صرف احتیاج اور ضرورت کے ساتھ مقید ہے؛ اس لیے والد بلا ضرورت و احتیاج اپنے بیٹے کا مال اس کی اجازت کے بغیر نہ استعمال کرسکتا ہے اور نہ کسی کو بطورِ ہدیہ دے سکتا ہے۔ البتہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اولاد زندگی بھر حسب استطاعت خود سے والدین پر اپنا مال خرچ کر کے ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرتی رہے۔ اور اگر وہ کوئی جائز، معقول اور قابلِ برداشت تصرف کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اجازت دے دے، گو یہ واجب نہیں ہے۔ (حاشية السندي على سنن ابن ماجه (43/2)

بَابُ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ كَمَنْ فَعَلَهُ

بھلائی پر رہنمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے!

876 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ يَسْتَحْمِلُهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلَكِنِّي سَأَدُلُّكَ عَلَى فَتًى مِنْ فِتْيَانِ الْأَنْصَارِ انْطَلِقْ فَإِنَّكَ سَتَجِدُهُ فِي مَقْبَرَةِ بَنِي فُلَانٍ يَرْمِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ فَإِنَّ عِنْدَهُ بَعِيرًا سَيَحْمِلُكَ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ حَتَّى أَتَى مَقْبَرَةَ بَنِي فُلَانٍ فَوَجَدَهُ فِيهَا يَرْمِي مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ فَقَالَ لَهُ: إِنِّي أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَسْتَحْمِلُهُ فَلَمْ أَجِدْ عِنْدَهُ شَيْئًا فَأَخْبَرَهُ الْخَبَرَ فَقَالَ: اللهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَذَكَرَ هَذَا لَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ مَرَّتَيْنِ فَانْطَلَقَ فَحَمَلَهُ ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ عَلَى الْبَعِيرِ فَحَدَّثَ النَّبِيَّ ﷺ الْحَدِيثَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: انْطَلِقْ فَإِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن مرثد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سواری مانگنے آیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں سوار کرنے کے لئے میرے پاس تو کوئی سواری نہیں، البتہ میں تجھے انصار کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کا پتہ بتاتا ہوں تم اس کے پاس جاؤ، تم اسے بنوفلاں کے قبرستان میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کرتے پاؤ گے، اس کے پاس ایک اونٹ ہے وہ تمہیں سواری کے لئے دے دیں گے، وہ شخص بنوفلاں کے قبرستان گیا، اور اس نوجوان کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کرتے دیکھا، اس سے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سواری مانگنے گیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سواری نہیں تھی، پھر اس نوجوان کو ساری بات بتائی، تو انہوں نے کہا: اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کیا تم سے اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے؟ اس نے یہ بات دو مرتبہ کہی، پھر وہ گیا اور اسے سواری دی، پھر وہ شخص اونٹ پر سوار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری بات بتا دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جاؤ بیشک خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کام کو کرنے والے کی طرح ہے۔

نیکی کی طرف رہنمائی کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، خیرخواہی اور احسان پر ابھارا اور ساتھ ہی جن کے پاس کچھ نہ ہو ان کے لئے بھی نیکیاں کمانے کا راستہ کھول دیا، سبحان اللہ کتنے مزے کی بات ہے، آپ اگر خود صدقہ خیرات، احسان، حسن سلوک اور امداد نہیں کر سکتے تو پریشان نہ ہوں اپنے مسلمان بھائی کی امداد اسی طرح کریں کہ کسی ایسے شخص کی طرف اس کی رہنمائی کر دیں جو اس کی امداد کر لے اس طرح اس امداد کرنے والے کو صدقہ وخیرات کا پورا اجر مل جائے گا اور آپ کو اس رہنمائی کرنے پر اللہ جل جلالہ بغیر خرچ کئے اپنے فضل سے اتنا ہی اجر عطا فرما دیں گے جو اس صدقہ کرنے والے کو عطا فرمایا ہے۔

بَابُ الْوَلِيمَةِ

ولیمہ کا بیان!

877- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَوْلَمَ عَلَيْهَا سَوِيقًا وَ تَمْرًا قَالَ: إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَسَبَّعْتُ لِصَوَاحِبَاتِكِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: يَعْنِي يُقِيمُ عِنْدَهَا سَبْعًا وَ عِنْدَ صَوَاحِبَاتِهَا سَبْعًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ہیثم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ستو اور کھجور سے ولیمہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں سات دن تمہارے پاس ٹھہروں اور سات دن تمہاری ساتھیوں (سوکنوں) کے پاس ٹھہروں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ سات دن ام سلمہ کے پاس ٹھہریں تو سات دن باقی ازواج مطہرات کے پاس بھی ٹھہریں گے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت:

"ولیمہ" ہراس دعوت کو کہتے ہیں جو کسی خوشی کے حاصل ہونے پر کی جائے جیسے شادی، ختنہ، وغیرہ لیکن دعوتِ نکاح میں اس کا استعمال زیادہ مشہور ہے۔

"ولیمہ" کی مشروعیت و مصلحت میاں و بیوی کے درمیان ہونے والے عقدِ نکاح کی تشہیر اور اس بات کا اعلان ہے، کہ دولہا و دلہن میاں و بیوی کے رشتہ میں جڑ چکے ہیں، تاکہ مستقبل میں کسی قسم کی بدگمانی و تہمتوں کا پہلے دن سے ہی سدِ باب ہوجائے۔

لمعات میں لکھا ہے کہ اکثر حضرات اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں، بعض حضرات استحباب کے اور بعض وجوب کے قائل ہیں بعض نے فرض کفایہ لکھا ہے راجح قول کے مطابق سنت ہے۔(باب الصفرة للمتزوج، ج:20، ص:144، ط:دار الفکر)

ولیمہ کا مسنون وقت:

ولیمہ کے مسنون وقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

① - عقد کے وقت۔ ② - نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے۔ ③ - رخصتی کے بعد، شب زفاف سے پہلے۔ ④ - شب زفاف کے بعد۔ ⑤ - عقد سے دخول کے بعد تک۔

ان میں سے راجح اور جمہور علماء کرام رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ ولیمہ کا مسنون وقت میاں بیوی کے اکٹھا ہونے کے بعد یعنی شب زفاف اور دخول کے بعد ہے، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شبِ زفاف سے پہلے کے کھانے کو عربی میں "ولیمہ" نہیں کہتے، اسی طرح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شبِ زفاف کے بعد ولیمہ کیا۔ اسی حدیث سے فقہاء و محدثین اور شارحین رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ ولیمہ کا مسنون وقت شبِ زفاف کے بعد ہے، اور عام طور پر شارحین نے دخول کی تصریح بھی ہے کہ شبِ زفاف میں دخول کے بعد ولیمہ کا مسنون وقت ہے۔

البتہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے بعض مالکیہ سے نقل کیا ہے کہ "ولیمہ شب زفاف کے بعد اور دخول سے پہلے ہوجائے تو یہ بھی مستحب ہے، اور اسی پر آج کل لوگوں کا عمل ہے"۔

نیز خلوتِ صحیحہ بہت سے احکامات میں چوں کہ دخول کے قائم مقام ہے، اس لیے بھی اگر شبِ زفاف میں خلوتِ صحیحہ ہوجائے اور دخول نہ ہو تو بھی اس کے بعد ہونے والے ولیمہ کو "ولیمہ مسنونہ" کہا جاسکتا ہے، البتہ افضل دخول کے بعد ہی ہے۔

بَابُ الزُّهْدِ

دنیا سے بے رغبتی کا بیان!

878- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَةٍ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ حَتَّى فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا وَمَا زَالَتِ الدُّنْيَا عَلَيْهِمْ عُسْرَةً كَدِرَةً حَتَّى قُبِضَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قُبِضَ أَقْبَلَتِ الدُّنْيَا عَلَيْهِمْ صَبًّا.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال نے کبھی مسلسل تین دن گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے، اور ان پر دنیا تنگی اور سختی کے ساتھ گزری یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے وصال فرما گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو ان پر دنیا متوجہ ہو کر برسی۔

نبی کریم کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقر اختیاری تھا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقر اضطراری نہ تھا بلکہ آپ نے اپنے طور پر فقر کو اختیار کیا تھا، فرشتہ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ چاہیں کہ اللہ جل جلالہ مکہ کے دونوں پہاڑوں کو آپ کے لئے سونے کا بنا دیں تو ایسا کر دیا جائے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے لیکن آپ نے جو کی روٹی سے بھی کبھی اپنا پیٹ نہ بھرا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھا تھا آپ نے بھوک مٹانے کے لئے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ لیے تھے فرمایا: اللہ جل شانہ جب اپنے کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو ریا سے اسے اس طرح بچاتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فقر مجھ سے محبت کرنے والوں کی طرف اس تیزی سے چل کر آتا ہے جس طرح سیلاب اپنے منتہی کو پہنچتا ہے۔ عام طور سے دولت طغیانی و سرکشی پیدا کرتی ہے، مال و دولت کی کثرت یاد الٰہی سے غافل بناتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقر اختیار کر کے امت کو اسے اختیار کرنے کی عملی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں قیصر و کسری کے خزانے تھے، بڑے سے بڑا مالِ غنیمت آتا لیکن شام تک سب تقسیم فرما دیتے اپنے لئے کچھ بچا کر نہ رکھتے تھے۔

بَابُ الدَّعْوَةِ

دعوت کا بیان!

879- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ أَنَّ أَبَا الْعَوْجَاءِ الْعَشَّارَ كَانَ صِدِّيقًا لِمَسْرُوقٍ فَكَانَ يَدْعُوهُ فَيَأْكُلُ مِنْ طَعَامِهِ وَيَشْرَبُ مِنْ شَرَابِهِ وَلَا يَسْأَلُهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ مَا لَمْ يَعْرِفْ خَبَثًا بِعَيْنِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ: ابو العوجاء العشار مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے، وہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کیا کرتے تھے، مسروق رحمۃ اللہ علیہ ان کا کھانا کھاتے تھے اور ان کا پانی پیتے تھے اور ان سے (کھانے کے بارے میں) نہیں پوچھتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں جب تک کسی حرام لعینہ چیز کو نہ پہچان لے، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: العَشَّارَ: سامان کا ٹیکس وصول کرنے والا، عشری زمین کا دسواں حصہ ٹیکس وصول کرنے والا۔

880- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا دَخَلْتَ عَلَى الرَّجُلِ فَكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَاشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ وَلَا تَسْأَلْهُ عَنْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ مَا لَمْ تَسْتَرِبْ شَيْئًا وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو اس کے کھانے میں سے کھاؤ اور اس کے مشروبات میں سے پیو اور کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرو، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی چیز کے بارے میں شک نہ ہو جائے، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: لم تَسْتَرِب: الریب سے باب استفعال، ریب بمعنی شک، قرآن میں ہے: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ استرابۃ کے معنی ہیں: شک میں پڑنا، کسی سے کوئی شک کی چیز دیکھنا۔

881- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانَ يُقَالُ: إِذَا دَخَلْتَ بَيْتَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ فَكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَاشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ وَلَا تَسْأَلْهُ عَنْ شَيْءٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ مَا لَمْ يَسْتَرِبْ شَيْئًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کہا جاتا تھا: جب تم کسی مسلمان کے گھر جاؤ تو اس کے کھانے میں سے کھاؤ اور اس کے پانی میں سے پیو، اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کروہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی چیز کے بارے میں شک وشبہ نہ ہو جائے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

دعوت قبول کرنے کا حکم:

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ مسلمان کی دعوت قبول کرنا ہی بہتر ہے، یہ اس کے حقوق میں سے ہے کہ اس کی دعوت قبول کی جائے۔ تاہم قبول کرنے کی حیثیت کیا ہے؟ واجب اور ضروری ہے یا مسنون و مستحب؟ نیز دعوتوں کی بھی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں تو کیا ہر دعوت کا یہی حکم ہے یا اس میں کچھ فرق بھی ہے؟

اس کے متعلق جمہور اہل علم کے اقوال مختلف ہیں، فقہائے احناف کا موقف بھی آپس میں مختلف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مجموعی طور پر اس میں فقہائے حنفیہ بلکہ دیگر ائمہ مجتہدین کے درج ذیل تین قول ہیں:

①.......○: سب دعوتوں کا قبول کرنا واجب ہے، اگر بلا وجہ کسی مسلمان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو گناہ ہوگا۔

②.......○: سب دعوتوں کا قبول کرنا مسنون ہے، بلا وجہ دعوت قبول نہ کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ خلاف سنت کام ہے۔

③.......○: ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اور دیگر دعوتوں کو قبول کرنا مسنون ہے۔

دعوت پر جانے کے آداب:

دعوت میں شرکت کرتے وقت مدعو کو مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

①- دعوت میں امیر وغریب کا فرق نہ کرے بلکہ غریبوں کی دعوت میں بھی شرکت کرے۔

②- ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کرے جس کی کل آمدنی حرام ہے، اگر غالب مال حلال ہے تو پھر تو جائز ہے لیکن اگر زجر کے لیے نہ کھائے تو بہتر ہے۔

③- اگر معصیت کے مجمع میں دعوت ہو تو قبول نہ کرے لیکن اگر اس کے جانے کے بعد معصیت کا فعل شروع ہو جائے مثلاً گانا باجا اکثر شادیوں میں ہوتا ہے تو اگر خاص اس جگہ پر ہے جہاں بیٹھا ہوا ہے تو اسے چھوڑ کر چلا آئے اور اگر فاصلہ پر ہے تو اگر یہ شخص مقتدائے دین ہے تب بھی اس کو وہاں سے اٹھ آنا چاہیے، اگر مقتدائے دین نہیں ہے تو خیر کھا کر چلا آئے۔

④- وقت مقررہ پر جائے تاخیر نہ کرے تاخیر سے انتظار میں زحمت ہوگی۔

⑤- بلا اجازت گھر کے اندر نہ جائے کہیں بے پردگی نہ ہو جائے۔

⑥: گھر میں داخل ہوتے وقت اولاً سلام کرے۔

⑦- اپنے ساتھ بغیر دعوت کے کسی شخص یا اپنی اولاد کو ہرگز نہ لے جائے۔

⑧- موقر بیٹھا رہے ادھر ادھر نہ دیکھے۔

⑨: جہاں مجلس میں جگہ ملے بیٹھ جائے۔

⑩- اس مقام پر نہ بیٹھے جہاں بے پردگی کا احتمال ہو۔

١١- بولنا ہو تو موقعہ محل کی رعایت کرتے ہوئے بولے ورنہ خاموش رہے۔

١٢- اگر مجلس میں کوئی بڑا بزرگ ہو تو اس کی رعایت اور ادب کرے۔

١٣- وقت سے پہلے آ کر کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھ جائے۔

١٤- کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کاموں میں لگ جائے، دیر تک بیٹھے رہنا اور باتوں میں مشغول ہونا میزبان کے لیے باعث تکلیف ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں آثار کی وضاحت:

دعوت قبول کرنا سنت ہے تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا، البتہ یہ بات یہاں ذہن میں رہے کہ مسلمان اگر کوئی چیز پیش کرے تو اس میں بلا وجہ شک وشبہ میں نہیں پڑنا چاہیے، مسلمانوں سے حسن ظن رکھنا چاہیے اس لئے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کی آمدنی حلال کی ہے یا حرام کی؟ یہ چیز کس پیسے سے خریدی ہے؟ ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ ہاں اگر یہ معلوم ہے کہ کسی کی آمدنی حرام کی ہے، سودی کاروبار کرتا ہے یا حلال حرام کا امتیاز نہیں کرتا تو اس کے کھانے پینے سے بچنا چاہیے، بلا وجہ کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنا چاہیے، بے تکلف دوست کے یہاں جا کے اس کی اجازت کے بغیر بھی اس کا مال کھا سکتے ہیں۔ آج کل چونکہ لوگوں کو مال حرام کی تمیز نہیں اور سودی کاروبار عام ہے اس لئے انسان کو احتیاط کرنا چاہیے حرام کا لقمہ عبادت کے کیف اور دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بنتا ہے۔

882۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ: صَنَعَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ طَعَامًا فَدَعَاهُ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَ قُمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا وُضِعَ الطَّعَامُ تَنَاوَلَ وَ تَنَاوَلْنَا مَعَهُ فَأَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ بَضْعَةً فَلَاكَهَا فِي فِيهِ طَوِيلًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَأْكُلَهَا فَأَلْقَاهَا مِنْ فِيهِ وَ أَمْسَكَ عَنِ الطَّعَامِ. فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ صَاحِبَ الطَّعَامِ فَقَالَ: أَخْبِرْنِي عَنْ لَحْمِكَ هٰذَا مِنْ أَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ شَاةٌ كَانَتْ لِصَاحِبٍ لَنَا فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا شَيْءٌ فَنَشْتَرِيهَا عَجَّلْنَا بِهَا فَذَبَحْنَاهَا فَصَنَعْنَاهَا لَكَ حَتَّى يَجِيْءَ صَاحِبُهَا فَنُعْطِيَهُ ثَمَنَهَا فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْفَعَ الطَّعَامَ وَأَنْ يُطْعِمَهُ الْأَسْرَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَ بِهِ نَأْخُذُ وَ لَوْ كَانَ اللَّحْمُ عَلَى حَالِهِ الْأَوَّلِ مَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُطْعِمَهُ الْأَسْرَى وَ لَكِنَّهُ رَآهُ قَدْ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْأَوَّلِ وَ كَرِهَ أَكْلَهُ، لِأَنَّهُ عِنْدَنَا لَمْ يَضْمَنْ قِيمَتَهُ لِصَاحِبِهِ الَّذِي أُخِذَتْ شَاتُهُ وَ مَنْ ضَمِنَ شَيْئًا فَصَارَ لَهُ مِنْ وَجْهِ غَصْبٍ فَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُتَصَدَّقَ بِهِ وَ لَا يَأْكُلَهُ وَ كَذٰلِكَ رِبْحُهُ وَ الْأَسَارَى عِنْدَنَا أَهْلُ السِّجْنِ الْمُحْتَاجُونَ وَهٰذَا كُلُّهُ قِيَاسُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اٹھے، جب کھانا رکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تناول کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے کافی دیر تک منہ میں چباتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے نہ کھا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ سے نکال دیا اور کھانے سے رک گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے والے کو بلایا اور اس سے فرمایا: مجھے اپنے اس گوشت کے بارے میں بتاؤ، یہ تم کہاں سے لائے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ ہماری پڑوسی کی بکری تھی اور ہمارے پاس اسے خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے، اور ہم نے جلد بازی میں اسے ذبح کر دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تیار کر دیا، جب اس کا مالک آئے گا تو ہم اس کو اس کی قیمت دے دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کھانا اٹھاؤ اور اسے قیدیوں کو کھلاؤ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اگر گوشت اپنی حالت پر ہوتا تو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قیدیوں کو کھلانے کا حکم نہ دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال تھا کہ وہ پہلے والے ملکیت سے نکل گیا ہے اور خود کھانا اس لئے پسند نہیں کیا کیوں کہ اس دعوت والے نے اس شخص کو ضمان نہیں دیا تھا جس کی بکری لی گئی تھی اور جو شخص کسی چیز کا ضمان دے دے تو وہ غصب کے طریقے پر اس کی ہو جاتی ہے ہمارے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اسے صدقہ کرے اور خود اسے نا کھائے اور یہی حکم اس سے حاصل ہونے والے نفع کا ہے، اور ہمارے ہاں قیدی سے مراد وہ اہل جیل ہیں جو محتاج ہوں، اور یہ سب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس کے مطابق ہے۔

لغات: تَنَاوَلَ: کھانا کھانا، بضعة: باء پر کسرہ اور فتحہ دونوں مستعمل ہے، گوشت کا ٹکڑا، لَاکَ: لوک سے، باب ن، لقمہ کو آہستہ چبانا، اور منہ میں پھرانا، الأَسْرَى وَالأُسَارٰی دونوں کا مفرد اسیر ہے، قیدی، السجن: جیل، قید خانہ۔

دوسرے کی چیز بغیر اجازت کے استعمال کرنا:

دوسرے کی چیز بغیر اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کھانے کی ہو یا کسی اور قسم کی ہو۔ ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ نے مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے مال کو ناحق لینا حرام کیا ہے۔ اجازت کا واضح ہونا ضروری ہے، چاہے زبانی ہو یا طرز عمل سے۔

شرعی اور اخلاقی نقطہ نظر:

- **ممانعت:** کسی دوسرے کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا اس کے مال کو ناحق لینے کے زمرے میں آتا ہے، جو اسلامی اصولوں کے تحت حرام ہے۔
- **اجازت کی اہمیت:** اجازت واضح ہونی چاہیے، نہ کہ صرف مفروضے کی بنیاد پر۔ کسی کی چیز استعمال کرنے سے پہلے اس سے باقاعدہ اجازت لینی ضروری ہے۔
- **استثنٰی:** ایسی صورت میں گنجائش ہے جہاں واضح طور پر اجازت ہو، مثلاً اگر دونوں دوست ایک دوسرے کو اپنی چیزیں استعمال کرنے کی اجازت دے چکے ہوں۔
- **احتیاط:**

۱- کسی کی چیز کو استعمال کرنے سے پہلے اس کی اجازت حاصل کریں۔

۲- اگر کوئی چیز آپ کی ہے اور کوئی اسے استعمال کر رہا ہے اور آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے، تو یہ واضح اجازت تصور نہیں ہوگی جب تک کہ آپ صراحتاً یا دلالتاً اجازت نہ دیں۔

۳- چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی، جیسے کہ کسی کی چھڑی بھی، اس کی رضامندی کے بغیر نہیں لینی چاہیے۔

حدیث کی وضاحت:

حدیث میں ان صاحب نے اپنے پڑوسی کے جانور کو اس بنیاد پر لیا تھا کہ اس کی قیمت انہیں ادا کر دیں گے لیکن بہر حال یہ نامناسب تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تناول نہیں فرمایا اور محتاج قیدیوں پر صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

اگر کوئی شخص کسی کی کوئی چیز غصب کرے اور اس میں ایسا تصرف کرے جس کی وجہ سے اس کا نام اور اصل فائدہ ختم ہو جائے تو اس چیز سے اس شخص کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے جس کی تھی اور وہ غاصب اس کا مالک بن جاتا ہے اور اسے اس کا ضمان دینا پڑتا ہے اور اس کے لئے اس سے انتفاع اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک اس کا بدل نہ دے دے جیسے کوئی کسی کی بکری، دُنبہ ذبح کر کے بھون لے یا پکا لے یا گیہوں پیس لے، اس شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اس لئے اجازت نہ دی تا کہ آئندہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے اور غصب کا دروازہ بند ہو جائے، بدل ادا کرنے کے بعد یا مالک کو اسے معاف کرنے کے بعد وہ شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بَابُ جَوائِزِ الْعُمَّالِ

حکام کے ہدایا کا بیان!

883۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ خَرَجَ إِلَى زُهَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَزْدِيِّ وَكَانَ عَامِلًا عَلَى حُلْوَانَ فَطَلَبَ جَائِزَتَهُ هُوَ ذَرٌّ الْهَمْدَانِيُّ فَأَجَازَهُمَا۔ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ مَا لَمْ يَعْرِفْ شَيْئًا حَرَامًا بِعَيْنِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ زہیر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے، وہ حلوان کے عامل تھے، انہوں نے اور ذر ہمدانی نے ان سے اپنا انعام طلب کیا تو انہوں نے دونوں کا انعام دے دے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: جَوَائِزَ، جَائِزَتَهُ: تحفہ، ہدیہ، عطیہ، انعام۔ جوائز جمع اور جائزۃ مفرد ہے۔

884۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ بْنُ زُهَيْرٍ قَالَ: رَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيَّ أَتَى وَالِدِي وَهُوَ عَلَى حُلْوَانَ فَطَلَبَ جَائِزَتَهُ فَأَجَازَهُ.

ترجمہ: علاء بن زہیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ میرے والد (زہیر بن عبد اللہ) کے پاس آئے، اس حال میں کہ وہ اس وقت حلوان کے عامل تھے، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اپنا انعام طلب کیا تو میرے والد نے انہیں دے دیا۔

885۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِجَوَائِزِ الْعُمَّالِ قَالَ: قُلْتُ: فَإِذَا

كَانَ الْعَاشِرُ أَوْ مِثْلُهُ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ مَا يُعْطِيكَ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا غَصَبَهُ بِعَيْنِهِ مُسْلِمًا أَوْ مُعَاهِدًا فَاقْبَلْ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاملوں کے تحفوں میں کوئی حرج نہیں ہے، میں نے کہا کہ اگر وہ عشر وصول کرنے والا یا اس کے مثل کوئی اور ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ تمہیں کوئی ایسی چیز دے جو اس نے کسی مسلمان یا ذمی سے غصب نہ کی ہو تو قبول کر لو۔

لغات: العَاشِرُ: الْعَشَّارَ: عشر وصول کرنے والا، ٹیکس وصول کرنے والا۔

حکام سے ہدیہ لینے کا حکم:

حکام سے ہدیہ لینے کا حکم ان کے ذرائع آمدن پر منحصر ہے۔ اگر ان کی آمدنی حلال ہے، تو ان سے ہدیہ لینا جائز ہے۔ لیکن اگر ان کی آمدنی حرام ہے، تو ان سے ہدیہ لینا درست نہیں ہے۔ اگر ان سے کوئی چیز خریدی جائے یا کوئی کام کر کے پیسے لیے جائیں، تو یہ معاوضہ یا اجرت ہے اور اس کی اجازت ہے۔

حکمران سے ہدیہ لینے کی تین صورتیں ہیں:

- **ممنوع:** اگر کوئی شخص حرام ذرائع سے پیسے کماتا ہے، تو اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔
- **جائز:** اگر کسی شخص کی آمدنی حلال ہے، تو اس سے ہدیہ لینا جائز ہے۔
- **مستثنیٰ:** اگر حکام کوئی چیز فروخت کرتے ہیں یا ان کا کوئی کام کر کے پیسے لیتے ہیں، تو یہ اجرت ہے اور اس کی اجازت ہے، البتہ بیت المال میں سب مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، حاکم اس میں سے دے تو لے سکتے ہیں۔

بَابُ الرِّفْقِ وَالْخُرْقِ

نرمی اور سختی!

886- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ عَائِذٍ عَنْ مُجَاهِدٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ نَظَرَ النَّاسُ إِلَى خَلْقِ الرِّفْقِ لَمْ يَرَوْا مِمَّا خَلَقَ اللهُ مَخْلُوقًا أَحْسَنَ مِنْهُ وَلَوْ نَظَرُوا إِلَى خَلْقِ الْخُرْقِ لَمْ يَرَوْا مِمَّا خَلَقَ اللهُ مَخْلُوقًا أَقْبَحَ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ نرمی (والی) مخلوق کو دیکھیں تو انہیں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی مخلوق نظر نہ آئے اور اگر سختی (والی) مخلوق کو دیکھیں تو انہیں اس سے زیادہ بدصورت کوئی مخلوق نظر نہ آئے۔

لغات: الرِّفْقُ: نرمی، مہربانی کا برتاؤ کرنا، الخُرْقُ: سختی، بداخلاقی، بیوقوف ہونا، رائے کی کمزوری، ناتجربہ کار ہونا۔

رِفق ونرم مزاجی کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

① -قرآن پاک میں نرم مزاجی کو اللہ جل جلالہ کی رحمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت کہا گیا ہے، اور تند خوئی کی مذمت بیان کی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری جل جلالہ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: پھر اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

② -مسلمانوں کے ساتھ نرمی وملاطفت سے پیش آنے کا حکم اپنی جگہ، قرآن میں تو غیر مسلموں، بلکہ کافروں کے سردار فرعون کے ساتھ بھی نرمی سے بات کرنے کا حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو حکم دیا گیا ہے، تاکہ دعوتِ دین اور حق بات نفع بخش اور بار آور ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ موسیٰ وہارون علیہما السلام سے فرماتے ہیں: ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ (طٰہٰ: ۴۴)

ترجمہ: سو تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم خوئی:

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرم مزاجی اپنانے کی خصوصی تاکید کی ہے، اور اپنے عمل کے ذریعے بھی اس کی اہمیت اُجاگر کی ہے، اور اس کے فضائل ذکر کیے ہیں۔ من جملہ ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ نرم خوئی اور رِفق کی صفت اللہ جل جلالہ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے، جیسا کہ درجِ ذیل روایت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ ایک مرتبہ یہود کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، اور سلام کرنے کے بجائے "السام علیکم" کہا، اور "سام" موت کو کہتے ہیں، یعنی خاکم بدہن آپ پر موت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن لیا، وہ کہاں برداشت کر سکتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں ادنیٰ درجہ کی بھی ناگفتہ بہ بات کہی جائے، چنانچہ انہوں نے بھی جواب میں کہا: "وعلیکم السام واللعنة" یعنی تم ہی پر ہلاکت اور لعنت ہو۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"مهلاً يا عائشة! عليك بالرفق، وإياك والعنف، أو الفحش"۔ (بخاری)

ترجمہ: آرام سے اے عائشہ! نرمی اختیار کرو اور سختی وبدگوئی سے بچو۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیاوی معاملات کے ساتھ دینی امور میں بھی رفق ونرمی کے ساتھ چلنا ضروری ہے، دین پر عمل پیرا ہونے، یا اس کی نشر واشاعت اور تبلیغ کے سلسلے میں تشدّد اور سختی ناپسندیدہ ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

"إن هٰذا الدين متين، فأوغلوا فيه برفق"۔ (مسند احمد)

ترجمہ: بیشک یہ دین بڑا سنجیدہ ومضبوط ہے، لہٰذا اس میں نرمی کو شامل رکھا کرو۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت میں لوگوں کے ساتھ نرم خوئی ونرم مزاجی سے پیش آنے کی بہت اہمیت وفضلیت بیان کی گئی ہے، اور بلاوجہ سخت برتاؤ کرنے، پُرتشدد لہجہ اپنانے اور دوسروں کے ساتھ تندخوئی اور بداخلاقی سے پیش آنے کی ممانعت آئی ہے، لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے نرم مزاجی کی اعلیٰ صفت کو اپنائیں۔

بَابُ الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالِاكْتِوَاءِ

نظر کا دم اور داغ لگانا!

887 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ اكْتَوَى وَأَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهِ وَاسْتَرْقَى مِنَ الْحُمَّةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے داغ لگوایا اور اپنی ڈاڑھی پکڑ کر ایک مٹھی سے زیادہ کاٹا اور بخار کا دم کرایا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: اكْتَوَى: داغنا، استرقی: منتر پڑھنا، جھاڑ پھونک، الْحُمَّةِ: حُمّی میں ایک لغت، بخار، اس کا مادہ حمیم ہے، گرم، بخار بھی گرم ہوتا ہے۔

888 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنْ أَبِي نُجَيْحٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَهَا إِبْنٌ مِنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَابْنٌ مِنْ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَتَخَوَّفُ عَلَى ابْنِي أَخِيكَ الْعَيْنَ أَفَأَرْقِيهِمَا؟ قَالَ: نَعَمْ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يَسْبِقُ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا كَانَ مِنْ ذِكْرِ اللهِ أَوْ مِنْ كِتَابِ اللهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اسماء بنت عمیس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، اور ان کا ایک بیٹا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ایک بیٹا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے تھا، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ کے دونوں بھتیجوں کو نظر لگنے کا ڈر ہے۔ کیا میں انہیں دم کیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکنے والی ہوتی تو نظر بد ہوتی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں بشرطیکہ وہ (دم) اللہ جل جلالہ کے ذکر سے ہو یا اللہ جل جلالہ کی کتاب سے ہو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: أَفَأَرْقِيهِمَا: الرقیۃ سے باب ضرب یا افعال، بمعنی دم کرنا، جھاڑ۔

رقیہ پڑھنے کا حکم:

"رقیہ" عربی زبان میں جھاڑ پھونک اور دم کرنے کو کہتے ہیں، اللہ جل جلالہ کے نام اور ادعیہ ماثورہ جن کا کسی مرض کے علاج کے لیے

پڑھنا مفید ہو، پڑھ کر خود مریض اپنے اوپر دم کرے یا کوئی دوسرا شخص کسی مریض پر دم کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ رقیہ یا تعویذات کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

تعویذات کے ذریعے علاج کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

① ......○: ان کا معنی و مفہوم معلوم ہو۔

② ......○: ان میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو۔

③ ......○: ان کے مؤثر بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

④ ......○: اگر کسی اور سے عملیات کروانے ہیں تو وہ شخص خود علاج سے واقف اور ماہر ہو، فریب نہ کرتا ہو۔

لہذا ایسے تعویذ اور عملیات جو آیاتِ قرآنیہ، ادعیہ ماثورہ یا کلماتِ صحیحہ پر مشتمل ہوں ان سے علاج کرنا شرعاً درست ہے؛ کیوں کہ اس کی حقیقت ایک جائز تدبیر سے زیادہ کچھ نہیں، اور جن تعویذوں میں کلماتِ شرکیہ یا کلماتِ مجہولہ یا نامعلوم قسم کے منتر لکھے جائیں یا انہیں مؤثر حقیقی سمجھا جائے تو ان کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ: "اللہ جل جلالہ کی قدرت و کبریائی پر مشتمل کلماتِ تعوذ اپنے سمجھ دار بچوں کو یاد کراتے تھے اور جو بچہ سمجھ دار نہ ہوتا تھا اُس کے گلے میں وہ کلمات لکھ کر تعویذ کی شکل میں ڈال دیتے تھے"۔

باقی حدیث میں جن تعویذ کے استعمال کرنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہوں یا اس کے مؤثر بالذات ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا ہو یا کلماتِ مجہولہ یا نامعلوم منتر اس میں ہوں۔

بَابُ نَفَقَةِ اللَّقِيطِ

پڑے ہوئے ملنے والے بچہ کے نفقہ کا بیان!

889- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: مَا أَنْفَقْتَ عَلَى اللَّقِيطِ تُرِيدُ بِهِ اللهَ فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَمَا أَنْفَقْتَ عَلَيْهِ تُرِيدُ أَنْ يَكُونَ لَكَ عَلَيْهِ فَهُوَ لَكَ عَلَيْهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: هَذَا كُلُّهُ تَطَوُّعٌ وَلَا يُرْجَعُ عَلَى اللَّقِيطِ بِشَيْءٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو تم گرے پڑے ملنے والے بچے پر خرچ کرتے ہو (اور) اس سے تمہارا مقصد اللہ کی رضا ہو تو اس بچے پر واپس کرنا لازم نہیں، اور جو تم اس پر اس مقصد سے خرچ کرتے ہو کہ وہ تمہارا اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ تمہارا اس کے ذمہ قرض ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سب احسان ہوگا اور اس ملنے والے بچے سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لقیط کی لغوی تحقیق: "لقیط" فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی جو چیز گری پڑی ہو لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اسکا کوئی ولی معلوم نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف: لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے پرورش سے بچنے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لئے پھینک دیا ہو، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا اٹھا لینا مستحب ہے، کہ اس میں بچہ کی پرورش اور زندگی کا سامان ہوتا ہے اور اگر اس بچہ کے ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو اس کا اٹھا لینا واجب ہے۔

لقیط کے اٹھانے کا ثبوت: اس آیت سے ﴿فَالْتَقَطَهُ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا﴾ یعنی آل فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام کو اٹھا لیا تا کہ ان کے لئے دشمن اور غم کی چیز بن جائے اس آیت میں لقطہ اٹھانے کا ذکر ہے۔

لقیط کے احکام:

لقیط تمام احکامات میں آزاد ہے حتی کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد لگے گی کیوں کہ بنی آدم میں اصل آزاد ہوتا ہے، اور وہ بچہ دارالاسلام میں ہے اس لیے یہی خیال کیا جائے گا کہ اس بچہ کو کسی آزاد نے ہی ڈالا ہے، ایک شخص نے ایک پڑا ہوا بچہ پایا اس کو اٹھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ آزاد ہے۔

لقیط کے خرچ کی ذمہ داری بیت المال پر ہے، کیوں کہ وہ مسلمان ہے، کمانے سے عاجز ہے اس کی کوئی رشتہ داری بھی نہیں ہے اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، تو بیت المال ایسے آدمی کے خرچ کا ذمہ دار ہوگا۔ (الجوھرۃ النیرۃ ۳۳۲)

یہ حکم بھی ہے کہ کوئی شخص اسے اٹھالے تو کوئی دوسرا شخص اسے اس سے نہیں لے سکتا، لقیط کو اٹھانے والا اس پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ تبرع شمار ہوگا، اس لئے کہ اسے اس کی ولایت حاصل نہیں ہے الا یہ کہ قاضی اسے اس پر خرچ کرنے کا حکم دے تو وہ اس بچے پر دین ہوگا اور جب وہ بڑا ہوگا تو یہ اس سے مطالبہ کر سکے گا۔

اس طرح کا بچہ اگر کسی ویرانے یا جنگل وغیرہ میں پڑا ہو تو اس کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اس کا اٹھانا واجب ہے لیکن اگر شہر میں ہو تو اس کا اٹھانا مندوب ہے، اگر کوئی اس کا باپ ہونے کا دعوی کرے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی، اگر دو دعویدار ہوں اور ان میں سے ایک کوئی ایسی علامت بتائے جو بچے میں پائی جاتی ہو تو وہ دوسرے سے زیادہ اس کا حقدار ہوگا۔

بَابُ جُعْلِ الْآبِقِ

بھاگے ہوئے غلام کی اجرت!

890- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمَرْزُبَانِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو أَوِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - شَكَّ

مُحَمَّدٌ- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ جَعَلَ جُعْلَ الآبِقِ إِذَا أَصَابَهُ خَارِجًا مِنَ الْمِصْرِ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھگوڑے غلام کو پکڑ کر لانے والے کی اجرت چالیس درہم مقرر کی ہے، جبکہ وہ اس کو شہر کے باہر سے پکڑ کر لائے۔

لغات: جُعْل: اجرت، مزدوری، عوض، بھگوڑے غلام کو جو شخص پکڑ کر لائے، اس کو جو اجرت دی جاتی ہے، اس کو جُعل کہتے ہیں، اس کی جمع اجعال ہے، الآبق: بھگوڑا غلام، جو مولی سے چھپ کر بھاگ جائے۔

891- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي رِبَاحٍ عَنْ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمِثْلِ ذٰلِكَ فِي جُعلِ الآبِقِ أَيْضًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ إِذَا كَانَ الْمَوْضِعُ الَّذِي أَصَابَهُ فِيهِ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَجُعْلُهُ أَرْبَعُونَ وَإِذَا كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ رُضِخَ لَهُ عَلَى قَدْرِ السَّيْرِ. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابوعمرو رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھگوڑے غلام کو پکڑ کر لانے والے کی اجرت کے بارے میں اسی طرح روایت نقل کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں، جس جگہ غلام کو پکڑا ہے اگر وہ تین دن یا زیادہ کی مسافت پر ہو تو پکڑ کر لانے والے کی اجرت چالیس درہم ہے، اور اگر اس سے کم مسافت ہو تو اس کے حساب سے اجرت دی جائے گی، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: رُضِخَ: کاٹنا، تھوڑا سا عطیہ، حصہ۔

جو بھگوڑے غلام کو پکڑ کر لائے اسے کتنی مزدوری ملے گی؟

اگر کوئی غلام بھاگ گیا اور ایک آدمی اس کو تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے پکڑ کر لایا اور مالک کے حوالہ کر دیا تو اس لانے والے کو چالیس درہم اجرت دی جائے گی اور اگر اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لایا تو اسی کے حساب سے اجرت دی جائے گی۔

دلیل: نفس مزدوری پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے صرف مقدار میں اختلاف ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پائے تو اس کے لئے دس درہم ہیں، ابوعمرو شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اربعون درھما من کل رأس" یعنی چالیس درہم ہر آدمی کا (مصنف عبدالرزاق) اس لئے ہم نے مسافت سفر میں چالیس درھم اور اس سے کم میں کم واجب کئے یعنی اگر مدت مسافت ایک دن ہے تو اس اجرت تیرہ درہم اور ایک درہم کا تہائی ہوگی، بعض مشائخ کا قول ہے کہ غلام کے آقا اور لانے والے کی آپس کی رضامندی سے اجرت طے ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ حاکم وقت کی رائے کے مطابق اجرت دی جائے گی فتوی اسی پر ہے۔

بَابُ مَنْ أَصَابَ لُقْطَةً يُعَرِّفُهَا

جسے گری پڑی چیز ملے وہ اس کا اعلان کرائے!

892- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ فِي اللُّقْطَةِ: يُعَرِّفُهَا حَوْلًا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا أَوْ بَاعَهَا وَتَصَدَّقَ بِثَمَنِهَا غَيْرَ أَنَّ صَاحِبَهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ گری پڑی چیز کے بارے میں فرماتے ہیں: اس کو اٹھانے والا ایک سال تک اس کا اعلان کرے گا، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دیدے، ورنہ اس کو صدقہ کردے یا اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کردے، البتہ اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اسے ضامن بنائے اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: يُعَرِّفُهَا: باب تفعیل، اعلان کرنا، معرفت کرانا۔

893- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ فِي اللُّقْطَةِ: يَتَصَدَّقُ بِهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَكْلِهَا فَإِنْ كُنْتَ مُحْتَاجًا فَأَكَلْتَ فَلَا بَأْسَ بِهِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ گری پڑی چیز کے بارے میں فرماتے ہیں: اسے صدقہ کرنا مجھے اس کے کھانے سے زیادہ پسند ہے، اور اگر تم خود محتاج ہو اور اسے کھالو تو کوئی حرج نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لقطہ کے لغوی معنی:

لُقْطَة یہ التقاط سے ماخوذ ہے ایسی چیز جو اٹھائی جائے، لام کے ضمہ کے ساتھ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اٹھانے والا، لام کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ بمعنی اسم مفعول ہے وہ چیز جو اٹھائی گئی ہو یہ فرق خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، لیکن اہل لغت و محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی مال ملقوط (جو مال اٹھایا گیا ہو) کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آثار میں لقطہ کے بارے میں **دو مسائل** ہیں:

①- لقطہ کی شرعی حیثیت:

گرا پڑا مال جس نے بھی اٹھایا وہ اس کے پاس امانت ہے اگر اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو تاوان نہ ہوگا، مگر یہ شرط ہے کہ جس نے اٹھایا ہے وہ اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس کی حفاظت کے لئے اور مالک کے پاس پہنچانے کے لئے اٹھا رہا ہوں،

کیوں کہ اس طریقہ سے اٹھانا شرعاً جائز ہے بلکہ افضل ہے اور اگر ضائع ہونے کا خواف ہو تو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

۴- لقطہ کی تشہیر کب کی جائے گی؟

لقطہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب لقطہ ملے تو اس کی تعریف کرو اور اس کا اعلان کرو کہ یہ چیز پڑی ہوئی ملی ہے جس کی ہو وہ آ کر لے جائے اب یہ اعلان اور تعریف کتنی مدت تک کی جائے گی اس بارے میں اختلاف ہے۔

چنان چہ بعض حضرات (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے) فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ملے خواہ وہ قیمتی ہو یا گھٹیا ہو چھوٹی ہو یا بڑی ہو عمدہ ہو یا خسیس ہو ہر حالت میں ایک سال تک اس کی تعریف اور اعلان کرنا واجب ہے، لیکن احناف رحمۃ اللہ علیہم کا مفتی بہ قول جس کو شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پسند کیا ہے اور صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعاً تعریف اور اعلان کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ ہر چیز کے بارے میں تعریف کی مدت مختلف ہوگی یعنی ہر چیز کی اس وقت تک تعریف کرنا واجب ہے جب تک غالب گمان یہ ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا اور جب غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کے مالک نے تلاش چھوڑ دی ہوگی تو اس وقت اس کی تعریف بھی بند کر دی جائے گی حتی کہ فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا: کہ اگر کوئی قیمتی چیز ملی ہے تو اس کی تعریف صرف ایک سال تک کافی نہیں ہوگی بلکہ دو تین سال تک اس کی تشہیر کرنی ہوگی جیسا کہ لقطہ کے ثبوت میں پیش کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال تک تشہیر کرائی، اور اگر کوئی معمولی چیز ہے جس کے بارے میں خیال یہ ہے کہ اس کا مالک اس کو ایک دن سے زیادہ تلاش نہیں کرے گا تو صرف ایک دن کے لئے تعریف کرنا بھی کافی ہے حتی کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر کسی شخص کو چاندی کا ایک دانق (جو تقریبا ایک رتی کے برابر ہوتا ہے) مل جائے تو فرمایا: کہ دائیں بائیں دیکھ کر اسی وقت اعلان کر دے اور بس یہ کافی ہے اس کے بعد مزید تشہیر کرنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اصل دار و مدار اس پر ہے کہ مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا یا تلاش چھوڑ دی ہوگی اگر یہ خیال ہے کہ تلاش کر رہا ہوگا تو اس وقت تک تشہیر کرنی واجب ہے لیکن مدت کچھ مقرر نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو تین سال تک تعریف کرنے کا حکم دیا، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک سال تک تعریف کا حکم دیا بعض روایات میں دس دن کا ذکر ہے، بعض جگہ ایک ماہ کا بعض جگہ تین ماہ کا ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے تشہیر کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

کون سی چیز اٹھانی چاہیے؟

جس مال کے ضائع ہو جانے یا چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو اس مال کو اٹھا لینا چاہئے اور پھر اس کا اعلان کرنا چاہئے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ خیال یہ ہو کہ مالک تلاش کرتا ہوا آئے گا اور وہ اس کو اٹھا لے گا تو اس صورت میں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

اگر معمولی چیز پڑی ہوئی ملی تو؟

اگر لقطہ معمولی چیز ہے تو پھر تشہیر کی بھی ضرورت نہیں ہے مثلا ایک کھجور مل گئی تو اب اس کی تعریف اور اعلان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اٹھا کر کھالینا چاہئے۔

بَابُ الْوَشْمِ وَالصِّلَةِ فِي الشَّعْرِ وَأَخْذِ الشَّعْرِ مِنَ الْوَجْهِ وَالْمُحَلِّلِ

جسم گودنا، بال ملانا، چہرے کے بال اکھاڑنا اور حلالہ کرنا!

894- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالْمُحَلِّلُ وَالْمُحَلَّلُ لَهُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: أَمَّا الْوَاصِلَةُ فَالَّتِي تَصِلُ شَعْرًا إِلَى شَعْرِهَا فَهَذَا مَكْرُوهٌ عِنْدَنَا وَلَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ صُوفًا فَأَمَّا الْمُحَلِّلُ وَالْمُحَلَّلُ لَهُ فَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَسْأَلُ رَجُلًا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا لِيُحَلِّلَهَا لَهُ فَهَذَا لَا يَنْبَغِي لِلسَّائِلِ وَلَا لِلْمَسْؤُولِ أَنْ يَفْعَلَاهُ وَالْوَاشِمَةُ الَّتِي تَشِمُ الْكَفَّيْنِ وَالْوَجْهَ فَهَذَا لَا يَنْبَغِي أَنْ يُفْعَلَ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بال لگانے والی اور لگوانے والی پر اور حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر اور بدن گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت کی گئی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: واصلہ سے مراد وہ عورت ہے جو کہ اپنے بالوں کے ساتھ کسی کے بال لگوائے، پس یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے، اور اگر بال اون کے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور حلالہ کرنے والا اور حلال کروانے والا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر وہ کسی شخص سے کہہ دے کہ وہ اس کی بیوی سے شادی کر لے تا کہ وہ اس کے لئے حلال کر دے، پس ایسا کرنا مناسب نہیں، نہ ہی کرنے والے کے لئے اور نہ ہی کروانے والے کے لئے، اور واشمہ وہ عورت ہے جو ہاتھوں اور چہرے کو گودتی ہے، ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

895- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنْ أُمِّ ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْوَصْلِ فِي الرَّأْسِ إِذَا كَانَ صُوفًا. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سر کے بالوں کے ساتھ اون کے بنے ہوئے بال لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

تشریح: ان روایات میں تین مسائل ہیں:

مصنوعی بال یا وگ لگانے کا حکم:

سر پر مصنوعی بال لگانے کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ بال دوسرے انسان کے ہوں تو ان کا لگانا گناہِ کبیرہ ہے، اور انسانی بال لگوانے والوں پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ اور اگر مصنوعی بال انسان یا خنزیر کے نہ ہوں تو ان کا لگوانا جائز ہے۔ البتہ مصنوعی وگ لگانے

میں اگر کسی کو دھوکا دینا مقصد ہو تو یہ بھی درست نہیں ہے۔جیسا کہ حدیث باب اور بخاری و مسلم شریف کی حدیث شریف میں ہے:"عن ابن عمر أن النبی ﷺ قال:لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة"۔(متفق علیہ،المشکاۃ:۳۸۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل جلالہ نے لعنت فرمائی اس عورت پر جو اپنے بالوں میں کسی دوسرے کے بالوں کا جوڑ لگائے اور اس عورت پر جو کسی دوسری عورت کے بالوں میں اپنے بالوں کا جوڑ لگائے اور جسم گودنے اور گدوانے والی پر (بھی لعنت فرمائی)۔

(الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (372/6)

طلاق کی شرط کے ساتھ حلالہ کرنے کا حکم:

زید کا اپنی مطلقہ مغلظہ بیوی کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ بشرط التحلیل کرنا (یعنی اس شرط پر نکاح کرنا کہ دوسرا شوہر بعد عقدِ نکاح ازدواجی تعلق قائم ہوجانے کے بعد اس کو طلاق دے کر پہلے شوہر کے لیے چھوڑ دے گا) شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اور حدیث باب کی رُو سے موجبِ لعنت اور ناجائز فعل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے والے اور جو شخص ایسا کروا رہا ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔لہذا اس عمل کو طے کر کے کروانا جائز نہیں ہے۔

شریعت کے مطابق مُطلقہ مُغلظہ عدت گزارنے کے بعد (پہلے شوہر کی شرکت کے بغیر) ازخود کسی دوسری جگہ طلاق دینے کی شرط کے بغیر نکاح کرے، خواہ اُس کے دل میں نیت ہو کہ اس کے بعد اس کا شوہر زن وشو کا تعلق قائم کرنے کے بعد ازخود اسے طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہوجائے، یا عورت اُس سے خلع لے لے، تو دوسرے شوہر کی عدت گزرنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال متصور ہوگی۔

بہر کیف عورت کا نکاح مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں کسی بھی طریقے کے مطابق ہو، دوسرے شوہر سے بعد نکاح زن وشو کا تعلق قائم ہوجائے اور پھر علیحدگی ہوجائے تو عدت گزرنے کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی۔

(فتاوی شامی: کتاب الطلاق، باب الرجعۃ جلد ۳ ص: ۴۱۴، ۴۱۵ ط: دار الفکر)

جسم گودوانے (ٹیٹو بنوانے) کا حکم:

جسم کے کسی حصہ پر گودوانا اور گودوا کر ٹیٹو بنوانا شرعاً حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اور ٹیٹو بنانے اور بنوانے والوں پر اللہ رب العزت کی جانب سے لعنت کی گئی ہے، جیسا حدیثِ باب میں اور اسی طرح صحیح البخاری میں ہے کہ:"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ -عن النبی ﷺ، حیث قال: لعَنَ اللهُ الواصلةَ والمُستوصِلةَ، والواشمةَ والمُستوشِمة"۔(رواہ البخاري)

دور حاضر میں بھی بعض مرد اور عورتیں ایسا کرتی ہیں جو سخت گناہ اور موجب لعنت ہے، اگر کسی طریقے سے اسے دور کیا جا سکتا ہو تو اسے دور کرنا واجب ہے، لیکن اگر اس کو کاٹے بغیر دور نہ ہو اور اس سے ہلاکت یا عضو کے ضائع یا عیب دار ہونے کا خدشہ ہو تو ازالہ واجب نہیں رہے گا، اگر سچے دل سے توبہ کر لی گئی تو گناہ باقی نہ رہے گا، اگر اس طرح کا ڈر نہ ہو تو ازالہ واجب ہے، تاخیر کی وجہ سے گناہ گار

ہوگا، رہی بات وضو اور غسل کی تو دونوں ہوجاتے ہیں اور ٹیٹو کے ساتھ نماز بھی ہوجاتی ہے۔

بَابُ حَفِّ الشَّعْرِ مِنَ الْوَجْهِ

(عورت کا) چہرے سے بال اکھیڑنا!

لغات: حَفُّ الشعر: باب نَصَرَ، یقال حفت المرأة وجهها أی أخذت عنه الشعر ! اس وقت کہا جاتا ہے (حفت المرأة وجهها) یعنی جب وہ چہرے سے بال اکھیڑے!

896- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْهَا: أَحُفُّ وَجْهِي؟ فَقَالَتْ: أَمِيطِي عَنْكِ الْأَذَى.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے ایک عورت نے پوچھا میں اپنے چہرے کے بال دور کردوں؟ تو انہوں نے فرمایا: اپنے سے تکلیف دہ چیز کو دور کردو۔

لغات: أَمِيطِي: میط: باب افعال سے جدا ہونا، دور ہونا، دور کرنا، ہٹانا جدا کرنا، امر حاضر واحد مؤنث کا صیغہ، الْأَذَى: تکلیف دہ چیز، موذی کے معنی میں ہے۔

897- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَلَاقَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْهَا: أَحُفُّ وَجْهِي؟ فَقَالَتْ: أَمِيطِي عَنْكِ الْأَذَى. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے پوچھا میں اپنے چہرے کے بال دور کردوں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے سے تکلیف دہ چیز کو دور کردو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

عورت کے لیے چہرہ کے بال صاف کرنا:

خواتین کے لیے اپنے چہرے کے خلافِ عادت آنے والے بال مثلاً داڑھی، مونچھ، پیشانی وغیرہ کے بال یا کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال یا جسم کے دیگر بال (سر کے علاوہ) صاف کرنا جائز ہے، البتہ ان بالوں کو نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کیوں کہ اس میں بلاوجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ یا کسی ایسے طریقہ سے جس سے تکلیف نہ ہو، یہ بال صاف کرلیے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

باقی عورت کے لیے بھنویں بنانا (دھاگا یا کسی اور چیز سے) یا ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنانا جائز نہیں، اس پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے، اسی طرح دونوں ابروؤں کے درمیان کے بال زیب و زینت کے حصول کے لیے کتروانا

جائز نہیں، البتہ اگر اَبرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالت کے مطابق (ازالۂ عیب کے لیے) معتدل کرنے کی گنجائش ہے۔(حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار (373/6)

898 - مُحَمَّدٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ تُوسَمَ الدَّابَّةُ فِي وَجْهِهَا أَوْ يُضْرَبَ الْوَجْهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ جانور کے چہرے پر داغ لگانے کو اور چہرے پر مار کو ناپسند کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

لغات: تُوسَم: (ض) داغ لگانا، اسی سے السمۃ ہے، علامت، داغ کا نشان۔

جانور کے چہرے پر داغ لگانا:

زمانہ جاہلیت میں لوگ جانور کے چہرے پر داغ لگا کر نشان لگاتے تھے تاکہ اس کو پہچانا جاسکے، یہ ناجائز اور حرام ہے جانور کو چہرے پر مارنا حرام ہے، انسان کو بھی چہرے پر مارنا حرام ہے۔ چہرہ اشرف الاعضاء ہے اس لئے اس پر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

899 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ ثُمَّ يَقُصُّ مَا تَحْتَ الْقَبْضَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: ہیثم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے تھے اور جو حصہ مٹھی سے نیچے ہوتا اسے کاٹ دیتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: يَقُصُّ: (ن) کاٹنا. الْقَبْضَةِ: بضم القاف وفتحها، مٹھی، مشت۔

ایک مشت داڑھی کی وضاحت:

داڑھی کی واجب مقدار ایک مشت ہے، یعنی داڑھی کے بال مٹھی میں پکڑ لیے جائیں، داڑھی کے جو بال مٹھی سے زائد ہوں ان کا کاٹنا جائز ہے، یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام خصوصاً (حدیثِ باب) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ مٹھی کی مقدار، چار انگل (انگوٹھا چھوڑ کر بقیہ چار انگلیاں) کی مقدار کو بھی کہا جاسکتا ہے جب کہ مٹھی بند کی جائے۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔

البتہ ہاتھ کی انگلیاں کھلی رکھ کر انگلیوں کے پوروں کی طرف سے چار انگلیوں کی مقدار مٹھی سے معمولی کم ہے، اور احادیثِ مبارکہ میں "قبضہ" (مٹھی) کا لفظ ہے؛ لہٰذا اس کی مقدار پوری ہونی چاہیے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ: "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خالفوا المشرکین وفروا اللحی وأحفوا الشوارب. وکان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیته، فما فضل أخذه". (صحیح البخاری) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم مشرکین کے خلاف کرو، داڑھی

چھوڑ دو اور مونچھیں کترواؤ۔" عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی (ہاتھ سے) پکڑ لیتے اور (مٹھی) سے جو بال زیادہ ہوتے انہیں کتروا دیتے۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا"۔ ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی مبارک لمبائی اور چوڑائی میں کم کرتے تھے۔ (ترمذی)

بَابُ الْخِضَابِ بِالْحِنَّاءِ وَالْوَسْمَةِ

مہندی اور وسمہ سے بالوں کو رنگنے کا بیان!

900- محمدٌ قال: أخبرنا أبو حنيفة قال: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَتَتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُشَاقَةٍ مِنْ شَعْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوبَةً بِالْحِنَاءِ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کا گچھا ہمارے پاس لائیں جو کہ مہندی سے رنگے گئے تھے۔

لغات: مُشَاقَة: روئی کا گالا، پرانا کپڑا، یہاں بالوں کا گچھا مراد ہے، مَخْضُوبَة: خضاب سے اسم مفعول، رنگا ہوا، یہ مشاقہ کی صفت بھی بن سکتا ہے اور حال بھی، الحناء: مہندی۔

901- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْخِضَابِ بِالْوَسْمَةِ قَالَ: بَقْلَةٌ طَيِّبَةٌ وَلَمْ يَرَ ذَلِكَ بَأْسًا، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے وسمہ کے ذریعے سے بالوں کو رنگنے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: وہ ایک پاکیزہ بوٹی ہے، اور انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

لغات: الوسمة: نیل کے پتے یا ایک قسم کی نباتات جس کے پتوں سے خضاب کیا جاتا ہے، بقلة: ساگ، سبزی، طيبة: عمدہ، پاکیزہ اچھا، خوشبودار۔

902- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حُجَيَّةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدُّؤَلِيِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَحْسَنُ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّعْرَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہترین وہ چیز جس سے تم بالوں کو بدلو، مہندی اور کتم ہے۔

لغات: الْكَتَمُ: خاص بوٹی، وسمہ جس سے خضاب بناتے ہیں اور اس کی جڑ کو جوش دے کر روشنائی تیار کرتے ہیں۔

903- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: أُتِيَ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَنَظَرْتُ إِلَى لِحْيَتِهِ وَرَأْسِهِ قَدْ نَصَلَتْ مِنَ الْوَسْمَةِ.

ترجمہ: محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا سر لایا گیا تو میں نے ان کی ڈاڑھی اور سر کی طرف دیکھا گویا کہ وہ وسمہ کے رنگ سے نکلے ہیں۔

لغات: نَصَلَتْ: داڑھی اور سر سے خضاب کا رنگ زائل ہونا، یہ لازمی ہے، باب تفعیل سے مجہول بھی بن سکتا ہے، پھر متعدی ہوگا، زائل کرنا۔

904- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى لِحْيَةِ أَبِي قُحَافَةَ كَأَنَّهَا ضِرَامُ عَرْفَجٍ، يَعْنِي مِنْ شِدَّةِ الْحُمْرَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا میں ابو قحافہ (حضرت ابوبکر کے والد کی کنیت ہے ان کا نام عثمان تھا) کی ڈاڑھی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تیز سرخ رنگ کی وجہ سے ایسی معلوم ہوتی تھی کہ وہ عرفج نامی پودے کا شعلہ ہو۔

لغات: ضِرَامُ: بھڑک، چنگاری، جلن، عرفج: ایک قسم کا درخت جو نرم زمین میں ہوتا ہے، جمع عرافج۔

مہندی اور خضاب لگانے کا حکم:

خالص کالے رنگ کا خضاب یا مہندی لگانا گناہ ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی ممانعت اور سخت وعید آئی ہے، چناں چہ ابوداود شریف کی روایت میں ہے: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی“۔

صرف حالتِ جہاد میں دشمن کو مرعوب رکھنے اور اس کے سامنے جوانی اور طاقت کے اظہار کے لیے فقہاء نے کالا خضاب استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، اس کے علاوہ حالات میں خالص سیاہ خضاب لگانا جائز نہیں ہے۔

لہٰذا سیاہ رنگ کے خضاب کا استعمال درست نہیں۔ سیاہ رنگ کے علاوہ کسی بھی رنگ (مثلاً: ڈارک براون، سرخ، یا سیاہی مائل رنگ) کا خضاب لگا سکتے ہیں۔

بَابُ شُرْبِ الدَّوَاءِ وَأَلْبَانِ الْبَقَرِ وَالْاِكْتِوَاءِ

دوائی اور گائے کا دودھ پینا اور داغ لگوانا!

905- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ، فَإِنَّهَا تُخْلَطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ جل جلالہ نے موت اور بڑھاپے کے علاوہ کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دواء پیدا نہ کی ہو، لہٰذا تم گائے کے دودھ کو پیا کرو، اس لئے کہ یہ ہر درخت سے مخلوط ہوتا ہے۔

لغات: السام: موت، الھرم: بڑھاپا، تُخَلِّطُ: اسے معروف بھی پڑھ سکتے ہیں اور مجہول بھی، معروف کی صورت میں اس کا فاعل بقرہ ہوگا اور مجہول کی صورت میں اس کا نائب فاعل البان ہوگا۔

اللہ جل جلالہ نے ہر بیماری کی دوا پیدا فرمائی ہے:

اللہ جل جلالہ نے ہر بیماری کی دوا پیدا فرمائی ہے لیکن دوا بھی اللہ جل جلالہ کے حکم و مرضی کے بغیر کچھ کام نہیں کرتی بہر حال ایک دن مرنا ہے بڑھاپا اس کا پیش خیمہ ہے اس کا کوئی علاج نہیں موت بہر حال آتی ہے اس سے کوئی مفر نہیں، گائے بھینس مختلف درختوں کے پتے اور مختلف پھلوں کے چھلکے اور بیج کھاتی ہے جن کا اثر اس کے دودھ میں آتا ہے اس لئے اسے استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (المختار)

906- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَلَعَ النَّجْمُ رُفِعَتِ الْعَاهَةُ عَنْ أَهْلِ كُلِّ بَلَدٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!! جب ثریا ستارہ طلوع ہوتا ہے تو ہر شہر سے آفت ہٹالی جاتی ہے۔

لغات: الْعَاهَةُ: گھبراہٹ، آفت۔

907- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ خَبَّابَ بْنَ الْأَرَتِّ كَوَى عَبْدَ اللهِ ابْنَهُ مِنَ الْفَرْسَةِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو گردن پر ہونے والے پھوڑے کے علاج کے لئے داغا تھا۔

لغات: كَوَى: داغنا، الْفَرْسَةِ: گردن کا پھوڑا۔

داغنے کے ذریعے علاج کرنا:

مذکورہ علاج کو عربی میں "کیّ" کہتے ہیں جس کا اردو ترجمہ ہے: "داغنا"۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض روایات میں ممانعت بھی منقول ہے اور بعض احادیث مبارکہ میں اس کی اجازت اور اس علاج کو اختیار کرنے کا ذکر بھی آتا ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر دیگر اسباب کے ذریعہ مرض کا علاج ممکن ہو تو "داغنے" سے احتراز کیا جائے اور اگر کسی مرض کا علاج کسی اور ذریعے سے ممکن نہ ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ صرف "داغنے" سے ہی فائدہ ہوسکتا ہے اس صورت میں "داغنے" کی اجازت ہے، اس طرح دونوں احادیث میں تطبیق

ہوجاتی ہے۔ چنانچہ مشکوۃ شریف میں دونوں طرح کی احادیث مبارکہ کو جمع کیا گیا ہے۔

ممانعت اور جواز کی احادیث درج ذیل ہیں:۔

ممانعت کی حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شفا تین چیزوں میں ہے: پچھنے والی سینگی لگانے میں، یا شہد پینے میں خواہ خالص شہد پیا جائے یا پانی وغیرہ میں ملا کر پیا جائے اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔

اور اجازت کی حدیث درج ذیل ہے:

حدیثِ باب کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: کہ غزوہ احزاب (کہ جس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں) کے دن حضرت ابی کی رگ ہفت اندام پر تیر آ کر لگا (جس سے خون جاری ہوگیا) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو داغ دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخم کے منہ کو داغنے کا حکم فرمایا یا خود اپنے دست مبارک سے داغا تاکہ خون بند ہوجائے۔

دونوں طرح کی احادیث ذکر کرنے کے بعد مشکوۃ شریف کے شارح علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل تشریح اور تطبیق لکھی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکمل تفصیل ذیل میں درج کی جائے، ملاحظہ ہو: "سفر السعادۃ" کے مصنف کے مطابق علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تمام مادی (جسمانی) امراض کے علاج معالجہ کی طرف راہنمائی و اشارہ ہے کیونکہ مادی امراض یا تو دموی ہوتے ہیں یا صفراوی یا بلغمی ہوتے ہیں یا سوداوی۔

چنانچہ اگر کوئی مرض دموی یعنی فساد خون کی بنا پر ہوتا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو جسم سے باہر نکال دیا جائے جس کی صورت پچھنے لگوانا ہے اور باقی تینوں صورتوں میں مرض کا بہترین علاج اسہال ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد کے ذریعے اس طرف متوجہ کیا کہ اسہال کے لئے شہد ایک بہترین اور معتدل دوا کا کام دیتا ہے۔ نیز آگ سے داغنے کے ذریعے اس طرف اشارہ کیا کہ اگر مرض کی نوعیت ایسی ہو کہ طبیب و معالج اس کے علاج سے عاجز ہوجائیں تو پھر آگ سے داغا جائے کیونکہ جب کوئی مغلظ باغی ہوجاتی ہے اور اس کا مادہ منقطع نہیں ہوتا تو اس کے انقطاع کا واحد ذریعہ اس کو داغ دینا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "آخر الدواء الکی" یعنی آخری دوا داغنا ہے۔

رہی یہ بات کہ داغنا جب ایک علاج ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت کیوں فرمائی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب داغنے کو اتنی زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ مادہ مرض کا باعث ہے اس کے دفعیہ کے لئے داغنا یقینی ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں یہ مشہور تھا کہ "آخر الدواء الکی"۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلامی عقیدے کے سراسر خلاف ہے کیونکہ کوئی بھی علاج خواہ وہ کتنا ہی مجرب کیوں نہ ہو یقین کا درجہ نہیں رکھ سکتا، صرف ظاہری سبب اور ذریعہ ہی سمجھا جاسکتا ہے یقینی شفاء تو صرف اللہ جل جلالہ کے حکم پر موقوف ہے۔

حاصل یہ کہ کسی عضو کو داغنا یا جلانا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے اور طبیب حاذق یہ کہے کہ اس مرض کا آخری علاج داغنا ہی ہے تو پھر داغنا جائز ہوگا۔

بَابُ تَقْيِيدِ الْعِلْمِ

علم کی باتوں کو تحریر میں لانا!

908- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ الْكِتَابَ ثُمَّ حَسَّنَهَا. قَالَ حَمَّادٌ: وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ يَكْتُبُهَا بَعْدَهُ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ پہلے وہ لکھنا ناپسند کرتے تھے پھر اس کو اچھا سمجھنے لگے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس کے بعد حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

عہد رسالت میں کتابتِ حدیث:

ابتداء اسلام میں احادیث کی کتابت سے روکا گیا تھا، اس میں مصلحت یہ تھی کہ حدیث وقرآن میں التباس نہ ہو جائے اور ساتھ ہی اس زمانے کے لوگوں کا حافظہ بھی بہت قوی تھا، لیکن بعد میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض حضرات کو احادیث لکھوا کر دی، بعض کو لکھنے کی اجازت دی اور بعض کو یاد کرنے کے لئے لکھنے سے استعانت کی ترغیب دی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بعض حضرات نے صحیفے لکھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہت سے حضرات نے احادیث لکھیں، اس لئے ممانعت وقتی تھی، عربی مقولہ ہے: "العلمُ صيدٌ و الكتابةُ قيدٌ" یعنی علم ایک شکار ہے اور اس کو بند کرنے کا طریقہ کتابت ہے لہٰذا کتابت علم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (المختار)

بَابُ الذِّمِّي يُسَلِّمُ عَلَى الْمُسْلِمِ أَيَرُدُّ السَّلَامَ؟

مسلمان کا ذمی کے سلام کا جواب دینا!

909- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَحِبَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُفَارِقَهُ قَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ، قَالَ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ قَالَ مُحَمَّدٌ: نَكْرَهُ أَنْ يَبْدَأَ الْمُسْلِمُ الْمُشْرِكَ بِالسَّلَامِ وَلَا بَأْسَ بِالرَّدِّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت ہیثم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (سفر میں) ایک ذمی کے ساتھ ہوئے، جب اس نے جدا ہونے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا "السلام علیك" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "وعلیك السلام"۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم مشرک کو سلام میں پہل کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، اور اس کو سلام کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا

قول بھی یہی ہے۔

کافر کو سلام کرنا:

غیر مسلم کو ابتداء سلام کے ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں ہے جو اہلِ اسلام اور اہلِ جنت کا تحیہ ہے، یعنی مخاطب کو متعین کر کے اسے سلامتی کی دعا دینا اور "السلام علیکم" کہنا۔

البتہ اگر غیر مسلم سلام میں پہل کرے تو اسے سلام کا جواب دے دینا چاہیے، لیکن جواب میں "وعلیکم السلام" پورا نہیں کہا جائے، بلکہ صرف "وعلیک" کہنے پر اکتفا کیا جائے، اور اگر غیر مسلم کو ابتداءً سلام کرنا پڑے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں اس کا حل بھی موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم حکمرانوں کو والا نامے ارسال فرمائے تھے ان کی ابتدا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی" کے الفاظ تحریر فرمائے، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ عمومی اَحوال میں غیر مسلموں کو ابتداءً سلام نہ کیا جائے، ہاں اگر کسی موقع پر اس کی ضرورت ہو تو مخاطب کو متعین کیے بغیر عمومی الفاظ میں سلام کے الفاظ کہے جائیں جیسے "اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"، یعنی اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔

لہٰذا ضرورت کے مواقع پر ابتداء ان الفاظ سے سلام کرنے کی اجازت ہے، نیز جس مجمع میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان بھی موجود ہوں (خواہ ایک ہی مسلمان ہو) تو ان مسلمانوں کی نیت سے مجمع کو سلام کرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) (412/6)

بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا بیان!

910۔ مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ أَبِي النَّجُودِ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَذَلِكَ أَنَّ الشَّمْسَ تُصْبِحُ صَبِيحَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ كَأَنَّهَا طَسْتٌ تَرَقْرَقُ.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شب قدر ستائیسویں رات ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس رات کے بعد آنے والی صبح سورج کی شعائیں نہیں ہوتیں گویا وہ ایک پلیٹ ہے جو حرکت کر رہی ہے۔ (یہ ان کے مشاہدے کے مطابق ہے ورنہ لیلۃ القدر کو مخفی رکھا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم دیا ہے)

لغات: طَسْتٌ: جمع طسوت، ہاتھ دھونے کا تانبے کا برتن، تَرَقْرُقُ: گھومنا، پانی چھڑکنا، از تفعلل۔

بَابُ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَلْبَسَهُ اللهُ رِدَاءَهُ وَارْحَمُوا الضَّعِيفَيْنِ الْمَرْأَةَ وَالصَّبِيَّ

جو جیسا عمل کرتا ہے اللہ اس کو اس کی چادر پہنا دیتا ہے اور دو کمزوروں عورت اور بچے پر رحم کرو!

911 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَسِرُّوا مَا شِئْتُمْ وَأَعْلِنُوا مَا شِئْتُمْ مَا مِنْ عَبْدٍ يُسِرُّ شَيْئًا إِلَّا أَلْبَسَهُ اللهُ رِدَاءَهُ.

ترجمہ: حضرت ابرہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم جو چاہو چھپا لو اور جو چاہو ظاہر کرو، بندہ جو بھی چیز چھپاتا ہے اللہ اسے اسکے اعمال کی چادر پہنا دیتا ہے۔

تشریح:

یعنی اللہ جل جلالہ دل کے بھید کو جاننے والے ہیں انسان جو چاہے دل میں چھپائے یا زبان سے ظاہر کرے عالم الغیب پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے، جیسا کرو گے جو نیت ہوگی اللہ جل جلالہ اس کے مطابق بدلہ دیں گے، نیت اچھی ہوئی تو صالحین میں لکھ دیں گے اس کا پرتو تم پر ظاہر ہوگا اور اگر دل میں چھپا ہوا کچھ اور ہو اور ظاہر کچھ کرو تو اللہ جل جلالہ تمہیں اس کی چادر اٹھا دیں گے اور تمہاری حقیقت ظاہر فرما دیں گے۔ (المختار)

912 - مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْخٌ لَنَا يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِرْحَمُوا الضَّعِيفَيْنِ: الصَّبِيَّ وَالْمَرْأَةَ.

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم سے ہمارے ایک شیخ نے مرفوع حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو کمزوروں پر رحم کرو، یعنی بچے اور عورت پر۔

تشریح:

عورت کو شیشے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے ساتھ نرمی کا حکم دیا گیا ہے، انہیں مردوں کا معاون اور مونس وغمگسار بنایا گیا ہے، ماتحت بنایا گیا ہے لہذا ان کو باندی اور غلام مت سمجھ، ان کو انسان سمجھو ان کو اپنا شریک حیات سمجھو، ان پر ظلم نہ کرو، ان کے حقوق ادا کرو اور ان پر رحم کھاؤ، بچہ آپ کی توجہ دیکھ بھال اور نرمی کا طالب ہوتا ہے، ناسمجھ اور بے عقل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی غلطیوں سے درگذر کریں، اس کی دنیا و آخرت بنانے کی فکر کریں، اس سے تنگ دل اور آزردہ خاطر نہ ہوں۔ (المختار)

بَابُ الْإِمَارَةِ وَمَنِ اسْتَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً عُمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ

حکومت اور جس شخص نے کوئی اچھی سنت چھوڑی جس پر بعد میں عمل کیا جاتا رہا!

913- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: ثَلَاثَةٌ يُؤَجَّرُ فِيهِمُ الْمَيِّتُ بَعْدَ مَوْتِهِ: وَلَدٌ يَدْعُو لَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ فَهُوَ يُؤَجَّرُ فِي دُعَائِهِ وَرَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا يَعْمَلُ بِهِ وَيُعَلِّمُهُ النَّاسَ فَهُوَ يُؤَجَّرُ عَلَى مَا عُمِلَ بِهِ أَوْ عُلِمَ وَرَجُلٌ تَرَكَ أَرْضَ صَدَقَةٍ.

ترجمہ: ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تین نیکیاں ایسی ہیں کہ جس کا اجر مرنے والے کو اس کے مرنے بعد بھی ملتا رہتا ہے، وہ اولاد جو انسان کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے، پس اسے ان کی دعاؤں کا اجر ملتا رہتا ہے، اور وہ شخص جو علم سکھائے اور اس علم پر عمل کیا جاتا رہے اور لوگ اس علم کو آگے سکھائیں، پس اسے اس عمل پر عمل کرنے اور اسے آگے سکھانے کا ثواب ملتا رہتا ہے، اور وہ شخص جو کوئی زمین صدقہ کے طور پر چھوڑ جائے۔

صدقہ جاریہ کے تین اعمال:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے کہ مرنے کے بعد بھی ان کا اجر اس کے اعمال نامے میں لکھا جاتا رہتا ہے، صدقہ جاریہ مثلاً کوئی زمین مکان یا اور کوئی چیز وقف کی جائے یا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں چاہے کتابوں کی شکل میں ہو، تصنیف و تالیف کے ذریعہ ہو یا اساتذہ و مدرسین اور شاگردوں کے ذریعہ ہو۔ اور وہ ایک بچہ جو اس کے لئے دعا کرے خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جو اپنے لئے صدقہ جاریہ بنا کر جاتی ہیں، جو اپنے لئے دعا کرنے والے چھوڑ کر جاتے ہیں، جو اپنے پیچھے ایسے اعمال صالح کرنے والے چھوڑتے ہیں جو فوج کی فوج تیار کریں، جو نیک کاموں میں لوگوں کے لئے نمونہ، مثال اور مقتدی بنتے ہیں۔ (المختار)

914- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي غَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّ الْإِمَارَةَ أَمَانَةٌ وَهِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا ثُمَّ أَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا وَأَنَّى لَهُ ذٰلِكَ يَا أَبَا ذَر؟.

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوذر بے شک حکومت امانت ہے اور قیامت کے دن یہ ذلت اور ندامت کا باعث ہوگی البتہ جو شخص اس سے اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے پھر اس سلسلے میں عائد ذمہ داری کو پورا کرے اور اسے ابوذر! یہ کہاں ہو سکتا ہے۔

امارت وحکومت طلب کرنا:

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ امارت وحکومت کا سوال مت کرنا اس لئے کہ اگر تمہیں حکومت طلب کرنے کے بعد ملے گی تو تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

نصرت خداوندی تمہارے ساتھ نہ ہوگی اس لئے کہ تم نے خود اسی کا مطالبہ کیا تھا، لیکن اگر تمہارے مطالبہ کے بغیر وہ تمہیں دے دی جائے تو تمہاری امداد کی جائے گی اور اپنے آپ کو کمزور سمجھو گے تو توفیق خداوندی تمہارے ساتھ شامل حال ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ تم امارت کے حریص ہو، امارت قیامت کے دن ندامت کا ذریعہ ہوگی۔ جب یہ ملتی ہے اس وقت دودھ پلانے والی کی طرح بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن جب موت کی وجہ سے چھنتی ہے یا معزول کر دیا جاتا ہے اس وقت دودھ چھڑانے والی کی طرح بڑی بری معلوم ہوتی ہے لہذا عقلمند کو چند دنوں کی لذت کی خاطر ہمیشہ کی ندامت وحسرت مول نہیں لینا چاہیے۔

امارت میں لوگوں کے حقوق کا خیال رکھنا پڑتا ہے، فرائض وذمہ داریوں کی ادائیگی، ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا سخت مشکل کام ہوتا ہے، خدا کے یہاں جب حساب کتاب ہوگا اور حقوق کی ادائیگی نہ کرنے پر جب عقاب نازل ہوگا اس وقت اسی کے قبول کرنے پر سخت ندامت ہوگی۔ (المختار)

915- مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: البَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْكَلِمِ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مصیبت بولنے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے"۔

فضول ولایعنی کلام کی ممانعت:

انسان کو بلاضرورت بات نہیں کرنا چاہیے، سوچ سمجھ کر ضرورت کے مطابق بات کرے اس لئے کہ ذراسی بات کی وجہ سے دنیا میں بڑا فتنہ کھڑا ہوجاتا ہے اور ذراسی بات کی وجہ سے آخرت میں سخت گرفت کا سامنا ہوتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ زبان کا جسم چھوٹا سا ہے لیکن جرم بہت بڑا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"انسان جو بات بھی کرتا ہے وہ چار حالتوں سے خالی نہیں یا تو وہ بات شر ہی شر ہے، برائی ہے یا وہ خیر ہی خیر ہے، یعنی اچھی باتیں ہیں یا اس بات میں خیر اور شر دونوں ہیں یا اس بات میں نہ تو خیر ہے نہ شر، محض فضول ہے، پہلی حالت میں یقینا خاموش رہنا ہی ضروری ہے، دوسری حالت میں بولنا بہتر ہے، تیسری حالت میں جب انسان کا کلام خیر اور شر پر مشتمل ہو تو شر کے پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت بھی خاموشی بہتر ہے اور جب کلام نہ خیر ہو نہ شر تو ایسی فضول بات کرنے سے بہتر ہے کہ انسان خاموش رہے۔"

معلوم ہوا کہ انسان کے کلام کی چار حالتوں میں صرف ایک حالت میں کلام ضروری ہے اور باقی تین حالتوں میں خاموشی ضروری ہے۔

زبان انسان کو اکثر شرمندہ کرتی ہے، کئی مرتبہ انسان کوئی بات منھ سے نکال کر اس پر نادم ہوتا ہے، جب کہ خاموشی کی عادت اور سوچ کر بولنے کی صفت انسان کو شرمندگی سے بچائے رکھتی ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

ما إن ندمت على السكوت مرة　　　ولقد ندمت على الكلام مرارًا

”یعنی میں کبھی بھی خاموش رہنے کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہوا، جب کہ بولنے کی وجہ سے میں کئی مرتبہ شرمندہ ہوا ہوں۔“